اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ خَالِقِ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰت

کہ

جلد ہفتم

از کتاب لاجواب مفیدِ شیخ و شاب مسمّٰی بہ

مراٰۃ المناجیح

اردو ترجمہ و شرح

مشکوٰۃ المصابیح

تاریخی نام

ذو المرات

مصنف حضرت حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ گجرات

صاحبزادہ اقتدار احمد خاں مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كِتَابُ الرِّقَاقِ۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعْمَتَانِ مَغْبُوْنٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ۔ وَعَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَاللّٰهِ مَا الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مِثْلَ

دل کو نرم کردینے والی باتوں کا بیان [۱] پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو نعمتیں ہیں جن میں بہت لوگ گھاٹے میں ہیں، تندرستی اور فراغت [۲] (بخاری)، روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے [۳] فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا، کہ اللہ کی قسم نہیں ہے دنیا آخرت کے مقابل مگر ایسی جیسے

[۱] رقاق جمع ہے رقیق کی بمعنی نرم و پتلی چیز جیسے صغیر کی جمع صغار، کبیر کی جمع کبار، اور کریم کی جمع کرام، اور رقیقہ کی جمع رقائق آتی ہے، جیسے دقیقہ اور حقیقہ کی جمع دقائق اور حقائق ہے، اس کا مقابل ہے غلیظ، یہاں رقاق سے مراد حضور کے وہ کلمات طیبہ جو تا قیامت مسلمانوں کے دل نرم کردیں، جیسے لوہا نرم ہو کر اوزار اور سونا نرم ہو کر زیور، اور مٹی نرم ہو کر کھیت یا باغ، آٹا نرم ہو کر روٹی وغیرہ بنتے ہیں، ایسے ہی انسان دل کا نرم ہو کر ولی، صوفی، عارف وغیرہ بنتا ہے، دل کی نرمی اللہ کی بڑی نعمت ہے، یہ نرمی دل بزرگوں کی صحبت اور ان کے پاک کلمات سے نصیب ہوتی ہے۔ [۲] یعنی تندرستی اور عبادت کے لئے موقعہ مل جانا اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں، مگر تھوڑے لوگ ہی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اکثر لوگ انہیں دنیا کمانے میں صرف کرتے ہیں، حالانکہ دنیا کی حقیقت یہ ہے کہ محنت سے جوڑنا مشقت سے اس کی حفاظت کرنا، حسرت سے چھوڑنا۔ خیال رہے کہ فراغت اور بیکاری میں فرق ہے فراغت اچھی چیز ہے، بیکاری بری چیز۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی لوگ کسی چیز پر حسرت نہ کریں گے سوائے ان ساعتوں کے جو انہوں نے دنیا میں اللہ کے ذکر کے بغیر صرف کردیں۔ (مرقاۃ)

[۳] آپ بہت کم سن صحابی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بالکل نو عمر تھے، مگر حضور صلعم کا کلام شریف یاد رکھا۔ روایت کیا مصر میں قیام رہا۔ (اکمال۔ اشعہ)

مَا يَجْعَلُ اَحَدُكُمْ اِصْبَعَهٗ فِى الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ يَرْجِعُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰى اَسَكَّ مَيِّتٍ قَالَ اَيُّكُمْ يُحِبُّ اَنْ هٰذَا لَهٗ بِدِرْهَمٍ فَقَالُوْا مَا نُحِبُّ اَنَّهٗ لَنَا بِشَىْءٍ قَالَ فَوَاللّٰهِ لَلدُّنْيَا اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ

تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈالے، پھر دیکھے کہ انگلی کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے[۱] (مسلم) روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بھیڑ کے مرے بچے پر گزرے، تو فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ پسند کریگا کہ یہ اُسے ایک درہم کے عوض ملے ؟[۲] صحابہ نے عرض کیا، ہم نہیں چاہتے کہ یہ ہمیں کسی بھی چیز کے عوض ملے، تو فرمایا اللہ کی قسم! دنیا اللہ کو اس سے زیادہ ذلیل ہے، جیسی یہ تمہارے نزدیک[۳] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دُنیا مومن کا قید خانہ ہے، اور

[۱] یہ بھی فقط سمجھانے کے لئے ہے، ورنہ فانی اور متناہی کو باقی غیر فانی غیر متناہی سے وہ نسبت بھی نہیں، جو بھیگی اونگلی کی تری کو سمندر سے ہے، خیال رہے کہ دنیا وہ ہے جو اللہ سے غافل کردے، عاقل عارف کی دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے، اُس کی دنیا بہت ہی عظیم ہے، غافل کی نماز بھی دنیا ہے، جو وہ نام نمود کے لئے کرتا ہے، عاقل کا کھانا، پینا، سونا، جاگن بلکہ جینا مرنا بھی دین ہے، کہ حضور کی سنت ہے، مسلمان اس لئے کھائے پیئے سوئے جاگے کہ یہ حضور کی سنتیں ہیں۔ حیاۃ الدنیا اور چیز ہے، حیوۃ فی الدنیا اور حیاۃ للدنیا کچھ اور، یعنی دنیا کی زندگی، دنیا میں زندگی، دنیا کے لئے زندگی، جو زندگی دنیا میں ہو، مگر آخرت کے لئے ہو، دنیا کے لئے نہ ہو وہ مبارک ہے۔ مولانا فرماتے ہیں، شعر:۔

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

کشتی دریا میں رہے تو نجات ہے، اور اگر دریا کشتی میں آجاوے تو ہلاک ہے، مومن کا دل مال و اولاد میں رہنا چاہیئے مگر دل میں اللہ و رسول کے سوا کچھ نہ رہنا ضروری ہے۔ [۲] یعنی بکری کا مردار بچہ کوئی چار آنے میں بھی نہیں خریدتا، کہ اسکی کھال بیکار اور گوشت وغیرہ حرام ہے، اسے کون خریدے [۳] دنیا کے معنی ابھی عرض کر دیئے گئے، وہ یاد رکھے جاویں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیادار کو تمام جہان کے مرشد ہدایت نہیں دے سکتے، تارک الدنیا دیندار کو سارے شیاطین ملکر گمراہ نہیں کر سکتے، دنیا دار دینی کام بھی کرتا ہے تو دنیا کے لئے، اور دیندار دنیاوی کام بھی کرتا ہے تو دین کے لئے۔

جَنَّةُ الْكَافِرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطٰى بِهَا فِى الدُّنْيَا وَيُجْزٰى بِهَا فِى الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِى الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا اَفْضٰى اِلَى الْاٰخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ يُجْزٰى بِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجِبَتِ

کافر کی جنت ہے[1] (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی کسی مومن پر کسی نیکی میں ظلم نہیں کرتا ہے، اس کا عوض دنیا میں دیا جاتا ہے، اور اس کے عوض آخرت میں جزا دیا جاوے گا[2] رہا کافر تو وہ دُنیا میں اپنے نیکیوں کے عوض جو وہ کرے کھلا دیا جاتا ہے، حتی کہ جب آخرت تک پہونچتا ہے تو اس کے پاس کوئی نیکی نہیں ہوتی، جس کی جزا اُسے دی جاوے[3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ آگ خواہشات سے گھیر

[1] یعنی مومن دنیا میں کتنا ہی آرام میں ہو، مگر اُس کے لیے آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیا جیل خانہ ہے، جس میں وہ دل نہیں لگاتا، جیل اگرچہ اے کلاس ہو، پھر بھی جیل ہے، اور کافر خواہ کتنے ہی تکالیف میں ہوں، مگر آخرت کے عذاب کے مقابل اُس کے لئے دنیا باغ اور جنت ہے، وہ یہاں دل لگا کر رہتا ہے، لہذا حدیث شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض مومن دنیا میں آرام سے رہتے ہیں، اور بعض کافر تکلیف میں، ایک روایت میں ہے، کہ حضور انور نے فرمایا، اے ابوذر دنیا مومن کی جیل ہے اور قبر اس کے چھٹکارے کی جگہ، جنت اُس کے رہنے کا مقام ہے، اور دنیا کافر کے لئے جنت ہے، موت اُس کی پکڑ کا دن اور دوزخ اس کا ٹھکانا، (مرقات)[2] یعنی مومن کو اس کی نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی ملتا ہے، رب تعالٰی فرماتا ہے، "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب"۔ تقوی کی برکت سے ہر آفت سے نجات، رزق میں فراخی عزت و عظمت سب ملتی ہے، مگر یہاں کی چیزوں سے اُس کی آخرت کی جزا کم نہیں ہوتی، جیسے سرکاری ملازم کا بھتہ تنخواہ میں نہیں کٹتا، اور کافر کی دنیاوی تکالیف آخرت کے عذاب کو کم نہیں کرتیں، جیسے ملزم کی حوالات کا زمانہ جیل کی مدت میں نہیں کٹتا۔[3] یعنی کافر جو دنیا میں ہوا، دھوپ، غذا، پانی وغیرہ کھاپی لیتا ہے وہ اسکی نیکیوں کے حساب میں آجاتا ہے، جب آخرت میں پہنچے گا تو اُس کا حساب صاف ہو چکا ہوگا، وہاں کچھ نہ پائے گا، مومن دنیا میں قانون سے کھاتا پیتا ہے، آخرت میں محبت سے اجر پائیگا، قانون میں حساب ہے، محبت میں بے حسابی، ہوٹل میں کھانا حساب سے ملتا ہے، دعوت میں بغیر حساب کے کہ ہوٹل قانون کی جگہ دعوت محبت کا ظہور۔ یرزقون فیھا بغیر حساب، مومن کی دنیاوی تکالیف اُس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، حتی کہ بیماریاں

النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ وَحُجِبَتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اِلَّا عِنْدَ مُسْلِمٍ حُفَّتْ
بَدَلَ حُجِبَتْ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ
الدُّنْيَا وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ اِنْ اُعْطِيَ رَضِيَ وَاِنْ لَّمْ تُعْطَ
سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَاِذَا شِيْكَ فَلَا انْتَقَشَ طُوْبٰى لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ
فَرَسِهٖ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَشْعَثَ رَأْسُهٗ مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ وَاِنْ كَانَ

دی گئی ہے، اور جنت تکالیف سے [۱] گھیر دی گئی ہے [۲] (مسلم بخاری) مگر مسلم کے نزدیک بجائے حجبت کے حفت ہے۔ روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہلاک ہو جاوے دنیا کا بندہ، روپے پیسے کا بندہ، اور اعلیٰ کپڑوں کا بندہ [۳] کہ اگر اُسے دیا جاوے تو راضی رہے اور اگر نہ دیا جاوے تو ناراض ہو جاوے [۴] وہ ہلاک ہو جاوے، برباد ہو جاوے اور جب کانٹا لگے، تو نہ نکلے [۵] خوشخبری ہو اس بندے کو جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے ہو، اس کے بال پراگندہ ہوں، اُس کے قدم گرد آلود اگر

فکریں، رزق کی تنگی سب کفارات ہیں، ومن یعمل سوءًا یجز بہٖ کا یہی مطلب ہے (مرقات) [۱] یعنی دوزخ خود خطرناک ہے مگر اسکے راستہ میں بہت سے بناوٹی پھول باغات ہیں، دنیا کے گناہ، بدکاریاں جو بظاہر بڑی خوشنما ہیں، یہ دوزخ کا راستہ ہی تو ہیں۔ [۲] یعنی جنت بڑا باردار باغ ہے مگر اس کا راستہ خاردار ہے جسے طے کرنا نفس پر گراں ہے، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد شہادت جنت کا راستہ ہی تو ہیں، طاعات پر ہمیشگی، شہوات سے علیحدگی واقعی مشقت کی چیزیں ہیں، خیال رہے کہ یہاں شہوات سے مراد حرام خواہشیں ہیں، جیسے شراب، زنا، سرود حرام کھیل تماشے انہیں جائز شہوات داخل نہیں، اور مکارہ سے مراد عبادات کی اطاعات کی مشقتیں ہیں، لہذا اس میں خودکشی و مال برباد کرنا داخل نہیں (مرقاۃ) [۳] روپیہ پیسہ سے مراد عام مال ہے، چونکہ نقد سکہ عمومًا پیارا ہوتا ہے کہ اسکے ذریعہ ہر قسم کا مال حاصل کیا جاتا ہے اس لئے دینار و درہم کا ذکر فرمایا، خمیصہ یا تو نفیس چادر ہے یا فاخرہ لباس، یعنی جو ان چیزوں کی محبت میں گرفتار ہو کر اسکی نظر ان میں ایسی لگی ہو کہ اُسے کبھی آخرت یاد نہ آوے، [۴] یعنی اگر اُسے اللہ تعالیٰ دنیا دیدے تو خوش رہے اگر کبھی اُس پر تنگی آجاوے تو رب سے ناراض ہو جاوے کفریات بکنے لگے یا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا سلطان اسلام یا کوئی بھی اسے دنیا دیدے تو اُن سے راضی رہے، ورنہ اُن سے ناراض ہو جاوے، اس بندۂ نفس کا کوئی اعتبار نہیں، لسے جو چاہے دنیا کی عوض خرید لے، اسکی تائید اس آیت سے ہے فان اعطوا منہا رضوا وان لم یعطوا منہا اذا ہم یسخطون، [۵] یہ کلمات بددعا کے ہیں، کہ ایسا بندہ خدا کرے ہلاک نگوں سار ذلیل و خوار ہو جاوے، اور جب کسی مصیبت میں پھنسے تو کوئی اُسے نکالنے والا نہ ہو پھنسا ہی رہے (اشعہ) ممکن ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہو، یعنی ایسا آدمی ذلیل و خوار رہتا ہے مصیبت میں اُس کا کوئی غمخوار نہیں ہوتا۔

فِی الْحِرَاسَةِ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ وَاِنْ كَانَ فِی السَّاقَةِ كَانَ فِی السَّاقَةِ اِنِ اسْتَاْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ وَاِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ

وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِمَّا اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِیْ مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَيَاْتِی الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ

اگر پہرے میں ہو تو پہرے میں رہے، اور اگر لشکر کے پیچھے ہو تو پیچھے رہے [1] اگر اجازت مانگے تو اجازت نہ دی جاوے، اور اگر سفارش کرے تو قبول نہ کی جاوے [2] (بخاری) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بعد جن چیزوں سے تم پر خوف کرتا ہوں وہ دنیا کی تروتازگی دنیا کی زینت ہے جو تم پر کھول دی جاویگی، [3] تو ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ کیا خیر بھی شر لاتی ہے [4] تو حضور خاموش رہے

[1] یعنی ایسا غازی فی سبیل اللہ بے نفس ہمیشہ خوش و خرم رہے، کہ اس کا حاکم اُسے جہاں ڈیوٹی دیدے بخوشی منظور کرے کبھی عذر نہ کرے، اُس کے دل میں دنیاوی عزت و جاہ کی طلب نہ ہو۔ خیال رہے کہ اس جملہ میں شرط و جزا بظاہر یکساں معلوم ہوتی ہیں، مگر ہماری اس شرح سے معلوم ہوگیا کہ دونوں میں فرق موجود ہے، لہذا اس پر اعتراض نہیں ہے۔

[2] یعنی اس بے نفس غازی مجاہد کے پاس نہ مال کی فراوانی ہو، نہ عزت و جاہ دنیاوی کی لوگ اُس کی غربت کی وجہ اُسے اپنے گھر نہیں بلاتے، بلکہ نہیں آنے دیتے، اُس کی سادہ معمولی زندگی کی وجہ سے اُس کی سفارش نہیں قبول کرتے، اُس کے پاس بجز دل کے اخلاص اور طاعت الٰہی کے جذبے کے اور کچھ نہیں، وہ گدڑی میں لعل ہے، (مرقات)

[3] یعنی میری وفات کے بعد تم پر دنیا کی دولت، فتوحات، عزت و جاہ کے دروازے کھل جاویں گے، اُن کا مجھے خطرہ ہے، کہ کبھی تم اُن میں پھنس کر اللہ تعالٰی سے غافل نہ ہوجاؤ، غریبی میں خدا یاد رہتا ہے اور امیری میں بھول جاتا ہے

شعر:- باده نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است　　گر بدولت رسی ہشیار نشینی مردی

[4] یہ سوال بہت ہی گہرا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ مال و دولت، جاہ و حشمت شر ہوگی یا خیر، اگر شر ہوگی تو رب تعالٰی آپ کی اُمت کو کیوں دے گا، آپ کی اُمت تو مرحومہ ہے، اور اگر خیر ہوگی، تو اُس سے یہ شر کیسے پیدا ہوگی، خیر تو خیر ہی کا ذریعہ ہوتی ہے، نہ کہ شر کا، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اندیشہ کیوں فرماتے ہیں؟

حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ یُنْزَلُ عَلَیْہِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْہُ الرُّحَضَاءَ وَقَالَ اَیْنَ السَّائِلُ وَکَاَنَّہٗ حَمِدَہٗ فَقَالَ اِنَّہٗ لَا یَاْتِی الْخَیْرُ بِالشَّرِّ وَاِنَّ مِمَّا یُنْبِتُ الرَّبِیْعُ مَا یَقْتُلُ حَبَطًا اَوْ یُلِمُّ اِلَّا اٰکِلَۃَ الْخَضِرِ اَکَلَتْ حَتّٰی اِمْتَدَّتْ خَاصِرَتَاھَا اِسْتَقْبَلَتْ عَیْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَاَکَلَتْ وَ اِنَّ ھٰذَا الْمَالَ خَضِرَۃٌ حُلْوَۃٌ فَمَنْ اَخَذَہٗ بِحَقِّہٖ وَوَضَعَہٗ

حتی کہ ہم نے گمان کیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے[۱] فرماتے ہیں پھر حضور نے اپنے سے پسینہ پونچھا، اور فرمایا سائل کہاں ہے؟ غالبًا حضور نے اس کی تعریف فرمائی، پھر فرمایا کہ خیر شر کو نہیں لاتی ہے[۲] جیسے بہار اگاتی ہے اس میں سے بعض وہ ہے جو پیٹ پھلا کر ہلاک کر دیتی ہے یا بیمار کر دیتی ہے[۳] سوائے اس جانور کے جو سبزی کھائے، حتی کہ اس کی کوکھیں تن جاویں[۴] تو دھوپ میں آجائے تو لوٹے پوٹے پیشاب کرے، پھر لوٹ جاوے اور کھائے[۵] اور یقینًا یہ مال ہرا بھرا میٹھا ہے[۶] تو جو اسے اس کے حق سے لے اور اس کے حق میں خرچ

[۱] اس سائل کا سوال اتنا عمدہ تھا کہ اس کا جواب رب تعالٰی نے دیا، حضور پر وحی فرمایا، سوال بھی اعلٰی، سوال کرنے والا بھی شاندار۔ [۲] اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ غنیمتیں دولت و عزت وغیرہ خیر ہی ہوں گی، مگر اندیشہ یہ ہے کہ تم اس خیر کی غلط استعمال کرکے اپنے لیئے وبال بنالو، خیر ہمیشہ خیر ہی لاتی ہے، مگر اس کا غلط استعمال شر کا باعث ہو جاتا ہے، جب حضور انور پر وحی آتی تھی، تو پسینہ آجاتا تھا، اگرچہ سردی کا موسم ہوتا۔ [۳] یہ نہایت نفیس مثال ہے کہ جنگل کا سبزہ اللہ کی نعمت ہے، مگر جو گائے اسے ہوس کے ساتھ کھائے جائے بس ہی نہ کرے تو بیمار پڑ جاتی ہے، اسے اس سبزہ نے بیمار نہ کیا بلکہ اس کی ہوس نے اسے مصیبت میں ڈال دیا۔ یوں ہی جو شخص دنیا سے کبھی سیر نہ ہو، حرام و حلال میں تمیز نہ کرے، جو ملے قبضہ کرے، اللہ کی عبادت کے لیئے فارغ نہ ہو، ہر وقت دنیا طلبی میں سرگرداں رہے، ظاہر ہے کہ وہ ہلاک ہوگا۔ [۴] پیٹ کی دو کروٹوں کا تن جانا پیٹ بھر جانے کی علامت ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب اس کا پیٹ خوب بھر گیا۔ [۵] یعنی جب پہلا چارہ ہضم ہو جاوے تب دوبارہ کھائے یوں ہی مسلمان کو چاہیئے کہ حلال روزی حاصل کرے وہ بھی صبر و قناعت کے ساتھ کہ کچھ وقت روزی کمانے کے لیے رکھے کچھ وقت اللہ کی عبادت کے لیئے کمایا ہوا مال کچھ خود کھائے کچھ غرباء و فقراء کو کھلائے اسی لئے اسلام میں روزانہ پانچ نمازیں فرض فرمائیں اور مال میں زکوۃ۔ فطرہ۔ قربانی وغیرہ کا حکم دیا۔ نیز جو مسلمان گناہ کرے تو فورًا عنایت الٰہی کی دھوپ میں آئے توبہ کرے معافی چاہے آئندہ زندگی احتیاط سے گزارے یہ مثال بہت پہلو رکھتی ہے۔ [۶] کہ دیکھنے میں بھی اچھا لگتا ہے۔ برتنے میں بھی آرام دہ ہوتا ہے۔ اس لئے لوگ اس میں جلد پھنس جاتے ہیں تم احتیاط رکھو۔

فِی حَقِّهٖ فَنِعْمَ الْمَعُوْنَةُ هُوَ وَمَنْ اَخَذَهٗ بِغَیْرِ حَقِّهٖ کَانَ کَالَّذِیْ یَاْکُلُ وَلَا یَشْبَعُ وَیَکُوْنُ شَهِیْدًا عَلَیْهِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْهَا کَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِکَکُمْ

کرے[1] تو وہ اچھا مددگار ہے[2] اور جو ناحق لے[3] وہ اس کی طرح ہوگا جو کھائے اور سیر نہ ہو[4] یہ مال اس کے خلاف قیامت کے دن گواہ ہوگا[5] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت عمرو ابن عوف سے[6] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، خدا کی قسم! میں تم پر فقیری سے خوف نہیں کرتا، لیکن میں تم پر اس سے خوف کرتا ہوں کہ تم پر دنیا پھیلا دی جائے جیسے تم سے پہلے والوں پر پھیلا دی گئی تھی[7] تو تم اس میں رغبت کر جاؤ، جیسے وہ لوگ رغبت کر گئے، اور تمہیں

۱؎ یعنی مال اچھے راستہ سے آئے اچھے راستہ جائے، اگر چھت کا پانی پرنالے سے نہ نکالا جائے تو چھت پھاڑ کر گھر گرا دیتا ہے۔ ۲؎ یعنی ایسی دنیا دین کی مددگار ہے، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان غنی کی دولت، کہ اس سے ان بزرگوں نے جنت خرید لی، ایسی دولت اللہ کی رحمت ہے۔ ۳؎ اس طرح کہ حرام ذریعہ سے کمائے، جوا، سود، رشوت، چوری وغیرہ سے، اور حرام طرح سے جمع رکھے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے، نہ کھائے نہ کھانے دے، نہ کسی کو کھلائے، جمع کرکے چھوڑ جائے، یہ جمع حرام ہے۔ مشہور ہے کہ کنجوس کا مال اس کے مرنے کے بعد صندوق سے نکلتا ہے۔ ۴؎ یعنی جیسے جوع البقر بیماری والا آدمی کھائے جاتا ہے سیر نہیں ہوتا، حتی کہ کھاتے کھاتے مر جاتا ہے یہ ہی حال اس دنیادار کا ہے۔ ۵؎ یعنی اس کا یہ مال اس کے لئے وبال ہوگا، اس کی حرص و ہوس کی گواہی دے گا، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دولت سانپ ہے، اور دین اس کا تریاق، جس کے پاس دین ہو اس کے لئے دولت مفید ہے، بے دین کی دولت ہلاکت کا سبب ہے۔ اس حدیث سے اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ متقی مومن کا مال قیامت میں اس کے ایمان تقوٰی اور سخاوت کا گواہ ہوگا۔ ۶؎ آپ انصاری صحابی ہیں، بدر میں شریک ہوئے، مدینہ منورہ میں قیام رہا۔ ۷؎ یہ فرمان ایک بڑی حدیث کا ٹکڑا ہے، جو حضور انور نے صحابہ کرام کی مسکینیت دیکھ کر ارشاد فرمائی، یعنی تمہاری یہ فقیری عارضی ہے، عنقریب تم بہت غنی ہو جاؤ گے مگر فقیری خطرناک نہیں، امیری سے خطرہ ہے کہ اس میں فتنے بہت ہیں۔

كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا وَفِيْ رِوَايَةٍ كَفَافًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ كَفَافًا وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا اٰتَاهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

ویسے ہی ہلاک کردے جیسے انہیں ہلاک کردیا[1] (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، الٰہی محمد کے گھر والوں کی روزی بقدر ضرورت مقرر فرما[2] ایک روایت میں ہے کہ بقدر کفایت، (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ کامیاب ہوگیا جو مسلمان ہوا، اور بقدر کفایت رزق دیا گیا، اور اللہ نے اُسے دیئے ہوئے پر قناعت دی[3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

[1] حضور انور کا یہ فرمان حضرات صحابہ کو ڈرانے اور احتیاط برتنے کے لئے ہے، اللہ تعالٰی نے حضور کے صحابہ کو دنیا دی ناجائز رغبت اور ہلاکت یعنی کفر و طغیان سے محفوظ رکھا، وہ حضرات، بادشاہ و امیر ہو کر بھی دنیا میں پھنسے نہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کے پاس اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک ہی کُرتہ تھا جسے دھو دھو کر پہنتے تھے۔حضرت ابوبکر کے کفن کیلئے گھر میں کپڑا نہ تھا، پہنے ہوئے کپڑے دھو کر انہیں میں آپ کو کفن دیا گیا۔حضرت علی نے اپنے زمانۂ خلافت میں فرمایا کہ میں اپنی تلوار فروخت کرنا چاہتا ہوں، کہ آج گھر کا خرچ چلا سکوں، وہ حضرات امیری میں فقیری کرگئے۔رہیں اُنکی آپس کی جنگیں، وہ دنیا کے لئے نہ تھیں، دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر، لہذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حضرات بہک گئے ہوں[2] یہاں آل محمد سے مراد حضور کے خاص اُمتی ہیں جو قیامت تک ہوتے رہیں گے، لہذا حضور کی دُعا انکے حق میں قبول ہوئی، یہ نہیں کہا جاسکتا بہت سید بڑے امیر ہوتے ہیں، جمیع آل محمد نہیں فرمایا، دیکھو شرح مرقاۃ اس حدیث کی، کفاف بنا ہے کف سے بمعنی روکنا، اس سے مراد وہ مال ہے جو انسان کو سوال کرنے سے بچائے، بھیک سے روک لے یعنی بقدر ضرورت مالی ضرورت ہر شخص کی مختلف ہے لہذا کفاف بھی ہر شخص کا علیحدہ، اس فرمان عالی میں اُمت کو تعلیم ہے کہ بقدر ضرورت مال پر قناعت کریں، زیادتی کی ہوس میں ذلیل و خوار نہ ہوں (اشعہ)[3] یعنی جسے ایمان و تقوٰی بقدر ضرورت مال اور تھوڑے مال پر صبر یہ چار نعمتیں مل گئیں، اُس پر اللہ کا بڑا ہی کرم و فضل ہوگیا، وہ کامیاب رہا، اور دنیا سے کامیاب گیا۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْعَبْدُ مَالِيْ مَالِيْ وَاِنَّ مَا لَهٗ مِنْ مَّالِهٖ ثَلٰثٌ مَا اَكَلَ فَاَفْنٰى اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰى اَوْ اَعْطٰى فَاقْتَنٰى وَمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَهُوَ ذَاهِبٌ وَّ تَارِكُهٗ لِلنَّاسِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْبَعُ الْمَيِّتَ ثَلٰثَةٌ فَيَرْجِعُ اِثْنَانِ وَيَبْقٰى مَعَهٗ

وسلم نے کہ بندہ کہتا ہے، میرا مال، میرا مال [1] حالانکہ اس کے مال صرف تین ہیں [2] جو کھا کر ختم کردے، یا پہن کر گلادے، یا دے تو جمع کردے [3] جو ان کے علاوہ ہے وہ تو جانے والا ہے، اور وہ اُسے لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے [4] (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں [5] دو تو لوٹ آتی ہیں اور ایک اس کے ساتھ

[1] یعنی فخر و تکبر کے انداز میں لوگوں سے کہتا رہتا کہ یہ میرا مکان ہے یہ میری جائیداد ہے یہ میرا کنواں ہے یہ میرا فلاں مال ہے یہ برا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ یقین رکھے کہ میں اور میرا مال سب اللہ تعالٰی کی ملک ہے میرے پاس چند روزہ ہے عارضی ہے خیال رہے کہ جسے انسان اپنا مال کہے اس کا مال یعنی انجام نرا وبال ہے اور جو مال ذریعہ عبادت ہے وہ ذریعہ آمال ہے۔ جس سے صدہا امیدیں وابستہ ہیں۔

[2] یعنی جو مال انسان کے کام آویں وہ صرف تین ہیں ان کے علاوہ سب دوسروں کے کام آتے ہیں خیال رہے کہ اِنَّ مالہ میں ما موصول ہے اور لہٗ اس کا صلہ اور مِن مالہ میں مِن تبعیضیت کا ہے یعنی اس کے مال میں سے وہ جو اسے مفید ہو صرف تین ہیں۔

[3] اللہ تعالٰی کے بنک میں جہاں جمع کرنے سے بے شمار نفع ملتا ہے سبحان اللہ کیسی نفیس تعلیم ہے۔ دینے سے مراد راہ خدا میں دینا ہے خواہ بال بچوں کو دے یا عزیزوں یا غریبوں کو بشرطیکہ یہ دنیا ناموری کے لئے نہ ہو اللہ رسول کی خوشنودی کیلئے ہو۔

[4] ھو ذاھب میں ھو ضمیر بندے کی طرف لوٹتی ہے۔ ذاہب سے مراد مرنے والا یعنی ان تین مالوں کے سوا اور مالوں کا یہ حال ہے کہ بندہ مرجاتا ہے اور وہ مال دوسروں کے لیے رہ جاتا ہے جیسے زمین باغات۔ مکانات۔ نقدی۔ بنک بالنس وغیرہ اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ مال میں سے اللہ رسول کا حصّہ ضرور نکالتا رہے یہ مقصد نہیں کہ مکان جائیداد بنائے ہی نہیں اپنے بچوں کو فقیر کرکے چھوڑے یا یہ مقصد ہے کہ مال کی محبت دل میں نہ ہو دل خاص اللہ رسول کے لئے ہو۔ شعر

دل میں ہو یاد تیری گوشہ تنہائی ہو
پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں
انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

[5] یعنی بعد مرے قبر تک تین چیزیں ساتھ جاتی ہیں، دو بے وفا جو مردے کو چھوڑ کر لوٹ آتی ہیں۔ ایک وفادار جو ساتھ رہتی ہے۔

وَاحِدٌ يَتْبَعُهُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَعَمَلُهُ فَيَرْجِعُ اَهْلُهُ وَمَالُهُ وَيَبْقٰى عَمَلُهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّكُمْ مَالُ وَارِثِهٖ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا مَالُهٗ اَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَالِ وَارِثِهٖ قَالَ فَاِنَّ مَالَهٗ مَا قَدَّمَ وَمَالُ وَارِثِهٖ مَا اَخَّرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ مُطَرِّفٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ

رہ جاتی ہے اسکے ساتھ اس کے گھر والے ہیں، اُس کا مال اس کے اعمال جاتے ہیں[1] تو اس کے گھر والے اور مال لوٹ جاتے ہیں، اور اُس کے عمل ساتھ رہ جاتے ہیں[2] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں کون ہے، جسے اپنے وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو[3] صحابہ نے عرض کیا، یارسول اللہ ہم میں سے کوئی نہیں مگر اُسے اپنا مال ہی زیادہ پیارا ہے اپنے وارث کے مال سے، فرمایا تو اُس کا مال وہ ہے جو آگے بھیج دے، اور اُس کے وارث کا مال وہ ہے جو چھوڑ جائے[4] (بخاری) روایت ہے حضرت مطرف سے[5] وہ اپنے والد سے راوی فرماتے

[1] گھر والوں سے مراد بال بچے، عزیز و اقارب دوست آشنا جو دفن و نماز میں شرکت کرنے جاتے ہیں۔ مال سے مراد اس کے غلام باندیاں ہیں اعمال سے مراد سارے اچھے برے عمل ہیں جو میت نے اپنی زندگی میں کئے اعمال کے ساتھ جانے سے مراد ان کا میت کے ساتھ تعلق ہے۔ جو مرے بعد قائم رہتا ہے۔ لہذا حدیث شریف واضح ہے۔

[2] نیک اعمال جو قبول ہو گئے ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہیں برے اعمال شفاعت بخشش یا سزا بھگتنے تک چمٹے رہتے ہیں۔ ان چیزوں کے بعد پیچھا چھوڑتے ہیں۔ جس پر مولٰے رحم کرے، حضور جسے سنبھال لیں اس کا بیڑا پار ہے قبر اعمال کا صندوق ہے۔ یا دوزخ کی بھٹی ہے یا جنت کی کیاری اس لیے بزرگوں کی قبر کو روضہ کہتے ہیں یعنی جنت کا باغ۔

[3] یعنی کون چاہتا ہے کہ میرے پاس مال نہ ہو میرے عزیزوں کے پاس مال ہو وہ سب امیر ہوں میں فقیر کنگال ہوں اس فرمان کا یہ مقصد ہے (از خصہ) لہذا اس فرمان عالی کا پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض لوگوں کو دوسروں کا مال بڑا پسند ہوتا ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایسا کون ہے جو دوسروں کا مال ان کے لیے سنبھال کر رکھے اپنا مال برباد کرے یا برباد ہونے دے۔ [4] خلاصہ یہ ہے کہ مال جو دوسروں کا ہے اعمال اپنے ہیں جو مال خیرات کر دیا جائے وہ اعمال بن گیا اور جو جمع کر کے چھوڑ گیا وہ تیرا مال رہا۔ اور جس مال کی زکوٰۃ نہ دی وہ اپنے لیے وبال وارثوں کے لیے مال ہوا، خیال رہے کہ مال سے صدقات و خیرات کرتے رہنا پھر اللہ و رسول کی رضا کے لیے وارثوں کو غنی کرنے کیلئے مال چھوڑ جانا یہ

اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقْرَأُ اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ قَالَ يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ مَالِيْ مَالِيْ قَالَ وَهَلْ لَّكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ اِلَّا مَا اَكَلْتَ فَاَفْنَيْتَ اَوْ لَبِسْتَ فَاَبْلَيْتَ اَوْ تَصَدَّقْتَ فَاَمْضَيْتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ

ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا، حضور صلعم الھاکم التکاثر تلاوت کررہے تھے[1] فرمایا انسان کہتا ہے میرا مال، میرا مال، فرمایا اے انسان تیرا مال نہیں ہے، مگر جو تو کھا کر ختم کردے، یا پہن کر گلادے[2] یا خیرات کرکے آگے بڑھادے[3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امیری زیادہ مال و اسباب سے نہیں، لیکن امیری دل کی غنا سے ہے[4] (مسلم بخاری)

دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا

بھی عبادت ہے۔[5] آپ کا نام مطرف ابن عبداللہ ابن شخیر ہے۔ آپ تابعی ہیں آپ کے والد صحابی اہل بصرہ ہیں بڑے متقی عالم فقیہ تھے۔

[1] نماز کے علاوہ تلاوت تھی، آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگوں کو مال بڑھانے کی ہوس نے غافل کردیا۔ اسی فکر میں زندگی گزاری کہ ایک کے دو ہوں اور دو کے چار [2] اس طرح کہ کھانا کھا کر ہضم کرے کپڑا پہن کر اسے گلادے اگر بہت سے جوڑے بنا کر رکھے اور مرنے کے بعد چھوڑ گیا تو کپڑے بھی تیرے نہیں۔ دوسروں کے ہیں اس لیے جب اللہ نیا کپڑا اور نیا جوتہ دے تو فوراً استعمال شروع کردے ختم ہوجانے پر اللہ اور دے گا۔[3] قدم فرما کر اشارۃً ارشاد ہوا کہ اپنی زندگی تندرستی میں اپنے ہاتھ سے خیرات کرجائے یہ برا ہے کہ زندگی میں کنجوس رہے مرتے وقت وصیت کرے یا امید کرے کہ میرے وارث میری طرف سے صدقہ و خیرات کیا کریں گے یہ شیطانی دھوکہ ہے۔ شعر

توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جا دو جی	کون تیرے پیچھے قبر میں بھیجے گا سو جو تو بھی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے	فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے
اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہوسکے کرلے	اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے (اعلیحضرت)

[4] دل کی غنا سے مراد قناعت و صبر و رضا بر قضا ہے۔ حریص مالدار فقیر ہے قناعت والا غریب امیر ہے۔ شعر

تونگری نہ بمال است نزد اہل کمال	کہ مال تا لب گور است بعد ازاں اعمال

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ ھٰؤُلَآءِ الْکَلِمٰتِ فَیَعْمَلُ بِھِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِھِنَّ قُلْتُ اَنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغْنَی النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِکَ تَکُنْ مُؤْمِنًا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون ہے جو مجھ سے یہ چند باتیں لے لے پھر اُن پر عمل کرے، یا اُسے سکھا دے جو اُن پر عمل کرے ۱؎ میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں ہوں، تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑا، پھر پانچ چیزیں گنیں ۲؎ فرمایا حرام چیزوں سے بچو، تمام لوگوں میں بڑے عابد ہو جاؤ گے ۳؎ اور اللہ نے جو تمہاری قسمت کر دیا اُس پر راضی رہو، لوگوں سے غنی ہو جاؤ گے ۴؎ اور اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرو، کہ مومن ہو

ہو سکتا ہے کہ غنی نفس سے مراد کمالات روحانیہ ہوں کہ اس کی برکت سے دولت مند اس کے دروازہ کی خاک چاٹتے ہیں دیکھ لو داتا گنج بخش اور خواجہ اجمیری کے آستانے رضی اللہ عنہما مطلب یہ ہے کہ غنی وہ ہے جس کو نفس غنا نفس کا کمال حاصل ہو حضرت علی فرماتے ہیں۔ شعر

رضینا قسمۃ الجبار فینا ؎ لنا علم وللجہال مال

فان المال یفنی عنقریب ؎ وان العلم باق لا یزال

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ علم دین بہر حال اعلیٰ نعمت ہے اگر عمل بھی نصیب ہو جائے تو سبحان اللہ بغیر عمل بھی علم نعمت ضرور ہے نیز بے عمل عالم پر تبلیغ ضروری ہے اور اسے تبلیغ کا ثواب ضرور ملے گا کیونکہ فرمایا گیا کہ ان باتوں پر یا عمل کرے یا عاملین کو پہنچائے (اشعہ) ہو سکتا ہے کہ او بمعنی بَل ہو یعنی خود عمل کرے بلکہ عمل کرنے والوں کو پہنچا بھی دے (مرقات) ۲؎ یا میری انگلیاں شمار فرمائیں یا انگلیوں پہ یہ باتیں شمار فرمائیں، چونکہ یہ پانچوں باتیں ترتیب وار ہیں کہ بعض بعض سے پہلے ہیں۔ اس لئے ترتیب وار انگلیوں پر گنائیں۔ ۳؎ حرام چیزوں حرام کاموں سے بچنا تقویٰ کا پہلا درجہ ہے اس لیے حضور انور نے اسے پہلے بیان فرمایا۔ آجکل لوگ بہت ورد وظیفے نوافل کو ہی تقویٰ سمجھتے ہیں ان پر عامل ہوتے ہیں مگر جھوٹ۔ غیبت دوسروں کا حق دبانے سے پرہیز نہیں کرتے سخت غلطی کرتے ہیں پہلے جسم و کپڑے ناپاکیوں سے پاک کرو پھر نماز پڑھو۔ برائیوں سے بچنا بڑی عبادت ہے۔ ۴؎ اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ ترقی کی کوشش نہ کرو ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہو بلکہ مقصد یہ ہے نہ تو دوسروں پر حسد کرو نہ دنیاوی عروج نہ ملنے پر کف افسوس ملا کرو نہ رب تعالیٰ کی شکایت کرو کہ فلاں کو اتنا دیا ہم کو کم حضور غوث الثقلین سید شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں تیری بھاگ دوڑ سے مقسوم سے زیادہ نہ ملے گا اور تیری قناعت کی وجہ سے کم نہ ملے گا اس لیے راضی برضا رہو۔ (مرقات) امام ابوالحسن خازنی فرماتے ہیں کہ دو چیزوں سے مایوس ہو جاؤ آرام سے رہو گے ایک یہ

وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضَّحِكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۞ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ تَفَرَّغْ لِعِبَادَتِيْ اَمْلَاْ صَدْرَكَ غِنًى وَاَسُدُّ فَقْرَكَ وَاِنْ لَّا تَفْعَلْ مَلَاْتُ يَدَكَ شُغْلًا وَلَمْ

جاؤ گے [1] اور لوگوں کے لیے وہ ہی چاہو، جو اپنے لیے چاہتے ہو، مسلمان ہو جاؤ گے [2] اور زیادہ ہنسو نہیں، کیونکہ زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے [3] (احمد، ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے [4] روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے انسان تو میری عبادت کے لیے فارغ ہو جا، میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا۔ اور تیری غریبی دور کر دوں گا [5] اور اگر تو یہ نہ کرے گا [6] تو تیرا ہاتھ کام کاج سے بھر دوں گا، اور تیری

کہ تم کو دوسروں کے نصیب کی چیز ملے جاوے گی دوسرے یہ کہ تمہیں تمہارے نصیب سے زیادہ مل جاوے گا۔ (مرقات)

[1] یعنی اگر تمہارا پڑوسی تم سے برائی بھی کرے مگر تم اس سے بھلائی کرو تو مومن کامل ہو جاؤ گے حضور فرماتے ہیں۔ کہ انسان اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی شرارت وفتنوں سے محفوظ نہ ہو جاوے اسے امان نہ ہو جائے۔

[2] یہاں اسلام علاوہ ایمان کے اور صفت ہے یعنی تم جیسے اپنا بھلا چاہتے ہو ویسے ہی دوسروں کا بھلا چاہو اور جیسے برتاوا اپنے ساتھ چاہتے ہو ویسا ہی برتاوا تم دوسروں کے ساتھ کرو جو بات اپنے لیے ناپسند کرتے ہو وہ دوسروں کے ساتھ نہ کرو تو تم سلم یعنی سلامتی والے مسلمان بن جاؤ گے۔ [3] یہاں ہنسنے سے مراد ٹھٹھہ مار کر ہنسنا ہے اور دل کی موت سے مراد غفلت ہے یعنی زیادہ وقت ہنسی قہقہہ میں گزارنا دل میں غفلت پیدا کرتا ہے۔ خیال رہے کہ مسکرانا اچھی چیز ہے قہقہہ بری چیز۔ تبسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی جب کسی سے ملو مسکرا کر ملو۔ شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں　　اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

[4] اسکی اسناد یوں حسن عن ابی ہریرہ ہے اور خواجہ حسن نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پایا نہیں مگر ایک اسناد عن مکحول عن واثلہ ابن اسقع ہے وہ اسناد متصل قوی نیز یہ حدیث بہت سی اسنادوں سے مروی ہے لہذا یہ حدیث حسن ہے اور اگر ضعیف بھی ہو تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف قبول ہے (مرقات) [5] یعنی تو اپنا دل میری عبادت و اطاعت کیلیے خالی رکھ دست بکار دل بیار پر عمل کر فراغت مل کے یہی معنی ہیں یہ مطلب نہیں کہ دنیا کا کاروبار نہ کر خود بھی بعد کے مرد بچوں کو بھی مار دل کی دنیا دوسری ہے اگر اس پر عمل نصیب ہو گا تو انشاء اللہ کمائی میں برکت

اَسُدُّ فَقْرَكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ. وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ وَذُكِرَ اٰخَرُ بِرِعَةٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَعْدِلْ بِالرِّعَةِ يَعْنِي الْوَرَعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَعَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُوْنِ الْاَوْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَّهُوَ يَعِظُهٗ اِغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ وَغِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ

فقیری بند نہ کردں گا ؂۱ (احمد، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت جابر سے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی کی عبادت و مشقت کا ذکر ہوا، اور دُوسرے کے تقوٰی کا، ؂۲ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبادت تقوٰی کے برابر نہیں ہوسکتی، یعنی پرہیزگاری کے ؂۳ (ترمذی) روایت ہے حضرت عمرو ابن میمون اودی سے ؂۴ فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، بڑھاپے سے پہلے جوانی کو، بیماری سے پہلے تندرستی کو، فقیری سے پہلے غنا کو،

دل میں فراغت حاصل ہوگی۔ ؂۵ اسطرح کہ اپنا دل دنیا میں لگا دے گا کبھی آخرت کی طرف مائل نہ ہوگا تو اسکا انجام وہ ہے جو حضور فرما رہے ہیں ؂۱ یعنی اگر تو نے اپنے کو دنیا کی فکروں میں ہی لگا دیا تیرے دل میں دنیا اتر گئی تو تو کام کرے گا۔ زیادہ فکر کرے گا زیادہ ملے گا وہی جو تیرے مقدر میں ہے تو مالدار ہوکر بھی فقیری رہے گا دل کا چین اللہ کی بڑی نعمت ہے یہ اس کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے حضرت ابن عباس سے مرفوعًا روایت ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ملک، مال، علم پیش فرمائے گئے تو آپ نے علم اختیار فرمایا رب نے علم کی برکت سے انہیں ملک و دولت بھی عطا فرمائے (مرقات) اللہ سے آخرت مانگو دنیا خود بخود مل جاوے گی کسان دانہ کے لیے کاشت کرتا ہے بھوسا خود ہی مل جاتا ہے بندہ مومن کو روزی بے گمان ملتی ہے۔ ؂۲ تقوٰے سے مراد گناہوں سے بچنا ہے یعنی عرض کیا گیا کہ فلاں شخص نفل عبادات بہت کرتا ہے مگر گناہوں میں احتیاط کم کرتا ہے اور دوسرا آدمی نوافل کم ادا کرتا ہے مگر گناہوں سے بہت بچتا ہے حتی کہ شبہات سے بھی بھاگتا ہے ان میں افضل کون ہے ؂۳ لاتعدل یا تو نہی مخاطب ہے یا نفی مؤنث غائب یعنی نوافل کو تقوٰے کے برابر نہ کرو یا نوافل تقوٰے کے برابر نہیں ہوسکتے خیال رہے کہ تقوٰے کے تین درجے ہیں تقوٰے عوام محرمات شرعیہ سے بچنا تقوٰے خواص کا یعنی شبہات سے بچنا اور تقوٰی خاص الخاص کا بقدر ضرورت حلال چیزیں رکھنا زیادہ سے بچنا یہ آخری تقوٰی حضرات انبیاء شہداء صالحین کا ہے (مرقات) ؂۴ اود ایک قبیلہ ہے جو اود ابن صعب کی طرف منسوب ہے، عمرو ابن عون کو بعض لوگوں نے صحابی کہا ہے مگر قوی

وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَحَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا يَنْتَظِرُ أَحَدُكُمْ إِلَّا غِنًى مُطْغِيًا أَوْ فَقْرًا مُنْسِيًا أَوْ مَرَضًا مُفْسِدًا أَوْ هَرَمًا مُفْنِدًا أَوْ مَوْتًا مُجْهِزًا أَوِ الدَّجَّالَ فَالدَّجَّالُ شَرٌّ غَائِبٌ يُنْتَظَرُ أَوِ السَّاعَةَ وَالسَّاعَةُ أَدْهٰى وَأَمَرُّ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ. وَعَنْهُ أَنَّ

اور مشغولیت سے پہلے فرصت کو، اور اپنی موت سے پہلے زندگی کو[۱] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک نہیں انتظار کرتا مگر سرکشی کرنے والی غنا کا، یا بھلا دینے والی فقیری کا[۲] یا بگاڑ دینے والی بیماری کا، یا بے عقل کر دینے والے بڑھاپے کا، یا اچانک موت کا[۳] یا دجال کا، تو دجال مصیبت ہے، جس کا انتظار ہے، یا قیامت کا، اور قیامت بہت ڈراؤنی اور بہت کڑوی ہے[۴] (ترمذی، نسائی) روایت ہے انہیں سے کہ

یہ ہے کہ آپ حضور کے زمانہ میں اسلام لائے مگر زیارت نہ کر سکے جلیل القدر تابعی ہیں۔ لہذا یہ حدیث مرسل ہے (اشعہ)

[۱] اغتنام کے معنی ہیں غنیمت حاصل کرلینا یعنی ان پانچ چیزوں سے کچھ کمائی کرلو بار بار یہ موقعہ نہیں ملتے۔

[۲] لہذا صحت۔ جوانی۔ مالداری۔ فراغت اور زندگی کو رائگان نہ جانے دو اس میں نیک اعمال کرلو کہ یہ نعمتیں بار بار نہیں ملتیں میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔ شعر

سدا نہ حسن جوانی رہندی سدا نہ صحبت یاراں سدا نہ بلبل باغاں بولے سدا نہ باغ بہاراں

باغ میں بہار اور بہار میں بلبل کی شور و پکار ہمیشہ نہیں رہتے کبھی آتے ہیں اسے غنیمت نہ جانو[۳] یعنی اگر تمہیں نیکیوں کا موقعہ ملا ہو اور تم کرتے نہیں کہتے ہو کہ آئندہ کرلیں گے تو کس چیز کا انتظار کر رہے ہو یا ایسی امیری کا جو سرکش بنادے یا ایسی فقیری کا جب تمہیں کچھ نہ بن پڑے لوگ تمہیں بھول جاویں، ہم نے دیکھا کہ بعض لوگوں کو حج کا موقعہ ملتا ہے مگر نہیں کرتے یہ ہی کہتے رہتے ہیں کہ اچھا آئندہ دیکھا جائے گا وہ آئندہ آئندہ کرتے ہی دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں۔[۴] یعنی جوانی کھیل کود سے گنوا کر بڑھاپے میں جبکہ ہاتھ پاؤں قابو میں نہ رہیں عبادت کرنے کی خواہش کرنا بے وقوفی ہے جو کرنا ہے جوانی میں کرو جوان صالح کا بہت بڑا درجہ ہے[۵] یعنی اگر ابھی اعمال نہیں کرتے تو کیا دجال کی آمد یا قیامت آنے کے منتظر ہو اس وقت تم نیکیوں کی تمنا کرو گے مگر نہ کر سکو گے یہ فرمان اظہار عتاب کے لیے مقصد یہ ہے کہ نیک اعمال میں جلدی کرے۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ وَّمَلْعُوْنٌ مَا فِيْهَا اِلَّا ذِكْرُ اللّٰهِ وَمَا وَالَاهُ وَعَالِمٌ اَوْ مُتَعَلِّمٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ - وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَتَّخِذُوا الضَّيْعَةَ فَتَرْغَبُوْا فِي الدُّنْيَا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہوشیار رہو، دنیا لعنتی چیز ہے، اور جو دنیا میں ہے وہ لعنتی ہے[1] سوائے اللہ تعالٰی کے ذکر کے، اور اُس کے جو رب سے قریب کردے، اور عالم کے اور طالب علم کے[2] (ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کے برابر ہوتی، تو اس میں سے کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ نہ پلاتا،[3] (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ باغات و کھیت نہ اختیار کرو[4] ورنہ تم دنیا

[1] ہم پہلے بتا چکے ہیں، کہ جو چیز اللہ و رسول سے غافل کردے، وہ دنیا ہے، یا جو اللہ و رسول کی ناراضی کا سبب ہو وہ دنیا ہے بال بچوں کی پرورش، غذا، لباس گھر وغیرہ حاصل کرنا سنتِ انبیاء کرام ہے، یہ دنیا نہیں، اس معنی سے واقعی دنیا اور دنیا والی چیزیں لعنتی ہیں، [2] یہ استثناء منقطع ہے کیونکہ یہ چیزیں دنیا نہیں ہیں، اللہ کے ذکر سے مراد ساری عبادات ہیں، والاہ بنا ہے ولی سے بمعنی قرب یا محبت یا تابع ہونا، یا سبب، لہٰذا اس جملہ کے چار معنی ہیں، وہ حضرات انبیاء و اولیاء جو اللہ سے قریب کردیں، یا اللہ تعالٰی اُن سے محبت کرتا ہے، یا جو ذکر الٰہی سے قریب کردے، یا جو ذکر اللہ کے تابع ہے، یا جو ذکر اللہ کا سبب ہے (اشعہ) یعنی اللہ کا ذکر اللہ کے محبوب بندے علماء طلباء اگرچہ دنیا میں ہیں، مگر دنیا نہیں ہیں، یہ تو اللہ کے محبوب ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کا ذکر ہر عبادت ہر سعادت کا سر ہے جیسے بدن کیلئے جان ضروری ہے ایسے ہی مومن کیلئے ذکر اللہ لازمی ہے، ذکر اللہ سے دنیا کا بقاء آسمان و زمین کا قیام ہے (مرقات) جب ذاکرین فنا ہو جائیں گے، تو قیامت آجاوے گی، [3] یعنی اگر دنیا کی قدر و منزلت مچھر کے پَر برابر بھی ہوتی، تو کافر کو نہ دی جاتی، کیونکہ کفار اللہ کے دشمن ہیں اور دشمن کو پیاری چیز نہیں دی جاتی، دنیا کے معنی ہم بارہا عرض کرچکے ہیں، [4] ضیعة لفظ مشترک ہے، اس کے بہت معانی ہیں، تجارات و کسب مال باغات و اراضی، دنیاوی مشاغل یہاں بمعنی باغات و اراضی ہیں۔ (اشعہ)

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ ۞ وَعَنْ أَبِي مُوسٰى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ أَحَبَّ دُنْيَاهُ أَضَرَّ بِآخِرَتِهِ وَمَنْ أَحَبَّ آخِرَتَهُ أَضَرَّ بِدُنْيَاهُ فَآثِرُوا مَا يَبْقٰى عَلٰى مَا يَفْنٰى رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ ۞ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ

میں راغب ہو جاؤ گے ۱؎ (ترمذی، بیہقی، شعب الایمان) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچا لیتا ہے اور جو اپنی آخرت سے محبت رکھتا ہے، وہ اپنی دنیا کو نقصان پہنچا لیتا ہے، تو باقی کو فنا ہونے والی پر اختیار کرو ۲؎ (احمد، بیہقی، شعب الایمان)، روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے

۱؎ یعنی یہ زمانہ جہاد اور سپاہیانہ زندگی کا ہے، اس زمانہ میں باغات و کاشت میں مشغول نہ ہو، ورنہ کفار تم کو ہلاک کر دیں گے یہ فرمان عالی ہنگامی حالات کے ہیں، جبکہ مسلمانان مدینہ ہر چہار طرف سے کفار میں گھرے ہوئے تھے، اس وقت عیش و آرام کی زندگی، پختہ مکانات بنانے، دنیاوی کاروبار میں مصروف ہونے سے منع فرما دیا گیا تھا، جیساکہ زمانہ جنگ میں رات کو روشنی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، بمباری کے خوف سے، لیکن جب حالات بدل گئے یہ احکام بھی نہ رہے، چنانچہ خلافت عثمانیہ میں مسلمانوں نے اپنے گھر پختہ، مسجد نبوی شریف شاندار بنائی، اور باغات کھیتی باڑیاں خوب کیں خیال رہے کہ اس زمانہ میں جیسے مکانات پختہ کرنا ممنوع تھے، ویسے ہی قبور پر عمارات سے منع کر دیا گیا تھا۔ جب سکون کا زمانہ آیا تو حضرات صحابہ نے مکانات بھی پختہ بنائے، اور بزرگوں کے مزارات پر عمارات بھی بنائیں، تاکہ زائرین کو زیارت اور تلاوت اور عبادت وغیرہ میں سہولت ہو۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو، یا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو باغات کھیتی باڑی میں ایسا مشغول ہو کہ دین کو بھول جائے، اس صورت میں یہ حکم دائمی ہے کھیتی باڑی ہی کیا جو چیز رب سے غافل کرے، وہ ممنوع ہے۔

۲؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا، کہ دنیا و آخرت دونوں کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتی، دنیا آخرت کی ضد ہے ہاں دنیا سے محبت کرنا آخرت اور رضائے الٰہی کے لئے بہت ہی بہتر ہے، مال سے محبت، بچوں کی پرورش، عزیزوں کے حقوق ادا کرنے، حج و قربانی اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے بہرحال اچھا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علم، عقل و ایمان کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان جان لے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی رہنے والی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں رہ کر آخرت کی تیاری کرے، دنیا میں منہمک نہ ہو جائے۔ (مرقات) ۞

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لُعِنَ عَبْدُ الدُّنْیَا وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْہَمِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ۔ وَعَنْ کَعْبِ بْنِ مَالِکٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا فِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَہَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَی الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِیْنِہٖ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَعَنْ خَبَّابٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْفَقَ مُؤْمِنٌ مِّنْ نَّفَقَۃٍ اِلَّا اُجِرَ فِیْہَا اِلَّا نَفَقَتَہٗ فِیْ ہٰذَا التُّرَابِ رَوَاہُ

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرماتے ہیں، لعنتی ہے دنیا کا بندہ، اور لعنتی ہے درہم دینار کا بندہ[1] (ترمذی)، روایت ہے حضرت کعب ابن مالک سے وہ اپنے والد سے راوی، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بھوکے بھیڑیئے جو بکریوں میں چھوڑ دیئے جاویں، وہ ان بکریوں کو اس سے زیادہ خراب نہیں کرتے جتنے انسان کے حرص کرنے سے مال و عزت پر اس کے دین کو[2] (ترمذی، دارمی)، روایت ہے حضرت خباب سے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرماتے ہیں مسلمان کوئی خرچ نہیں کرتا مگر اس میں اسے ثواب دیا جاتا ہے سوائے اس کے خرچ کے اس مٹی میں[3]

[1] دنیا یا درہم و دینار روپیہ پیسہ کا بجاری وہ ہے جو ہر کام ان چیزوں کے لئے کرے۔ حتی کہ نماز بھی پڑھے تو دنیا کے لئے۔

[2] نہایت نفیس تشبیہ ہے مقصد یہ ہے کہ مومن کا دین گویا بکری ہے۔ اور اس کی حرص مال حرص عزت گویا دو بھوکے بھیڑیئے ہیں مگر یہ دونوں بھیڑیئے مومن کے دین کو اس سے زیادہ برباد کرتے جیسے ظاہری بھوکے بھیڑیئے بکریوں کو تباہ کرتے ہیں کہ انسان مال کی حرص میں حرام و حلال کی تمیز نہیں کرتا اپنے عزیز اوقات کو مال حاصل کرنے میں ہی خرچ کرتا ہے پھر عزت حاصل کرنے کے لئے ایسے جتن کرتے ہیں جو بالکل خلاف اسلام ہیں جیسا آج ممبری وزارت چاہنے والوں کو دیکھا جارہا ہے۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ریاکار مرے بعد بھی ریا نہیں چھوڑتا کسی نے پوچھا وہ کیسے فرمایا وہ چاہتا ہے کہ میرے جنازہ میں بہت لوگ ہوں تاکہ میری عزت ہو ریاکار مرے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتی (مرقات)۔

[3] یعنی کھانے پینے لباس وغیرہ پر خرچ کرنے میں ثواب ملتا ہے کہ یہ چیزیں عبادات کا ذریعہ ہیں مگر بلا ضرورت مکانات بنانے میں کوئی ثواب نہیں لہذا عمارات سازی کا شوق نہ کرو اس میں وقت اور مال دونوں کی بربادی ہے خیال رہے کہ یہاں دنیاوی عمارتیں وہ بھی بلا ضرورت بنانا مراد ہیں مسجد مدرسہ خانقاہ مسافر خانے بنانے تو عبادت ہیں کہ یہ تو صدقات جاریہ ہیں یوں ہی بقدر ضرورت مکان بنانا بھی ثواب ہے کہ اس میں سکون سے رہکر اللہ کی عبادت کرے گا بعض لوگ دیکھے گئے کہ وہ ہمیشہ مکان کے توڑ پھوڑ میں ہر سال نئے نئے

التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّفَقَةُ كُلُّهَا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اِلَّا الْبِنَاءُ فَلَا خَيْرَ فِيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ۔ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ يَوْمًا وَنَحْنُ مَعَهٗ فَرَاٰى قُبَّةً مُّشْرِفَةً فَقَالَ مَا هٰذَا قَالَ اَصْحَابُهٗ هٰذِهٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَسَكَتَ وَحَمَلَهَا فِیْ نَفْسِهٖ حَتّٰى لَمَّا جَاءَ صَاحِبُهَا فَسَلَّمَ عَلَيْهِ فِی النَّاسِ فَاَعْرَضَ عَنْهُ صَنَعَ ذٰلِكَ مِرَارًا حَتّٰى عَرَفَ الرَّجُلُ

(ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سارے خرچہ اللہ کی راہ میں ہیں سوائے عمارات کی تعمیر کے کہ ان میں بھلائی نہیں ہے[1] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ اور روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن تشریف لے گئے[2] ہم حضور کے ساتھ تھے تو حضور نے بلند عمارت دیکھی، تو فرمایا یہ کیا ہے؟[3] حضور کے صحابہ نے عرض کیا کہ یہ فلاں انصاری صاحب کا ہے[4] تو حضور خاموش ہوگئے، اور یہ بات دل شریف میں رکھ لی[5] حتی کہ جب اس عمارت کا مالک حاضر ہوا تو آپ کو بھرے مجمع میں سلام کیا تو حضور نے منہ پھیر لیا[6] انہوں نے یہ کئی بار کیا، حتی کہ ان صاحب نے حضور انور میں اپنے

کے مکانات بنانے ہی میں مشغول رہتے ہیں یہاں یہ ہی مراد ہے (مرقات، اشعہ)۔ [1] اس کی تفسیر ابھی گزر چکی کہ یہاں بنانے سے مراد دنیاوی غیر ضروری عمارتیں ہیں مسجدیں وغیرہ یوں ہی دنیاوی ضروری عمارتیں اس سے خارج ہیں بلکہ دنیاوی غیر ضروری عمارتیں بناتے رہنا اسراف ہے یعنی فضول خرچی اسراف گناہ ہے۔ [2] حضور انور یا تو مدینہ منورہ سے باہر بستی میں تشریف لے گئے تھے یا اپنے دولت خانہ سے مدینہ پاک کے کسی محلہ میں تشریف لے گئے وہاں یہ واقعہ پیش آیا دوسرا احتمال قوی ہے [3] یہ سوال اظہار ناراضی کے لئے ہے یعنی یہ کیا حرکت ہے حضرات صحابہ نے جواب دیا وہ اس سوال کا جواب نہیں بلکہ اس کے متعلقات میں سے ہے یعنی یہ حرکت فلاں شخص کی ہے [4] یہ عرض کرنا غیبت نہیں بلکہ اصلاح ہے معلوم ہوا کہ مرید کی شکایت شیخ سے کرنا یا شاگرد کی شکایت استاد سے کرنا اصلاح کے لئے بالکل درست ہے غیبت نہیں ہے [5] حضور ناراض ہوئے مگر ناراضی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ دل میں رکھ لی [6] ان کے سلام کا جواب یا تو حضور نے دیا ہی نہیں یا دیا مگر دل میں جس کی انہیں خبر نہ ہوئی معلوم ہوا اظہار غضب اور اصلاح کے لیئے سلام کا جواب نہ دینا جائز ہر سلام کا جواب دینا فرض نہیں ہوتا بعض صورتوں میں جواب دینا ممنوع بھی ہوتا ہے لہذا اس عمل شریف پر یہ اعتراض نہیں کہ یہ حکم قرآ[illegible] م کا جواب دینا فرض ہے تو حضور نے فرض کیوں ترک کیا یہ نکتہ یاد رکھا جائے۔

الْغَضَبَ فِيهِ وَالْإِعْرَاضَ عَنْهُ فَشَكَا ذٰلِكَ إِلٰى أَصْحَابِهِ وَقَالَ وَاللّٰهِ إِنِّي لَأُنْكِرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا خَرَجَ فَرَاٰى قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ إِلٰى قُبَّتِهِ فَهَدَمَهَا حَتّٰى سَوَّاهَا بِالْأَرْضِ فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فَلَمْ

سے غصہ محسوس کرلیا[۱] تو حضور کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس کی شکایت کی[۲] اور کہا کہ خدا کی قسم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر پاتا ہوں، لوگوں نے کہا کہ حضور صلعم تشریف لے گئے تھے، تو تمہاری عمارت دیکھی تھی، تو وہ شخص عمارت کی طرف گیا اور اُسے ڈھا کر زمین کے برابر کردیا[۳] ایک بار پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو وہ عمارت نہ دیکھی۔

[۱] ان صاحب نے پہلے تو سمجھا کہ حضور انور نے اتفاقاً جواب نہ دیا یا حضور کسی فکر میں ہیں میرا سلام سنا نہیں مگر جب بار بار سلام کہا اور جواب نہ پایا تو وہ سمجھے کہ مجھ پر ناراضی ہے ظاہر یہ ہے کہ حاضرین میں سے کسی نے جواب نہ دیا جس سلام کو حضور رد فرمادیں اسے قبول کون کرے حضرت کعب ابن مالک کا جب بائیکاٹ ہوا ہے تو پچاس دن تک کسی نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔

[۲] حضور کی شکایت نہیں کی بلکہ اپنی محرومی کی شکایت مع حکایت کی کہ لوگو میں تو لُٹ گیا آج حضور مجھ سے ناراض ہوگئے۔

[۳] یعنی ہمارا اندازہ یہ ہے کہ حضور انور نے اس بلند عمارت کو ناپسند فرمایا یہی وجہ ہے تم سے بے توجہی فرمانے کی اور تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

[۴] یہ ہے حضرات صحابہ کا عشق رسول کہ حضور انور نے انہیں نہ تو ڈھانے کا حکم دیا نہ یہ فرمایا کہ عمارتیں بنانا جائز نہیں ان حضرات کو صرف اندازہ ہی ہوا ہے کہ شاید حضور اس عمارت کی وجہ سے مجھ سے ناراض ہوگئے تو سوچا کہ یہ عمارت میرے اور محبوب کے درمیان آڑ بن گئی ڈھا دی اس ڈھانے میں مال کو برباد کرنا نہیں اور فضول خرچی نہیں بلکہ یار کو منانا ہے اگر عمارت ڈھانے سے حضور راضی ہوجائیں تو ان شاء اللہ سودا سستا ہے جناب خلیل رضاء الٰہی کے لئے فرزند کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہوگئے یہاں ظاہری فتوے نہیں چلتے یہ دل جلوں کے معاملے ہیں۔ شعر

عقل می گوید کہ خود را پیش کن　　عشق می گوید کہ ترک خویش کن

ان حضرات نے اس عمارت کا بالائی حصہ نہ گرایا بلکہ جڑ بنیاد سے مٹا دیا تاکہ اس حجاب کی پوری طرح بیخ کنی ہوجائے۔

يَرٰهَا قَالَ مَا فَعَلَتِ الْقُبَّةُ قَالُوْا شَكٰى اِلَيْنَا صَاحِبُهَا اِعْرَاضَكَ فَاَخْبَرْنَاهُ فَهَدَمَهَا فَقَالَ اَمَا اِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰى صَاحِبِهٖ اِلَّا مَا لَا يَعْنِيْ اِلَّا مَا لَا بُدَّ مِنْهُ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْ اَبِيْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ عَهِدَ اِلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَمَرْكَبٌ فِيْ سَبِيْلِ

فرمایا اُس گنبد کا کیا ہوا ۱؎ لوگوں نے عرض کیا، کہ اُس کے مالک نے آپ کی بے توجہی کی شکایت کی، ہم نے اُسے خبر دی تو اُس نے وہ ڈھادیا، تو فرمایا کہ ہر تعمیر اوس کے بانی پر وبال ہے ۲؎ سوائے اُس کے یعنی سوائے اس کے جس کی اُسے ضرورت ہو ۳؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابو ہاشم ابن عتبہ سے ۴؎ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد لیا، فرمایا کہ تمہیں مال جمع کرنے کیلئے ایک خادم اور اللہ کی راہ میں ایک سواری

۱؎ یعنی وہ گنبد بالکل ہی غائب ہو گیا یہ کیسے ہوا حضور انور کا یہ سوال اگلے مضمون کی تمہید کے لئے ہے ورنہ حضور ہر ایک کے عمل و حال سے خبردار ہیں۔

۲؎ اگر وبال سے مراد گناہ ہے۔ تو عمارات سے مراد وہ عمارتیں ہیں جو بلا ضرورت فخر و تکبر کے لئے بنائی جائے کہ یہ عمل ناجائز ہے فخر و تکبر کا ہر کام حرام ہے اور اگر وبال سے مراد آخرت کا بوجھ ہے تب بلا ضرورت کی ہر عمارت اس میں داخل ہے خواہ فخریہ ہو یا نہیں حتی کہ بلا ضرورت مسجد بنانا بھی ثواب نہیں بلکہ کبھی گناہ ہے غیر آباد جگہ کوئی نماز و اذان ادا کرنے والا نہ ہو مسجد بنا دینا محض بیکار ہے ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد بنا دینا کہ نہ وہ آباد رہے نہ یہ آباد ہو گناہ ہے بہرحال یہ فرمان عالی وسیع ہے عمارت کے وبال ہونے کی بہت صورتیں ہیں ۳؎ ضرورت خواہ دینی ہو یا دنیاوی مگر دنیاوی ضرورت کے لئے عمارت بنانا مباح ہے جیسے اپنے مکان دوکانیں اور دینی ضرورت کے لئے بنانا ثواب جیسے مسجدیں مدرسے خانقاہیں یا بزرگان دین کے مزارات پر قبے جب کہ وہاں زائرین کا ہجوم رہتا ہو ان کی آسائش تلاوت قرآن مجید وغیرہ کے لئے وہاں عمارت بنانا ثواب ہے اس مالا بد منہ ..... میں بھی بڑی گنجائش ہے۔

۴؎ آپ کا نام شیبہ ابن عتبہ ہے کنیت ابو ہاشم ہند بنت عتبہ کے بھائی حضرت امیر معاویہ کے ماموں ہیں کیونکہ ہند امیر معاویہ کی والدہ ہیں آپ فتح مکہ کے دن ایمان لائے شام میں قیام رہا خلافت عثمانی میں آپ کی وفات ہوئی بڑے عالم فقیہ و صالح تھے آپ سے حضرت ابوہریرہ وغیرہ صحابہ نے احادیث کی روایات لیں۔ (مرقات وغیرہ)

اللہِ ۱؎ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالنَّسَائِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَفِیْ بَعْضِ نُسَخِ الْمَصَابِیْحِ عَنْ اَبِیْ ھَاشِمِ بْنِ عُتْبَدَ بِالدَّالِ بَدَلَ التَّاءِ وَھُوَتَصْحِیْفٌ ۲؎

وَعَنْ عُثْمٰنَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ لِابْنِ اٰدَمَ حَقٌّ فِیْ سِوٰی ھٰذِہِ الْخِصَالِ بَیْتٌ یَسْکُنُہٗ وَثَوْبٌ یُّوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتَہٗ وَ جِلْفُ الْخُبْزِ وَالْمَاءِ ۳؎ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ۔

کافی ہے ۱؎ (احمد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) اور مصابیح کے بعض نسخوں میں بجائے ت کے ہاشم ابن عتبد دال سے ہے، اور یہ غلط ہے ۲؎ روایت ہے حضرت عثمان سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ انسان کا سوائے ان اشیاء کے اور چیز میں حق نہیں ہے ۳؎ وہ گھر جس میں رہتا ہو، اور وہ کپڑا جو اس کا ستر چھپالے، اور روٹی کا ٹکڑا، اور پانی ۴؎ (ترمذی)

۱؎ یعنی یہ غلام اور گھوڑا بھی اللہ کے لیئے ہوں محض خواہش نفسانی کے لیئے نہ ہوں ان سے دینی کام جہاد یا تبلیغ حج یا طلب علم مقصود بالذات ہو دنیاوی کام مقصود بالتبع لہذا اگر بادشاہ اور سامرائیت سے غلام یا گھوڑے رکھیں اس نیت سے کہ ضرورت پڑنے پر یہ مجاہدین غازیوں میں تقسیم کرکے ان سے جہاد کرایا جائے گا تو بالکل درست ہے نیت خیر ہے اس فرمان عالی کا مقصد یہ نہیں کہ ان دو چیزوں کے سوا اور کچھ پاس رکھو ہی نہیں مقصد یہ ہے کہ بلا ضرورت چیزیں نہ رکھو آج بھی حکومتیں زور دیتی ہیں کہ بلا ضرورت سامان نہ خریدو۔ ۲؎ یہ غلطی مشکوۃ شریف کے نسخوں میں بھی ہے اور بعض حواشی میں بھی کہ عتبہ کو عتبد لکھا ہے بجائے ۃ کے دال ۳؎ یعنی ان تین چیزوں کے سواء اور کسی چیز کی ضرورت نہیں قیامت میں ان تین کا حساب نہ ہوگا ان کے سوا اور چیزوں کا حساب دینا ہوگا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ۔ وہاں نعیم سے مراد عیش و عشرت کی چیزیں ہیں خیال رہے کہ شخصی زندگی فانی ہے قومی اور دینی زندگی باقی ہے لہذا مسلمان اپنی شخصی زندگی کے لیئے معمولی سامان اختیار کرے قومی و دینی زندگی کے لیئے قیامت تک کا انتظام کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اور قوم کے لیئے ممالک فتح کیئے مگر اپنی ذات کے لیئے آرام دہ مکان بھی نہ بنایا یہاں شخصی زندگی اور شخصی حاجتوں کا ذکر ہے ۴؎ گھر میں بقدر ضرورت گھر کا سامان داخل ہے روٹی میں سالن شامل ہے پانی میں دودھ لسی وغیرہ داخل ہیں جن کی کبھی ضرورت پڑتی ہے حضور انور نے دودھ لسی وغیرہ ملاحظہ فرمائی ہیں حضرت ابراہیم ابن ادہم فرماتے ہیں۔ شعر:

وما ھی الاجوعۃ قد سددتھا وکل طعام بین جنبی واحد

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِيْ عَلٰى عَمَلٍ إِذَا أَنَا عَمِلْتُهٗ أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ قَالَ ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبُّكَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا عِنْدَ النَّاسِ يُحِبُّكَ النَّاسُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ÷ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا تو بولا یارسول اللہ! مجھے ایسے کام پر رہبری کریں، کہ جب میں وہ کروں تو مجھ سے اللہ بھی محبت کرے، اور لوگ بھی محبت کریں [1] فرمایا دنیا میں بے رغبت رہو، تم سے اللہ تعالٰی محبت کرے گا [2] اور لوگوں کی پاس کی چیزوں سے بے رغبت رہو، تم سے لوگ محبت کریں گے [3] (ترمذی، ابن ماجہ) [4] روایت ہے حضرت ابن مسعود سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی محبت جو قدرتی طور سے ہو اللہ کی رحمت ہے محبت خلق محبت خالق کی علامت ہے انتم شُھداء اللّٰہ فی الارض، لہٰذا لوگوں کی محبت حاصل کرنے کی کوشش کرنا ممنوع نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ مولیٰ واجعلنی لسان صدق فی الاٰخرین ط آئندہ نسلوں میں میرا ذکر خیر جاری فرما لہٰذا ان صاحب کا یہ سوال بالکل برحق ہے [2] دنیا سے بے رغبتی کے رکن تین ہیں۔ محبت دنیا سے علیحدگی زائد دنیا سے پرہیز۔ آخرت کی تیاری ایسے شخص سے اللہ تعالٰی محبت اس لیئے کرتا ہے کہ وہ اللہ کے دشمن سے محبت نہیں کرتا دشمن کا دشمن بھی دوست ہوتا ہے (مرقات) صوفیاء فرماتے ہیں کہ آگ کے ڈر سے دنیا میں رہتے ہوئے اس سے الگ رہنا زہد ہے کسی صوفی نے کیا خوب کہا۔ شعر:-

وما الزھد الا فی انقطاع الخلائق وما الحق الا فی وجود الحقائق

وما الحب الا حب من کان قلبہ عن الخلق مشغولا برب الخلائق

[3] نیز جو دنیا سے بے رغبت ہوگا وہ گناہ کم کرے گا نیکیاں زیادہ اور ایسا بندہ ضرور اللہ تعالٰی کو پیارا ہے [3] دنیا کا دستور ہے کہ جو اس کی طرف دوڑتا ہے تو وہ اس سے بھاگتی ہے اور جو اس سے بے نیاز ہوتا ہے تو وہ اس کی طرف آتی ہے جو شخص لوگوں سے تمنا رکھے گا۔ تو خواہ مخواہ ان کی خوشامد کرے گا اور لوگ اس سے نفرت کریں گے اور جو لوگوں سے بے نیاز ہوگا تو لوگ خواہ مخواہ اس کی طرف آئیں گے۔ شعر:-

آں بگذار بادشاہی کن، گردن بے طمع بلند بود

[4] یہاں صاحب مشکوٰۃ سے یا کاتب سے غلطی ہوئی کہ ترمذی کا ذکر بھی کر دیا یہ حدیث صرف ابن ماجہ میں مذکور ہے ترمذی میں نہیں اور زہد فی الدنیا سے آخرت تک ابن ماجہ، طبرانی، حاکم، بیہقی نے بروایت سہل ابن سعد روایات کی۔ (مرقات) ✦

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ عَلٰى حَصِيْرٍ فَقَامَ وَقَدْ اَثَّرَ فِي جَسَدِهٖ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَّبْسُطَ لَكَ وَنَعْمَلَ فَقَالَ مَالِيْ وَلِلدُّنْيَا وَمَا اَنَا وَالدُّنْيَا اِلَّا كَرَاكِبٍ اِسْتَظَلَّ تَحْتَ شَجَرَةٍ ثُمَّ رَاحَ وَتَرَكَهَا۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ❊ وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَغْبَطُ اَوْلِيَآئِيْ عِنْدِيْ لَمُؤْمِنٌ

ایک چٹائی پر سوئے، پھر اٹھے اس حالت میں کہ چٹائی نے آپ کے جسم میں اثر کیا ہوا تھا ١؎ تب ابن مسعود نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو آپ اجازت دیدیتے کہ ہم حضور کے لیے بستر بچھا دیا کرتے، اور سب انتظامات کردیتے ٢؎ تو فرمایا مجھے دنیا سے کیا تعلق، میں اور دنیا نہیں ہیں، مگر اس سوار کی طرح جو ایک درخت کے نیچے سایہ لے پھر چلا جائے اور درخت کو چھوڑ جائے ٣؎ (ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرمایا میرے دوستوں میں زیادہ قابل رشک میرے نزدیک

١؎ اس وقت جسم اطہر پر قمیص بھی نہ تھی، صرف تہبند مبارک زیب تن فرمائے ننگی چٹائی پر آرام فرمایا تھا۔ شعر:

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

٢؎ یہاں لَوْ شرط کے لیے نہیں، بلکہ تمنا اور آرزو کے لیے ہے، یعنی کاش کہ حضور ہم غلاموں کو اجازت دے دیتے، تو ہم ہر قسم کے آرام کا انتظام حضور کے لیے کردیتے، اعلیٰ لباس، بہترین نرم بستر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سادگی ہم غلاموں سے دیکھی نہیں جاتی۔

٣؎ یعنی جیسے یہ سوار اتنی دیر آرام کے لئے اپنا بستر وغیرہ نہیں کھولتا، بلکہ زمین پر ہی لیٹ کر دھوپ ڈھل جانے پر چل دیتا ہے، ایسے ہی ہمارا حال ہے، کہ ہم کونین کے مالک ہیں، مگر اپنے لئے کچھ نہیں رکھتے۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمانے کے بعد دنیا کو اور اپنی امت کو چھوڑ دیا، ان سب سے بے تعلق ہوگئے، اگر حضور صلعم ہم کو چھوڑ دیں، تو ہم ہلاک ہو جائیں، سورج دنیا کو چھوڑ دے، تو دنیا اندھیری ہو جاوے، روح بدن کو چھوڑ دے تو بدن مرجاوے، جڑ درخت کو چھوڑ دے تو درخت سوکھ جاوے، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو چھوڑ دیں، تو کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے ❊

خَفِيفُ الْحَاذِ ذُوحَظٍّ مِّنَ الصَّلٰوةِ اَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهٖ وَاَطَاعَهٗ فِي السِّرِّ وَكَانَ غَامِضًا فِي النَّاسِ لَا يُشَارُ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ وَكَانَ رِزْقُهٗ كِفَافًا فَصَبَرَ عَلٰى ذٰلِكَ ثُمَّ نَقَدَ بِيَدِهٖ فَقَالَ عُجِّلَتْ مَنِيَّتُهٗ قَلَّتْ بَوَاكِيْهِ قَلَّ تُرَاثُهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ

وہ مسلمان ہے جو کم سامان والا نماز کے بڑے حصہ والا ہو[۱] اپنے رب کی عبادت خوب اچھی طرح کرے، اور خفیہ اسکی اطاعت کرے، اور لوگوں میں چھپا ہوا ہے، کہ اسکی طرف انگلیوں سے اشارے نہ کیے جاویں[۲] اُس کا رزق بقدر ضرورت ہو، اُس پر صبر کرے[۳] پھر حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے چٹکی بجائی، فرمایا اُس کی موت جلد آجاوے[۴] اُس پر رونے والیاں کم ہوں، اس کی میراث تھوڑی کم ہو[۵] (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے اونہیں سے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر میرے رب نے پیش فرمایا

[۱] یعنی اس کے پاس اپنے ذات کے لئے سامان دنیا کم ہو عبادات زیادہ ہوں۔ لہذا حضرت عثمان اور دوسرے امیر صحابہ اس میں داخل نہیں کہ ان کے مال دین کے لئے تھے اپنی ذات کے لئے نہ تھے۔ عمر فاروق اپنی خلافت کے زمانہ میں ایک کرتا دھو دھو کر پہنتے تھے۔ رضی اللہ عنہم۔ [۲] یعنی وہ خود اپنی شہرت وعزت کی کوشش نہ کرے اگر رب تعالٰی اسے قدرتی طور پر شہرت دے دے تو اس کی مہربانی لہذا اس حدیث میں مشہور اولیاء اللہ وعلماء دین جن کی چوکھٹوں کو دنیا اب بھی چومتی ہے۔ ضرور داخل ہیں۔ کہ یہ شہرت انہوں نے خود نہ چاہی رب نے انہیں مشہور کردیا یہ بشارت عاجلہ کہلاتی ہے۔ [۳] مقصد یہ ہے کہ اگر اسے تونگری نہ ملے تو بے صبری نہ کرے راضی برضا رہے۔ [۴] یعنی بہت آسانی سے اس کی جان نکل جائے جس کے دل میں دنیا کی محبت بہت ہو اس کی جان بڑی مصیبت سے نکلتی ہے۔ اسے نزع کی تکلیف کے ساتھ دنیا چھوٹنے کا غم بھی ہوتا ہے مومن کی موت کے وقت حضور سے ملنے کی ایسی خوشی نصیب ہوتی ہے کہ وہ شدت نزع کو محسوس نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ زندگی میں مجھے مدینہ منورہ کی حاضری مشکل تھی۔ اب میری قبر ہی مدینہ میں بن جائے گی یہ مطلب نہیں کہ اس کی عمر کم ہو (مرقات) لہذا یہ فرمان اس حدیث کے خلاف نہیں کہ مومن کی درازیٔ عمر اللہ کی رحمت ہے [۵] یہ کمی یا اس لئے ہو کہ وہ غریب اور غیر مشہور تھا۔ یا اس لئے کہ اس نے رونے پیٹنے سے زندگی میں ہی منع کردیا تھا۔ اور مال اللہ کی راہ میں زندگی میں بہت کچھ خرچ کردیا تھا۔

لِیْ بُطْحَآءَ مَکَّۃَ ذَھَبًا فَقُلْتُ لَا یَا رَبِّ وَلٰکِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا وَّ اَجُوْعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْکَ وَذَکَرْتُکَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُکَ وَشَکَرْتُکَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ۔ وَعَنْ عُبَیْدِ اللّٰہِ ابْنِ مُحْصَنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

کہ میرے لئے مکہ کی زمین کو سونا بنادے[1] تو میں نے عرض کیا، یا رب نہیں،[2] لیکن میں ایک دن سیر ہوا کروں، اور ایک دن بھوکا رہوں، تو جب بھوکا رہوں، تو تیری طرف عاجزی کروں، تجھے یاد کروں، اور جب سیر ہوؤں تو تیری حمد کروں، اور تیرا شکر کروں[3] (احمد، ترمذی) روایت ہے حضرت عبید اللہ ابن محصن سے[4] فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] یعنی رب تعالٰی نے مجھ پر دو چیزیں پیش فرمائیں ایک یہ کہ مکہ معظمہ کے پہاڑوں وہاں کے پتھروں، کنکروں کو سونے کا بنا دیا جائے دوسرے یہ کہ سارا سونا میری اکیلے کی واحد ملکیت رہے۔ کسی دوسرے کا اس پر قبضہ نہ ہو بطحاء کہتے ہیں۔ اس میدان کو جس میں کنکر پتھر پہاڑ ہوں یعنی پتھریلی زمین۔ [2] خیال رہے کہ اس کے متعلق حضور سے مشورہ فرمایا تھا۔ آپ کو اختیار دیا تھا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم اس سب کو سونا کر دیں مشورہ میں اختلاف کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اس کا ماننا لازم نہیں ہوتا اس لیے عرض کیا کہ نہیں یہ نہیں بھی بارگاہ الٰہی میں بہت مقبول ہوئی اس نہیں پر ہزار ہاں قربان ہوں۔ معنوی طور پر اللہ تعالٰی نے وہاں سونا بنا ہی دیا۔ اب زمین حجاز میں سونا نکل رہا ہے خود حضور سونے کی کان ہیں۔ کہ ان کے دم سے لاکھوں حجاج وہاں پہنچتے ہیں۔ اور کروڑوں روپیہ اہل مکہ کو دے آتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر حضور چاہتے تو مکہ کے پہاڑ سونا بن جاتے مگر چاہا نہیں لہذا وہ آیت کریمہ او تکون لک بیت من زخرف او ترقیٰ فی السماء الخ۔ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا۔ حضور کا عاجز ہونا بیان نہیں کرتی ورنہ یہ حدیث اس کے خلاف ہوگی۔ [3] یعنی اگر میں اتنے سونے کا مالک ہو جاؤں تو صرف بندہ شاکر بنوں گا مگر سکینت میں صابر بھی ہوں گا اور شاکر بھی لہذا میں امیری پر فقیری کو ترجیح دیتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ حضور کی امیری غریبی اختیاری ہے۔ ہماری طرح بے اختیاری نہیں۔ حضرات انبیاء کرام کی موت بھی اختیاری ہوتی ہے کہ وفات کے قریب انہیں اختیار دیا جاتا ہے۔ کہ چاہیں دنیا میں رہیں۔ رب کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ بیل کی کھال پر ہاتھ پھیر و جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے فی بال ایک سال ہمارے حضور کو اختیار دیا گیا۔ جب حضور نے عرض کیا۔ اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ تب وفات دی گئی۔ [4] آپ صحابی ہیں مگر حضور سے کوئی حدیث سنی نہیں لہذا آپ کی احادیث مرسل ہیں اور صحابی کا ارسال بالاتفاق مقبول ہے آپ قبیلہ بنی خطم سے ہیں اہل مدینہ میں شمار ہیں۔ بعض لوگوں نے آپ کو تابعی مانا ہے اور تابعی کی مرسل معتبر ہے جمہور کے نزدیک۔

مَنْ اَصْبَحَ مِنْكُمْ اٰمِنًا فِیْ سِرْبِهٖ مُعَافًا فِیْ جَسَدِهٖ عِنْدَهٗ قُوْتُ یَوْمِهٖ فَكَاَنَّمَا حِیْزَتْ لَهُ الدُّنْیَا بِحَذَافِیْرِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔ وَعَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ مَعْدِ یْكَرِبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مَلَاَ اٰدَمِیٌّ وِعَآءً شَرًّا مِّنْ بَطْنٍ بِحَسْبِ ابْنِ اٰدَمَ اُكُلَاتٌ یُّقِمْنَ صُلْبَهٗ فَاِنْ كَانَ لَا مُحَالَةَ

کہ جو شخص تم میں سے صبح پائے کہ اُس دل میں امن و امان ہو۱؎ اپنے جسم میں تندرستی، اُس کے پاس اُس دن کا کھانا ہو تو گویا اُس کے لئے دنیا پوری کی پوری جمع کر دی گئی ۲؎ (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت مقدام ابن معدیکرب سے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ کسی آدمی نے بمقابلہ پیٹ کے بدترین برتن کوئی نہ بھرا ۳؎ انسان کے لئے چند لقمے کافی ہیں، جو اُس کی پیٹھ کو سیدھا رکھیں ۴؎ پھر اگر زیادہ کی ضرورت ہی ہو ۵؎

۱؎ سرب سین کے فتحہ یا کسرہ سے ر کے سکون سے بمعنی راستہ، چہرہ، سینہ، دل، نفس یہاں بمعنی دل ہے یعنی اس کو نہ دشمن کا خوف ہو، نہ عذاب الٰہی کا خطرہ، کیونکہ اُس کا دشمن کوئی نہ ہو، اور اُس نے کفر یا گناہ نہ کیا ہو، اہل عرب کہتے ہیں لیس العید لمن لبس الجدید انما العید لمن اٰمن الوعید۔ یعنی عید اُس کی نہیں جو نئے کپڑے پہن لے بلکہ عید اُس کی ہے جو عذاب سے امن میں ہو۔ ۲؎ حذافیر جمع ہے حذفورہ کی بمعنی کنارہ۔ جیسے عصفور کی جمع عصافیر، جمہور کی جمع جماھیر لہذا حذافیر کے معنی ہوئے کنارے، یعنی جس کو نفسانی امن و عافیت، دل کا چین، بدن کی صحت۔ کچھ تھوڑا سا آج کے گذارہ کا مال میسر ہو، تو وہ بادشاہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اُسے ہر قسم کی نعمت دی ہوئی ہے ۳؎ زیادہ پیٹ بھرنے سے مختلف بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، نوّے فیصدی بیماریاں پیٹ سے ہوتی ہیں، پھر اُس سے سخت غفلت پیدا ہوتی ہے، دل میں نور نہیں آتا۔ ۴؎ کیونکہ کھانا اس لئے ہوتا ہے کہ اس سے عبادات، ریاضات کی قوت پیدا ہو، یہ قوت بقدر ضرورت لقموں سے حاصل ہو جاتی ہے۔ شعر:۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است

تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

۵؎ یعنی اگر تم چند لقموں پر صبر نہ کر سکو، زیادہ کھانے کی رغبت ہو تو پیٹ کے تین حصے کر لو۔

فَثُلُثٌ طَعَامٌ وَثُلُثٌ شَرَابٌ وَثُلُثٌ لِنَفْسِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَتَجَشَّأُ فَقَالَ اَقْصِرْ مِنْ جُشَائِكَ فَاِنَّ اَطْوَلَ النَّاسِ جُوْعًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَطْوَلُهُمْ شِبَعًا فِي الدُّنْيَا رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَرَوَى التِّرْمِذِيُّ نَحْوَهٗ وَعَنْ كَعْبِ بْنِ عِيَاضٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةً وَّفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔

تو تہائی پیٹ کھانا، اور تہائی پیٹ پانی، اور تہائی پیٹ اپنی سانس کے لیئے [1] (ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابن عمر سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ڈکاریں لیتے سُنا [2] تو فرمایا کہ اپنی ڈکاریں کم لیں [3] کیونکہ قیامت کے دن لوگوں میں بڑا بھوکا وہ ہوگا، جو دنیا میں بہت زیادہ شکم سیر ہونے والا ہو [4] (شرح سنہ) اور ترمذی نے اسکی مثل روایت کی۔ روایت ہے حضرت کعب ابن عیاض سے فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا، کہ ہر اُمت کا کوئی فتنہ ہے اور میری اُمت کا فتنہ مال ہے [5] (ترمذی)

[1] ایک حصہ کھانے کے لیے ایک حصہ پانی کے لیے ایک حصہ سانس آنے جانے کے لیے انشاء اللہ بہت کم بیمار ہوگے صوفیاء فرماتے ہیں کہ تھوڑے بھوکا رہنے میں دس فائدے ہیں جسمانی صحت، دل کی صفائی طبیعت کی ہشاشی بشاشی، یعنی چستی، دل کی نرمی طبیعت انکسار و عجز، تکبر و غرور کا ٹوٹنا، گناہوں کی کمی درمیانی درجہ کی نیند، عبادات کا شوق ذکر الٰہی پر لذت و ذوق وغیرہ دم تاسلم

[2] یہ صاحب حضرت وہب ابن عبداللہ یا وہب ابن ابو جحیفہ سوائی تھے بہت لمبی لمبی ڈکاریں لے رہے تھے کھانے سے سیر ہو کر آئے تھے۔

[3] یعنی تھوڑا کھایا کرو تاکہ ڈکاریں تھوڑی اور چھوٹی آویں اس کے بعد انھوں نے پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا [4] یعنی دنیا میں بہت کھانیوالے قیامت میں بہت کم اعمال لے کر آئیں گے کیونکہ ان کے وقت کا زیادہ حصہ تو کھانا کھانے ہضم کرنے ہضم نہ ہونے کی صورت میں علاج معالجے میں گزرا اعمال کب کرتے شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر

اندرون از طعام خالی دار! تا درو نور معرفت بینی!

حریص دنیا کے اوقات دو کاموں میں خرچ ہوتے ہیں، دنیا کمانا، اور کمائی دنیا کی حفاظت کرتے رہنا، اُسے رب کی طرف دھیان کرنے کا وقت بہت کم ملتا ہے [5] یعنی گذشتہ اُمتوں کی آزمائشیں مختلف چیزوں سے ہوئیں، میری اُمت کی سخت آزمائش مال سے ہوگی، رب تعالٰی مال دے کر آزمائے گا، کہ یہ لوگ اب میرے رہتے ہیں یا نہیں، اکثر لوگ اس امتحان میں

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُجَاءُ بِابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهٗ بَذَجٌ فَيُوْقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَعْطَيْتُكَ وَخَوَّلْتُكَ وَاَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَمَا صَنَعْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِیْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَيَقُوْلُ لَهٗ اَرِنِیْ مَا

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن انسان بھیڑ کے بچے کی طرح لایا جاوے گا، تو اُسے بارگاہِ الٰہی میں کھڑا کیا جاوے گا[1] تب رب تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ میں نے تجھے عطائیں دیں، تجھے لونڈی غلام بخشے، اور تجھ پر بہت انعام کیے[2] تو تُو نے کیا کیا[3] تو وہ عرض کرے گا کہ یارب میں نے وہ جمع کیں، اور انہیں بڑھایا، اور جتنا تھا، اُسے زیادہ کر کے چھوڑ آیا[4] مجھے لوٹا دے کہ میں تیری بارگاہ میں وہ سارا لے آؤں[5] اُس سے رب تعالیٰ فرمائے گا کہ مجھے دکھا،

ناکام ہونگے، کہ مال پا کر غافل ہو جائیں گے، اس کا تجربہ برابر ہو رہا ہے، اکثر قتل، غارت، غفلت، مال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ستر فیصدی گناہ مال کی بنا پر ہوتے ہیں۔ [1] یہاں انسان سے مراد غافل مالدار آدمی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لائے جانے سے مراد حساب کتاب کے لیے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا جانا ہے، اللہ کے مقبول بندے بڑی عزت و احترام سے لائے جائیں گے، رب تعالیٰ فرماتا ہے، یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدًا و نسوق المجرمین الی جہنم وردًا۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں، [2] اعطیت، خولت، انعمت قریبًا ہم معنی ہیں، یہاں فرق یوں ہے کہ میں نے تجھے دنیا کا مال و متاع دیا تجھے لونڈی غلام بخشے، اور تجھ پر کتابیں و انبیاء کرام بھیجے (مرقات) اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ انعام سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں [3] یعنی تو نے ان نعمتوں کا شکر کیسے ادا کیا؟ خیال رہے کہ ہر نعمت کا شکریہ علیحدہ ہے، اسکی تفصیل ہماری تفسیر نعیمی دُوسرے پارے واشکروالی ولا تکفرون۔ اعضاء کا شکریہ بدنی عبادات ہیں مال کا شکریہ، صدقات خیرات قرآن مجید وغیرہ ایمانیات کا شکریہ ان پر عمل کرنا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازیوں کا شکریہ حضور کی سنتوں پر عمل، آپ سے عشق و محبت، کثرت سے درود شریف پڑھنا ہے، محسن کو دعائیں دینا بھی شکریہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں، شعر:۔

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

[4] یہ ہے غافل کی سوانح عمری، محنت سے جوڑنا، مشقت سے حفاظت کرنا، حسرت سے چھوڑنا، یہ گفتگو اُس سے ہے جس نے دنیا میں مال کی زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی ادا نہ کی سب کا سب جمع ہی کیا، حقوق اللہ اور حقوق الناس کا خیال نہ کیا۔ ایسا کہیگا کہ مجھے موقعہ دے کہ وہ سارا مال تیری بارگاہ میں حاضر کر دوں، تو قبول فرمالے، حالانکہ اب عمل کا وقت نہیں رہا۔ [5] یعنی دنیا

قَدِمْتَ فَيَقُوْلُ رَبِّ جَمَعْتُهٗ وَثَمَّرْتُهٗ وَتَرَكْتُهٗ اَكْثَرَ مَا كَانَ فَارْجِعْنِيْ اٰتِكَ بِهٖ كُلِّهٖ فَاِذَا عَبْدٌ لَمْ يُقَدِّمْ خَيْرًا فَيُمْضٰى بِهٖ اِلَى النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَضَعَّفَهٗ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُسْاَلُ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ النَّعِيْمِ اَنْ يُّقَالَ لَهٗ اَلَمْ نُصِحَّ جِسْمَكَ وَنُرْوِكَ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُسْاَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِهٖ فِيْمَا اَفْنَاهُ وَعَنْ شَبَابِهٖ فِيْمَا

تونے آگے کیا بھیجا؟ وہ کہے گا، یارب میں نے جمع کیا اور اسے بڑھایا۔ اور اسے زیادہ کرکے چھوڑا یا تو مجھے لوٹادے میں تیرے پاس سارا لے آؤں، وہ ایسا بندہ ہوگا جس نے کوئی بھلائی آگے نہ بھیجی ہوگی[1] تو اسے آگ کی طرف لے جایا جاوے گا۔ (ترمذی) اور اسے ضعیف فرمایا۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں نعمتوں کے متعلق بندے سے پہلا سوال جو ہوگا وہ یہ کہ اس سے کہا جاوے گا[2] کہ کیا ہم نے تیرے جسم کو صحت نہیں بخشی اور کیا ہم نے تجھے ٹھنڈے پانی سے سیر نہیں کیا،[3] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرمایا قیامت کے دن انسان کے قدم نہ ہٹیں گے حتی کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق سوال کیا جائے گا[4] اس کی عمر کے بارے میں کہ کس چیز میں

میں نے صدقہ وخیرات کتنی کی؟ جو کہ تجھے آج کے دن کام آجاتی، یہ جگہ عمل کی نہیں، نہ یہ وقت عمل کا ہے اب تو کیے ہوئے کا حساب دو۔

[1] اس جملہ نے گزشتہ پوری حدیث کی شرح لکھ دی، کہ یہاں اُس شخص کا ذکر ہے جو فاسق وفاجر تھا، زکوٰۃ وخیرات وحقوق ادا نہ کرتا تھا۔ [2] یعنی دوسری نعمتوں کے مقابلہ میں ان نعمتوں کا حساب پہلے ہوگا، لہٰذا یہ حدیث اُن احادیث کے خلاف نہیں، کہ پہلے نماز کا حساب ہوگا، یا پہلے ناحق خون کا حساب ہوگا۔ اوّلیت بہت قسم کی ہے۔ [3] معلوم ہوا کہ دنیاوی نعمتوں میں سب سے اعلیٰ نعمت تندرستی ہے، کہ تمام نعمتیں اس کے ذریعہ استعمال ہوتی ہیں، پھر ٹھنڈا پانی اس کی قدر موسم گرما کے روزوں میں معلوم ہوتی ہے۔ پانی خود نعمت ہے، ٹھنڈا پانی نعمت پر نعمت ہے [4] یعنی قیامت کے دن پانچ چیزوں کا حساب دیئے بغیر انسان بارگاہ الٰہی سے نہیں ہٹ سکتا۔ ان پانچوں میں اگر رہ گیا تو سزا کا مستحق ہوا، اگر ان سے نکل گیا، تو جنت میں پہنچے گا۔

اَبْلَاہُ وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اِنَّکَ لَسْتَ بِخَیْرٍ مِّنْ اَحْمَرَ وَلَا اَسْوَدَ اِلَّا اَنْ تَفْضُلَہٗ بِتَقْوٰی رَوَاہُ اَحْمَدُ۔ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ

خرچ کی، اور اُسکی جوانی کے متعلق کہ کاہے میں گذاری ۱؎ اُس کے مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کاہے میں خرچ کیا ۲؎ اور اس میں عمل کیا کیا جو جانا، ۳؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ تیسری فصل روایت ہے ابوذر سے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ تم کسی سُرخ یا کالے سے بہتر نہیں ۴؎ مگر یہ کہ تم اُس سے تقوے میں بڑھ جاؤ ۵؎ (احمد) روایت ہے انہیں سے، فرماتے ہیں، کہ فرمایا

۱؎ اگرچہ عمر میں جوانی بھی آگئی تھی، مگر چونکہ جوانی میں نیک و بد اعمال زیادہ کئے جاسکتے ہیں، کہ اُس وقت ساری قوتیں اپنے کمال پر ہوتی ہیں، اس لئے جوانی کے متعلق خاص سوال ہوگا، اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ جو جوانی میں عبادت کرے وہ عرش الٰہی کے سایہ میں ہوگا، کہ اُسے قیامت کے میدان کی گرمی نہ پہنچے گی۔ جوانی کی عبادت بڑی قدر کی چیز ہے۔ شعر:۔

کہ جوانی میں عبادت کاہلی اچھی نہیں　　جب بڑھاپا آگیا کچھ بات بن پڑتی نہیں
ہے بڑھاپا بھی غنیمت جب جوانی ہو چکی　　یہ بڑھاپا بھی نہ ہوگا، موت جس دم آگئی

۲؎ یعنی مال کے متعلق دو سوال ہونگے، ایک یہ کہ کہاں سے حاصل کیا، حلال ذریعہ سے یا حرام سے، کس مقام پر خرچ کیا، طاعت میں یا معصیت میں، مبارک ہے وہ مال جو اچھی راہ سے آوے اور اچھی راہ پر خرچ ہو جاوے، اگر بارش کا پانی پرنالہ سے نہ نکالا جاوے تو چھت توڑ دیتا ہے ۳؎ ابن عساکر نے حضرت ابوالدرداء سے روایت کی، کہ اُن سے حضور صلعم نے فرمایا کہ تم سے قیامت میں سوال ہوگا، کہ تم عالم تھے یا نرے جاہل، اگر تم نے کہا کہ میں عالم تھا تو حکم ہوگا کہ اپنے علم پر عمل کیا کیا؟ اور اگر تم نے کہا کہ جاہل تھا، تو فرمایا جاوے گا، کہ تم جاہل کیوں رہے؟ تمہیں کیا عذر تھا۔ علم سے مراد علم دین ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ علم دین سیکھے، اور نیک عمل کرے۔ ۴؎ سُرخ سے مراد عربی ہے، کالے سے مراد عجمی، یا سُرخ مولیٰ ہے کالا غلام، یا سُرخ رومی ہے کالا حبشی، یا امیر سُرخ، غریب کالا، یعنی تم ملک مال وغیرہ کی وجہ سے دُوسروں پر افضل نہیں ہوسکتے، افضلیت کسی اور ہی چیز سے ہے ۵؎ سیاہ فام مومن ہزار ہا سُرخ سفید کافروں سے افضل ہے، سیاہ فام متقی ہزار ہا سُرخ سفید بدکاروں سے افضل ہے۔ شعر:۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　　فدائے یک تن بیگانہ کاشنا باشد
رام نام کستے بھلے کہ ٹپ ٹپکے جام!　　دادروں کنجن دیکھ کوکہ جس مکھ ناہیں رام ۂ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا زَہِدَ عَبْدٌ فِی الدُّنْیَا اِلَّا اَنْبَتَ اللّٰہُ الْحِکْمَۃَ فِیْ قَلْبِہٖ وَاَنْطَقَ بِہَا لِسَانَہٗ وَبَصَّرَہٗ عَیْبَ الدُّنْیَا وَدَآءَ ہَا وَدَوَاءَ ہَا وَاَخْرَجَہٗ مِنْہَا سَالِمًا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔ وَعَنْہُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَخْلَصَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ لِلْاِیْمَانِ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں بے رغبتی کرتا کوئی بندہ دنیا میں ۱؎ مگر اللہ تعالٰی اس کے دل میں حکمت اُگا دیتا ہے، اور اس سے اُس کی زبان میں گویائی دیتا ہے ۲؎ اور اُسے دنیا کے عیب اس کی بیماریاں اور اُن کا علاج دکھا دیتا ہے ۳؎ اور اُسے دنیا سے جنت کی طرف سلامت نکالے گا ۴؎ (بیہقی، شعب الایمان) روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کامیاب ہو گیا وہ جس نے اپنے دل کو ایمان کے لئے اللہ سے خالص کیا ہے،

م یہ کہا جا چکا ہے۔ کہ تقوٰی کے چار درجے ہیں۔ تقوٰی عامہ یعنی ایمان۔ تقوٰی خاصہ حرام چیزوں سے بچنا تقوٰی خاص الخاص مشکوک چیزوں سے بچنا۔ تقوٰی خاص الخواص غفلت سے بچنا ہر تقوٰی کو اس پر بزرگی ہے۔ جو اس سے خالی ہو لہذا کافر سے مومن افضل فاسق سے متقی افضل۔ غافل سے بیدار افضل یہ فرمان عالی بہت ہی وسیع ہے۔

۱؎ یہاں زہد سے مراد دنیا میں دل نہ لگانا ہے۔ اگرچہ لاکھوں کا مالک ہو مگر دل یار سے لگا ہو تو وہ زاہد ہی ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ حاجت سے زیادہ مال سے بے رغبت ہونا زہد ہے مرقات نے اسی کو اختیار کیا۔

۲؎ یعنی ایسے شخص کو اللہ تعالٰی چند نعمتیں عطا فرماتا ہے ایک یہ کہ اس کے دل میں علم و معرفت کے چشمے پھوٹیں گے دوسرے یہ کہ اس کی زبان پر تاثیر ہوگی اس سے ہمیشہ حق بات نکلے گی اور اس میں تاثیر ہوگی۔

۳؎ یعنی قدرتی طور پر اسے دنیا کی چیزوں کے عیوب معلوم ہوا کریں گے اور ان عیوب سے بچنے کا طریقہ بھی وہ قدرتی طور پر معلوم کرلیا کرے گا وہ جو حدیث شریف میں ہے۔ کہ اپنے دل سے فتوٰی لو یہ فرمان ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔ ۴؎ یعنی ان شاء اللہ اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور اسے داخلہ جنت کا نصیب ہوگا۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جو دنیا میں راغب ہوگا اس کا حال اس کے برعکس ہوگا۔ ۵؎ اس طرح کہ دوسرے اعضاء کو دنیا میں بھی صرف کیا مگر دل میں اللہ رسول کے سوا کوئی چیز نہ رکھی مکان کے دوسرے کمرے سامان کیلئے ہوتے ہیں مگر مالک کا آرام کمرہ صرف مالک کی خلوت گاہ ہوتا ہے اس میں کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ہمارا دل رب تعالٰی کی خاص جلوہ گاہ ہے جنت ہمارا گھر ہے جہاں سے ہمارے دشمن شیطان کو نکال دیا۔ ہمارا دل رب تعالٰی کا گھر ہے افسوس ہے کہ ہم اس میں شیطان کو بسائیں۔

وَجَعَلَ قَلْبَهٗ سَلِيْمًا وَلِسَانَهٗ صَادِقًا وَنَفْسَهٗ مُطْمَئِنَّةً وَخَلِيْقَتَهٗ مُسْتَقِيْمَةً وَجَعَلَ اُذُنَهٗ مُسْتَمِعَةً وَعَيْنَهٗ نَاظِرَةً فَاَمَّا الْاُذُنُ فَقِمَعٌ وَاَمَّا الْعَيْنُ فَمُقِرَّةٌ لِمَا يُوْعِي الْقَلْبُ وَقَدْ اَفْلَحَ مَنْ جَعَلَ قَلْبَهٗ وَاعِيًا رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔ وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ

اور اپنے دل کو سلامت رکھا[1] اور اپنی زبان کو سچا، اپنے دل کو مطمئن[2] اور اپنی طبیعت کو سیدھا رکھا اور اپنے کان کو سننے والا، اپنی آنکھ کو دیکھنے والا بنایا[3] لیکن کان تو وہ چلن کی خبر ہے[4] اور لیکن آنکھ تو وہ اس چیز کو قائم کرنے والی ہے جسے دل حفاظت کرتا ہے[5] کامیاب ہوگیا۔ وہ جس نے اپنے دل کو حفاظت کرنے والا بنایا[6] (احمد، بیہقی، شعب الایمان) روایت ہے حضرت عقبہ ابن عامر سے

[1] یعنی دل کو دل کی بیماریوں حسد، کینہ، بغض، بدعقیدگیوں اور غفلت کی چیزوں سے سلامت رکھا۔ رب فرماتا ہے الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ سلیم کے معنی ہیں سانپ کا ڈسا ہوا دل وہ ہی پیارا ہے جسے عشق مولیٰ کے سانپ نے ڈس کر دنیا سے مردہ کردیا۔ [2] نفس مطمئنہ وہ ہے جو اللہ کی محبت اس کی اطاعت سے سرشار ہو۔ طبیعت سیدھی وہ ہے جو تکلیف و آرام کسی حال میں یار کے دروازے سے نہ ہٹے۔ دنیا کی کوئی ہوا اسے جنبش نہ دے سکے [3] یعنی اپنے کان سے یار کی بات سنے آنکھ سے قدرت کے نظارے کرے۔ شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا ؎ حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

[4] قمع قاف کے فتحہ میم کے کسرہ سے برتن کے ڈھکنے میں رکھی ہوئی چیز یا برتن کا منہ کہ برتن میں جو چیز جاتی ہے اوس کے منہ سے جاتی ہے۔ جو نکلتی ہے اوس کے منہ سے نکلتی ہے یعنی کان دل کا راستہ ہے اس راستہ سے اچھی باتیں دل تک پہنچتی ہیں [5] یعنی آنکھ دل کا دوسرا راستہ ہے کہ اوس کے ذریعہ دل تک چیزیں پہنچتی ہیں۔ محبوب کو آنکھ دیکھتی ہے تو دل محبت کرتا ہے کسی نے کہا ہے۔

دیکھا جو حسن یار طبیعت مچل گئی ؎ آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی

مطلب یہ ہے کہ جسے دل محفوظ رکھتا اوسے آنکھ ہی تو دل میں ثابت کرتی ہے وہاں تک پہنچاتی ہے۔ لہٰذا اپنے کان اور آنکھ کو صاف پاک رکھو تاکہ ان راستوں سے دل تک اچھی چیزیں ہی پہونچا کریں۔ [6] القلب یا تو پیش سے ہے یعنی جس کے دل کو اللہ کی طرف سے محافظ بنایا گیا یا فتحہ سے ہے یعنی جس نے اپنے دل کو محافظ بنایا کہ دل میں اللہ رسول کی محبت اوس کی اطاعت کا جذبہ محفوظ رکھا نیز بزرگوں کی وعظ و نصیحت یاد رکھی۔ ایسے قلب کو یقین سے ترقی ہو کر عین الیقین بلکہ حق الیقین عطا ہوتا ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ واعبد ربك حتی یاتیك الیقین مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ اس آیت میں یقین سے مراد موت ہے۔ کہ وہ یقینی چیز ہے نیز موت سے ہر کافر کو اسلام کی حقانیت کا یقین ہو جاتا ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُعْطِي الْعَبْدَ مِنَ الدُّنْيَا عَلَى مَعَاصِيهِ مَا يُحِبُّ فَإِنَّمَا هُوَ اسْتِدْرَاجٌ ثُمَّ تَلَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ۔ رَوَاهُ أَحْمَدُ۔ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الصُّفَّةِ

وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرمایا جب تم دیکھو کہ اللہ تعالٰی کسی بندے کو اس کے گناہوں کے باوجود دنیا دے رہا ہے، جو بھی وہ بندہ چاہتا ہے تو یہ ڈھیل ہے [1] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ جب وہ بھول گئے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی، تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے، حتی کہ جب وہ لوگ دیئے ہوئے پر خوش ہوگئے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا، تو وہ مایوس ہوگئے [2] (احمد) روایت ہے حضرت ابو امامہ سے کہ صفہ والوں میں سے [3] ایک شخص نے

[1] یعنی اگر کوئی بندہ گناہ کرتا رہے مگر حق تعالٰی کی طرف سے بجائے پکڑ کے نعمتیں ملتی رہیں تو یہ نعمتیں نہیں بلکہ عذاب ہیں کہ اگر پہلی بار ہی اس کی پکڑ ہوجاتی تو یہ توبہ کرلیتا مگر یہ سمجھا کہ میرے اس گناہ سے رب راضی ہے پھر اور زیادہ گناہ کرتا ہے حتی کہ گناہوں میں حد سے بڑھ کر کافر ہوجاتا ہے۔ پھر پکڑا جاتا ہے۔ جیسے فرعون کا حال ہوا۔ استدراج کے معنی ہیں سیڑھی پر چڑھانا درجہ سیڑھی کے ڈنڈے کو کہتے ہیں۔ چونکہ مہلت سے بندہ گناہوں میں ایسی ترقی کرتا ہے۔ جیسے آدمی سیڑھی پر چڑھتا ہے۔ اس لئے مہلت کو استدراج کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے۔ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ [2] اس آیت میں گذشتہ کافر قوموں کا ذکر ہے جیسے قوم فرعون وغیرہ [3] صفہ چھپے ہوئے چبوترہ کو کہتے ہیں جب قبلہ بیت المقدس تھا۔ تو یہ ہی جگہ مسجد تھی تبدیلی قبلہ پر یہ جگہ ویسی ہی چھوڑ دی گئی اور مسجد کی توسیع کردی گئی اب اس جگہ علم دین سیکھنے والے تارک الدنیا صحابہ رہنے لگے جن کے گھر بار اولاد مال وغیرہ کچھ نہ تھا یہ حضرات اکثر ساٹھ ستر کے درمیان رہتے تھے۔ کبھی اس سے کم وبیش انھوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے حضور انور کی صحبت شریف میں رہنے کے لئے وقف کیا ہوا تھا، انھیں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خرچ وغیرہ کے کفیل تھے۔ ایک پیالہ دودھ وغیرہ کے معجزات انھیں حضرات پر ظاہر ہوئے تھے۔ شعر

کیوں جناب بوہریرہ کیسا تھا وہ جام شیر جس سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

حضور انور کو حکم الٰہی تھا کہ انکے ساتھ رہا کرو (قرآن مجید) حضور ان سے فرماتے تھے کہ میں بھی تم میں سے ہوں اور آخرت میں تم میرے ساتھ ہوگے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صوفی اسی صفہ سے بنا ہے یعنی چبوترے پر رہنے والے (اشعہ) یہاں اہل صفہ فرمایا اصحاب رسول اللہ نہ فرمایا کہ صفہ والے تارک الدنیا تھے۔

تُوُفِّيَ وَتَرَكَ دِيْنَارًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيَّةٌ قَالَ ثُمَّ تُوُفِّيَ اٰخَرُ فَتَرَكَ دِيْنَارَيْنِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيَّتَانِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ؛ وَعَنْ مُعَاوِيَةَ اَنَّهٗ دَخَلَ عَلٰى خَالِهٖ اَبِيْ هَاشِمِ بْنِ عُتْبَةَ يَعُوْدُهٗ فَبَكٰى اَبُوْ هَاشِمٍ فَقَالَ مَا

وفات پائی اور ایک دینار چھوڑا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک داغ ۱ فرماتے ہیں کہ پھر دوسرے شخص نے وفات پائی تو اس نے دو دینار چھوڑے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو داغ ۲ (احمد، بیہقی، شعب لایمان)، روایت ہے حضرت معاویہ سے کہ وہ اپنے ماموں سے، کہ وہ اپنے ماموں ابن ابی ہاشم کے پاس اُن کی بیمار پرسی کیلئے گئے، تو ابو ہاشم رونے لگے ۳ انہوں نے کہا کہ

۱ یعنی ایک دینار اُن سے اہل صفہ کے نام پر ایک دھبہ ہے کہ اہل صفہ تارک الدنیا ہونے چاہییں، پھر انھوں نے یہ دینار بھی کیوں رکھا۔ لہٰذا حدیث واضح ہے اس سے نہ تو مالدار اصحابہ پر اعتراض ہو سکتا ہے۔ نہ خود اُن وفات یافتہ حضرات پر۔

۲ یعنی اس شخص نے دو دینار چھوڑ کر اپنے نام اہل صفہ پر دو دھبے لگائے کہ دعوے ہے ترک دنیا کا اور عمل یہ ہے کہ دو دینار پاس ہیں۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں کے لئے مالداری اچھی ہوتی ہے کہ اُس سے وہ شاکر بن جاتے ہیں اور بعض کے لئے غریبی بہتر کہ اُس سے وہ صابر رہتے ہیں۔ اہل صفہ اس دوسری جماعت سے تھے لہٰذا یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے جیسے بعض کے لئے جلوت افضل ہے اور بعض کے لئے خلوت بہتر۔ یہاں (مرقات) نے فرمایا کہ ان حضرات کا صفہ میں رہنا گویا اپنے کو فقیر ظاہر کرنا تھا۔ لوگ انھیں فقیر سمجھ کر خیرات و صدقات دیتے تھے۔ تو یہ لوگ قال سے نہیں بلکہ حال سے سوالی تھے۔ اور جس کے پاس ایک یا دو دینار ہوں اُسے سوال حرام ہے، بلکہ سوال سے حاصل کیا ہوا مال بھی اُسے درست نہیں جو مالدار فقیروں کا سا لباس رکھے یا جو جاہل عالموں کی سی وضع بنائے جو غیر صوفی صوفیانہ رنگ میں رہے۔ پھر لوگ اُسے فقیر یا عالم یا صوفی سمجھ کر نذرانے دیں۔ وہ نذرانے اُس کے لئے حرام ہیں (مرقات)، مگر فقیر کے نزدیک پہلی توجیہ جو اشعۃ اللمعات نے بیان فرمائی بہت ہی قوی ہے کیونکہ حضرات صحابہ سارے ہی عادل ہیں۔ کوئی فاسق نہیں اور حرام کام یا حرام خوراک کا مرتکب فاسق ہوتا ہے ۳ آپکے حالات ابھی کچھ پہلے عرض کئے گئے آپ عقبہ کے بیٹے ہیں، ہندہ بنت عتبہ آپ کی بہن ہیں اور امیر معاویہ کی والدہ تو آپ امیر معاویہ کے ماموں ہوئے، آپکی یہ مرض مرض وفات تھی، غالبًا آپ امیر معاویہ کو دیکھ کر رو پڑے تھے پہلے سے نہیں رو رہے تھے۔

يُبْكِيكَ يَا خَالِ اَوَجَعٌ يُشْئِزُكَ اَمْ حِرْصٌ عَلَى الدُّنْيَا قَالَ كَلَّا وَلٰكِنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَهِدَ اِلَيْنَا عَهْدًا لَمْ اٰخُذْ بِهٖ قَالَ وَمَا ذٰلِكَ قَالَ سَمِعْتُهٗ يَقُوْلُ اِنَّمَا يَكْفِيْكَ مِنْ جَمْعِ الْمَالِ خَادِمٌ وَّمَرْكَبٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاِنِّيْ اَرَانِيْ قَدْ جَمَعْتُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ۞ وَعَنْ اُمِّ الدَّرْدَاءِ قَالَتْ قُلْتُ لِاَبِي الدَّرْدَاءِ مَالَكَ

اے ماموں کیا تکلیف تمہیں پریشان کررہی ہے یا دنیا کی حرص؟ ۱ وہ بولے ہرگز نہیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے ایک عہد لیا تھا، مَیں نے وہ اختیار نہ کیا ۲ پوچھا وہ عہد کیا ہے؟ فرمایا مَیں نے حضور کو فرماتے سُنا کہ تمہیں مال جمع کرنے میں ایک خادم اور ایک سواری، وہ بھی اللہ کی راہ کے لیے ہو، کافی ہے ۳ اور مَیں اپنے کو دیکھ رہا ہوں، کہ مَیں نے جمع کیا ہے ۴ (احمد، ترمذی، نسائی، اور ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ام الدرداء سے، فرماتی ہیں کہ مَیں نے حضرت ام الدرداء سے کہا کہ

۱ یشئز بنا ہے شأز سے بمعنی قلق اور دل کی بے چینی، بے قراری، یعنی آپ کا یہ رونا مجھے بے قراری کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے، اگر بے قراری مرض کی تکلیف سے ہے تو طبیب کو بلاتے ہیں، اور اگر اپنی غریبی سے ہے تو جتنا مال چاہئے ہم حاضر کردیتے ہیں۔ امیر معاویہ کی سخاوت تو مشہور ہے، اس کے متعلق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔

۲ یہ فرمان حضرات صحابہ کی انتہائی انکساری کا ہوتا تھا، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانوں پر جیسا عمل حضرات صحابہؓ نے کیا اس کی مثال گذشتہ انبیاء کرام کے اصحاب میں نہیں ملتی۔

۳ حضور انور کا یہ عہد ساری اُمت سے ہے، اور اس میں ترک دنیا کی رغبت ہے، یعنی اگر تمہارے پاس اس کے سوا اور کوئی مال نہ ہو تو غم نہ کرو کہ اتنا مال کافی ہے، لہٰذا اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمان کے لئے مال رکھنا ہی حرام ہے، ورنہ پھر زکوٰۃ، فطرانہ، قربانی، حج، عمرہ وغیرہ عبادات کیسے ادا ہوں گی۔

۴ یعنی میرے پاس ان چیزوں سے زیادہ مال ہے، آپ کا یہ رونا، اس پر افسوس کرنا بھی عبادت ہے، کہ یہ گریہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہر قول پیارا معلوم ہوتا ہے، جب وہ یاد آتے ہیں، تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں ۞

لَاتَطْلُبُ كَمَا يَطْلُبُ فُلَانٌ فَقَالَ اِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنَّ اَمَامَكُمْ عُقْبَةً كَؤُوْدًا لَايَجُوْزُهَا الْمُثْقَلُوْنَ فَاُحِبُّ اَنْ اَتَخَفَّفَ لِتِلْكَ الْعَقَبَةِ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ مِنْ اَحَدٍ يَّمْشِيْ عَلَى الْمَآءِ اِلَّا ابْتَلَّتْ قَدَمَاهُ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ كَذٰلِكَ صَاحِبُ الدُّنْيَا لَا يَسْلَمُ مِنَ الذُّنُوْبِ

آپ کا کیا حال ہے کہ آپ کمائی نہیں کرتے جیسی فلاں کرتا ہے ۱؎ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ تمہارے لیئے سخت پہاڑ ہیں ۲؎ جنہیں بوجھل لوگ طے نہ کرسکیں گے ۳؎ میں چاہتا ہوں کہ اُن پہاڑوں کے لئے ہلکا رہوں ۴؎ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا کوئی ایسا ہے جو پانی پر چلے، اور اُس کے پاؤں نہ بھیگیں، ۵؎ لوگوں نے عرض کیا نہیں، یارسول اللہ، فرمایا یوں ہی دنیادار گناہوں سے محفوظ نہیں رہتا، ۶؎

۱؎ فلاں سے مراد دوسرے حضرات ہیں۔ مال والے یعنی آپ طلبِ مال کیلئے دوسروں کی طرح کوشش کرکے مالدار کیوں نہیں بن جاتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ دوسروں کی طرح حضورِ انور سے تم مال کیوں نہیں مانگتے۔ حضور تو ایک ہاتھ اٹھاکر غنی کردیتے ہیں۔ شعر

ہاتھ جس طرف اٹھا غنی کردیا! دستِ بحرِ سخاوت پہ لاکھوں سلام

۲؎ یہاں پہاڑ سے مراد موت، قبر، حشر کی مشکلات ہیں جن سے گزرنا بہت ہی مشکل ہے مگر اُس پر آسان ہے جس پر اللہ کرم کرے ۳؎ یعنی مال، حال، عزت وجاہ کے طالبین اُن پہاڑوں کو بہ آسانی طے نہ کرسکیں گے۔ سفر میں جتنا بوجھ زیادہ اتنی ہی تکلیف۔ زیادہ دنیا میں پھنسے ہوئے آدمی کو مرتے وقت نزع کی تکلیف کے علاوہ دُنیا چھوٹنے کا غم بھی ہوتا ہے جو بہت تکلیف کا باعث ہے ۴؎ یعنی میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس مال کم ہو تاکہ میرا حساب بھی کم ہو۔ اسی لئے فقراء بمقابلہ امیروں کے جنت میں پہلے جائیں گے وہ تو عرض کریں گے ایک سوٹا ایک لنگوٹا۔ شعر

دیا جو تُونے کھایا پیا چلے آئے! گدا سے کیا حساب کتاب ہوتا ہے

۵؎ نہایت نفیس تشبیہ ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ انسان پانی میں چلے اور اُس کے پاؤں نہ بھیگیں، پاؤں تو ضرور بھیگیں گے ۶؎ یہاں دُنیا دار سے مراد دل میں دنیا کی محبت رکھنے والا ہے۔ محبتِ دُنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے یا دُنیا سے مُراد وہ دُنیا ہے جو انسان کو اللہ تعالٰی سے غافل کردے دُنیا صفر ہے، آخرت عدد، اگر صفر اکیلا ہو بغیر عدد کے تو خالی ہے۔ اگر عدد سے مل جائے تو اُسے دس گنا کردیتا ہے۔ ابوجہل کی دنیا گناہوں کی جڑ تھی، اور آخرت سے الگ حضرت سلیمان و عثمان غنی کی دُنیا دین کے ساتھ تھی لہذا نیکیوں کی جڑ تھی۔ اللہ تعالٰی ابوجہل و قارون کی دولت سے ہر مسلمان کو بچائے حضرت عثمان کے خزانے سے عطیہ بخشے

رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ۔ وَعَنْ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ أَجْمَعَ الْمَالَ وَأَكُوْنَ مِنَ التَّاجِرِيْنَ وَلٰكِنْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السَّاجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَأَبُوْ نُعَيْمٍ

ان دونوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا۔ روایت ہے حضرت جبیر ابن نفیر سے ارسالاً ۱ فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے یہ وحی نہیں کی گئی کہ مال جمع کروں، اور تاجروں میں سے ہو رہوں ۲ لیکن مجھے یہ وحی کی گئی ہے کہ اپنے رب کی تسبیح بولوں اور سجدہ کرنے والوں میں ہو، اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو، حتی کہ تم کو موت آجائے ۳ (شرح سنہ ابونعیم)

۱ آپ قبیلہ بنی حضرم سے ہیں۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ پایا مگر خلافت صدیقی میں ایمان لائے۔ ۸۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی لہذا یہ حدیث مرسل ہے کہ اس میں صحابی کا ذکر نہیں۔ حضرت جبیر سے جو کہ تابعی ہیں م حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔

۲ یعنی میری زندگی کا مقصد تجارت اور مال جمع کرنا نہیں۔ میری زندگی کا مقصد تبلیغ نبوت اور اللہ کی اطاعت ہے۔ اپنے پاس بقدر ضرورت کبھی مال رکھنا تجارت کرنا اسی کے تابع ہے۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح خیبر کے بعد ازواج پاک کو سال بھر کا خرچ عطا فرما دیتے تھے یا یہ کہ حضور انور نے تجارت، بکریاں چرانے کا کام کیا ہے، ظہور نبوت کے بعد حضور نے چیزیں خریدی ہیں فروخت بھی کی ہیں، مگر وہ سب عارضی چیزیں تھیں۔ حضور کی زندگی پاک کا مقصد وہ تھا جو آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ لہذا حضرت عثمان غنی اور دوسرے صحابہ کرام رضی کا تجارتیں کرنا، مال جمع کرنا ممنوع نہیں تھا۔ اگر مال جمع نہ کیا جاوے تو زکوۃ وحج وعمرہ وغیرہ عبادتیں کیسے کی جاسکتی ہیں۔ کام کرنا اور ہے کام میں مشغول ہو جانا کچھ اور۔

۳ اس آیت کریمہ میں موت آنے تک تسبیح، نماز اور ہر ممکن عبادات کرنے کا حکم ہے یقین سے مراد یقینی چیز یعنی موت ہے خدا کرے مرتے وقت تک کوئی نماز، اللہ کا ذکر، مسجد کی حاضری، تکبیر اولیٰ، نوافل، کوئی چیز نہ چھوٹے۔ حضرات صوفیاء کے نزدیک یقین سے مراد عین الیقین یا حق الیقین ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ تسبیح و نماز تو عبادات ہیں، اور واعبد ربک میں عبودیت کا حکم ہے۔ عبادت اور عبودیت میں بڑا فرق ہے۔ عبادت آسان ہے، عبودیت مشکل ہے۔ اللہ نصیب کرے۔

فِی الْحِلْیَۃِ عَنْ اَبِیْ مُسْلِمٍ۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا اِسْتِعْفَافًا عَنِ الْمَسْئَلَۃِ وَسَعْیًا عَلٰی اَھْلِہٖ وَتَعَطُّفًا عَلٰی جَارِہٖ لَقِیَ اللہَ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَجْھُہٗ مِثْلُ الْقَمَرِ لَیْلَۃَ الْبَدْرِ وَمَنْ طَلَبَ الدُّنْیَا حَلَالًا مُکَاثِرًا مُفَاخِرًا مُرَائِیًا لَقِیَ اللہَ تَعَالٰی وَھُوَ عَلَیْہِ غَضْبَانُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَ اَبُوْنُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ۔

حلیہ بروایت ابی مسلم ۱؎ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حلال روزی تلاش کرے، بھیک سے بچنے کے لئے اور اپنے گھر والوں پر کوشش کرے، اپنے پڑوسی پر مہربانی کرنے کے لئے ۲؎ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ایسے ملیگا کہ اُس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگا ۳؎ اور جو حلال دنیا طلب کرے، مال بڑھاتے فخر و تکبر کرنے، دکھلاوے کیلئے، تو وہ اللہ سے ملے گا، حالانکہ وہ اُس پر ناراض ہوگا، ۴؎ (بیہقی، شعب الایمان۔ اور ابونعیم۔ حلیہ۔)

۱؎ ابومسلم خولانی بڑے زاہد عابد و عالم تھے، اور تابعین میں سے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق سے ملاقات کی ہے ۶۲ھ باسٹھ ہجری میں وفات پائی۔ ۲؎ یعنی مال کمانا تین مقصدوں کے لئے ہونا چاہیئے، اپنی ذات، اپنے بال بچوں اپنے پڑوسیوں کے حقوق ادا کرنے کیلئے، اور یہ تمام کام اللہ و رسول کی رضا کے لئے ہوں۔ پہلی دو چیزیں واجب ہیں یعنی خود بھیک سے بچنا، اور بال بچوں کے حقوق ادا کرنا۔ تیسری چیز یعنی پڑوسیوں سے مالی سلوک کرنا یہ مستحب ہے واجب نہیں، مگر ثواب اس پر یقینی ہے، ۳؎ یعنی اللہ کی رحمت اور دل کی خوشی کی وجہ سے اُس کا چہرہ چمکیلا ہوگا۔ اس حدیث نے گذشتہ تمام احادیث کی شرح کردی کہ وہاں دنیا جمع کرنے اور دنیا کمانے سے ممانعت جو فرمائی گئی ہے وہاں وہ دنیا مراد تھی جو جائز نیت سے نہ ہو، نیت خیر سے دنیا کمانا عبادت ہے کیونکہ یہ بہت سی عبادات کا ذریعہ ہے ۴؎ معلوم ہوا کہ فخر و تکبر کے لئے حلال مال بھی جمع کرنا بُرا ہے، تو حرام مال اس نیت سے جمع کرنا بدرجہا بُرا ہے کہ وہاں مال بھی حرام ہے نیت بھی حرام۔ بہرحال مال میں تین چیزیں ہوں تو مال اچھی چیز ہے کمائی حلال خرچ حلال۔ اور نیت حلال۔

وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ هٰذَا الْخَيْرَ خَزَائِنُ لِتِلْكَ الْخَزَائِنِ مَفَاتِيْحُ فَطُوْبٰى لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلْخَيْرِ مِغْلَاقًا لِلشَّرِّ وَوَيْلٌ لِعَبْدٍ جَعَلَهُ اللّٰهُ مِفْتَاحًا لِلشَّرِّ مِغْلَاقًا لِلْخَيْرِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ۞ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَمْ يُبَارَكْ لِلْعَبْدِ فِيْ مَالِهٖ جَعَلَهٗ فِي الْمَاءِ وَالطِّيْنِ

روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ خیر خزانے ہیں، اور ان خزانوں کی کنجیاں ہیں [1] تو خوشخبری ہو اُس بندے کیلئے جسے اللہ تعالٰی نے خیر کی کنجی اور شر کا بند قفل بنایا [2] اور خرابی ہے اُس بندے کی، جسے اللہ تعالٰی نے شر کی کنجی، اور خیر کا بند قفل بنایا، [3] (ابن ماجہ) روایت ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندے کے مال میں بے برکتی دی جاتی ہے، تو وہ مال کو پانی اور مٹی میں لگا دیتا ہے [4]

[1] یعنی اچھے کام اور اچھی چیزیں بہت سی خوبیوں کے خزانے ہیں، اور بعض انسان خزانوں کی چابیاں ہیں کہ وہ اچھے ہو جاویں تو دُوسرے بھی اچھے ہو جاویں، اگر بادشاہ حکام، علماء، مشائخ متقی ہو جاویں، تو رعایا، شاگرد، مریدین خود بخود متقی بن جاویں، اللہ تعالٰی ہمارے پاکستان کو متقی، پرہیزگار، مومن حکام نصیب کرے، خود بخود دُوسرے لوگ متقی بن جاویں گے الناس علی دین ملوکھم، [2] یعنی وہ شخص خوش نصیب ہے کہ اُس کے ذریعہ لوگوں کو بھلائیاں نصیب ہوں، اور ظلم و ستم بند ہو جاویں، مال، علم بعض کے لئے قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے، بعض کے لئے دُوری کا باعث، قریبًا ہر چیز کا یہ ہی حال ہے، قربِ الٰہی کا ذریعہ ہو، تو خیر ہے ورنہ شر، [3] یعنی بعض لوگ ایسے شریر ہوتے ہیں کہ انکی شر سے دُوسرے محفوظ نہیں ہوتے وہ لوگ منحوس ہیں، دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگوں کے زمانہ اقتدار میں برکت ہی برکت ہو جاتی ہے، ملک آباد، لوگ خوشحال ہو جاتے ہیں، بعض کے برسرِ اقتدار آتے ہی برکتیں ختم ہو جاتی ہیں، [4] ان جیسی احادیث کی شرح پہلے ہو چکی، کہ ان میں بلا ضرورت عالیشان عمارتیں بنانا انکے گارے چونے میں پیسہ خرچ کرنا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالٰی کسی بندے کے مال میں بے برکتی ڈالنا چاہتا ہے، تو اُسے مکانات گرانے بنانے کا شوق دیدیتا ہے، اُسے اللہ و رسول کی راہ میں خرچ کرنے، حق والوں کے حق ادا کرنے کا خیال ہی نہیں آتا، وہ اس میں لگا رہتا ہے کہ یہ بگاڑو یہ بناؤ، ضروری عمارات جیسے مسجد، ضرورت کے مکان و دکانیں اس حکم سے خارج ہیں حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد اقصٰے لاکھوں روپے کے خرچ سے بنائی، حضرت عثمان غنی نے مسجد نبوی پر بہت روپیہ خرچ کیا ۞

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اتَّقُوا الْحَرَامَ فِی الْبُنْيَانِ فَاِنَّهٗ اَسَاسُ الْخَرَابِ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَّا دَارَ لَهٗ وَمَالُ مَنْ لَّا مَالَ لَهٗ وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِیُّ فِی شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔ وَعَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمارات میں حرام سے بچو[1] کیونکہ وہ ویرانی کی جڑ ہے[2] انہیں بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔ روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی، فرمایا دنیا اُس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو[3] اور اُس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو[4] اور اُس کے لیے وہ جمع کرتا ہے جس میں عقل نہ ہو[5] (احمد، بیہقی، شعب الایمان) روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول

[1] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ عمارت پر خرچ کرنے کیلئے حرام مال جمع نہ کرو۔ ورنہ اُس میں حرام کام ہی ہوا کرینگے، اچھی کمائی کی عمارت میں ان شاء اللہ اچھے کام ہی ہوتے ہیں، خراب میں خراب کام، دُوسرے یہ کہ حرام عمارتیں نہ بناؤ، جیسے ناچ گھر، سینما گھر، زنا گھر، شراب خانے، بُت خانے وغیرہ۔ [2] اس جملہ کے بھی دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ مکانات، عمارات عنقریب ویران ہوجائیں گے، پھر اُن کیلئے حرام مال جمع کرکے اپنی آخرت کیوں برباد کرتے ہو؟ دوسرے یہ کہ حرام عمارتیں دین کی خرابی کی جڑیں ہیں، کہ وہاں شرابیں، جُوئے، بدمعاشیاں دن رات ہوا کریں گی، تم ایسی عمارتیں بنا کر مرجاؤ گے، مگر وہاں یہ گناہ ہوتے رہیں گے اور تم کو قبروں میں سزا ملتی رہیگی۔ [3] یہاں دار سے مراد عیش و عشرت کا گھر ہے یعنی دنیا کو عیش کی جگہ وہ ہی سمجھتا ہے جس کے مقدر میں آخرت کا عیش نہ ہو، ورنہ مومن دنیا کو عمل کی جگہ اور رہنے کی منزل سمجھتا ہے کہ جتنی زندگی ہے اس میں کچھ کرلو، یہ پھر نہ ملے گی۔ (مرقات) [4] مال سے مراد حرام ذریعہ سے کمایا ہوا، اور حرام جگہ خرچ کیا ہوا مال ہے، یہ مال حقیقت میں مال نہیں، نرا وبال ہے، یعنی دنیاوی حرام مال کو وہ مال سمجھتا ہے جس کے نصیب میں حلال مال نہیں۔ تم ایسے نہ بنو، مومن اس مال کو راہِ خدا میں خرچ کرکے آخرت سنبھالتا ہے۔

[5] یعنی غافل آدمی دنیاوی عیش و آرام کے لئے مال جمع کرتا ہے اور مومن آخرت کے لئے جمع کرتا ہے، غافل بے وقوف ہے اور مومن عاقل ہے۔

اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ خُطْبَتِہٖ اَلْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ وَ النِّسَآءُ حَبَائِلُ الشَّیْطَانِ وَحُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَةٍ قَالَ وَ سَمِعْتُہٗ یَقُوْلُ اَخِّرُوا النِّسَآءَ حَیْثُ اَخَّرَھُنَّ اللہُ رَوَاہُ رَزِیْنٌ وَ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خطبہ میں فرماتے سُنا، کہ شراب گناہوں کی جامع ہے [1] اور عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں [2] اور دنیا کی محبت ہر گناہ کا سرا ہے [3] راوی فرماتے ہیں، کہ میں نے حضور صلعم کو فرماتے سُنا کہ عورتوں کو پیچھے رکھو، [4] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انھیں پیچھے رکھا ہے، [5] (رزین)

[1] یعنی شراب تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ کہ گناہوں سے عقل روکتی ہے۔ جب شراب سے عقل ہی جاتی رہی ہے تو اب گناہوں سے کون روکے شراب میں انسان قتل اور ماں بہن سے زنا کرلیتا ہے۔ (مرقات)

[2] چنانچہ شیطان عورتوں کے ذریعہ بڑے بڑے متقیوں کو شکار کرتا ہے۔ بلعم ابن باعور جیسا متقی انسان مارا گیا تو عورت کی وجہ سے دنیا میں پہلا قتل یعنی ہابیل کا قتل ہوا تو عورت کی وجہ سے۔

[3] اس حدیث کی شرح اور محبت دنیا کے معنی اور یہ کہ محبت تمام دنیا کا سر ہے۔ سب کچھ پہلے بیان ہو چکا محبت دنیا یہ ہے کہ انسان ہر ذریعہ سے دنیا حاصل کرتا ہے۔ ضرورت پڑے تو دین دنیا پر قربان کردے ظاہر ہے کہ ایسا آدمی حصول دنیا میں ہر گناہ کرلیتا ہے۔ فرعون۔ شداد۔ نمرود۔ یزید جیسے لوگ محبت دنیا کی وجہ سے۔۔۔ بدترین گناہ کر گئے۔

[4] ذکر میں حکم میں۔ درجہ میں عورتوں کو مردوں سے پیچھے رکھو انھیں امام نہ بناؤ کہ انھیں جماعت کی اگلی صفوں میں کھڑا نہ کرو۔ انھیں بادشاہ یا حاکم نہ بناؤ، انھیں پیر یا مرشد بنا کر ان کی بیعت نہ کرو مرد بادشاہ ہیں عورتیں وزیر خیال رہے۔ کہ جس درجہ کی عورت ہوگی۔ اسی درجہ کا مرد بھی لیا جائے گا۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہم جیسے گنہگار حضرت عائشہ صدیقہ۔ فاطمہ زہرا سے افضل ہیں عائشہ صدیقہ سے حضور افضل ہیں۔ فاطمہ زہرا سے علی مرتضیٰ افضل ہیں۔

[5] چنانچہ قرآن مجید ارشاد ہوا کہ الرجال قوامون علی النساء نیز قرآن کریم میں عورتوں کا ذکر مردوں کے بعد ہے۔ المومنون والمومنات بلکہ اکثر جگہ مردوں کے ضمن میں عورتوں کا ذکر ہے۔ جیسے اقیموا الصلوٰة واٰتوا الزکوٰة وغیرہ وغیرہ خیال رہے کہ ملک بلقیس یمن کی بادشاہ تھی مگر کب مسلمان ہونے سے پہلے جب حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائی اور آپ کے نکاح میں آئی یمن کی بادشاہ نہ رہی آپ کی ماتحت ہوئی لہٰذا اس سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کسی دین میں عورتوں کی امامت سلطنت جائز نہ تھی۔ از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے دین میں عورتوں کو یہ عہدے نہ دیے گئے۔

وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ مِنْهُ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ عَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلًا حُبُّ الدُّنْيَا رَأْسُ كُلِّ خَطِيئَةٍ ۞ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي الْهَوَى وَطُولُ الْأَمَلِ فَأَمَّا الْهَوَى فَيَصُدُّ عَنِ الْحَقِّ وَأَمَّا طُولُ الْعَمَلِ فَيُنْسِي الْآخِرَةَ وَهٰذِهِ الدُّنْيَا مُرْتَحِلَةٌ ذَاهِبَةٌ وَهٰذِهِ الْآخِرَةُ مُرْتَحِلَةٌ قَادِمَةٌ

اور بیہقی نے شعب الایمان میں انہیں سے بروایت حسن بطور ارسال روایت کی کہ دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے[1] روایت ہے حضرت جابر سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، کہ جن چیزوں سے میں اپنی اُمت پر خوف کرتا ہوں، اُن میں زیادہ خوفناک نفسانی خواہش ہے' اور لمبی امید[2] لیکن نفسانی خواہش تو وہ حق سے روک دیتی ہے،[3] اور رہی دراز امید، تو وہ آخرت کو بھلادیتی ہے[4] اور یہ دنیا کوچ کر کے جارہی ہے، اور یہ آخرت کوچ کرکے آرہی ہے[5] ان دونوں میں سے

[1] یہ کلام حبُ الدنیا رأس کل خطیئۃ حضرت نبی علیہ السلام کا فرمان ہے' یا راوی نے جناب کا کلام نقل فرمایا ہے، یا حضور اقدس کا اپنا فرمان عالی ہے' یہ حدیث اسناد کے لحاظ سے حسن ہے' (مرقات) [2] یعنی جو دل چاہے وہ کرے' قانون شرعی کا لحاظ نہ کرے۔ اور یہ خیال کرنا کہ ابھی میری عمر بہت ہے' جب مرنے لگوں گا تو نیک کام کرلونگا' یہ دونوں دھوکے ایسے ہیں جن میں عام لوگ گرفتار ہیں' نفس وشیطان گناہ جلدی کراتے ہیں' نیکیوں میں دیر لگواتے ہیں' کہ ابھی عمر بہت ہے' پھر کرلینا۔ [3] نفسانی خواہش سے وہ خواہشات مراد ہیں' جو خلاف اسلام ہوں' جو اُن کی پیروی کرے گا ظاہر ہے کہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت نہ کرے گا۔ [4] آخرت یاد آتی ہے جبکہ اپنی موت سامنے ہو' انسان موت کو قریب سمجھ کر آخرت کی تیاری کرتا ہے' جب یہ خیال دل میں بیٹھ جائے کہ ابھی سَو دو سَو سال مجھے موت آتی ہی نہیں' تو وہ آخرت کی تیاری کیوں کرے گا' لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل برحق ہے[5] جب سے ہم پیدا ہوتے ہیں' تب سے دنیا جارہی ہے اور آخرت آرہی ہے' ہر سانس آخرت کی طرف ایک قدم ہے۔ شعر:۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ☆
خالق نے تری عمر کی ایک سانس گھٹادی ☆

ہمیں خبر نہیں کہ دنیا کب ساتھ چھوڑدے' اور آخرت کب آجاوے ؎

وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تَكُوْنُوْا مِنْ بَنِي الدُّنْيَا فَافْعَلُوْا فَاِنَّكُمُ الْيَوْمَ فِيْ دَارِ الْعَمَلِ وَلَا حِسَابَ وَاَنْتُمْ غَدًا فِيْ دَارِ الْاٰخِرَةِ وَلَا عَمَلَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ ارْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً وَّارْتَحَلَتِ الْاٰخِرَةُ مُقْبِلَةً وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُوْنَ فَكُوْنُوْا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنْ

ہر ایک کے بچے ہیں [۱] اگر تم یہ کر سکو کہ دنیا کے بچے نہ ہو، تو ایسا کرو، کیونکہ تم آج عمل کی جگہ میں ہو، جہاں حساب نہیں، اور تم کل آخرت کے گھر میں ہو گے، جہاں عمل نہ ہو گا [۲] (بیہقی شعب لایمان) روایت ہے حضرت علی سے، فرماتے ہیں، کہ دنیا کوچ کر کے پیٹھ پھیر رہی ہے، اور آخرت کوچ کر کے سامنے آرہی ہے [۳] ان دونوں میں سے ہر ایک کی اولاد ہے، تو تم آخرت کی اولاد بنو، اور دُنیا کی اولاد نہ بنو۔ [۴]

[۱] یہاں بچوں سے مراد تابع، محکوم، زیر فرمان لوگ ہیں، راکب و راغب، یعنی بعض لوگ دنیا کے طالب اُس میں راغب ہیں، بعض آخرت کے طالب اُس میں راغب ہیں، دونوں کا طالب نہیں ہو سکتا، کہ دونوں ضدیں ہیں۔

[۲] یعنی دنیا میں اللہ تمہارا حساب نہیں فرماتا، جو بھی چاہو عمل کر لو، بعد مرنے کے عمل کا وقت نہ ہو گا، حساب ہی حساب ہو گا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ آج تم اپنا حساب خود کرتے رہو۔ خیال رہے، کہ حضرات انبیاء اور بعض اولیاء اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں، تلاوت قرآن کرتے ہیں، مگر اُن اعمال پر ثواب نہیں، لہٰذا یہ حدیث برحق ہے کہ ثواب والا عمل صرف زندگی میں ہی ہو سکتا ہے، صدقات جاریہ میں سب کام زندگی میں ہو چکتا ہے، ہاں اُس کا ثواب مرنے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے، لہٰذا حدیث پر اعتراض نہیں۔

[۳] یہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اپنا قول ہے جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کے بالکل مطابق ہے اسے کہتے ہیں توارد۔ یعنی دنیا اور آخرت دونوں ہی حرکت میں ہیں مگر دنیا جا رہی ہے آخرت آ رہی ہے دنیا جا کر نہ آئے گی آخرت آ کر نہ جائے گی۔

[۴] اس کے معنی اور مطلب ابھی پہلے عرض کئے گئے تم دنیا کے نہ ہو بلکہ دنیا تمہاری بنے، جو اللہ کا ہو جاتا ہے دنیا اس کی ہو جاتی ہے ؛

اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَّلَاحِسَابَ وَغَدًا حِسَابٌ وَّلَا عَمَلَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِيْ تَرْجَمَةِ بَابٍ۔ وَعَنْ عَمْرٍو اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ يَوْمًا فَقَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ اَلَا اِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَاْكُلُ مِنْهُ الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ اَلَا وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ اَجَلٌ صَادِقٌ وَيَقْضِيْ فِيْهَا مَلِكٌ قَادِرٌ اَلَا وَاِنَّ الْخَيْرَ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي الْجَنَّةِ اَلَا وَاِنَّ الشَّرَّ كُلَّهٗ بِحَذَافِيْرِهٖ فِي النَّارِ اَلَا فَاعْمَلُوْا وَاَنْتُمْ مِّنَ اللّٰهِ عَلٰى حَذَرٍ وَّاعْلَمُوْا

کیونکہ آج عمل ہے کھاتا نہیں، اور کل حساب ہوگا، عمل نہ ہوگا ۱؎ (بخاری ایک باب کا عنوان) روایت ہے حضرت عمرو سے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ فرمایا، تو آپ نے خطبہ میں فرمایا، آگاہ رہو کہ دنیا موجود سامان ہے ۲؎ جس سے نیک و بد سب کھاتے ہیں، آگاہ رہو کہ آخرت سچی میعاد ہے، جس میں قدرت والا بادشاہ فیصلہ فرمائے گا ۳؎ خبردار کہ ساری خوبیاں اپنے کناروں سمیت جنت میں ہیں، آگاہ رہو کہ پوری مصیبت کناروں سمیت آگ میں ہے ۴؎ خبردار کہ تم اللہ سے ڈرتے ہوئے عمل کیا کرو ۵؎ اور جان رکھو،

۱؎ اس کے معنی ابھی عرض کئے گئے، کہ دنیا میں رب تعالٰی نہ تو ایمان کا حساب لیتا ہے، نہ اعمال کا، بعد موت کوئی شخص جزا والا عمل نہیں کر سکے گا، اگرچہ بعض مقبول بندے قبر میں نماز و تلاوت کرتے ہیں مگر اس پر جزا نہیں، اسی لئے زندے انہیں ثواب بخشتے ہیں، کہ زندگی کے اعمال کا ثواب ہے۔ اب وہ ثواب خواہ عامل ہی رکھے یا کسی کو بخش دے اُسے اختیار ہے۔

۲؎ عرض فانی سامان کو کہتے ہیں، جو باقی نہ رہے، دنیا کا مال رب تعالٰی کی رضا کی علامت نہیں، یہ مردودوں کو بھی مل جاتی ہے ہاں دنیا میں توفیق خیر مل جانا رضاء الٰہی کی دلیل ہے۔

۳؎ آخرت یعنی موت و قیامت کا وقت مقرر ہے، قیامت میں حاکم صرف اللہ تعالٰی ہی ہوگا۔ تمام بادشاہوں اور حکام کی حکومتیں ختم ہو چکی ہوں گی۔

۴؎ یعنی دنیا کی راحتیں تکالیف سے محفوظ نہیں، اور یہاں کی تکالیف میں بھی کچھ راحتوں کی آمیزش ہے، آخرت کی راحتیں تو خالص ہیں، اور وہاں کی مصیبتیں ہیں تو وہ بھی خالص۔

۵؎ یعنی نیک اعمال کرتے رہو، اور ساتھ ہی رب تعالٰی سے ڈرتے رہو، کہ نہ معلوم یہ عمل قبول ہوں، یا نہ ہوں، مومن کا کام ہے کہ عمل کرنا اور ڈرنا۔ غافل منافق کا کام ہے کہ نہ کرنا اور اکڑنا۔

أَنْتُمْ مَعْرُوْضُوْنَ عَلٰى أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ رَوَاهُ الشَّافِعِيُّ ٭ وَعَنْ شَدَّادٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الدُّنْيَا عَرَضٌ حَاضِرٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا الْبَرُّ وَالْفَاجِرُ وَإِنَّ الْاٰخِرَةَ وَعْدٌ

کہ تم اپنے اعمال پر پیش کیے جاؤ گے [1] تو جو ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اُسے دیکھ لے گا۔ اور جو ذرہ برابر بُرائی کرے گا، وہ بھی اُسے دیکھ لیگا [2] (شافعی) روایت ہے حضرت شداد سے، فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا، کہ اے لوگو! دنیا موجودہ سامان ہے [3] جس سے نیک و بد لوگ کھاتے ہیں [4] اور آخرت سچا وعدہ ہے [5] جس میں

[1] اس عبارت میں قلب ہے۔ مقصد یہ ہے، کہ تم پر تمہارے اعمال پیش ہونگے، مگر فرمایا کہ تم اعمال پر پیش ہوگے، جیسے کہا جاتا ہے عرضت الحوض علی الناقۃ، میں نے حوض کو اونٹنی پر پیش کیا۔ حالانکہ اونٹنی حوض کے سامنے کی جاتی ہے، اُردو میں کہا جاتا ہے کہ گجرات آگیا، حالانکہ گجرات تو اپنی جگہ پر رہا، ہم گجرات میں آگئے۔ ایسے ہی یہ ہے۔ [2] ذرہ سے مراد یا توریت کا ذرہ ہے، یا چھوٹی چیونٹی، اس آیت کریمہ کی تحقیق یہ ہے کہ مَنْ سے مراد یا تو صرف مسلمان ہیں، اور خیر سے مراد وہ نیکی ہے جو ضبط نہ ہو چکی ہو، اور شر سے مراد وہ گناہ ہے جو معاف نہ ہو چکا ہو۔ اور دیکھنے سے مراد ہے اُس کی سزا و جزا بھگتنا۔ یعنی اے مسلمان تجھ کو ذرہ بھر نیکی کی جزا، اور ذرہ بھر گناہ کی سزا ملے گی۔ بشرطیکہ نیکی ضبط نہ ہوئی ہو، گناہ معاف نہ ہوا ہو، یا مَنْ سے مراد ہر انسان ہے، مومن ہو یا کافر، اور دیکھنے سے مراد ہے اپنے اعمال کو آنکھ سے دیکھ لینا، سزا جزا ہو یا نہ ہو، یعنی ہر انسان اپنے ہر عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھے گا، کہ مومن کو اُس کے گناہ دکھا کر معاف کیے جائیں گے۔ کافر کو اُس کی نیکیاں دکھا کر ضبط کی جائیں گی۔ لہٰذا یہ آیت نہ معافی کی آیات و احادیث کے خلاف ہے، نہ ضبطی اعمال کی آیات کے خلاف۔ [3] قرآن مجید میں دنیا کو متاع فرمایا گیا ہے، حدیث شریف میں عرض، لیکن دونوں کے معنی ہیں سامان، چونکہ دنیا کو چھوڑ کر انسان چلا جاتا ہے، دُوسرے آکر اُسے برتتے ہیں اس لئے اُسے متاع یا عرض کہتے ہیں، زمین نے سب کو کھالیا، زمین کو کسی نے نہ کھایا، حاضر بمعنی نقد، یعنی اودھار کا مقابل دنیاوی کام کرو، تو زندگی میں اُس کا نفع نقصان مل جاتا ہے، مگر آخرت کے کام کی جزا و سزا بعد قیامت، یہ بڑا ہی اُودھار ہے جو برزخ و قیامت گزار کر وصول ہوتا ہے [4] یعنی دنیا کے آرام و تکالیف اعمال کی سزا و جزا نہیں، اگر کبھی کسی نیکی سے دنیا مل جائے تو وہ اُس کی جزا نہیں ہے ٭

صَادِقٌ يَحْكُمُ فِيهَا مَلِكٌ عَادِلٌ قَادِرٌ يُحِقُّ فِيهَا الْحَقَّ وَيُبْطِلُ الْبَاطِلَ كُونُوا مِنْ اَبْنَاءِ الْاٰخِرَةِ وَلَا تَكُونُوا مِنْ اَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَاِنَّ كُلَّ اُمٍّ يَتْبَعُهَا وَلَدُهَا۔ وَعَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا طَلَعَتِ الشَّمْسُ اِلَّا وَبِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يُسْمِعَانِ الْخَلَائِقَ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ يَا اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمُّوا اِلَى رَبِّكُمْ مَا قَلَّ وَكَفٰى

انصاف والا، قدرت والا بادشاہ فیصلہ کرے، اُس دن سچ کو سچ، اور جھوٹ کو جھوٹ کر دکھائے گا[1] تم آخرت کی اولاد بنو، اور دنیا کی اولاد میں سے نہ بنو، کیونکہ ہر بچہ اپنی ماں کے پیچھے ہو گا[2] روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں طلوع ہوتا سورج مگر اُس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں[3] پکارتے ہیں، سوائے جن وانس کے ساری مخلوق کو سُناتے ہیں[4] کہ اے لوگو اپنے رب کی طرف آؤ[5] جو تھوڑا ہو، اور کافی ہو، وہ

[1] دنیاوی حکام کی سزاؤں، جزاؤں سے انسان بچ سکتا ہے، رب کے فیصلے سے کوئی نہ بچ سکے گا، کیونکہ نہ تو وہ ظالم ہے نہ بے علم، نہ مجبور، وہاں بچنا صرف اُس کے رحم و کرم سے ہے۔ [2] یہاں ماں اور اولاد سے مراد وہ ہی ہے جو ابھی بیان کیا گیا، [3] اس طرح کہ وہ فرشتے بھی سورج کے ساتھ ہی گردش کرتے ہیں، اور ہر جگہ طلوع کے وقت سورج کے ساتھ ہوتے ہیں لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں، کہ سورج تو ہر وقت کہیں نہ کہیں طلوع کرتا ہی رہتا ہے، جب یہاں دوپہری ہوتی ہے تو کسی اور جگہ صبح سویرا، چونکہ دن نکلنے پر لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوتے ہیں، اس لئے صبح کے وقت ہی یہ اعلان مناسب ہوتا ہے [4] یعنی جن وانس کے سوا باقی ساری مخلوق یہ آواز سُنتی ہے، ان دونوں کو فرشتوں کا یہ کلام حضور کے ذریعہ سُنایا جا رہا ہے، جیسے رب تعالٰی نے اپنا کلام بندوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سُنایا، تاکہ ان دونوں گروہوں کا ایمان بالغیب رہے، کہ ایمان بالغیب ہی سزا و جزا کا دارومدار ہے ان ہی دونوں گروہوں پر ایمان بالغیب واجب ہے [5] یعنی کام کاج میں مشغول ہو کر رب تعالٰی سے غافل نہ ہو جاؤ، ہاتھ کار میں ہو، دل یار کے ساتھ ہو، ہر وقت اُس کے دروازہ پر رہو، رب تعالٰی فرماتا ہے، فَفِرُّوا اِلَى اللّٰهِ، گنہگار ہو تو اسکے دروازے پر آؤ، نیک کار ہو تو آؤ کہ اُس کے سوا اور کوئی دروازہ نہیں۔

خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى رَوَاهُمَا اَبُوْنُعَيْمٍ فِى الْحِلْيَةِ ؛ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ يَبْلُغُ بِهٖ قَالَ اِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ قَالَتِ الْمَلٰئِكَةُ مَا قَدَّمَ وَقَالَ بَنُوْا اٰدَمَ مَا خَلَّفَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِىُّ فِىْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ؛ وَعَنْ مَالِكٍ اَنَّ لُقْمٰنَ قَالَ لِابْنِهٖ يَا بُنَىَّ اِنَّ النَّاسَ قَدْ تَطَاوَلَ عَلَيْهِمْ مَا يُوْعَدُوْنَ وَهُمْ اِلَى الْاٰخِرَةِ سِرَاعًا يَذْهَبُوْنَ وَاِنَّكَ اِسْتَدْبَرْتَ الدُّنْيَا مُنْذُ

اُس سے اچھا ہے جو زیادہ ہو اور غافل کردے[۱] ان دونوں حدیثوں کو ابونعیم نے حلیہ میں روایت کیا۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے، وہ اسے مرفوع کرتے ہیں، فرمایا جب مُردہ مرجاتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں، کہ کیا آگے بھیجا! اور انسان کہتے ہیں، کہ کیا پیچھے چھوڑ گیا[۲] (بیہقی شعب الایمان) روایت ہے حضرت مالک سے کہ لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا، اے میرے بچے، لوگوں پر وہ دراز ہوگیا، جس سے وہ ڈرتے جاتے ہیں[۳] اور وہ آخرت کی طرف دوڑے جارہے ہیں[۴] اور تم جب سے پیدا ہوئے تب سے دنیا کو پیچھے چھوڑ رہے ہو، اور آخرت

[۱] یعنی جو رزق مقدار میں تھوڑا ہو اور انسان کی حاجات پوری کردے، اُسے پاکر انسان رب تعالٰی سے غافل نہ ہوجاوے، وہ اس رزق سے بہتر ہے جو مقدار میں زیادہ ہو اور رب تعالٰی سے غافل کردے، کہ وہ تھوڑا مال اللہ تعالٰی کی رحمت ہے، اور یہ زیادہ مال اللہ کا عذاب ہے۔ علم کا بھی یہی حال ہے کہ بقدر ضرورت علم جو خدارسی کا ذریعہ ہو، اُس زیادہ علم سے بہتر ہے، جو خدا تعالٰی سے غافل کردے، عالم کو متکبر بنادے، خیال رہے کہ فرشتے یہ بات درحقیقت جن وانس کو سناتے ہیں، مگر ہمارے حضور کی معرفت سے اُن تک پہنچاتے ہیں۔ [۲] میت سے مراد وہ ہے جو مرنے لگے، یعنی مرتے وقت اسکے وارثین تو چھوڑے ہوئے مال کی فکر میں ہوتے ہیں کہ کیا چھوڑے جارہا ہے، اور جو ملائکہ اُس کی قبض رُوح وغیرہ کے لئے آتے ہیں وہ اُس کے اعمال وعقائد کا حساب لگاتے ہیں، کہ جیسے اس کے عمل ہوں ویسے ہی فرشتے، ایسے ہی نیک اعمال والے کو رحمت کے فرشتے لیتے ہیں، بدکار کو عذاب کے فرشتے۔ [۳] دراز ہونے سے مراد ہے دُور ہونا، یعنی اعمال سزا و جزاء دُور ہے، کہ بعد قیامت ملے گی۔ اس دُوری سے یہ دھوکا کھا جاتے ہیں کہ ابھی موت و قیامت بہت دُور ہے، نیکیاں کرلیں گے، ابھی خوب مزے اڑالو۔ [۴] یعنی جسے یہ دُور سمجھتے ہیں وہ بہت تیزی سے دوڑی آرہی ہے، کیونکہ لوگ اُس کی طرف ہر سانس میں بڑھ رہے ہیں ؛

كُنْتَ وَاسْتَقْبَلْتَ الْاٰخِرَةَ وَاِنَّ دَارًا تَسِيْرُ اِلَيْهَا اَقْرَبُ اِلَيْكَ مِنْ دَارٍ تَخْرُجُ مِنْهَا رَوَاهُ رَزِيْنٌ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ كُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لَا اِثْمَ عَلَيْهِ وَلَا بَغْيَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ۔ وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ اِذَا كُنَّ فِيْكَ فَلَا عَلَيْكَ مَا فَاتَكَ الدُّنْيَا حِفْظُ

کی طرف جارہے ہو،[۱] اور وہ گھر جس کی طرف تم جارہے ہو اُس سے زیادہ قریب ہے جس سے تم نکل رہے ہو[۲] (رزین) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ لوگوں میں سے کون افضل ہے؟ فرمایا، ہر سلامت دل والا[۳] سچی زبان والا، لوگوں نے عرض کیا، کہ سچی زبان والے کو تو ہم جانتے ہیں، تو سلامت دل والا کیا ہے؟[۴] فرمایا وہ ایسا ستھرا ہے جس پر نہ گناہ ہو، نہ بغاوت، نہ کینہ اور نہ حسد،[۵] (ابن ماجہ، بیہقی، شعب الایمان) روایت ہے انہیں سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تجھ میں چار خوبیاں ہوں، تو تجھ پر ہرج نہیں، کہ دنیا تجھ سے الگ

[۱] جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی عمر شروع ہوجاتی ہے، عمر گذرتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ عمر بڑھ رہی ہے، مگر حقیقت میں گھٹ رہی ہے، ایک شاعر کہتا ہے، شعر: (یسر المرء ما ذھب اللیالی ؛ وکان ذھابھن لہ ذھابا)

[۲] خیال رہے کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اگرچہ دور معلوم ہو، اور ہر جانے والی چیز دور ہے اگرچہ قریب معلوم ہو، لہذا قبر اور آخرت قریب ہے، دنیا دور ہے، کہ وہ چیزیں دوڑی آرہی ہیں، اور دنیا دوڑی جارہی ہے۔

[۳] مخموم بنا ہے خمّ سے خم کے معنی ہیں گھر میں جھاڑو دینا، کہا جاتا ہے خممت البیت، دل گویا گھر ہے، اسے برائیوں سے بچانا، گویا اس میں جھاڑو دینا ہے

[۴] حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فصیح اللسان ہیں، کہ حضور کے کلام سمجھنے کے لئے لغت کی تلاش کرنی پڑتی ہے، یہ پوچھنے والے حضرات عرب تھے، صاحب زبان تھے، مگر مخموم کا ترجمہ پوچھ رہے ہیں۔

[۵] ہر چیز کا کوڑا کچرا مختلف ہوتا ہے، دل کا کوڑا یہ چیزیں ہیں جن سے دل میلا ہوتا ہے، پھر جیسے ناپاک بدن اس مسجد میں آنے کے قابل نہیں، ایسے ہی ناپاک دل مسجد قرب الٰہی کے قابل نہ ہو، رب تعالیٰ فرماتا ہے، اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ ۔

اَمَانَةٍ وَصِدْقُ حَدِيْثٍ وَحُسْنُ خَلِيْقَةٍ وَعِفَّةٌ فِيْ طَعْمَةٍ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ - وَعَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرٰى يَعْنِي الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا - وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجِيْءُ الْاَعْمَالُ فَتَجِيْءُ الصَّلٰوةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصَّلٰوةُ

دیے[1] امانت کی حفاظت، بات کی سچائی، اچھی عادت، کھانے میں پاکدامنی[2] (احمد، بیہقی، شعب الایمان) روایت ہے حضرت مالک سے فرماتے ہیں مجھے خبر پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا کہ اس بزرگی تک آپ کو کس چیز نے پہنچایا جو ہم دیکھ رہے ہیں، فرمایا کہ بات کی سچائی، اور امانت کی ادائیگی، اور بیکار باتوں کو چھوڑ دینے سے[3] (موطا) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اعمال آئیں گے[4] تو نماز آئے گی کہے گی یارب میں نماز ہوں

[1] یعنی اگر یہ چار نعمتیں تجھے خدا عطا فرمادے مگر دنیا تیرے پاس زیادہ نہ ہو، تو تو پرواہ نہ کر، کہ وہ نعمتیں دنیا ومافیہا سے افضل ہیں، بلکہ دنیا کی زیادتی کبھی ان نعمتوں کو نقصان بھی دیتی ہے، لہذا اس صورت میں دنیا کی کمی ہی اچھی ہے۔ [2] جسے یہ توفیق مل جاوے ان شاء اللہ تعالٰی وہ دنیا میں کسی کا محتاج نہیں رہتا، اچھی عادت والا ان شاء اللہ بہت عزت پاتا ہے، جو اپنے حلق کو حرام کمائی سے، اور زبان کو حرام بات سے محفوظ رکھے، ان شاء اللہ تعالٰی وہ بندہ مقبول الدعاء ہوتا ہے، جو رب تعالٰی سے مانگتا ہے، پالیتا ہے، تجربہ ہے، اللہ تعالٰی نصیب کرے، صدق مقال، اکل حلال، عبادات کی اصل ہے۔ [3] یعنی دینی اور دنیاوی فضائل تمہیں کن اچھے اعمال کی بدولت نصیب ہوئے، اللہ تعالٰی کو آپکی کونسی ادا پسند آگئی جس سے آپ کو یہ رتبے مل گئے خیال رہے کہ نبوت تو خاص عطاء ربانی ہے یہ کسی عمل کا نتیجہ نہیں، مگر ولایت قرب الٰہی کبھی بھی ہوتی ہے، کہ کبھی اپنے اعمال سے ملتی ہے کبھی محض وہبی عطاء ربانی، اگر حضرت لقمان نبی ہیں، تو یہ سوال نبوت کے متعلق نہیں، دیگر مراتب کے متعلق ہے، اور اگر آپ نبی نہیں، تب تو کوئی سوال ہی نہیں۔ [4] جو چیز ہم کو دین یا دنیا میں نفع نہ دے، اس کے پیچھے نہ پڑو، اس کی تحقیقات نہ کرو، یہ بہت سی آفتوں، بہت سے گناہوں سے انسان کو بچالیتا ہے، یہ بہترین عمل ہے، مثل مشہور ہے کہ جس گاؤں جانا نہ ہو اُس کے راستہ کی تحقیق کرنا بیکار ہے۔ [5] یعنی قیامت کے دن انسان کے نیک و بد اعمال اُسکے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہونگے، نیک اعمال تو شفاعت کرنے کیلئے اور بُرے اعمال شکایت کرنے، اور اُس کے خلاف گواہی دینے کے لئے، وہاں اعمال کا جسم بھی ہوگا

فَيَقُوْلُ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ فَتَجِئُ الصَّدَقَةُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصَّدَقَةُ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِئُ الصِّيَامُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنَا الصِّيَامُ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِئُ الْاَعْمَالُ عَلٰى ذٰلِكَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِئُ الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَنْتَ السَّلَامُ وَاَنَا الْاِسْلَامُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ اٰخُذُ وَبِكَ اُعْطِيْ

فرمائے گا تو خیر پر ہے، پھر صدقہ آئے گا کہے گا یارب میں صدقہ ہوں، فرمائے گا، تو بھی خیر پر ہے، پھر روزے آئیں گے، عرض کریں گے، یارب ہم روزے ہیں[1] تو فرمائے گا، تم خیر پر ہو، پھر باقی نیک اعمال بھی اسی طرح آئیں گے[2] رب تعالٰی فرمائے گا، کہ تم خیر پر ہو[3] پھر اسلام آئے گا[4] تو عرض کریگا، یارب تو سلام ہے[5] اور میں اسلام ہوں[6] تو رب تعالٰی فرمائیگا کہ تو بھلائی پر ہے، آج تیری وجہ سے میں پکڑوں گا، اور تیرے ذریعہ

اور شکل بھی، یہ بات کریں گے بھی، اور سُنیں گے بھی۔

[1] ان اعمال کا یہ عرض کرنا اپنے عاملین کی شفاعت کی تمہید ہے، عرض کریں گے خدایا تونے قرآن مجید میں تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں ہمارے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں، فلاں فلاں بندہ ہمارا پابند تھا، اُسے بخش دے [2] حج، عمرہ، جہاد، طلب علم، اچھے اخلاق وغیرہ سب ہی بارگاہ الٰہی میں پیش ہونگے، اور یہ ہی عرض کریں گے، اسی ترتیب آگے پیچھے، [3] یعنی اے نیک عملو، تم بھی خیر ہو، تمہارے عاملین بھی خیر۔ [4] ظاہر یہ ہے کہ یہاں اسلام سے مراد دین محمدی ہے، یعنی اصطلاحی اسلام ممکن ہے کہ سارے ہی سچے عقیدے مراد ہوں، تب تمام انبیاء کرام کے دین اس میں داخل ہیں، [5] اسلام پہلے حمد الٰہی کرے گا، شفاعت کی تمہید کے لئے جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کے لئے اولاً سجدہ اور سجدہ میں حمد الٰہی کریں گے، سلام کے معنی سلامت رکھنے والا، یعنی مولا تو اپنے بندوں کو سلامتی وامن بخشنے والا ہے، [6] یعنی میرا کام ہے تیرے بندوں کو تیرے حضور سجدہ کرادینا، تیرا مطیع بنادینا، اسلام کے معنی سربسجود ہونا، مطیع و فرمانبردار بننا، رب تعالٰی فرماتا ہے، فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ، مطلب یہ ہے کہ تیرا کام ہے بندوں کو امان دینا، میرا کام ہے تیرے بندوں کو تیری امان میں لانا، سبحان اللہ کیسی پاکیزہ سفارش وشفاعت ہے، خیر الکلام ما قل ودل، اچھا کلام وہ ہے جو مختصر ہو، مگر جامع ہو۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ کِتَابِہٖ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ وَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ لَنَا سِتْرٌ فِیْہِ تَمَاثِیْلُ طَیْرٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ حَوِّلِیْہِ فَاِنِّیْ اِذَا رَاَیْتُہٗ ذَکَرْتُ الدُّنْیَا۔ وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عِظْنِیْ

سے ڈھونڈے گا[۱] اللہ تعالٰی نے اپنی کتاب میں فرمایا، کہ جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین تلاش کریگا، اُس سے ہرگز قبول نہ کیا جاوے گا، اور وہ آخرت میں نقصان والوں سے ہیں[۲] روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ ہمارا ایک پردہ تھا، جس میں چڑیوں کی تصویریں تھیں[۳] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے عائشہ ہٹادو اسے[۴] کہ جب میں اسے دیکھتا ہوں، تو مجھے دنیا یاد آتی ہے[۵] روایت ہے حضرت ابوایوب انصاری سے، فرماتے ہیں، کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا، کہ مجھے نصیحت فرماؤ،

[۱] یہ ہے رب تعالٰی کی طرف سے قبول شفاعت، یعنی میری پکڑ اور میری معافی صرف تیرے ذریعہ سے ہے، جو تیرا ہے وہ میرا ہے، جو تیرا نہیں، وہ میرا نہیں، مدار نجات صرف تو ہے، تیرے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں، تیرے ہوتے ہوئے کوئی دائمی دوزخی نہیں۔ [۲] یہ آیت کریمہ اس فرمان عالی کی تائید ہے، کہ بغیر اسلام کے کوئی عمل قبول نہیں، اس آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جو اسلام پر فوت ہوا، اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو، مگر وہ خسارہ والوں سے نہیں، اسکی بخشش یقینی ہے، خواہ اوّل سے معافی ہو کر یا کچھ سزا پاکر، ہو، دائمی دوزخ صرف کفار کے لئے ہے (مرقات) لہذا انسان کو شش بھی کرے، اور دعا بھی، کہ موت اسلام پر آوے۔ [۳] یا تو اس وقت تک تصویر حرام نہ ہوئی تھی، یا وہ تصویریں بہت چھوٹی تھیں، جو دُور سے نظر نہ آتی تھیں، اس لئے ہٹائی نہ گئیں، لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں، کہ جاندار کی تصویر رکھنا تو حرام ہے، پھر حضرت عائشہ صدیقہ کے پردہ میں کیوں تھیں۔ [۴] یعنی اس جگہ سے منتقل کردو، ہمارے سامنے نہ رکھو، اور جگہ رکھو، ہٹادو نہ فرمایا ہٹادو، اس وجہ سے جو ابھی عرض کی گئی، کہ یا تو اُس وقت تصویریں حرام نہ ہوئی تھیں، یا بہت چھوٹی تھیں، ایسی چھوٹی تصویریں اب بھی جائز ہیں (لمعات) [۵] یعنی ایسے نقشیں بڑے امیروں کے ہاں ہوتے ہیں، جس سے اُن کی امیری ظاہر ہوتی ہے، یہ پردہ دیکھ کر ہم کو دولتمندی یاد آتی ہے، اس لئے یہ میرے سامنے سے ہٹا دیا جاوے، رب تعالٰی فرماتا ہے، ولاتمدن عینیك الی مامتعنا بہ ازواجا من زھرۃ الدنیا۔ یہ فرمان عالی اس آیت کریمہ پر عمل ہے۔

وَاَوْجِزْ فَقَالَ اِذَا قُمْتَ فِیْ صَلٰوتِكَ فَصَلِّ صَلٰوةَ مُوَدِّعٍ وَلَا تَكَلَّمْ بِكَلَامٍ تَعْتَذِرُ مِنْهُ غَدًا وَاجْمَعِ الْاِيَاسَ مِمَّا فِیْ اَيْدِی النَّاسِ ۔ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ لَمَّا بَعَثَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْيَمَنِ خَرَجَ مَعَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْصِيْهِ وَمُعَاذٌ رَاكِبٌ وَرَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِیْ تَحْتَ

اور مختصر فرماؤ[1] تو فرمایا کہ جب تم اپنی نماز میں کھڑے ہو' تو رخصت ہونے والے کی سی پڑھو[2] اور کوئی ایسی بات نہ کرو' جس سے کل معافی چاہو[3] اور لوگوں کے قبضے کی چیزوں سے پورے مایوس ہو جاؤ[4] روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے، فرمایا جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کی طرف بھیجا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے ساتھ تشریف لے گئے[5] آپ انہیں وصیت فرمارہے تھے' اور جناب معاذ سوار تھے' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل رہے تھے[6]

م خلاصہ یہ کہ ہمارے گھر میں تکلف شان کی چیزیں نہ رہیں۔ [1] مقصد یہ ہے کہ بہت سی باتیں نہ تو مجھے یاد رہیں گی، نہ میں اُن سب پر عمل کرسکوں گا، اس لئے ایک دو باتیں ایسی بتائیں' جن سے میرے دونوں جہان درست ہو جاویں' [2] یعنی ہر نماز یہ سمجھ کر پڑھو، کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو' اگلی نماز کا وقت آنے سے پہلے مجھے موت آجاوے' ظاہر ہے کہ ایسی نماز اچھی طرح دل لگا کر ہی پڑھی جاوے گی، اس میں جواز اور قبول کی شرطیں خوب جمع ہونگی' یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ماسوی اللہ کو چھوڑ کر اور سب سے وداع ہو کر صرف اللہ کی طرف دل لگا کر نماز پڑھو، [3] بہت ہی جامع نصیحت ہے' یعنی اکثر خاموش رہو' اگر بات کرنی پڑے' تو اچھی بات کرو' کسی کے دل دُکھانے والی بات نہ کرو، کہ پھر اُس سے معافی مانگنی پڑے' خاموش رہنا صدہا گناہوں سے بچا لیتا ہے' یا یہ مطلب ہے کہ گناہ کی بات نہ بولو' جس سے توبہ کرنی پڑے (اشعۃ)

[4] یعنی کسی کے مال کی امید و لالچ نہ رکھو' تمہارا دل غنی رہیگا' تمہیں کسی کی خوشامد نہ کرنا پڑے گی۔

[5] حضرت معاذ کو یمن کا حاکم اعلیٰ بنا کر بھیجا' تو حسب معمول اُنہیں پہنچانے کیلئے ثنیۃ الوداع تک تشریف لے گئے' اس طرح کہ حضرت معاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سوار تھے' اور حضور انور پیدل تھے۔

[6] سُنت یہ ہی ہے کہ جس کو وداع کرو' اُسے کچھ دُور پہنچانے کے لئے ساتھ پیدل جاؤ' میں نے اس جگہ کی زیارت کی ہے جہاں تک حضور پہنچایا کرتے تھے' اس عمل شریف میں اپنے مقرر کردہ حکام کا احترام فرمانا ہے۔

رَاحِلَتِهٖ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ يَا مُعَاذُ اِنَّكَ عَسٰى اَنْ لَّا تَلْقَانِىْ بَعْدَ عَامِىْ هٰذَا وَلَعَلَّكَ اَنْ تَمُرَّ بِمَسْجِدِىْ هٰذَا وَقَبْرِىْ فَبَكٰى مُعَاذٌ جَشَعًا لِفِرَاقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ الْتَفَتَ فَاَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ نَحْوَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِى الْمُتَّقُوْنَ مَنْ كَانُوْا وَحَيْثُ كَانُوْا رَوَى الْاَحَادِيْثَ الْاَرْبَعَةَ اَحْمَدُ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ

اُن کے کجاوہ کے نیچے، توجب فارغ ہوئے، فرمایا اے معاذ! ممکن ہے کہ تم اس سال کے بعد مجھے نہ ملو غالبًا[۱] تم اب میری مسجد اور میری قبر پر گزرو،[۲] تو جناب معاذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے گھبرا کر بہت روئے[۳] پھر حضور واپس ہوئے، تو اپنا چہرۂ پاک مدینہ کی طرف کیا[۴] پھر فرمایا، کہ لوگوں میں مجھ سے قریب تر لوگ پرہیزگار ہیں جہاں بھی ہوں[۵]۔ ان چاروں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا۔ روایت ہے حضرت ابن مسعود سے

علم غیب نبی کریم

۱؎ یہاں لعل شک کیلئے نہیں، بلکہ یقین کے لئے ہے، جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے "لعل الله يحدث بعد ذلك امرًا" یا فرماتا ہے "لعلكم تفلحون"۔ ۲؎ وقبری میں واو بمعنی مع ہے یعنی میری قبر پر آؤ گے، جو اسی مسجد میں ہوگی (مرقاۃ) اس فرمان عالی میں پانچ غیبی خبریں ہیں، ایک یہ کہ ہم عنقریب وفات پا جائیں گے، دوسرے یہ کہ ہماری وفات مدینہ منورہ میں ہوگی، تیسرے یہ کہ ہماری قبر انور مسجد نبوی شریف میں ہوگی، چوتھے یہ کہ حضرت معاذ ہماری زندگی میں وفات نہ پائیں گے، بلکہ ہمارے بعد، پانچویں یہ کہ جناب معاذ ہماری قبر پر زیارت کرنے آئیں گے یہ پانچوں باتیں علوم خمسہ سے ہیں، یہ ہے ہمارے نبی کا علم۔ ۳؎ یہ خیال کرکے روئے، کہ میں حضور انور سے اب ہمیشہ کیلئے الوداع ہو رہا ہوں، آج مدینہ منورہ سے چلتے وقت جو حالت حجاج کی ہوتی ہے وہ بیان نہیں ہوسکتی، شعر:۔ بدن سے جاں نکلتی ہے، آہ سینہ سے ٭ ترے فدائی نکلتے ہیں جب مدینہ سے ٭

سے روضہ اچھا، زائر اچھے، اچھی راتیں، اچھے دن ٭ سب کچھ اچھا، ایک رخصت کی گھڑی اچھی نہیں

حضرت معاذ تو آج مدینہ والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ کیلئے الوداع ہو رہے ہیں، ۴؎ یعنی میں آگے روانہ ہوا، حضور انور واپس مدینہ پاک کی طرف پھرے، تو بلند آواز سے یہ فرمایا جو میں نے بھی اپنے کانوں سے سن لیا، کیونکہ حضور نے ان ہی کی تسلی کیلئے تو یہ فرمایا تھا، ۵؎ اس فرمان عالی کے چند مقصد ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ اے معاذ تم اس ظاہری فراق سے غم نہ کرو۔ تقوٰی اور پرہیزگاری اختیار کرو، تو جہاں بھی ہوگے میرے پاس مجھ سے قریب ہی رہو گے دوسرے یہ کہ تا قیامت مسلمان تقوٰی پرہیزگاری کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوسکیں گے، زبان، وطن، قومیت ہم سے قریب ہونے کیلئے کافی نہیں، قرآن کے پاس اطاعت کے قدم سے آؤ، ادا حضور کے

قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ لِتِلْکَ مِنْ عَلَمٍ یُّعْرَفُ بِہٖ قَالَ نَعَمْ التَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃِ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ ؂

فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت کی، کہ اللہ تعالیٰ جس کی ہدایت کا ارادہ کرتا ہے، اُس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے [1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ نور جب سینہ میں داخل ہوتا ہے، تو سینہ کھل جاتا ہے [2] تو عرض کیا گیا، یارسول اللہ کیا اس کی کوئی نشانی ہے جس سے یہ نور پہچانا جائے، فرمایا ہاں، دھوکہ کی جگہ سے دُور رہنا، دائمی گھر کی طرف رجوع کرنا، [3] اور موت آنے سے پہلے اُس کی تیاری کرنا [4]

پاس ارادت کے قدم سے پہنچو. ہم صرف مدینہ میں ہی نہیں رہتے ہم تو عاشقوں کے سینہ میں رہتے ہیں. تیسرے یہ کہ میرے متصل جو خلیفہ بنیں گے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وہ مجھ سے بہت ہی قریب ہوں گے. تم ان کو دیکھ لیا کرنا. اُن کے رخسار میں میرا جمال دیکھو گے (اشعہ و مرقات) بعض حضور کے قرابت دار مکہ میں رہ کر حضور سے دور رہے جیسے ابولہب. بعض دور رہ کر حضور سے قریب رہے جیسے حضرت اویس قرنی. خیال رہے کہ تقوٰی بہت قسم کا ہے جیسا تقوٰی ویسا حضورِ انور سے قرب. تقوٰی کے درجات اس کے اقسام و علامات، ہماری تفسیر نعیمی ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْن کی تفسیر میں دیکھو ؂

[1] اس آیت کریمہ میں ہدایت سے مراد ہدایت خاص ہے جس کے ساتھ توفیق خیر مل جاتی ہے. ہدایت عام تو رب تعالیٰ نے ساری مخلوق کو فرمائی. اس ہدایت عامہ کیلئے نبی سارے انسانوں کے لئے بھیجے [2] اور جب مومن کا سینہ کھل جاتا ہے تو عرش و کرسی لوح و قلم، زمین و آسمان تمام سے زیادہ وسیع ہو جاتا ہے. حدیث قدسی میں ہے کہ میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں، میں تو مومن کے سینہ میں سماتا ہوں، یہ اسی نورانی مومن کا سینہ ہے [3] یعنی اس نور قلبی کی تین علامتیں ہیں. ایک تو دُنیا سے دل نہ لگانا دوسرے آخرت سے دل لگانا. دنیا کو دار الغرور اس لئے فرمایا کہ اس کا دکھلاوا بہت ہے حقیقت کچھ نہیں، جیسے سراب کہ دُور سے پانی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں ریت ہوتی ہے یا جیسے پانی کا بُلبُلا کہ دیکھنے میں بہت اُبھرا ہوا اندر کچھ نہیں. دُنیا سے بادشاہوں، وزیروں، امیروں نے دھوکہ کھایا کہ بہت کچھ جمع کیا. بہت محنت بڑی مشقت سے جمع کیا مگر ایک سانس اُلٹی آگئی، آن کی آن میں سب کچھ چھوڑا، اور خالی ہاتھ چلے گئے. یہ ہے دُنیا کا دھوکا ــــ خیال رہے کہ حضرت

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ وَاَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطٰى زُهْدًا فِی الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوْا مِنْهُ فَاِنَّهٗ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ ۞ بَابُ فَضْلِ الْفُقَرَآءِ. وَمَا كَانَ مِنْ عَيْشِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

روایت ہے حضرت ابوہریرہ اور ابوخلاد سے [1] کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم کسی بندے کو دیکھو کہ اُسے دنیا سے بے رغبتی اور کم بولنے کی نعمتیں دی گئی ہیں [2] تو اُن سے قرب حاصل کرو، کیونکہ اُسے حکمت دی جاتی ہے [3] (بیہقی شعب الایمان) فقیروں کی بزرگی کا بیان۔ [4] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف کیسی تھی۔ [5]

[1] سلیمان و علیہم کی دنیا انہیں دھوکا نہ دے سکی کہ ان کی دنیا آخرت کی کھیتی تھی کہ اس سے انہوں نے رب کو راضی کر لیا اُن کے لئے دار الغرور نہیں بلکہ دار السرور تھی کہ وہ شاد شاد آئے شاد شاد رہے شاد شاد چلے گئے۔

[2] یعنی موت بلکہ علامات موت سے پہلے گناہوں سے توبہ نیک اعمال کا توشہ جمع کر لیتے ہیں۔ ریل آنے سے پہلے سامان تیار رکھتے ہیں موت بار کے پاس لے جانے والی ریل ہے اُس کی آمد سے پہلے سامان تیار کر لو آنے پر کچھ نہ ہو سکے گا۔

[3] ابوخلاد کے نام میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ ان کا نام عبدالرحمن ہے رضی اللہ عنہ، حق یہ ہے کہ ابوخلاد صحابی ہیں۔

[4] یعنی وہ دنیاوی باتیں کم کرتا ہے ذکر اللہ و درود شریف وغیرہ اس میں داخل نہیں کہ خدا کرے ان سے زبان ہر وقت تر رہے۔

(۴) حکمت سے مراد علم با عمل ہے بعض نے فرمایا شریعت و طریقت کا اجتماع حکمت ہے حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص اختیار کرے تو اس کی زبان سے حکمت کے چشمے جاری ہوتے ہیں ان کی صحبت اکسیر ہے رب تعالٰی فرماتا ہے کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْن حقیقت میں ایسا مسلمان نائب پیغمبر وارث رسول ہے (مرقات)۔

[5] فقر کے معنی ہیں خالی ہونا فقیر وہ جو مال سے خالی ہو شریعت میں فقیر وہ ہے جس کے پاس مال کم ہو طریقت میں فقیر وہ ہے جس کا دل کبر و غرور سے خالی ہو اس میں تواضع انکسار مساکین سے محبت ہو فقیر بے صبر اللہ کی رحمت ہے اس کی بہت تعریفیں آئی ہیں اور فقر مع ضجر یعنی بے صبری والا فقیر اللہ کا عذاب ہے اس کے متعلق ارشاد ہوا کہ کبھی فقر کفر بن جاتا ہے اس باب میں پہلی قسم کے فقر کی تعریفیں ہوں گی جو مع صبر ہو۔

[6] سبحان اللہ ان دونوں مضمونوں کا اجتماع بڑا ہی پیارا ہے فقر محمدی مسلمان کا طرۂ امتیاز ہے شعر

سروری در دین ما خدمتگری است　　عدل فاروقی و فقر حیدری است

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رُبَّ اَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْاَبْوَابِ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْ مُصْعَبِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ رَاٰی سَعْدٌ اَنَّ لَهٗ فَضْلًا عَلٰی مَنْ

فصل پہلی۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے نکالے ہوئے[1] اگر اللہ پر قسم کھالیں، تو اللہ انہیں بری کرے[2] (مسلم) روایت ہے حضرت مصعب ابن سعد سے[3] فرماتے ہیں کہ حضرت سعد نے سمجھا کہ انہیں اپنے سے نیچوں پر

حق یہ ہے کہ فقیر صابر افضل ہے، امیر شاکر سے قرآن کریم نے فرمایا کہ اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے اور صبر کے متعلق فرمایا اللہ صابروں کے ساتھ ہے کسی نے حضور غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی سے پوچھا کہ فقیر صابر افضل ہے یا امیر شاکر فرمایا ان دونوں سے فقیر شاکر افضل ہے یعنی فقیری بلا نہیں تاکہ اس پر صبر کرو بلکہ اللہ تعالٰی کی نعمت ہے اس پر شکر کرو۔ احناف کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور مسکین وہ جس کے پاس بالکل مال نہ ہو شوافع کے ہاں اس کے برعکس ہے (اشعہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فقر اختیاری تھا اگر آپ چاہتے تو آپ کے ساتھ سونے کے پہاڑ رہتے (حدیث شریف)

[1] اس فرمان عالی کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا داروں کے دروازوں پر جاتے ہیں وہاں سے نکالے جاتے ہیں، وہ تو رب کے دروازے کے سوا کسی کے دروازے پر نہیں جاتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اُن کی حقیقت سے دنیا غافل ہے اگر وہ کسی کے پاس جاتے تو وہ ان سے ملنا گوارہ نہ کرتا رب نے انہیں دنیا والوں سے ایسا چھپا یا ہوا ہے جیسے لعل پہاڑ میں یا موتی سمندر میں تاکہ لوگ اُن کا وقت ضائع نہ کریں۔

[2] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ بندہ اگر اللہ تعالٰی کو قسم دے کر کوئی چیز مانگے کہ خدایا تجھے قسم ہے اپنی عزت وجلال کی یہ کردے تو رب تعالٰی ضرور کردے یہ ہے بندہ کی ضد اپنے رب پر دوسرے یہ کہ اگر وہ بندہ خدا کے کام پر قسم کھاکر لوگوں کو خبر دے دے تو خدا اُس کی قسم پوری کردے مثلًا وہ کہہ دے کہ خدا کی قسم تیرے بیٹا ہوگا یا رب کی قسم آج بارش ہوگی تو رب تعالٰی اُن کی زبان سچی کرنے کیلئے یہ کردے بعض لوگ بزرگوں کی زبان سے کچھ کہلواتے ہیں، حضور کہہ دو کہ تیرے بیٹا ہوگا کہہ دو کہ تو مقدمہ میں کامیاب ہوگا اس عمل کا ماخذ یہ حدیث ہے (از اشعۃ اللمعات) حضرت غوث بہاء الحق ملتانی اور بوڑھی عورت کا واقعہ اس کا ثبوت ہے کہ عورت نے کہا بہاء الحق واپس آجاؤ اللہ کی قسم آج بارش ہوجائے گی میں بارش کرادوں گی حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کی سلیف زبانی تو قرآن کریم میں مذکور ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھو[3] آپ مصعب ابن سعد ابن ابی وقاص ہیں تابعی ہیں اپنے والد اور حضرت علی ابن عمر طلحہ سے ملاقات ہے رضی اللہ عنہم ۱۰۳ھ ایک سو تین میں وفات ہوئی (اشعہ مرقات)

دُوْنَهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ❊ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُمْتُ عَلٰى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنَ وَأَصْحَابُ الْجَدِّ مَحْبُوْسُوْنَ غَيْرَ أَنَّ أَصْحَابَ النَّارِ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ

بزرگی ہے[1] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے کمزوروں کی برکت سے ہی مدد کیے جاتے ہو، اور روزی دیئے جاتے ہو[2] (بخاری) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، ہم جنت کے دروازے پر کھڑے ہوئے[3] تو وہاں داخل ہونے والے عموماً مسکین لوگ تھے، اور مالدار روکے ہوئے تھے، سوائے اس کے کہ آگ والوں کو آگ کی طرف جانے کا حکم دیدیا گیا تھا[4]

[1] حضرت سعد ابن ابی وقاص مالدار بھی تھے اور بڑے سخی بہادر بھی ایک بار اُن کے دل میں خیال آیا کہ میں فلاں فقیر مہاجر صحابی سے افضل ہوں آپ نے منہ سے کچھ نہ کہا تھا کہ حضور انور نے یہ فرمایا اللہ تعالٰی نے حضور کو دلوں کے خطرات پر مطلع فرمایا ہے آپ کا یہ خیال بطور شکر ہوگا نہ کہ بطور فخر مگر چونکہ یہ تصور کہ میں بہادری اور سخاوت میں فلاں سے افضل ہوں آپ کی شان کے لائق نہ تھا اس لیے یہ ارشاد ہوا۔

[2] یعنی اے سعد تمہاری سخاوت تو دولت سے ہے اور شجاعت طاقت وقوت سے مگر دولت۔ قوت۔ فتح فقراء کی برکت سے وہ تم حضرات کے لیے وسیلۂ عظمیٰ ہیں اس سے توسل ثابت ہوا یہاں مرقات میں فرمایا کہ فقراء مسلمین بندوں کے لیے قطب اور اوتاد ہیں جیسے خیمہ میخوں اور قطب چوب سے قائم ہے ایسے ہی دنیا ان لوگوں سے قائم ہے۔ فقراء کی برکت سے بندوں کو رزق ملتا ہے ان کے طفیل بارشیں ہوتی ہیں غرضیکہ اللہ تعالٰی کی نعمتیں ملنے کا ذریعہ یہ لوگ ہیں (مرقات)

[3] حضور کا یہ قیام یا تو جسمانی معراج کی رات تھا یا خواب کی معراج میں یا کشف والہام میں (مرقات)

[4] خلاصہ یہ ہے کہ مالدار لوگ دو قسم کے ہیں ایک جنتی دوسرے دوزخی جو مالدار دوزخی ہیں وہ تو دوزخ میں ٹھہرائے گئے جیسے قارون فرعون ابوجہل وغیرہ جو جنتی ہیں وہ حساب کے لیے رُوکے ہوئے ہیں رہے فقراء مسلمان وہ جنت میں بھیج دیئے گئے خیال رہے کہ مالدار جنتیوں سے مراد وہ مالدار ہیں جن کا حساب ہونا ہے جن کا حساب ہی نہیں لیا جانا وہ جنت میں فوراً بھیج دیئے گئے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم یہ بھی خیال رہے کہ یہ چالیس سال مالداروں سے حساب میں صرف نہ ہوں گے رب تعالٰی سارے جہان کا حساب بہت تھوڑی دیر میں لے لے گا پھر ایک مالدار کے حساب میں چالیس سال کیسے خرچ ہوں گے بلکہ ان مالداروں کو حساب کے انتظار میں رُکا رہنا پڑے گا جیسے مقدمہ کی تاریخ پر فریقین شام تک انتظار کرتے ہیں کہ کب بلاوا ہو۔

إِلَى النَّارِ وَقُمْتُ عَلَى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَآءُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اطَّلَعْتُ فِي الْجَنَّةِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا الْفُقَرَآءَ وَاطَّلَعْتُ فِي النَّارِ فَرَأَيْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَآءَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ❁ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِينَ يَسْبِقُونَ

اور میں آگ کے دروازے پر کھڑا ہوا، تو وہاں عام داخل ہونے والی عورتیں تھیں [1] (مسلم بخاری)، روایت ہے حضرت ابن عباس سے، فرماتے ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے جنت میں جھانکا [2] تو وہاں کے عام باشندے فقیر لوگ دیکھے [3] اور میں نے دوزخ میں جھانکا، تو وہاں کے اکثر باشندے عورتیں دیکھیں [4] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے، فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ فقراء مہاجرین [5] قیامت کے دن

[1] کیونکہ عورتیں زیادہ تر دنیا کی طرف مائل ہوتی ہیں۔ اور اپنے خاوندوں بلکہ گھر بھر کو نیکیوں سے روک دیتی ہیں خیال ہے کہ یہ واقعات بعد قیامت ہونگے۔ مگر حضور انور کی نظر انہیں اس وقت دیکھ رہی ہے کیونکہ پیغمبر کی نظر غائب چیز کو دیکھ لیتی ہے
[2] یہ واقعہ جسمانی معراج کا نہیں کہ اُس شب تو حضور انور جنت میں تشریف لے گئے تھے وہاں کی سیر فرمائی تھی یہ خواب کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔
[3] کیونکہ حضرات انبیاء کرام کی اطاعت کرنے والے اکثر فقراء ہی رہے آج بھی دیکھ لوکہ علماء، حفاظ وقت پڑھنے پر نمازی شہید اکثر غریب لوگ ہی ہوتے ہیں اب بھی مسجدیں دینی مدرسے غریبوں کے دم سے آباد ہیں امیروں کے لئے کالج، سینما، کھیل تماشے ہیں فرمان پاک بالکل درست ہے۔ [4] اس کی وجہ ابھی بیان کردی گئی کہ عورتیں ناشکری بے صبری زیادہ ہیں عورت بگڑ کر سارے گھر کو بگاڑ دیتی ہے اور سنبھل کر سارے گھر کر سنبھال لیتی ہے بچہ کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے۔ جنت و دوزخ کا یہ داخلہ بعد قیامت ہوگا مگر حضور کی نگاہ شریف نے اسے ملاحظہ فرمالیا ہمارے خواب و خیال سے بھی زیادہ تیز حضور کی نگاہ شریف ہے ہم خواب خیال سے اگلی آئندہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔ [5] چونکہ سارے مہاجرین فقراء بغیر حساب و عذاب جنتی ہیں۔ اس لئے یہاں مہاجرین کی قید ارشاد ہوئی یہاں مہاجرین سے مراد صحابہ مہاجرین ہیں۔ رہے دوسرے فقراء تاقیامت۔ ان میں کوئی دوزخی ہے کوئی جنتی اور جنتی بھی بعض اول سے جنت میں جاویں گے بعض سزا پاکر جیسے مجرم و گنہگار فقیر۔

الْاَغْنِيَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَى الْجَنَّةِ بِاَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٌ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا فَقَالَ رَجُلٌ مِّنْ اَشْرَافِ النَّاسِ هٰذَا وَاللّٰهِ حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ يُّنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ تُشَفَّعَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ مَرَّ رَجُلٌ

مالداروں سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے[1] (مسلم) روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا، تو حضور نے اس شخص سے پوچھا جو حضور کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے[2] وہ بولا یہ شخص شریف لوگوں میں سے ہے[3] اللہ کی قسم اس لائق ہے کہ اگر پیغام دے تو نکاح کر دیا جاوے اور اگر سفارش کرے تو قبول کر لی جاوے[4] راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے[5] پھر دوسرا آدمی گذرا، تو اُس سے

[1] اگر مالداروں سے مراد مالدار صحابہ ہیں تو اس کا مطلب ابھی بیان کر دیا گیا کہ جن مالداروں کا حساب ہوگا اُن سے پہلے فقراء جائیں گے جن کا حساب نہیں وہ اس میں داخل نہیں اور اگر عام مالدار مراد ہیں تو حدیث بالکل واضح ہے خیال رہے کہ یہ فقراء بعض امیروں سے چالیس سال پہلے اور بعض امیروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے لہذا یہ حدیث پانچ سو برس والی حدیث کے خلاف نہیں۔ خریف موسم خزاں کو کہتے ہیں جیسے ربیع موسم بہار کو کہا جاتا ہے خریف بول کر پورا سال مراد لیا جاتا ہے۔ جیسے گردن بول کر پورا جسم مراد لیتے ہیں یعنی جز کے لفظ سے نام سے کل کو تعبیر کرتے ہیں[2] یہ گزرنے والا بھی امیر تھا اور جس سے یہ سوال ہوا وہ بھی امیر ہی تھا یا امیر پرست دنیا دار۔ غالب یہ ہے کہ دونوں کافر یا منافق تھے ورنہ ایک صحابی سارے جہان کے غیر صحابی مسلمان سے افضل ہیں تمام اولیاء اللہ ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے

[3] شریف سے مراد مالدار ہے دنیا والے لوگ مال کو شرافت سمجھتے ہیں اور مالدار کو شریف جانتے ہیں خواہ وہ کیسا ہی بدتر ہو۔

[4] یعنی یہ شخص اپنی امیری کی وجہ سے لوگوں کی نگاہ میں عزت والا ہے کوئی اس کی بات ٹالے گا نہیں اگر رشتہ مانگے گا تو مل جائے گا اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کر لی جائے گی عوام اہل عرب اس کا بڑا احترام کرتے ہیں یہاں عوام کا ذکر ہے نہ کہ حضرات صحابہ کا حضرات صحابہ کرام کے ہاں تقویٰ و پرہیزگاری سے عزت تھی رب تعالٰی فرماتا ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ

[5] حضور انور کی یہ خاموشی ناراضی کی تھی جیسا کہ کلام کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے۔

فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا رَجُلٌ مِّنْ فُقَرَآءِ الْمُسْلِمِيْنَ هٰذَا حَرِيٌّ اِنْ خَطَبَ اَنْ لَّا يُنْكَحَ وَاِنْ شَفَعَ اَنْ لَّا يُشَفَّعَ وَاِنْ قَالَ اَنْ لَّا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا خَيْرٌ مِّنْ مِّلْءِ الْاَرْضِ مِثْلَ هٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ٭ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا شَبِعَ اٰلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ خُبْزِ الشَّعِيْرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتّٰى قُبِضَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟[1] وہ بولا یارسول اللہ! یہ فقیروں مسلمانوں میں سے ہے، اس لائق ہے کہ اگر پیغام دے تو اس کا نکاح نہ کیا جاوے، اور اگر سفارش کرے تو سفارش قبول نہ کی جاوے، اور اگر بات کرے تو سنی نہ جاوے[2] تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اس جیسے زمین بھر کے آدمیوں سے بہتر ہے[3] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرماتی ہیں کہ حضور کی آل مسلسل دو دن جو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے[4] حتی کہ رسول اللہ

[1] یہ گزرنے والے کوئی مسکین فقیر صحابی تھے، جیسے حضرت بلال، صہیب، عمار بن یاسر وغیرہم رضی اللہ تعالٰی عنہم۔

[2] کیونکہ یہ شخص غریب و مسکین ہے، غریب مسکین کی بات دنیا دار نہیں سنتے، نہ سننے سے مراد یہ ہی ہے کہ دنیا دار اس کی بات نہ سنیں، اُس کی فقیری کی وجہ سے، ورنہ حضرات صحابہ کی بات تو اللہ تعالٰی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور قیامت تک کے سارے مسلمان سنتے ہیں، اُن کی بتائی ہوئی باتوں پر ایمان کی بنیاد ہے، اسلام و قرآن سب ان ہی حضرات سے پھیلا۔

[3] یعنی جس کی تو نے تعریف کی اگر ایسے آدمیوں سے روئے زمین بھر جاوے تو ان سب سے یہ آخری اکیلا آدمی افضل و اعلیٰ و اشرف ہے کہ یہ مومن متقی صحابی ہے، اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ پہلا آدمی کوئی امیر کافر تھا یا منافق تھا۔ مومن صحابی نہ تھا۔

[4] بلکہ ایک دن روٹی ایک دن صرف کھجوریں، پانی یا فاقہ ہوتا تھا۔ حضور کا یہ فقر و فاقہ اختیاری تھا اگر چاہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سونے کے پہاڑ ہوتے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، اس فقر و فاقہ کو اختیار فرمانے میں تا قیامت فقراء کو تسلی دینا مقصود تھی۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَعَنْ سَعِيْدِنِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ مَرَّ بِقَوْمٍ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ شَاةٌ مَّصْلِيَّةٌ فَدَعَوْهُ فَاَبٰى اَنْ يَّاْكُلَ وَقَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الدُّنْيَا وَلَمْ يَشْبَعْ مِنْ خُبْزِ

صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ۱؎ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت سعید مقبری سے ۲؎ وہ حضرت ابو ہریرہ سے راوی، کہ وہ ایک قوم پر گذرے، جن کے سامنے بھنی بکری تھی، انہوں نے آپ کو بلایا، تو آپ نے کھانے سے انکار کردیا ۳؎ اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لیگئے حالانکہ جو کی روٹی سے

۱؎ خیال رہے کہ فتح خیبر کے بعد حضور انور ہر زوجہ پاک کو ایک سال کی کھجوریں عطا فرما دیتے تھے کیونکہ خیبر میں باغات کثرت سے ہیں وہاں سے حضور کے حصے کی کھجوریں بہت آتی تھیں یہاں مسلسل دو دن تک روٹی سے سیر ہونے کی نفی ہے لہذا یہ حدیث اس واقعہ کے خلاف نہیں کہ وہاں کھجوروں کی عطا ثابت ہے۔ نیز حضور کے گھر والے ایک دن خود کھاتے تھے دوسرے دن کا کھانا فقراء مسکین کو دیتے تھے بہرحال یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں حضور انور پر آخر زمانہ میں دولت کی بارش ہوگئی تھی مگر سب لوگوں پر تقسیم فرما دیتے تھے ان فتوحات سے پہلے طریقہ مبارکہ یہ تھا شعر

اور کبھی تھوڑی کھجوریں کھانا پانی پی کر پھر رہ جانا دو دو مہینے یوں ہی گزارہ صلی اللہ علیہ وسلم

۲؎ آپ کا نام سعید ہے آپ کے والد کا نام کیسان ہے کنیت ابو سعید ہے یہ دونوں باپ بیٹے تابعی ہیں چونکہ ان کا گھر قبرستان کے کنارہ تھا اس لیے انہیں مقبری کہتے ہیں سعید کی ملاقات حضرت ابو ہریرہ عائشہ صدیقہ سے ہے آخر عمر ان کی عقل میں فتور ہوگیا تھا اس لیے آپ کی بڑھاپے کی روایات معتبر نہیں ہیں پہلے کی روایات مقبول ہیں (از اشعہ۔ مرقات)

۳؎ انکار کی وجہ آگے آرہی ہے اس وقت کچھ حضور کے ان حالات کا دھیان آگیا تو دل بے قرار ہوگیا۔ بھونی بکری کھانے کی طرف مائل نہ ہوا اس لیے نہ کھانا کھایا دوسرے اوقات میں حضرت ابو ہریرہ نے اچھے کھانے بھی کھائے ہیں اچھے کپڑے بھی پہنے ہیں دل کے حالات مختلف ہوتے ہیں جیسا کہ ہر شخص کو تجربہ ہے۔

۴؎ یعنی مجھے اس وقت خیال یہ آگیا ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تو زندگی شریف میں جو کی روٹی سے مسلسل سیر نہ ہوئے اور میں بھونی بکری کھاؤں دل نہیں چاہتا ہم ابھی عرض کرچکے ہیں کہ فتح خیبر سے پہلے تو آمدنی کم ہونے کی وجہ سے یہ حالت تھی اور فتح خیبر کے بعد ترک دنیا بہت سخاوت کی وجہ سے یہ حالت رہی لہذا احادیث واضح ہے خیال رہے کہ یہاں مسلسل نہ کھانے کا ذکر ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ حضور انور نے بھنا مرغ بھی کھایا ہے مگر کبھی شاذ و نادر۔

الشَّعِيرِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّهُ مَشٰى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِخُبْزِ شَعِيرٍ وَإِهَالَةٍ سَنِخَةٍ وَلَقَدْ رَهَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِرْعًا لَهُ بِالْمَدِينَةِ عِنْدَ يَهُودِيٍّ وَأَخَذَ مِنْهُ شَعِيرًا لِأَهْلِهِ وَلَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ مَا أَمْسٰى عِنْدَ آلِ مُحَمَّدٍ صَاعُ بُرٍّ وَلَا صَاعُ حَبٍّ وَإِنَّ عِنْدَهُ لَتِسْعُ نِسْوَةٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰى رِمَالِ حَصِيرٍ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ قَدْ أَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهِ مُتَّكِئًا عَلٰى وِسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا

(بخاری) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جَو کی روٹی اور پگھلی ہوئی چربی لے کر آئے [1] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ایک زرہ اپنی ایک یہودی کے پاس گروی رکھی، اور اس سے اپنے گھر والوں کے لئے جَو لیے [2] میں نے حضور صلعم کو فرماتے سُنا کہ حضور محمد مصطفٰے کے گھر والوں کے پاس ایک صاع گندم نہ ایک صاع دانہ نے شام کی، حالانکہ آپکے پاس نو بیویاں تھیں [3] (بخاری) روایت ہے حضرت عمر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ تنکوں والی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے [4] آپکے اور اس چٹائی کے درمیان کوئی بستر نہ تھا، اور تنکے آپ کی کروٹ میں اثر کرگئے تھے چمڑے کے تکیے پر ٹیک لگائے جس کا بھراؤ کھجور کی چھال سے تھا، [5]

[1] اہالہ پگھلائی ہوئی چربی، اور سنخہ پرانی چربی، جس میں پرانی ہونے کی وجہ سے بُو پیدا ہوگئی ہو، معلوم ہوا کہ ایسی چربی حلال ہے کہ یہ مضر صحت نہیں ہوتی، مگر سڑا بُھسا کھانا صحت کے لئے بہت مضر ہے، اس لئے اس کا کھانا جائز نہیں، [2] حتی کہ جب حضور انور کی وفات ہوتی، تو زرہ یہودی کے ہاں گروی رکھی ہوتی حضرت ابوبکر صدیق نے چھوڑائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار سے تجارتی لین دین، مالی معاملات جائز ہیں، اگرچہ اُن کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو، یہود کی حرام خوری پر قرآن مجید گواہ ہے، ویاکلون اموال الناس بالباطل۔ مگر حضور انور نے اُن سے قرض لیا، کفار کے ہدیے قبول فرمائے۔
[3] آل محمد سے مراد حضور کی ازواج پاک ہیں، اور یہ واقعہ فتح خیبر سے پہلے کا ہے، فتح خیبر کے بعد حضور انور ہر بیوی صاحبہ کو سال بھر کا خرچ دیدیتے تھے، (لمعات واشعۃ) [4] حصیر چٹائی رمال کھجور کے پتوں سے بُنی ہوئی، ان پتوں کو اُردو میں پتنگے کہتے ہیں۔
[5] یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی، تکیہ شریف کا غلاف چمڑے کا تھا جس میں بجائے روئی کے کھجور کی نرم چھال یعنی درخت کھجور کا نرم گودا تھا۔

لِيُفْ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى اُمَّتِكَ فَاِنَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَايَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ اَوَفِيْ هٰذَا اَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اُولٰٓئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِيْ رِوَايَةٍ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا

میں نے کہا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) رب سے دعا فرمایئے کہ وہ آپ کی امت پر وسعت فرمادے [۱] کیونکہ فارس روم پر بڑی وسعت کی گئی ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے [۲] فرمایا اے ابن خطاب تم اس خیال میں ہو [۳] یہ وہ قوم ہے جن کے لئے دنیاوی زندگی میں ان کی نعمتیں دیدی گئیں [۴] اور ایک روایت میں یوں ہے کہ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ دنیا انکے لئے ہو اور آخرت ہمارے لئے [۵]

[۱] اس عرض ومعروض میں یا تو امت کا ذکر زائد ہے مطلب یہ ہے کہ آپ پر وسعت فرمادے مگر بے ادبی کے خوف سے امت کا نام لیا یا مطلب یہ ہے کہ حضور آپ کی امت اس فقروفاقہ میں آپ کی پیروی نہ کرسکے گی دعا فرمائیں کہ ان پر اللہ تعالٰے دنیا وسیع کرے انہیں دنیا میں عیش وعشرت نصیب ہو مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے جیساکہ جواب عالی سے معلوم ہورہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر حضور کے صدقہ سے دنیا بہت ہی فراخ ہوئی تمام دنیا کے بادشاہ مسلمان بنا دئے گئے جیساکہ تواریخ جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں ؎

بوریا ممنون خواب راحتش ۔۔۔ تاج کسریٰ زیر پائے امتش

[۲] یعنی روم وفارس کے بادشاہ کافر ہیں مگر انہیں دنیا بہت دی گئی ہے وہ عیش وآرام میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے محبوب ہیں حضور کا عیش وآرام ان سے زیادہ چاہیے۔

[۳] یعنی تمہاری رائے تو ایسی شاندار ہوتی ہے اس کے موافق قرآنی آیات نازل ہوئی ہیں تم جیسا پختہ اور درست رائے والا کوئی ہی ہوگا تم بھی یہاں دھوکہ کھاگئے اور کسرےٰ وقیصر کی عیش وعشرت والی زندگی کی آرزو رائے ہمارے واسطے کرنے لگے اس لیے یہاں ابن خطاب کے خطاب سے یاد فرمایا نام شریف نہ لیا، ابن خطاب فرماتے میں بھی عجیب ناز وانداز ہے۔

[۴] یعنی ان کفار کو دنیاوی عیش وآرام عطا فرمانا اللہ کی رحمت نہیں بلکہ عذاب ہے کہ اس کی وجہ سے وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم ہوگئے کفر وفسق کے باوجود نعمتیں ملنا ان پر اللہ کا عذاب ہے۔ [۵] یعنی کفار کے لیے صرف دنیا ہو ہمارے لیے آخرت بھی ہو صوفیاء کے نزدیک دنیا وہ ہے جو اللہ سے غافل کردے جو مال ودولت آخرت کا توشہ بن جائے وہ دین ہے لہذا اسی حدیث کی بنا پر دولت عثمانی پر اعتراض نہیں ہوسکتا وہ تو عین دین تھی نیز اللہ تعالٰی نے بعد میں حضور انور کو بہت دولت عطا فرمائی جو حضور نے اپنے ہاتھوں سے بانٹیں اب بھی ہم سب حضور کے آستانہ سے پل رہے ہیں بہرحال یہ حدیث بالکل واضح ہے مومن کی دنیا اور ہے کافر کی دنیا اور شعر

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ لَقَدْ رَاَيْتُ سَبْعِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ اَمَّا اِزَارٌ وَ اِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوْا فِيْ اَعْنَاقِهِمْ فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ اَنْ تُرٰى عَوْرَتُهُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا نَظَرَ اَحَدُكُمْ اِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ فَلْيَنْظُرْ اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلُ مِنْهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے ستر صفہ والے صحابہ کو دیکھا کہ ان میں سے کسی پر چادر نہ تھی [1] یا صرف تہبند تھا یا کمبل جسے وہ اپنی گردنوں میں باندھے تھے [2] جن میں سے بعض وہ تھیں جو آدھی پنڈلی تک پہونچتی تھیں بعض وہ جو ٹخنوں تک پہونچتی تھیں وہ اسے اپنے ہاتھ سے سمیٹے رہتا اس خوف سے کہ اس کا [3] ستر دیکھ لیا جاوے (بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تم میں سے کوئی اسے دیکھے جسے اس پر مال و اعضاء میں بڑائی دی گئی ہے تو اسے بھی دیکھ لے جو اس سے نیچے ہے [4] (مسلم بخاری)

دونوں کی ہے پرواز اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

[1] صفہ کہتے ہیں چبوترے کو (چبوترہ) مسجد نبوی شریف سے متصل طلباء کے لیے ایک چبوترہ مقرر کیا گیا تھا۔ جہاں یہ علم سیکھنے والے حضرات رہتے تھے انہیں اصحاب صفہ کہتے تھے ان کی تعداد کل چار سو ہے ان کے منتظم حضرت ابوہریرہ تھے یہ خود بھی انہیں میں سے تھے ان حضرات نے اپنے کو دین کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مدینہ پاک میں رہتے تو علم سیکھتے تھے ورنہ جہاد میں جاتے تھے اہل مدینہ ان کو اپنے صدقات و خیرات دیتے تھے۔ آج کل بھی دینی مدارس میں بھی ہوتا ہے آجکل کے دینی مدارس کے لیے یہ حدیث اصل ہے۔ (مرقات)

[2] یعنی قمیص تو کسی کے پاس تھی ہی نہیں صرف تہبند تھا وہ بھی اتنا چھوٹا یہ حضرات اس ایک کپڑے میں پورا جسم ڈھانپنے کی کوشش کرتے تھے۔

[3] یعنی لوگ سجدہ و رکوع۔ یا اٹھتے بیٹھتے اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے کیونکہ ان کپڑوں کی چوڑائی بہت کم تھی اگر ہاتھ سے نہ پکڑتے تو کھل جاتا ان ہاتھوں میں اسلام پروان چڑھا ہے جو لوگ ناشکرے ہیں کہ بہت نعمتوں کے مالک ہیں پھر اپنے کو غریب ہی کہتے ہیں۔

[4] یعنی اگر تم کبھی ایسے شخص کو جو صحت یا دولت میں تم سے زیادہ ہو اور تم کو اس پر رنج ہو تو فوراً ایسے کو بھی دیکھ جو صحت دولت میں تم سے کم ہے اور خدا کا شکر کرو حضرت سعدی فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے پاس جوتہ نہ تھا میں لوگوں کو جوتہ پہنے دیکھ کر رو رہا تھا اچانک میں نے اسے دیکھا جس کے پاؤں ہی نہ تھے وہ چوتڑوں سے گھسٹ رہا تھا میں سجدہ میں گر کے شکر کرنے لگا یہ ہے اس حدیث پر عمل اس سے دل کو بہت تسکین ہوتی ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ اُنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ اَجْدَرُ اَنْ لَا تَزْدَرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْفُقَرَاءُ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِيَاءِ بِخَمْسِ مِائَةِ عَامٍ نِصْفِ يَوْمٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اور مسلم کی روایت میں ہے فرمایا تم اپنے سے نیچے کو دیکھو اپنے سے اوپر کو نہ دیکھو یہ عمل اس کا باعث ہے کہ تم اللہ کی نعمت کی ناقدری نہ کرو [1] دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں فقیر لوگ امیروں سے پانچ سو سال [2] یعنی آدھے دن پہلے جائیں گے [3] (ترمذی) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ

[1] دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تاکہ تم شکر کرو اور دین کی چیزوں میں اپنے سے اوپر کو دیکھو تاکہ تم اپنی عبادت پر تکبر نہ کرو اگر تم پنجگانہ نماز پڑھتے ہو تو انہیں دیکھو جو تہجد اور اشراق بھی پڑھتے ہیں۔

[2] اس فرمان عالی کا مطلب ابھی کچھ پہلے عرض کیا گیا کہ جن امیروں کا قیامت میں حساب ہوگا ان امیروں سے پانچ سو سال پہلے فقیر لوگ جنت میں پہنچ جائیں گے لہذا ان امیروں میں حضرت سلیمان علیہ السلام یا حضرت عثمان غنی داخل نہیں کہ ان کا حساب ہی نہیں پھر پیچھے ہونے کے کیا معنی۔ خیال رہے کہ گذشتہ حدیث میں چالیس سال پہلے کا ذکر تھا اور یہاں پانچ سو سال کا ذکر ہے کیونکہ فقراء بعض امیروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے بعض سے پانچ سو سال پہلے جیسا امیر ویسا اس کا حساب اتنی ہی اس کے لیے دیر۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ دیر حساب کی وجہ سے نہ ہوگی رب تعالٰی سارے عالم کا حساب بہت جلدی لے گا یہاں فقراء کی شان دکھانے کے لیے ہوگی کہ امیروں کو حساب کے نام پر روک لیا گیا اور فقیروں کو جنت کی طرف چلتا کر دیا گیا۔

[3] یعنی قیامت کا دن ایک ہزار برس کا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے اِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَاَلْفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ہاں بعض کو پچاس ہزار سال کا محسوس ہوگا ان کے متعلق رب فرماتا ہے فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَۃٍ اور بعض مومنین کو گھڑی بھر کا محسوس ہوگا رب تعالٰی فرماتا ہے فَذٰلِکَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ (مرقات) لہذا آیات میں تعارض نہیں اور ہو سکتا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہو مگر بعض کو ایک ہزار سال کا محسوس ہو بعض کو اس سے بھی کم حتی کہ ابرار کو ایک ساعت کا محسوس ہوگا جیسے ایک ہی رات آرام والے کو چھوٹی محسوس ہوتی ہے تکلیف والے کو بڑی۔

وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَاَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ فَقَالَتْ عَائِشَةُ لِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنَّهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ اَغْنِيَائِهِمْ بِاَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا يَا عَائِشَةُ لَا تَرُدِّي الْمِسْكِيْنَ

وسلم نے عرض کیا الٰہی مجھے مسکین زندہ رکھ [1] مسکین ہی وفات دے [2] اور مسکینوں کے ٹولہ میں حشر نصیب کر [3] تو جناب عائشہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیوں [4] فرمایا کہ مسکین لوگ جنت میں غنیوں سے چالیس برس پہلے جائیں گے [5] اے عائشہ مسکین کو خالی نہ پھیرو

[1] یہاں مساکین سے مراد دل کے مساکین ہیں جن کے دلوں میں تکبر نہ ہو نرمی اور تواضع ہو متواضع بادشاہ بھی مسکین ہے اور متکبر فقیر مسکین نہیں۔مسکین یا بنا ہے مسکنۃ سے بمعنی انتہائی متواضع یا سکون یا سکینہ سے بمعنی وقار،قرار،اطمینان،رضا یا تقضاد۔یہ انسان کی اعلیٰ صفتیں ہیں یہود کے متعلق تو مسکنہ آیا ہے اس سے مراد خواری رسوائی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وضربت علیهم الذلّة والمسکنة۔لہذا حضرت عثمان اگرچہ مال سے غنی ہیں مگر دل سے مسکین و متواضع ہیں جب حضور انور کے پاس بہت دولت آئی تب بھی حضور دل کے متواضع رہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا قبول ہوئی۔

[2] یعنی میرا یہ انکسار و تواضع عارضی نہ ہو دائمی ہو وصال تک قائم رہے کہ میں اپنی نظر میں متواضع ہوؤں اور دوسروں کی نظر میں عظیم الشان۔

[3] یہ ہے مساکین کی انتہائی عظمت کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ مساکین کو میرے زمرہ میرے گروہ میں اٹھا بلکہ فرمایا کہ مجھے مساکین کے زمرہ میں اٹھا۔ایک بادشاہ فقراء و مساکین صالحین پر گزرا انہوں نے بادشاہ کی طرف کوئی توجہ نہ کی بادشاہ غضب ناک ہو کر بولا تم لوگ کون ہو وہ بولے ہم وہ لوگ ہیں کہ ترک دنیا ہماری محبت ہے اور آخرت چھوڑنا ہم سے عداوت ہے بادشاہ اس بات سے کانپ گیا اور بولا کہ مجھ میں تم سے عداوت کی طاقت نہیں۔(مرقات)مطلب یہ ہے کہ قیامت میں مساکین کی ایک جماعت ہو ان میں میں بھی ایک ہوں اگرحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت کے امام ہیں مگر اپنے کو ان میں سے ایک قرار دینا ان کی عزت افزائی ہے۔

[4] یعنی یارسول اللہ حضور اپنے کو مساکین میں محشور ہونے کی دعا کیوں فرمارہے ہیں ان میں کیا خوبی ہے۔

[5] لہذا اگر میں بھی مسکینوں کے زمرہ میں ہوا تو جنت میں غنی لوگوں سے چالیس سال پہلے جاؤں گا خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے دروازے پر بہت ہی پیچھے پہنچیں گے اولًا اپنی امت کو صراط سے گزار کر وہاں پہنچائیں گے مگر دروازہ جنت بند ہوگا ساری مخلوق دروازہ پر جمع ہوجاوے گی۔جب حضور انور وہاں نہایت شان سے پہنچیں گے تو دروازہ حضور کے لیے کھلے گا سب سے پہلے حضور انور پھر انبیاء کرام،پھر حضور کی امت بعد میں دوسری امتیں داخل ہوں گی حضور انور کا یہ فرمان انتہائی تواضع کے لیے ہے۔

وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ يَا عَائِشَةُ أَحِبِّي الْمَسَاكِيْنَ وَقَرِّبِيْهِمْ فَإِنَّ اللّٰهَ يُقَرِّبُكِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ إِلٰى قَوْلِهٖ فِي زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ابْغُوْنِي فِي ضُعَفَائِكُمْ

اگرچہ کھجور کی قاش ہی ہو دے دو [۱] اے عائشہ مسکینوں سے محبت کرو انہیں قریب رکھو تاکہ اللہ تعالٰی قیامت میں تمہیں قریب کردے [۲] (ترمذی بیہقی شعب الایمان۔ اور ابن ماجہ نے حضرت ابوسعید خدری سے فی زمرۃ المساکین تک روایت کی) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مجھے اپنے کمزوروں میں تلاش کرو [۳]

[۱] یعنی جب کوئی مسکین سوال کرنے آئے تو جو میسر ہو اسے دے دو ورنہ ہو تو اس سے اچھی بات کہہ دو۔ ایک بار ام المومنین انگور رکھا رہی تھیں کہ کوئی سائل آیا آپ کے پاس صرف ایک دانہ انگور بچا تھا آپ نے وہ ہی پیش کردیا سائل ناراض ہوگیا تو آپ نے یہ آیت تلاوت کی فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ اور فرمایا انگور تو ذرہ سے بڑا ہے۔ (مرقات)

[۲] معلوم ہوا کہ دنیا میں جو شخص مساکین یہ اولیاء اللہ سے قریب ہوگا وہ کل قیامت میں خدا سے قریب ہوگا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا — او نشیند در حضور اولیاء

اس شعر کا ماخذ یہی حدیث ہے۔

[۳] ضعفاء سے مراد وہ نیک مومن ہیں جن میں کبھی شیخی شان نہیں ہوتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ایسے نیک مومنوں میں ڈھونڈھو میں ان میں ملوں گا ڈھونڈو کا مطلب یہ ہے کہ ان فقراء و مساکین کی خدمت کرو جس سے وہ راضی ہوجائیں ان کی مجلسوں میں حاضر ہو یہاں مرقات نے بحوالہ ابن ملک فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی توجہ سے تو ہر دم ان مقبولوں کی مجلس میں رہتے ہیں مگر کبھی کبھی جسماً وصورۃً بھی ان مجلسوں میں تشریف فرما ہوتے ہیں (مرقات) ایسی پاک مجلسوں میں اگر کوئی اجنبی شخص نظر پڑے تو اس سے مصافحہ ضرور کرے ممکن ہے کہ اس گروہ میں کوئی شہسوار ہو حضرت جبریل شکل انسانی میں حضور کی بارگاہ میں آتے تھے خضر علیہ السلام مختلف انسانی شکلوں میں لوگوں سے ملاقات کرتے رہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض امتیوں کے جنازہ میں شرکت کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی پہلی محراب ختم ہونے پر ختم شریف کی مجلس میں شرکت فرمائی چنانچہ فتاوی عزیزیہ کے مقدمہ صفحہ ۱۳ میں شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات میں یہ واقعہ بالتفصیل مذکور ہے عبارت یہ ہے نامش پرسیدند گفت ابوہریرہ، کہ نعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ بودند امروز ختم قرآن عبدالعزیز است ماخواستیم رفت ومراد رجاء دیگر بکارے فرستادہ بودند ازیں جہت تاخیر واقع شد ایں گفت وغائب شد

فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْتُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَآئِکُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْ اُمَیَّةَ بْنِ خَالِدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اُسَیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ کَانَ یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیْكِ الْمُهَاجِرِیْنَ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَعَنْ اَبِیْ

تم اپنے کمزوروں کی وجہ سے ہی روزی اور فتح دیئے جاتے ہو[1] (ابوداؤد) روایت ہے امیہ ابن خالد ابن عبداللہ[2] ابن اسید سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ حضور انور فقراء مہاجرین کے توسل سے فتح مانگتے تھے[3] (شرح سنہ)[4] روایت ہے حضرت

فتاوی عزیزیہ صفحہ ۱۲ عرس بزرگاں میلاد شریف کی مجلسوں بزرگان دین کی زیارت میں شرکت کرنے کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ شاید یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدم بوسی نصیب ہو جائے۔

گدا بن کر میں ڈھونڈوں تم کو گھر گھر مرے آقا مجھے چھوڑا ہے کس پر

آخرت میں حضور کے ملنے کے تین مقام ہیں۔ لب کوثر۔ میزان۔ صراط دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ملنے کی جگہ بزرگوں کی مجلسیں ہیں ان سے دوری اللہ رسول سے دوری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

چوں شدی دور از حضور اولیا ایں چنیں داں دور گشتی از خدا

[1] کیونکہ ضعفاء میں قطب اور اوتار ولی ہوتے ہیں قطبوں اوتاروں سے دنیا کا نظام قائم ہے اگر یہ رہیں تو دنیا رہے جیسے خیمہ چوب اور عناب۔ میخوں سے قائم ہے اگر یہ نہ رہیں تو خیمہ گر جائے آسمان کا خیمہ ان بزرگوں سے قائم ہے (مرقات)

[2] بعض محدثین نے امیہ ابن خالد کو صحابی کہا ہے مگر حق یہ ہے کہ آپ تابعی ہیں ثقہ ہیں مکی ہیں یا مدنی ۸۶ھ کے بعد وفات پائی۔

[3] چنانچہ حضور انور جہاد میں یوں دعا فرماتے تھے اللھم انصرنا علی الاعداء بحق عبادك الفقراء المهاجرين اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود رب کے وسیلہ عظمیٰ ہیں، مگر آپ کا ان کے وسیلہ سے دعا فرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ مقبول بندوں کے وسیلہ سے دعا کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور افضل بندے اپنے نیک خدام کے وسیلہ سے دعا کیا کریں، صرف نیک اعمال کے وسیلہ پر قناعت نہ کیا کریں وسیلہ کی بحث ہماری کتاب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء میں ملاحظہ کرو۔

[4] اس حدیث کو بہت طرح قوت حاصل ہے رب فرماتا ہے لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا اگر مکہ سے یہ فقراء مومنین نکل جاتے تو ہم کفار کو عذاب دے دیتے معلوم ہوا کہ کفار کا عذاب سے بچا رہنا فقراء مومنین کی برکت سے ہے ابن ابی شیبہ طبرانی نے امیہ ابن عبداللہ سے روایت کی کان صلی اللہ علیہ وسلم یستفتح بصعالیك المسلمین، امیہ ابن خالد صاحب مشکوٰۃ کے نزدیک صحابی ہیں اور اگر تابعی بھی ہوں تو نہایت ثقہ ہیں ایسے کی مرسل حدیث بلا دغدغہ مقبول ہے (مرقات) یہ آیت و احادیث وسیلہ اولیاء کے لیے اعلیٰ درجہ کی دلیل ہے۔

هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَغْبِطَنَّ فَاجِرًا بِنِعْمَةٍ فَإِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا هُوَ لَاقٍ بَعْدَ مَوْتِهِ إِنَّ لَهُ عِنْدَ اللّٰهِ قَاتِلًا لَا يَمُوْتُ يَعْنِي النَّارَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنَتُهُ وَإِذَا فَارَقَ الدُّنْيَا فَارَقَ السِّجْنَ وَالسَّنَةَ رَوَاهُ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَعَنْ

ابوهریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم کسی بدعمل پر کسی نعمت کی وجہ سے رشک نہ کرو[1] کیونکہ تم نہیں جانتے کہ وہ مرے بعد کس چیز سے ملے گا[2] اس کے لئے اللہ کے نزدیک نہ مرنے والا جان لیوا ہے یعنی آگ[3] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا مومن کا جیل خانہ اور اس کی قحط سالی ہے[4] جب مومن دنیا چھوڑتا ہے تو جیل اور قحط سے نکل جاتا ہے[5] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت

[1] نعمت سے مراد دنیاوی نعمت ہے جیسے اولاد۔ مال۔ ظاہری دنیاوی عزت۔ حکومت وغیرہ یعنی اگر کسی بدکار سیاہ کار کو یہ نعمتیں مل جاویں تو تم اس پر رشک نہ کرو نہ یہ خیال کرو کہ اللہ تعالٰے اس سے راضی وخوش ہے۔

[2] یعنی اس کے لیے یہ نعمتیں بعد موت مصیبت بن جائیں گی جن سے اس کے عذاب میں اور زیادتی ہوگی لہذا یہ نعمت راحت کی شکل میں عذاب ہے۔

[3] یعنی ان نعمتوں کا انجام اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے اگر یہ غریب ہوتا تو شاید توبہ کرلیتا راحت وامیری میں توبہ سے محروم رہا لہذا دوزخ میں گیا۔ یا اگر یہ غریب ہوتا تو گناہ کم کرتا دولت پاکر گناہ زیادہ کیے دوزخ کے سخت تر طبقے میں گیا دولت سے دروازے کھل جاتے ہیں مومن کے لیے نیکیوں کے کافروں کے لیے گناہوں کے، قاتل سے مراد ایذا دہ چیز ہے لا یموت سے مراد ہے غیر فانی۔ دوزخ کی آگ کو فنا نہیں۔

[4] جیسے جیل خانہ میں قیدی کا دل نہیں لگتا اگرچہ وہاں کتنا ہی آرام ہو خواہ اے کلاس کی جیل ہو یا سی کلاس کی اسی طرح مومن دنیا میں دل نہیں لگاتا اگرچہ اسے بڑا ہی آرام ہو لہذا حدیث سے یہ لازم نہیں کہ مسلمان کو دنیا میں تکلیف ہی ہے تکلیف اور چیز ہے دل نہ لگنا کچھ اور چیز جیسے قحط سالی میں انسانوں کو ذلت قلت تکلیف ہوتی ہے ایسے ہی مسلمان کو دنیا میں کوئی نہ کوئی تکلیف رہتی ہی ہے یہ آزمودہ چیز ہے بلکہ تکالیف ناکامیاں ہی انسان کو انسان بنا کر رکھتیں ہیں عیش میں غفلت ہوتی ہے تکلیف میں بیداری۔

قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظَلُّ اَحَدُكُمْ يَحْمِيْ سَقِيْمَهُ الْمَآءَ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِثْنَتَانِ يَكْرَهُهُمَا ابْنُ اٰدَمَ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ

قتادہ ابن نعمان سے ۱ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے دنیا سے بچالیتا ہے ۲ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بیمار کو پانی سے بچاتا ہے ۳ (احمد، ترمذی) روایت ہے حضرت محمود ابن لبید سے ۴ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزیں ہیں جنہیں انسان ناپسند کرتا ہے ۵ موت کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ موت مومن کیلئے فتنے سے بہتر ہے ۶

۵ خیال رہے کہ مومن کو آخرت میں اس قدر آرام و راحتیں ہیں کہ ان کے مقابل دنیا کی بادشاہت بھی جیل ہے اور کافر کو آخرت میں ایسی مصیبتیں ہوں گی کہ ان کے مقابل دنیا کی سخت سے سخت تکلیف بھی گویا جنت ہوگی مومن مرکر دنیاوی جنجال سے چھوٹتا ہے کافر مرکر جنجال میں پھنستا ہے موت ایک ریل ہے جو مومن کو عیش خانہ میں اور کافر کو جیل خانہ تک پہنچاتی ہے۔ جیسے ایک ہی ریل میں کسی کی برات جارہی ہے کسی کو پھانسی کے لیے لے جایا جارہا ہے۔

۱ آپ بدری صحابی ہیں حضرت ابوسعید خدری کے ماں شریکے بھائی انصاری ہیں بیعت عقبہ اور غزوات میں شریک رہے پینسٹھ سال عمر پائی سنہ ۲۳ھ تئیس میں وفات پائی آپ افضل صحابہ میں سے ہیں۔ (مرقات)

۲ اس طرح کہ اس کے دل کو دنیا کی محبت اور غفلت سے محفوظ رکھتا ہے اگرچہ لاکھوں روپیہ کا مالک ہو مگر دل یار سے لگا رہتا ہے یہ مطلب نہیں کہ اسے کبھی امیر نہیں کرتا حضرت سلیمان علیہ السلام اور عثمان غنی بڑے مالدار تھے مگر دنیا کی محبت سے محفوظ تھے وہ دنیا میں تھے دنیا ان میں نہ تھی۔

۳ یہاں بیمار سے استسقاء کی بیماری والا مراد ہے اسے پانی سے بچایا جاتا ہے اس کے پیٹ میں پانی نہیں پہنچنے دیا جاتا یوں ہی اللہ تعالٰی مومن کے دل میں دنیا کی محبت نہیں پہنچنے دیتا مومن کا دل تو صرف تجلی گاہ رب العلمین ہے۔

۴ آپ انصاری اشہلی ہیں عہد رسالت میں پیدا ہوئے صحیح یہ ہے کہ آپ صحابی ہیں سنہ ۹۶ھ میں آپ کی وفات ہے۔

۵ زندگی وہ اچھی ہے جو رب تعالٰی کی اطاعت میں صرف ہو کفر و طغیان و عصیان کی زندگی سے موت بہتر ہے یہاں یہ ہی مراد ہے فتنہ سے مراد ہے گناہ و غفلت وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دعا مانگتے تھے جس کے آخر میں یہ تھا واذا اردت بعبادك فتنةً فاقبضني اليك غير مفتون مولٰی جب تو اپنے بندوں کو فتنہ مبتلا کرے تو مجھے بغیر مبتلا کیے ہوئے ت دے دے۔

خَيْرٌ لِلْمُؤْمِنِ مِنَ الْفِتْنَةِ وَيَكْرَهُ قِلَّةَ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اُحِبُّكَ قَالَ اُنْظُرْ مَا تَقُوْلُ فَقَالَ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ قَالَ اِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَاَعِدَّ لِلْفَقْرِ تِجْفَافًا لَلْفَقْرُ اَسْرَعُ اِلٰى مَنْ يُّحِبُّنِيْ مِنَ السَّيْلِ اِلٰى

اور مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے حالانکہ مال کی کمی حساب کو کم کر دے گی ۱؎ (احمد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مغفل سے ۲؎ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا میں آپ سے محبت کرتا ہوں ۳؎ فرمایا سوچ لے تم کیا کہتے ہو ۴؎ وہ بولا اللہ کی قسم میں آپ سے محبت کرتا ہوں ۵؎ تین بار کہا تو فرمایا کہ اگر تو سچا ہے تو کمبل کانٹے سے فقیری کے لئے تیار ہو جا ۶؎ یقیناً فقیری مجھ سے محبت کرنے والے کی طرف تیز دوڑتی ہے بمقابلہ سیلاب کے اپنی انتہا کی طرف ۷؎ (ترمذی)

۱؎ یہ ان امیروں کے لیے ہے جن کا حساب ہوتا ہے واقعی ایسی امیری سے غریبی اچھی کہ اس غریبی میں جنجال وبال بہت کم ہوتے ہیں ہاں جن امیروں کا حساب نہیں وہ تو بڑے مزے میں ہیں جیسے حضرت شاہ غنی اور دوسرے امیر مومنین۔

۲؎ آپ مشہور صحابی ہیں بیعت الرضوان میں شریک ہوئے اولاً مدینہ منورہ میں پھر بصرہ میں رہے رضی اللہ عنہم

۳؎ یہ عرض کرنا یا اس حدیث پر عمل ہے کہ جس سے تم کو محبت ہو اس سے کہہ دو یا اس آیت کریمہ پر عمل ہے واما بنعمۃ ربک فحدث حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اللہ تعالٰی کی بڑی سے بڑی نعمت ہے اس کا اظہار وہ بھی حضور انور کے سامنے یہ اس نعمت کا شکریہ ہے ورنہ حضور کو تو پتھروں کے دل کا حال معلوم ہے فرماتے ہیں جوہم سے محبت کرتا ہے۔

۴؎ یعنی خوب سوچ سمجھ کر یہ دعویٰ کرو تم بہت ہی بڑی چیز کا دعویٰ کر رہے ہو مجھ سے محبت کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔

۵؎ محبت سے مراد بہت ہی محبت ہے ورنہ ہر مومن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے حضور کی محبت ہی تو اصل ایمان ہے حضور کی محبت سے ہی خدا کی محبت کلمہ۔ قرآن کی محبت اسی محبت سے حاصل ہوتی ہے حضور کے سے تعلق و محبت ایمان کی اصل ہے۔

۶؎ تجفاف ت کے کسرہ اور جیم کے سکون سے بمعنی آلات جنگ خود زرہ وغیرہ یعنی تم تیار ہو جاؤ کہ فقیری کے آفات کا مقابلہ کرسکو۔

۷؎ یہاں بھی فقیری سے مراد دل کی مسکینیت ہے اور دل کا محبت مال سے خالی ہو جانا ہے فقیری اور ناداری آفتوں کے برداشت کرنے پر تیار ہو جانا یعنی جسے اللہ میری محبت دیتا ہے اس کے دل سے محبت مال وغیرہ یکدم نکال دیتا ہے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بعض صحابہ بلکہ عہد فاروقی میں سارے صحابہ بڑے مالدار تھے تو کیا انہیں حضور سے محبت نہ تھی ضرور تھی ان سب کے دل محبت مال سے خالی تھے یہاں مرقات نے فرمایا کہ دنیا میں بہت آفات انبیاء کرام پر آتی ہیں اور یہ ہے ان کا محب تو اس پر آفتیں آئیں گی۔

مُنْتَهَاهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَيَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَّيَوْمٍ مَالِيْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَاْكُلُهٗ ذُوْكَبِدٍ اِلَّا شَيْءٌ يُّوَارِيْهِ اِبْطُ بِلَالٍ

اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے. روایت ہے حضرت انس سے انہوں نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اللہ کی راہ میں بہت ڈرایا گیا جتنا کوئی نہیں ڈرایا جاتا [1] اور میں اللہ کی راہ میں ستایا گیا ایسا کوئی نہیں ستایا جاتا [2] اور مجھ پر تیس دن و رات ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے لئے کھانا نہ تھا جو کلیجے والا کھا سکے سوا اس قدر کے جسے بلال کی بغل چھپائے ہوئے تھی [3]

[1] یعنی دین کی تبلیغ قرآن کریم کی اشاعت کے سلسلے میں جتنا کفار نے مجھے ڈرایا اتنا کسی نبی کو ان کی قوم نے نہیں ڈرایا۔

[2] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دین کی تبلیغ میں جتنا کفار نے مجھے ستایا اتنا کسی نبی کو نہیں ستایا دوسرے یہ کہ جب کفار مکہ نے مجھے بہت ستایا تب میں اکیلا تھا میرے ساتھ طاقتور مسلمان نہ تھے جب لوگ ایمان لائے تو کفار کا زور کم ہو گیا انہیں کم ستایا گیا مرقات نے یہ ہی دوسرے معنی کیے اشعۃ اللمعات نے پہلے معنی کیے نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال اپنی قوم سے تکلیفیں اٹھائیں اور حضور انور نے تیئس سال مگر یہ تیئس سال کی تکالیف ان ساڑھے نو سو برس کی تکالیف سے سخت تر ہیں چونکہ حضور نبیوں کے سردار ہیں اس لیے آپ کی مشکلات بھی زیادہ ہیں ایک شاعر کہتا ہے شعر

بڑوں کو دکھ بہت ہیں چھوٹوں سے دکھ دور تارے سب نیارے ہیں گہن چاند اور سورج

یعنی چاند سورج کو گہن لگتا ہے تاروں کو نہیں لگتا بڑوں کو دکھ ہوتا ہے چھوٹوں کو نہیں۔

[3] یہ واقعہ ہجرت کا نہیں ہے کیونکہ ہجرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف ابوبکر صدیق تھے حضرت بلال ساتھ نہ تھے بلکہ یہ واقعہ طائف شریف تبلیغ کے لیے تشریف لے جانے کا ہے۔ خیال رہے کہ نبوت کے دسویں سال جناب ابو طالب کی وفات ہوئی اور پانچویں دن حضرت ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ہوگئی حضور نے اس سال کا نام عام الحزن رکھا یعنی رنج وغم کا سال تین ماہ کے بعد آخر شوال میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے اس سفر میں آپ کے ساتھ حضرت زید ابن حارثہ تھے آپ نے طائف کے سردار بنی ثقیف کے معتمد شخص عبید یا لیل ابن عبد کلال کو تبلیغ کی اس نے آپ کے پیچھے طائف کے آوارہ لوگ اور وہاں کے لونڈے لگا دیے جنہوں نے حضور انور کو پتھروں سے زخمی کر دیا جناب زید ابن حارثہ نے آپ کو بچایا تو ان کا سر زخموں سے چور ہو گیا تب جبریل امین نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ حکم دیں تو ہم طائف کے پہاڑوں کو ملا دیں جس سے یہ لوگ پس جاویں۔ د

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ وَمَعْنَى هٰذَا الْحَدِيْثِ حِيْنَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَارِبًا مِّنْ مَّكَّةَ وَمَعَهٗ بِلَالٌ إِنَّمَا كَانَ مَعَ بِلَالٍ مِّنَ الطَّعَامِ يَحْمِلُ تَحْتَ إِبْطِهٖ وَعَنْ أَبِيْ طَلْحَةَ قَالَ شَكَوْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوْعَ فَرَفَعْنَا عَنْ بُطُوْنِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ فَرَفَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهٖ عَنْ حَجَرَيْنِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَ

(ترمذی) اور فرمایا کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور آپ کے ساتھ بلال تھے بلال کے ساتھ اتنا کھانا تھا جسے وہ اپنی بغل میں دبائے ہوئے تھے [1] روایت ہے حضرت ابو طلحہ سے فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی تو ہم نے اپنے پیٹ سے ایک ایک پتھر اٹھایا [2] تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیٹ سے دو پتھر دکھائے [3] (ترمذی) اور

اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ممکن ہے ان کی اولاد مسلمان ہو جائے شعر

الٰہ العالمین کر رحم طائف کے مکینوں پر الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر

وہ واقعہ بھی یہاں مراد نہیں کیونکہ اس سفر میں حضرت بلال حضور کے ساتھ نہ تھے بلکہ حضرت زید ابن حارث ساتھ تھے یہاں طائف کا کوئی اور سفر مراد ہے جس میں حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (لمعات، مرقات) بعض نے فرمایا حضور نے طائف کے بہت سفر کیے ہیں ذوکید فرما کر یہ بتایا کہ ہم دونوں کے پاس کوئی ایسی چیز نہ تھی۔ جو کوئی جانور بھی کھا سکے چہ جائیکہ انسان کھائے۔

[1] ظاہر ہے کہ بغل میں کھانا بہت ہی تھوڑا سا سمائے گا چار چھ روٹیاں اتنا کھانا اور تیس دن دو صاحبوں کا گزارہ اس سید الصابرین پر لاکھوں سلام ہوں اللہ تعالٰی ہم تمام کی طرف سے جزا الجزاء عطا فرمائے کہ تبلیغ میں ایسی مشقتیں اٹھائیں جن کی مثال نہ ملے گی۔

[2] یہ واقعہ غزوۂ خندق کا نہیں کیوں کہ اس غزوہ میں تو حضرت ابو طلحہ کے گھر تمام خندق کھودنے والے بلکہ تمام اہل مدینہ کی دعوت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے کہ چار سو جَو کی روٹیوں سے سارے اہل مدینہ کو شکم سیر فرما دیا یہ کسی اور غزوہ کا واقعہ ہے۔

[3] یعنی تمام صحابہ کو ایک ایک دن کا فاقہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دن یا زیادہ کے لگاتار فاقے تھے بہت روز تک نہ کھانے سے انسان میں کھڑے ہونے کی قوت نہیں رہتی پیٹ پر پتھر باندھنے سے کھڑا ہونا ممکن ہو جاتا ہے اسے ہم لوگوں نے نہیں آزمایا یہ کام تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کر گئے ہم تو ایسی نعمتیں کھلاتے ہیں کہ سبحان اللہ۔

قَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهٗ اَصَابَهُمْ جُوْعٌ فَاَعْطَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَمْرَةً تَمْرَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا مَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاقْتَدٰى بِهٖ وَنَظَرَ فِيْ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ

فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے کہ انہیں بھوک نے گھیر لیا [۱] تو انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چھوہارا دیا [۲] (ترمذی) روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جس میں دو عادتیں ہوں اسے اللہ شاکر صابر لکھتا ہے [۳] جو اپنے دین میں اپنے سے اوپر والے کو دیکھے تو اس کی پیروی کرے [۴] اور اپنی دنیا میں اپنے سے نیچے والے کو دیکھے

[۱] یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے یا کسی اور غزوہ کا جس میں سفر بہت دراز تھا۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

[۲] کہ چوبیس گھنٹے میں ایک چھوارا کھا کر گذارہ کریں یہ غذا اور دراز سفر پھر اس پر جہاد وہ حضرات قوت قدسیہ سے ہی جہاد کرتے ہوں گے انسانی طاقت سے یہ بات باہر ہے۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان صفہ والوں کو کبھی ایک ایک کھجور ہی عطا فرماتے تھے اور یہ حضرات اسی پر دن رات نکال لیتے تھے اور علم سیکھنے میں مشغول رہتے تھے۔

[۳] یعنی شکر اور صبر دونوں کا ایک شخص میں بیک وقت جمع ہونا مشکل معلوم ہوتا ہے کہ شکر تو نعمت ملنے پر ہوتا ہے اور صبر نعمت نہ ملنے یا چھن جانے پر ملتا ہے مگر جو ان دو چیزوں پر عمل کرے گا وہ بیک وقت صابر بھی ہوگا اور شاکر بھی یہ ہے گویا اجتماع ضدین۔

[۴] یعنی اگر تم اچھے کام کرتے ہو تو ان پر فخر نہ کرو بلکہ ان حضرات کو دیکھو جو تم سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ لہذا ہر مسلمان حضرات صحابہ واہل بیت کے اعمال میں غور کرے کہ انہوں نے کیسی نیکیاں کیں تاکہ اس میں غرور نہ پیدا ہو اور زیادہ نیکیوں کی کوشش کرے اس کی سبب وجہ سے رب تعالٰی اسے صابر لکھے گا کہ جب یہ شخص ان بزرگوں کے سے کام نہ کرسکے گا تو افسوس کرے گا یہ اس کا صبر ہوگا۔ ہم حضرات صحابہ کو دیکھ کر افسوس کریں کہ اس وقت ہم نہ ہوئے ہم بھی حضور کے جمال سے آنکھیں ٹھنڈی کرتے ان کے قدموں پر جان فدا کرتے یہ ہے صبر شعر

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو نامرادی کے دن لکھے تھے

دُوْنَهٗ فَحَمِدَ اللّٰهَ عَلٰى مَا فَضَّلَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ كَتَبَهُ اللّٰهُ شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِيْ دِيْنِهٖ اِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَنَظَرَ دُنْيَاهُ اِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهٗ فَاَسِفَ عَلٰى مَا فَاتَهٗ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ اللّٰهُ شَاكِرًا وَّلَا صَابِرًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَبْشِرُوْا يَا مَعْشَرَ صَعَالِيْكِ الْمُهَاجِرِيْنَ فِيْ بَابٍ بَعْدَ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْحُبُلِيِّ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو وَسَاَلَهٗ رَجُلٌ قَالَ اَلَسْنَا مِنْ

تو اللہ کا شکر کرے اس پر کہ اللہ نے اسے اس شخص پر بزرگی دی[1] تو اللہ اسے شاکر صابر لکھے گا اور جو اپنے دین میں اپنے سے کم کو دیکھے اور اپنی دنیا میں اپنے سے اوپر کو دیکھے تو فوت شدہ دنیا پر غم کرے اللہ اسے نہ شاکر لکھے نہ صابر[2] (ترمذی) ابوسعید خدری کی حدیث کہ اے فقراء مہاجرین خوش ہوجاؤ۔ اس باب میں ذکر ہوچکی جو فضائل قرآن کے بعد ہے[3] تیسری فصل روایت ہے حضرت ابوعبدالرحمن حبلی سے[4] فرماتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ ابن عمرو کو سنا ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا ہم

[1] اس چیز کے سوچنے سے اس پر بڑی سے بڑی مصیبت آسان ہوجاوے گی اور وہ رب تعالٰی کا شکر ہی کرے گا ہم نے آزمایا ہے کہ کسی کا جوان بیٹا فوت ہوجائے اسے صبر نہ آئے وہ حضرت علی اکبر کی شہادت میں غور کرے۔ انشاءاللہ فورًا صبر نصیب ہوگا بلکہ اپنے آرام پر شکر کرے گا۔

[2] بلکہ ایسے شخص کی زندگی حسد، جلن بے صبری اور دل کی کوفت میں گزرے گی امیروں کو دیکھ کر جلتا بھنتا رہے گا کہ ہائے میرے پاس مال کم ہے اور اپنی عبادت پر فخر کرے گا کہ فلاں بے نمازی ہے اور میں نمازی ہوں میں اس سے کہیں اچھا ہوں یہ ہے اس کا تکبر رب تعالٰی فرماتا ہے لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا علی ما اتاکم فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص دنیا کی کمی پر رنج کرے وہ ایک ہزار سال کی راہ دوزخ سے قریب ہوجاوے گا اور جو شخص دینی کوتاہی پر رنج کرے گا وہ جنت سے ایک ہزار سال کی راہ قریب ہوجاوے گا۔ (مرقات یہ ہی مقام) خیال رہے کہ دین میں ترقی کرنے کی کوشش کرنا منع نہیں بلکہ مالداروں کی مالداری پر رشک کرنا ممنوع ہے۔

[3] یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں مذکور تھی ہم نے وہاں بیان کردی کہ وہ وہاں کے زیادہ مناسب تھی۔

[4] آپ کا نام عبداللہ ابن زید ہے تابعی ہیں۔ مصری ہیں حضرت ابوایوب انصاری، ابوذر غفاری، عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنھم سے ملاقات ہے افریقہ میں ۱۰۰ھ میں وفات پائی بڑے متقی عالم زاہد تھے۔

فُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللّٰهِ اَلَكَ امْرَأَةٌ تَاْوِيْ اِلَيْهَا قَالَ نَعَمْ قَالَ اَلَكَ مَسْكَنٌ تَسْكُنُهُ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْاَغْنِيَاءِ قَالَ فَاِنَّ لِيْ خَادِمًا قَالَ فَاَنْتَ مِنَ الْمُلُوْكِ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ وَجَآءَ ثَلٰثَةُ نَفَرٍ اِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو وَاَنَا عِنْدَهٗ فَقَالُوْا يَا اَبَا مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا نَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ لَا نَفَقَةٍ وَّلَا دَابَّةٍ وَّلَا مَتَاعٍ فَقَالَ

فقراء مہاجرین سے ہیں[1] نہیں ہیں تو اس سے عبداللہ نے فرمایا کہ کیا تیری بیوی ہے جس کی طرف تو رجوع کرے وہ بولا فرمایا کیا تیرے پاس گھر ہے جس میں تو رہے بولا ہاں فرمایا تب تو تو امیروں میں سے ہے[2] وہ بولا ہاں فرمایا کہ میرے پاس غلام بھی ہے فرمایا تو تو بادشاہوں سے ہے[3] عبدالرحمٰن کہتے ہیں[4] کہ تین شخص حضرت عبداللہ ابن عمرو کے پاس آئے میں ان کے پاس تھا[5] انہوں نے عرض کیا اے ابو محمد اللہ کی قسم ہم کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتے نہ خرچہ پر نہ گھوڑے پر نہ اور سامان پر[6] تو آپ نے ان سے

[1] یعنی جن فقراء کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ وہ امیروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے میں بھی ان فقراء سے ہوں اور جو بشارتیں حضور نے مہاجرین کے لیے دی ہیں میں بھی ان مہاجرین میں سے ہوں مجھ میں یہ دونوں وصف جمع ہیں۔

[2] یعنی ان فقراء مہاجرین کے پاس نہ بیوی تھی نہ رہنے کا مکان اس فقر و فاقہ پر وہ قانع تھے تو تو ان کے برابر کیسے ہو سکتا ہے۔

[3] رب تعالٰی فرماتا ہے "وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا" اے اسرائیلیو تمہیں اللہ نے بادشاہ بنایا وہاں ملوک کے معنی کیے گئے ہیں گھربار اور نوکر خادم والا بنی اسرائیل رو سے اس سے ملک کہتے تھے۔ جس کے پاس بیوی گھر اور نوکر ہوتا تھا۔

[4] کاتب نے عبدالرحمٰن لکھا صحیح ہے ابو عبدالرحمٰن۔

[5] ان آنے والوں کے نام معلوم نہ ہو سکے غالبًا یہ واقعہ مدینہ منورہ کا ہے اور یہ لوگ حضرت عبداللہ ابن عمرو سے کچھ مانگنے آئے تھے۔

[6] نفقہ سے مراد نقد رقم ہے درہم دینار۔ دابہ سے مراد جہاد کے لیے گھوڑا ہے اور متاع سے مراد دوسرا سامان جسے فروخت کرکے گزارہ کر لیا جائے (مرقات) ان لوگوں نے اپنی فقیری تو بیان کر دی صراحۃً سوال نہ کیا یہ بھی مانگنے کا ایک طریقہ ہے مانگنے کے تین طریقے ہیں صراحۃً مانگنا ہمیں یہ دے دو۔ اپنی فقیری بیان کرنا۔ سامنے والے کی سخاوت بیان کرکے اس کے بال بچوں کو دعائیں دینا آخری طریقہ بہت کامیاب ہے اس طرح کچھ نہ کچھ ضرور مل جاتا ہے اس لیے درود شریف پڑھنا بہترین دعا ہے اگر کوئی شخص ساری دعائیں چھوڑ کر صرف درود شریف پڑھا کرے ان شاء اللہ دعائیں مانگنے والوں سے زیادہ پائے گا۔

لَهُمَا شِئْتُمْ اِنْ شِئْتُمْ رَجَعْتُمْ اِلَيْنَا فَاَعْطَيْنَاكُمْ مَا يَسَّرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاِنْ شِئْتُمْ ذَكَرْنَا
اَمْرَكُمْ لِلسُّلْطَانِ وَاِنْ شِئْتُمْ صَبَرْتُمْ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقُوْلُ اِنَّ فُقَرَآءَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَسْبِقُوْنَ الْاَغْنِيَآءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَى الْجَنَّةِ بِاَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا
قَالُوْا فَاِنَّا نَصْبِرُ لَا نَسْئَلُ شَيْئًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ بَيْنَمَا اَنَا

فرمایا تم جو چاہو[1] اگر چاہو تو ہمارے پاس پھر آنا ہم تم کو وہ دیں گے جو اللہ نے تمہارے لئے میسر فرمایا[2] اگر چاہو تو ہم تمہاری حالت کا ذکر بادشاہ سے کریں[3] اگر چاہو صبر کرو[4] کیونکہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ قیامت کے دن مہاجر فقراء جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے پہونچیں گے[5] تو وہ بولے کہ ہم صبر کریں گے کچھ نہ مانگیں گے[6] (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ اس حالت میں

[1] یعنی جو تم چاہو میں وہ ہی کردوں۔ ہوسکتا ہے کہ ما استفہامیہ ہو یعنی تم کیا چاہتے ہو بتاؤ مرقات نے پہلے معنی کیے اشعۃ اللمعات نے دوسرے معنی

[2] یعنی ابھی تو ہمارے پاس تمہیں دینے کے لیے کچھ ہے نہیں پھر کسی اور وقت آنا ان شاءاللہ جو ممکن ہوگا ہم تم کو دیں گے حضرات صحابہ بہت سخی تھے

[3] یہاں بادشاہ سے مراد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اس وقت آپ ہی بادشاہ تھے (اشعہ) آپ کی سخاوت اور امیری ضرب المثل بن چکی تھی حضرات اہل بیت اطہار خصوصًا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو بیک وقت پانچ پانچ لاکھ دینار نذرانہ دیے ہیں دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہاری سفارش امیر معاویہ سے کردیں وہ تم کو بیت المال سے مالا مال کردیں یا تم کو کسی محکمہ میں ملازم رکھ لیں

[4] اس طرح کہ نہ ہم سے مانگو نہ امیر معاویہ کے خزانہ سے کچھ لو اپنی اس فقیری پر راضی رہو اپنے ہاتھ کی کمائی سے گزارہ کرو صبر یا توکل کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ انسان ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاوے غیبی دسترخوان کا انتظار کرتا رہے رب تعالٰی نے ہاتھ پاؤں دیے ہیں کمانے کے لیے ان سے مال اور اعمال دونوں کماؤ شعر

گر توکل مے کنی در کار کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

[5] یہاں امیروں سے مراد ہیں مہاجرین مالدار یعنی فقراء مہاجرین امراء مہاجرین سے چالیس سال پہلے جنت میں جائیں گے تو دوسرے امیروں سے تو بہت ہی پہلے جائیں گے (مرقات) غالبًا یہ لوگ کسی اور جگہ کے مہاجر تھے مکہ معظمہ سے ہجرت تو فتح مکہ کے بعد ختم ہوچکی تھی اور مہاجرین مکہ فاروقی و عثمانی خلافتوں میں مالا مال ہوچکے تھے یہ لوگ کسی اور کافر ملک کے مہاجر ہوں گے واللہ اعلم۔

[6] یعنی ہم اب نہ تو آپ سے کچھ مانگیں گے نہ بادشاہ اسلام سے نہ کسی اور سے ہم اس فرمان عالی پر عمل کرکے اپنے کمائے پر قناعت کریں گے تاقیامت حضور کے فرمان عالی میں اثر ہے ان فرمانوں کے اثر سے ہی آج ایمان، عرفان شریعت و طریقت کا بقا ہے۔

قَاعِدًا فِی الْمَسْجِدِ وَحَلْقَةٌ مِّنْ فُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِیْنَ قُعُوْدًا اِذْ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَعَدَ اِلَیْهِمْ فَقُمْتُ اِلَیْهِمْ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیُبْشِرْ فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِیْنَ بِمَا یَسُرُّ وُجُوْهَهُمْ فَاِنَّهُمْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْاَغْنِیَاءِ بِاَرْبَعِیْنَ عَامًا قَالَ فَلَقَدْ رَاَیْتُ اَلْوَانَهُمْ اِسْفَرَّتْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَمْرٍو حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنْ اَکُوْنَ مَعَهُمْ اَوْ مِنْهُمْ رَوَاهُ الدَّارِمِیُّ۔ وَعَنْ

کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور مہاجرین فقراء کا ایک حلقہ میں بیٹھا تھا [۱] کہ اچانک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو حضور ان کی طرف ہی بیٹھے ہیں بھی انہیں کی طرف اٹھ گیا [۲] تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فقراء مہاجرین اس کی خوشی منائیں جو ان کے چہروں کو کھلا دے [۳] کہ وہ جنت میں امیروں سے چالیس سال پہلے جائیں گے فرماتے ہیں کہ میں نے ان کے رنگ دیکھے چمک سے کھل گئے تھے [۴] عبداللہ ابن عمرو فرماتے ہیں کہ حتی کہ میں نے آرزو کی کہ میں ان کے ساتھ یا ان میں سے ہو جاؤں [۵] (دارمی) روایت ہے۔

[۱] یعنی فقراء مہاجرین حلقہ بنائے بیٹھے تھے خیال رہے کہ مسجد میں نماز کے انتظار میں صفیں بنا کر بیٹھنا چاہیے اسی صورت میں حلقے بنانا ممنوع ہے مگر ذکر یا تلاوت قرآن کے لیے حلقے بنا کر بیٹھنا چاہیے نمازی لوگ مقربین فرشتوں کی شل ہوتے ہیں مقرب فرشتے صف بستہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور ذاکرین لوگ جنتی لوگوں کے مشابہ ہیں جنتی لوگ حلقے بنا کر بیٹھا کریں گے رب تعالٰے فرماتا ہے اخوانا علی سرر متقابلین یہ حضرات اس وقت ذکر یا علمی باتیں کر رہے تھے۔ قعود جمع ہے قاعد کی جیسے رقود جمع راقد کی یا وقود جمع واقد کی۔

[۲] میں تو مسجد کے اور کنارہ پر تھا وہ حضرات دوسرے کنارہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف نہ لائے۔ ان کے پاس بیٹھے تو میں بھی وہاں ہی پہنچ گیا۔

[۳] یعنی ابھی تمہارے چہرے مرجھائے ہوئے ہیں ہم تمہیں وہ خوشی کی خبر سناتے ہیں جس سے تمہارے چہرے خوشی سے کھل جاویں سے

اس کی باتوں کی لذت پہ دائم درود | اس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

[۴] اسفرت بنا ہے اسفرار سے بمعنی چمکنا رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وجوہ یومئذ مسفرۃ۔

[۵] یعنی ہمیشہ ان فقراء میں سے ہی رہوں کبھی امیر نہ بنوں۔ اس فرمان عالی کی شرح پہلے کی جاچکی ہے۔

اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اَمَرَنِیْ خَلِیْلِیْ بِسَبْعٍ اَمَرَنِیْ بِحُبِّ الْمَسَاکِیْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْہُمْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ ھُوَ دُوْنِیْ وَلَا اَنْظُرَ اِلٰی مَنْ ھُوَ فَوْقِیْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَصِلَ الرَّحِمَ وَاِنْ اَدْبَرَتْ وَاَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَسْاَلَ اَحَدًا شَیْئًا وَاَمَرَنِیْ اَنْ اَقُوْلَ بِالْحَقِّ وَاِنْ کَانَ مُرًّا وَ

حضرت ابی ذر سے فرمایا مجھے میرے محبوب نے [1] سات چیزوں کا حکم دیا[2] مجھے مسکینوں سے محبت اور ان سے قرب کا حکم دیا ہے [3] اور مجھے حکم دیا کہ اپنے سے ادنیٰ کو دیکھوں اور اپنے سے اوپر کو نہ دیکھوں [4] اور مجھے حکم دیا کہ رشتوں کو جوڑوں اگرچہ وہ رشتہ والے پیٹھ پھیریں[5] اور مجھے حکم دیا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں [6] اور مجھے حکم دیا کہ حق بات کہوں اگرچہ کڑوی ہو [7] اور

[1] خلیل سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں خلیل وہ جس کی محبت دل کے اندرون میں داخل ہوجاوے یہ بنا ہے خلۃ سے بمعنی کشادگی دل کی کشادگی بھر دینے والی محبت خلۃ ہے خلیل وہ جو محبوب بھی ہو مطاع بھی۔ خلیل کے بہت معنی ہیں یہاں بمعنی محبوب ہے۔

[2] یہ حکم استحبابی ہے اور سارے مسلمانوں کو ہے حضرت ابوذر کی معرفت ہو سکتا ہے کہ حکم وجوبی ہو اور حضرت ابوذر کے لیے خاص ہو۔

[3] مساکین کے معنی ابھی عرض ہو چکے دل میں نخوت و غرور نہ ہو لہذا اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت بلال سے تو محبت ہو اور حضرت عثمان غنی سے محبت نہ ہو قرب سے مراد دلی قرب ہے یا جسمانی قرب یعنی مساکین کی صحبت میں رہنا مساکین کی صحبت دل میں مسکینیت پیدا کرتی ہے۔

[4] یعنی دنیاوی مال و متاع عزت و جاہ میں اپنے سے کم حیثیت والوں کو دیکھوں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ دینی کاموں میں اپنے سے زیادہ کو دیکھنا چاہیے جیسا کہ گزر چکا۔

[5] رشتوں سے مراد رشتہ دار ہیں جوڑنے سے مراد ہے ان سے اچھا سلوک کرنا ان کی بدسلوکی پر نظر نہ کرنا اس کی تفسیر ہے حضرت یوسف علیہ السلام کا برتاؤ اپنے بھائیوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ فتح مکہ کے دن اور اس کے قریش سے۔

[6] کسی سے مراد دنیا دار لوگ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا ہر ایک کے لیے فخر ہے حضور کا دروازہ وہ ہے جہاں بادشاہ بھیک مانگتے ہیں شعر

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

[7] اپنے متعلق اور دوسروں کے متعلق ہمیشہ حق بات کہو اپنا قصور ہو تو فورًا مان لو اپنے متعلق حق کہنا بہت مشکل ہے کڑوی سے مراد ہے اپنے پر کڑوی یا دوسرے پر کڑوی۔

اَمَرَنِیْ اَنْ لَّا اَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ وَاَمَرَنِیْ اَنْ اُکْثِرَ مِنْ قَوْلِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ فَاِنَّھُنَّ مِنْ کَنْزٍ تَحْتَ الْعَرْشِ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَعَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْجِبُہٗ مِنَ الدُّنْیَا ثَلٰثَۃٌ اَلطَّعَامُ وَالنِّسَآءُ وَالطِّیْبُ فَاَصَابَ اِثْنَیْنِ وَلَمْ یُصِبْ وَاحِدًا اَصَابَ النِّسَآءَ وَالطِّیْبَ وَلَمْ یُصِبِ الطَّعَامَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

مجھے حکم دیا کہ اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈروں [1] اور مجھے حکم دیا کہ یہ زیادہ کہا کروں نہیں ہے طاقت اور نہ قوت مگر اللہ سے کیونکہ یہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے [2] (احمد) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی تین چیزیں پسند تھیں کھانا ،بیویاں خوشبو [3] تو آپ نے دو چیزیں تو پالیں اور ایک نہ پائی بیویاں اور خوشبویاں اور کھانا نہ پایا [4] (احمد) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ

[1] یعنی دنیاوی وجاہت والے کا خوف مجھے حق کہنے سے نہ روکے رہے اللہ والے لوگ اگر کبھی ان کا کوئی عمل بظاہر خلاف معلوم ہو تو اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرے بہت دفعہ ان کے بعض اعمال غلط معلوم ہوتے ہیں۔ مگر درحقیقت بالکل درست ہوتے ہیں جیسے رمضان میں حضرت بایزید بسطامی کا لوگوں کے سامنے روٹی کا ٹکڑا کھالینا بالکل حق تھا کہ آپ مسافر تھے اس ذریعہ سے لوگوں کو اپنی عقیدت سے ہٹادیا۔ حضرت خضر و موسٰی علیہما السلام کا واقعہ تو قرآن کریم میں مذکور ہے۔

[2] یعنی لاحول شریف جنت کی اعلیٰ نعمت ہے جو عرش اعظم کے نیچے محفوظ ہے عرش اعظم جنت الفردوس کی چھت ہے اس کی برکت سے دل کو چین روح کو خوشی نصیب ہوتی ہے اس میں بندہ اپنی قوت و طاقت سے الگ ہوکر اللہ کی قوت و طاقت پر بھروسہ کرتا ہے وسوسہ کی بیماری کے لیے یہ عمل مجرب ہے کہ بعد نماز فجر و مغرب لاحول شریف ۲۱ بار پانی پر دم کرکے پانی پی لیا کرے انشاءاللہ یہ بیماری جاتی رہے۔ تیسرے کلمہ کا یہ جز ہے۔ تیسرے کلمہ کی عظمت معلوم ہے۔

[3] ان تین چیزوں سے محبت سنت ہے اپنی بیوی سے محبت تقوٰی کی اصل ہے جو شخص اپنی بیوی سے محبت نہیں کرتا وہ بدکار ہوجاتا ہے خوشبو کا تعلق روحانیت سے ہے جس قدر روحانیت قوی ہوگی اسی قدر خوشبو بھی پیاری ہوگی اب بھی دیکھا گیا کہ مقبول بندوں کو خوشبو پیاری ہوتی ہے۔

[4] یعنی بیویاں اور خوشبو تو بہت کثرت سے پائیں مگر کھانا کثرت سے نہ پایا یہاں اصل پانے کی نفی نہیں بلکہ مبالغہ کی نفی ہے۔

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ حُبِّبَ اِلَیَّ الطِّیْبُ وَالنِّسَآءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالنَّسَآئِیُّ وَزَادَ ابْنُ جَوْزِیْ بَعْدَ قَوْلِهٖ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ بِهٖ اِلَی الْیَمَنِ قَالَ اِیَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ عِبَادَ اللّٰهِ

علیہ وسلم نے کہ مجھے تین چیزیں پیاری کی گئیں خوشبو ۔ بیویاں [1] اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی [2] (احمد۔ نسائی اور ابن جوزی نے حبب الی کے بعد من الدنیا زیادہ کیا روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں یمن بھیجا تو فرمایا کہ تم عیش پسندی سے بچنا [3]

[1] حبب فرما کر بتایا کہ یہ محبت ہماری نفس کی طرف سے نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے ہے رب تعالٰے نے ان چیزوں کو ہمارا محبوب بنادیا۔

[2] معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے رغبت طبعی جبلی تھی رب تعالٰے ان کے صدقہ سے ہم گنہگاروں کو بھی نصیب کرے نماز۔ مسجد سے محبت ایمان کی علامت ہے۔ خیال رہے کہ پہلی حدیث میں بیوی۔ خوش بو کھانے کو دنیا کی چیزیں قرار دیا گیا تھا۔ یہاں دنیا کا لفظ نہیں کیوں کہ نماز دنیا کی چیز نہیں یہ خالص دینی کام ہے جن لوگوں نے ان تینوں کو دنیاوی کاموں میں داخل کیا ہے وہ غلط ہے اس کا ثبوت حدیث شریف میں کہیں نہیں (اشعۃ اللمعات) بلکہ بیویوں اور خوشبو کو دنیا فرمانا اس لیے ہے کہ ان سے تعلق دنیا میں رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں حضور کی خوشبوئیں دین تھی۔ کہ دین میں مددگار رہی۔

[3] یعنی تم یمن میں گورنر بن کر جارہے ہو مگر حکام کی سی عیش و آرام کی زندگی اختیار نہ کرنا سادی غذا، سادہ لباس رکھنا تاکہ نفس موٹا اور تم غافل نہ ہو جاؤ سادہ زندگی سے انسان دین و دنیا میں آرام سے رہتا ہے افسوس آج مسلمان یہ سبق بھول گئے ہمارے کالجوں میں فیشن پرستی زیادہ خرچ کرنا سکھایا جاتا ہے طلباء تعلیم سے فارغ ہوکر خوب فضول خرچ بن کر نکلتے ہیں پھر مہذب ڈاکو شریف بدمعاش بنتے ہیں اور اگر نوکری مل گئی تو رشوتوں سے ملک کو ویران کرتے ہیں ان کے خرچ اتنے وسیع ہوتے ہیں کہ تنخواہ سے پورا نہیں پڑتا رشوتوں سے خرچہ پورا کیا جاتا ہے اگر معمولی خرچ کریں تو یہ نوبت نہ آئے۔

لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ رَضِيَ مِنَ اللهِ بِالْيَسِيْرِ مِنَ الرِّزْقِ رَضِيَ اللهُ مِنْهُ بِالْقَلِيْلِ مِنَ الْعَمَلِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ أَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهُ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنْ يَّرْزُقَهُ رِزْقَ سَنَةٍ مِّنْ حَلَالٍ

اللہ کے بندے عیش و عشرت میں مشغول نہیں ہوتے ۱؎ (احمد) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو اللہ کے تھوڑے رزق پر راضی ہوگا تو اللہ اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوگا ۲؎ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو بھوکا یا حاجتمند ہو پھر اسے لوگوں سے چھپائے ۳؎ تو اللہ تعالےٰ کے ذمہ کرم پر یہ ہے کہ اسے ایک سال کی حلال روزی عطا فرمائیگا ۴؎

۱؎ یعنی اللہ کے بندے ہر حال میں خصوصًا امیر یا حاکم بن کر عیش پسند نہیں ہوتے اگر حکام غافل اور عیش پسند ہو جائیں تو رعایا تباہ ملک برباد ہو جائے گا اللہ تعالٰی کفار کے متعلق فرماتا ہے یاکلون کما تاکل الانعام خیال رہے کہ اچھا کھانا اچھا پینا اور چیز ہے مگر عیش پسندی کچھ اور چیز یوں ہی عمدہ غذا و لباس اور ہے صرف عمدہ غذا و لباس کچھ اور اللہ دے تو اچھا کھاؤ پہنو مگر سادگی کے ساتھ اور پھر اچھے کھانے پینے کے عادی نہ ہو جاؤ کبھی پلاؤ کھاؤ کبھی دال کبھی چٹنی کبھی پیاز سے روٹی کھاؤ۔

۲؎ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کی رضا دو قسم کی ہے رضاء ازلی دوسری رضاء ابدی اللہ کی رضاء ابدی ہماری رضا سے پہلے ہے جب وہ ہم سے راضی ہوتا ہے تو ہم کو نیکیوں کی توفیق ملتی ہے مگر رضاء ابدی ہماری رضاء کے بعد ہے۔ جب ہم اللہ سے راضی ہو جاتے ہیں نیکیاں کر لیتے ہیں تو وہ ہم سے راضی ہوتا ہے یہاں رضاء ابدی کا ذکر ہے۔ اس سے بندے کی رضاء پہلے بیان ہوئی۔ اور اس آیت کریمہ میں رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ رضاء ازلی کا ذکر ہے۔ اس سے وہاں رضاء الٰہی کا پہلے ذکر ہے (مرقات) حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ اگر تم معمولی روزی پاکر بہت شکر کرو تو رب تعالٰی تمہارے معمولی اعمال کی بہت قدر فرمائے گا۔

۳؎ یہاں بھوک سے مراد ہے قابل برداشت بھوک جس سے ہلاکت نہ ہو اس کا چھپانا اور خود کما کر پیٹ بھرنا بہتر ہے لیکن اگر بھوک سے جان نکل رہی ہے تو اس کا ظاہر کرنا کسی سے کچھ لے کر بقدر ضرورت کھا لینا فرض ہے اگر چھپائے گا اور بھوکا مر جائے گا تو حرام موت مرے گا (مرقات) لہذا فقہاء کا یہ فتویٰ اس حدیث پاک کے خلاف نہیں حدیث کی سچی فہم ضروری ہے۔

۴؎ یہ فرمان بالکل درست ہے اور مجرب ہے اپنی فقیری چھپانے والے بفضلہ تعالےٰ امیر ہو جاتے ہیں کبھی جلد اور کبھی دیر سے مگر فقط چھپانے پر کفایت نہ کرے کمانے کی کوشش کرے یہ سال بھر کی روزی آسمان سے نہیں برسے گی بلکہ اسباب سے ملے گی۔

رَوَاهُمَا الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ عَبْدَهُ الْمُؤْمِنَ الْفَقِيرَ الْمُتَعَفِّفَ اَبَا الْعِيَالِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ اسْتَسْقٰى يَوْمًا عُمَرُ فَجِيْئَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ اِنَّهُ لَطَيِّبٌ لٰكِنِّي اَسْمَعُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ نَعٰى عَلٰى قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَاَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ

(بیہقی شعب الایمان) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی بال بچوں والے غریب مسلمان سے بہت محبت فرماتا ہے[1] (ابن ماجہ) روایت ہے حضرت زید ابن اسلم سے[2] فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر نے پانی مانگا تو ایسا پانی لایا گیا جو شہد سے مخلوط تھا[3] فرمایا یہ بہت اچھا ہے مگر میں اللہ عزوجل کو سن رہا ہوں کہ اس نے لوگوں پر ان کی خواہشات سے عیب لگایا[4] کہ فرمایا کہ تم اپنی پسندیدہ چیز اپنی دنیاوی زندگی میں حاصل کر چکے ان سے نفع لے چکے میں ڈرتا ہوں[5] کہ ہماری نیکیاں جلدی دے دی گئی ہوں۔

[1] جو مومن صاحب عیال کثیر العیال (بہت اہل مند) فقیر الحال ہو پھر سوال سے بچے تو وہ صاحب کمال ہے محبوب رب ذوالجلال ہے کہ کسی سے رب کی شکایت نہیں کرتا راضی بہ رضا رہتا ہے مگر یہ عمل ہے بہت مشکل۔

[2] آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔ مدنی ہیں۔ تابعی ہیں بڑے فقیہ عالم محدث اور زاہد و متقی ہیں ۱۳۶ھ ایک سو چھتیس میں وفات پائی (مرقات۔اکمال)۔

[3] یعنی بجائے سادہ پانی کے شہد کا ٹھنڈا شربت لایا گیا۔

[4] یعنی اس وقت مجھے پیاس بھی ہے اور یہ شربت لذیذ بھی ہے دل پینے کو بہت چاہ رہا ہے مگر مجھے یہ آیت کریمہ یاد آرہی ہے۔

[5] خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ کفار کے متعلق ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر اس وقت خوف الٰہی حد درجہ کا طاری ہے خیال فرمایا کہ اس آیت کے الفاظ عام ہیں ہو سکتا ہے کہ اس میں ہم بھی داخل ہو جاویں لہذا بہتر یہی ہے کہ احتیاط کی جاوے اللہ والوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں کبھی ان پر خوف کا غلبہ ہوتا ہے کبھی امید کا لہذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حضرات صحابہ نے مرغ بٹیریں بھی کھائی ہیں۔

لَنَا فَلَمْ يَشْرِبْهُ رَوَاهُ رَزِيْنٌ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ مَا شَبِعْنَا مِنْ تَمْرٍ حَتّٰى فَتَحْنَا خَيْبَرَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ بَابُ الْاَمَلِ وَالْحِرْصِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُرَبَّعًا وَخَطَّ خَطًّا فِي الْوَسْطِ خَارِجًا مِنْهُ وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا

چنانچہ آپ نے وہ نہ پیا [1] (رزین) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے کہ ہم چھوہاروں سے سیر نہ ہوئے حتی کہ ہم نے خیبر فتح کرلیا [2] (بخاری) امید اور حرص کا بیان [3] پہلی فصل [4] روایت ہے حضرت عبداللہ [5] سے فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چوکور خط کھینچی اور ایک خط بیچ میں کھینچا اس سے نکلا ہوا اور چند خطوط چھوٹے کھینچے اس خط کی طرف جو بیچ میں تھا [6]

[1] اس حالت میں یہ شربت چھوڑنا انتہائی زہد و تقویٰ ہے جس پر بڑا اجر ہے اور دوسرے وقت اللہ کی نعمتیں خوب کھاکر خوب شکر کرنا عبادت ہے غرضکہ صبر کا اور وقت ہے شکر کا دوسرا وقت ۔

اگر درویش بر حالے بماندے دوست از دو عالم بر فشاندے

[2] یعنی ہم مہاجرین صحابہ نے فتح خیبر سے پہلے بہت تنگی کی زندگی گزاری خیبر فتح ہونے پر اللہ نے ہم پر بڑی وسعت کردی خیبر میں باغات بہت زیادہ ہیں۔ فقیر نے زیارت کی ہے۔

[3] درازی عمر کی آرزو امل ہے اور کسی چیز سے سیر نہ ہونا ہمیشہ زیادتی کی خواہش کرنا حرص ہے دونوں چیزیں اگر دنیا کے لیے ہیں تو بری ہیں اگر آخرت کے لیے ہے تو اچھی اس لیے دراز عمر چاہنا کہ اللہ کی عبادت زیادہ کرلوں اچھا ہے نیک اعمال سے سیر نہ ہونا ہمیشہ زیادتی کی فکر میں رہنا بہت ہی اچھا ہے رب تعالٰی ہمارے حضور کی تعریف فرماتا ہے حَرِیْصٌ عَلَیْکُم یہاں دنیاوی امیدیں اور دولت۔ عزت، شہرت کی حرص مراد ہے جو کہ بری چیز ہے آئندہ احادیث میں اسی امل و حرص کی برائیاں بیان ہورہی ہیں چونکہ یہ امید اور حرص لازم ملزوم ہیں اس لیے ان دونوں کو جمع فرمایا۔ لمبی امیدیں نیک اعمال سے روکتی ہیں حرص دنیا گناہ زیادہ کراتی ہے انسان پہلے نیکیوں سے رکتا ہے پھر گناہ کرتا ہے اس لیے امل کا ذکر پہلے فرمایا حرص کا بعد میں

[4] یعنی حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت ہے۔ جب عبداللہ مطلق بولتے ہیں تو اس سے آپ ہی مراد ہوتے ہیں۔

[5] ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے یہ خط اپنے دست اقدس سے کھینچے اس کی شکل یہ تھی مثالی خط میں غور کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے اہم مسائل اشاروں میں سمجھا دیے ۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوئے اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکے وہ راز اک کملی والے نے سمجھا دیے چند اشاروں میں۔

إِلٰى هٰذَا الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِيْ فِي الْوَسَطِ فَقَالَ هٰذَا الْإِنْسَانُ وَهٰذَا أَجَلُهُ مُحِيْطٌ بِهٖ وَهٰذَا الَّذِيْ هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهٗ وَهٰذِهِ الْخُطَطُ الصِّغَارُ الْأَعْرَاضُ فَإِنْ أَخْطَأَهٗ هٰذَا نَهَسَهٗ هٰذَا وَإِنْ أَخْطَأَهٗ هٰذَا نَهَسَهٗ هٰذَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطُوْطًا فَقَالَ هٰذَا الْأَمَلُ وَهٰذَا أَجَلُهٗ فَبَيْنَمَا

اس کی طرف سے جس کے بیچ میں یہ تھا [1] پھر فرمایا یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے اسے گھیرے ہوئے اور یہ جو باہر نکلا ہوا ہے یہ اس کی امید ہے اور یہ چھوٹے خط آفتیں ہیں [2] تو اگر انسان اس آفت سے بچا تو اس نے ڈس لیا اور اگر اس سے بچا تو اس نے کاٹ لیا [3] (بخاری) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے چند خط کھینچے پھر فرمایا یہ امید ہے اور یہ

[1] یعنی بیچ والی لکیر میں سے دو طرفہ چھوٹی چھوٹی لکیریں چلی ہوئی تھیں جو مربع خط کی طرف تھیں جیسا کہ ہمارے کھینچے ہوئے خط سے ظاہر ہو رہا ہے۔

[2] یعنی اس شکل میں چار چیزیں ہیں بیچ والا جو مربع خط سے گھرا ہوا ہے اور جسے چھوٹی لکیریں چمٹی ہوئی ہیں یہ تو انسان ہے اور اس کے اردگرد جو کھوٹا خط اس کی موت ہے جو ہر طرف سے اُسے گھیرے ہوئے ہے اور آس پاس کی چمٹی ہوئی لکیریں یہ دنیاوی آفتیں بلائیں ہیں بیماریاں۔ آپس کی دشمنیاں دنیاوی جھگڑے اور فکریں جو دو طرفہ چمٹی ہوئی ہیں اور اس مربع خط سے اوپر نکلا ہوا حصہ انسان کی دنیاوی امیدیں ہیں یعنی انسان اس قدر آفتوں اور چو طرفہ سے موت میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود اتنی دراز امیدیں رکھتا ہے جو اس موت سے بھی آگے نکلی ہوئی ہیں ؎

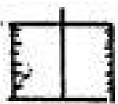
آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں — سامان سو برس کا ہے کل کی خبر نہیں

[3] یعنی انسان عمر میں کبھی بھی آفتوں سے چھٹکارا نہیں پاتا ایک آفت جاتی ہے تو دو آتی ہیں۔ اور جب دو جاتی ہیں تو اور طرف سے تین چار آتی ہیں یہ آفتیں بلائیں یوں ہی آتی رہتی ہیں حتی کہ اسے موت آجاتی ہے۔ زیادہ امیدیں باندھنے والے کو موت کی تکلیف بہت ہوتی ہے نزع کی شدت دنیا چھوٹنے پر حسرت امیدیں پوری نہ ہونے کا غم لہذا یہ ہی بہتر ہے کہ لمبی امیدیں رکھی ہی نہ جائیں۔ غافل مر کر دنیا اور محبوب چیزوں سے چھوٹتا ہے مگر مومن کامل مر کر محبوب سے ملتا ہے کافر کی موت کا دن چھوٹنے کا دن ہے مومن کی موت کا دن ملنے کا دن ہے اس لیے مقبولوں کی موت عرس یعنی شادی کہا جاتا ہے۔ قبر میں کامیاب ہونے پر فرشتے کہتے ہیں نم کنومة العروس سو جا دلہن کی طرح۔

هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ جَآءَهُ الْخَطُّ الْاَقْرَبُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهْرَمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ الْحِرْصُ عَلَى الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَى الْعُمُرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيْرِ شَابًّا فِي اثْنَيْنِ فِيْ حُبِّ الدُّنْيَا وَطُوْلِ الْاَمَلِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْذَرَ اللّٰهُ اِلٰى امْرِئٍ اَخَّرَ اَجَلَهُ حَتّٰى بَلَّغَهُ سِتِّيْنَ

اس کی موت ہے اس حالت میں کہ انسان یوں ہی ہوتا ہے کہ قریب والا خط اسے آلیتا ہے [1] (بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم کہ انسان بوڑھا ہوجاتا ہے اور اس کی دو چیزیں جوان رہتی ہیں [2] مال کی حرص اور عمر کی حرص [3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا بوڑھے کا دل دو چیزوں میں جوان رہتا ہے دنیا کی محبت اور لمبی امیدیں [4] (مسلم۔بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ اس بندے کو معذور رکھتا ہے جس کی موت پیچھے کردی گئی حتی کہ اسے ساٹھ سال تک

---

[1] یا تو یہ خط بھی اسی طرح کھینچا جس کی شکل اوپر دکھائی گئی یا اس طرح کھینچا  مگر مطلب وہ ہی ہے کہ انسان آفتوں اور موت میں گھرا ہوا ہے مگر امیدیں موت سے آگے نکلی ہوئی ہیں۔

[2] یہاں مرد سے مراد عام دنیا دار انسان مراد ہے جو بڑھاپے میں بھی حریص رہتا ہے بعض اللہ کے بندے جوانی میں بھی حریص نہیں ہوتے وہ اس حکم سے علیحدہ ہیں مگر ایسے خوش نصیب بندے ہیں بہت تھوڑے عمومًا وہ ہی حال ہے جو یہاں ارشاد ہوا۔

[3] یعنی عمومًا بوڑھے آدمی مال جمع کرنے مال بڑھانے میں بڑے مشغول رہتے ہیں ہمیشہ زندگی کی دعائیں کراتے ہیں اگر کوئی انہیں کوسے تو لڑتے ہیں یہ ہے محبت مال وعمر حریص کا دل یا قناعت سے بھرتا ہے یا قبر کی مٹی سے۔

[4] محبت دنیا ذریعہ ہے موت سے ڈرنے کا اور لمبی امید ذریعہ ہے اعمال صالحہ میں دیر لگانے کا خیال رہے کہ اللہ تعالٰی سے امید اور آخرت کی لمبی امید میں کمال ایمان کی نشانی ہے اہل دنیا کی امید کو کہتے ہیں اور رجاء آخرت کی امید اللہ سے امید کو کہا جاتا ہے امل بری ہے رجاء اچھی۔

سنۃ رواہ البخاری وعن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لو کان لابن آدم وادیان من مال لابتغی ثالثا ولا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ

پہنچا دیا[1] (بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اگر انسان کے پاس مال کے دو جنگل ہوں تو وہ تیسرا تلاش کرے[2] انسان کو مٹی کے سوا کوئی چیز نہیں بھر سکتی[3] اور اللہ توبہ قبول کر لیتا ہے اس کی جو

[1] اس عبارت کے دو معنی ہیں ایک یہ اعذر کے معنی ہیں عذر دور کر دینا ہے یعنی باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے ہے تب مطلب یہ ہوگا کہ بچپن اور جوانی میں غفلت کا عذر سنا جا سکے گا مگر جو بڑھاپے میں اللہ تعالٰی کی طرف رجوع نہ کرے اس کا عذر قبول نہ ہوگا کیونکہ بچپن میں جوانی کی امید تھی جوانی میں بڑھاپے کی اب بڑھاپے میں سوا موت کے اور کس چیز کا انتظار ہے اگر اب بھی عبادت نہ کرے تو سزا کے قابل ہے اس کا کوئی بہانہ قابل سننے کے نہیں دوسرے یہ کہ اعذر کے معنی ہیں معذور رکھتا ہے یعنی جو بوڑھا آدمی بڑھاپے کی وجہ سے زیادہ عبادت نہ کر سکے مگر جوانی میں بڑی عبادتیں کرتا رہا ہو تو اللہ تعالٰی اسے معذور قرار دے کر اس کے نامہ اعمال میں وہ ہی جوانی کی عبادت لکھتا ہے ساٹھ سال پورا بڑھاپا ہے ؎

رسم است کہ مالکان تحریر | آزاد کنند بندۂ پیر
اے بار خدائے عالم آرا | بر سعدی پیر خود بہ بخشا

بوڑھے نوکر کی پنشن ہو جاتی ہے وہ رؤف و رحیم رب بھی اپنے بوڑھے بندوں کی پنشن کر دیتا ہے مگر پنشن اس کی ہوتی ہے جو جوانی میں خدمت کرتا رہے۔

[2] یہاں دو اور تیسرا حد بندی کے لیے نہیں مطلب یہ ہے کہ اگر دو جنگل بھر مال ہو تو تیسرے جنگل کی خواہش کرے اور اگر تین جنگل مال ہو تو چوتھے کی اسی طرح سلسلہ قائم رکھے انسان کی ہوس زیادہ مال سے نہیں بجھتی یہ تو فضل ذوالجلال سے بجھتی ہے۔

[3] تراب سے مراد قبر کی مٹی ہے یعنی انسان کی ہوس قبر تک رہتی ہے مر کر ہوس ختم ہوتی ہے یہ حکم عمومی ہے اللہ کے بندے اس حکم سے علیحدہ ہیں بڑے صابر و شاکر ہیں جیسے حضرات انبیاء کرام اور خالص اولیاء اللہ مگر ایسے قناعت والے بہت کم ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے اور مٹی کی فطرت خشکی ہے اس کی خشکی صرف بارش سے ہی دور ہوتی ہے بارش ہونے پر اس میں سبزہ پھل پھول سب کچھ ہوتے ہیں یوں ہی اگر انسان پر توفیق کی بارش نہ ہو تو انسان محض خشک ہے اگر نبوت کے بادل سے توفیق و ہدایت کی بارش ہو تو اس میں ولایت تقوی وغیرہ کے پھل پھول لگتے ہیں (مرقات)

مَتَابٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعْضِ جَسَدِي فَقَالَ كُنْ فِي الدُّنْيَا كَاَنَّكَ غَرِيْبٌ اَوْ عَابِرٌ وَعُدَّ نَفْسَكَ فِي اَهْلِ الْقُبُوْرِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

توبہ کرے لہ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم کا بعض حصہ پکڑا ۲ پھر فرمایا دنیا میں رہو جیسے کہ تم مسافر ہو یا راہ گیر ۳ اور اپنے کو قبر والوں میں سے شمار کرو ۴ (بخاری)

لہ یعنی انسان اگرچہ برائیوں کا مجموعہ ہے لیکن اگر توبہ کرکے رب کی طرف رجوع کرے تو آغوش رحمت اس کے لیے کھلا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک توبہ ہی توفیق کی بارش ہے خیال رہے کہ بارش سے مٹی میں باغ لگتے ہیں پتھروں میں نہیں لگتے سخت دل آدمی نیک نہیں بن سکتا۔ ؎

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شو تا گل بر دید رنگ رنگ

۲ کندھا مراد ہے حضور انور نے حضرت ابن عمر کا کندھا پکڑ کر یہ فرمایا کندھا پکڑنا قلبی فیض دینے کے لیے تھا قلبی فیض کے بغیر نصیحت اثر نہیں کرتی (مرقات) زبان سے قال دیا جاتا ہے نگاہ سے حال عطا کیا جاتا ہے صرف قال بغیر حال مفید نہیں مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو زیر پائے کاملے پامال شو

۳ غریب کہتے ہیں غریب الوطن مسافر کو اگرچہ وہ کسی جگہ چند دن ٹھہر جائے مگر عابر سبیل وہ ہے وہ راہگیر ہے جو کسی جگہ دوپہری گزارنے کے لیے بیٹھ جائے یہ دونوں سفر اور جنگل میں دل نہیں لگاتے تم بھی دنیا میں دل نہ لگاؤ مسافروں کی طرح اگلی منزل کے لیے تیار ہو دنیا منزل ہے آخرت وطن منزل پر کچھ دیر آرام کرلو مگر غافل ہو کر سو نہ جاؤ سفر کا سامان باندھے تیار رہو جب موت کی ریل آئے تمہیں تیار پائے ہر وقت اس کے منتظر رہو۔

۴ یعنی جیسے مرکر مردہ سب سے الگ ہوجاتا ہے نہ مال اس کا رہتا ہے نہ عزیز تم زندگی میں اپنا دل ان تمام سے الگ رکھو دنیا آنے پر پھولو مت جانے پر رب کو بھولو مت اپنے کو اللہ رسول کے قبضہ میں ایسے کردو جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ صوفیاء فرماتے ہیں موتوا قبل ان تموتوا۔ مرنے سے پہلے مرجاؤ یا فرماتے ہیں۔ حاسبوا قبل ان تحاسبوا حساب دینے سے پہلے اپنا حساب کرلو ان زریں اقوال کا ماخذ یہ حدیث شریف ہے جو مرنے سے پہلے مرجائے گا وہ پھر کبھی نہ مرے گا۔ ؎

میں مروں تو جگ مرے مرے میری بلا
چیلا بچے پیر کا مرے نہ مارا جائے

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ مَرَّ بِنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا وَاُمِّیْ نُطَیِّنُ شَیْئًا فَقَالَ مَا ھٰذَا یَا عَبْدَ اللّٰہِ قُلْتُ شَیْءٌ نُصْلِحُہٗ قَالَ الْاَمْرُ اَسْرَعُ مِنْ ذٰلِكَ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُھْرِیْقُ الْمَاءَ فَیَتَیَمَّمُ بِالتُّرَابِ فَاَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ الْمَاءَ مِنْكَ قَرِیْبٌ یَقُوْلُ مَا یُدْرِیْنِیْ

دوسری فصل روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں کہ ہم پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم گزرے میں اور میری ماں کسی چیز کو مٹی سے پلیٹ رہے تھے تو فرمایا اے عبداللہ یہ کیا ہے [1] میں نے عرض کیا ایک چیز ہے جسے ہم درست کر رہے ہیں فرمایا وہ کام اس سے بھی جلد آرہا ہے [2] (احمد۔ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم استنجاء کرتے تھے تو فوراً مٹی سے تیمم کر لیتے تھے [3] میں عرض کرتا یارسول اللہ پانی آپ سے قریب ہی ہے [4] تو فرماتے مجھے کیا خبر [5] شاید اس

[1] یعنی تم تو عبداللہ اللہ کے بندے ہو پھر ان آنتوں میں کیوں پھنس گئے (مرقات)

[2] یہ گھر مرمت کے لائق تھا نہیں بالکل درست تھا مضبوطی کے لیے یہ سب کچھ کر رہے تھے فرمایا کہ تمہاری موت اس گھر کے فنا ہونے سے پہلے آجائے گی لہذا اس کی مرمت میں پھنس کر اپنے قلب و قالب کی مرمت سے غافل نہ ہو جاؤ نیک اعمال قالب کی مرمت ہے اللہ کا خوف حضور سے محبت دل کی مرمت ہے اس کی کوشش کرو۔

[3] یہ وہ تیمم نہیں ہے جو پانی پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے نماز کے لیے کیا جاتا ہے پانی تو وہاں موجود ہے اور ابھی نماز کا وقت ہے بھی نہیں یہ تیمم پانی تک پہنچنے کے زمانہ میں ایک گونہ پاکی حاصل کرنے کے لیے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے غرضکہ شریعت کا تیمم اور ہے عشق و محبت یا طریقت کا تیمم کچھ اور ہے یہاں طریقت کا تیمم ہے۔(اشعہ مع الزیادۃ)

[4] یعنی حضور آپ کی شریعت کی رو سے یہ تیمم درست نہیں ہوا کہ پانی پر قدرت حضور کو حاصل ہے پھر تیمم کیسا یہ ایسا ہی سوال و جواب ہے جو حضرت موسیٰ و خضر علیہم السلام میں واقع ہوئے کہ حضرت موسیٰ کے سوالات شرعی تھے حضرت خضر کے جواب حقیقی تھے۔

[5] یہاں درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں درایت کے معنی ہیں اٹکل، قیاس، دلیل سے جاننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات شریف وحی سے معلوم تھی حضور انور نے حج فرض ہوتے ہی حج نہیں کیا ایک سال بعد کیا کیونکہ آپ کو اپنی زندگی معلوم تھی یہ فرمان ہمارے لیے ہے کہ تم لوگ اپنے پر اتنا بھروسہ بھی نہ کرو کہ استنجاء کرکے قریبی پانی تک پہنچ جاؤ گے کیونکہ تمہارا علم صرف درایت سے ہے وحی سے نہیں اور زندگی و موت کے علم میں میری عقل بھی کام

لَعَلِّی لَا اَبْلُغُہٗ رَوَاہُ فِی شَرْحِ السُّنَّۃِ وَابْنُ الْجَوْزِیِّ فِی کِتَابِ الْوَفَاءِ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ھٰذَا ابْنُ اٰدَمَ وَھٰذَا اَجَلُہٗ وَوَضَعَ یَدَہٗ عِنْدَ قَفَاہُ ثُمَّ بَسَطَ فَقَالَ وَثَمَّ اَمَلُہٗ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَرَزَ عُوْدًا بَیْنَ یَدَیْہِ وَاٰخَرَ اِلٰی جَنْبِہٖ وَاٰخَرَ بَعْدَ

تک نہ پہونچ سکوں [۱] (شرح سنہ۔ ابن جوزی۔ کتاب الوفاء) [۲] روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ انسان ہے اور یہ اس کی موت ہے اور اپنا ہاتھ اپنی گدی پر رکھا [۳] پھر ہاتھ دراز کیا فرمایا۔ یہاں اس کی امید ہے [۴] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے [۵] کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لکڑی اپنے سامنے گاڑھی اور دوسری اس کے برابر اور تیسری اس سے بہت دور [۶]

[۱] صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور پر کبھی عشق کا غلبہ ہوتا تھا کبھی شریعت کا حکم شرعی ظاہر فرمانے کے لیے استنجا کرکے بغیر وضو قرآن پاک کی تلاوت کرلیتے تھے اور فنا فی اللہ کے غلبہ کے وقت بغیر تیمم کیے سلام کا جواب بھی نہ دیتے تھے یہاں حضور کے دوسرے حال یعنی فنا کا ذکر ہے دیکھو حضرت طلحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چار پانچ آدمیوں کی دعوت کی مگر ہے گئے سارے خندق والوں کو یہ ہے حال اور اپنی ملکیت کا اظہار اور ابی اللحم کے ہاں دعوت میں ایک آدمی زیادہ چلا گیا۔ تو اس سے اجازت لی یہ تھا قال یعنی شریعت۔

[۲] یعنی یہ حدیث امام بغوی نے شرح سنہ میں اور ابن جوزی نے اپنی کتاب۔ کتاب الوفا فی شرف المصطفٰے میں روایت کی (مرقات) وفا اور وفاء الوفاء تاریخ مدینہ یہ اور کتب ہیں۔

[۳] قفا سر کا پچھلا حصہ جسے اردو میں گدی کہا جاتا ہے پنجابی میں گچی۔

[۴] یعنی موت تو سر پر کھڑی ہے اور امیدیں بہت لمبی لمبی بندھی ہوئی ہیں یہ ہم جیسے غافلوں کا ذکر ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ شعر پڑھتے تھے۔ ؎

کل امرئ مصبح فی اھلہ والموت اقرب من شراک نعلہ

[۵] آپ کا نام شریف سعد ابن مالک ابن سنان ہے (ترمذی ابواب الزہد) آپ کے حالات شریف بیان ہوچکے ہیں۔

[۶] یعنی تین لکڑیاں اس طرح گاڑھیں کہ دو ملی ہوئی اور تیسری بہت فاصلہ سے آج کل اسکولوں میں عملی مشق کرائی جاتی ہے یہ عملی مشق تھی۔

فَقَالَ اَتَدْرُوْنَ مَا هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذَا الْاِنْسَانُ وَهٰذَا الْاَجَلُ اُرَاهُ قَالَ وَهٰذَا الْاَمَلُ فَيَتَعَاطَى الْاَمَلَ فَلَحِقَهُ الْاَجَلُ دُوْنَ الْاَمَلِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ عُمْرُ اُمَّتِيْ مِنْ سِتِّيْنَ سَنَةً اِلٰى سَبْعِيْنَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو یہ کیا ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں فرمایا یہ انسان ہے اور یہ موت ہے مجھے خیال ہے کہ فرمایا اور یہ امید ہے انسان امیدوں میں مشغول رہتا ہے مگر اسے امید سے پہلے موت پہنچ جاتی ہے [۲] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میری امت کی عمر ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوگی [۳] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

[۱] مقصد یہ ہے کہ موت انسان سے بہت قریب ہے مگر اس کی امیدیں بہت دراز خیال رہے کہ انسان شخصی ضروریات میں کمی کرے مگر قومی دینی، ملکی ضروریات وخدمات بہت زیادہ انجام دے کہ اشخاص مرتے ہیں قوم و دین نہیں مرجاتے بزرگوں نے دینی کتب لکھیں جو صدیوں سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچا رہی ہیں حضور انور نے سارا حجاز فتح فرمالیا اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ امت کے لیے دین کے لیے اب تک ان سے فائدے پہنچ رہے ہیں۔ خیال رہے کہ سکندر اعظم اور نپولین اعظم کے مفتوحہ علاقے دوسری قوموں کے پاس پہنچ گئے فاروق اعظم کے مفتوحہ علاقے مسلمانوں ہی کے قبضہ میں ہیں قریبًا چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ روم، ایران وغیرہ۔

[۲] یعنی انسان کی ایک امید پوری ہوئی تو دو سامنے آجاتی ہیں دو پوری ہوں تو چار سامنے آتی ہیں یہ سلسلہ یوں ہی دراز ہوتا چلا جاتا ہے کہ موت آتی ہے۔ ؎

امید بستہ برآمد ولے چہ فائدہ زانکہ ‎ ‎ ‎ امید نیست کہ عمر گذشتہ باز آید

[۳] یعنی میری امت کی عمریں عمومًا ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی اگرچہ بعض لوگ ساٹھ سال سے پہلے مرجائیں گے بعض ستر سے بڑھ جائیں گے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی مرتضٰی کی عمریں ترسیٹھ ۶۳ سال ہوئیں اور حضرت حکیم امت کی عمر شریف بھی ترسیٹھ ۶۳ سال ہوئی کہ آپ کا وصال ۳ رمضان ۱۳۹۱ھ ہوا حضرت عثمان غنی کی عمر بیاسی یا اٹھاسی سال ہوئی اس حدیث کی صحت پر تجربہ شاہد ہے۔

اَعْمَارُ اُمَّتِیْ مَا بَیْنَ سِتِّیْنَ اِلَی السَّبْعِیْنَ وَاَقَلُّھُمْ مَنْ یَّجُوْزُ ذٰلِكَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَذُکِرَ حَدِیْثُ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ الشِّخِّیْرِ فِیْ بَابِ عِیَادَۃِ الْمَرِیْضِ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ عَمْرِو ابْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ صَلَاحِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الْیَقِیْنُ وَالزُّھْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِھَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ رَوَاہُ

نے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر سال کے درمیان ہوں گی کم لوگ اس سے آگے بڑھیں گے [1] (ترمذی ۔ ابن ماجہ) اور حضرت عبداللہ ابن شخیر کی حدیث باب عیادۃ المریض میں بیان کردی گئی [2] تیسری فصل روایت ہے حضرت عمرو ابن شعیب سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے راوی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کی پہلی درستی یقین اور زہد ہے [3] اور اس کا پہلا فساد بخل اور دراز امید ہے [4]

[1] یعنی بہت کم لوگ ستر سے آگے بڑھیں گے سو سال سے آگے بڑھنے والے تو بہت ہی کم ہوں گے چنانچہ حضرت انس ابن مالک کی عمر ایک سو تین سال ہوئی جناب اسماء بنت ابوبکر صدیق کی عمر ایک سو سال ہوئی کسی قوت میں کمی نہ آئی حسان ابن ثابت کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی حضرت سلمان فارسی کی عمر ساڑھے تین سو سال ہوئی تم اسلام میں تھوڑا عرصہ سے ۳۵ھ میں وفات پائی (مرقات) میں نے حضرت سلمان فارسی کے مزار کی زیارت کی ہے بغداد شریف سے تیس میل دور سلمان پاک بستی میں ہے پہلے اسے مدائن کہتے تھے۔

[2] یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے وہاں بیان کردی۔

[3] یعنی مسلمان کی پہلی نیکی جو باقی نیکیوں کی جڑ ہے وہ یقین ہے اور یقین چار قسم کا ہے ۱ جو خیر و شر ہے وہ رب تعالٰی کی طرف سے ہے ۲ جو روزی مقدر میں ہے وہ ضرور ملے گی ۳ نیک و بد اعمال کی سزا و جزا ضرور ملے گی ۴ اللہ تعالٰی ہمارے ہر حال سے خبردار ہے ان چاروں باتوں پر یقین رکھے تو ان شاء اللہ بخل،حسد،کینہ۔بدعملی ان سب سے محفوظ رہے گا واللہ اعلم

[4] یعنی مسلمان کا پہلا گناہ جو دوسرے گناہوں کی جڑ ہے وہ یہ دو چیزیں ہیں۔بخل جڑ ہے خونریزی فساد کی لمبی امیدیں جڑ ہیں۔غفلت و گناہوں کی انسان بڑھاپے میں بھی یہ سوچتا ہے کہ ابھی عمر بہت ہے نیکیاں آئندہ کرلیں گے اسی خیال میں رہتے ہیں کہ موت آجاتی ہے۔

الْبَیْهَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ وَعَنْ سُفْیَانَ الثَّوْرِیِّ قَالَ لَیْسَ الزُّهْدُ فِی الدُّنْیَا بِلُبْسِ الْغَلِیْظِ وَالْخَشِنِ وَاَکْلِ الْجَشِبِ اِنَّمَا الزُّهْدُ فِی الدُّنْیَا قِصَرُ الْاَمَلِ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَعَنْ زَیْدِ بْنِ الْحُسَیْنِ قَالَ سَمِعْتُ مَالِکًا وَسُئِلَ اَیُّ شَیْئٍ الزُّهْدُ فِی الدُّنْیَا قَالَ طِیْبُ الْکَسْبِ وَقِصَرُ الْاَمَلِ رَوَاهُ الْبَیْهَقِیُّ فِیْ

(بیہقی۔ شعب الایمان) روایت ہے حضرت سفیان ثوری سے [1] فرماتے ہیں کہ دنیا میں بے رغبتی موٹا پہننے موٹا کھانے سے معمولی غذا سے نہیں دنیا میں بے رغبتی چھوٹی امیدوں سے ہے [2] (شرح سنہ)۔ روایت ہے حضرت زید ابن حسین سے [3] فرماتے ہیں کہ میں نے مالک سے سنا ان سے پوچھا گیا کہ دنیا میں رغبتی کیا چیز ہے فرمایا حلال کمائی [4] اور چھوٹی امیدیں [5] (بیہقی)

[1] آپ کوفی ہیں، مجتہد، فقیہ، محدث اپنے وقت کے قطب ہیں آپ کی دینداری، زہد، تقویٰ اور ثقہ ہونے پر سارے اہل اسلام متفق ہیں سلیمان ابن عبدالملک کے زمانہ میں ولادت ہوئی یعنی ۹۹ھ ننانوے میں ۱۶۱ھ ایک سو اکسٹھ میں وفات پائی آپ سے امام مالک اور دیگر ائمہ دین نے روایات لیں جیسے فضیل ابن عیاض، ابن عیینہ شعبی وغیرہ (مرقات، اکمال)

[2] سبحان اللہ کیسا نفیس قاعدہ بیان فرمایا آج بہت لوگ اس وہم میں مبتلا ہیں کہتے ہیں وہ فقیر کیسا جو رکھے پیسہ۔ عوام اس شخص کے معتقد ہو جاتے ہیں جو تارک الدنیا ہو کر بیٹھ جائے بیوی بچے نہ رکھے موٹا جھوٹا کھایا کرے پھٹے کپڑے پہنے اگرچہ بے نماز بے روزگار بھنگی چرسی ہو اللہ تعالٰی نے حلال چیزیں ہمارے استعمال کے لیے پیدا فرمائی ہیں خوب کھاؤ پیو اور خوب عبادت و شکر کرو رب تعالٰی فرماتا ہے کلوا من طیبات واعملوا صالحا۔ لذیذ نعمتیں کھاؤ اچھے اعمال کماؤ دنیا میں زیادہ رہنے کی امید نہ رکھے جو کرنا ہے آج کر دکل کی کیا خبر نصیب ہو کہ نہ ہو جشب کے معنی ہیں خشک غذا یعنی روکھی روٹی۔

[3] آپ تبع تابعی ہیں صحابی یا تابعی نہیں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے خاص خدام سے ہیں آپ کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے۔

[4] حلال کمائی سے عبادات میں لذت دل میں بیداری، آنکھوں میں تری، دعا میں قبولیت پیدا ہوتی ہے جو بندہ مقبول الدعا بننا چاہے۔ وہ اکل حلال اور صدق مقال یعنی غذا حلال اور سچی زبان رکھے حلال کمائی وہ جو حلال ذریعوں سے آئے۔

[5] دنیاوی امیدیں کم رکھنے سے غفلت نہیں آتی انسان گناہ پر دلیر نہیں ہوتا توبہ میں جلدی کرتا ہے یہ بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔

فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ بَابُ اسْتِحْبَابِ الْمَالِ وَالْعُمُرِ لِلطَّاعَةِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِيَّ الْغَنِيَّ الْخَفِيَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ ابْنِ

شعب الایمان) اطاعت کے لئے مال اور عمر کا بہتر ہونا [1] پہلی فصل روایت ہے حضرت سعد سے [2] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی پرہیزگار بے نیاز پوشیدہ بندے کو پسند فرماتا ہے [3] (مسلم اور حضرت ابن

[1] مال کے معنی ہیں میلانی قلبی دولت کو مال اس لیے کہتے ہیں کہ عموماً انسان کا دل اس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ عمر کے معنی ہیں آبادی اسی لیے بستی کو عمران کہا جاتا ہے اور ویرانہ کو خراب زندگی کے زمانہ کو عمر اس لیے کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں روح جسم کو آباد رکھتی ہے اس میں رہتی بستی ہے لہذا وہ زمانہ عمر ہے مقصد یہ ہے کہ عمر اور مال اگر اللہ کی راہ میں صرف ہوں تو اچھی چیزیں ہیں گزشتہ باب میں اس مال و زندگانی کی برائی بیان ہوئی۔ جو غفلت یا سرکشی میں صرف ہو۔

[2] سعد سے مراد حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں۔ محدثین جب عبداللہ بولتے ہیں تو حضرت عبداللہ ابن مسعود مراد ہوتے ہیں اور جب سعد مطلق بولتے ہیں تو سعد ابن ابی وقاص مراد ہوتے ہیں۔

[3] یعنی جس مسلمان میں تین صفتیں ہوں وہ خدا تعالٰی کو بڑا پیارا ہے متقی ہو یعنی گناہوں سے بچتا ہو اور اللہ رسول کے احکام پر عمل کرتا ہو۔ غنی یعنی لوگوں سے بے پرواہ ہو خیال رہے کہ اللہ تعالٰی متقی بندے کو لوگوں سے بے پرواہی نصیب فرماتا ہے جو اس کے دروازے پر جھکا رہے اسے دوسرے دروازوں پہ جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

خفی نقطہ والا خ سے بمعنی لوگوں میں چھپا ہوا یعنی وہ لوگوں میں اپنی شہرت نہیں چاہتا ہر نیکی چھپ کر کرتا ہے خود بھی گمنام رہنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسی میں عافیت و آرام ہے خیال رہے کہ بعض بندوں کے لیے خلوت اچھی ہے بعض کے لیے جلوت بہتر عابدوں کے لیے خلوت بہتر ہے عالموں کے لیے جلوت اچھی تاکہ لوگ ان سے فیض لیں لہذا اس حدیث کی بنا پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ حضرات خلفاء راشدین اور دوسرے مشہور علماء و اولیاء حتی کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب بندے ہیں مگر وہ چھپے ہوئے نہیں کیونکہ ان حضرات نے خود اپنے کو اپنی کوشش سے مشہور نہیں کیا ان کی یہ شہرت اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے نیز ان حضرات کے لیے شہرت ہی ضروری تھی سورج چھپنے کے لیے نہیں پیدا ہوا۔ مصرعہ کہ دنیا میں خدا کا نور چھپنے کو نہیں آیا۔ بعض نسخوں میں حفی ہے بے نقطہ والی ح سے بمعنی مہربان یعنی لوگوں پر مہربان بعض احادیث میں نقی نون سے بھی ہے یعنی طیب و طاہر پاک و صاف و ستھرا اس حدیث کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں۔

عُمُرٌ لَاحَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَیْنِ فِی بَابِ فَضَائِلِ الْقُرْاٰنِ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَحَسُنَ عَمَلُہٗ قَالَ فَاَیُّ النَّاسِ شَرٌّ قَالَ مَنْ طَالَ عُمُرُہٗ وَسَآءَ عَمَلُہٗ۔ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَعَنْ عُبَیْدِ ابْنِ خَالِدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰخٰی بَیْنَ رَجُلَیْنِ فَقُتِلَ اَحَدُھُمَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ مَاتَ الْاٰخَرُ بَعْدَہٗ بِجُمُعَۃٍ اَوْنَحْوِھَا

عمر کی حدیث کہ نہیں ہے رشک مگر دو خبروں میں فضائل قرآن کے باب میں بیان کردی گئی[1] دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے[2] کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کون آدمی ہے اچھا ہے فرمایا جسکی عمر بھی لمبی ہو اور اسکے عمل اچھے ہوں[3] عرض کیا تو کون آدمی برا ہے فرمایا جسکی عمر دراز ہو اور اسکے عمل برے ہوں[4] (احمد، ترمذی، دارمی)[5] روایت ہے حضرت عبید ابن خالد سے[6] کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کے درمیان بھائی چارہ فرمایا[7] تو ان میں سے ایک اللہ کی راہ میں مارا گیا پھر ایک ہفتہ یا اس کے قریب میں دوسرا آدمی فوت ہوا[8]

[1] یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی ہم نے مناسبت کے لحاظ سے وہاں بیان کردی۔

[2] آپ مشہور صحابی ہیں اہل طائف سے ہیں آپ کے حالات بیان ہوچکے ہیں۔

[3] یعنی جس کی عمر دراز ہو اور اس کی نیکیاں زیادہ ہوں ہر دن اس کی نیکیاں بڑھائے ایسا شخص بہت ہی خوش نصیب ہے اور جس کی نیکیاں گناہ ملاکے برابر ہوں وہ نمبر دوم کا خوش نصیب ہے، ایسا شخص مشکل سے ملے گا جو زندگی میں کبھی کوئی گناہ نہ کرے یہ شان حضرات انبیاء کرام کی ہے یا خاص اولیاء اللہ کی یہاں وہ ہی معنی مراد ہیں جو ہم نے عرض کیے۔

[4] یعنی وہ بڑا بدنصیب ہے جس کی زندگی دراز اور اس کے گناہ نیکیوں سے زیادہ ہوں اس کی زندگی ہر دن اس کے گناہوں میں اضافہ کرے۔

[5] یہ حدیث طبرانی۔ حاکم۔ بیہقی۔ ابو نعیم نے مختلف راویوں اور مختلف الفاظ سے روایت فرمائی ان الفاظ سے اور حضرت ابوبکرہ سے صرف ان دو کتب میں ہی ہے۔ (مرقات)

[6] آپ صحابی ہیں آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے کوفہ کے رہنے والے ہیں مہاجر ہوکر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے لہذا مہاجر ہیں (اشعہ، مرقات)

[7] یا تو یہ دونوں شخص مہاجر تھے یا ایک ان میں سے مہاجر تھے دوسرے انصاری دوسرا احتمال قوی ہے کیونکہ عقد مواخات بھائی چارے کا رشتہ مہاجر اور انصاری میں کیا جاتا تھا۔

[8] یہ پتہ نہیں چلا کہ شہید کون صاحب ہوئے مہاجر یا انصاری بہرحال ایک صاحب پہلے شہید ہوئے ہیں اور دوسرے صاحب کچھ بعد اپنے بستر پر فوت ہوئے۔

فَصَلُّوْا عَلَیْہِ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قُلْتُمْ قَالُوْا دَعَوْنَا اللّٰہَ اَنْ یَّغْفِرَلَہٗ وَیَرْحَمَہٗ وَیُلْحِقَہٗ بِصَاحِبِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَیْنَ صَلٰوتُہٗ بَعْدَ صَلٰوتِہٖ وَعَمَلُہٗ اَوْ قَالَ صِیَامِہٖ لَمَا بَیْنَہُمَا اَبْعَدُ مِمَّا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَالنَّسَآئِیُّ وَ عَنْ اَبِیْ کَبْشَۃَ الْاَنْمَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ ثَلٰثٌ

لوگوں نے اس پر نماز پڑھی تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے کیا کہا[1] عرض کیا ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اسے بخش دے اس پر رحم کرے اسے اس کی ساتھی سے ملادے[2] تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر اس شہید کے بعد اس کی نمازیں اور اس کے عمل یا فرمایا شہید کے روزوں کے بعد اسکے روزے کہاں گئے ان کے درمیان کا فاصلہ آسمان و زمین کے فاصلہ سے زیادہ[3] دراز ہے (ابوداؤد۔ نسائی) روایت ہے حضرت ابو کبشہ انماری سے[4] کہ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ

[1] یعنی اس میت کی نماز جنازہ میں تم نے اس کے لیے کیا دعا کی خیال رہے کہ نماز جنازہ میں دعاء ماثورہ تو پڑھی ہی جاتی ہے اس کے علاوہ اور دوسری دعاؤں کی بھی اجازت ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں اور بہت دعائیں کی ہیں۔

[2] یعنی یہ صاحب شہید نہیں ہوئے اور ان کا بھائی ایک ہفتہ پہلے شہید ہوگیا۔ مولےٰ تو اپنے کرم سے اس کو اسی شہید کا درجہ عطا فرما ان دونوں کو وہاں بھی برابر اور یکجا کردے جیسے وہ یہاں یکجا تھے سبحان اللہ بڑی پیاری دعا کی۔

[3] یعنی اس شخص کو جو یہ سات دن زیادہ مل گئے ان دونوں میں اس نے نماز روزے اور دوسری نیکیاں کیں اس لیے ان کا درجہ اس شہید سے زیادہ ہوگیا۔ خیال رہے کہ یہ صاحب مرابط تھے یعنے جہاد کے لیے ہر دم تیار اور مرابط کو درجہ شہادت کا ملتا ہے لہٰذا شہادت میں ان شہید کے برابر ہو گئے ان سات دن کے اعمال میں ان سے بڑھ گئے نیز بعض غیر شہید شہید سے بڑھ جاتے ہیں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تلوار سے شہید نہیں ہوئے مگر شہیدوں سے افضل ہیں رب تعالےٰ فرماتا ہے من النبیین والصدیقین والشہداء صدیق کو شہید پر مقدم فرمایا۔

[4] آپ کا نام عمرو بن سعد ہے یا سعد ابن عمرو یا عامر ابن سعد صحابی ہیں آخر زمانہ میں شام میں رہے۔

ثَلٰثٌ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ وَاُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا فَاحْفَظُوْهُ فَاَمَّا الَّذِیْ اُقْسِمُ عَلَيْهِنَّ فَاِنَّهٗ مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ وَّلَا ظُلِمَ عَبْدٌ مَظْلَمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا اِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا عِزًّا وَلَا فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ اِلَّا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ وَاَمَّا الَّذِیْ اُحَدِّثُكُمْ فَاحْفَظُوْهُ فَقَالَ

تین باتیں وہ ہیں جن پر میں قسم کھاتا ہوں اور ایک بات کی تمہیں خبر دیتا ہوں[1] اسے یاد رکھو وہ تین باتیں جن پر میں قسم فرماتا ہوں وہ یہ ہیں کہ کسی بندے کا مال صدقہ سے نہیں گھٹتا[2] اور کوئی ظلم نہیں کیا جاتا جس پر وہ صبر کرے[3] مگر اللہ تعالٰی اس سے اس کی عزت بڑھاتا ہے[4] اور کوئی بندہ مانگنے کا دروازہ نہیں کھولتا مگر اللہ اس پر فقیری کا دروازہ کھول دیتا ہے[5] اور جس چیز کی میں تمہیں خبر دیتا ہوں جسے تم یاد رکھو۔ فرمایا

[1] یعنی تین خبریں قسم سے بیان کرتا ہوں اور ایک خبر بغیر قسم کے خیال رہے کہ حضور انور کی خبر خواہ قسم سے ہو یا بغیر قسم بالکل حق اور درست ہے حضور کی خبر کا درست ہونا ایسا ہی لازم و ضروری ہے جیسے اللہ تعالٰی کی خبر کا حق ہونا لازم ہے کہ رب تعالٰی کا جھوٹ بھی ناممکن ہے اور نبی کا جھوٹ بھی ناممکن اگرچہ وہ بالذات ہے۔ یہ محال بالغیر جیسے رب تعالٰی کی قسمیں تاکید کے لیے ہوتی ہیں ایسے ہی حضور انور کی قسمیں تاکید کلام کے لیے ہیں۔

[2] یہاں صرف اقسم فرما کر قسم کھائی گئی واللہ یا اللہ نہیں فرمایا یہ بھی قسم کا ایک طریقہ ہے۔ صدقہ سے مراد ہر خیرات ہے فرضی ہو یا نفلی تجربہ شاہد ہے کہ خیرات سے مال بڑھتا ہے گھٹتا نہیں آزما کر دیکھ لو میرا رب سچا اس کے رسول سچے صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ سے دنیا میں برکت آخرت میں ثواب ہے فقیر کا تجربہ تو یہ ہے کہ صدقہ والے مال کو عموماً حاکم۔ حکیم۔ وکیل۔ چور نہیں کھاتے دنیاوی نقصانات بھی بہت کم ہوتے ہیں۔

[3] یہاں صبر سے مراد اخلاقی صبر ہے نہ کہ مجبوری کا صبر صبر معافی۔ تحمل کی جوابات منسوخ ہیں ان میں مجبوری کا صبر ہی مراد ہے رب فرماتا ہے فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔

[4] چنانچہ یوسف علیہ السلام نے اپنے دربار میں آئے ہوئے بھائیوں کو معافی دی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر تمام اہل مکہ کو معافی دے دی جن سے عمر بھر ظلم و ستم دیکھے تھے دیکھ لو آج تک ان حضرات کی واہ واہ ہو رہی ہے۔ یہ ہے عزت بڑھنا ؂

صدقے اس انعام کے قربان اس احسان کے ہو رہی دونوں عالم میں تمہاری واہ واہ

[5] تجربہ شاہد ہے کہ پیشہ ور بھکاریوں کے پاس اولاً تو مال جمع ہوتا ہی نہیں اگر ہو جاوے تو وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے جمع کرکے چھوڑ جاتے ہیں ان کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔ مرقات میں ان کی مثال اس کتے سے دی ہے جو منہ میں ٹکڑا لیے شفاعت شفاف دصاف نہر پر گزرے اس میں اپنے عکس کو دیکھ کر سمجھے کہ یہ دوسرا کتا ہے اس سے ٹکڑا چھین لینے کے لیے اس پر منہ پھاڑ کر حملہ کرے اپنا ٹکڑا بھی کھو بیٹھے۔

إِنَّمَا الدُّنْيَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِي فِيهِ رَبَّهُ وَيَصِلُ رَحِمَهُ وَيَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيهِ بِحَقِّهِ فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ عِلْمًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُولُ لَوْ أَنَّ لِي مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا يَخْبِطُ فِي مَالِهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِي فِيهِ

دنیا چار شخصوں کے لئے ہے ایک وہ بندہ جسے اللہ مال اور علم دونوں دے[1] تو وہ اس میں اللہ سے ڈرتا ہے رشتہ داروں سے سلوک کرتا ہے اور اس میں اللہ کے لئے ان کے حق کے مطابق عمل کرتا ہے[2] تو یہ بہترین درجوں میں ہے[3] اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نے علم دیا مال نہ دیا لیکن وہ ہے سچی نیت والا کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کے سے کام کرتا ان دونوں کا ثواب برابر ہے[4] اور ایک وہ بندہ جسے اللہ مال دے اور علم نہ دے تو وہ اپنے مال میں بغیر علم خلط ملط ہی کرتا ہے[5] اس میں اپنے رب سے نہیں ڈرتا

[1] علم سے مراد علم دین ہے معلوم ہوا علم دین بھی اللہ تعالٰی کی دنیاوی نعمتوں سے ایک اعلٰی نعمت ہے۔علماء فرماتے ہیں کہ مال سانپ ہے علم دین تریاق۔ ہمیشہ تریاق کے ساتھ زہر مفید ہوتا ہے بغیر تریاق ہلاک کردیتا ہے۔

[2] اگرچہ بحقہ میں سارے سلوک۔ صدقات داخل ہیں مگر چونکہ عزیزوں قرابت داروں کے حقوق ادا کرنا بہترین عبادت ہے،اور تمام صدقات میں اعلٰی و افضل اس لیے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا۔

[3] اس لیے کہ یہ شخص دین و دنیا دونوں جگہ سرخرو شاد آباد رہے گا کیوں کہ وہ مال کمائے گا حکم الٰہی کے مطابق خرچ کرے گا اسی کے مطابق جمع کرے گا۔اسی فرمان کے ماتحت مال کی آمد۔ جمع خرچ سب شریعت کے مطابق چاہیے۔

[4] معلوم ہوا کہ نیکی کی تمنا بھی نیکی ہے غریب عالم خواہ زبان سے تمنا کرے یا فقط دل سے بہرحال ثواب برابر ہی ہے۔

[5] یخبط بنا ہے خبط سے بمعنی بے فائدہ ہاتھ پاؤں مارنا۔ خلط ملط کرنا اس لیے دیوانگی کو تخبط کہتے ہیں دیوانہ کو خبطی کہ وہ ہر طرح بے فائدہ ہاتھ پاؤں مارتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ یعنی وہ ہر حرام و حلال طریقے سے مال کماتا ہے اور ہر حلال حرام جگہ خرچ کرتا رہتا ہے نہ خود عالم ہے نہ علماء کی بات مانتا ہے جیسا کہ آج کل عام امیروں کا حال ہے۔

رَبَّهٗ وَلَا يَصِلُ فِيْهِ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ فَهٰذَا بِاَخْبَثِ الْمَنَازِلِ وَعَبْدٌ لَمْ يَرْزُقْهُ اللّٰهُ مَالًا وَلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ لَوْ اَنَّ لِيْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ فَهُوَ بِنِيَّتِهٖ وَوِزْرُهُمَا سَوَاءٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اِذَا اَرَادَ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهٗ فَقِيْلَ وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ يُوَفِّقُهٗ لِعَمَلٍ صَالِحٍ قَبْلَ الْمَوْتِ

اپنے رشتہ داروں سے سلوک نہیں کرتا اور نہ اس میں حق کے عمل کرتا ہے [1] تو یہ خبیث ترین درجہ والا ہے [2] اور ایک وہ بندہ جسے اللہ نہ مال دے نہ علم تو وہ کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں اس میں فلاں کے سے کام کرتا تو وہ اپنی نیت پر ہے [3] اور ان دونوں کا گناہ برابر ہے [4] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے ۔ روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالٰے جب کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اس سے کام لیتا ہے [5] عرض کیا گیا یارسول اللہ کیسے کام لیتا ہے [6] فرمایا اسے موت سے پہلے نیک اعمال کی توفیق دیتا ہے ۔ [7]

[1] ایسے لوگ اگر کبھی اچھی جگہ خرچ بھی کرتے ہیں تو اپنی ناموری کے لیے خرچ کرتے ہیں مگر بے فائدہ بلکہ مضر۔

[2] کیونکہ اس کا مال اس کے لیے وبال ہے مال کی وجہ سے اس پر گناہوں کے دروازے بہت کھل جاتے ہیں وہ مال کے نشہ میں نہ کرنے والے کام کرتا رہتا ہے اللہ تعالٰی عثمانی مال دے ابوجہلی مال سے بچائے۔

[3] یعنی فلاں بدمعاش مالدار کی طرح میں بھی شراب پیتا جوا کھیلتا زنا کرتا کروں کیا کہ یہ کام پیسہ سے ہوتے ہیں اور میرے پاس پیسہ نہیں۔

[4] یعنی یہ بدنصیب بغیر کچھ کیے سب کچھ کررہا ہے کرنے والوں کے ساتھ دوزخ میں جارہا ہے۔

[5] غالبًا بندہ سے مراد بندۂ مومن ہے یعنی اللہ تعالٰے اپنے بندۂ مومن کی جب بھلائی چاہتا ہے تو نہ تو اسے رہنے دے کہ وہ اپنی زندگی برباد و ضائع کردے نہ اسے گناہوں میں مبتلا ہونے دے ممکن ہے کہ عبد سے مراد ہر بندۂ مومن و کافر ہے اللہ تعالٰے اپنے بندہ کو کافر نہیں رہنے دیتا آخر کار وہ مومن ہوجاتا ہے۔

[6] یعنی انسان کام تو ہمیشہ ہی کرتا ہے کوئی شخص بیکار نہیں رہتا جاگتا، چلتا، پھرنا بھی تو کام ہی ہیں سرکار نے کام سے کونسا کام مراد لیا ہے۔

[7] یعنی کام سے مراد نیک کام ہیں اور کام لینے سے مراد اس کی موت کے قریب کام لینا ہے مطلب یہ ہے کہ ایسے بندے کا انجام اچھا ہوتا ہے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ

(ترمذی) لہ روایت ہے حضرت شداد ابن اوس سے ۲ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کو قریب کردے ۳ اور بعد موت کے لئے عمل کرے ۴ اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کے پیچھے لگا دے اور اللہ پر

اگرچہ زندگی گناہوں میں گزارے مگر توبہ کرکے گناہوں کا کفارہ ادا کرکے مرتا ہے خاتمہ کا اعتبار ہے اس حدیث سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ مومن کی زندگی موت سے افضل ہے (اشعہ) کہ زندگی عمل کا وقت ہے دوسرے ہر کسی گنہگار کے متعلق ہم فیصلہ نہیں کرسکتے کہ وہ دوزخی ہی ہے یہ تو اللہ کو خبر ہے ممکن ہے کہ وہ مرتے وقت نیک ہوجائے. خیال رہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ موت زندگی سے افضل ہے کہ وہ راحت و آرام اور اپنے کام کے پھل پانے کا زمانہ ہے. عشاق کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف کے زمانہ میں مومن کی زندگی فراق کا زمانہ ہے موت یار کے دیدار کا ذریعہ ہے ؎

کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مرنے اپنی مدفن سے
سنا ہے قبر میں دیدار ہوگا بے حجابانہ

لہ یہ حدیث حاکم نے بسند صحیح۔ احمد۔ ابن حبان۔ طبرانی نے مختلف صحابہ سے مختلف عبارتوں سے روایت کی (مرقات)

۲ آپ کے حالات پہلے بیان ہوچکے ہیں کہ آپ حضرت حسان ابن ثابت کے بھتیجے ہیں خود بھی صحابی ہیں والد بھی صحابی آخرت میں بیت المقدس میں رہے آپ علم و حلم دونوں کے جامع تھے آپ کی کنیت ابو یعلی انصاری ہے صحابہ کرام آپ کا بہت احترام کرتے تھے. (اشعہ۔ مرقات)

۳ دان کے بہت معانی اگر دنو سے بنا ہے تو بمعنی قریب کرنا قریب جانا ہے اور دین سے بنا ہے جو مغلوب ہے دنی کا تو بمعنی عاجز کرنا ہے عاجز سمجھنا ہے بعض نے فرمایا کہ بمعنی حساب لینا ہے یعنی اپنے کو اللہ تعالٰے سے اس کے رسول سے نیک بندوں سے قریب رکھے یا اپنے کو موت سے قریب جانے یا اپنے اعمال کا خود حساب لیتا رہے نیک اعمال پر شکر کرے برے اعمال سے توبہ.

۴ یعنی کوئی کام نفس یا دنیا کے لیے نہ کرے ہر کام آخرت کے لیے کرے حتی کہ اس کا کھانا پینا چلنا پھرنا. سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا اللہ کے لیے ہو ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین ایسا آدمی دنیا میں رہتا تو ہے مگر دنیاکا نہیں ہوتا اللہ تعالٰے اس پر عمل کی توفیق دے.

رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کُنَّا فِیْ مَجْلِسٍ فَطَلَعَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی رَأْسِہٖ اَثَرُ مَآءٍ فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَرَاکَ طَیِّبَ النَّفْسِ قَالَ اَجَلْ قَالَ ثُمَّ خَاضَ الْقَوْمُ فِیْ ذِکْرِ الْغِنٰی فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ

آرزوئیں رکھے [۱] (ترمذی۔ ابن ماجہ) تیسری فصل روایت ہے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب سے [۲] فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں تھے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے تجلی فرمائی (تشریف لائے) [۳] آپکے سر پہ پانی کا اثر تھا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم حضور کو بہت خوش دل دیکھ رہے ہیں۔ [۴] فرمایا ہاں راوی کہتے ہیں کہ پھر قوم امیری کے ذکر میں مشغول ہو گئی [۵] تو رسول اللہ

[۱] اس فرمان عالی میں عاجز سے مراد بے وقوف ہے کیس کا مقابل۔ نفس امارہ سے دبا ہوا یعنی وہ بے وقوف ہے جو کام کرے دوزخ کے اور امید کرے جنت کی کہا کرے کہ اللہ غفور رحیم ہے باجرہ بوئے اور امید کرے گیہوں کاٹنے کی کہا کرے کہ اللہ غفور رحیم ہے کاٹتے وقت اسے گندم بنا دے گا اس کا نام امید نہیں رب تعالٰے فرماتا ہے مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ اور فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ ہَاجَرُوْا وَجَاہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰہِ جو بو کر گندم کاٹنے کی آس لگانا شیطانی دھوکہ اور نفسانی وسوسہ ہے خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو جھوٹی امید نے سیدھے راہ نیک اعمال سے ہٹا دیا ہے جیسے جھوٹی بات گناہ ہے ایسے ہی جھوٹی آس بھی گناہ ہے کروا ور ڈرو واشعہ مرقات۔

[۲] یہ صاحب لیسار ابن عبد ہیں جیسا کہ حاکم اور ابن ماجہ میں ہے۔ چونکہ تمام صحابہ بحکم قرآن عادل ہیں کوئی صحابی فاسق نہیں اس لیے کہ صحابی کا نام معلوم نہ ہونا حدیث کی صحت کے لیے مضر نہیں (مرقات)۔

[۳] ایسے تشریف لائے جیسے سورج طلوع کرتا ہے کہ رات کو دن اندھیرے کو اجالا بنا دیتا ہے۔ سوتوں کو جگا دینا طلع فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔

[۴] یعنی حضور نے غسل کیا ہے جمال باکمال اور بھی نکھر گیا ہے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار ہیں اللہ حضور کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے رنج و غم کی ہوا بھی نہ لگائے کہ ان کی خوشی سے دنیا کی خوشی وابستہ ہے ان کا جمال سب کی خوشی کا ذریعہ ہے۔

[۵] کسی نے وجہ نہ پوچھی کہ اس خوشی کا سبب کیا ہے بلکہ اور گفتگو شروع ہو گئی اس میں مالداری کا ذکر بھی تھا کہ یہ اچھی ہے یا بری۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا بَأْسَ بِالْغِنٰى لِمَنِ اتَّقَى اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ وَالصِّحَّةُ لِمَنِ اتَّقٰى خَيْرٌ مِّنَ الْغِنٰى وَطِيْبُ النَّفْسِ مِنَ النَّعِيْمِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَعَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ قَالَ كَانَ الْمَالُ فِيْمَا مَضٰى يُكْرَهُ فَاَمَّا الْيَوْمَ فَهُوَ تُرْسُ الْمُؤْمِنِ وَقَالَ لَوْلَا هٰذِهِ الدَّنَانِيْرُ لَتَمَنْدَلَ بِنَا هٰؤُلَاءِ الْمُلُوْكُ وَقَالَ مَنْ كَانَ فِيْ يَدِهٖ مِنْ هٰذِهٖ شَيْءٌ فَلْيُصْلِحْهُ فَاِنَّهٗ زَمَانٌ اِنِ احْتَاجَ كَانَ اَوَّلَ مَنْ يَبْذُلُ

صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالداری میں ہرج نہیں اس کے لئے جو اللہ سے ڈرے [1] اور متقی کے لئے تندرستی امیری سے بہتر ہے [2] اور دل کی خوشی نعمتوں میں سے ہے [3] (احمد) روایت ہے حضرت سفیان ثوری سے فرماتے ہیں کہ گذشتہ زمانہ میں مال ناپسند تھا [4] لیکن آج مال مومن کی ڈھال ہے [5] اور فرمایا اگر یہ اشرفیاں نہ ہوتیں تو یہ بادشاہ ہم کو رومال بنا لیتے [6] اور فرمایا کہ جس کے پاس کچھ دولت ہو تو وہ اسے سنبھالے [7] بڑھائے کیونکہ یہ زمانہ وہ ہے کہ اگر کوئی محتاج ہو جاوے تو پہلی جو چیز خرچ کرتا وہ اس

[1] اس فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقر مع صبر افضل ہے غنی مع شکر سے یہ بہت بڑی بحث ہے یعنی غنی جب خوف خدا کے ساتھ ہو تو اس میں حرج نہیں۔

[2] یعنی دنیا میں دل کا چین روح کا آرام اللہ کی بڑی نعمت ہے رب فرماتا ہے ولمن خاف مقام ربہ جنتان وہاں دو جنتوں سے مراد ہے دنیا کی جنت یعنی دل کا چین اور آخرت کی جنت اللہ رسول کا دیدار مال کی خوشی اللہ کے ذکر اللہ والوں کے قرب سے نصیب ہوتی ہے۔

[3] کیوں کہ مالداری کا انجام حساب بلکہ کبھی عقاب ہے جس سے فقراء دور ہیں۔

[4] یعنی زمانہ رسالت میں زیادہ مال جمع کرنے کی کوشش کرنا ناپسند تھا اس وقت لوگوں پر حال کا غلبہ تھا مال کے لیے بہت دوڑ دھوپ اس میں نقصان ہوتی تھی اس کا یہ مطلب نہیں کہ زیادہ مال حرام یا مکروہ یا ناپسند تھا مال سے زکوۃ، حج، قربانی، جہاد ہوتے ہیں اچھی چیزوں کا ذریعہ اچھا ہوتا ہے گویا اس زمانہ میں لوگوں کو زہد و قناعت مرغوب تھی۔

[5] یعنی اب اس زمانہ میں مال حلال، بہت سے گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے کہ مومن کا اس کے ذریعہ چوری، حرام خوری، نام نمود، دکھاوا، محتاجی سے بچنے کا ذریعہ ہے

[6] یعنی اگر میرے پاس دولت نہ ہوتی تو مجھے حکام رومال کی طرح استعمال کرتے کہ اپنی گندی مجھ سے صاف کرتے مجھے پیسوں کا لالچ دے کر غلط فتوے لیتے اور میرے فتووں سے اپنے ظلم جائز کرا لیا کرتے غریب مولوی کا علم امیروں کے پیسہ پر نچھاور ہوتا ہے الا ماشاءاللہ مندیل بنا ہے ندل سے بمعنی میل مندیل میل دور کرنے کا آلہ یعنی رومال مالدار کا مولیٰ صرف اللہ تعالٰی ہے غریب کا مولیٰ ہر امیر ہے۔ [7] یعنی اپنے مال کو ضائع نہ ہونے دے اسے بڑھانے کی کوشش کرے مال کی قدر کرے خصوصًا عالم دین کے لیے مال بہت ہی ضروری ہے کہ مالدار عالم کے وعظ میں تاثیر اور ہی ہوتی ہے۔

دِيْنُهُ وَقَالَ الْحَلَالُ لَا يَحْتَمِلُ السَّرَفَ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ ٭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَيْنَ اَبْنَاءُ السِّتِّيْنَ وَهُوَ الْعُمُرُ الَّذِيْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمُ النَّذِيْرُ

دین ہے [1] اور فرمایا کہ حلال مال میں فضول خرچی کی گنجائش نہیں [2] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن پکارنے والا پکارے گا کہ ساٹھ سالہ لوگ کہاں ہیں [3] یہ عمر وہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالٰی فرماتا ہے کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی جس میں نصیحت پکڑ لیتا نصیحت پکڑنے والا [4] اور آئے تمہارے پاس ڈرانے والا۔ [5]

[1] دیکھو غریب مسلمانوں سے مال کے ذریعہ جھوٹی گواہیاں حرام پیسے بلکہ قتل و خون کرائے جاتے ہیں اور غریب علماء سے پیسہ کے ذریعہ غلط فتوے لکھوائے جاتے ہیں غریب اماموں سے پیسہ دے کر ناجائز نکاح پڑھوائے جاتے ہیں متھرا، آگرہ کے علاقہ میں ہزارہا غریب مسلمانوں کو پیسہ دے کر ہندو بنا لیا گیا۔ یہ فرمان بالکل درست ہے۔

[2] یعنی حلال مال اس لائق نہیں کہ اسے فضول خرچی کرکے برباد کردیا جائے اس کی قدر و منزلت کرنی چاہیے یا حلال مال میں فضول خرچی کی گنجائش نہیں وہ اتنا زیادہ نہیں ہوتا کہ اس میں فضول خرچی کی جائے۔ اردو میں کہتے ہیں مال حرام بجائے حرام یا مال مفت دل بے رحم یا یہ مطلب ہے کہ حلال روزی کو فضول خرچی سے اڑا کر دوسروں کا محتاج بن جانا حماقت ہے اسے سنبھالو تاکہ اوروں کے محتاج نہ ہو قرآن کریم فرماتا ہے لَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَامًا۔ اپنا مال ناسمجھ بچوں کو نہ دو اللہ نے مال کو تمہاری بقا کا ذریعہ بنایا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ حلال مال میں فضول خرچی بربادی نہیں واقع ہوتی۔

[3] یعنی پہلے ساٹھ سالا بوڑھے حاضر ہوں اپنی عمروں کا حساب دیں کہ انہوں نے اتنی دراز عمر کس کام میں خرچ کی۔

[4] کیونکہ انسانی عمر کے تین حصے ہوتے ہیں بچپن جوانی بڑھاپا ساٹھ سالہ آدمی یہ تینوں حصے پالیتا ہے۔ بچپن نہ سنبھلے تو جوانی میں سنبھل جائے اگر جوانی میں نہ سنبھلے تو بڑھاپے میں ٹھیک ہو لیکن اگر بڑھاپے میں بھی نہ درست ہو تو پھر کب ہوگا۔ اب تو صرف موت ہی باقی ہے۔ لہذا بڈھا گنہ گار کوئی عذر و معذرت نہیں کرسکتا۔

[5] ڈرانے والے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید۔ یا بڑھاپا یا موت ہے بوڑھے کے پاس یہ سارے ڈرانے والے پہنچ جاتے ہیں۔

رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَدَّادٍ قَالَ إِنَّ نَفَرًا مِّنْ بَنِي عُذْرَةَ ثَلَاثَةً أَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمُوا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَكْفِيْنِيْهِمْ قَالَ طَلْحَةُ أَنَا فَكَانُوا عِنْدَهُ فَبَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيهِ أَحَدُهُمْ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ بَعَثَ بَعْثًا فَخَرَجَ فِيهِ الْآخَرُ فَاسْتُشْهِدَ ثُمَّ مَاتَ الثَّالِثُ عَلَى فِرَاشِهِ قَالَ قَالَ طَلْحَةُ فَرَأَيْتُ هٰؤُلَاءِ الثَّلٰثَةَ فِي الْجَنَّةِ وَرَأَيْتُ الْمَيِّتَ عَلَى فِرَاشِهِ أَمَامَهُمْ وَالَّذِي اسْتُشْهِدَ أَخِرًا يَلِيْهِ وَأَوَّلَهُمْ يَلِيْهِ

(بیہقی۔شعب الایمان۔) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن شداد سے[1] فرماتے ہیں کہ بنی عذرہ کے تین شخص نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ مسلمان ہوگئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انہیں ہماری طرف سے کوئی سنبھالے گا[2] جناب طلحہ بولے میں تو وہ ان کے پاس رہے پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا تو ان میں سے ایک اس لشکر میں گیا وہ شہید ہوگیا[3] پھر اور لشکر بھیجا تو ان میں دوسرا گیا تو وہ شہید کردیا گیا پھر مرگیا تیسرا اپنے بستر پر[4] راوی کہتے ہیں کہ جناب طلحہ نے فرمایا کہ میں نے ان تینوں کو جنت میں دیکھا[5] اور اپنے بستر پر مرنے والے کو ان سب کے آگے دیکھا اور جو پیچھے شہید ہوا تھا اسے اس کے قریب دیکھا اور پہلے کو اس کے قریب دیکھا[6]

[1] آپ تابعی ہیں آپ کے والد شداد ابن اوس صحابی ہیں حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا آپ کی خالہ ہیں بڑے عالم متقی تھے حضرت عمر، علی معاذ ابن جبل۔ابن عباس سے روایات لی ہیں رضی اللہ عنہ بلکہ اپنے والد، اپنی خالہ سے بھی روایات لی ہیں۔ [2] یعنی ان نو مسلم فقراء کا کھانا کپڑا وغیرہ ہمارے ذمہ ہے جو ہماری طرف سے ان کا خرچ برداشت کرے تاقیامت ہم جیسے فقیروں کا گزارہ حضور کے دروازے سے ہوتا رہے گا دنیاوی وسیلے انہیں کے کرم کا مظہر ہیں۔ [3] یعنی یہ تینوں حضرات جناب ابوطلحہ کے مہمان دائمی رہے حتی کہ ایک جہاد میں ان تینوں میں سے ایک شخص شہید ہوگیا [4] یہ تیسرے صاحب یا تو ان دو جہادوں میں گئے ہی نہ تھے یا گئے تھے مگر شہید نہیں ہوئے تھے بعد میں بیماری سے اپنے بستر پر فوت ہوئے مگر تھے جہاد کے لیے بالکل تیار یعنی مرابط فی سبیل اللہ یہ قیود بہت خیال میں رہیں(مرقات)

[5] خواب میں دیکھا یا کشف سے(مرقات)یہ حدیث الہام اولیاء کشف اولیاء کی دلیل ہے بعض حضرات کشف قبور کرلیتے ہیں اس کا ماخذ بھی یہ بھی ہوتا ہے۔

[6] یعنی انہیں جنت میں اس طرح دیکھا کہ تیسرے صاحب جو شہید نہ ہوئے تھے ان میں نمبر اول تھے دوسرے شہید نمبر دوم میں اور پہلے شہید نمبر سوم میں یہ اولیت آخریت درجہ اور مرتبہ کی تھی کہ جیسا درجہ انہیں ملا تھا ویسا ہی انہوں نے دیکھا۔

فَدَخَلَنِیْ مِنْ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ فَقَالَ وَمَا اَنْكَرْتَ مِنْ لَیْسَ اَحَدٌ اَفْضَلَ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ مُؤْمِنٍ یُعَمَّرُ فِی الْاِسْلَامِ لِتَسْبِیْحِهٖ وَتَكْبِیْرِهٖ وَتَهْلِیْلِهٖ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ عُمَیْرَةَ وَكَانَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ عَبْدًا لَوْ خَرَّ عَلٰی وَجْهِهٖ مِنْ یَوْمِ وُلِدَ اِلٰی اَنْ یَمُوْتَ هَرَمًا فِیْ طَاعَةِ اللّٰهِ لَحَقَّرَهٗ فِیْ ذٰلِكَ الْیَوْمِ وَلَوَدَّ اَنَّهٗ رُدَّ اِلَی الدُّنْیَا كَیْمَا

میرے دل میں اس سے کچھ آ گیا[1] تب پہلے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا تو فرمایا کہ تم نے اس میں سے کسی چیز پر تعجب کیا اللہ کے نزدیک اس مومن سے کوئی افضل نہیں جسے اسلام میں زیادہ عمر دی جاوے[2] اس کی تسبیح اس کی تکبیر اس کے کلمہ کی وجہ سے[3] روایت ہے حضرت محمد ابن عمیرہ سے[4] یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام میں سے تھے حضور نے فرمایا کہ اگر کوئی بندہ اپنی پیدائش کے دن سے اپنے چہرے کے بل گر جاوے حتی کہ اللہ کی اطاعت میں بوڑھا ہو کر مر جاوے[5] تو اس دن اس عبادت کو حقیر سمجھے گا[6] اور تمنا کرے گا کہ دنیا میں لوٹایا جاوے

[1] یعنی یہ ترتیب دیکھ کر مجھے ایسا سوال یا اشکال پیدا ہوا جس کو میں خود حل نہ کرسکا کہ غیر شہید تو نمبر اول اور شہداء اس کے ماتحت۔

[2] مقصد یہ ہے کہ دوسرے شہید کو پہلے شہید سے کچھ زیادہ عمر مل گئی اور تیسرے صاحب کو ان دونوں سے زیادہ عمر ملی چونکہ انہیں ذکر اللہ عبادات اطاعت کا موقعہ زیادہ ملا اس لیے یہ دونوں اس پہلے شہید سے افضل ہوئے اور ان دونوں میں یہ تیسرے صاحب دوسرے شہید سے اعلیٰ ہوئے ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ تیسرے صاحب بھی شہادت جہاد کے لیے تیار تھے اس لیے انہیں حکمی شہادت تو مل گئی۔ ذکر اللہ میں بڑھ گئے لہذا ان کا درجہ زیادہ ہوگیا۔

[3] معلوم ہوا کہ مسلمان کی زندگی کا ہر دن بلکہ ہر ساعت اس کی نیکیاں بڑھ جانے کا ذریعہ ہے اللہ تعالٰی ایسی زندگی نصیب فرمائے۔

[4] چونکہ محمد ابن عمیرہ کی صحابیت مشہور نہ تھی اس لیے راوی نے یہ کہہ دیا کہ آپ حضور کے صحابی تھے آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے (اشعہ)

[5] یہ فرضی صورت ہے جس سے بہت بڑا مسئلہ حل فرمایا گیا ہے یعنی فرض کرلو کہ کوئی شخص پیدا ہوتے ہی عبادت میں ایسا مشغول ہوجائے کہ کبھی کوئی کام نفس کے لیے نہ کرے اور اسی حال میں بوڑھا ہوکر مرجائے چہرے کے بل گر جانے کا مطلب ہے عبادات میں مشغول ہوجانا ممکن ہے کہ اس سے سجدہ میں گر جانا مراد ہو بہرحال مطلب ظاہر ہے۔

[6] یعنی یہ ہی کہے گا کہ میں نے کچھ نہ کیا کچھ اور موقعہ ملتا تو اور کچھ کرلیتا۔ ؎

کچھ نہ کیا مگر چلا عمر کو مفت کھو چلا ۔۔۔ عرض ہے تم سے یاشہا میری طرف کو دیکھنا

يَزْدَادَ مِنَ الْأَجْرِ وَالثَّوَابِ رَوَاهُمَا أَحْمَدُ بَابُ التَّوَكُّلِ وَالصَّبْرِ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

تاکہ اجر و ثواب اور زیادہ کرے ۱؎ دونوں حدیثیں احمد نے روایت کیں توکل اور صبر کا بیان ۲؎ پہلی فصل روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب جنت میں جائینگے یہ وہ لوگ ہونگے جو منتر جنتر نہیں کرتے ۳؎ فال کیلئے چڑیاں نہیں اڑاتے ۴؎ اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ۵؎ (مسلم بخاری)

۱؎ یعنی عبادات، ریاضات کے لیے دنیا میں پھر بھیج دیا جاوے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ جسے رب تعالٰی بخش دے گا وہ دنیا میں لوٹنے کی تمنا نہ کرے گا کہ وہاں مطلب یہ ہے کہ یہاں رہنے سہنے یہاں کے عیش کرنے کے لیے یہاں آنے کی تمنا نہ کرے گا یہ آرزو دوسرے مقصد کے لیے ہے۔

۲؎ توکل بنا ہے وکل یا وکول سے جس کے معنی اپنا کام دوسرے کے سپرد کر دینا اسی سے ہے وکیل اصطلاح میں توکل یہ ہے کہ اپنی عاجزی کا اظہار دوسرے پر بھروسہ کرنا اسی سے ہے تکلان شریعت میں توکل کے معنی ہیں اپنے کام حوالہ بہ خدا کر دینا توکل دو قسم کا ہے توکل عوام اسباب پر عمل کرکے نتیجہ خدا کے حوالہ کر دینا۔ توکل خواص۔ اسباب چھوڑ کر مسبب الاسباب پر نظر کرنا صبر کے معنی ہیں روکنا شریعت میں صبر ہے مصیبت میں اپنے کو گھبراہٹ سے روکنا راضی بہ رضا رہنا صبر کی بہت قسمیں ہیں۔ عبادت پر صبر۔ گناہوں سے صبر۔ مصیبت میں صبر یہ تینوں صبر بہت اچھے ہیں یہاں تیسرے معنی کا صبر مراد ہے جیساکہ آئندہ احادیث سے معلوم ہوگا۔ یہ تیسری قسم کا صبر کئی طرح ہے عوام کا صبر اور ہے خواص کا اور خواص کا کچھ اور۔

۳؎ یعنی کفار کے جھوچھاے بچتے ہیں ورنہ قرآنی آیات دعاء ماثورہ سے دم کرنا سنت ہے بلکہ نامعلوم منتر پڑھنا ہی گناہ ہے جس کے معنی کی خبر نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ ان الفاظ کے شرکیہ معانی ہوں لہذا حدیث بالکل ظاہر ہے۔

۴؎ اہل عرب جب کسی کام کو جاتے تو چڑیوں سے فال لیتے تھے کہ کوئی چڑیا دیکھتے تو اسے اڑاتے اگر داہنی طرف اڑ جاتی تو کہتے کہ ہمارا کام ہو جاوے گا اگر بائیں طرف اڑتی تو کہتے کہ ہمارا کام نہ ہوگا واپس لوٹ آتے یہ حرام ہے یہ حرام ہے۔

۵؎ توکل کے معانی ابھی عرض ہوئے یہاں شاید خواص کا توکل مراد ہے یعنی ترک اسباب اور نظر بر مسبب الاسباب۔

وَعَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَقَالَ عُرِضَتْ عَلَيَّ الْاُمَمُ فَجَعَلَ يَمُرُّ النَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلُ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّجُلَانِ وَالنَّبِيُّ وَمَعَهُ الرَّهْطُ وَالنَّبِيُّ وَلَيْسَ مَعَهُ اَحَدٌ فَرَاَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَرَجَوْتُ اَنْ يَّكُوْنَ اُمَّتِيْ فَقِيْلَ هٰذَا مُوْسٰى فِيْ قَوْمِهٖ ثُمَّ قِيْلَ لِيْ اُنْظُرْ فَرَاَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا سَدَّ الْاُفُقَ فَقِيْلَ لِيْ اُنْظُرْ هٰكَذَا وَهٰكَذَا فَرَاَيْتُ سَوَادًا كَثِيْرًا

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا کہ مجھ پر امتیں پیش کی گئیں[1] تو نبی نبی گزرنے لگے جن کے ساتھ صرف ایک شخص تھا کوئی نبی کہ ان کے ساتھ دو شخص تھے اور کوئی نبی کہ ان کے ساتھ جماعت تھی اور کوئی نبی کہ ان کے ساتھ ایک بھی نہ تھا[2] پھر میں نے بڑی جماعت دیکھی جس نے کنارہ آسمان گھیر رکھے تھے میں نے امید کی کہ یہ میری امت ہو[3] تو مجھ سے فرمایا گیا یہ موسیٰ ہی کی اپنی قوم ہے[4] پھر مجھ سے فرمایا کہ دیکھئے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی جس نے کنارہ آسمان گھیرے ہوئے پھر مجھ سے کہا گیا ادھر اور ادھر دیکھئے میں نے بہت بڑی خلقت دیکھی

[1] یہ پیشی یا تو میثاق کے دن ہوئی یا کسی خوابی معراج میں یا جسمانی معراج میں تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جہاں اور چیزیں ملاحظہ فرمائیں وہاں ہی سارے نبی مع ان کی اپنی امتوں کے حال آنکھوں سے دیکھے معلوم ہوا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے کوئی نبی اور ہر نبی کا کوئی امتی غائب نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا ہے۔

[2] یعنی بعض نبی دنیا میں وہ بھی گزرے جن کی بات ایک شخص نے بھی نہ مانی وہ ہمارے سامنے اکیلے ہی پیش ہوئے بعض نبی وہ جن کی دعوت صرف ایک نے یا دو نے یا جماعت نے قبول کی وہ نبی ہمارے سامنے اسی ایک دو یا زیادہ کے ساتھ پیش ہوئے معلوم ہوا کہ امت سے مراد امت اجابت ہے۔

[3] یعنی اس جماعت کی یہ زیادتی دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ میری امت ہوگی کیونکہ میرا دین قیامت تک ہے اور ہر زمانہ میں لاکھوں آدمی مسلمان ہیں۔

[4] یعنی یہ امت آپ کی نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ہے جو ان پر ایمان لائے اور ایمان پر ہی مرے مرتد نہ ہوئے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کے اندازہ میں غلطی ہوسکتی ہے تبلیغی احکام میں غلطی نہیں ہوسکتی ورنہ شریعت محفوظ نہ رہے گی یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور کو علم آہستگی سے دیا گیا خیال رہے کہ یہ لوگ صرف سامنے ہی تھے مگر تھے بہت کہ تاحد نظر آدمی ہی آدمی تھے۔

سَدَّ الْاُفُقَ فَقِيْلَ هٰؤُلَاءِ اُمَّتُكَ وَمَعَ هٰؤُلَاءِ سَبْعُوْنَ اَلْفًا قُدَّامَهُمْ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ هُمُ الَّذِيْنَ لَا يَتَطَيَّرُوْنَ وَلَا يَسْتَرْقُوْنَ وَلَا يَكْتَوُوْنَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ فَقَامَ عُكَّاشَةُ بْنُ مِحْصَنٍ فَقَالَ

جس نے کنارے گھیرے تھے ۱؎ کہا گیا یہ ہے آپ کی امت اور ان کے ساتھ ان کے آگے ستر ہزار وہ ہیں جو بلا حساب جنت میں جائیں گے ۲؎ وہ وہ ہیں جو نہ تو پرندے اڑاتے ہیں نہ منتر جنتر کرتے ہیں اور نہ داغ لگاتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ۳؎ حضرت عکاشہ ابن محصن کھڑے ہوگئے ۴؎ بولے

۱؎ یعنی اس جماعت کی کثرت کا یہ حال تھا کہ آگے داہنے بائیں ہر طرف اس کثرت سے آدمی تھے کہ تاحد نظر آدمی ہی آدمی تھے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری امت کو ملاحظہ فرمایا حضور سے کوئی شخص پوشیدہ نہیں۔

۲؎ معھولاء میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اسی جماعت میں یہ لوگ بھی ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے دوسرے یہ کہ ان کے علاوہ ستر ہزار وہ بھی ہیں جو بغیر حساب جنتی ہیں پہلا احتمال زیادہ قوی ہے ستر ہزار سے مراد بے شمار لوگ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ خاص تعداد ہی مراد ہو یعنی ساری امت میں ستر ہزار بے حساب جنتی ہیں اس دوسرے احتمال کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ فرمایا کہ ان ستر ہزار میں سے ہر شخص کے ساتھ ستر ستر ہزار ہوں گے۔ قرآن مجید سے یدخلون الجنۃ بغیر حساب اس آیت اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا حساب نہ ہوگا بعض لوگ حساب سے مستثنیٰ بھی ہوں گے۔

۳؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ بے حساب جنتی وہ ہیں جو ان اعمال کی وجہ سے بے حساب بہشت میں جائیں گے ان کے علاوہ اور بہت سی قسم کے لوگ بے حساب جنتی ہیں جیسے نابالغ فوت شدہ بچے۔ دیوانے صدیقین وغیرہم۔ خیال رہے کہ یہاں حساب سے محشر کا حساب مراد ہے نہ کہ قبر کا حساب قبر کے حساب سے تو بہت لوگ مستثنیٰ ہیں۔ قبر کے حساب سے آٹھ قسم کے لوگ محفوظ رہیں گے حتی کہ جو جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں فوت بلکہ جو روزانہ موت کو یاد کرلیا کرے وہ بھی حساب سے محفوظ ہے قبر میں ایمان کا حساب ہے محشر میں اعمال کا حساب۔

۴؎ حضرت عکاشہ مشہور صحابی ہیں بدر اور بعد بدر تمام غزوات میں شریک ہوئے بدر میں آپ کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور انور نے آپ کو کھجور کی چھڑی عنایت فرمائی جو آپ کے ہاتھ میں پہنچتے ہی تلوار بن گئی۔ حضور نے آپ کو جنت کی بشارت دی پینتالیس سال عمر پائی خلافت صدیقی میں وفات ہوئی آپ سے حضرت ابوہریرہ۔ عبداللہ ابن عباس اور خود آپ کی بہن ام قیس بنت محصن نے روایات لی ہیں آپ کا کھڑا ہونا عرض معروض کے لیے تھا۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کے سامنے کھڑے ہوکر عرض کرنا سنت صحابی ہے۔

اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ مِنْهُمْ ثُمَّ قَامَ رَجُلٌ اٰخَرُ فَقَالَ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْعَلَنِيْ مِنْهُمْ قَالَ سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ صُهَيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

حضور اللہ سے دعا کریں کہ مجھے ان میں سے کرے فرمایا الٰہی انہیں ان میں سے کر دے [۱] پھر دوسرا آدمی کھڑا ہوا بولا دعا کیجئے کہ اللہ مجھے ان میں سے کرے فرمایا اس دعا میں تم پر عکاشہ سبقت لے گئے [۲] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت صہیب سے [۳] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعجب ہے مرد مسلمان پر کہ اس کے سارے کام خیر ہیں [۴] یہ بات کسی کو حاصل نہیں ہوتی سوا مرد مومن کے کہ اگر اسے راحت پہنچے تو شکر کرے تو اس کے لیے راحت خیر ہو اور اگر اسے تکلیف پہونچے تو صبر کرے تو صبر اس کے لیے بہتر ہو [۵] (مسلم)

[۱] بعض روایات میں ہے کہ فرمایا انت منهم ہو سکتا ہے کہ دعا بھی دی ہو اور بشارت بھی اس دعا سے معلوم ہوا کہ حضرت عکاشہ اس اس جماعت میں حضور کی دعا کی برکت سے داخل ہوئے (مرقات)

[۲] یہ دوسرے صاحب حضرت سعد ابن عبادہ تھے (اشعہ و مرقات) اسی جواب عالی سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے انجام سب کے مقام و درجات کی خبر ہے کہ ایک صاحب کے لیے دعا فرمائی خبر تھی کہ یہ ان میں سے ہیں دوسرے کے لیے خبر تھی یہ ان میں سے نہیں اب جواب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جنت میں اب کوئی سیٹ خالی نہیں یہ بیاری جماعت پوری ہو چکی تم کیسے داخل ہو گے مطلب یہ ہی ہے کہ تم اس جماعت سے نہیں تمہارے لیے دعا کیسے کی جائے۔

[۳] آپ صہیب ابن سنان ہیں حضرت عبداللہ ابن جدعان کے آزاد کردہ آپ کی کنیت ابو یحیٰی ہے اصلی باشندے موصل کے ہیں مگر رومیوں نے آپ کو قید کر کے روم پہنچا دیا۔ پھر مکہ معظمہ میں آپ فروخت ہو کر آئے مکہ میں ہی ایمان لائے اللہ کی راہ میں بہت ستائے گئے آپ کے متعلق یہ آیت اتری ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله نوے سال کی عمر ہوئی ۳۸ھ میں وفات پائی جنت البقیع میں دفن ہوئے (مرقات)

[۴] یعنی مومن کے لیے دنیا میں خیر بھی خیر ہے شر بھی خیر راحت و آرام بھی خیر ہے مصیبت و آلام بھی خیر وہ ہر طرح نفع میں ہے۔

[۵] یعنی مومن نعمتیں پا کر شاکر بن جاتا ہے اور مصیبتیں پا کر صابر بن جاتا ہے خیال رہے کہ شکر و صبر دونوں تین قسم کے ہوتے ہیں۔ دلی قولی عملی یعنی جنانی۔ لسانی۔ ارکانی۔ مالدار کا زکوۃ نکالنا عملی شکر ہے یہ ہی حال صبر کا ہے حضرت عمر فرماتے ہیں کہ امیری فقیری دو سواریاں ہیں مجھے پرواہ

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَّاَحَبُّ اِلَى اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ اَحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ وَاسْتَعِنْ بِاللهِ وَلَا تَعْجِزْ وَاِنْ

روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قوی مسلمان کمزور مسلمان سے اچھا ہے اور اللہ کو پیارا ہے لہ بھلائی سب میں ہے ۲ اس پر حرص کرو اس پر جو تمہیں نفع دے ۳ اور اللہ سے مدد مانگو عاجز نہ ہو ۴ اور اگر

نہیں کہ کس سواری پر سوار ہو جاؤں۔ (مرقات)

فقر و شاہی واردات مصطفٰے است

کافر فقیر ہو تو رب کی شکائتیں کرکے کافر رہتا ہے امیر ہو تو فخر و تکبر کرکے اپنا کفر اور زیادہ کرلیتا ہے مومن کا ہر حال اچھا۔

۱ یہاں قوی اور ضعیف سے بدن کا قوی ضعیف مراد ہے یعنی تندرستی وصحت اور مضبوط بدن والا مسلمان کمزور بیمار مسلمان سے زیادہ اچھا ہے کہ تندرست مسلمان نماز روزہ حج بلکہ جہاد وغیرہ عبادات بے تکلف کرسکتا ہے لہذا مسلمان بیمار رہنے کی تمنا نہ کرے بیمار کا فورًا علاج کرکے تندرست ہوجائے ممکن ہے کہ قوی وضعیف سے مراد دل کا قوی وضعیف ہو یعنی وہ مسلمان جو لوگوں میں رہ کر ان کی سختی برداشت کرکے ان کو راہ راست پر لگائے وہ اس مسلمان سے اچھا ہے کہ کسی کی برداشت نہ کرسکے گوشہ نشین ہوکر زندگی گزاردے اور ہوسکتا ہے کہ قوی وضعیف اعتقاد کا قوی وضعیف مراد ہو کہ وہ مومن جو ہر راحت وتکلیف کو جھیل جاوے رب کے دروازے سے نہ ہٹے وہ اس مومن سے اچھا ہے جو اعتقاد کا کمزور ہو۔ ذرا سی خوشی یا رنج میں رب کے دروازے سے بھاگ جائے بہر حال اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔

۲ یعنے مومن خواہ قوی ہو یا ضعیف دونوں میں خیر ہے ان میں سے کوئی شر نہیں کافر شر بھی ہے شریر بھی مگر فرق مراتب ضروری ہے۔

۳ یعنی جو چیز تم کو دینی نفع دے اس میں قناعت نہ کرو خوب حرص کرو اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو مگر اپنی کوشش پر بھروسہ نہ کرو اللہ پر توکل کرو خیال رہے کہ دنیاوی چیزوں میں قناعت اور صبر اچھا ہے مگر آخرت کی چیزوں میں حرص اور بے صبری اعلٰی ہے دین کے کسی درجہ پر پہنچ کر قناعت نہ کرلو آگے بڑھنے کی کوشش کرو رب فرماتا ہے فاستبقوا الخیرات۔ ؎

حاجتے نیست مرا سیر از یں آبحیات | ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

کس مال برا مگر حریص اعمال اچھا رب تعالٰے نے اپنے محبوب کی تعریف میں فرمایا حریص علیکم۔

اَصَابَكَ شَیْءٌ فَلَا تَقُلْ لَوْ اَنِّیْ فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا وَلٰكِنْ قُلْ قَدَرُ اللّٰهِ وَمَا شَآءَ فَعَلَ فَاِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا یَرْزُقُ الطَّیْرَ تَغْدُوْا خِمَاصًا وَّتَرُوْحُ بِطَانًا رَوَاهُ

تمہیں کچھ تکلیف پہونچے تو یہ نہ کہو کہ اگر میں وہ کام کر لیتا تو ایسا ہو جاتا[۱] لیکن کہو کہ اللہ نے یہ ہی مقدر کیا تھا جو اس نے چاہا کیا کیونکہ اگر مگر شیطان کا کام کھولتا ہے[۲] (مسلم) دوسری فصل روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اگر اللہ پر جیسا چاہیے ویسا توکل کرو[۳] تو تم کو ایسے رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں اور شام کو شکم سیر لوٹتے ہیں[۴]

[۱] کیونکہ یہ کہنے میں دل کو رنج بھی بہت ہوتا ہے رب تعالٰی ناراض بھی ہوتا ہے اگر میں اپنا مال فلاں وقت فروخت کر دیتا تو بڑا نفع ہوتا مگر میں نے غلطی کی کہ اب فروخت کیا ہائے بڑی غلطی کی یہ بُرا ہے لیکن دینی معاملات میں ایسی گفتگو اچھی یہاں دنیاوی نقصانات مراد ہیں۔

[۲] یعنی اس اگر مگر سے انسان کا بھروسہ رب تعالٰی پر نہیں رہتا اپنے پر یا اسباب پر ہو جاتا ہے خیال رہے کہ یہاں دنیا کے اگر مگر کا ذکر ہے دینی کاموں میں اگر مگر اور افسوس وندامت اچھی چیز ہے اگر میں اتنی زندگی اللہ کی اطاعت میں گزارتا تو متقی ہو جاتا مگر میں نے گناہوں میں گزاری ہائے افسوس یہ اگر مگر عبادت ہے اگر میں حضور کے زمانہ پاک میں ہوتا تو حضور کے قدموں پر دل وجان قربان کر دیتا مگر میں اتنے عرصہ بعد پیدا ہوا ہائے افسوس یہ عبادت ہے اعلٰی حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا۔ ؎

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن

مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے۔

لہذا یہ حدیث ان احادیث وآیات کے خلاف نہیں جن میں لو فرمایا گیا ہے اگلی حدیث میں لو آرہا ہے۔

[۳] حق توکل یہ ہے کہ فاعل حقیقی اللہ تعالٰی کو ہی جانے بعض نے فرمایا کہ کسب کرنا نتیجہ اللہ پر چھوڑنا حق توکل ہے جسم کو کام میں لگائے دل کو اللہ سے وابستہ رکھے۔

[۴] تجربہ بھی ہے کہ اللہ پر توکل کرنے والے بھوکے نہیں مرتے کسی نے کیا خوب کہا۔ ؎

رزق نہ رکھیں ساتھ میں پنچھی اور درویش جن کا رب پر آسرا ان کو رزق ہمیش۔

خیال رہے کہ پرندے تلاش رزق کے لیے آشیانہ سے باہر ضرور جاتے ہیں ہاں درختوں میں چلنے کی طاقت نہیں تو انہیں وہاں

التِّرمِذِیُّ وَابنُ مَاجَةَ وَعَنِ ابنِ مَسعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ اَیُّہَا النَّاسُ لَیسَ مِن شَیءٍ یُقَرِّبُکُم اِلَی الجَنَّةِ وَیُبَاعِدُکُم مِنَ النَّارِ اِلَّا قَد اَمَرتُکُم بِہٖ وَلَیسَ یُقَرِّبُکُم مِنَ النَّارِ وَیُبَاعِدُکُم مِنَ الجَنَّةِ قَد نَہَیتُکُم عَنہُ وَاِنَّ الرُّوحَ الاَمِینَ وَفِی رِوَایَةٍ وَاِنَّ رُوحَ القُدُسِ نَفَثَ فِی رُوعِی اَنَّ نَفسًا لَن تَمُوتَ حَتّٰی تَستَکمِلَ رِزقَہَا اَلَا رِزقَہَا اَلَا فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَجمِلُوا فِی

(ترمذی۔ ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اے لوگو نہیں ہے کوئی وہ چیز جو تم کو جنت سے نزدیک اور دوزخ سے دور کرے مگر میں نے تم کو اس کا حکم دے دیا اور نہیں ہے کوئی وہ چیز جو تمہیں آگ سے نزدیک اور جنت سے دور کرے مگر میں نے تمہیں اس سے منع کر دیا[۱] اور روح الامین نے ایک روایت میں ہے کہ روح القدس نے میرے دل میں ڈالا[۲] کہ کوئی جان نہ مرے گی حتی کہ اپنا رزق پورا کرے[۳] خیال رکھو کہ اللہ سے ڈرو تلاش رزق درمیانی

کھڑے کھڑے کھاد پانی پہنچتا ہے کوے کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے تو سفید ہوتا ہے اس کے ماں باپ اس سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں اللہ تعالٰے اس بچے کے منہ پر بھنگے جمع کر دیتا ہے یہ بچہ انہیں کھا کر بڑا ہوتا ہے جب کالا پڑ جاتا ہے تب ماں باپ آتے ہیں (دیکھو مرقات)

[۱] یعنی تبلیغ مکمل کر دی کوئی حکم چھپایا نہیں۔

[۲] روح القدس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں یہ حدیث وحی خفی ہے۔

[۳] رزق سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ کھانا پانی۔ ہوا۔ دھوپ زمین پر چلنا وغیرہ سب ہی ہے کہ یہ سب چیزیں اللہ کی دی ہوئی روزی ہیں بندہ کی پیدائش سے پہلے ہی اس کی سانسیں۔ پانی۔ غذا سب مقرر ہو جاتی ہیں۔ جب بندہ اپنا طے شدہ حصہ استعمال کر لیتا ہے تب اسے موت آتی ہے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ مرتے وقت تین چار دن تک بیہوش پڑے رہتے ہیں صرف سانس لیتے رہتے ہیں کچھ کھاتے پیتے نہیں کیوں کہ ابھی ان کے حصے کی ہوا میں کچھ سانسیں باقی ہوتی ہیں اپنا پانی کھانا پورا استعمال کر چکتے ہیں وہ سانسیں پوری کرنے کے لیے اس طرح پڑے رہتے ہیں یہ ہے اس حدیث کا ظہور رب تعالٰے فرماتا ہے ھو الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم۔

یہ ہے اس حدیث کی تائید۔

الطَّلَبِ وَلَا يَحْمِلَنَّكُمُ اسْتِبْطَاءُ الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوْهُ بِمَعَاصِي اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا يُدْرَكُ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بِطَاعَتِهِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ وَإِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ وَعَنْ أَبِي ذَرٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا لَيْسَتْ بِتَحْرِيْمِ الْحَلَالِ وَلَا إِضَاعَةِ الْمَالِ وَلٰكِنَّ الزَّهَادَةَ

راہ اختیار کرو[1] اور رزق میں دیر لگنا تم کو اس پر نہ اکسائے کہ تم اللہ کی نافرمانی سے رزق ڈھونڈو[2] کیونکہ اللہ کے پاس کی چیزیں اس کی فرماں برداری سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے[3] (شرح سنہ۔ بیہقی۔ شعب الایمان مگر بیہقی نے یہ عبارت روایت نہ کی ان روح القدس) روایت ہے حضرت ابوذر سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دنیا میں زہد وتقوی نہ تو حلال کو حرام کرلینے سے ہے[4] اور نہ مال برباد کرنے سے[5] لیکن دنیا میں بے زہد

[1] یعنی حلال ذریعہ سے روزی کماؤ حرام ذریعوں سے بچو حرام ذریعوں سے کمانا افراط ہے اور بالکل کمائی نہ کرنا بیکار بیٹھ رہنا تفریط درمیانی راہ یہ ہے۔

[2] یعنی اگر کبھی روزی کم ملے یا کچھ روز تک پیسے نہ ملے تو چوری۔ جوا۔ رشو۔ خیانت۔ غصب وغیرہ سے روزی حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ حلال کام کیے جاؤ اس کی مہربانی سے امید رکھو۔ ؎

گر زمیں را بہ آسماں دوزی نہ دہندت زیادہ از روزی

[3] یعنی سب کی روزی اللہ کے ہی پاس ہے اگر تم نے اسے حرام ذریعہ سے حاصل کیا تو وہ حرام ہو کر تم تک پہنچی رب بھی ناراض ہوا مگر ملا وہی جو تمہارا حصہ تھا اور اگر حلال ذریعہ سے حاصل کیا تو وہ حلال ہو کر تمہارے پاس پہنچا اللہ تعالٰی بھی راضی ہوگیا ملا تمہارا حصہ ہی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حرام روزی بھی اللہ کا رزق ہے نیز اس میں قاعدہ بتایا گیا کہ کسی سے کچھ لینا ہو تو اسے راضی کر کے لو اللہ سے سب کچھ لینا ہے تو اسے ہمیشہ خوش کرنے کی کوشش کرو یہاں ما عند اللہ سے مراد وہ روزی ہے جو تم کو حلال راستہ سے پہنچے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنت ہے واللہ اعلم (اشعہ)

[4] بعض جھوٹے پیروں فقیروں کو دیکھا گیا کہ وہ گوشت دوسرے اعلیٰ کھانے نہیں کھاتے ہمیشہ موٹا کھاتے موٹا پہنتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی جھوٹ غیبت۔ بھنگ چرس ترک نماز میں مبتلا رہتے ہیں اور اسے فقیری بلکہ اولیائی سمجھتے ہیں وہ لوگ اس فرمان عالی کے

فِی الدُّنْیَا اَنْ لَا تَکُوْنَ بِمَا فِیْ یَدَیْكَ اَوْثَقَ بِمَا فِیْ یَدَیِ اللهِ وَاَنْ تَکُوْنَ فِیْ ثَوَابِ الْمُصِیْبَةِ اِذَا اَنْتَ اُصِبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فِیْهَا لَوْ اَنَّهَا اُبْقِیَتْ لَكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِیُّ هٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ وَعَمْرُو بْنُ وَاقِدٍ الرَّاوِیْ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کُنْتُ خَلْفَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی

یہ ہے کہ بغیر اپنے قبضہ کی چیز پر اس پر زیادہ بھروسہ نہ کر جو اللہ کے قبضہ میں ہے[1] اور جب تو مصیبت میں گرفتار ہو تو مصیبت کے ثواب میں زیادہ راغب ہو اگر وہ تجھ پر باقی رکھی جاوے[2] (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے کہا یہ حدیث غریب اور عمرو ابن واقد راوی منکر الحدیث ہے روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ میں ایک دن رسول اللہ صلے اللہ

نظر میں یہ لوگ پیر نہیں شیاطین ہیں کہ حرام چیز چھوڑتے نہیں حلال سے محروم ہوجاتے ہیں فقیری کے لیے بھی علم شریعت کی ضرورت ہے مال برباد کرنے کی چند صورتیں ہیں اور وہ سب حرام ہیں ۱؎ ناجائز جگہ خرچ کرنا ۲؎ بلاوجہ مال لٹا دینا ۳؎ بال بچے ہوتے ہوئے لوگوں میں مال بانٹ دینا ۴؎ سارا مال خیرات کرکے اپنے اور اپنی اولاد کو بھکاری فقیر بنالینا ہاں حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے بال بچوں کی طرح جو صابر شاکر متوکل ہو وہ سب خیرات کرے ورنہ آج خیرات کرکے کل بھیک مانگے گا یہ حرام ہے۔

[1] یعنی تو متقی جب بنے گا جب تیرے دو اعتقاد ہوجاویں ایک یہ کہ جو چیز تیرے ملک تیرے قبضہ میں ہے اگر اللہ نہ چاہے تو تو اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا دوسرے یہ کہ جو چیز نہ تیری ملک ہو نہ تیرے قبضہ میں مگر رب تعالٰی چاہے کہ تو اس سے نفع اٹھائے تو عنقریب وہ چیز تیرے پاس پہنچے گی اور تو اس سے نفع اٹھائے گا غرضکہ تیرا توکل اللہ پر ہو اپنے پر یا اپنی ملک پر یا اپنے قبضہ پر نہ ہو یہ توکل انسان کو سچا بندہ بنا دیتا ہے بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ خود اپنے گھر میں پکا ہوا کھانا نصیب نہیں ہوتا اور جہاں کا خیال بھی نہ ہو وہاں کھانا مل جاتا ہے خود فقیر نے آزمایا ہے یہ واقعات اس فرمان عالی کی شرح ہیں۔

[2] یعنی نیز متقی ہونے کی دوسری شرط یہ ہے کہ اگر تجھ پر کوئی آفت آجائے اور تیرا دل چاہے کہ یہ آفت جلد ٹل جاوے پھر تجھے خیال آجائے کہ یہ مصیبت ثواب کا ذریعہ ہے تو تمہارے دل میں اس کے رغبت واقع ہوجانے کی رغبت سے زیادہ ہو یہاں رغبت کا ذکر ہے دعا کا ذکر نہیں مصیبت کی دعا کرنا ممنوع ہے مگر اس کے ثواب کی رغبت کرنا اچھا ہے جب مصیبت آپڑے تو اس کی تکلیف پہ نہ ہو اس کے ثواب پہ نظر ہو۔

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا فَقَالَ یَا غُلَامُ اِحْفَظِ اللہَ یَحْفَظْکَ اِحْفَظِ اللہَ تَجِدْہُ تُجَاھَکَ وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللہَ وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللہِ وَاعْلَمْ اَنَّ الْاُمَّۃَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰی اَنْ یَّنْفَعُوْکَ بِشَیْءٍ لَمْ یَنْفَعُوْکَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ کَتَبَہُ اللہُ لَکَ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی اَنْ یَّضُرُّوْکَ۔

علیہ وسلم کے پیچھے تھے ۱ تو فرمایا اے لڑکے حقوق الٰہی کی حفاظت کرو اللہ تمہاری حفاظت کرے گا ۲ تو اسے اپنے سامنے پائے گا ۳ اور جب مانگو تو اللہ سے مانگو جب مدد مانگو تو اللہ سے مانگو ۴ اور یقین رکھو کہ اگر پوری امت اس پر متفق ہو جاوے کہ تم کو نفع پہونچائے تو وہ تم کو کچھ نفع نہیں پہونچا سکتی مگر اس چیز کا جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ۵ اور اگر اس پر متفق ہو جاویں کہ تمہیں کچھ نقصان

۱ یعنی میں حضور کے ساتھ ایک سواری پر سوار تھا بہت ہی قریب سے میں نے یہ فرمان عالی سنا ہے خیال رہے کہ حضرت ابن عباس کی اکثر روایتیں ارسالاً ہوتی ہیں کہ کسی صحابی واسطہ ہوتا ہے جسے آپ اکثر بیان نہیں کرتے یہ روایت اتصالاً ہے (مرقات) آپ کی پیدائش ہجرت سے تین سال پہلے ہے حضور کی وفات کے وقت آپ کی عمر تیرہ سال تھی مگر اس امت کے بڑے عالم تھے آپ نے دو بار جبریل کو دیکھا آخری عمر شریف میں نابینا ہو گئے تھے طائف میں قیام ۶۸ھ میں وفات پائی ۷۱ اکہتر سال عمر پائی (مرقات)

۲ یعنی تم دنیا میں اپنے ہر کام ہر چیز میں احکام الٰہیہ کا لحاظ رکھو جائز کام کرو ناجائز سے بچو اللہ کی رضا کے کام کرو ناراضی کے کاموں سے بچو تو اللہ تعالٰی تم کو دین و دنیاوی آفتوں سے بچائے گا۔

۳ یعنی ہر مصیبت میں رب تعالٰی کی رحمت تمہارے دل پر وارد ہو گی جس کے اثر سے تمہارے دل پر غم طاری نہ ہو گا۔

۴ یعنی ہر چھوٹی بڑی چیز اعلیٰ ادنٰے مدد اللہ تعالٰی سے مانگو یہ خیال کرو کہ اتنے بڑے دربار میں ایسی ادنٰی چیز کیوں مانگو دوسرے کریم مانگنے سے ناراض ہوتے ہیں اللہ تعالٰی نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے خیال رہے کہ مجازی طور بادشاہ حاکم اولیاء اللہ حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگنا خدا تعالٰی سے ہی مانگنا ہے کہ یہ حضرات اللہ تعالٰی کے خدام اللہ کے حکم سے اللہ کی نعمت دیتے ہیں ان سے مانگنا بالواسطہ رب سے ہی مانگنا ہے لہذا یہ حدیث ان قرآنی آیات اور احادیث کے خلاف نہیں جن میں بندوں سے مانگنے کا ذکر یا حکم ہے۔

۵ یعنی ساری دنیا مل کر تم کو نفع نہیں پہنچا سکتی اگر کچھ پہنچائے گی تو وہ ہی جو تمہارے مقدر میں لکھا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا لکھا ہوا نفع دنیا پہنچا سکتی ہے۔ طبیب کی دوا شفا دے سکتی ہے سانپ کا زہر جان لے سکتا ہے مگر یہ اللہ تعالٰی کا طے شدہ اس کی طرف سے حضرت یوسف کی قمیص نے دیدۂ یعقوبی کو شفا بخشی حضرت عیسٰے مردے زندہ بیمار اچھے کرتے تھے مگر اللہ کے اذن سے۔

بِشَیْءٍ لَمْ يَضُرُّوكَ اِلَّا بِشَیْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ وَجُفَّتِ الصُّحُفُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَعَنْ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ سَعَادَةِ ابْنِ اٰدَمَ رِضَاهُ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ وَمِنْ شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ تَرْكُهُ اِسْتِخَارَةَ اللّٰهِ وَمِنْ

پہونچا دیں تو ہرگز نقصان نہیں پہونچا سکتے، مگر اس چیز سے جو اللہ نے لکھی[1] قلم اٹھ چکے دفتر خشک ہو چکے[2] (احمد۔ ترمذی) روایت ہے حضرت سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کی نیک بختی سے ہے اس کا اللہ کے فیصلہ سے راضی ہونا ہے[3] اور انسان کی بدبختی اس کا اللہ سے خیر مانگنا چھوڑ دینا ہے[4] انسان کی بدبختی

[1] لکھنے سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہے اگرچہ وہ تحریر قلم نے کی مگر چونکہ اللہ کے حکم سے کی تھی اس لیے کہا گیا کہ اللہ نے لکھا مطلب ظاہر ہے کہ اگر سارا جہاں مل کر تمہیں کوئی نقصان دے تو وہ بھی طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہوگا کہ لوح محفوظ میں یوں ہی لکھا جا چکا تھا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقی نافع حقیقی ضار اللہ تعالٰے ہی ہے دنیا اس کی مظہر ہے۔ ؎

گرچہ تیر از کماں ہمی گزرد از کماں دار بیند اہل خرد

[2] یعنی تا قیامت جو کچھ ہونے والا وہ سب سے پہلے ہی لکھا جا چکا ہے بار بار ہر واقعہ کی تحریر نہیں ہوتی۔ ہم مسئلہ تقدیر میں عرض کر چکے ہیں تقدیر تین قسم کی ہے۔ مبرم۔ معلق اور معلق مشابہ بہ مبرم تقدیر مبرم میں ترمیم تبدیلی ناممکن ہے مگر تقدیر معلق میں یہ سب کچھ ہوتا رہتا ہے تقدیر مبرم علم الٰہی ہے اور معلق لوح محفوظ کی تحریر اسکے متعلق قرآن کریم فرماتا یمحوا اللہ مایشاء ویثبت وعندہ ام الکتاب خیال رہے کہ تدبیر بھی تقدیر میں آچکی ہے لہذا تدبیر سے غافل نہ رہو مگر اس پر اعتماد نہ کرو نظر اللہ کی قدرت و رحمت پر رکھو۔

[3] یعنی سعادت۔ شقاوت ایک غیبی چیز ہے مگر ان دونوں کی علامات ہیں جو بندہ اللہ کی رضا پر راضی اس کی قضا پر سر جھکائے رہے سمجھ لو کہ ان شاء اللہ یہ سعید ہے اس کا خاتمہ اچھا ہونے والا ہے اس کے برعکس ہو تو علامت بدبختی کی ہے۔

[4] حضرت انس نے مرفوعًا روایت فرمایا کہ جو استخارہ کرے گا نقصان نہ اٹھائے گا جو مشورہ کرے گا وہ شرمندہ نہ ہوگا جو درمیانی خرچ رکھے گا وہ فقیر نہ ہوگا (طبرانی۔ مرقات) بعض علماء فرماتے ہیں کہ چار شخص چار نعمتوں سے محروم نہ ہوں گے شکر گزار بندہ زیادتی نعمت سے محروم نہیں ہوتا۔ توبہ کرنے والا بندہ قبولیت سے استخارہ کرنے والا خیر سے مشورہ کرنے والا درستی سے محروم نہیں۔

شَقَاوَةِ ابْنِ اٰدَمَ سَخَطُهٗ بِمَا قَضَى اللّٰهُ لَهٗ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ **اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ** عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ غَزَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ نَجْدٍ فَلَمَّا قَفَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَفَلَ مَعَهٗ فَاَدْرَكَتْهُمُ الْقَائِلَةُ فِيْ وَادٍ كَثِيْرِ الْعِضَاهِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهٗ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَاِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَاِذَا عِنْدَهٗ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ اِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَاَنَا نَائِمٌ

سے ہے کہ اس کا اپنے متعلق اللہ کے فیصلہ سے ناراض ہونا ہے[۱] (احمد۔ ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ تیسری فصل روایت ہے حضرت جابر سے کہ انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نجد کی طرف جہاد کیا[۲] تو جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو وہ بھی حضور کے ساتھ واپس ہوئے ایک بہت خاردار درختوں والے جنگل میں انہیں دوپہری آئی[۳] تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اترے اور لوگ درختوں سے سایہ لینے کیلئے الگ الگ ہو گئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی ایک خاردار درخت کے نیچے اترے اس سے اپنی تلوار لٹکا دی ہم کچھ سوئے تھے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو پکارنے لگے[۴] آپ کے پاس ایک دیہاتی تھا تو فرمایا کہ اس شخص نے مجھ پر میری تلوار سونت لی میں سو رہا تھا

[۱] یعنی جو اللہ کے حکم سے ناراض رہے اس کی شکائتیں کرتا رہے وہ بدنصیب ہے خیال رہے کہ مصیبتوں کو دفع کرانے کے لیے تدبیریں کرنا برا نہیں بلکہ اس کا حکم ہے رب کے فیصلے سے ناراض ہو کر اس کی شان میں بکواس کرنا برا ہے جیسا کہ بعض جاہلوں کا طریقہ ہے۔

[۲] نجد کے لفظی معنی ہیں اونچی زمین اصطلاح میں عرب کے ایک مشہور صوبہ کا نام نجد ہے عرب کے پانچ صوبے ہیں۔ حجاز۔ عراق۔ بحرین۔ نجد۔ یمن چونکہ نجد کی زمین حجاز سے اونچی ہے اس لیے اسے نجد کہتے ہیں وسیع راستہ کو نجد کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ۔ نجد کا علاقہ تہامہ اور عراق کے درمیان ہے۔ (اشعہ۔ مرقات)

[۳] یعنی واپسی میں ایک دن ایسے جنگل میں ان صحابہ کو دوپہری کا آرام کرنا پڑا جہاں خاردار درخت بہت تھے حسب معمول صحابہ کرام اس جنگل میں الگ ٹھہر گئے اور ایک گھنا درخت جس کا سایہ زیادہ تھا حضور انور کے آرام کے لیے چھوڑ دیا جہاں حضور نے تنہا آرام کیا ان حضرات کا پہلے سے ہی یہ ہی دستور تھا۔ [۴] یعنی آج خلاف معمول وقت سے پہلے ہی حضور انور بیدار ہو گئے اور ہم کو بھی آواز دے کر جگایا۔ اپنے پاس بلایا۔

اِسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِي يَدِهٖ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّي فَقُلْتُ اَللّٰهُ ثَلٰثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةِ اَبِيْ بَكْرٍ الْاِسْمٰعِيْلِيِّ فِي صَحِيْحِهٖ فَقَالَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اَللّٰهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَّدِهٖ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقَالَ كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ اُعَاهِدُكَ عَلٰى اَنْ لَّا اُقَاتِلَكَ وَلَا اَكُوْنَ

میں جاگا تو تلوار اس کے ہاتھ میں پڑی تھی ۱؎ بولا مجھ سے آپ کو کون بچائے گا تو میں نے تین بار کہا اللہ ۲؎ حضور نے اس سے بدلہ نہ لیا وہ بیٹھ گیا ۳؎ (مسلم بخاری) ابوبکر اسماعیل کی صحیح روایت میں یوں ہے کہ وہ بولا آپ کو مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی ۴؎ تو تلوار رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے لے لی پھر فرمایا تجھے مجھ سے کون بچائے گا وہ بولا آپ بہترین پکڑ فرمانے والے ہوں ۵؎ فرمایا کیا تو گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں وہ بولا نہیں لیکن میں آپ سے معاہدہ کرتا ہوں کہ نہ آپ سے جنگ کرونگا اور نہ آپ سے

۱؎ اس بدوی کا نام معلوم نہ ہوسکا غالبًا یہ عرصہ سے اسی موقعہ کی تاک میں تھا۔ جو اس نے آج پایا تھا اور اس نے اس موقعہ سے اپنے خیال میں پورا فائدہ اٹھایا۔

۲؎ یہ ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا توکل خاص اور مخلوق سے بے خوفی کہ ایسے نازک موقعہ پر بھی دل میں گھبراہٹ نہ آئی نہایت سکون سے یہ جواب دیا۔ اس توکل کا نتیجہ وہ ہوا جو یہاں مذکور ہے اللہ تعالٰے اپنے بندوں کا حافظ و ناصر ہوتا ہے۔

۳؎ وہ شخص یہ اخلاص کریمانہ دیکھ کر گرویدہ ہوگیا اور بیٹھ گیا ورنہ حضور نے اسے بیٹھنے کو نہ فرمایا تھا۔

۴؎ حضور کے اس فرمان سے اس پر ہیبت طاری ہوگئی جس کے نتیجہ میں تلوار چھوٹ پڑی۔ ؎

اس کی باتوں کی لذت پہ دائم درود اس کے خطبہ کی ہیبت پہ لاکھوں سلام

۵؎ اخذ کے معنی ہیں پکڑ کرنے والا بدلہ لینے والا۔ یا تلوار پکڑنے والا۔ یعنی آپ مجھے اس حرکت کا بہترین بدلہ دیجیے کہ خطا میں نے کرلی ہے عطا آپ کردو گناہ میں نے کرلیا معافی آپ دے دیجیے۔ جس لائق میں تھا وہ میں نے کرلیا جو آپ کی شان عالی کے لائق ہے وہ آپ کردو۔ پھل والے درخت کو پتھر مارتے ہیں تو وہ ان پر پھل گراتا ہے۔

مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰى سَبِيْلَهٗ فَاَتٰى اَصْحَابَهٗ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ هٰكَذَا فِيْ كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ وَفِي الرِّيَاضِ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اٰيَةً لَوْ اَخَذَ النَّاسُ بِهَا لَكَفَتْهُمْ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَ

لڑنے والی قوم کے ساتھ رہوں گا۱؎ تو حضور نے اسکا راستہ چھوڑ دیا۲؎ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا بولا میں تمہارے لوگوں میں سب سے بہترین کے پاس سے آرہا ہوں۳؎ کتاب حمیدی اور ریاض میں یوں ہی ہے روایت ہے حضرت ابوذر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اسے اختیار کرلیں تو وہ انہیں کافی ہو۴؎ کہ جو اللہ سے ڈرے گا۵؎ تو اللہ اس کے لئے چھٹکارا

۱؎ یعنی میں منافق نہیں ہوں کہ دل میں کفر رکھوں اور زبان سے کلمہ پڑھ دوں ہاں اتنا وعدہ ہے کہ کبھی آپ سے مقابل نہ آؤں گا آپ کے سامنے میری آنکھ نہ اٹھے گی۔

۲؎ یعنی اس سے فرمایا جا تجھے اجازت ہے ہم تجھے معافی دیتے ہیں حضور نے اسے اپنے دامن کرم میں بلایا تھا مگر وہ آیا نہیں،

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود

اے میرے رب جب تیرے بندہ محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کے رحم خسروانہ عنایت شاہانہ کا یہ حال ہے تو مولٰے تُو تو ان کا رب ہے، ارحم الراحمین ہے تیرے کرم و عفوو سخا کا کیا پوچھنا میرے مولٰے انہیں رؤف رحیم محبوب کا صدقہ ہم مجرموں سے درگذر فرما معافی دیدے،

مہ فشاند نور سگ عوعو کند ہر کسے بر طینت خود می کند

جب چاند چمکتا ہے تو کتا اس پر بھونکتا ہوا حملہ کرتا ہوا اچھلتا ہے تو چاند اس کے کھلے ہوئے منہ میں نور ڈال دیتا ہے۔ حضور چاند ہیں اس دشمن کو بھی ایمان دے رہے ہیں۔

۳؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بدن تو آزاد ہوگیا مگر دل مقید ہوگیا کیا تعجب ہے کہ بعد میں اسے ایمان بھی نصیب ہوگیا ہو۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔

۴؎ یعنی اگر اس آیت کریمہ پر تمام دنیا عمل کرے دین و دنیا کے رنج و غم سے اور فکروں سے آزاد ہوجائے یہ ایک آیت سب کے لیے کافی ہے۔

۵؎ یہاں تقوے سے مراد تقوٰی عامہ ہے یعنی اللہ رسول کے احکام پر عمل کرنا اور جن چیزوں سے انہوں نے منع فرمایا ہے ان سے بچے رہنا تقوے ہے اللہ کی بڑی نعمت ہے جس پر اس کا کرم ہوتا ہے اسے تقوٰی نصیب ہوتا ہے۔

يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ وَعَنْ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ أَقْرَأَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي أَنَا الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ أَخَوَانِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ أَحَدُهُمَا يَأْتِي النَّبِيَّ صَلَّى

بنا دے گا۔ اور بے گمان جگہ سے اسے روزی دے گا [1] (احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھائی میں ہوں روزی رساں بڑی قوت والا [2] (ابو داؤد۔ ترمذی) اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ نبی کریم کے زمانے میں دو بھائی تھے [3] ایک آپ کی خدمت میں آتا تھا [4] جن میں سے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا تھا [5]

[1] اللہ تعالٰے نے اس آیت میں تقوٰے پر دو وعدے فرمائے ایک تو ہر مشکل و مصیبت سے نجات ملنا اور غیب سے روزی عطا ہونا خیال رہے کہ مصیبت و بلا اور چیز ہے رب تعالٰے کا امتحان کچھ اور مصیبت سے نجات ملنا چاہیے مگر امتحان میں کامیابی ہونی چاہیے حضرت حسین امام المتقین ہے کہ بلا میں اللہ نے آپ کو ایسی کامیابی عطا فرمائی جس کی مثال نہیں، ؎

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے　　　اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

لہذا اس آیت کریمہ پر یہ اعتراض نہیں کہ جناب حسین یا امام احمد ابن حنبل متقی تھے مگر ان سے مصیبت نہ ٹلی وہ مصیبت نہ تھی آزمائش تھی۔ جو شخص اس آیت کریمہ کو ورد میں رکھے اسے دست غیب نصیب ہو جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا المرء اصبی حلیف التقی　　　فلم یخشی من طارق حلہ

الم تسمع اللہ سبحانہ　　　ومن یتق اللہ یجعل لہ

[2] یہ قراۃ شاذہ ہے قراۃ متواترہ یہ ہے ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔ متین کے معنی ہیں شدید یہ شاذہ قرات ہے۔

[3] غالبًا سگے بھائی تھے جن کا کھانا پینا مشترک تھا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے (مرقات)

[4] یہ شخص اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف کر چکا تھا حضور کے پاس علم دین سیکھنے آتا تھا یہ رسم آج تک چلی آرہی ہے کہ بعض لوگ اپنے کو علم دین کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور مسلمان ان کا خرچہ اٹھاتے ہیں۔ اصحاب صفہ بھی ایسے ہی لوگ تھے رضی اللہ عنہم۔

[5] مرقات نے فرمایا کہ وہ طالب علم غیر شادی شدہ تھا اور یہ کمانے والا بال بچوں والا تھا اس طالب علم کا خرچہ یہ کماؤ بھائی ہی

اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالْاٰخَرُ یَحْتَرِفُ فَشَکَا الْمُحْتَرِفُ اَخَاہُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَعَلَّکَ تُرْزَقُ بِہٖ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا الْحَدِیْثُ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ قَلْبَ ابْنِ اٰدَمَ بِکُلِّ وَادٍ شُعْبَۃٌ فَمَنْ اَتْبَعَ قَلْبَہُ الشُّعَبَ کُلَّھَا لَمْ یُبَالِ اللّٰہُ بِاَیِّ وَادٍ اَھْلَکَہٗ وَ

اور دوسرا کوئی پیشہ کرتا تھا ؎۱ تو کماؤ پیشہ والے نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے بھائی کی شکایت کی ؎۲ تو فرمایا شاید تجھے اس کی برکت سے روزی مل رہی ہے ؎۳ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث صحیح غریب ہے روایت ہے حضرت عمرو ابن عاص سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ انسانی دل کی ہر جنگل میں ایک شاخ ہے ؎۴ تو جو اپنے دل کو ان تمام شاخوں کے پیچھے ڈال دے ؎۵ اللہ پرواہ نہیں کرے گا کہ کسی جنگل میں

اٹھاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ طالب علم کی خدمت کرنا خرچہ دینا بہت بڑی عبادت ہے۔

؎۲ اور عرض کیا حضور اس کو طلب علم سے منع فرمادیں اور اسے کمائی کرنے کا حکم دے دیں تاکہ یہ اپنی دنیا سنبھال لے اس کی شادی وغیرہ کا انتظام ہوسکے مجھ سے اس کا بوجھ اتر جائے۔

؎۳ یعنی تو اسے علم دین سیکھنے دے اس کا خرچہ تو برداشت کیے جا اللہ تعالٰی اس کا رزق تیرے دسترخوان بھیجے گا تجھ پر کتیں ہوں گی اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ بعض لوگوں کا اپنے کو علم دین کے لیے وقف کردینا سنت صحابہ ہے عالم دین بننا فرض کفایہ ہے بقدر ضرورت علم دین سیکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے دوسرے یہ کہ طالب علموں کا خرچ مسلمانوں کو اٹھانا چاہیے ان شاء اللہ اس میں بڑی برکت اور بڑا ثواب ہے۔ تیسرے یہ کہ اپنے غریب قرابت داروں کی مدد کرنا بڑی برکت کا باعث ہے رب تعالٰی فرماتا ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَالْمِسْکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ اور جب ایک شخص غریب بھی ہو قرابت دار بھی اور طالب علم بھی اس پر خرچہ کرنا نور علی نور ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور کا لعل فرمانا شک کے لیے نہیں کریموں کی شاید بھی یقینی بلکہ حق الیقینی ہوتی۔ حدیث شریف میں ہے ھَلْ تُرْزَقُوْنَ اِلَّا بِضُعَفَاءِکُمْ وہ حدیث اس فرمان عالی کی شرح ہے۔

؎۴ یعنی انسان کا دل ایک ہے مگر اس کے لیے فکریں غم بہت ہیں روٹی کپڑا، مکان، بیماروں میں علاج آپس کی مخالفتیں وغیرہ وغیرہ فکروں غموں کے جنگل ہیں جن میں سے ہر ایک کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔

؎۵ اس طرح کہ اپنے دل میں ہر فکر و غم کو جگہ دے دے آخرت کی فکروں سے نکل جاوے ہر فکر کے پیچھے بھاگا پھرے۔

مَنْ تَوَكَّلَ عَلَى اللهِ كَفَاهُ الشُّعَبَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ رَبُّكُمْ عَزَّوَجَلَّ لَوْ اَنَّ عَبِيْدِيْ اَطَاعُوْنِيْ لَاَسْقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ وَاَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ وَلَمْ اُسْمِعْهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَعَنْهُ قَالَ

ہلاک کردے ۱؎ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اسے گھاٹیوں سے بچائیگا ۲؎ (ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں عظمت و جلالت والا رب فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو میں رات میں ان پر بارش برسایا کروں ۳؎ اور دن میں دھوپ نکالا کروں ۴؎ اور انہیں گرج کی آواز بھی نہ سناؤں ۵؎ (احمد) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں

۱؎ مطلب یہ ہے کہ ایسے دنیا دار کی طرف اللہ تعالٰے توجہ کرم نہ کرے گا اسے ان غموں سے آزاد نہ کرے گا مرتے وقت تک وہ انہیں میں گرفتار رہے گا آخر اسی حال میں مرجائے گا عالم دنیا داروں مالداروں کا یہ ہی حال دیکھا جاتا ہے اللہ تعالٰے ایسی زندگی سے محفوظ رکھے۔ رب تعالٰے فرماتا ہے کہ دنیا دار مالداروں کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو کیوں کہ یرید اللہ ان یعذبھم بھا وتزھق انفسھم وھم کافرون۔

۲؎ ایسے متوکل مومن پر رنج و غم اولًا آئیں گے نہیں اگر آئیں گے تو پانی کی طرح بہہ جائیں گے اگر کچھ ٹھہر بھی گئے تو دل ان کا اثر نہیں لیتا دل اللہ کی یاد میں مخمور رہتا ہے، ؎

ترا درد میرا درماں ترا غم مری خوشی ہے — مجھے درد دینے والے تیری بندہ پروری ہے
اسے فتنہائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز — ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آگئی ہے

۳؎ اس طرح کہ انہیں بادل کی گرج بجلی کی کڑک دمک کی خبر بھی نہ ہوا کرے کہ ان آوازوں میں کچھ نہ کچھ خوف ضرور ہوتا ہے یہ فرمان عالی مثال کے طور پر ہے مطلب یہ ہے کہ انہیں کسی قسم کا خوف نہ دکھاؤں۔

۴؎ یعنی ہمیشہ دن میں دھوپ ہی نکالا کروں کبھی دن میں بارش نہ بھیجوں تاکہ انہیں آمدورفت کام کاج میں دشواری اور حرج نہ ہو۔

۵؎ نہ دن میں گرج کی آواز سناؤں نہ رات میں دوسرے ڈر و خوف کا تو ذکر ہی کیا ہے غرضکہ ہر طرح انہیں آرام چین بے خوفی کی زندگی عطا کروں۔ مگر بندوں کا حال یہ ہے کہ تھوڑا سا آرام پاکر سرکش ہوجاتے ہیں اگر اتنا آرام ملے تو ان کا کیا حال ہو اس لیے دنیا میں مصیبتیں تکلیفیں آتی رہتی ہیں یہ تکلیف مصیبتیں ہم کو بندہ بنا کر رکھتی ہیں فرعون نے آرام پاکر دعوئی خدائی کیا ڈوبنے لگا تو بندہ بنا۔

دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰی اَھْلِہٖ فَلَمَّا رَاٰی مَا بِھِمْ مِنَ الْحَاجَۃِ خَرَجَ اِلَی الْبَرِّیَّۃِ فَلَمَّا رَاَتْ اِمْرَاَتُہٗ قَامَتْ اِلَی الرَّحٰی فَوَضَعَتْھَا وَ اِلَی التَّنُّوْرِ فَسَجَرَتْہُ ثُمَّ قَالَتِ اللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا فَنَظَرَتْ فَاِذَا الْجَفْنَۃُ قَدِ امْتَلَاَتْ قَالَ وَ ذَھَبَتْ اِلَی التَّنُّوْرِ فَوَجَدَتْہُ مُمْتَلِئًا قَالَ فَرَجَعَ الزَّوْجُ فَقَالَ

کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کے پاس گیا [1] جب ان کی محتاجی دیکھی تو جنگل کی طرف نکل گیا [2] جب اس کی بیوی نے یہ دیکھا تو وہ چکی کی طرف اٹھی اسے رکھا [3] اور تنور کی طرف گئی اسے جھونک دیا [4] پھر بولی الٰہی ہمیں روزی دے [5] تو پیالہ بھر گیا [6] راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت تنور کی طرف گئی تو اسے بھرا ہوا پایا [7] فرماتے ہیں کہ پھر خاوند لوٹا بولا

[1] یہ واقعہ ایک صحابی کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا یہ حضور کا معجزہ تھا ان صحابی کی بلکہ ان کے سارے گھر والوں کی کرامت سارے صحابی ولی ہیں اور ولی کی کرامت نبی کا معجزہ ہوتی ہے ان صحابی کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

[2] اپنی تنگ دستی کی وجہ سے بال بچوں سے شرما گیا اور جنگل میں چلا گیا کیونکہ اسے شہر میں مزدوری نہ ملی یا وہ مزدوری کر نہ سکتا تھا یا تلاش روزی کے لیے جنگل گیا۔ (اشعہ)

[3] یعنی جب اس کی بیوی نے اپنے خاوند کی تنگ دستی اور شرمندگی دیکھی تو اس نے چکی کے اوپر کا پاٹ نیچے والے پاٹ پر رکھ دیا دیہات کی عورتیں جب کچھ پیسنا چاہتی ہیں تب چکی کا اوپر پاٹ رکھتی ہیں ورنہ یہ پاٹ الگ کھڑا کر دیا جاتا ہے گھر میں تو ایک دانہ نہ تھا مگر اپنی غریبی چھپانے اللہ پر توکل کرنے کی بنا پر یہ کام کیا تاکہ دیکھنے والا سمجھے کہ گھر میں دانہ ہے جو پیسا جائے گا۔

[4] تنور اس لیے جھونکا تاکہ پڑوسی دھواں دیکھ کر سمجھیں کہ ان کے ہاں روٹی پک رہی ہے ان کا فقر کسی پہ ظاہر نہ ہو بندے کی یہ ادا رب کو بہت پیاری ہے۔

[5] اس دعا کا مطلب یا تو یہ ہے کہ ابھی روزی دیدے تاکہ ہمارے عیب چھپے رہیں کسی کو ہماری غریبی کا پتہ نہ چل سکے ہماری یہ تدبیر کارگر ہوجائے یا یہ ہے کہ خداوندا آج تو ہم جھوٹ موٹ کے لیے تنور جھونک رہے ہیں ہمیں روزی دے کہ سچا تنور جھونکا کریں پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

[6] عربی میں جفنہ بڑے پیالہ کو کہتے ہیں یہاں اس سے چکی کا گھیرا مراد ہے۔ جو چکی کے نچلے پاٹ کے آس پاس ہوتا ہے جس میں آٹا جمع ہوتا ہے اردو میں اسے گھیرا کہتے ہیں۔ پنجابی میں گنڈ۔

[7] سبحان اللہ ادھر چکی کا گھیرا غیبی آٹے سے بھرا اور تنور غیبی روٹیوں سے یہ ہے توکل حقیقی اور اللہ کی یاد کی برکت حضرت مریم کو غیبی روزی ملی تھی حضور کے صحابہ کو غیبی آٹا غیبی روٹیاں بعض موقعوں پہ غیبی پانی عطا ہوئے۔

اَصَبْتُمْ بَعْدِیْ شَیْئًا قَالَتْ اِمْرَاَتُہٗ نَعَمْ مِنْ رَّبِّنَا وَقَامَ اِلَی الرَّحٰی فَذَکَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَمَا اِنَّہٗ لَوْلَمْ یَرْفَعْھَا لَمْ تَزَلْ تَدُوْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ رَوَاہُ اَحْمَدُ
وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الرِّزْقَ لَیَطْلُبُ
الْعَبْدَ کَمَا یَطْلُبُہٗ اَجَلُہٗ رَوَاہُ اَبُوْنُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ کَاَنِّیْ
اَنْظُرُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْکِیْ

کیا تم نے میرے پیچھے کچھ پایا ۱؎ اس کی بیوی نے کہا کہ ہاں اپنے رب کی طرف سے اور وہ شخص چکی کی طرف اٹھا ۲؎ یہ واقعہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا ۳؎ تو فرمایا کہ یقینًا اگر وہ شخص اسے نہ اٹھاتا تو چکی قیامت تک گھومتی رہتی ۴؎ (احمد) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ روزی بندے کو ایسی ہی ڈھونڈھتی ہے جیسے اسے اس کی موت ڈھونڈھتی ہے ۵؎ (ابونعیم حلیہ) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں گویا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ رہا ہوں ۶؎ کہ آپ

۱؎ یعنی تم نے یہ آٹا روٹیاں قرض منگالی ہیں یا قدرت نے دی ہیں ممکن ہے کہ اسے جنگل میں اس کی اطلاع دے دی گئی ہو دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کہ اس نے یہ نہ پوچھا کہ یہ رزق کہاں سے آیا بلکہ یہ پوچھا کہ تم کو کچھ ملا یانہیں مرقات نے پہلے معنی بیان فرمائے۔

۲؎ یعنی اس نے تنور کا نظارہ دیکھ کر چکی کا نظارہ کیا وہاں آٹا دیکھ کر چکی کا اوپر پاٹ اٹھا کر ہٹاکر اور جگہ کھڑا کر دیا (مرقات ملخصًا)

۳؎ یا تو خود اس شخص نے ہی حاضر ہوکر عرض کیا۔ یا کسی اور شخص نے کہا جو اس واقعہ مطلع تھا اس سے معلوم ہوا کہ واقعہ کسی صحابی کا ہے۔

۴؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چکی چل رہی تھی اور آٹا پس کر اس سے نکلا تھا اور گھیرے میں جمع ہوا تھا اور جب اس شخص نے دیکھا تب بھی چکی چل رہی تھی اگر وہ چلتی رہتی تو قیامت تک لوگ اس کا آٹا کھاتے رہتے عجیب نظارہ ہوتا۔

۵؎ بلکہ رزق کی تلاش موت کی تلاش سے زیادہ قوی ہے کیونکہ موت عمر ختم ہوجانے پوری روزی کھا لینے کے بعد آتی ہے مگر رزق ہر وقت آتا رہتا ہے رب فرماتا ہے **خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم** (مرقات) مقصد یہ ہے کہ موت کو تم تلاش کرو یا نہ کرو بہر حال تمہیں پہنچے گی یوں ہی تم رزق کو تلاش کرو یا نہ کرو ضرور پہنچے گا ہاں رزق کی تلاش سنت ہے موت کی تلاش ممنوع مگر ہیں دونوں یقینی۔ برادران یوسف علیہ السلام رزق کی تلاش میں مصر گئے گمے ہوئے یوسف کو پالیا۔

۶؎ یہ ہے تصور رسول حضرات صحابہ کرام حضور کی اداؤں کے تصور میں رہتے تھے۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

نَبِيًّا مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ ضَرَبَهٗ قَوْمُهٗ فَاَدْمَوْهُ وَهُوَ يَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَّجْهِهٖ وَيَقُوْلُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ لِقَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ بَابُ الرِّيَآءِ وَالسُّمْعَةِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ

نبیوں میں سے ایک نبی کی حکایت فرما رہے ہیں جنہیں ان کی قوم نے مارا[1] تو انہیں خونا خون کر دیا وہ اپنے چہرے سے خون پونچھتے تھے[2] اور کہتے تھے الٰہی میری قوم کو بخش دے[3] کہ یہ جانتے نہیں[4] (مسلم بخاری) دکھلاوے اور شہرت کا بیان[5] پہلی فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے

[1] نبی سے مراد یا نوح علیہ السلام ہیں جو اپنی قوم سے بڑی مصیبت اوٹھاتے تھے حتی کہ کئی کئی دن بیہوش رہتے تھے ہوش آنے پر پھر جاتے تبلیغ فرماتے یا خود حضور کی ذات ہے یہ واقعہ طائف کی تبلیغ اور احد شریف کے جہاد کا ہے کہ حضور انور ان ظالم کفار کو دعائیں دیتے جاتے تھے چہرہ پاک سے خون صاف کرتے جاتے تھے (اشعہ)

[2] تاکہ خون آنکھوں یا منہ میں نہ پڑے یا زمین پر نہ گرے زمین پر گرنے سے عذاب الٰہی آجانے کا اندیشہ تھا۔

[3] بخش دے کے معنی یہ ہیں کہ توانہیں ایمان کی توفیق دے عذاب نہ دے ورنہ کفار کے لیے بخشش کی دعا بحکم قرآن ممنوع ہے

[4] نہ جاننے کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں اگر پہچانتے ہوتے تو یہ حرکت نہ کرتے معلوم ہوا کہ جاہل کا گناہ ہلکا ہوتا ہے عالم کے گناہ سے

[5] ریا بنا ہے۔ رویت سے بمعنی دیکھنا دکھانا ریا بمعنی دکھانا سمعۃ بنا ہے سمع سے بمعنی سننا سنانا یہاں بمعنی سنانا ہے اصطلاح شریعت میں ریا کی حقیقت یہ ہے کہ انسان لوگوں کو دکھانے کے لیے عبادت کرے اور دکھانا اپنی بڑائی و شیخی کے لیے ہو ریا صرف عبادات میں ہے اپنی مالداری۔ زور۔ نسب کا دکھاوا ریا نہیں بلکہ تکبر و غرور ہے یوں ہی عبادت نہ کرنا مگر اس کا اظہار کرنا ریا نہیں بلکہ جھوٹ یا منافقت ہے جیسے کوئی روزہ رکھے نہیں مگر لوگوں کے سامنے روزہ دار بن کر آئے وہ ریاکار نہیں بلکہ جھوٹا ہے یوں ہی اپنی عبادات لوگوں کو دکھانا تعلیم کے لیے یہ ریا نہیں بلکہ عملی تبلیغ و تعلیم ہے اس پر ثواب ہے مشائخ فرماتے صدیقین کی ریا مریدین کے اخلاص سے بہتر ہے اس کا یہ ہی مطلب ہے ریا کے بہت درجے ہیں ہر درجے کا حکم علیحدہ ہے بعض ریا شرک اصغر ہیں بعض ریا حرام بعض ریا مکروہ بعض ثواب۔ مگر جب ریا مطلقًا بولی جاتی ہے تو اس سے ممنوع ریا مراد ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ ریا سے عبادت ناجائز نہیں ہو جاتی بلکہ نامقبول ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اگر ریاکار آخر میں ریا سے توبہ کرے تو اس پر ریا کی عبادت کی قضا واجب نہیں بلکہ اس توبہ کی برکت سے گذشتہ نامقبول ریا کی عبادات بھی قبول ہو جائیں گی مطلقًا ریا سے خالی ہونا بہت مشکل ہے کوئی شخص ریا کے اندیشہ سے عبادات نہ چھوڑے بلکہ ریا سے بچنے کی دعا کرے ریا کی بحث علم کلام اور کتب تصوف میں خصوصًا احیاء العلوم میں ملاحظہ کرو
یعنی شہرت میں بھی یہ ہی گفتگو ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيْ غَيْرِيْ تَرَكْتُهُ وَشِرْكَهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهُ رَوَاهُ

فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ تمہاری صرف صورتیں اور تمہارے مال نہیں دیکھتا ۱؎ لیکن وہ تمہارے دلوں تمہارے عملوں کو بھی دیکھتا ہے ۲؎ (مسلم) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمام شریکوں سے شرک سے بے نیاز ہوں ۳؎ جو کوئی کوئی عمل کرے جس میں میرے ساتھ میرے غیر کو شریک کرے تو میں اسے اس کے شرک کے ساتھ چھوڑ دوں گا ۴؎ اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں اس سے بری ہوں وہ اسکے لئے ہے جسکے لئے عمل کرے ۵؎

۱؎ یعنی تمہاری اچھی صورتیں جب سیرت سے خالی ہوں ظاہر باطن سے خالی ہوں مال خیرات و صدقات سے خالی ہوں تو رب تعالیٰ اسے نظر رحمت سے نہیں دیکھتا اے مسلمانوں صورت بھی اچھی بناؤ سیرت بھی اچھی لہذا حدیث کا مطلب یہ نہیں اعمال اچھے کرو اور صورت بھگوان داس کی سی بناؤ یا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ فقط صورت نہیں دیکھتا سیرت بھی دیکھتا ہے۔ ۲؎ اس حدیث میں دیکھنے سے مراد کرم و محبت سے دیکھنا ہے مطلب وہ ہی ہے کہ تمہارے دلوں عملوں کو بھی دیکھتا ہے۔ خیال رہے کہ کوئی شریف آدمی گندے برتن میں اچھا کھانا نہیں کھاتا رب تعالیٰ صورت بگاڑنے والوں کے اچھے اعمال سے بھی خوش نہیں ہوتا من تشبہ بقوم فھو منھم
۳؎ یعنی دنیا والے اپنے حصہ داروں شریکوں سے راضی و خوش ہوتے ہیں کیونکہ وہ اکیلے اپنا کام نہیں کر سکتے مگر میں شریکوں سے پاک ہے نیاز ہوں مجھے کسی شریک کی ضرورت نہیں شرکاء سے مراد دنیا کے شریک ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے حصہ دار کے ہوتے ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن مشرکین سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم لوگوں نے جن چیزوں کو میرا شریک ٹھہرایا ہے میں ان سے بے نیاز بھی ہوں بےزار بھی بے نیاز کو شریک کی کیا ضرورت ہے۔
۴؎ یعنی جو شخص میری عبادت میں میرے ساتھ میرے بندوں کو بھی راضی کرنا چاہے خالص میرے لیے عبادت نہ کرے تو میں اس پر نظر کرم نہ کروں گا اس سے فرماؤں گا کہ جاؤ انہیں سے ثواب لو جنہیں راضی کرنے کی تم نے نیت کی تھی۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادت میں جنت حاصل کرنے دوزخ سے بچنے کی نیت کرنا بھی ایک قسم کا شرک ہے اللہ کے بندے بنو جنت یا دوزخ کے بندے نہ بنو اگر اللہ تعالٰی جنت دوزخ پیدا نہ کرتا تو کیا وہ عبادت کا مستحق نہ ہوتا۔ ۵؎ یعنی جو شخص دوسروں کی رضا کے لیے ہی عبادت کرے

مُسْلِمٌ وَعَنْ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُّرَائِيْ اللّٰهُ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ وَفِيْ رِوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

(مسلم) روایت ہے حضرت جندب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جو سنانا چاہے گا اللہ اسے سنا دیگا اور جو دکھانا چاہے گا اللہ اسے دکھادے گا ۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ فرماتے تو ایک شخص اچھا کام کرتا ہے اور لوگ اس پر اس کی تعریف کرتے ہیں ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ اس عمل پر لوگ اس سے محبت کرتے ہیں فرمایا یہ مومن کی فوری بشارت ہے ۳؎ (مسلم)

یا میری رضا کے لئے بھی کرے دوسروں کی رضا کے لئے بھی وہ عمل میرے لئے نہیں انہیں دوسروں کے لئے ہے ان سے ہی ثواب لے خیال رہے کہ عبادات میں اللہ تعالٰی کے ساتھ اس کے رسول کی رضا کی نیت ریا نہیں بلکہ عبادت کا کمال ہے۔ کہ حضور کی رضا اللہ کی رضا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ۔یہاں اہل دنیا مراد ہیں چودھری امیر یا عوام۔

۱؎ یعنی جو کوئی عبادات لوگوں کے دکھلاوے سنانے کے لئے کریگا تو اللہ تعالٰی دنیا میں یا آخرت میں اس کے عمل لوگوں میں مشہور کردیگا مگر عزت کے ساتھ نہیں بلکہ ذلت کے ساتھ کہ لوگ اس کے عمل سنکر اس پر پھٹکاری کرینگے اس کی شرح ابھی کچھ آگے آرہی ہے ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے صدقات خیرات شہرت کے لئے اخباروں میں دیواروں پر لکھواتے ہیں لوگ پڑھ پڑھ کران پر لعن طعن کی بوچھاڑ کرتے ہیں کہ اسی شہرت کی کیا ضرورت تھی بعض لوگ شہرت کے لئے اولاد کی شادیوں میں بہت خرچ کرتے ہیں مگر چوطرف سے ان پر وہ پھٹکار پڑتی ہے کہ خدا کی پناہ اس حدیث کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے ۲؎ آزمائش کرلو کہ جو کام اللہ کیلئے چھپ کر کرو خود بخود اس کا چرچہ ہوجاتا ہے اور لوگ اس کی تعریفیں کرنے لگتے ہیں لوگ چھپ کر تہجد پڑھتے ہیں مگر ان کے چہرے کا نور ان کا یہ عمل شائع کردیتا ہے اشارۃً اس سوال میں یہ صورت بھی داخل ہے سوال یہ ہے کہ یارسول اللہ کیا یہ بھی ریا ہے ۳؎ یعنی یہ ریا نہیں ہے بلکہ قبولیت کی علامت ہے کہ لوگوں کے منہ سے خود بخود اس کی تعریف نکلتی ہے صحابہ کرام کے چھپے ہوئے عمل اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں حضور نے احادیث میں ایسے شائع کئے کہ آج تک دنیا میں مشہور ہیں یہ بشارت ربانی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے لھم البشرٰی فی الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ۔ غرضکہ ریا کا تعلق عامل کی نیت سے ہے کہ وہ دکھلاوے شہرت

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فُضَالَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰہُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْہِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَکَ فِیْ عَمَلِہٖ لِلّٰہِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَہٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ فَاِنَّ اللّٰہَ اَغْنَی الشُّرَکَآءِ عَنِ الشِّرْکِ رَوَاہُ اَحْمَدُ: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ سَمَّعَ النَّاسَ بِعَمَلِہٖ سَمَّعَ اللّٰہُ اَسَامِعَ خَلْقِہٖ

دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوسعید ابن فضالہ سے [1] وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی حضور نے فرمایا کہ جب قیامت کے دن اللہ لوگوں کو جمع فرمائے گا اس دن جس میں کوئی شک نہیں تو پکارنے والا پکارے گا [2] کہ جس نے ایسے کام میں جو اللہ کے لئے کرے کسی کو شریک ٹھہرایا [3] تو وہ اس کا ثواب بھی غیر خدا سے مانگے [4] کیونکہ اللہ شریکوں میں شرک سے بے نیاز ہے (احمد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنے عمل لوگوں کو سنائے تو اللہ اپنی مخلوق کے کانوں کو سنا دے گا

کی نیت سے نیکی کرے یہ ہے ریا۔ [1] آپ کی کنیت ہی آپ کا نام ہے آپ انصاری حارثی ہیں اہل مدینہ سے ہیں مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف ابوسعید ہے لوگ ابوسعید خدری سمجھ یہ غلط ہے۔ [2] یعنی قیامت کے دن ایک فرشتہ اللہ تعالٰی کی طرف سے اعلان فرمائیگا یہ اعلان تمام لوگوں کو سنانے کے لئے ہوگا [3] یعنی جو کام رضاء الٰہی کے لئے کئے جاتے ہیں ان میں کسی بندے کی رضا کی نیت کرے بندے سے مراد دنیا دار بندہ ہے اور ظاہر کرنا بھی اپنی ناموری کے لئے ہونا مراد ہے لہذا جو شخص اپنی عبادات میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی رضا کی بھی نیت کرے یا جو کوئی مسلمانوں کو سکھانے کی نیت سے لوگوں کو اپنے اعمال دکھائے وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ریا صرف عبادات میں ہوتی ہے معاملات اور دوسرے دنیا دی کام تو دکھانے کے لئے ہی کئے جاتے ہیں ان میں ریا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لئے عمل کے ساتھ علله للہ فرمایا گیا [4] یعنی آج اعمال کے بدلہ کا دن ہے دنیا میں جس کی رضا کے لئے عبادت کی تھی آج اسی سے جنت بھی مانگو یہ انتہائی سختی و ناراضی کا اظہار ہے اسکا مطلب یہ نہیں کہ ریاکار کبھی بخشا ہی نہ جائیگا ہر مومن آخرکار بخشا جائیگا [5] اس فرمان عالی کی دو شرحیں ابھی گزشتہ حدیث میں عرض کی جا چکی ہیں شرکاء سے مراد دنیا کے شریک حصہ دار ہیں یا مشرکین کے بت وغیرہ جنہیں وہ اللہ کے شریک جانتے تھے۔

وَحَقَّرَهُ وَصَغَّرَهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الْآخِرَةِ جَعَلَ اللهُ غِنَاهُ فِي قَلْبِهِ وَجَمَعَ لَهُ شَمْلَهُ وَأَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ كَانَتْ نِيَّتُهُ طَلَبَ الدُّنْيَا جَعَلَ اللهُ الْفَقْرَ

اور اسے حقیر ذلیل اور چھوٹا کر دے گا ۱؎ (بیہقی شعب الایمان) روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کی نیت آخرت کمانا ہو تو اللہ اس کی غنا اس کے دل میں ڈال دے گا اور اس کی متفرقات کو جمع کر دے گا ۲؎ اور اس کے پاس دنیا ذلیل ہو کر آوے گی ۳؎ اور جس کی نیت دنیا طلبی ہو تو اللہ فقیری اس کے آنکھوں کے

۱؎ یہ حدیث گذشتہ حدیث کی شرح ہے اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ ریا کار کی عبادات قیامت میں مشہور تو کی جائیں گی مگر اس طرح کہ اس شہرت سے اس کی عزت نہ ہوگی بلکہ ذلت و رسوائی ہوگی مثلاً پکارا جاوے گا کہ فلاں ریا کار نے دکھلاوے کے لئے اتنی نمازیں پڑھیں اتنے صدقات دئے اتنے حج کئے یہ شخص بڑا خبیث ہے وغیرہ وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں ریا کار شہرت پسند آدمی کے عیوب شائع ہو جاتے ہیں جس سے وہ بجائے نیکنام ہونیکے بدنام ہو جاتا ہے یعنی اس کی عبادات تو مشہور نہیں ہوتیں اس کے خفیہ گناہ مشہور ہو جاتے ہیں خدا کی پناہ یہ بھی مجرب ہے اللہ تعالٰی اخلاص نصیب کرے۔ ریاء کے نیک اعمال بھی مشہور ہوتے ہیں۔ تو بدنامی کے ساتھ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ اسامیع جمع ہے اسمع کی (میم کے پیش سے) جیسے اکالب جمع ہے اکلب کی اسمع کے معنی ہیں سننے کی جگہ یعنی کان (اشعہ) ۲؎ شمل جمع ہے شملۃ کی بمعنی حاجت یا عادت یعنی اخلاص والے کو رب تعالٰی دلی استغنا بھی بخشتا ہے اور اس کی متفرق حاجتیں یکجا جمع بھی فرما دیتا ہے کہ گھر بیٹھے اس کی ساری ضرورتیں پوری ہوتی رہتی ہیں ضرورتوں کے پاس وہ نہیں جاتا۔ ضروریات اس کے پاس آتی ہیں۔ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ جس جانور کو کیلے سے باندھ دیتے ہیں اس کی ہر ضرورت وہاں ہی پہونچاتی ہے ؎

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۳؎ دنیا سے مراد دنیاوی نعمتیں بھی ہیں اور دنیا کے لوگ بھی یعنی دنیا اور دنیا دار اس کے پاس خادم بن کر حاضری دیتی ہیں جیسا کہ اولیاء اللہ کے آستانوں پر دیکھا جا رہا ہے ؎

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی!
ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَشَتَّتَ عَلَيْهِ أَمْرَهُ وَلَا يَأْتِيهِ مِنْهَا إِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ أَبَانٍ عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ بَيْنَا أَنَا فِي بَيْتِي فِي مُصَلَّايَ إِذْ دَخَلَ عَلَيَّ رَجُلٌ فَأَعْجَبَنِي الْحَالُ الَّتِي رَآنِي عَلَيْهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَكَ اللهُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ

سامنے کر دے گا[۱] اور اس پر اس کے کام پراگندہ کر دے گا[۲] اور اس کے پاس آئے گی اتنی جتنی اس کے لئے لکھی گئی[۳] (ترمذی ۔ احمد) اور دارمی نے حضرت ابان سے انہوں نے زید ابن ثابت سے روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب کہ میں اپنے گھر میں اپنے مصلے پر تھا[۴] کہ میرے پاس ایک شخص آگیا[۵] تو مجھے اپنی حالت پسند آئی جس پر مجھے اس نے دیکھا[۶] تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوہریرہ تم پر اللہ رحمت کرے

[۱] فقیری سے مراد ہے لوگوں کی محتاجی ان کا حاجتمند رہنا ہے ان کے دروازوں پر دھکے کھانا ان کی خوشامدیں کرنا [۲] یعنی اس کا دل پریشان رہے کبھی روٹی کے پیچھے دوڑے گا کبھی کپڑے کی فکر میں مارا مارا پھرے گا کبھی دیگر ضروریات کے لئے پریشان پھریگا اللہ اللہ کرنے کا وقت ہی نہ پائیگا یہ بھی تجربہ سے ثابت ہے۔

[۳] یعنی اس کی ایسی دوڑ دھوپ سے اس کی دنیا میں اضافہ نہ ہوگا بلکہ اس کی پریشانیوں میں ہی اضافہ ہوگا دنیا اتنی ہی ملے گی جتنی مقدر میں ہے۔

[۴] یعنی اپنے گھر میں مصلے پر نوافل نماز یا ورد وظیفہ پڑھ رہا تھا۔ کیونکہ حضرات صحابہ فرض نمازیں مسجد میں جماعت سے پڑھا کرتے تھے گھر کا ذکر اس لئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ میں ریاکاری کے لئے یہ عمل نہ کر رہا تھا ورنہ لوگوں کے مجمع میں کرتا گھر کے گوشہ میں نہ کرتا۔

[۵] اور اس آنے والے نے مجھے مصلے پر یہ عمل کرتے دیکھا آگیا فرما کر یہ بتایا کہ میں نے اسے نہ بلایا تھا نہ اس کا آنا چاہا تھا اتفاقاً ہی آگیا آنے والا ان کا کوئی ایسا عزیز و قریبی ہوگا جو بغیر اذن مانگے آسکے یا آپ کے گھر والوں نے اسے اجازت دے دی ہوگی۔

[۶] آپ کو یہ خوشی یا تو اس لئے تھی کہ وہ آنے والا بھی میری طرح یہ اعمال کرے مجھے دیکھ کر تو اس کے اعمال میں مجھے بھی ثواب ملے یا اس لئے کہ وہ مسلمان میرے اس عمل پر بلکہ میرے ایمان و اسلام پر گواہ ہو جاوے کل قیامت میں بارگاہ الٰہی میں مسلمانوں بلکہ لوگوں بلکہ اللہ کی مخلوق کی گواہیاں بہت ہی کام آویں گی ۔ بہرحال یہ غرور کی خوشی نہ تھی رب کے اس کرم کی خوشی تھی۔

لَكَ اَجْرَانِ السِّرِّ وَاَجْرُ الْعَلَانِيَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ؛ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ يَّخْتِلُوْنَ الدُّنْيَا بِالدِّيْنِ يَلْبَسُوْنَ لِلنَّاسِ جُلُوْدَ الضَّاْنِ اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰى مِنَ السُّكَّرِ وَ

تم کو دو ثواب ہیں علانیہ کا ثواب اور خفیہ کا ثواب لہ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں کچھ لوگ ظاہر ہوں گے جو دین کے بہانہ سے دنیا کمائیں گے ۲ لوگوں کے سامنے بھیڑیوں کی کھال پہنیں گے ۳ ان کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور

لہ یعنی تمہارے اس کام کی ابتدا محض اخلاص پر تھی اسی سے تم گھر کے گوشہ میں یہ کام کر رہے تھے اللہ تعالٰی نے تمہارے اس کام کو ظاہر فرما دیا یہ بھی اس کا کرم ہے۔ تمہارا اس پر خوش ہونا کہ مجھے مسلمان نے برے کام پر نہ دیکھا اچھے کام پر دیکھا یہ خوشی بھی اللہ کا کرم ہے اس پر بھی ثواب ہے کہ یہ خوشی شکر کی ہے نہ کہ فخر کی غافل زیادتی مال سے خوش ہوتا ہے مومن عاقل توفیق اعمال سے رب تعالٰی فرماتا ہے قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے گناہ پر رنج ہو نیکی پر خوشی وہ کامل مومن ہے لہذا تمہیں اس خوشی پر ثواب ہے (مرقات و اشعہ) بہرحال ریا اور اخلاص کا مدار نیت پر ہے۔

۲ یختلون بنا ہے ختل سے باب ضرب کا مضارع ہے ختل کے معنی ہیں دھوکا دینا یا دھوکے سے کچھ حاصل کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی دنیا کو دین کے ذریعہ دھوکا دیں گے یا دین کے بہانہ دنیا کمائیں گے بہت لوگ اسلام کا نام لے کر قرآن کی آڑ میں جبہ دستار سے فریب دے کر دنیا کماتے ہیں یہ لوگ بدترین خلق ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

حافظا مئی خور و رندی کن و خوش باش ولے   دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را

یہ بیماری جھوٹے عالموں فریبی فقیروں اور بعض سیاسی رہنماؤں میں بہت زیادہ ہے نام اسلامی جماعت مگر اس بہانہ سے سیاسی غرض کرنا۔

۳ یعنی صرف ان کے کپڑے پہن کر صوفی بنیں گے یا بھیڑ کی کھال پہننے سے مراد ہے اپنے کو بہت نرم ظاہر کرنا گفتار شیریں باتیں نہایت نرم عاجزی تواضع کا اظہار کرنا تاکہ لوگ انہیں تارک الدنیا خدا رسیدہ بزرگ سمجھیں۔

قُلُوْبُهُمْ قُلُوْبُ الذِّئَابِ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَبِیْ يَغْتَرُّوْنَ اَمْ عَلَیَّ يَجْتَرِءُوْنَ فَبِیْ حَلَفْتُ لَاَبْعَثَنَّ عَلٰی اُولٰٓئِكَ مِنْهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ فِيْهِمْ حَيْرَانَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ؛ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَالَ لَقَدْ خَلَقْتُ خَلْقًا اَلْسِنَتُهُمْ اَحْلٰی مِنَ السُّكَّرِ وَقُلُوْبُهُمْ اَمَرُّ مِنَ الصَّبِرِ فَبِیْ حَلَفْتُ لَاُتِيْحَنَّهُمْ فِتْنَةً تَدَعُ الْحَلِيْمَ

ان کے دل بھیڑیوں کے سے ہوں گے[1] اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ کیا مجھ سے دھوکا کھاتے ہیں یا مجھ پر جرأت کرتے ہیں[2] میں اپنی قسم فرماتا ہوں کہ ان لوگوں پر انہیں ہی سے ایسا فتنہ بھیجوں گا جو بُردبار کو حیران کر چھوڑ دیگا[3] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ ایسی مخلوق بھی پیدا کی ہے جن کی زبانیں شکر سے زیادہ میٹھی ہوں گی اور ان کے دل ایلوے سے زیادہ کڑوے[4] تو اپنی ہی قسم فرماتا ہوں کہ ایسا فتنہ مسلط کروں گا جو بُردبار

[1] بھیڑیا دھوکے سے جھپٹ کر شکار کرتا ہے اس کے پاؤں کی آہٹ سنی نہیں جاتی وہ شکاری بھی ہے دھوکا باز بھی حیلہ ساز بھی اس لئے حضور انور نے انہیں بھیڑیا فرمایا۔ شیر نہ فرمایا۔ شیر بہادر ہے حیلہ ساز نہیں غیرت مند ہے اپنے گھر پر کسی کا شکار نہیں کرتا باہر جاکر مارتا ہے کسی جانور کا جھوٹا نہیں کھاتا دوسرے اس کا جھوٹا کھاتے ہیں۔ بھیڑیئے میں یہ اوصاف نہیں حضور کا ایک کلمہ سچے موتیوں کی لڑی ہوتا ہے۔

[2] یعنی یہ لوگ میرے تحمل میری ڈھیل سے دھوکا کھاتے ہیں اور اسی ڈھیل کی وجہ سے اس حرکت پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ ؎

ز مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

[3] یعنی اس جرم کی سزا آخرت میں جو ملے گی وہ ملے گی دنیا میں یہ سزا ملے گی کہ ایسے لوگوں پر ظالم بادشاہ مسلط ہوں گے یا قوم میں خون خرابے فساد برپا ہوں گے یا عام قحط سالی عام وبائی بیماریاں پھیلیں گی۔ جس سے بڑے حوصلے والے لوگ بھی حیران ہو جائیں گے۔

[4] آج کل یہ دونوں باتیں بد مذہبوں خصوصًا۔ مرزائیوں۔ وہابیوں میں بہت دیکھی جاتی ہیں یہ لوگ زبان کے بہت ہی میٹھے ہوتے ہیں دلوں میں کفر و بے دینی کا زہر ہوتا ہے۔ بعض سانپ بہت ہی خوبصورت ہوتے ہیں مگر بڑے زہریلے ان کو دور سے ہی دیکھو قریب نہ جاؤ خیال رکھو کہ کھوٹے سونے کا بیوپاری بڑا میٹھا ہوتا ہے مگر کرتا ہے شکار۔

فِيهِمْ حَيْرَانَ فَبِي يَغْتَرُّونَ أَمْ يَجْتَرِءُونَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ۞ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ شِرَّةً وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فَتْرَةً فَإِنْ صَاحِبُهَا سَدَّدَ وَقَارَبَ فَارْجُوهُ وَإِنْ أُشِيرَ إِلَيْهِ بِالْأَصَابِعِ فَلَا تَعُدُّوهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

حیران کردے گا[۱] میری وجہ سے دھوکا کھاتے ہیں یا جرأت کرتے ہیں (ترمذی) اور فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر چیز کی ایک خوشی ہے اور ہر خوشی کی ایک کمزوری ہے[۲] تو اگر خوشی والا درست رہے اور قریب رہے تو ہیں اس کی کامیابی کی امید کرو[۳] اور اگر اس کی طرف انگلیوں سے اشارے کئے جاویں تو اسے کچھ گنتی میں نہ لاؤ[۴] (ترمذی)

[۱] تیحنّھُمْ بنا ہے اتاحنا سے جس کا مادہ ہے تیح یعنی تقدیر و تسلیط اس کی تحقیق ابھی ہو چکی کہ ایسے لوگوں پر کیسے فتنے آئیں گے [۲] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ ہر عمل کے دو طرف ہیں زیادہ رغبت اور بے رغبتی یہ دونوں چیزیں ناقص ہیں درمیانی چال اچھی ہے نماز روزہ سے ایسی رغبت کہ انسانیت تارک الدنیا ہو کر انہیں میں مشغول رہے یہ بھی ناقص ہے اور بالکل بے رغبت ہو جاوے کہ اس کے قریب نہ جاوے یہ بھی برا ہے درمیانی حال کہ نماز روزہ بھی کرے دوسرے کام بھی کرے یہ اچھا ہے اشعۃ اللمعات نے اس کو اختیار کیا ہے دوسرے یہ کہ ہر عمل میں پہلے تو خوب رغبت ہوتی ہے بعد میں بے رغبتی ہو جاتی ہے یہ بُرا ہے بعض لوگ نماز شروع کرتے ہیں تو پہلے تہجد۔ اشراق۔ چاشت سب کچھ پڑھتے ہیں چند روز بعد پنجگانہ بھی چھوڑ دیتے ہیں یہ بُرا ہے بقدر طاقت کام کرو، ہمیشہ کرو صرف پنجگانہ پڑھو نوافل بہت سے نہ پڑھو صرف پنجگانہ پڑھو مگر پڑھو ہمیشہ یہ محبوب ہے مرقات نے یہ ہی معنی کئے شرۃ شین کے کسرہ رے کے فتحہ سے بمعنی خوشی۔ حرص۔ افراط انہماک ہے (مرقات، اشعہ) [۳] یعنی جو شخص بقدر طاقت اعمال کرے مگر کرے ہمیشہ وہ کامیاب ہے سدد سے مراد ہے ہمیشہ کرنا اور قارب سے مراد ہے درمیانی راہ چلنا جو افراط و تفریط سے خالی ہو اور جو یا تو امر جمع مذکر ہے یعنی امید کر یا واحد متکلم مضارع ہے یعنی میں امید کرتا ہوں پہلے معنی زیادہ قوی ہیں یعنی تم جس کو درمیانی چال والا ہمیشہ عمل کرنے والا دیکھو تو اس کی کامیابی کی امید کرو کہ وہ مرتے دم تک قائم رہے گا [۴] یعنی اگر کوئی شخص زیادہ عبادات کی وجہ سے لوگوں میں مشہور ہو جاوے کہ ہر طرف سے لوگ اس کی طرف اشارے کریں کہ یہ صاحب بڑے عبادت گزار شب بیدار ہیں اسے دھیان میں نہ لاؤ کہ ایسے لوگ کچھ ہوتے نہیں اگر ہوتے ہیں تو کچھ رہتے نہیں ان میں ریا تکبر پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے خاتمہ کا اعتبار ہے۔ حکم مستوری و مستی ہمہ بر خاتم است ۞ کس ندانست کہ آخر بچہ حالت گزرد

وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ اَنْ يُّشَارَ اِلَيْهِ بِالْاَصَابِعِ فِي دِيْنٍ اَوْ دُنْيَا اِلَّا مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِي تَمِيْمَةَ قَالَ شَهِدْتُ صَفْوَانَ وَاَصْحَابَهٗ وَجُنْدَبٌ يُوْصِيْهِمْ

روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلے علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ انسان کی شر کے لئے یہ کافی ہے کہ اس کی طرف دین یا دنیا میں انگلیوں سے اشارہ کیا جاوے [1] سوا اس کے جسے اللہ محفوظ رکھے [2] (بیہقی شعب الایمان) تیسری فصل روایت ہے حضرت ابو تمیمہ سے فرماتے ہیں کہ میں حضرت صفوان اور ان کے ساتھیوں کے پاس گیا [3] جبکہ حضرت جندب انہیں وصیت کر رہے تھے [4]

۹۹ شیخ نے فرمایا کہ عادۃ البدیہ ہے کہ وہ کریم زیادہ تر بروں کا خاتمہ اچھا کر دیتا ہے اور اچھوں کا خاتمہ بہت کم خراب کرتا ہے دیکھو اشعۃ اللمعات اللہ تعالٰی خاتمہ بالخیر کرے۔

[1] یعنی دینی کمالات دولت۔ صحت۔ طاقت میں یوں ہی دینی کمالات علم۔ عبادت۔ ریاضت میں مشہور ہونا عوام کے لئے خطرناک ہی ہے کہ اس سے عموماً دل میں غرور تکبر پیدا ہو جاتے ہیں اس سے گمنامی اچھی چیز ہے۔

[2] یعنی ہاں بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ شہرت متکبر نہیں ہوتے وہ سمجھتے ہیں کہ نیک نامی و بدنامی اللہ کے قبضہ میں ہے اور لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں انہیں زندہ باد اور مردہ باد کے نعرے لگاتے دیر نہیں لگتی۔ حضور کی تحمل کا یہ حال ہے کہ

شعر

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است خویشتن را عبدہ فرمودہ است

حضور کی چوکھٹ پر دنیا سر رگڑ رہی ہے۔ مگر خود کو یہ فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں یہ ہے تحمل اور برداشت حضور کے بعض نائبین کو یہ تحمل نصیب ہوتی ہے الا من عصمہ اللہ سے یہ ہی مراد ہے یہاں مرقات نے فرمایا کہ شہرت پسندی کی بیماری میں علماء اور عابدین زیادہ مبتلا ہیں۔

[3] ابو تمیمہ کا نام طریف ابن مجالد جہمی ہے آپ تابعی ہیں بصری ہیں ۹۵ھ پچانوے میں آپ کی وفات ہے صفوان ابن سلیم زہری بھی تابعی ہیں حمید ابن عبد الرحمٰن ابن عوف کے آزاد کردہ غلام ہیں آپ نے چالیس سال کروٹ زمین پر نہ لگائی اصحاب سے مراد ان کے شاگرد ہیں (مرقات)

[4] جندب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام شریف ہے آپ مشہور صحابی ہیں آپ ان حضرات کو ریا۔ شہرت سے بچنے کی نصیحت فرما رہے تھے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

فَقَالُوْا هَلْ سَمِعْتَ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ شَاقَّ شَقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالُوْا اَوْصِنَا فَقَالَ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُنْتِنُ مِنَ الْاِنْسَانِ بَطْنُهٗ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ لَّا يَاْكُلَ اِلَّا طَيِّبًا فَلْيَفْعَلْ وَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ لَّا يُحَوْلَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ مِلْءُ كَفٍّ مِّنْ دَمٍ اَهْرَاقَهٗ فَلْيَفْعَلْ

لوگوں نے کہا کہ کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہے [1] فرمایا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو اپنی شہرت چاہے گا اللہ قیامت کے دن اس کی شہرت کردے گا [2] جو مشقت میں ڈالے گا اللہ قیامت کے دن اس پر مشقت ڈالے گا [3] لوگوں نے کہا ہم کو وصیت کیجئے فرمایا انسان کی پہلی چیز جو بگڑتی ہے وہ اس کا پیٹ ہے تو جو طاقت رکھے کہ طیب کے سوا کچھ نہ کھائے وہ ضرور ایسا کرے [4] اور جو طاقت رکھے کہ اس کے اور جنت کے درمیان مٹھی بھر خون آڑ نہ بنے جسے وہ بہائے تو وہ ایسا ضرور کرے [5]

[1] یعنی اے صحابی رسول اگر آپ نے ریاکاری شہرت کے متعلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا ہو تو ہم کو سنایئے۔

[2] اس فرمان عالی کی شرح ابھی کچھ پہلے گذر چکی کہ جو دنیا میں ریاکار شہرت پسند ہوگا رب تعالٰی اسے قیامت میں رسوا و عام فرمادیگا یعنی اسے شہرت تو دے گا مگر بدنامی کی [3] یعنی جو اپنے نفس پر غیر ضروری مشقت ڈال لیگا جیسے رات کو نہ سونا نکاح نہ کرنا اچھا نہ کھانا تارک الدنیا ہو کر رہنا وغیرہ یا جو دوسروں پر مشقت ڈالیگا کہ اپنے نوکروں ماتحتوں سے سخت بھاری کام لیگا تو قیامت میں اس پر عتاب الٰہی کا بوجھ و مشقت ڈالا جاویگا [4] یہ فرمان رسول ہے صلے اللہ علیہ وسلم سبحان اللہ کیسا پیارا فرمان ہے طب یونانی کہتی ہے کہ نوے فی صدی بیماریاں پیٹ سے پیدا ہوتی ہیں طب ایمانی بھی کہتی ہے کہ نوے فی صدی گناہ پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں حرام غذا اصلی بیماریوں کی جڑ ہے گندا پٹرول موٹر کی مشین کو خراب کرتا ہے گندی حرام غذا انسان کی مشینری بگاڑ دیتی ہے لہذا کوشش کرنی چاہئے کہ اکل حلال صدق مقال ہو [5] یعنی اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کا لپ بھر خون بھی ظلماً بہائے گا کہ اسے ظلماً قتل کرے یا ظلماً زخمی کرے تو یہ ظلماً خون اس کے اور جنت کے درمیان حائل ہو جاوے گا کہ اسے جنت میں داخل نہ ہونے دے گا لہذا اس سے بچتے رہو ایسا نہ ہو کہ حقیر سا گناہ تم کو ایسی عظیم نعمت سے محروم کردے۔ خیال رکھو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا ڈالتی ہے۔

رَوَاهُ الْبُخَارِیُّ ۔ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ اَنَّهٗ خَرَجَ يَوْمًا اِلٰى مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ قَاعِدًا عِنْدَ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْكِيْ فَقَالَ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ يُبْكِيْنِيْ شَيْءٌ سَمِعْتُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ يَسِيْرَ الرِّيَاءِ شِرْكٌ وَمَنْ عَادٰى لِلّٰهِ وَلِيًّا فَقَدْ بَارَزَ اللّٰهَ بِالْمُحَارَبَةِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

(بخاری) روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی طرف گئے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کے پاس معاذ ابن جبل کو بیٹھا ہوا پایا جو رو رہے تھے ۱؎ تو فرمایا کہ آپ کو کونسی چیز رلاتی ہے ۲؎ بولے مجھے وہ چیز رلاتی ہے جو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی ۳؎ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تھوڑی سی ریاکاری بھی شرک ہے ۴؎ اور جو اللہ کے ولی سے دشمنی کرے وہ اللہ کے سامنے جنگ کے لئے آگیا ۵؎ اللہ تعالٰے پسند کرتا ہے

۱؎ اس زمانہ میں حجرہ شریف میں دروازہ تھا جس سے لوگ قبر انور تک پہونچ جاتے بہت عرصہ کے بعد دروازہ بند کردیا گیا اب قبر انور تک کوئی نہیں پہونچ سکتا آپ خاص قبر انور سے متصل بیٹھے ہوئے رو رہے تھے ۲؎ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اے معاذ کیوں رو رہے ہو فراق رسول صلی اللہ علیہ وسلم رلا رہا ہے یا کوئی اور تکلیف معلوم ہوا کہ مسلمان بھائی کو تکلیف میں دیکھے تو ضرور وجہ پوچھے اگر ہوسکے تو اس کی تکلیف دور کرنے کی کوشش کرے ۳؎ یعنی میں نے ایک نصیحت حضور سے سنی مگر اس پر میں عمل نہ کرسکا اپنی اس محرومی یا معذوری پر رو رہا ہوں ۴؎ علماء فرماتے ہیں کہ ریا کے بہت درجے ہیں کچھ درجے چھوٹی چیونٹی سے زیادہ باریک ہیں انسان ان کو ریا نہیں سمجھتا مگر وہ ہے ریا ان سے بچنا بہت مشکل ہے اس سے تو خاص لوگوں کا بچنا مشکل ہے عوام کا تو ذکر ہی کیا ہے مجھے خطرہ ہے کہ میں بھی ریا کے کسی درجہ میں مبتلا ہوں

۵؎ یعنی میرے رونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور انور نے فرمایا کہ اللہ کے دوستوں کی ایذا رب سے جنگ ہے اور اللہ کے اولیاء ایسے چھپے ہوئے ہیں کہ ان کی پہچان بہت مشکل ہے بہت دفعہ پڑوسیوں دوستوں سے شکر رنجی ہوجاتی ہے ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی ولی اللہ ہو ان کی تکلیف میرے لئے مصیبت بن جاوے حدیث قدسی میں ہے اولیائی تحت قبائی لایعرفھم غیری ۔ میرے ولی میری قبا میں رہتے ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔

اَلْاَبْرَارَ الْاَتْقِيَاءَ الْاَخْفِيَاءَ الَّذِيْنَ اِذَا غَابُوْا لَمْ يُتَفَقَّدُوْا وَ اِنْ حَضَرُوْا لَمْ يُدْعَوْا وَلَمْ يُقَرَّبَا قُلُوْبُهُمْ مَصَابِيْحُ الْهُدٰى

ان نیکوں پرہیزگاروں چھپے ہوؤں کو کہ جب وہ غائب ہو جاویں تو ڈھونڈھے نہ جائیں اور اگر حاضر ہوں تو نہ بلائے جاویں نہ قریب کئے جاویں[1] ان کے دل ہدایت کے چراغ ہوں[2]

(مرقات) خیال رہے کہ اولیاء اللہ دو قسم کے ہیں تکوینی ولی اور تشریعی ولی۔ تکوینی ولی جو دنیا کے سیاہ سفید کے مالک و مختار بنا دیئے جاتے ہیں۔ ان کی تعداد مقرر ہے مگر تشریعی اولیاء اللہ تعداد میں جہاں چالیس متقی مسلمان جمع ہوں وہاں ان شاء اللہ ایک ولی ضرور ہوتا ہے اس ولی کو خود بھی خبر نہیں ہوتی کہ میں ولی ہوں مگر ہوتا ہے ولی اس کی بحث انشاء اللہ مشکوۃ شریف آخری باب میں ہوگی۔

[1] غالبًا اس سے وہ ہی اولیاء تشریعی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اولیاء تکوینی بھی اسی میں داخل ہوں کہ اکثر ان میں سے چھپے ہوئے رہتے ہیں کم وہ حضرات ہیں جنھیں مخلوق پہچانتی ہے جیسے حضور غوث پاک یا خواجہ اجمیری یا داتا گنج بخش ہجویری وغیرہم خیال رہے کہ نبوت کا اعلان ضروری ہے مگر ولایت کا اعلان ضروری نہیں۔ اکثر اعلان ولایت کرنے والے خالی ہوتے ہیں۔ شیخ سعدی نے فرمایا ؎

ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند   آنرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

علماء کے لئے اعلان ضروری ہے کہ یہ نائبین رسول ہیں نبوت کا اعلان ضروری اولیاء اللہ اکثر چھپے رہتے ہیں علماء دین اسلام کی ظاہری پولیس ہیں اکثر اولیاء اللہ خفیہ پولیس یہ حضرات بھی اپنے کو ولی نہیں کہتے بعض اولیاء کے متعلق لوگوں کی زبان سے خواہ مخواہ ولی نکلتا ہے۔

[2] جیسے چراغ سے ہدایت و نور ملتا ہے ایسے ہی ان کے دلوں ان کی نگاہوں سے لوگوں کو نور ملتا ہے یہ حضرات حقانیت اسلام کی دلیلیں ہیں حق دین وہ ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں انہیں کا راستہ صراط مستقیم ہے رب فرماتا ہے صراط الذین انعمت علیھم اور فرماتا ہے۔ وکونوا مع الصادقین اسی شاخ کا تعلق جڑ سے قائم ہے جس میں سبزہ پھول ہیں سوکھی شاخ کا تعلق جڑ سے ٹوٹ چکا وہ آگ کے لائق ہے اسلام کی اسی شاخ کا تعلق حضور سے قائم ہے۔ جس میں ولایت کے پھول ہوں۔

يَخْرُجُوْنَ مِنْ كُلِّ غَبْرَاءَ مُظْلِمَةٍ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ ؛ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا صَلَّى فِي الْعَلَانِيَةِ فَأَحْسَنَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذَا عَبْدِي حَقًّا رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ؛ وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ أَقْوَامٌ إِخْوَانُ الْعَلَانِيَةِ أَعْدَاءُ السَّرِيْرَةِ فَقِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ بِرَغْبَةِ بَعْضِهِمْ إِلٰى بَعْضٍ وَرَهْبَةِ بَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ وَعَنْ

ہر تاریک گرد آلود سے نکلیں گے[1] (ابن ماجہ۔ بیہقی۔ شعب الایمان) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب بندہ علانیہ نماز پڑھے تو بھی اچھی اور خفیہ نماز پڑھے تو بھی اچھی تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ یہ میرا سچا بندہ ہے[2] (ابن ماجہ) روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایسی قومیں ہوں گی جو ظاہری کی دوست ہوں گی اور پوشیدہ کی دشمن[3] تو عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہ کیوں کر ہوگا فرمایا یہ ان کے بعض کے بعض سے رغبت اور بعض کے بعض سے ڈرنے کی وجہ سے ہوگا[4] روایت ہے

[1] یعنی یہ اولیاء اللہ تاریک گھروں غیر مشہور محلوں نامعلوم بستیوں سے پیدا ہوتے رہیں گے۔ ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

یا یہ مطلب ہے کہ وہ حضرات تاریک گرد وغبار والے عقائد و اعمال و شبہات سے نکل جائیں گے کبھی اس میں پھنسیں گے نہیں (مرقات) امام غزالی فرماتے ہیں کہ ہر عالم دین متقی۔ ولی اللہ ہے اگر متقی عالم ولی نہ ہو تو کوئی ولی ہی نہیں (مرقات) مشہور یہ ہے۔ کہ جس سے روحانی فیوض جاری ہوں انہیں صوفیاء اولیاء کہا جاتا ہے جن سے شرعی فیوض جاری ہوں انہیں علماء کہتے ہیں۔ [2] یعنی اس بندے میں ریاکاری نہیں ہے یہ بندہ مخلص ہے اگر ریاکار ہوتا تو علانیہ نماز اچھی طرح پڑھتا خفیہ میں معمولی طرح جب یہ خفیہ میں بھی اچھی طرح پڑھتا ہے تو مخلص ہی ہے [3] یعنی قرب قیامت ایسے لوگ ہونگے جو اپنی نیکیاں علانیہ پسند کرینگے تاکہ لوگ ان کی واہ واہ کریں تنہائی میں یا تو اعمال کرینگے ہی نہیں یا کرینگے تو معمولی طریقہ سے [4] یعنی ان لوگوں کے دلوں میں اللہ کا خوف اللہ سے امید نہ ہوگی یا کم ہوگی لوگوں کا خوف لوگوں سے امید ان پر غالب ہوگی اس فرمان عالی میں علماء۔ عابدین۔ زاہدین۔ سخی۔ مجاہد وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔ ہر عمل اخلاص

شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ يُرَائِىْ فَقَدْ اَشْرَكَ رَوَاهُمَا اَحْمَدُ ۔ وَعَنْهُ اَنَّهٗ بَكٰى فَقِيْلَ لَهٗ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ شَيْئٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فَذَكَرْتُهٗ فَاَبْكَانِىْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِىْ

حضرت شداد ابن اوس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جو دکھلاوے کے لئے نماز پڑھے اس نے شرک کیا اور جو دکھلاوے کے لئے روزہ رکھے اس نے شرک کیا اور جو دکھلاوے کے لئے صدقہ دے اس نے شرک کیا[1] یہ دونوں حدیثیں احمد نے روایت کیں روایت ہے انہیں سے کہ وہ روئے ان سے کہا گیا کہ آپ کو کیا چیز رلاتی ہے فرمایا وہ بات جو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنی وہ مجھے یاد آگئی اس نے مجھے رلا دیا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں اپنی امت پر

سے قبول ہوتا ہے یہاں اشعۃ اللمعات میں ہے کہ اس میں وہ بھی داخل ہیں جو لوگوں سے ظاہری محبت کریں وہ بھی غرض کے لئے جب غرض نکل جاوے دوستی بھی ختم ہو جاوے۔ [1] شرک دو قسم کا ہے شرک جلی۔ شرک خفی۔ شرک جلی تو کھلم کھلا شرک بت پرستی کرنا ہے۔ شرک خفی ریا کاری ہے یا یوں کہو کہ شرک اعتقادی تو کھلا ہوا شرک ہے اور شرک عملی ریا کاری ہے صوفیاء فرماتے ہیں کل ما صدك عن الله فهو صنمك جو تمہیں اللہ سے روکے وہ ہی تمہارا بت ہے نفس امارہ بھی بت ہے اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ روزے میں بھی ریا کاری ہو سکتی ہے ہاں روزے میں ریا خالص نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے ارشاد ہے الصوم لی وانا اجزی بہ بعض لوگ روزہ رکھ کر لوگوں کے سامنے بہت کلیاں کرتے سر پر پانی ڈالتے رہتے ہیں کہتے پھرتے ہیں ہائے روزہ بہت لگا ہے بڑی پیاس لگی ہے وغیرہ وغیرہ یہ بھی روزے کی ریا ہے اور اس حدیث میں داخل ہے خیال رہے کہ ریا کی دو قسمیں ہیں ایک ریا اصل عمل میں دوسری ریا وصف عمل میں اصل عمل میں ریا یہ ہے کہ کوئی دیکھے تو یہ نماز پڑھے نہ دیکھے تو نماز پڑھے ہی نہیں وصف عمل میں ریا یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے نماز خوب اچھی طرح پڑھے تنہائی میں معمولی طرح پڑھے پہلی ریا بہت بری ہے دوسری ریا پہلی سے کم شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

کلید در دوزخ است آں نماز ۔۔۔ کہ در روئے مردم گزاری دراز ؎

الشِّرْكَ وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتُشْرِكُ أُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ قَالَ نَعَمْ أَمَا إِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَلَا قَمَرًا وَلَا حَجَرًا وَلَا وَثَنًا وَلٰكِنْ يُرَاؤُوْنَ بِأَعْمَالِهِمْ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ أَنْ يُصْبِحَ أَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَهٗ شَهْوَةٌ مِنْ شَهَوَاتِهٖ فَيَتْرُكُ صَوْمَهٗ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيْمَانِ ۔ وَعَنْ

شرک اور خفیہ شہوت کا خوف کرتا ہوں ۱ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی فرمایا ہاں ۲ خیال رہے کہ وہ لوگ نہ سورج کو پوجیں گی نہ چاند کو نہ پتھر کو نہ بت کو ۳ لیکن ریاکاری کریں گے ۴ خفیہ شہوت یہ ہے کہ ان میں سے ایک روزہ رکھے گا ۵ پھر اس کے سامنے اس کی خواہشات میں سے کوئی خواہش آجاوے تو وہ اپنا روزہ چھوڑ دے ۶ (احمد۔ بیہقی۔ شعب الایمان) روایت ہے

۱ اتخوف بنا ہے تخوف سے بمعنی بہت ہی ڈرنا خوف عام ہے معمولی ڈر ہو یا سخت ڈر تخوف خاص ہے بہت ڈر یا تخوف وہ خوف ہے جس کی علامات ظاہر ہو چکی ہوں خوف میں یہ قید نہیں یعنی میں اپنی امت پر بہت ہی ڈرتا ہوں یا علامات ریا دیکھ کر ڈرتا ہوں اس فرمان عالی میں الخفیہ شرک اور شہوت دونوں کی صفت ہے معنی یہ ہے کہ میں اپنی امت پر خفیہ شرک اور خفیہ شہوت سے ڈرتا ہوں خفیہ وہ شرک و شہوت ہے جو مجاہدہ و ریا کرنے والوں پر بھی ظاہر نہ ہو وہ حضرات بھی اس سے دھوکا کھا جاویں صرف قوت قدسیہ والے ہی اس کی خبر رکھ سکتے ہیں (مرقات)
۲ سائل کو شبہ یہ ہوا کہ امت محمدیہ تو امت مرحومہ ہے یہ کبھی نہ بگڑے گی اس لئے یہ سوال کیا بعدك سے مراد حضرات صحابہ کرام نہیں بلکہ بعد کی نسلیں ہیں حضرات صحابہ کے ایمان و اخلاص کی گواہی قرآن مجید و احادیث نبویہ نے دی ہے رب تعالٰی فرماتا ہے والزمھم کلمۃ التقوٰی وکانوا احق بھا و اھلھا ۳ وثن ہر بت کو کہتے ہیں جس کی پوجا کی جاوے خواہ چاند سورج ہو یا پتھر درخت وغیرہ یہاں خاص کے بعد عام کا ذکر ہے ۴ اس کی تائید اس آیت کریمہ سے ہے فمن کان یرجوا لقاء ربہ فلیعمل عملا صالحًا ولایشرك بعبادۃ ربہ احدا۔ اس آیت میں شرک سے مراد یہ ہی ریاکاری ہے اسی کو حضور انور نے شرک فرمایا بالکل حق ہے ۵ یا تو روزہ رکھے گا یا رکھنے کی نیت کرے گا پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔
۶ اس طرح کہ اس نے روزہ رکھ لیا ہوگا کوئی اچھے کھانے کی دعوت آگئی یا کسی نے شربت سوڈا پیش کیا۔ تو اس کھانے شربت کی وجہ سے روزہ توڑ دیا یا روزہ کی نیت تھی کہ آج روزہ رکھوں گا۔ مگر یہ چیزیں دیکھیں ارادہ بدل دیا۔ محض نفسانی لذت و خواہش کے لئے کہ ایسا مزہ دار کھانا کون چھوڑے لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ حضور

أَبِیْ سَعِیْدٍ خُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَتَذَاکَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا ھُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَہٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ

حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے[1] جبکہ ہم مسیح دجال کا تذکرہ کر رہے تھے تو فرمایا کہ کیا میں تم کو اس چیز کی خبر نہ دوں جو میرے نزدیک تمہارے لئے مسیح دجال سے زیادہ خطرناک ہے[2] ہم نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ فرمایا وہ خفیہ شرک ہے یعنی یہ کہ کوئی شخص نماز پڑھنے کھڑا ہو تو اپنی نماز اس لئے زیادہ کرے کہ کسی شخص کو دیکھے کہ وہ آگے دیکھ رہا ہے[3]

اور نے ازواج مطہرات سے پوچھا کہ کھانا ہے عرض کیا گیا ہاں فرمایا لاؤ ہم نے تو آج روزہ رکھ لیا تھا پھر کھانا ملاحظہ فرمالیا کہ یہ افطار فرمالینا خواہش نفس کے لئے نہ تھا بلکہ حکم شرعی بیان کرنے کے لئے تھا کہ نفل روزہ رکھ کر توڑ دینا جائز ہے اگرچہ قضا واجب ہوگی حضرت ام ہانی کو حضور انور نے اپنا پس خوردہ پانی دیا آپ نے پی کر پوچھا کہ حضور میرا روزہ تھا فرمایا کوئی حرج نہیں وہ روزہ توڑنا حضور کے تبرک سے برکت حاصل کرنے کے لئے تھا نہ کہ نفسانی خواہش سے لہذا احادیث سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے۔

[1] دولت خانہ سے یا باہر سے مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے نماز کا وقت تھا یا ویسے ہی حضرات صحابہ کا مجمع تھا اور اتفاقًا دجال کے خطرات کا ہم لوگ تذکرہ کر رہے تھے۔

[2] کیونکہ دجال کو تو کوئی شخص ہی پائے گا وہ بھی قیامت کے قریب پھر انسان اس سے بچ بھی سکے گا کہ نہ اس کے پاس جائے نہ اس کے پھندے میں پھنسے مگر ریاکاری کی مصیبت ہر شخص کو ہر وقت درپیش ہے اس لئے یہ آفت دجال سے زیادہ خطرناک ہے۔

[3] یعنی اگر اکیلے میں نماز پڑھے تو تھوڑی اور ہلکی پڑھے مگر جب اسے کوئی دیکھ رہا ہو تو نوافل بہت تعداد میں پڑھے اور خوب لمبے دراز پڑھے یہ ہے وصف میں ریا جب یہ بھی شرک خفی ہوا تو اصل نماز میں ریا بہت ہی خطرناک ہے ہم ریا کی یہ دو قسمیں پہلے بیان کرچکے ہیں اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اصل عبادت میں ریا زیادہ خطرناک ہے نماز کا ذکر مثالًا فرمایا ہر نیکی کا یہ ہی حال ہے اس بیماری میں واعظین زیادہ مبتلا ہیں اکثر ہر واعظ کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میرا وعظ سب سے اچھا ہے لوگ خوب واہ واہ کہیں بعض واعظین بغیر داد لئے وعظ نہیں کہہ سکتے اللہ تعالٰی اخلاص عطا فرمائے ریا والی عبادت گھنے ہوئے تخم کی طرح ہے جس سے پیداوار نہیں ہوتی۔

رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ؛ وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَزَادَ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ يَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُمْ يَوْمَ يُجَازِي الْعِبَادَ بِاَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاءُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً اَوْ خَيْرًا ؛ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

(ابن ماجہ) روایت ہے حضرت محمود ابن لبید سے [۱] کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن چیزوں سے میں تم پر [۲] خوف کرتا ہوں ان سب میں زیادہ خوفناک چیز چھوٹا شرک ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ چھوٹا شرک کیا ہے فرمایا ریاکاری [۳] (احمد۔ بیہقی نے شعب الایمان میں یہ زیادتی کی کہ اللہ تعالٰے ان سے فرمائے گا اس دن جس دن بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے گا [۴] کہ ان کے پاس جاؤ جنہیں تم دنیا میں اعمال دکھاتے رہے کہ کیا ان کے پاس تم جزا یا بھلائی پاتے ہو [۵] روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

[۱] آپ انصاری ہیں اشہلی ہیں آپ کی صحابیت میں اختلاف ہے امام مسلم نے آپ کو تابعی مانا ہے امام بخاری آپ کو صحابی کہتے ہیں امام بخاری کا قول قوی ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی عمر صرف پانچ سال تھی (مرقات۔ اشعہ۔ امیر علی) [۲] علیکم میں خطاب یا تو حضرات صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے مطلب یہ ہے کہ ہر مومن کے لئے خطرات بہت ہیں مگر ریا کا خطرہ سب سے زیادہ خطرناک ہے کہ اس سے بچنا بہت مشکل بڑے بڑے اس میں گرفتار ہوجاتے ہیں [۳] یہ پہلی وہ حدیث ہے جس میں ریا کو شرک اصغر فرمایا گیا ہے مشرک اپنی عبادات سے اپنے جھوٹے معبودوں کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے ریاکار اپنی عبادات سے اپنے جھوٹے مقصودوں یعنی لوگوں کو راضی کرنے کی نیت کرتا ہے اس لئے ریاکار چھوٹے درجہ کا مشرک ہے اور اس کا یہ عمل چھوٹے درجہ کا شرک ہے چونکہ ریاکار کا عقیدہ خراب نہیں ہوتا عمل و ارادہ خراب ہوتا ہے اور کھلے مشرک کا عقیدہ بھی خراب ہوتا ہے اسلئے ریا کو چھوٹا شرک فرمایا [۴] یعنی قیامت کے دن جب اعمال کے بدلے دیئے جانیکا وقت آویگا تو ریاکار بھی مخلصین کیساتھ جزا اعمال کا انتظار کرینگے تب ان سے کہا جاویگا [۵] یعنی ان مخلصین کے ٹولہ سے الگ ہوجاؤ جنہیں خوش کرنیکے لئے تم اعمال کرتے تھے ان سے اپنے اعمال کا بدلہ لو وہ ہی تم کو بدلہ دیں یہ فرمان عالی انتہائی غضب کے اظہار کے لئے ہوگا ؛

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْاَنَّ رَجُلًا عَمِلَ عَمَلًا فِی صَخْرَۃٍ لَا بَابَ لَھَا وَلَا کُوَّۃَ خَرَجَ عَمَلُہٗ اِلَی النَّاسِ کَائِنًا مَاکَانَ ؛ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَتْ لَہٗ سَرِیْرَۃٌ صَالِحَۃٌ اَوْسَیِّئَۃٌ اَظْھَرَ اللّٰہُ مِنْھَا رِدَاءً یُعْرَفُ بِہٖ ؛ وَعَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کُلَّ مُنَافِقٍ یَتَکَلَّمُ بِالْحِکْمَۃِ وَیَعْمَلُ

صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر کوئی شخص پتھر کی چٹان میں بیٹھ کر عمل کرے جس کا کوئی نہ دروازہ ہو نہ روزن [۱] تو بھی اس کا عمل لوگوں تک نکل آوے گا جو عمل بھی ہو [۲] روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جس گھر کی جو سیرت ہوگی اچھی یا بری اللہ تعالیٰ اس کی علامت ظاہر فرمائے گا جس سے وہ پہچانا جاوے گا۔ [۳] روایت ہے حضرت عمر ابن خطاب سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں اس امت پر ہر اس منافق سے ڈرتا ہوں جو باتیں حکمت کی کرے گا اور عمل

[۱] یعنی فرض کرو کہ کوئی شخص ایسے بند غار میں نیکی کرے جس میں نہ تو دروازہ ہو کہ کوئی وہاں پہونچ سکے نہ کوئی روزن وسوراخ ہو جس سے کوئی وہاں جھانک سکے مطلب یہ ہے کہ کیسے ہی خلوت خانہ میں کیسے ہی چھپ کر عبادت کرے۔

[۲] اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ تم ریا کرکے اپنے ثواب کیوں برباد کرتے ہو تم اخلاص سے نیکیاں کرو خفیہ کرو اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیاں خود بخود لوگوں کو بتادے گا لوگوں کے دل تمہیں نیک ماننے لگیں گے یہ نہایت ہی مجرب ہے بعض لوگ خفیہ تہجد پڑھتے ہیں لوگ خواہ مخواہ انہیں تہجد خواں کہنے لگتے ہیں ، تہجد بلکہ ہر نیکی کا نور چہرے پر نمودار ہوجاتا ہے ۔ جس کا دن رات مشاہدہ ہو رہا ہے لوگ خواہ مخواہ حضور غوث پاک خواجہ اجمیری کو ولی کہتے ہیں کیوں رب تعالیٰ کہلوا رہا ہے یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور [۳] یہ حدیث ابھی گزری ہوئی حدیث کی شرح ہے اس کا مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ نیک اعمال کا نور چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ تجربہ تو یہ ہے کہ خوف خدا عشق جناب مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم دل میں ہو تو چہرہ اور ہی طرح کا ہوجاتا ہے ۔بعض بزرگوں کے چہرے دیکھ کر کافر مسلمان ہوگئے اور گنہگاروں نے صرف چہرہ دیکھ کر گناہوں سے توبہ کرلی متقی بن گئے آخرت میں تو نیک و بد اعمال چہروں سے ظاہر ہو ہی جائیں گے کچھ دنیا میں بھی ظہور ہوجاتا ہے بعض

بِالْجَوْرِ رَوَى الْبَيْهَقِيُّ الْاَحَادِيْثَ الثَّلٰثَةَ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ؛ وَعَنِ الْمُهَاجِرِ بْنِ حَبِيْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنِّيْ لَسْتُ كُلَّ كَلَامِ الْحَكِيْمِ اَتَقَبَّلُ وَلٰكِنِّيْ اَتَقَبَّلُ هَمَّهُ وَهَوَاهُ فَاِنْ كَانَ هَمُّهُ وَهَوَاهُ فِيْ طَاعَتِيْ جَعَلْتُ صُمْتَهُ حَمْدًا لِّيْ وَوِقَارًا وَاِنْ لَّمْ يَتَكَلَّمْ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ؛

ظلم کے ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت فرمایا۔ روایت ہے۔ حضرت مہاجر ابن حبیب سے [۱] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میں حکمت والے کا ہر کلام قبول نہیں کرتا لیکن میں اس کا ارادہ اس کی خواہش قبول کرتا ہوں [۲] تو اگر اس کا ارادہ اور اس کی خواہش میری فرمانبرداری میں ہو تو اس کی خاموشی کو بھی اپنی حمد اور وقار بنا دیتا ہوں اگرچہ کچھ نہ بولے [۳] (دارمی)

بدکاریوں سے منہ کالا ہو جاتا ہے۔ [۱] یعنی قیامت تک میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے۔ جن کے قول اور قسم کے ہوں گے عمل اور طرح کے قول نہایت ہی اچھے ہوں گے عمل نہایت برے لوگ ان کی خوش گفتاری سے دھوکا کھا کر ان کے جال میں پھنس جایا کریں گے چونکہ ان کے قول و فعل میں مطابقت نہ ہوگی اس لئے انہیں منافق فرمایا یعنی منافق عمل رب تعالیٰ ہمارے علماء و واعظین کو ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق دے۔ [۲] مہاجر بن حبیب غالباً صحابی ہیں اور یہ حدیث مرسل نہیں مگر آپ کے حالات قطعاً معلوم نہ ہو سکے حتی کہ صاحب مشکوٰۃ نے آپ کا ذکر نہ کیا اپنی کتاب الاکمال میں۔

[۳] یعنی ہماری بارگاہ میں الفاظ مقبول نہیں نیت و ارادہ قبول ہے الفاظ بغیر اخلاص ایسے ہیں جیسے بادام بغیر مغز۔ بادام خالی چھلکا یعنی محض بے کار۔ مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

ما بروں را ننگریم قال را | ما دروں را بنگریم وحال را
قال را بگزار مرد حال شو | زیر پائے کاملے پامال شو

[۴] یعنی اخلاص والے کی خاموشی بھی عبادت ہے حمد الٰہی ہے اس خاموشی سے لوگوں کو فیض پہنچ جاتا ہے بغیر اخلاص کی گفتگو بھی بے کار ہے ہمارے ہاں پنجاب میں ایک بار مولانا محمد یار صاحب بہاولپوری رحمۃ اللہ علیہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ آج ہم نے چپ کا وعظ کرنا ہے یہ کہہ کر خاموش ہو گئے دس منٹ کے بعد لوگوں میں جوش پھیل گیا بعض لوگوں کو غشی بیہوشی طاری ہو گئی اگر زیادہ دیر یہ سلسلہ جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ بعض لوگوں کی موت واقع ہو جائے یہ ہے خاموشی والی عبادت بعض بزرگ مراقبہ میں فیض دے دیتے ہیں غرضکہ۔ مصارع

خاموشی گو مبلغ

بَابُ الْبُكَاءِ وَالْخَوْفِ

الْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ اَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّلَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

رونے اور ڈرنے کا بیان [1] پہلی فصل روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں [2] تو تم روتے زیادہ اور ہنستے کم [3] (بخاری)

"خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید" بعض لوگ چیخ چیخ کر گلا پھاڑ لیتے ہیں کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ [1] بکا بغیر ہمزہ کے بمعنی آنسو ہوتا ہے اور بکاء ہمزہ کے ساتھ بمعنی رونا۔ ابکاء باب افعال سے بمعنی کسی دوسرے کو رلانا۔ رونا بہت قسم کا ہے غم سے رونا بہت خوشی سے رونا۔ عشق رسول یا عشق الٰہی میں رونا۔ ڈر سے رونا یہاں آخری رونا مراد ہے یعنی اللہ تعالٰی کے عذاب کے خوف سے رونا اسی لئے رونے کے ساتھ ڈر کا ذکر فرمایا اپنے حال زار پر رونا بھی اسی آخری رونے میں داخل ہے یہ رونا اللہ کی بڑی رحمت ہے مولانا فرماتے ہیں۔

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست	مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست
باش چوں دولاب دائم چشم تر	تا درون صحن تو روید خضر
تانہ گرید طفل کے جوشد لبن	تانہ گرید ابر کے خندہ چمن

اللہ تعالٰی تڑپنے پھڑکنے اپنے خوف سے رونے کی توفیق دے۔ بادل روتا ہے تو چمن ہنستا ہے بچہ روتا ہے تو ماں کے پستان میں دودھ جوش مارتا ہے ہمیشہ آنکھوں کے پانی سے ایمان کے کھیت کو سینچو تاکہ یہ باغ ہرا بھرا رہے [2] یعنی قیامت کے خوف وحشت دوزخ کے عذاب اللہ تعالٰی کی پکڑ عالم غیب کے اسرار جتنے مجھے معلوم ہیں تم کو ان کا لاکھواں حصہ بھی حاصل نہیں۔ نیز تم کو جس قدر علم ہے وہ ہم سے سنکر ہے ہم کو علم ہے دیکھ کر اور دیکھے سے علم یقین ہوتا ہے [3] یعنی اگر تم کو وہ چیزیں معلوم ہوجائیں یا تو تم ہنسنا بھول ہی جاؤ یا ہنسو بہت کم اور ڈر بہت زیادہ تم پر خوف کا غلبہ ہوجاوے اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ساری مخلوق کا علم حضور کے علم کے سامنے ایسا ہے جیسے سمندر کے آگے قطرہ کیونکہ لو تعلمون میں سارے صحابہ سے خطاب ہے دوسرے یہ کہ حضور کے قلب پاک کو اللہ تعالٰی نے بڑی برداشت کی طاقت دی ہے کہ اس قدر عذاب وغیرہ کو جانتے بلکہ دیکھتے ہوئے بھی اپنے کو سنبھالے ہوئے ہیں لوگوں سے تعلقات بھی رکھتے ہیں سب سے ہنستے بولتے بھی ہیں ہم لوگ تو تارک الدنیا ہوجاتے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے کہ اگر ہم قرآن مجید پہاڑ پر اتارتے تو وہ بھی اللہ کی ہیبت سے پھٹ جاتا جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کا دل پہاڑ سے زیادہ قوی ہے۔

وَعَنْ اُمِّ الْعَلَاءِ الْاَنْصَارِيَّةِ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدْرِيْ وَاللّٰهِ لَا اَدْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ؛ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَرَاَيْتُ فِيْهَا اِمْرَاَةً مِّنْ

روایت ہے جناب ام العلاء انصاریہ سے [1] فرماتی ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی قسم میں نہیں جانتا حالانکہ میں رسول اللہ ہوں کہ میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جاوے گا [2] (بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھ پر آگ پیش کی گئی [3] تو میں نے اس میں

[1] آپ صحابیہ ہیں حضرت خارجہ ابن زید ابن ثابت کی والدہ ہیں یعنی زید ابن ثابت کی بیوی حضور انور کو آپ سے بہت محبت تھی۔

[2] یعنی مجھے خبر نہیں کہ دنیا و آخرت میں رب تعالٰی میرے ساتھ کیا معاملہ کرے گا اور تمہارے ساتھ کیا کرے گا اس حدیث کے متعلق محدثین کے بہت قول ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اور وہ آیت قل لا ادری مایفعل بی ولا بکم منسوخ ہیں اس آیت سے لیغفرلك الله ماتقدم من ذنبك بعض چیزیں قابل نسخ ہوتی ہیں (مرقات) فقیر کے نزدیک وہ آیت یہ حدیث منسوخ نہیں یہاں علم کی نفی نہیں درایت کی نفی ہے درایت کہتے ہیں کوئی چیز اپنے قیاس اٹکل اندازے سے معلوم کرنا علم عام ہے مطلب یہ ہے کہ میں باوجودیکہ نبی ہوں اور نبی کی عقل تمام جہان سے زیادہ ہوتی ہے مگر اپنے یا دوسروں کا انجام میں بھی عقل و قیاس سے معلوم نہیں کرسکتا بلکہ مجھے یہ علم وحی الٰہی سے ہے اس لئے اس آیت کے آخر میں ہے ان اتبع ما یوحیٰ الی لہٰذا یہ حدیث دوسری آیات و احادیث کے خلاف نہیں حضور فرماتے ہیں میں اولاد آدم کا سردار ہوں حمد کا جھنڈا قیامت میں میرے ہاتھ ہوگا میں گنہگاروں کی شفاعت کروں گا یا کہ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں ابوبکر و عمر جنتی ہیں وغیرہ حضور تا قیامت ہر جنتی و دوزخی کو جانتے پہچانتے ہیں ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ خیال رہے کہ حضرت ام العلاء نے حضرت عثمان ابن مظعون کی وفات پر فرمایا تھا کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ تم جنتی ہو اس پر یہ ارشاد عالی ہوا تھا کہ تم محض اپنی عقل سے کسے یہ کیوں کہہ رہی ہو یہ بات تو میں بھی عقل سے نہیں جان سکتا لہٰذا حدیث واضح ہے۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کا ہے جب حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت دوزخ کی سیر فرمائی اور ہر جگہ کے لوگ ملاحظہ کئے ممکن ہے کہ کسی خواب کا واقعہ ہو مگر پہلا احتمال قوی ہے ؛

بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَّهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَأْكُلُ مِنْ خُشَاشِ الْأَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا وَرَأَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهٗ فِي النَّارِ وَكَانَ أَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا يَوْمًا فَزِعًا يَقُوْلُ لَا إِلٰهَ

بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جو اپنی ایک بلی کی وجہ سے عذاب دی جارہی ہے لے جسے اس نے باندھ دیا تھا کہ نہ اسے کھلایا نہ چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی حتی کہ بھوک سے مرگئی ۲ے اور میں نے عمرو ابن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ آگ میں انتڑیاں گھسیٹ رہا تھا یہ پہلا وہ شخص ہے جس نے سائبہ جانور ایجاد کئے ۳ے (مسلم) روایت ہے حضرت زینب بنت جحش سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک دن ان کے پاس گھبراہٹ میں تشریف لائے فرماتے تھے لا الہ

لے یہ عورت بنی اسرائیل کی مومنہ تھی۔ کافرنہ تھی اسے اس گناہ کی وجہ سے یہ عذاب ہو رہا تھا (مرقات) معلوم ہوا کہ مومن کو بھی بعض گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو جاوے گا حدیث شریف میں ہے کہ چغل خور اور پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنے والے کو عذاب قبر ہوگا۔

۲ے اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جانوروں پر ظلم بھی عذاب کا باعث ہے ان کا حق بھی ضرور ادا کرنا چاہیے تو جو انسان خصوصًا مسلمان پر ظلم کریں وہ کیسی سزا کے مستحق ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آئندہ واقعات کو بھی واقعات کو بھی دیکھتی ہیں مجرموں کا دوزخ میں جانا قیامت کے بعد ہوگا مگر حضور انور نے آج ہی ملاحظہ فرمالیا۔ حضور نے اہل رات جنت میں جاتے ہوئے اپنے آگے حضرت بلال کی جوتوں کی آہٹ سنی یہ آہٹ آج کی نہ تھی بلکہ بعد قیامت جب جنت میں حضور داخل ہوں گے تب حضرت بلال ہٹو بچو کرتے آگے ہوں گے وہ آہٹ حضور آج سن رہے ہیں تیسرے یہ کہ حضور لوگوں کے اعمال پر مطلع ہیں کہ کون کیا کرتا ہے۔

۳ے عمرو ابن عامر قبیلہ بنی خزاعہ کا ایک شخص تھا جس نے عرب میں بت پرستی اور بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیا اسے بھی حضور انور نے اسی عذاب میں گرفتار دیکھا۔ سائبہ وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر چھوڑ دی جاوے اس پر کوئی سواری نہ کرے وہ جہاں چاہے چرتی پھرے۔ کوئی اسے روک ٹوک نہ کرے جیسے ہندوؤں کے سانڈ بجار بعض روایات میں عمرو ابن لحی آیا ہے ہوسکتا ہے کہ عامر اس کے باپ کا نام ہو اور لحی اس کے دادا کا نام لہذا حدیثوں میں تعارض نہیں (اشعہ) حضور انور نے اس کو آگ میں جلتے نماز کسوف میں بھی دیکھا ہے۔

إِلَّا اللهُ وَيْلٌ لِلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهٖ وَحَلَّقَ بِإِصْبَعَيْهِ الْإِبْهَامِ وَالَّتِي تَلِيهَا قَالَتْ زَيْنَبُ فَقُلْتُ يَارَسُولَ اللهِ أَفَنَهْلِكُ وَفِينَا الصَّالِحُونَ قَالَ نَعَمْ إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ: وَعَنْ أَبِي عَامِرٍ أَوْ أَبِي مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ

الا اللہ عرب کی خرابی ہے اس شر سے جو قریب آگئی [۱] آج یاجوج ماجوج کی دیوار سے اس کی برابر کھل گئیں [۲] اور اپنے انگوٹھے اور اس سے ملی ہوئی انگلی کا حلقہ بنا لیا۔ جناب زینب فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم ہلاک کر دیئے جاویں گے۔ حالانکہ ہم میں نیک لوگ ہوں [۳] فرمایا ہاں جب کہ خباثت بڑھ جاوے [۴] (مسلم بخاری) روایت ہے ابوعامر سے یا ابومالک اشعری سے [۵]

[۱] اس شر سے مراد وہ جنگیں اور فتنے ہیں جو حضور انور بلکہ عہد فاروقی کے بعد عرب میں ظاہر ہوئے حضور نے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھے حضور کی یہ گھبراہٹ ان لوگوں پر شفقت کی وجہ سے تھی (اشعہ)

[۲] یہ دوسری آفت کی خبر ہے دیوار سے مراد وہ آہنی دیوار ہے جو سکندر ذوالقرنین نے قوم یاجوج ماجوج کو بند کرنے کے لئے دو پہاڑوں کے درمیان بنائی تاکہ وہ لوگ اس دنیا میں نہ آسکیں یاجوج ماجوج کافر انسان ہیں جو بہت قوی بڑے جسامت والے قدآور ہیں قریب قیامت یہ دیوار گرے گی اور یاجوج ماجوج نکل کر اس دنیا میں آکر آفت ڈھادیں گے آج اس دیوار میں سوراخ ہوجانا اس کے گرنے کا قرب بتاتا ہے یہ بھی علامت قیامت ہے اس سے پتہ لگا کہ حضور کی نظر سارے جہان پر ہے کہ مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے یاجوج ماجوج کی دیوار اس کا سوراخ ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد چنگیزی ترکوں کا نکلنا ہے دنیا خصوصًا اہل عراق کا ان کے ہاتھوں ہلاک ہونے کی طرف اشارہ ہے (اشعہ) مگر پہلے معنی قوی تر ہیں [۳] یہ سوال پہلے فرمان کے متعلق ہے کہ حضور نے فرمایا شر قریب آگئی سوال کا مقصد یہ ہے کہ ہم اہل عرب میں مومنین صالحین ہیں اور رہیں گے تو کیا ان کے ہوتے ہوئے عرب میں یہ شر پھیل جاوے گی۔

[۴] یعنی جب مسلمانوں میں فسق و فجور عام ہوجاوے تو نیک بندوں کی موجودگی انہیں ان آفات سے بچا نہ سکے گی کبھی نیک لوگوں کی نیکی بروں کو عذاب سے بچا لیتی ہے اور کبھی بروں کی کثرت نیکوں کو عذاب میں گرفتار کردیتی ہے

[۵] ابوعامر اشعری حضرت ابوموسیٰ اشعری کے چچا ہیں صحابی ہیں غزوۂ حنین میں شہید ہوئے اور ابومالک اشجعی بھی کہتے ہیں یہ بھی صحابی ہیں چونکہ سارے صحابہ عادل ہیں اس لئے ان کے نام میں تردد سے حدیث کی صحت پر اثر نہیں پڑتا۔

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیَکُوْنَنَّ مِنْ اُمَّتِیْ اَقْوَامٌ یَسْتَحِلُّوْنَ الْخَزَّ وَالْحَرِیْرَ وَالْخَمْرَ وَالْمَعَازِفَ وَلَیَنْزِلَنَّ اَقْوَامٌ اِلٰی جَنْبِ عَلَمٍ یَرُوْحُ عَلَیْہِمْ بِسَارِحَۃٍ لَّھُمْ یَاْتِیْھِمْ رَجُلٌ لِحَاجَۃٍ فَیَقُوْلُوْنَ ارْجِعْ اِلَیْنَا غَدًا فَیُبَیِّتُھُمُ اللّٰہُ وَیَضَعُ الْعَلَمَ وَیَمْسَخُ اٰخَرِیْنَ قِرَدَۃً وَّخَنَازِیْرَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ وَفِیْ بَعْضِ

فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میری امت میں وہ قومیں ہوں گی جو موٹے پتلے ریشم[۱] اور شراب باجوں کو حلال سمجھ لیں گی[۲] اور کچھ قومیں ایک پہاڑی کے برابر اتریں گی جب ان پر ان کے جانور آئیں گے[۳] ان کے پاس ایک شخص کسی کام کے لئے آئیگا وہ کہیں گے ہمارے پاس کل لوٹ کر آنا[۴] پھر اللہ انہیں رات میں ہلاک کر دیگا اور پہاڑ گرا دیگا[۵] اور دوسروں کو بندر سؤروں میں مسخ کر دے گا[۶] قیامت کے دن تک[۷] (بخاری) اور مصابیح

[۱] خز موٹا ریشم۔ حریر باریک ریشم مرد کے لئے دونوں حرام ہیں۔ [۲] معازف بنا ہے عزف سے بمعنی جنات کی یا ہوا کی آواز اصطلاح میں باجوں کی آواز کو یا اس آواز کو جس کے ذریعہ سے انسانی آواز کو اچھا بنایا جاوے معازف یا ملاہی کہتے ہیں یعنی میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو ان محرمات کو حلال ہی جان لیں گے یا حلال کی طرح بے دھڑک استعمال کریں گے یا ان چیزوں کی حلت کے لئے تاویلیں کریں گے مثلاً کہیں گے کہ ریشم اگر جسم سے متصل ہو تو حرام ہے ورنہ نہیں ہم نے کرتا سوتی پہنا ہے اوپر سے اچکن ریشمی ہے۔ یا کہیں گے کہ باجے وغیرہ قوالی میں حلال ہیں مجازی عشق کے لئے باجے حرام ہیں ہم تو اللہ رسول کے عشق کے لئے سنتے ہیں وغیرہ (مرقات) [۳] یعنی یہ لوگ بڑے امیر ہونگے پہاڑوں پر اپنی کوٹھیاں بنائیں گے ان کے پاس بہت نوکر جانور ہوں گے ان کے نوکر دن پھر ان کے جانور چرا کر شام کو واپس لایا کریں گے۔ [۴] یعنی یہ لوگ نکمے اور کنجوس و بخیل ہونگے کہ ان کے پاس کوئی حاجتمند اپنی حاجت کے لئے آویگا تو اسے ٹالنے کیلئے کہہ دینگے کہ کل آنا [۵] یعنی رات میں ان پر غیبی آواز آجاویگا جس سے ان کے بعض لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور بعض پر یہ ہی پہاڑ گر پڑے گا جس سے دب کر یہ لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور بعض کا وہ حال ہوگا۔ جو آگے مذکور ہے غرضکہ یہ لوگ تین حصے ہو کر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔

[۶] اس سے معلوم ہوا کہ حضور کی امت کے کچھ لوگوں پر قرب قیامت غیبی عذاب بھی آئینگے اور کچھ لوگ بندر سور بھی بنیں گے جہاں ارشاد ہے کہ اس امت پر عذاب نہ آوے گا وہاں عام عذاب مراد ہے [۷] اس لفظ کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ روز قیامت تک اس عذاب میں مبتلا رہیں گے یہ عذاب عارضی نہ ہوگا دائمی ہوگا یعنی اس کا تعلق مسخ سے نہیں عذاب سے ہے۔

نُسَخِ الْمَصَابِيحِ الْخَرْبُ بِالْحَاءِ وَالرَّاءِ الْمُهْمَلَتَيْنِ وَهُوَ تَصْحِيفٌ وَ إِنَّمَا هُوَ بِالْخَاءِ وَالزَّايِ الْمُعْجَمَتَيْنِ نَصَّ عَلَيْهِ الْحُمَيْدِيُّ وَابْنُ الْأَثِيرِ فِي هٰذِهِ الْحَدِيثِ وَ فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ عَنِ الْبُخَارِيِّ وَكَذَا فِي شَرْحِهِ لِلْخَطَّابِيِّ تَرُوحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَةٌ لَهُمْ يَأْتِيهِمْ لِحَاجَةٍ. وَعَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَذَابُ مَنْ كَانَ فِيهِمْ ثُمَّ بُعِثُوا عَلٰى

کے بعض نسخوں میں ہے جرح بے نقطہ ہے اور رے سے لے یہ غلط ہے وہ خ اور ز نقطہ والے سے ہے اس کی اسی حدیث میں حمیدی اور اثیر نے تصریح کی اور کتاب حمیدی میں ہے بخاری ہے اور یوں ہی خطابی نے شرح بخاری میں کہا تروح علیہم سارحۃ لہم لے روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب اللہ کسی قوم پر عذاب اوتارتا ہے ان سب پر عذاب بھیج دیتا ہے جو ان میں ہوں لے پھر اپنے اعمال کے

دوسرے یہ کہ وہ لوگ قیامت کے دن اسی مسخ شدہ صورت میں اٹھیں گے بندروں سوروں کی شکل میں یا قیامت سے مراد ان کی موت کا دن ہے کہ موت بھی ایک طرح کی قیامت ہی ہے یعنی وہ لوگ مرتے دم تک بندر سور رہیں گے۔ لہٰذا حدیث ظاہر ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ قیامت تک زندہ رہیں اور بندر سور بنے رہیں گے۔

لے جرح کے کسرہ اور ر کے سکون سے بمعنی فرج یعنی زنا کو حلال سمجھ لیں گے کہ بے دھڑک زنا کریں گے ان کے نزدیک زنا عیب ہی نہ ہوگا۔ لے مگر شیخ ابن حجر نے فرمایا کہ بخاری کے بعض نسخوں میں جرح کے کسرہ اور ر کے سکون سے ہے معلوم ہوا کہ دونوں لفظ حدیث میں وارد ہیں (اشعہ) آج کل یہ عیوب مسلمانوں کے امیر گھرانوں میں پہونچ رہے ہیں۔ لے یعنی اس روایت میں بسارحۃ ب کے ساتھ نہیں ہے صرف سارحۃ ہے مطلب وہ ہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔ سارحۃ وہ جانور جو جنگل چرنے جائیں۔ یہاں بھی یاتیہم کا فاعل ہے دجل یعنی محتاج ہے مطلب وہ ہی ہے کہ ان کے پاس کوئی محتاج آدمی اپنی حاجت لے کر آوے اس حدیث میں اس قوم کی تین صفات بیان ہوئیں وہ بنگلوں کوٹھیوں کے مالک ہوں گے ان کے پاس دودھ وغیرہ کے جانور بہت ہوں گے جنہیں جنگل میں چرانے کے لئے ان کے نوکر چاکر لے جایا کریں گے وہ بڑے بخیل و کنجوس ہوں گے

لے یعنی جب کسی قوم پر عذاب آتا ہے تو صرف گنہگاروں پر ہی نہیں آتا بلکہ گنہگار نیک کار جو بھی وہاں ہوں سب پر آتا ہے جب چکی چلتی ہے تو گندم اور اس میں رہنے والے گھن سب کو ہی پیس ڈالتی ہے۔ خیال رہے کہ یہ قانون

أَعْمَالِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ❊ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُبْعَثُ كُلُّ عَبْدٍ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❊ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَاَيْتُ مِثْلَ النَّارِ نَامَ هَارِبُهَا وَلَا مِثْلَ الْجَنَّةِ نَامَ طَالِبُهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اٹھائے جائیں گے [۱] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر بندہ اس پر اٹھایا جاوے گا جس پر مرے گا [۲] (مسلم) دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں نے دوزخ کی طرح نہ دیکھا جس سے بھاگنے والا سو رہا ہے اور نہ جنت کی مثل جس کا طلبگار سو رہا ہے [۳] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

کلی نہیں ہے کبھی نیکوں کو بچا بھی لیا جاتا ہے۔ کبھی وہاں سے نیکوں کو نکال دیا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے واخرجنا منها من کان فیها من المومنین۔

[۱] یعنی ان بے قصور نیک لوگوں کو کل قیامت میں اس تکلیف کی جزا دے دی جاوے گی جو انہیں بے قصور پہنچ گئی۔ جیسے باغوں پر بستیوں پر حکومت بم باری کرے جس سے حکومت کے وفاداروں کے مکانات جائداد بھی تباہ ہو جاوے تو انہیں انکا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔

[۲] یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے اگر کوئی کفر پر مرے تو کفر پر ہی اٹھے گا۔ اگرچہ زندگی میں مومن رہا ہو۔ اور اگر ایمان پر مرے تو ایمان پر اٹھے گا۔ اگرچہ زندگی میں کافر رہا ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان جو مشغلہ زندگی میں کرے گا۔ اسی پر ان شاء اللہ مرے گا۔ اور جس پر مرے گا۔ اسی پر اٹھے گا۔ ان شاء اللہ ذاکرین ذکر الٰہی کرتے ہوئے اٹھیں گے شاغلین یار کے شغل میں واصلین وصال میں۔ کاملین کمال میں۔ حتی کہ بلال اذان دیتے ہوئے اٹھیں گے اللہ تعالٰی زندگی میں اچھا شغل عطا کرے اسی پر موت دے۔

[۳] یہ فرمان عالی اظہار تعجب کے لئے ہے کہ دوزخ بڑی ہی خطرناک چیز ہے مگر لوگ اس سے بچنے کی فکر نہیں کرتے صرف منہ سے خوف کا اظہار کرتے ہیں جنت بڑی ہی اعلٰی نعمت ہے مگر لوگ اس کے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے صرف زبانی رغبت ہی کرتے ہیں اس بیماری میں ہم سب ہی گرفتار ہیں۔

إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَوْنَ وَأَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُونَ أَطَّتِ السَّمَاءُ وَحُقَّ لَهَا أَنْ تَئِطَّ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا فِيهَا مَوْضِعُ أَرْبَعِ أَصَابِعَ إِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهُ سَاجِدًا لِلّٰهِ وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا وَمَا تَلَذَّذْتُمْ بِالنِّسَاءِ عَلَى الْفُرُشَاتِ وَلَخَرَجْتُمْ إِلَى الصُّعُدَاتِ تَجْأَرُونَ إِلَى اللّٰهِ قَالَ

کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے[۱] آسمان چرچرا رہا ہے اور اس کا حق ہے کہ چرچرائے[۲] اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ آسمانوں میں چار انگل جگہ مگر فرشتہ وہاں اپنی پیشانی رکھے ہوئے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے[۳] اللہ کی قسم اگر تم وہ چیزیں جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے تھوڑا روتے بہت اور بیویوں سے بستروں پر لذت حاصل نہ کرتے[۴] اور اللہ کی پناہ لیتے ہوئے جنگلوں کی طرف نکل جاتے[۵] ابوذر کہتے

[۱] معلوم ہوا کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ غیبی چیزیں دیکھتی ہے اور حضور کے کان غیبی آوازیں سنتے ہیں جس نگاہ سے اللہ تعالٰی ہی نہ چھپا اس سے اور کیا چیز چھپے گی۔ ؎

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا   جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

مالا تدرون میں ما عام ہے ہر غیبی چیز حضور پر ظاہر ہے [۲] اطت بنا ہے اطیط سے اطیط کے معنی چرچرانا بھی ہے اور رونا بھی اور مطلقًا آواز بھی یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں فرشتوں کے بوجھ سے چرچرانا جیسے اونٹ کا بھرا ہوا پالان بوجھ سے چرچر کرتا ہے یا خوف الٰہی میں رونا ہے فرشتوں کی تسبیح و تہلیل سن کر۔ یا خود اللہ کا ذکر اس کی تسبیح و تہلیل کرتا ہے فرشتوں کے ساتھ (مرقات۔ اشعہ) غرض کہ آسمان آواز ضرور کر رہا ہے اس لئے اس کے لیے سننا فرمایا گیا کہ میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے آسمان کی یہ آوازیں میں سن رہا ہوں۔ [۳] ظاہر یہ ہے کہ یہاں سجدہ کرنے والے فرشتوں کی کثرت کا ذکر ہے کہ آسمان کا ایک ایک چپہ فرشتے کی پیشانی سے خالی نہیں۔ رکوع۔ قیام قعود والے فرشتے ان کے سوا ہیں رب تعالٰے نے فرشتوں کا قول نقل فرمایا ما منا الا لہ مقام معلوم سجدہ والوں کی جگہ اور ہے رکوع۔ قیام والوں کی جگہ اور [۴] اس سے حضور کے تحمل و برداشت کا پتہ لگتا ہے کہ حضور یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے پھر بھی دنیا و دین دونوں سنبھالتے ہوئے ہیں [۵] صعدات جمع ہے صعید کی بمعنی زمین کی ظاہری مٹی اس سے مراد ہے جنگل جہاں سفیدہ زمین اور مٹی ہی ہوتی ہے مکان، پہاڑ وغیرہ ہی نہیں ہوتے یعنی تم خوف و ڈر کی وجہ سے آبادیوں میں رہنا آرام کرنا بھول جاتے جنگلوں میں چیختے روتے پھرتے منزلیں بہت بھاری ہیں:

اَبُوذَرٍّ یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ شَجَرَۃً تُعْضَدُ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ
اِبْنُ مَاجَۃَ ÷ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ
عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ غَالِیَۃٌ
اَلَا اِنَّ سِلْعَۃَ اللّٰہِ الْجَنَّۃُ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ ÷ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰہُ جَلَّ ذِکْرُہٗ اَخْرِجُوْا مِنَ

لگے ہائے کاش کریں درخت ہوتا جو کاٹ دیا جاتا ۱ (احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)
روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم نے کہ جو ڈرتا ہے وہ اندھیرے اٹھتا ہے جو اندھیرے اٹھتا ہے وہ منزل
پر پہونچ جاتا ہے ۲ خبردار اللہ کا سودا مہنگا ہے خبردار اللہ کا سودا جنت ہے ۳ (ترمذی) روایت ہے،
حضرت انس سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ آگ سے اسے نکال لو

۱ یہ دردناک تمنا راوی حدیث حضرت ابوذر کی ہے بعض صحابہ فرماتے تھے کہ کاش میں جانور ہوتا جسے ذبح کرکے کھالیا
جاتا بعض فرماتے تھے کاش میں چڑیا ہوتا کہ جہاں چاہتا بیٹھتا مطلب یہ ہے کہ میں نہ انسان ہوتا جو احکام کے مکلف ہیں اور
گناہ کرتے ہیں یہ ان لوگوں کا خوف ہے جن کے جنتی ہونے کی خبر قرآن کریم اور صاحب قرآن نے دیدی ہے اب سوچو کہ ہم کس
شمار میں ہیں بات یہ ہے کہ جتنا قرب زیادہ اتنا ہی خوف زیادہ اللہ اپنا خوف عطا کرے ۲ یعنی جو دشمن کے شب خون مارنے کا
اندیشہ کرتا ہے وہ جنگل میں رات غفلت سے نہیں گزارتا ورنہ مارا جاتا ہے لٹ جاتا ہے شیطان شب خون مارنے والا دشمن
ہے ہم دنیا میں راہ آخرت طے کرنے والے مسافر ہیں ایمان کی دولت ہمارے پاس ہے یہاں غفلت نہ کرو ورنہ لٹ
جاؤ گے ۳ اس فرمان عالی میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم
بان لھم الجنۃ جنت سودا ہے رب تعالیٰ فروخت فرمانے والا ہے ہم خریدار ہیں ہمارے مال جان اس سودے کی قیمت ہے اس کا عکس
یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خریدار ہے ہمارے جان و مال سودے ہیں جنت اس کی قیمت ہے اگر جان دے کر بھی یہ سودا مل جاوے تو سستا ہے مگر ہمارا
حال یہ ہے ؎

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا
ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

اللہ تعالیٰ ہم محتاجوں کو اپنے محبوب کے نام کی خیرات دے دے فقیروں بھکاریوں سے قیمت نہیں مانگی جاتی اس پر ہر کرم کریمانہ ہوتا ہے ؎

چہ باشد کہ مشتے گدایانِ خیل۔
بیایند دار السلام از طفیل

النَّارِ مَنْ ذَكَرَنِيْ يَوْمًا اَوْ خَافَنِيْ فِيْ مَقَامٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَهُمُ الَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَيَسْرِقُوْنَ قَالَ لَا يَا ابْنَتَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰٓئِكَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ۔

جس نے مجھے ایک دن یاد کیا ہو یا ایک جگہ میں مجھ سے خوف کیا ہو لے (ترمذی۔ بیہقی۔ کتاب البعث والنشور) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کریمہ کے متعلق پوچھا کہ وہ لوگ کہ جو کچھ کریں ان کے دل ڈرتے کیا وہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں ۲ فرمایا نہیں اے صدیق کی بیٹی ۳ لیکن یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھتے نمازیں پڑھتے اور صدقات دیتے ہیں اور وہ ڈرتے ہیں کہ ان کا عمل قبول نہ ہو ۴ یہ لوگ بھلائیوں سے جلدی کرتے ہیں ۵

یعنی یا رسول اگر ہم جیسے مٹھی بھر فقیر آپ کے طفیل جنت میں پہونچ جاویں تو تمہارا کیا بگڑتا ہے ہمارا بھلا ہو جاویگا۔ ۱ من سے مراد مسلمان مخلص ہے اور خوف سے مراد دل کا ڈر ہے اس کے عمل کے ہے یعنی جو مسلمان عمر بھر میں ایک بار بھی مجھ سے ڈرا ہو اور ڈر کر گناہ سے توبہ کر لی ہو یا جسے میں ایک بار بھی گناہ کرتے وقت یاد آ گیا ہوں اور اس یاد کی وجہ سے وہ گناہ سے باز رہا ہو اسے دوزخ سے نکال دو یا بچا لو یہ فرمان عالی اس آیت شریفہ کی تفسیر بھی ہو سکتی ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوٰی ۲ یوتون ایتان سے بھی بن سکتا ہے بمعنی آنا۔ لانا۔ کرنا اور ایتاء سے بھی بمعنی دنیا خیرات کرنا حضرت ام المومنین کا یہ سوال شریف اسی بنا پر ہے کہ وہ یوتون کو ایتان سے بنا رہی ہے اور مطلب یہ قرار دیتی ہیں کہ وہ لوگ جو کرتے ہیں کام رب سے ڈرتے ہوئے کام سے برے کام مراد لیتی ہیں (لمعات) یعنی جو برے کام کرتے ہیں رب سے ڈرتے ہوئے۔ لہذا خوف خدا گناہ کے وقت چاہیے ۳ جواب شریف کا مطلب ہے کہ یوتون میں دونوں احتمال ہیں ورنہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس کیلئے جنت کا دروازہ کھل جاتا ہے ۴ یعنی یہاں یوتون بنا ہے ایتان بمعنی لانے کرنے سے مگر اس سے مراد ہے نیک عمل بدنی ہو یا مالی یعنی جو نیک کام کرتے ہیں پھر بھی ڈرتے ہیں کہ شاید قبول نہ ہو ۵ مطلب یہ ہے کہ عبارت اولئک یسارعون الخ بتا رہی ہے کہ یہاں نیک اعمال مراد ہیں۔ وہ لوگ اس خوف کی وجہ سے نیکیاں زیادہ کرتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ متقی لوگ وہ ہیں جو گناہ نہیں کرتے نیکیاں کرتے ہیں اور ساتھ ہی ڈرتے

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ❊ وَعَنْ أُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللهَ اذْكُرُوا اللهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ❊ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِصَلٰوةٍ فَرَأَى النَّاسَ كَأَنَّهُمْ يَكْتَشِرُونَ قَالَ أَمَا إِنَّكُمْ لَوْ أَكْثَرْتُمْ ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ

(ترمذی۔ ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب رات کے دو تہائی حصے گزر جاتے ہیں تو اٹھتے فرماتے اے لوگو اللہ کا ذکر کرو اللہ کا ذکر کرو ۱؎ دہلا دینے والی چیز آن پہونچی جس سے متصل پیچھے آنے والی آپہونچی ۲؎ موت آپہونچی موت مع ان تکالیف کے جو اس میں ہے ۳؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے ۴؎ تو لوگوں کو دیکھا گویا وہ ہنس رہے ہیں ۵؎ فرمایا اگر تم لذتیں ختم کرنے والی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو تو وہ تم کو

ہیں کرنا اور ڈرنا ان کی صفت نہ کرنا اور اکڑنا فساق کا کام ہے ؎

زاہداں از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

۱؎ اس واقعہ سے تین مسئلہ معلوم ہوئے ایک یہ کہ تہجد کے لئے دو تہائی رات کے بعد اٹھنا چاہئے اس سے پہلے نہیں دوسرے یہ کہ اپنے خاص خدام خاص گھر والوں کو بھی جگانا چاہئے تیسرے یہ کہ اس وقت عبادت کی ترغیب کے لئے انہیں ڈرانا یا اللہ کی رحمت سے امید دلانا بہت اچھا ہے ۲؎ راجفہ سے مراد ہے قیامت کا پہلا نفخہ چونکہ اس نفخہ سے زمین میں سخت زلزلہ پڑ جاوے گا اور رادفہ سے مراد ہے دوسرا نفخہ جس سے مردے جی اٹھیں گے یعنی قیامت قریب ہے جو کرنا ہے کرلو ۳؎ موت ہر شخص کی چھوٹی قیامت ہے اور بڑی قیامت کی دلیل اس کی تکالیف بیان سے باہر ہیں مطلب یہ ہے کہ موت سر پر کھڑی ہے اعمال میں جلدی کرو اعلیٰحضرت قدس سرہ نے فرمایا۔ ؎

اوترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے۔

۴؎ غالبًا نماز سے مراد نماز جنازہ ہے اگلا مضمون یہ ہی بتا رہا ہے۔ (مرقات) جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے اور وہاں سے لوٹتے ہوئے

لَشَغَلَكُمْ عَمَّا اَرٰى اَلْمَوْتُ فَاَكْثِرُوْا ذِكْرَهَا ذِمِ اللَّذَّاتِ اَلْمَوْتِ فَاِنَّهٗ لَمْ يَاْتِ عَلَى الْقَبْرِ يَوْمٌ اِلَّا تَكَلَّمَ فَيَقُوْلُ اَنَا بَيْتُ الْغُرْبَةِ وَاَنَا بَيْتُ الْوَحْدَةِ وَاَنَا بَيْتُ التُّرَابِ وَاَنَا بَيْتُ الدُّوْدِ وَاِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَاَهْلًا اَمَا اَنْ كُنْتَ لَاَحَبَّ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى ظَهْرِيْ اِلَيَّ فَاِذْ وُلِّيْتُكَ الْيَوْمَ وَصِرْتَ اِلَيَّ فَسَتَرٰى

اس سے روک دے جو میں دیکھ رہا ہوں ۱؎ تو لذتیں ختم کردینے والی موت کا ذکر زیادہ کیا کرو کیونکہ قبر پر کوئی دن نہیں آتا مگر وہ کلام کرتی ہے تو کہتی ہے ۲؎ کہ میں مسافری کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں میں مٹی کا گھر ہوں اور میں کیڑوں کا گھر ہوں ۳؎ اور جب بندہ مومن دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے تو خوب ہی آیا تو اپنے گھر میں آیا ۴؎ جو لوگ میری پیٹھ پر چلتے ہیں ان سب میں تو بہت پیارا تھا ۵؎ اب جبکہ آج میں تیری والی بنائی ہوں اور میرے پاس لوٹا تو تو دیکھ

ہنسنا ممنوع ہے ۱؎ یکتشرون کا مادہ کشر ہے یعنی دانت ظاہر ہونا ہنسنے کو اکتشار اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں دانت ظاہر ہوجاتے ہیں تبسم کو کشر نہیں کہا جاتا۔ یوں تو ویسے ہی موت کا ذکر چاہیے خصوصیت کے ساتھ جاتے وہاں سے لوٹتے ہوئے زیادہ چاہیے؀

کلیاں من میں سوچت ہیں جب کلی کوئی کملاوت ہے — جو دن ان پہ بیت گیا وہ کل ہم پر بھی آوت ہے
مالی آیا باغ میں اور کلیاں کریں پکار — کھلی کھلی سب توڑ لو کل ہم ری ہے بار

۲؎ ان جیسی احادیث میں قبر سے مراد برزخ کا عالم ہے خواہ اس قبر کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں (مرقات) ہم اس کی تحقیق مرآت جلد اول میں باب عذاب قبر کی شرح میں کرچکے ہیں ۳؎ لہذا قبر میں واحد قہار کا کرم ہی کام آوے گا تم لوگ دنیا میں اپنے کو مسافر سمجھو تمہاری حقیقت مٹھی بھر مٹی ہے کسی بات پر فخر و شیخی نہ کرو چونکہ تم کو دنیا سے کھانا ہے لہذا کھانے پینے میں حرام حلال کا خیال رکھو کہ انجام فنا ہے۔ قبر عمل کا صندوق ہے اس قبر میں ہمارے گوشت گل سڑ کر کیڑے بنے گا جو اولًا ہمارے اعضاء کھائیں گے پھر کیڑے ایک دوسرے کو کھالیں گے ان حالات سے حضرات انبیاء شہداء اولیاء علماء عاملین علیحدہ ہیں کیونکہ علماء کی روشنائی شہداء کے خون سے افضل ہے (مرقات)

جب شہید کا خون پاک ہے تو علماء کی روشنائی کا کیا پوچھنا اس روشنائی سے دین قائم ہے اسلئے یہ حضرات ان احکام سے علیحدہ ہیں؀

اندھیر گھر اکیلی جان دم گھٹتا دل اکتاتا! — خدا کو یاد کر پیارے وہ ساعت آنے والی ہے!

۴؎ یعنی اے مردہ میں بظاہر تیری قبر ہوں مگر درحقیقت تیرا گھر ہوں جیسے انسان اپنے گھر میں اجنبی نہیں ہوتا خوش و خرم رہتا ہے تو بھی یہاں اجنبی نہیں۔ ۵؎ کیونکہ تو زندگی میں مجھ پر اللہ کی عبادت کرتا تھا جس سے میں

صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَتَّسِعُ لَهُ مَدَّ بَصَرِهِ وَيُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ وَ
وَإِذَا دُفِنَ الْعَبْدُ الْفَاجِرُ أَوِ الْكَافِرُ قَالَ لَهُ الْقَبْرُ لَا مَرْحَبًا وَلَا
أَهْلًا أَمَا إِنْ كُنْتَ لَأَبْغَضَ مَنْ يَمْشِي عَلَى ظَهْرِي إِلَيَّ فَإِذْ وُلِّيتُكَ
الْيَوْمَ وَصِرْتَ إِلَيَّ فَسَتَرَى صَنِيعِي بِكَ قَالَ فَيَلْتَئِمُ عَلَيْهِ حَتَّى
تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
بِأَصَابِعِهِ فَأَدْخَلَ بَعْضَهَا فِي جَوْفِ بَعْضٍ قَالَ وَيُقَيَّضُ لَهُ سَبْعُونَ

لے گا میرا برتاوا اپنے ساتھ [۱] فرمایا پھر قبر تاحد نظر فراخ ہو جاتی ہے اور جب بدکار یا کافر بندہ دفن کیا جاتا ہے تو اس سے قبر کہتی ہے کہ نہ تو خوش آمدید ہے نہ تو گھر میں آیا [۲] تو مجھے ان سب ہی سے زیادہ ناپسند تھا جو میری پشت پر چلتے تھے [۳] تو آج جب کہ میں تیری والی بنائی گئی اور تو میری طرف لوٹا تو میرا معاملہ اپنے ساتھ دیکھ لینا [۴] فرماتے ہیں کہ پھر قبر اس سے سکڑ جاتی ہے حتی کہ مردہ کی پسلیاں ادھر کی اُدھر ہو جاتی ہے [۵] فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا تو بعض کو بعض کے اندر داخل کر دیا فرماتے ہیں اور اس پر ستر [۶] چھلے

خوشی ہوتی تھی معلوم ہوا کہ مومن بندہ زمین کو بھی پیارا ہوتا ہے۔ [۱] یعنی میری پشت پر رہکر تو نے مجھے خوش کیا اب جب تو میرے پیٹ میں آیا ہے تو میں تجھے خوش کروں گی معلوم ہوا کہ نیک بندے سے ساری روئے زمین خوش رہتی ہے [۲] یعنی اے کافر تو اپنے گھر سے سفر میں آیا ہے کیونکہ کافر کا گھر دنیا ہے اور مومن کا گھر آخرت لہذا مومن مرکر اپنے گھر میں جاتا ہے کافر مرکر گھر سے جاتا ہے کافر کی موت چھوٹنے کا ذریعہ ہے مومن کی موت ملنے کا ذریعہ مومن ہنستا ہوا مرتا ہے کافر روتا ہوا۔ ع یار خنداں رود بجانب یار۔ خیال رہے کہ قرآن وحدیث میں مومن وکافر کی جزاء وسزا کا ذکر ہوتا ہے مگر گنہگاروں کا ذکر نہیں ہوتا ان کی پردہ پوشی کیلئے اور تاکہ گنہگار امید وڈر کے درمیان رہیں دمرقات، [۳] یعنی تو میری پشت پر تو شرک وکفر وگناہ کرتا تھا۔ جس سے مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی معلوم ہوا کہ انسان کے کفر وگناہ سے زمین بلکہ ہر چیز کو تکلیف ہوتی ہے [۴] اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین اور فرشتوں کو رب تعالٰی کی طرف سے سزا دینے کا اختیار رہتا ہے وہ بااختیار سزا دیتے ہیں ورنہ وُلّیت اور صنیعی کے کچھ معنی نہ ہونگے [۵] خیال رہے کہ بعض گناہوں کی وجہ سے گنہگار مومن پر بھی عذاب قبر ہو جاتا ہے مگر وہ عذاب عارضی ہوتا ہے کسی نیک بندہ کے وہاں گزر جانے زندوں کی دعا کر دینے جمعہ یا بڑے دن کے آجانے سے ختم ہو جاتا ہے مگر کافر کا یہ عذاب دائمی ہوتا ہے یہاں دائمی عذاب مراد ہے اللہ تعالٰے محفوظ رکھے۔

تِنِّينًا لَوْ اَنَّ وَاحِدًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْاَرْضِ مَا اَنْبَتَتْ شَيْئًا مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا فَتَنْسَنَهُ وَيَخْدِشْنَهُ حَتّٰى يَقْضِيْ بِهٖ اِلَى الْحِسَابِ قَالَ وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ: وَعَنْ اَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ

سانپ مسلط کر دیے جاتے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک زمین میں پھونک مار دے تو رہتی دنیا تک زمین کچھ نہ اگائے لہ وہ اسے کاٹتے اور نوچتے ہیں حتی کہ اسے حساب تک پہونچایا جاوے فرماتے ہیں اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے (ترمذی) روایت ہے حضرت ابو جحیفہ سے فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہوگئے لہ فرمایا

لہ پتلے سانپ میں زہر زیادہ ہوتا ہے موٹے سانپ یعنی اژدھے میں زہر یا تو ہوتا نہیں یا بہت ہی کم ہوتا ہے ۲ یعنی وہ سانپ اس قدر زہریلے ہوتے ہیں ان کی سانس ایسی گرم ہوتی ہے کہ زمین کو لگ جاوے تو زمین قابل کاشت نہ رہے آج جہاں ایٹم بم پڑ جاوے وہاں کی زمین پختہ اینٹ کی طرح ہو کر ناقابل کاشت بن جاتی ہے وہ تو قدرتی زہر ہے اس پر تعجب یا اس کا انکار نہیں کرنا چاہیے اللہ کا عذاب اس کی پکڑ بہت سخت ہے ان بطش ربک لشدید۔

۳ یعنی یہ عذاب قبر کافر کو قیامت تک ہوگا محشر اور دوزخ کا عذاب جو بعد قیامت ہوگا۔ وہ اس کے علاوہ ہے۔

۴ اس طرح کہ مومن کی قبر میں جنت کی خوشبوئیں وہاں کی تروتازگی آتی رہتی ہیں کافر کی قبر میں دوزخ کی گرمی وہاں کی بدبو پہنچتی رہتی ہے۔ بزرگوں کی قبروں کو اردو میں روضہ کہتے ہیں فلاں بزرگ کا روضہ یہ لفظ اسی حدیث سے ماخوذ ہے یعنی جنت کا باغ:

۵ اس طرح کہ حضور پر ضعف کے آثار نمودار ہیں حتی کہ اکثر نماز بھی بیٹھ کر پڑھتے ہیں یہ مطلب نہیں کہ آپ کے بال سفید یا نگاہ کمزور ہوگئی کیونکہ حضور انور کے سر مبارک ڈاڑھی شریف اور ریش بچی میں بیس سے کم بال سفید تھے (از مرقات) حتی کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ ہم نے شمار کی ہے آپکے کل چودہ بال سفید تھے (مرقات) بعض روایات میں ہے کہ چودہ بال سر شریف میں پانچ بال ڈاڑھی میں ایک بال ریش بچی میں۔

شَيَّبَتْنِي سُوْرَةُ هُوْدٍ وَأَخَوَاتُهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ أَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ شِبْتَ قَالَ شَيَّبَتْنِي هُوْدٌ وَالْوَاقِعَةُ الْمُرْسَلَاتُ وَعَمَّ يَتَسَاءَلُوْنَ وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ لَا يَلِجُ النَّارَ فِيْ كِتَابِ الْجِهَادِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ أَنَسٍ قَالَ إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُوْنَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ فِيْ أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ كُنَّا لَنَعُدُّهَا عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْمُوْبِقَاتِ يَعْنِي الْمُهْلِكَاتِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا[1] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ بوڑھے ہوگئے فرمایا مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ سورہ المرسلات اور عم یتساءلون اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا[2] ترمذی اور جناب ابوہریرہ کی حدیث کہ آگ میں داخل نہ ہوگا الخ کتاب الجہاد میں ذکر کردی گئی۔ تیسری فصل روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے عمل کرتے ہو جو تمہاری نگاہوں میں بال سے زیادہ باریک ہیں[3] ہم انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موبقات یعنی ہلاک کرنے والے سمجھتے تھے[4] (بخاری)

[1] یعنی جن سورتوں میں عذاب الٰہی کا ذکر ہے ان کے عذاب سے مجھے اپنی امت پر خوف ان کی فکر اسی قدر ہے کہ اس فکر نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ اس ایک بزرگ نے خواب میں حضور کی زیارت کی یہ ہی حدیث پیش کی فرمایا۔ حدیث صحیح ہے ہم نے یہ فرمایا ہے اس نے پوچھا کونسی آیت نے حضور کو بوڑھا کیا۔ فرمایا فاستقم کما امرت ومن تاب معك (مرقات) امت کی استقامت بڑی مشکل چیز ہے جس کی فکر حضور کو ہے [2] یعنی ان سورتوں میں عذاب الٰہی کا ذکر ہے جن سے مجھے اپنی امت کی فکر ہے [3] یعنی معمولی روزمرّہ کے گناہ جو عادۃً ہوتے رہتے ہیں جیسے بدنظری۔ یا زبان سے جھوٹ۔ غیبت کا نکل جانا جنہیں تم نہایت معمولی سمجھتے ہو۔ مرقات نے اس عبارت کے یہ معنی کئے کردہ اعمال جنہیں تم باریک نظری سے نیکیاں سمجھتے ہو انہیں کھینچ تان کر اچھا جانتے ہو [4] یعنی ہم انہیں ہلاک کر دینے والے گناہ سمجھتے تھے معلوم ہوا کہ چھوٹے گناہوں کو برا سمجھنا ان سے بہت ڈرنا بچنا قوت ایمانی کی دلیل ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ تابعین کے زمانہ میں بہت سی بری بدعتیں ایجاد ہوچکی تھیں جنہیں لوگ نیکی سمجھتے تھے اور واقعہ میں وہ گناہ تھے۔ آج بعض لوگ نماز کی پرواہ نہیں کرتے تلاوت قرآن کے قریب نہیں جاتے دن رات گانا بجانا ڈھول ڈھما کا حتی کہ بھنگ چرس

وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا عَائِشَةُ اِیَّاكِ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّ لَھَا مِنَ اللّٰہِ طَالِبًا رَوَاہُ ابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِیُّ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ ۔ وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ بْنِ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ لِیْ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ ھَلْ تَدْرِیْ مَا قَالَ اَبِیْ لِاَبِیْكَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ فَاِنَّ اَبِیْ

روایت ہے حضرت عائشہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم حقیر و معمولی گناہوں سے بھی رہو[1] کہ ان کے متعلق بھی اللہ کی طرف سے مطالبہ کرنے والا ہے[2] (ابن ماجہ۔ دارمی بیہقی۔ شعب الایمان) روایت ہے حضرت ابوبردہ ابن ابوموسیٰ سے[3] فرماتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میرے والد نے تمہارے والد سے کیا کہا تھا[4] میں نے عرض کیا نہیں فرمایا کہ میرے والد نے

میں مشغول رہتے ہیں اور اسے خدارسی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو ولی سمجھتے ہیں ؎

کار شیطاں می کند نامش ولی گر ولی ایں است لعنت بر ولی

[1] یعنی صرف گناہ کبیرہ سے بچنے پر کفایت نہ کرو بلکہ گناہ صغیرہ سے بھی بچتے رہو اگر ہو جاویں تو ان کے کفارہ کے لئے نیک اعمال کرو اور جلد توبہ کرلو۔ خیال رہے کہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنا گناہ کبیرہ ہے شیطان اولًا چھوٹے گناہ کراتا ہے پھر بڑے گناہوں میں لگا دیتا ہے پھر عقیدے خراب کرتا ہے سنتیں بلکہ مستحبات ایمان کے خزانہ کی پہلی دیوار ہے یہاں ہی شریعت کا پہرا رکھو

[2] طالب سے مراد یا اعمال لکھنے والا فرشتہ ہے یعنی چھوٹے گناہوں کی بھی تحریر ہو رہی ہے یا قیامت میں بازپرس کرنے والا فرشتہ جو رب تعالٰی کی طرف سے اس پر مقرر ہے یا اس سے مراد ہے عذاب الٰہی جو گنہگاروں کے پیچھے لگا ہوا ہے خلاصہ یہ کہ کوئی گناہ چھوٹا سمجھ کر کرنہ لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے اور کوئی نیکی چھوٹی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک قطرہ پانی جان بچا لیتا ہے نہایت ہی اعلیٰ تعلیم ہے۔

[3] آپ عامر ابن عبداللہ ابن قیس اشعری ہیں مشہور تابعین سے ہیں اپنے والد اور حضرت علی سے ملاقات کی قاضی شریح کے بعد آپ ہی کوفہ کے قاضی ہوئے حجاج نے آپ کو معزول کیا۔

[4] یعنی ایک دفعہ حضرت عمر فاروق اور حضرت ابوموسیٰ اشعری آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ دوران گفتگو میں کیا بات چیت ہوئی تھی کیا تمہیں خبر ہے۔ خیال رہے کہ اس وقت حضرت عمر فاروق پر خوف الٰہی کا دریا موجیں مار رہا تھا۔ اس حال میں آپ نے یہ فرمایا:

قَالَ لِاَبِيْكَ يَا اَبَا مُوْسٰى هَلْ يَسُرُّكَ اَنَّ اِسْلَامَنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِجْرَتَنَا مَعَهٗ وَجِهَادَنَا مَعَهٗ وَعَمَلَنَا كُلَّهٗ مَعَهٗ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ كُلَّ عَمَلٍ عَمِلْنَا بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَاْسًا بِرَاْسٍ فَقَالَ اَبُوْكَ لِاَبِيْ لَا وَاللّٰهِ قَدْ جَاهَدْنَا بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَصَلَّيْنَا وَصُمْنَا وَعَمِلْنَا خَيْرًا كَثِيْرًا وَاَسْلَمَ عَلٰى اَيْدِيْنَا بَشَرٌ كَثِيْرٌ وَاِنَّا لَنَرْجُوْا ذَالِكَ فَقَالَ اَبِيْ وَلٰكِنِّيْ اَنَا وَالَّذِيْ

تمہارے والد سے فرمایا کہ اے ابو موسٰے کیا تم کو یہ پسند ہے کہ ہمارا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنا آپ کے ساتھ جہاد کرنا اور حضور کے ساتھ ہمارے سارے اعمال جو ثابت ہوئے اور یہ کہ ہر کام جو ہم نے حضور کے بعد کئے ہم اس سے نجات پا جائیں پورا پورا[1] تو تمہارے والد نے میرے والد سے کہا نہیں واللہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاد کئے اور نمازیں پڑھیں روزے رکھے اور بہت سے اچھے عمل کئے اور ہمارے ہاتھوں پر بہت لوگ ایمان لائے اور ہم ان کی امید رکھتے ہیں[2] میرے والد نے کہا کہ لیکن میں تو اس کی قسم

[1] یعنی ہم نے کچھ نیک اعمال تو حضور انور کی موجودگی میں کئے اور کچھ نیک اعمال حضور کے بعد اگر یہ تمام نیکیاں مل کر ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جاویں کہ ہم کو ثواب ملے نہ ہم کو عذاب تو کیا تم اس پر راضی ہو خیال رہے کہ بَرَدَ ماضی ہے برودۃ کا معنی ٹھنڈک حدیث شریف میں سردی کے روزوں کو غنیمت باردہ فرمایا گیا برد کے معنی ہوئے نیک اعمال ہمارے لئے ٹھنڈک ہوگئے یعنی منضبط نہ ہوئے باقی رہے۔ حضرت عمر جیسی ہستی کے اعمال حضور کے زمانہ میں اور بعد میں گنتے ہیں جیسے آسمان کے تارے کہ نہ تاروں کی شمار ہے نہ حضرت عمر کی نیکیوں کی شمار ان کا یہ فرمان ہے بتواب ہم کس شمار میں ہیں۔ [2] یعنی ہم اس کفاف ہوجانے پر راضی نہیں حضرت ابو موسٰی پر امید کا غلبہ ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم رب تعالٰی کے اس فیصلہ پر راضی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اگر رب تعالٰی ہم سے یہ پوچھے تو ہم راضی نہ ہوں ہم عرض کریں کہ مولٰی ہم کو بڑا اجر دے ہم پر بڑا فضل کرے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے — خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

بندے پر بعض وقت ایسے آتے ہیں کہ رب تعالٰی بندہ کی رضا چاہتا ہے ولسوف یعطیک ربک فترضٰی اور حضرت ابوبکر صدیق کے لئے فرماتا ہے ولسوف یرضٰی۔

نَفْسُ عُمَرَ بِيَدِهٖ لَوَدِدْتُّ اَنَّ ذٰلِكَ بَرَدَ لَنَا وَاَنَّ كُلَّ شَيْءٍ عَمِلْنَا بَعْدَهٗ نَجَوْنَا مِنْهُ كَفَافًا رَاْسًا بِرَاْسٍ فَقُلْتُ اِنَّ اَبَاكَ وَاللّٰهِ كَانَ خَيْرًا مِنْ اَبِيْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِيْ رَبِّيْ بِتِسْعٍ خَشْيَةِ اللّٰهِ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَكَلِمَةِ الْعَدْلِ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا وَالْقَصْدِ فِي الْفَقْرِ

جس کے قبضہ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو تمنا کرتا ہوں [۱] کہ یہ سب کچھ ہمارے لئے ثابت اور یہ کہ ہم نے اس کے بعد جو کام کئے ہیں [۲] ان سے نجات پا جائیں برابر سر برابر [۳] تو میں نے کہا یقیناً تمہارے باپ اللہ کی قسم میرے باپ سے بہتر تھے [۴] (بخاری) روایت ہے حضرت ابو ھریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مجھے میرے رب نے نو چیزوں کا حکم دیا اللہ سے ڈرنا خفیہ اور ظاہر [۵] اور انصاف کی بات کرنا غصہ اور رضا میں [۶] درمیانی چال فقیری

[۱] یعنی اے ابو موسیٰ تمہاری امید کا یہ حال ہے اور میرے خوف کا یہ عالم ہے کہ میں تو یہ ہی غنیمت سمجھتا ہوں [۲] یعنی جو عبادات اور جہاد وغیرہ ہم نے حضور انور کے زمانہ میں کئے اور جو کچھ بعد میں کئے یہ سب ملائے جاویں [۳] یہ سارے اعمال ہمارے گناہوں کا کفارہ بن جاویں کہ ہم کو اللہ کے عذاب سے نجات مل جائے نہ جنت ملے نہ دوزخ [۴] اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس معاملہ میں آپ کے والد حضرت عمر میرے والد حضرت ابو موسیٰ سے بہتر تھے کہ ان پر خوف الٰہی کا غلبہ تھا اور میرے والد پر امید کا غلبہ خوف امید سے افضل ہے کہ خوف ہی سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اللہ اکبر آپکے والد تو میرے والد سے کہیں بہتر تھے کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے خلیفۃ المسلمین۔ غازی اسلام فاتح بلدان تھے پھر ان کے خوف وخشیت کا یہ حال تھا تو ہم لوگ کس شمار میں ہیں۔ خیال رہے کہ بندہ کو رب سے جتنا قرب زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی خوف زیادہ رب تعالیٰ فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء حضور فرماتے ہیں انا اعلمکم باللہ و اخشاکم۔ اللہ تعالیٰ حضرت فاروق کے صدقہ میں ہم کو اپنا خوف دے۔

[۵] خوف ہر ڈر کو کہتے ہیں مگر خشیت وہ ڈر جس کے ساتھ تعظیم و توقیر ہو تقویٰ وہ ڈر جس کے ساتھ اطاعت ہو خفیہ وظاہر خوف یہ ہے کہ چہرہ پر آثار خوف نمودار ہوں اور دل میں بھی اللہ کا خوف ہو یا علانیہ بھی اچھے اعمال کرنے اور تنہائی میں بھی ایسی کی وہاں قدر ہے۔

[۶] انسان کسی سے خوش ہوتا ہے تو اس کی جھوٹی تعریفیں کرتا ہے اور جب اس پر غصہ آتا ہے تو اسے جھوٹے عیب لگاتا ہے یہ دونوں چیزیں بری ہیں ہر حال میں اپنے اور دوسرے کے متعلق انصاف کی بات کرے۔

وَالْغِنٰی وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِیْ وَاُعْطِیَ مَنْ حَرَمَنِیْ وَاَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِیْ وَاَنْ یَّکُوْنَ صَمْتِیْ فِکْرًا وَنُطْقِیْ ذِکْرًا وَنَظْرِیْ عِبْرَۃً وَاٰمُرَ بِالْعُرْفِ وَقِیْلَ بِالْمَعْرُوْفِ رَوَاہُ رَزِیْنٌ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ مُؤْمِنٍ یَّخْرُجُ مِنْ عَیْنَیْہِ دُمُوْعٌ وَاِنْ کَانَ مِثْلَ رَاْسِ الذُّبَابِ مِنْ خَشْیَۃِ اللّٰہِ ثُمَّ یُصِیْبُ شَیْئًا مِنْ حُرِّ وَجْھِہٖ اِلَّا حَرَّمَہُ اللّٰہُ عَلَی النَّارِ رَوَاہُ

اور امیری میں[۱] اور یہ کہ میں اس سے جوڑوں جو مجھ سے توڑے اور اسے دوں جو مجھے محروم کرے اور اسکو معافی دوں جو مجھ پر ظلم کرے[۲] اور یہ کہ میری خاموشی فکر ہو میرا بولنا ذکر میرا دیکھنا عبرت ہو اور حکم دوں اچھائی کا اور کہا گیا کہ اچھی باتوں کا[۳] (رزین) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایسا کوئی بندہ مومن نہیں جس کی آنکھوں سے آنسو نکلیں اگرچہ مکھی کے سر برابر ہوں اللہ کے خوف سے[۴] پھر وہ آنسو اس کے چہرے کے ظاہری حصہ کو پہنچیں[۵] مگر اسے اللہ آگ پر حرام فرمادے گا

[۱] اس طرح کہ نہ تو امیری میں اترائے نہ غریبی میں گھبرائے دل کا حال اپنی چال ہر وقت یکساں رکھے اس سے انسان بہت آرام میں رہتا ہے [۲] یہاں معافی سے مراد اخلاقی معافی ہے نہ کہ مجبوری کی معافی یعنی بدلہ لینے پر قدرت ہو پھر معافی دیدی جاوے جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے دربار میں آئے ہوئے بھائیوں کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ فتح فرماکر سب اہل مکہ کو معافی دیدی یہ معافی کمال ہے قرآن مجید کی جو معافی کی آئتیں منسوخ ہیں وہاں مجبوری وکمزوری کی معافی مراد ہے جیسے واصفح واعرض عن المشرکین. یا وعفو واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہٖ [۳] یعنی جب خاموش رہوں تو رب کی نعمتیں اس کی قدرتیں سوچوں اور جب بولوں تو اللہ کی حمد تلاوت قرآن تبلیغ لوگوں کو رہبری کروں کوئی ناجائز بات منہ سے نکالوں ہر دنیاوی گفتگو میں اللہ کا ذکر شامل رکھوں، غرضکہ میری حرکت وسکون طاعت الٰہی میں ہو عرف ومعروف دونوں کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اچھی بات بعض نے کہا کہ عرف عام ہے معروف خاص معروف اچھے کام اور عرف اچھا کلام اور اچھے کام اچھی بات کا حکم دنیاوی چیز نہیں ہے بلکہ نطقی ذکر کا بیان ہے [۴] خوف سے عام ڈر مراد ہے خواہ گنہگار کو اللہ کے عذاب کا خوف ہو خواہ نیک کار کو اللہ تعالٰی کی ہیبت ہو۔ خیال رہے کہ یہاں خوف کے رونے کی جزاء کا ذکر ہے۔ یعنی دوزخ سے نجات۔ ذوق۔ شوق کا رونا اس سے افضل اس کی جزاء ان شاء اللہ جنت کی عطا ہوگی۔
[۵] حر۔ح کے پیش ر کے شد سے بمعنی چہرے کا سامنے والا حصہ یعنی آنسو اس قدر نکلیں کہ اس کے

اِبْنُ مَاجَۃ: بَابُ تَغَیُّرِ النَّاسِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا النَّاسُ کَالْاِبِلِ الْمِائَۃِ لَا تَکَادُ تَجِدُ فِیْھَا رَاحِلَۃً مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ

(ابن ماجہ) لوگوں میں تبدیلی کا بیان ۱؎ پہلی فصل روایت ہے۔ حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ ان سو اونٹوں کی طرح ہیں ۲؎ جن میں تم ایک بھی سواری کے قابل نہ پاؤ گے ۳؎ (مسلم۔ بخاری) روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے سے اگلوں کی راہ چلو گے

چہرے پر بہہ کر آجاویں بہتا خون وضو توڑ دیتا ہے بہتا آنسو گناہ توڑ دیتا ہے۔

۱؎ یعنی مختلف زمانوں میں لوگوں کے مختلف حالات ہو جانے کا بیان چنانچہ زمانہ نبوی میں لوگوں میں دین پر استقامت شریعت کی اتباع۔ دنیا سے بے رغبتی۔ دنیاوی دولت و عزت پر غرور نہ ہونا۔ نیک اعمال پر پابندی۔ دل کی نورانیت۔ باطنی صفائی کمال درجہ کی تھی بعد میں وہ کمال نہ رہا آخر زمانہ میں اس کے برعکس ہو جاوے گا۔

۲؎ یہاں الناس سے مراد آخر زمانہ کے لوگ ہیں قریب قیامت لوگوں کا یہ حال ہو گا زمانۂ رسالت میں اگرچہ حضرات صحابہ کے درجات مختلف تھے مگر سب عادل۔ ثقہ۔ مومن۔ صالح تھے۔ لہذا اس حدیث سے شیعہ دلیل نہیں پکڑ سکتے کہ سارے صحابہ گمراہ فاسق تھے۔ سوا حضرت علی۔ بلال۔ سلمان چار پانچ صحابہ کے کہ یہ معنی قرآن کریم کی صریحی آیات کے خلاف ہیں اس لئے یہ حدیث تغیر الناس میں مذکور ہوئی اگلی حدیث بھی اسی معنی کی تائید کر رہی ہے۔ حضور نے فرمایا اصحابی کالنجوم۔ قرآن کریم فرماتا ہے فلا اقسم بمواقع النجوم اس آیت و حدیث نے صحابہ کو تارے فرمایا۔

۳؎ راحلہ بنا رحل سے بمعنی کجاوہ جس پر بوجھ رکھا جاوے یا آدمی سوار ہو۔ یعنی جیسے سو اونٹ ہوں۔ جو رنگ روپ۔ جسامت میں یکساں معلوم ہوتے ہوں مگر سواری یا بوجھ لادنے کے قابل ایک بھی نہ ہو، بس کھانے پینے کے لئے ہی ہوں ایسے ہی لوگ ہو جائیں گے شکل و صورت۔ بات چیت میں بڑے اچھے ہوں گے مگر معاملہ کے قابل ایک نہ ہو گا جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے انسان کی آزمائش معاملہ پڑنے پر ہوتی ہے نماز، روزہ۔ حج و زکوۃ آسان ہے۔ معاملہ کی صفائی بڑی مشکل ہے۔

قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى قَالَ فَمَنْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؛ وَعَنْ مِرْدَاسٍ الْاَسْلَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْهَبُ الصَّالِحُوْنَ الْاَوَّلُ وَتَبْقٰى حُفَالَةٌ كَحُفَالَةِ الشَّعِيْرِ

بالشت بالشت کے مطابق اور گز گز کے مطابق [1] حتی کہ اگر وہ گوہ کے سوراخ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے چلو گے [2] عرض کیا گیا یا رسول اللہ کیا یہود و نصاری کے فرمایا تو اور کون [3] (مسلم بخاری) روایت ہے۔ مرداس اسلمی [4] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نیک لوگ آگے پیچھے چلے جائیں گے اور بھوسی رہ جاوے گی جیسے جو کی

[1] سنن جمع ہے سنت کی بمعنی طریقہ۔ روش خواہ اچھا ہو یا برا یہاں برا طریقہ مراد ہے اگلوں سے مراد یہودی اور نصاری ہیں یعنی تم ان یہود و نصاری کی نقال بنو گے اور رسم و رواج ان کی چال ڈھال پسند کرو گے اسے ہی اختیار کرو گے بالکل ان کے مطابق ہو جاؤ گے جیسے ایک ہاتھ کا بالشت دوسرے ہاتھ کے بالشت کے بالکل برابر ہوتا ہے یا جیسے ایک گز دوسرے گز کے بالکل برابر دیکھ لو آج ہمارا کیا حال ہے یہ فرمان سنو اور اپنا حال دیکھو۔ ہندو، سکھ، پارسی، مجوسی سب اپنی شکل اپنی لباس کو اپنی وضع قطع کو پسند کرتے ہیں مگر مسلمان ہیں کہ عیسائیوں کی نقل میں فنا ہوئے جا رہے ہیں سر دیسی ہے بال انگریزی منہ دیسی ہے زبان انگریزی غذا دیسی ہے اسے کھاتے ہیں انگریزی طریقے سے۔

[2] یعنی اگر عیسائی ایسا کام کریں جس میں نفع کوئی نہ ہو نری تکلیف ہی ہو تو تم ان کی نقالی میں وہ کام ضرور کرو گے ہم نے دیکھا کہ سخت سردی ہے مگر صاحب بہادر سر نہیں ڈھکتے "ننگے سر پھرتے ہیں بیمار ہو جاتے ہیں منہ سے بھی روتے ہیں۔ اور آنکھوں ناک سے بھی روٹی کھاتے ہیں کھڑے ہو کر بلکہ گھوم گھوم کر جنٹلمین اور ان کی عورتیں نیم عریاں لباس بنتے ہیں پوچھو ان حرکتوں میں فائدہ کیا ہے صرف نقصان اور تکلیف ہی ہے یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور اس غیب دان نبی کے علم کے قربان۔

[3] یعنی اگلوں سے یہ ہی قومیں مراد ہیں یہاں مرقات نے فرمایا کہ انسان معجون مرکب ہے اس میں حیوانیت بھی ہے اور ملکیت بھی (فرشتے کے صفات) اگر انسان پر ملکیت غالب آجاوے تو فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور اگر اس پر حیوانیت کا غلبہ ہو جاوے تو اسفل السافلین میں پہونچ جاتا ہے حاکم نے بروایت حضرت ابن عباس حدیث نقل کی کہ اگر عیسائی سڑکوں پر اپنی بیویوں سے صحبت کریں گے تو تم بھی ایسا ہی کرو گے (مرقات)

[4] آپ صحابی ہیں بیعت الرضوان میں شریک تھے آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے قیس ابن حازم کی روایت سے ؛

أَوِ التَّمْرِ لَا يُبَالِيهِمُ اللّٰهُ بَالَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَشَتْ اُمَّتِي الْمُطَيْطِيَاءَ وَخَدَمَهُمْ اَبْنَاءُ الْمُلُوْكِ اَبْنَاءُ فَارِسَ وَالرُّوْمِ سَلَّطَ اللّٰهُ شِرَارَهَا عَلٰى خِيَارِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

یا چھوہاروں کی بھوسی اللہ تعالٰی ان کی مطلقًا کوئی پرواہ نہ کرے گا[1] (بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت اکڑ کر چلے[2] اور شاہزادے یعنی فارس و روم کے بچے ان کی خدمت کریں[3] تو اللہ ان کے بہتروں پر بدتروں کو مسلط کر دے گا[4] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے روایت ہے حضرت حذیفہ سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

[1] جو کی بھوسی یا خرما کا کوڑا جو کسی کام نہ آسکے اس سے مراد وہ نفس پرست مسلمان ہیں جن کے صرف نام مسلمانوں کے سے ہوں باقی وہ دین یا قوم یا وطن کے لئے مطلقًا مفید نہ ہوں اگر چھلکا مغز کے ساتھ رہے تو اس کی بھی قدر ہو جاتی ہے۔ مغز سے علیحدہ ہو کر پھینکا ہی جاتا ہے اگر برُوں کے ساتھ اچھے بھی ہوں تو یہ بھی تر جاتے ہیں اگر اچھے نکل جاویں تو ڈوب جاتے ہیں یہاں یہ ہی فرمایا گیا کہ جب تک ان میں اچھے رہیں گے تب تک رب تعالٰی ان کی پرواہ کرے گا اچھوں کے اٹھ جانے پر ان بروں کی کوئی قدر نہ ہوگی ہر طرح غضب میں گرفتار ہوں گے [2] مطیطیا میم کے پیش اور پہلی ط کے فتحہ سے اس کا مادہ مطی ہے یعنی اکڑ غرور رب تعالٰی فرماتا ہے ثم ذھب الی اھلہ یتمطی. معلوم ہوا کہ متکبرین کی طرح چلنا بھی اللہ کے عذاب کا سبب ہے مسلمان کی نشست و برخاست چلنے پھرنے میں تواضع اور انکسار چاہئے رب تعالٰی فرماتا ہے واقصد فی مشیك اور فرماتا ہے ولا تمش فی الارض مرحًا۔

[3] یعنی مسلمان فارس و روم کے ملک فتح کریں وہاں کے شہزادے غلام اور شہزادیاں لونڈیاں بن جاویں تو ان مسلمانوں کا وہ حال ہوگا جو آگے مذکور ہے۔ [4] چنانچہ دیکھ لو عہد فاروقی میں روم و فارس فتح ہوئے تو مسلمانوں نے عثمان غنی کو شہید کیا اور کچھ عرصہ بعد یزید۔ حجاج جیسے ظالم بنی امیہ ان پر مسلط ہو گئے۔ یہ خبر حضور کا معجزہ ہے نفس انسانی تکالیف میں ٹھیک رہتا ہے اس حدیث پاک میں تین غیبی خبریں ہیں۔ آئندہ فارس و روم فتح ہونا شہزادوں، شہزادیوں کا مسلمانوں کا غلام و لونڈی بننا مسلمانوں پر بدترین لوگوں کا حاکم بن جانا۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَقْتُلُوْا إِمَامَكُمْ وَتَجْتَلِدُوْا بِأَسْيَافِكُمْ وَيَرِثَ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ❊ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكُوْنَ أَسْعَدَ النَّاسِ بِالدُّنْيَا لُكَعُ ابْنُ لُكَعٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ ❊ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ إِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ

قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تم لوگ اپنے امام کو قتل کروگے اور اپنی تلواروں سے اور تمہارے بدترین لوگ تمہاری دنیا کے وارث ہوجائیں گے[1] روایت ہے ان ہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نہیں قائم ہوگی قیامت حتی کہ دنیا کا کامیاب ترین شخص خبیث کے بچے خبیث ہونگے[2] (ترمذی۔بیہقی۔دلائل النبوۃ) روایت ہے حضرت محمد ابن کعب قرظی سے[3] فرماتے ہیں کہ مجھے اس شخص نے خبردی جس نے حضرت علی ابن طالب کو فرماتے سنا[4] کہ ہم رسول اللہ

[1] یہ تینوں باتیں عہد عثمانی اور اس کے بعد ہوچکیں اور قریب قیامت بھی ہونگی غالبًا وہ ہی واقعے مراد ہیں جو قریب قیامت ہوں گے مسلمانوں نے اپنے خلیفہ عثمان غنی کو قتل بھی کیا پھر زمانہ حیدری میں آپس میں کشت وخون بھی بہت کیے پھر بدترین لوگ بادشاہ بھی بنے جیسے یزید۔حجاج وغیرہ [2] لکع لام کے پیش کاف کے فتحہ سے معنی خبیث۔احمق۔نادان۔بے سمجھ بچہ یہاں بمعنے خبیث یا بمعنی احمق ہے یعنی قوم کے شرار سلطان۔حاکم وہ لوگ بنیں گے جو خاندانی خبیث ہونگے جنہیں دین سے کوئی تعلق نہ ہوگا دوسری حدیث میں جو حضرت حسین کو لکع فرمایا گیا وہاں بمعنی ناسمجھ بچہ پیارا لخت جگر ہے یہاں لمعات میں ہے کہ لکع زمین سے چمٹا ہوا میل ہے ذلیل خبیث نادان کو لکع اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خباثت اور نادانی اس کے لئے لازم ہوتی ہے۔

[3] آپ تابعی ہیں بنی قریظہ سے ہیں جو یہود مدینہ تھے آپ کے والد کعب قرظی اس وقت بچے تھے جب بنی قریظہ کو قتل کیا گیا اس لئے وہ قتل سے بچ گئے تھے (مرقات)

[4] حضرت علی سے یہ سننے والے اگر صحابی ہیں تو حدیث صحیح ہے کہ صحابی سارے کے سارے عادل ثقہ ہیں اگر ان کا نام معلوم نہ ہو تو جرح نہیں اور اگر یہ سننے والے صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں تو تابعی کی جہالت قابل مغفرت ہے (مرقات) مگر اس صورت میں حدیث مجہول ہوگی۔

رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ اِلَّا بُرْدَةٌ لَهٗ مَرْقُوْعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى لِلَّذِيْ كَانَ فِيْهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِيْ هُوَ فِيْهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ اِذَا غَدَا اَحَدُكُمْ فِيْ حُلَّةٍ وَّرَاحَ فِيْ حُلَّةٍ

صلے اللہ علیہ وسلم مسجد میں بیٹھے تھے [1] کہ اچانک ہم پر مصعب ابن عمیر نمودار ہوئے [2] جن پر صرف ایک چادر تھی چمڑے سے پیوند کی ہوئی تو جب انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو حضور رو پڑے اسی نعمت کے خیال سے جس میں وہ پہلے تھے اور اسی حالت سے جس میں وہ آج ہیں [3] پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت تم کیسے ہوگے جب تم میں سے کوئی ایک جوڑے میں صبح ملے گا اور دوسرے جوڑے

[1] مسجد نبوی میں یا مسجد قبا میں پہلا احتمال قوی ہے [2] آپ قریشی مکی اور عبدری ہیں آپ اسلام کے پہلے بڑے دولتمند نہایت خوش خوراک اور خوش لباس تھے بیعت عقبہ کے بعد حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ہی مدینہ منورہ کا مبلغ قرار دیا آپ نے وہاں اسلام کی بہت اشاعت فرمائی اور ہفتہ میں ایک دن اجتماع کا رکھا اتفاقاً وہ دن جمعہ مقرر ہوا گویا جمعہ کی بنیاد آپکے ہاتھوں قدرتی طور پر ہوئی۔ بعد ہجرت آپ صفہ والوں میں مقرر ہوئے اور آپ کی عزت و افلاس یا ترک دنیا کا وہ حال ہوا جو یہاں مذکور ہے خیال رہے کہ مدینہ منورہ میں پہلے حضرت مصعب ابن عمیر اور عبداللہ ابن ام مکتوم پہونچے پھر حضرت بلال سعد ابن ابی وقاص اور عمار ابن یاسر پہونچے پھر حضرت عمر بیس صحابہ کرام کے ساتھ پہونچے (بخاری شریف جلد اول ص۵۵۵ باب مقدم النبی واصحابہ المدینہ) حضرت مصعب جنگ احد میں شہید ہوئے آپ کو کفن تو کیا پوری ایک چادر بھی نہ ملی پاؤں شریف کو گھاس سے چھپایا گیا۔ آپ کے بارے میں یہ آیت آئی رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ چالیس سال کی عمر میں شہید ہوئے (اشعہ) [3] جب حضور انور نے آپ کی کپڑے کی چادر میں چمڑے کا پیوند دیکھا یعنی اتنا کپڑا میسر نہ تھا کہ اس سے پھٹی چادر میں پیوند لگالیں اور حضور نے ان کا گذشتہ عیش کا زمانہ یاد فرمایا تو رو پڑے یا ان پر رحم فرماتے ہوئے یا ان کے ترک دنیا اور آخرت کے درجات پر خوشی سے رضے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے خیال رہے کہ حضور انور کی ترک دنیا پر حضرت عمر روئے تو حضور انور نے انہیں رونے سے منع فرمادیا وہ حضور انور کا صبر ہے اور یہاں حضرت مصعب پر خود روئے یہ حضور کی رحمت ہے حضور کی اپنی امت کی تکالیف پر صابر ہیں امت کی تکلیفوں کو برداشت نہیں فرماتے تھے روتے تھے۔

وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرٰى وَ سَتَرْتُمْ بُيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِّنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِّنْكُمْ يَوْمَئِذٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ؛ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِيْ

میں شام [1] اور اس کے سامنے ایک پیالہ رکھا جاوے گا اور دوسرا اٹھایا جاوے گا [2] اور تم اپنے گھروں کو ایسے کپڑے پہناؤ گے جیسے کعبہ پہنایا جاتا ہے [3] تو صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ہم اس دن آج کے دن سے اچھے ہوں گے کہ عبادت سے فارغ ہوں گے اور کام کاج سے بچالئے جاویں گے فرمایا نہیں تم آج اچھے اس دن کے مقابلہ میں [4] (ترمذی) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگوں پر

[1] یہ فرمان عام صحابہ سے ہے حضرت مصعب اس میں داخل نہیں کیونکہ آپ نے وہ وسعت و فراخی کا زمانہ نہیں پایا یہ فراخی فتوحات فاروقی اور سخاوت عثمانی سے ہوئی آپ تو احد میں ہی شہید ہوگئے تھے [2] یعنی تمہارے گھروں میں بریک وقت چند کھانے پکا کرینگے جو تمہائے خدام تمہارے پاس آگے پیچھے لاکر پیش کریں گے عرب میں چند کھانے یکدم سامنے نہیں رکھے جاتے بلکہ آگے پیچھے لائے جاتے ہیں بعض امیر گھرانوں میں یہاں بھی یہ عقیدہ ہے معلوم ہوا کہ بریک وقت چند کھانے صحابہ کرام کے زمانہ میں جاری ہوگیا تھا۔ یہ بدعت حسنہ ہے (دیکھو شامی)

[3] یعنی آج تو صرف کعبہ معظمہ کی دیواروں پر غلاف چڑھایا جاتا ہے مگر اس زمانہ میں تمہاری مالداری کا یہ حال ہوگا کہ تم اپنی چھتوں اپنی دیواروں کو اعلےٰ درجہ کے غلافوں سے چھپاؤ گے معلوم ہوا کہ یہ عمل بھی ناجائز نہیں ہے نہ اسراف ہے بلکہ جائز ہے اگرچہ بہتر نہ ہو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی مگر اسے ناجائز نہ کہا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں اس عمل پر ناپسندیدگی فرمائی گئی ہے کہ وہاں بہتر نہ ہونے کی بنا پر ناپسندیدگی ہے۔

[4] یا اس لئے آج بہتر ہو کہ آج تم آپس کے بہت سے فتنوں سے بچے ہوئے ہو اس زمانہ میں فتنے زیادہ ہوں گے یا اس لئے کہ آج تم فقیر صابر ہو اس دن غنی شاکر ہو گے اور فقیر صابر افضل ہے غنی شاکر سے دیکھا گیا ہے کہ بمقابلہ امیروں کے فقیر مسلمان عبادات زیادہ کرتے ہیں۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ کافر فقیر کا عذاب بمقابلہ کافر غنی کے ہلکا ہوگا اسی طرح مومن فقیر کا ثواب عمومًا مومن غنی سے زیادہ ہوگا (مرقات)۔

عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ إِسْنَادًا وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ خِيَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ سُمَحَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ شُوْرٰى بَيْنَكُمْ فَظَهْرُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَإِذَا كَانَ أُمَرَاؤُكُمْ شِرَارَكُمْ وَأَغْنِيَاؤُكُمْ بُخَلَاءَكُمْ وَأُمُوْرُكُمْ

ایک زمانہ ایسا آوے گا[1] کہ ان میں اپنے دین پر صبر کرنے والا چنگاری پکڑنے والے کی طرح ہوگا[2] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث اسناد سے غریب ہے روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تمہارے حکام تم میں بہترین ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے سخی ہوں اور تمہارے کام تمہارے آپس کے مشورہ سے ہوں[3] تو تمہارے لئے کہ زمین کی پشت اس کے پیٹ سے بہتر ہے[4] اور جب تمہارے حکام تم میں سے بدترین ہوں اور تمہارے مالدار تم میں سے کنجوس ہوں اور تمہارے کام

[1] یہ زمانہ قریب قیامت ہوگا جس کی ابتدا آج ہو چکی ہے فی زمانہ دیندار بن کر رہنا مشکل ہے آج ڈاڑھی رکھنا نماز کی پابندی کرنا دوبھر ہو گیا ہے سود سے بچنا تو قریبًا ناممکن ہی ہے۔

[2] یعنی جیسے ہاتھ میں انگارا رکھنا بہت ہی بڑے صابر کا کام ہے یوں ہی اس وقت مخلص کامل مسلمان بننا سخت مشکل ہوجاویگا اس لئے فرمایا گیا کہ اس زمانہ میں ایمان پر قائم رہنے والے کو پچاس صحابہ کے اعمال کی برابر ثواب ملے گا۔

[3] یعنی جب تک کہ بادشاہ اور حاکموں میں تقویٰ۔ دینداری رہے امیروں میں سخاوت خدا ترسی رہے اور تمہارے گھروں کے کام گھر والوں کے مشورہ سے قومی کام قوم کے مشورہ سے ملکی کام ملک والوں کے مشورے سے ہوا کریں تم میں جمہوریت شخصیت نہ ہو رب تعالٰی فرماتا ہے وشاورھم فی الامر اور فرماتا ہے وامرھم شورٰی بینھم۔ خیال رہے کہ اللہ رسول کے احکام میں کسی مشورہ کی گنجائش نہیں مشورہ والے کاموں میں ضرور مشورہ کرے نماز روزے کے لئے مشورہ کی ضرورت نہیں ملکی انتظامات بچوں کی شادی بیاہ کے لئے ضرور مشورہ کرو۔

[4] یعنی ان حالات میں تمہاری زندگی موت سے بہتر ہے کہ اس زندگی میں تم نیکیاں بڑھا کر آخرت کا توشہ زیادہ جمع کرلوگے۔

إِلَى نِسَائِكُمْ فَبَطْنُ الْأَرْضِ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ
وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْأُمَمُ أَنْ تَدَاعَى
عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْأَكَلَةُ إِلَى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ
نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ أَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ

تمہاری عورتوں کے سپرد ہوں ۱ تو زمین کا پیٹ تمہارے لئے اس کی پیٹھ سے بہتر ہے ۲ (ترمذی) اور ترمذی
نے کہا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے
کہ امتیں تم پر ایک دوسرے کو ایسی دعوت دیں جیسے کھانے والے اپنے پیالہ کی طرف ۳ تو کوئی کہنے والا بولا کیا اس دن
ہماری کمی کی وجہ سے ایسا ہوگا ۴ فرمایا بلکہ تم اس دن بہت ہوگے لیکن تم سیلاب کے میل کی طرح ایک

۱ یعنی بادشاہ حکام ظالم۔ فاسق ہوں جن کے دلوں میں نہ خدا کا خوف ہو نہ نبی کی شرم امیروں میں غربا پروری قوم و ملک کی
خدمت کا جذبہ نہ رہے انہیں اپنے خزانہ بھرنے کی ہی فکر ہے گھر کی کار مختار عورتیں ہی ہو جاویں کہ وہ جو چاہیں سو کریں مرد ان کے
ماتحت ہو جاویں یہ تینوں لعنتیں آج دیکھی جا رہی ہیں۔ پہلے قحط سالی میں امیر لوگ غربا پروری کرتے تھے اب غریبوں کا خون چوس
کر اور زیادہ امیر بننے کی کوشش کرتے ہیں گھروں میں عورتیں خود مختار ہیں مردوں کی کچھ نہیں چلتی حکام اور عدالتوں کے حال بالکل
ظاہر ہیں ملک میں انتشار جرموں کی زیادتی عام چوری ڈکیتی قتل خون عدالتوں کے خرچ انہیں کے سہارے ہو رہے ہیں آج انصاف
ملتا نہیں بکتا ہے اس کے لئے لوہے کے پاؤں چاندی کے ہاتھ نوح علیہ السلام کی عمر چاہئے اللہ سے فریاد ہے ۲ کیونکہ اس زمانہ
میں زندگی فتنوں سے گھری ہوگی انسان زندگی میں گناہ زیادہ کریگا۔ موت راحت کا ذریعہ ہوگی قبر گھر سے بہتر ہوگی ایسی حالت میں
اگر مسلمان اپنی موت کی تمنا یا دعا کرے تو گنہگار نہ ہوگا جیسا کہ روایات میں ہے۔

۳ یعنی کفار کی قومیں یہود، نصاریٰ، مشرکین، مجوسی وغیرہ تم کو مٹانے کے لئے متفق ہو جاویں بلکہ ایک دوسرے کو دعوت دیں
کہ آؤ مسلمانوں کو مٹاتے انہیں ستاتے ہیں تم بھی ہمارے ساتھ شریک ہو جاؤ یہ حالات اب شروع ہو چکے ہیں دیکھو یہودی
اور عیسائی ایک دوسرے کے دشمن ہیں مگر آج مسلمانوں کو مٹانے کے لئے دونوں بلکہ ان کے ساتھ مشرکین بھی ایک ہو گئے
ہیں یہ ہے اس فرمان عالی کا ظہور حضور کا ایک ایک لفظ حق ہے۔ ۴ یعنی ہمارے مقابلہ میں جو کفار کے حوصلے
اتنے بلند ہو جاویں گے کیا اس کی وجہ یہ ہوگی اس زمانہ میں ہماری تعداد تھوڑی ہوگئی ہوگی آج ہماری تعداد زیادہ
ہی ہے اس سے کفار پر ہماری دھاک بیٹھی ہے۔

السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ ٭ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ اِلَّا اَلْقَى اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ وَلَا فَشَا الزِّنَا فِيْ قَوْمٍ اِلَّا كَثُرَ فِيْهِمُ الْمَوْتُ وَلَا نَقَصَ قَوْمٌ الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ

سیل بن جاؤ گے [۱] اور اللہ تمہارے دشمن کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال دے گا اور تمہارے دل میں سستی ضعف ڈال دے گا [۲] کسی کہنے والے نے عرض کیا یارسول اللہ وہن کیا چیز ہے فرمایا دنیا کی محبت اور موت سے ڈر [۳] (ابوداؤد۔ بیہقی۔ دلائل النبوت) تیسری فصل روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں نہیں ظاہر ہوتی خیانت کسی قوم میں مگر اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے [۴] اور نہیں پھیلتا زنا کسی قوم میں مگر ان میں موت زیادہ ہوجاتی ہے [۵] اور نہیں کم کرتی کوئی قوم ناپ تول

[۱] یعنی بمقابلہ آج تمہاری تعداد اس دن سے زیادہ ہوگی مگر تم ایسے ہوگے جیسے سمندر میں پانی کا میل دیکھاوا زیادہ حقیقت کچھ نہیں بزدلی۔ نااتفاقی۔ پریشانی دل۔ آرام طلبی عقل کی کمی۔ موت سے ڈر۔ دنیا سے محبت تم میں بہت ہوجاوے گی (مرقات) ان وجوہ سے کفار کے دل سے تمہاری ہیبت نکال دی جاوے گی [۲] وھن بمعنی سستی ضعف۔ کمزوری مشقت یہاں بمعنی سستی ہے یا بمعنی ضعف رب تعالٰی فرماتا ہے۔ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ اور فرماتا ہے رب اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ۔ یعنی تم دل کے کمزور سست ہوجاؤ گے جہاد سے دل چراؤ گے۔

[۳] یعنی اس سستی وضعف کا سبب دو چیزیں ہیں ایک دنیا میں رغبت دوسرے موت کا خوف جس قوم میں یہ دو چیزیں جمع ہوجاویں وہ عزت کی زندگی نہیں گزار سکتی خیال رہے کہ حب دنیا اور موت سے نفرت لازم ملزوم چیزیں ہیں [۴] یعنی جو قوم خیانت کرنے کی عادی ہوگی اس کا اثر یہ ہوگا کہ اس قوم کے دل میں ہمت وجرأت نہ رہے گی دشمن کا خوف اس پر غالب ہوگا امین کا دل قوی ہوتا ہے۔

[۵] یہاں موت سے مراد یا تو جسمانی موت ہے یا روحانی موت یعنی جس قوم میں زنا پھیلے گا اس میں وبا۔ طاعون وغیرہ پھیلے گی یا ایسی خوفناک جنگ آپڑے گی جس سے ان میں موت بہت واقع ہوگی یا اس میں صالحین علماء اٹھ جائیں گے آیندہ پیدا نہ ہوں گے۔ جس سے ان کی روحانی موت واقع ہوجاوے گی (مرقات) جیسے نیک اعمال میں تاثیر ویسے ہی گناہوں میں مختلف اثرات ہیں۔

اِلَّا قُطِعَ عَنْھُمُ الرِّزْقُ وَلَا حَکَمَ قَوْمٌ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّا فَشَا فِیْھِمُ الدَّمُ وَلَا خَتَرَ قَوْمٌ بِالْعَھْدِ اِلَّا سُلِّطَ عَلَیْھِمُ الْعَدُوُّ رَوَاہُ مَالِکٌ

بَابٌ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ عِیَاضِ بْنِ حِمَارِ الْمُجَاشِعِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ

مگر ان سے روزی کاٹ دی جاتی ہے [1] اور نہیں حکم کرتی کوئی قوم ناحق مگر ان میں خونریزی پھیل جاتی ہے [2] اور نہیں عہد توڑتی کوئی قوم مگر ان پر دشمن مسلط ہو جاتا ہے [3] (مالک)

باب [4] پہلی فصل روایت ہے حضرت عیاض ابن حمار مجاشعی سے [5] کہ رسول

[1] یعنی کم تولنے کی نحوست سے روزی کی برکت اُڑ جاتی ہے یا اس ذریعہ سے کمایا ہوا مال کسی نہ کسی وجہ سے آخر کار ہلاک ہو جاتا ہے پانی کی کمائی پانی میں ہی گمائی جاتا ہے اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے مگر لوگ عبرت نہیں پکڑتے حرام کمائی۔حاکم۔حکیم۔وکیل ہی کھاتے ہیں۔حلال میں برکت ہے حرام میں بے برکتی رب تعالٰی فرماتا ہے یمحق اللہ الربٰوا ویربی الصدقات اللہ سود کو مٹاتا ہے صدقات و خیرات بڑھاتا ہے۔کتیا سال میں چھ سات بچے دیتی ہے اور کوئی ذبح نہیں ہوتا۔گائے بکری سال میں ایک دو بچے دیتی ہیں اور روزانہ ہزاروں ذبح ہو جاتے ہیں مگر ریوڑ بکریوں گایوں کے ہی نکلتے ہیں کتوں کے نہیں [2] یعنی جب عدالتوں میں ظلم ہونے لگے وہاں ظالم سے مظلوم کا حق نہ دلوایا جاوے تو ملک میں خونریزی ہوتی ہے کہ پھر لوگ ظالموں سے بدلہ خود لیتے ہیں کچہریوں میں نہیں جاتے دیکھا گیا ہے کہ قاتل رشوت وغیرہ کے ذریعہ بری ہو کر گھر پہونچا کر مقتول کے وارثوں نے اسے اور اس کے بچوں گھر بار کو قتل کر دیا اگر قاتل کو پھانسی ہو جاتی تو اتنی جانیں برباد نہ ہوتیں ولکم فی القصاص حیٰوۃ [3] یختر بنا ہے ختر سے بمعنی غداری بدعہدی قرآن مجید میں ہے ان اللہ لا یحب کل ختار کفور یعنی بدعہد قوم پر دشمن مسلط کردیئے جاتے ہیں کہ ان کے دشمن ان کے حاکم بنتے ہیں۔

[4] مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں صرف باب ہے ترجمہ باب یعنی عنوان کے بغیر ہے جس کا مطلب ہے کہ متفرقات و ملحقات کا باب۔بعض نسخوں میں ہے باب الانذار والتحذیر۔انذار بمعنی ڈرانا۔تحذیر بمعنی احتیاط دلانا یا نصیحت کرنا لہذا انذار عام ہے اور تحذیر خاص کبھی بمعنی ڈرانا بھی آتا ہے رب تعالٰی فرماتا ہے ویحذرکم اللہ نفسہ۔

[5] مجاشع ایک قبیلہ ہے جو مجاشع ابن دارم کی طرف منسوب ہے حضرت عیاض اسی قبیلہ سے ہیں حضور انور کو ان سے بہت ہی محبت تھی انہوں نے ایک بار بحالت کفر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا حضور نے قبول نہ فرمایا پھر بعد اسلام ہدیہ بھیجا تو قبول فرمالیا آپ سے صرف یہ ہی ایک حدیث مروی ہے آخر میں بصرہ میں قیام رہا (اشعہ)

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ یَوْمٍ فِیْ خُطْبَتِہٖ اَلَا اِنَّ رَبِّیْ اَمَرَنِیْ اَنْ اُعَلِّمَکُمْ مَا جَھِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِیْ یَوْمِیْ ھٰذَا کُلُّ مَالٍ نَحَلْتُہٗ عَبْدًا حَلَالٌ وَاِنِّیْ خَلَقْتُ عِبَادِیْ حُنَفَاءَ کُلَّھُمْ وَاِنَّھُمْ اَتَتْھُمُ الشَّیَاطِیْنُ فَاجْتَالَتْھُمْ عَنْ دِیْنِھِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَیْھِمْ مَا اَحْلَلْتُ لَھُمْ وَاَمَرَتْھُمْ اَنْ یُّشْرِکُوْا بِیْ مَا لَمْ اُنْزِلْ بِہٖ سُلْطَانًا وَاِنَّ اللّٰہَ نَظَرَ اِلٰی اَھْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَھُمْ عَرَبَھُمْ وَعَجَمَھُمْ اِلَّا بَقَایَا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں فرمایا کہ آگاہ رہو کہ میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ سب سکھاؤں جو مجھے میرے رب نے سکھایا اس دن[۱] جو مال میں کسی بندہ کو دوں وہ حلال ہے[۲] اور میں نے اپنے بندوں کو پیدا کیا کہ وہ سارے برائیوں سے دور رہتے[۳] اور ان کے پاس شیاطین آئے تو انہیں دین سے پھیر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کردیں جو میں نے انکے لیے حلال کی تھیں[۴] اور انہیں مشورہ دیا کہ میرا شریک انہیں ٹھہرائیں جس پر میں نے کوئی دلیل نہ اتاری اور اللہ نے زمین والوں کی طرف نظر فرمائی تو ان سب عربیوں عجمیوں پر ناراض ہوا سوا بچے کچھے اہل کتاب کے[۵]

[۱] یعنی رب تعالٰی نے مجھے جو کچھ آج سکھایا ہے وہ تم کو سکھاؤں آج کے سکھانے سے مراد ہے آج کے بھیجے ہوئے احکام شرعیہ ورنہ حضور کو وہ باتیں بھی سکھائی گئی ہیں جو صرف حضور کے لئے ہیں ہم کو ان کی تعلیم ممنوع ہے [۲] یعنی میرا دیا ہوا ہر مال میرے بندوں کو حلال ہے کوئی بندہ اسے بغیر دلیل حرام نہ کہے اس میں مشرکین عرب کی تردید ہے جو بلا دلیل بحیرہ، سائبہ وصیلہ وغیرہ جانوروں کو حرام کہتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ اصل اشیاء میں حلال ہونا ہے جو ممنوع نہ ہو وہ حلال ہے اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو بلا دلیل حرام کا فتوٰی دیدیتے ہیں ختم کا کھانا حرام ہے گیارھویں کی شرینی حرام نعوذ باللہ [۳] یعنی میں نے انسانوں کو دین پر پیدا فرمایا وہ قالوا بلٰی والے عہد پر پیدا ہوئے پیدائش کے وقت کوئی کافر مشرک نہ تھا رب تعالٰی فرماتا ہے فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا [۴] یعنی شیطانوں نے انکے دلوں میں ڈالدیا کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے جیسے مشرکین عرب کے دل میں ڈالدیا کہ بحیرہ سائبہ جانور حرام ہیں یا بعض جاہلوں کے دل میں ڈالدیا کہ فلاں فلاں چیز حرام ہے جیسے مشرکین عرب کے دل میں ڈالدیا کہ بحیرہ اور سائبہ جانور حرام ہیں یا بعض جاہلوں کے دل میں ڈالدیا کہ گیارھویں عرس کا کھانا حرام ہے حرام کیلئے خاص ممانعت کی دلیل چاہیے جس چیز کا شریعت میں ذکر ہی نہ ہو وہ حلال ہے [۵] مقت بروزن نصر ماضی سے بنا ہے مقتٌ سے بمعنی ناراض یعنی اللہ تعالٰے سارے عربیوں عجمیوں پر ناراض ہوا کہ وہ سب کفر و شرک میں مبتلا ہوگئے تھے ہاں کچھ اہل کتاب جو اپنے اصل دین پر قاسم

وَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أُحَرِّقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ إِذًا يَثْلَغُوا رَأْسِي فَيَدَعُوهُ خُبْزَةً قَالَ اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا أَخْرَجُوكَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَأَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ

اور فرمایا کہ میں نے تم کو بھیجا ہے تاکہ تمہارا امتحان لوں اور تمہارے ذریعہ سے امتحان لوں[۱] اور میں نے تم پر ہر وہ کتاب اتاری جسے پانی نہ دھو سکے[۲] تم سوتے جاگتے پڑھو گے[۳] اور اللہ نے مجھے حکم دیا کہ قریش کو جلا ڈالوں[۴] تو میں نے عرض کیا یارب تب تو وہ میرا سر کچل دیں گے تو اسے روٹی کر چھوڑیں گے[۵] فرمایا تم انہیں نکالو جیسے انہوں نے تمہیں نکالا[۶] تم ان پر جہاد کرو ہم تمہیں سامان دیں گے[۷] تم خرچ کرو

رہے تھے مومن موحد تھے۔ ان سے راضی ہوا اور انہیں حضور پر ایمان لانے کی توفیق دے دی۔ [۱] یعنی اے میرے محبوب ہم نے آپ کو نبوت عطا فرمائی اس میں آپ کی بھی آزمائش ہے تبلیغ سے اور لوگوں کی آزمائش ہے قبول کرنے سے آپ پر تبلیغ فرض ہے لوگوں پر آپ کی بات قبول کرنا ضروری ہے [۲] یعنی وہ کتاب نہ تو منسوخ ہوگی نہ کسی کے بدلنے سے بدل جاوے گی یہ مطلب نہیں کہ قلمی قرآن شریف پانی سے دھلتا نہیں یا آگ سے جلتا نہیں یہاں یہ دھلنا جلنا مراد نہیں [۳] یعنی ہم تمہارے سینہ میں قرآن اس طرح محفوظ کردیں گے کہ آپ اسے بے تکلف سوتے جاگتے پڑھیں گے نہ بھولیں گے نہ اٹکیں گے [۴] جلانے سے مراد ہے ہلاک کرنا مطلب یہ ہے کہ مشرکین عرب کے لئے جزیہ نہیں ان کے لئے یا اسلام ہے یا قتل لہذا حدیث واضح ہے [۵] یعنی اے مولیٰ میں تو اکیلا ہوں کفار بہت ہیں میں اکیلا انہیں کیسے قتل کرسکتا ہوں وہ ہی مجھے ہلاک کردیں گے۔

[۶] یعنی کفار قریش کو ان کا وطن چھوڑنے پر مجبور کرو انہیں دیس نکالا دو کیونکہ انہوں نے آپ کو مکہ معظمہ چھوڑنے ہجرت کرنے پر مجبور کیا خیال رہے کہ اس فرمان پر عمل کا موقعہ ہی نہ آیا کیونکہ حضور کو مکہ معظمہ سے نکالنے والے قریشی کچھ تھوڑے جہادوں میں قتل ہوگئے باقی تمام کے تمام مسلمان ہوگئے کسی کو دیس نکالا دینے کی ضرورت ہی پیش نہ آئی لہذا حدیث واضح ہے بلکہ عکرمہ ابن ابوجہل فتح مکہ کے دن مکہ چھوڑ کر یمن بھاگ گئے تھے۔ حضور نے انہیں امن دے کر واپس بلالیا وہ مسلمان ہوگئے۔

[۷] اس عبارت میں اغز نصر ینصر سے ہے بمعنی جہاد کرنا نغزک باب افعال سے ہے بمعنی سامان جہاد دینا اس کا مصدر اغزاد ہے یعنی ہم تم کو قوت جہاد۔ جاں نثار غازی عطا فرمائیں گے اللہ تعالٰی نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمادیا۔

عَلَيْكَ وَابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِّثْلَهُ وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَ أَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ صَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّفَا فَجَعَلَ يُنَادِيْ يَا بَنِيْ فِهْرٍ يَا بَنِيْ عَدِيٍّ لِبُطُوْنِ قُرَيْشٍ

ہم تم پر خرچ کریں گے[۱] تم لشکر بھیجو ہم پانچ گنا لشکر بھیجیں گے[۲] اور اپنے فرمانبرداروں کے ساتھ اپنے نافرمانوں سے جنگ کرو[۳] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی کنبہ والوں کو ڈراؤ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے پھر پکارنے لگے[۴] کہ اے بنی فہر اے بنی عدی قریش کے خاندانوں کو[۵]

[۱] حق یہ ہے کہ یہاں خرچ سے مراد ہر قسم کا خرچ ہے یعنی اے محبوب آپ جہاد میں، اپنے غلاموں پر تاقیامت اپنے در کے نوکروں چاکروں پر خوب خرچ کئے جاؤ ہم تم کو دیئے جائیں گے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

ہر تو او باشد تو برا تا ابدیہ سلسلہ ہو۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے ووجدک عائلا فاغنیٰ اللہ نے آپ کو بڑا عیالدار پایا تو تم کو ایسا غنی کردیا کہ تم اس جیسے ہزاروں عالم پال لوگے (بخاری شریف کتاب التفسیر) آج بھی سارے علماء صوفیاء اولیاء حضور کے دروازے سے ہی پل رہے ہیں سارا عالم حضور کے خوان کرم سے کھا پی رہا ہے ؎

آسماں خوان زمین خوان زمانہ مہمان صاحب خانہ لقب کس کا تیرا تیرا

[۲] یعنی اگر تم کو ضرورت ہوگی تو ہم جہادوں میں انسانوں سے پانچ گنا فرشتے بھیجیں گے بدر میں پانچ ہزار فرشتے اترے مسلمانوں کے شانہ بشانہ کفار سے لڑے ورنہ ہلاک کرنے کے لیے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا[۳] یعنی صحابہ کو لیکر کفار عرب سے جنگ کرو یا تاقیامت اپنی امت کو لیکر کفار سے جنگ کرتے رہو اب بھی بہت جہادوں میں حضور مع صحابہ کرام شرکت فرماتے ہیں چھ ستمبر ۱۹۶۵ء میں جو ہندوستان پاکستان کی سترہ روزہ جنگ ہوئی اس میں اولیاء اللہ صحابہ کرام بلکہ خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس تشریف فرما تھے دمشق میں حضرت بلال قبر میں اذان دے رہے تھے کہ حی علی الجہاد۔ لوگوں نے یہ واقعات دیکھے اور وہ آذان سنی اسی کی برکت تھی اللہ نے پاکستان کو پانچ گنا طاقت پر فتح بخشی[۴] یہ حضور انور کی پہلی تبلیغ تھی جو صفا پہاڑ پر کی ہ والوں کو بلا کر کی گئی یہ بھی حضور انور کا معجزہ ہے کہ پہاڑ پر چڑھ کر سارے مکہ میں اپنی آواز پہنچا دی ورنہ پہاڑ کی چوٹی سے جو آواز دی جائے وہ نیچے نہیں پہنچ سکتی[۵] بڑے خاندان کو قبیلہ کہتے ہیں اس میں چھوٹے چھوٹے خاندانوں کو بطن اور فخذ کہتے ہیں مرقات نے فرمایا کہ قبیلہ جنس ہے بطن نوع فخذ و افصل قریشی تو

حَتّٰى اجْتَمَعُوْا فَقَالَ اَرَاَيْتَكُمْ لَوْ اَخْبَرْتُكُمْ اَنَّ خَيْلًا بِالْوَادِیْ تُرِيْدُ اَنْ تُغِيْرَ عَلَيْكُمْ اَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ قَالُوْا نَعَمْ مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ اِلَّا صِدْقًا قَالَ فَاِنِّیْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَیْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ فَقَالَ اَبُوْ لَهَبٍ تَبًّا لَّكَ سَائِرَ الْيَوْمِ لِهٰذَا جَمَعْتَنَا فَنَزَلَتْ تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِیْ رِوَايَةٍ نَادٰى يَا بَنِیْ عَبْدِ

حتیٰ کہ وہ جمع ہوگئے تو فرمایا بتاؤ تو اگر میں تمہیں خبر دوں کہ سواروں کا لشکر اس جنگل میں ہے تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے کیا تم مجھے سچا سمجھو گے [۱] وہ بولے ہاں ہم نے آپ پر ہمیشہ سچ ہی آزمایا ہے [۲] فرمایا تو میں تم کو سخت عذاب کے آگے ڈراتا ہوں۔ اس پر ابولہب بولا تم کو ہمیشہ کے لئے ہلاکت ہو کیا آپ نے ہم کو اسی لئے جمع کیا تھا تب یہ آیت اتری کہ ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوں اور وہ خود ہلاک ہو [۳] (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے

بہت بڑا خاندان نضر ابن کنانہ کی اولاد بنی عدی وغیرہ چھوٹے خاندان جیسے پٹھان بڑا قبیلہ ہے اور یوسف زئی۔ کمال زئی وغیرہ چھوٹے خاندان۔ [۱] یعنی تمہاری آنکھ کہتی ہے کہ ارد گرد میدانوں میں ایک آدمی بھی نہیں مگر میں کہوں کہ دشمن کے لشکروں سے میدان بھرا پڑا ہے تو تم اپنی آنکھ کی مانو گے یا میری زبان کی مانو گے [۲] یعنی اس صورت میں ہم اپنی آنکھ کی نہ مانیں گے آپ کی زبان کی مانیں گے کیونکہ ہماری آنکھ بارہا غلطی کر جاتی ہے مگر تمہاری زبان کبھی غلطی نہیں کرتی ماجربنا علیك كذبًا قط یہ تھی کفار کی عقیدت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق آج بعض کلمہ گو مسلمان حضور کے علم میں تردد کرتے ہیں کفار مکہ سے بدتر ہیں [۳] ابولہب کا نام عبد العزیٰ ابن عبد المطلب ہے چونکہ اس کا چہرہ شعلہ کی طرح سرخ اور چمکیلا تھا اسلئے اسے ابولہب کہا جاتا تھا۔ حضور کا چچا تھا اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پتھر اٹھایا حضور کو مارنے کے لیے اس لئے ارشاد باری ہوا کہ یہ دونوں ہاتھ ٹوٹ جاویں ہلاک ہو جاویں یا دونوں ہاتھوں سے مراد ہے اس کی دنیا و آخرت (اشعۃ اللمعات، مرقات) اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے [۱] تبلیغ کی ترتیب یہ ہونی چاہیئے کہ پہلے اپنے گھر والوں کو تبلیغ ہو پھر عزیزوں قرابت داروں محلہ والوں کو پھر دوسرے لوگوں کو [۲] حضور صلے اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت دونوں کو دیکھ رہے ہیں جیسے پہاڑ کی چوٹی پر آدمی چوطرفہ دور دور دیکھتا ہے اسی لئے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ تبلیغ پہاڑ پر کی تاکہ حضور کا مقام معلوم ہو۔

[۳] جہاد کے لئے قوت و طاقت ضروری ہے اسی لئے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جہاد کئے کہ ہجرت سے پہلے قوت نہ تھی۔

[۴] غیر خدا کی امداد شرک نہیں جہاد میں اللہ کے بندوں کی مدد لی جاتی ہے [۵] اللہ تعالٰے اپنے محبوب کا بدلہ ان کے دشمنوں م

مَنَافٍ اِنَّمَا مَثَلِیْ وَمَثَلُکُمْ کَمَثَلِ رَجُلٍ رَاٰی الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ یَرْبَا اَھْلَہٗ فَخَشِیَ اَنْ یَّسْبِقُوْہُ فَجَعَلَ یَھْتِفُ یَا صَبَاحَاہُ ۞ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ دَعَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُرَیْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ یَا بَنِیْ کَعْبِ بْنِ لُؤَیٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِّنَ النَّارِ یَا بَنِیْ مُرَّۃَ بْنِ کَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَکُمْ مِنَ النَّارِ یَا بَنِیْ ھَاشِمٍ

آواز دی کہ اے عبد مناف کی اولاد اور تمہاری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے دشمن کو دیکھا تو اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہوا چلا پھر ڈرا کہ دشمن اس سے پہلے ہی پہونچ جائے تو چیخنے لگا یا صباہ[۱] روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنے قریبی کنبہ والوں کو ڈراؤ[۲] تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش کو ندا دی چنانچہ وہ جمع ہو گئے تو حضور نے عام و خاص سے خطاب فرمایا[۳] ارشاد فرمایا اے بنی کعب بن لوی اپنی جانوں کو آگ سے بچالو اے مرہ ابن کعب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو اے عبد مناف کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو اے ہاشم کی اولاد

سے خود لیتا ہے دیکھو حضور نے ابولہب کو جواب نہ دیا رب نے دیا یہ ہی حال حضور کے ثنا خوانوں کا ہے۔ حضور کی تعریف کرو رب تمہاری تعریف کریگا دنیا تمہارے قدم چومے گی ؎

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثنا	مرتے دم تک اسکی مدحت کیجیئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا	اس پیارے سے محبت کیجیئے ۞

[۶] حضور کی معرفت ساری عبادات پر مقدم ہے رب کی معرفت بھی حضور کی معرفت چاہیئے دیکھو حضور انور نے پہلی تبلیغ میں اولاً اپنی پہچان کرائی ۞ [۱] عرب میں دستور تھا کہ کوئی شخص کسی خطرہ شدیدہ سے اپنی قوم کو مطلع کرتا تو اپنا کرتہ بانس پر ٹانگ کر بانس لیا پھرتا اور کہتا یا صبا سے نذیر عریانی کہتے تھے حضور وہ مثال دے رہے ہیں معلوم ہوا کہ حضور انور کی نگاہیں غیبی عذاب کا مشاہدہ کر رہی ہیں [۲] عشیرہ اور اقربین کا فرق ہماری تفسیر میں ملاحظہ فرمانا [۳] یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس اجتماع میں عمومی تبلیغ بھی کی اور خصوصی بھی کہ اے فلاں اے فلاں قبیلہ والے لوگو ادھر آؤ ایمان قبول کرو معلوم ہوا کہ خصوصی تبلیغ بھی سنت ہے اس کی تفصیل اگلا کلام ہے جبکہ کسی خاص شخص یا خاص قوم کے ایمان لانے سے دوسروں کے ایمان

اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا غَيْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي الْمُتَّفَقِ عَلَيْهِ

اپنی جانوں کو آگ سے بچالو۔ اے عبدالمطلب کی اولاد اپنی جانوں کو آگ سے بچالو ۲؎ اے فاطمہ اپنی جان آگ سے بچالو ۳؎ کہ میں اللہ کے مقابل تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں ۴؎ سوا اس کے کہ تم سے رشتہ داری ہے جس کی تری کو میں تر رکھوں گا اور مسلم۔ بخاری کی روایت میں ہے

کی امید ہو تو اسے خصوصی تبلیغ ضرور کی جائے حضور انور نے کفار بادشاہوں کو تبلیغی خطوط بھیجے۔ ۲؎ یہ ہیں حضور کی عمومی تبلیغیں چونکہ عرب میں قریش بہت عزت والے مانے جاتے تھے اور قریش میں ان مذکورہ خاندانوں کا بڑا وقار تھا اس لیے حضور انور نے ان خاندانوں کو مخاطب فرماکر تبلیغ فرمائی اپنی جانوں کو آگ سے بچانے کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ ایمان قبول کرو تاکہ تم نار جہنم سے بچ جاؤ اس آگ سے بچنے کا ذریعہ ایمان و اطاعت ہے ۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچوں کو بھی اسلام کی تبلیغ کی جائے کیونکہ اس وقت جناب فاطمہ چھوٹی بچی تھیں سب لوگوں کے سامنے علانیہ حضرت فاطمہ کو تبلیغ فرمانا لوگوں کو سنانے کے لئے ہے کہ بغیر ایمان قبول کئے نبی کی قرابتداری بلکہ نبی کی اولاد ہونا کافی نہیں۔ کنعان نبی زادہ تھا مگر کفر کی وجہ سے جہنمی ہوگیا۔ ایمان کی ضرورت سب کو ہے جیسے کوئی شخص سید ہو یا غیر سید دھوپ۔ ہوا۔ پانی۔ غذا سے مستغنی نہیں یوں ہی کوئی شخص ایمان۔ قرآن اعمال سے بے نیاز نہیں آج اپنے کو اعمال سے بے نیاز ماننے والے غذا۔ پانی۔ ہوا سے بے نیاز بن کے دکھائیں بلکہ ہر انسان ان چیزوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے مگر حضور کی ضرورت پھر بھی رہتی ہے کہ قبر و حشر میں حضور کی غلامی کا سوال ہوتا ہے ۴؎ یعنی اے فاطمہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا اور تم آخرت میں سزا کی مستحق ہوگئیں تو وہ سزا میں تم سے دفع نہیں کرسکتا اور تم عذاب الٰہی سے نہیں بچ سکتیں لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم کیونکہ اس آیت میں دنیاوی عذاب مراد ہے حضور کے برکت سے کفار پر دنیاوی عذاب نہیں آتا اور یہاں اخروی عذاب مراد ہے اور نہ اس حدیث شفاعت کے خلاف ہے کہ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کو بھی پہونچے گی کہ وہاں امت کا ذکر ہے۔ یہاں کفار کا ذکر ہے خیال رہے کہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے خدمت گار کافر کا عذاب ہلکا ہوسکتا ہے مگر دفع نہیں ہوسکتا ابو طالب کا عذاب بہت ہلکا ہے ابولہب کو سوموار کے دن عذاب ہلکا دیا جاتا ہے اور انگلی سے پانی ملتا ہے (بخاری شریف کتاب الرضاع) ابو طالب نے خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی اور ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے حضور کو دودھ پلایا۔ بہرحال یہ حدیث بالکل برحق ہے۔ ان۔

چھوٹے بچوں کو بھی تبلیغ کی جائے

قَالَ یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِشْتَرُوْا اَنْفُسَکُمْ لَا اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَ یَا صَفِیَّۃُ عَمَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا وَیَا فَاطِمَۃُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ سَلِیْنِیْ مَا شِئْتِ مِنْ مَّالِیْ لَا اُغْنِیْ عَنْکِ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا

اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُمَّتِیْ ھٰذِہٖ اُمَّۃٌ مَّرْحُوْمَۃٌ لَیْسَ عَلَیْھَا عَذَابٌ

کہ کہا اے قریش کے گروہ اپنی جانیں بچاؤ میں اللہ کے مقابل تم سے کچھ دفع نہیں کرسکتا اے صفیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی [۱] میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ بھی دفع نہیں کرسکتا اے فاطمہ محمد کی بیٹی تم جو چاہو مجھ سے میرا مال مانگ لو [۲] میں تم سے اللہ کے مقابل کچھ دفع نہیں کرسکتا

دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوموسے سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میری یہ امت رحمت والی ہے [۳] اس پر آخرت میں

آیات واحادیث کے خلاف نہیں۔ [۱] آپ صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں حضور کی پھوپھی زمانہ جاہلیت میں حارث ابن حرب کی بیوی تھیں حارث کی موت کے بعد عوام ابن خویلد کے نکاح میں آئیں ان سے زبیر ابن عوام پیدا ہوئے ۷۳ تہتر سال عمر پائی عہد فاروقی میں وفات ہوئی۔ جنت البقیع میں دفن ہوئی آپ کی قبر انور زیارت گاہ خلق ہے فقیر نے زیارت کی ہے اللہ پھر نصیب کرے۔ [۲] اللہ تعالٰی نے حضور انور کو بی بی خدیجہ کے مال سے غنی فرمادیا تھا فرمایا ہے وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی، لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ ہجرت سے پہلے حضور انور کے پاس نہیں تھا پھر یہ کیسے فرمایا۔ خیال رہے کہ حضرت خدیجہ نے حضور انور کو اپنی ذات اپنے مال کا مالک کردیا تھا رضی اللہ عنہا اعلٰی حضرت نے فرمایا؎

سیما پہلی ماں کہف امن واماں حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

نیز حضور ہجرت سے پہلے تجارت کرتے تھے اور بھی کام کرتے تھے [۳] اس فرمان عالی کا مطلب ابھی عرض ہوچکا اللہ تعالٰی حضور کے نام کی برکت سے حضور کے خدام کے صدقہ سے آفتیں مصیبتیں دفع فرما دیتا ہے حضور کا نام دافع بلا ہے یہاں اللہ کے مقابل اخروی عذاب کفار سے دفع فرمانے کی نفی ہے [۴] یعنی دوسرے نبیوں کی امت کے مقابل میری امت پر حق تعالٰی کی رحمت زیادہ ہے اس کی نیکیاں کم ثواب زیادہ ہیں گناہوں کی معافی کے ذریعے بہت جینے بچانے کے بہانے بہت زیادہ ہیں یہ صدقہ ہے رحمت والے آقا کا؎

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت وہ آئے لیکن آئے رحمۃ للعالمین ہوکر

فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابُھَا فِی الدُّنْیَا الْفِتَنُ وَالزَّلَازِلُ وَالْقَتْلُ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ۔ وَعَنْ اَبِیْ عُبَیْدَۃَ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ بَدَاَ نُبُوَّۃً وَّرَحْمَۃً ثُمَّ یَکُوْنُ خِلَافَۃً وَّرَحْمَۃً ثُمَّ مُلْکًا عَضُوْضًا ثُمَّ کَائِنٌ جَبْرِیَّۃً

عذاب نہیں [1] اس کا عذاب دنیا میں ہے فتنے۔ زلزلے اور قتل [2] ابوداؤد۔ روایت ہے حضرت ابوعبیدہ اور معاذ ابن جبل سے [3] وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ یہ کام شروع ہوا نبوۃ اور رحمت سے [4] پھر ہو جاوے گا خلافت اور رحمت [5] پھر ہو جاوے گا کٹ کھنی سلطنت [6] پھر ہو جاوے گا ظلم

[1] یعنی اس امت پر آخرت میں عذاب سخت نہیں یا عذاب رسوائی والا نہیں یا عذاب دائمی نہیں لہذا یہ فرمان عالی عذاب والی احادیث کے خلاف نہیں بعض شارحین نے کہا کہ اس امت کے گنہگاروں کے لئے عذاب قبر عذاب آخرت کا کفارہ ہے مگر پہلی بات قوی ہے یا چھوٹے گناہ اکثر کفارات سے بخشے جائیں گے ان پر عموماً عذاب نہ ہوگا [2] یعنی دنیاوی یہ مصیبتیں گناہ صغیرہ کا کفارہ بن جاتے ہیں حتی کہ کانٹا جو پاؤں میں چبھ جاوے وہ بھی کفارہ ہے [3] حضرت ابوعبیدہ ابن جراح امین امت اور عشرہ مبشرہ سے ہیں اور معاذ ابن جبل عظیم الشان صحابی ہیں ان کے حالات پہلے بیان ہوچکے یہ دونوں صاحب اس حدیث کے راوی ہیں [4] امر سے مراد دین اسلام ہے بدایا تو بدو سے بمعنی ظاہر ہونا یا بدایۃ سے بمعنی شروع ہونا یعنی دین اسلام کی ابتداء یا اس کا ظہور ہماری نبوت سے ہے اور یہ نبوت سراسر رحمت الٰہی ہے کیونکہ ہم رحمۃ للعالمین ہیں اور یہ امت مرحومہ ہے [5] یعنی ہمارے بعد کوئی نبی نہ آوے گا کہ ہم خاتم النبیین ہیں۔ ہمارے نائب ہوں گے ان کا زمانہ خلافت کا دور ہوگا کہ خلفاء نائب نبی ہونگے ان کی بیعت بیعت سلطنت بھی ہوگی اور بیعت ارادۃ بھی اس لئے اس زمانہ کے لوگ کسی کے مرید نہ بنیں گے اپنے خلیفہ کی رعایا بھی ہوں گے ان کے مرید بھی یہ زمانہ حضرات خلفاء راشدین تک رہا یعنی وفات شریف سے تیس سال تک خلفاء راشدین دین و دنیا دونوں کے پیشوا تھے ان کی بیعت حضور اقدس کی بیعت تھی۔

[6] عضوض بنا ہے عض سے بمعنی دانت سے کاٹ کھانا یعنی اس دور کے بعد خلافت راشدہ ختم ہوجاوے گی بادشاہوں میں صرف سلطنت رہ جاوے اور بادشاہ اکثر ظالم ہونگے اگر دو چار عادل ہوئے تو وہ شمار میں نہیں کہ اکثر کو کل کا حکم ہوتا ہے چنانچہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز بنی امیہ کے بادشاہوں میں سے ہیں مگر آپکا زمانہ نہایت ہی عدل وانصاف کا زمانہ ہوا آپ کے مناقب احادیث شریفہ میں مذکور ہیں (مرقات) لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ یہاں اکثریت کا ذکر ہے حضرت امیر معاویہ بھی اسلام کے

وَعُتُوًّا وَفَسَادًا فِي الْاَرْضِ يَسْتَحِلُّوْنَ الْحَرِيْرَ وَالْفُرُوْجَ وَالْخُمُوْرَ يُرْزَقُوْنَ عَلٰى ذٰلِكَ وَيُنْصَرُوْنَ حَتّٰى يَلْقَوُا اللّٰهَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ ۔ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ مَا يُكْفَاُ قَالَ زَيْدُ بْنُ يَحْيَى الرَّاوِيُّ

سرکشی اور زمین میں فساد ۱؎ کہ لوگ ریشم اور زنا اور شرابوں کو حلال سمجھیں گے ۲؎ اس کے باوجود روزی دیئے جائیں گے فتح دیئے جاویں گے حتی کہ اللہ سے ملیں گے ۳؎۔ (بیہقی۔ شعب الایمان) روایت ہے۔ حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں۔میں نے رسول اللہ صلے علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ شراب پہلی وہ چیز ہے جو اونڈیلی جاوے گی ۴؎ زید ابن یحیی راوی فرماتے ہیں

سلطان ہی ظالم نہیں کرو صحابی ہیں صحابہ ظالم نہیں ہوتے:

۱؎ یعنی کچھ عرصہ کے بعد ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جن سے زمین میں بڑا فساد پھیلے گا کہ نااہل سلطان ہوں گے نااہل ہی حکام، رعایا پر ظلم کریں گے نااہلوں کو عہدے دیں گے علماء صالحین کو ذلیل کریں گے مشرکین وکفار پر جہاد کرنے کی بجائے خود مسلمانوں سے لڑیں گے اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ جواب حکام یا بادشاہ کو عادل کہے وہ کافر ہے کچہریوں کو عدالت کہنا حرام ہے (مرقات) کہ اب کچہریاں عدالت نہیں بلکہ انسانوں کے مذبح ہیں نوے فی صدی ظلم ان کچہریوں کے سر پر ہو رہے ہیں۔ حضور کی پیش گوئی حرف بحرف ظاہر ہو رہی ہے اللہ تعالٰی زمانہ کی شر سے بچائے ۲؎ یعنی زنا۔ ریشم۔ شراب بے پرواہی سے استعمال کرینگے گویا بالکل حلال ہے یا یہ مطلب ہے کہ حیلے بہانے بنا کر انہیں حلال ثابت کرنے کی کوشش کرینگے یہ حدیث پڑھو اور آج کل کے حالات دیکھو یہ ہے اس غیب داں رسول کا علم غیب۔

۳؎ یعنی اللہ تعالٰی ان پر عذاب نہ بھیجے گا ان کے ظلموں کے باوجود وہ روزی پائیں گے اگر کبھی کفار پر جہاد کریں گے تو اللہ تعالٰی انہیں فتح دے گا کیونکہ اسی امت پر دنیا میں عذاب نہیں آئے گا اس فرمان عالی کا ظہور ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء اس جنگ میں ہوا جو بھارت اور پاکستان میں ہوئی اللہ تعالٰی نے پاکستان کو بھارت کی پانچ گنا طاقت پر فتح دی یہ اس کی مہربانی ہے اللہ سے ملنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کے سزا و جزا قیامت پر رکھی گئی ہے دنیا میں رحمت کا ظہور ہے۔

۴؎ اس وقت مجلس پاک میں شراب کی حرمت کا ذکر ہو رہا تھا تو حضور انور نے یہ فرمایا ان کی یا تو خبر پوشیدہ ہے یا اسم پوشیدہ ہے یعنی یا تو ان اول الاسلام یکفأ الخمر تھا یعنی میری امت اسلام کے احکام توڑے گی ان میں سے سب سے پہلے شراب کا حکم توڑے گی کہ اسے پینے لگے گی بعد میں دوسرے احکام توڑے گی (لمعات)۔

يَعْنِي الْإِسْلَامَ كَمَا يُكْفَأُ الْإِنَاءُ يَعْنِي الْخَمْرَ قِيلَ فَكَيْفَ يَا رَسُولَ اللهِ وَقَدْ بَيَّنَ اللهُ فِيهَا مَا بَيَّنَ قَالَ يُسَمُّونَهَا بِغَيْرِ اِسْمِهَا فَيَسْتَحِلُّونَهَا رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ۔ **اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ** عَنِ النُّعْمَانِ ابْنِ بَشِيرٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ النُّبُوَّةُ فِيكُمْ مَا شَاءَ اللهُ اَنْ تَكُونَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللهُ

کہ مراد اسلام ہے ۲؎ جیسے برتن سے اونڈیلی جاتی ہے یعنی شراب ۳؎ عرض کیا گیا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ کیسے ہوگا حالانکہ اللہ تعالٰے نے اس کے بارے میں واضح بیان فرمادیا ہے ۴؎ فرمایا کہ اس کا نام کچھ اور رکھ لیں گے پھر اسے حلال سمجھ لیں گے ۴؎ (دارمی) تیسری فصل روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے ۵؎ وہ حضرت حذیفہ سے راوی فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تم میں نبوت رہے گی جب تک اس کا رہنا اللہ چاہے پھر اسے اللہ اٹھالے گا ۶؎

۱؎ راوی اس فرمان کی شرح یوں کر رہے ہیں کہ گویا اسلام ایک گھڑا ہے جس میں احکام بھرے ہوئے ہیں گھڑے کو ٹیڑھا کرو تو اوپر کی چیز پہلے گرتی ہے نیچے کی چیزیں بعد میں۔ اسی طرح میری امت پہلے شراب کا حکم نکال پھینکے گی بعد میں دوسرے احکام، اشعہ میں ہے الاسلام سے پہلے فی پوشیدہ ہے یعنی اسلام میں پہلے شراب پی جائے گی ۲؎ یہ جملہ اس تشبیہ کا تتمہ ہے یہ بھی راوی کا قول ہے یعنی اسلام میں پہلی کونسی چیز پی جائے گی شراب (اشعہ) ۳؎ یعنی تعجب ہے کہ لوگ مسلمان پہلے شراب کا قانون توڑیں گے حالانکہ شراب کے متعلق قرآن و احادیث میں صاف صریح احکام وارد ہیں پھر یہ کیسے جرأت کریں گے ۴؎ یعنی شراب کو بنیز یا انگریزی میں وسکی کہہ کر پئیں گے کہیں گے یہ شراب نہیں یہ تو وسکی ہے یا بنیز ہے آج بھی بعض لوگ اس نام سے شراب پیتے ہیں ہر نشہ دینے والی چیز حرام ہے نام بدلنے سے حکم نہیں بدل جاتا۔ ۵؎ حضرت نعمان بھی صحابی ہیں ان کے والد بشیر بھی صحابی نعمان پہلے وہ بچے ہیں جو بعد اسلام انصار کے گھر پیدا ہوئے ان کی پیدائش پر انصار کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ مدینہ منورہ میں مشہور ہوگیا تھا کہ یہود نے انصار پر جادو کردیا ہے اب ان کے ہاں اولاد نہ ہوگی۔ حذیفہ ابن یمان حضور کے صاحب اسرار صحابی ہیں۔ ۶؎ یہاں نبوت سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا زمانہ ہے جب لوگ صحابی بنتے تھے یہ زمانہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہوگیا اور پھر خلافت کا زمانہ آگیا۔ اور حضور کی سلطنت کا زمانہ تاابد ہے وہ کبھی ختم نہ ہوگا نبی کی نبوت کا زمانہ اس کے نسخ سے ختم ہوتا ہے۔ حضور کی نبوت و سلطنت نہ کبھی منسوخ ہو نہ کبھی آپ کی نبوت جائے اب بھی حضور کا دور ہے حضور کا زمانہ ہے یہاں اٹھالے گا سے یہ ہی مراد ہے کہ ہماری وفات ہوجائے گی لوگ ہمارے دیدار کو ترس جائیں گے ؛

ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ تَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اللّٰهُ تَعَالٰى ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ نُبُوَّةٍ ثُمَّ سَكَتَ قَالَ حَبِيْبٌ فَلَمَّا قَامَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ كَتَبْتُ اِلَيْهِ

پھر ہوگی خلافت نبوت کے راستہ پر جب تک اللہ اس کا ہونا چاہے ۱؎ پھر اسے بھی اللہ اٹھائے گا ۲؎ پھر کٹکھنا ملک ہوگا ۳؎ پھر وہ رہے گا جب تک اللہ اس کا رہنا چاہے پھر اسے اللہ اٹھائے گا پھر جبریہ سلطنت ہوگی ۴؎ وہ بھی رہے گی جب تک اللہ اس کا رہنا چاہے پھر اسے اللہ اٹھائے گا پھر خلافت نبوۃ کی شہ راہ پر ہوگی ۵؎ پھر حضور خاموش ہوگئے حبیب کہتے ہیں ۶؎ پھر جب عمر ابن عبدالعزیز قائم ہوئے تو میں نے

۱؎ منہاج کے معنی ہیں وسیع راستہ (جرنیلی سڑک) رب تعالٰی فرماتا ہے "شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا"۔ یہاں منہاج سے مراد ظاہر و باطن فیوض ہیں یعنی اس خلافت میں نبوت کے ظاہری و باطنی فیوض ہوں گے یہ خلافت کل تیس سال رہے گی جیسا کہ دوسری حدیث شریف ہے

۲؎ چنانچہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے چھ ماہ خلافت کرکے اس لئے امیر معاویہ کے حق میں دست برداری فرمائی ان چھ ماہ پر تیس سال پورے ہوگئے اس کے بعد اسلام میں سلطنت کی بنیاد پڑی امیر معاویہ پہلے سلطان اسلام ہوئے۔

۳؎ کٹکھنے ملک کے معنی ابھی پہلے عرض کر دیئے گئے کہ اس زمانہ خلافت راشدہ جیسی نورانیت نہ ہوگی نہ اس زمانہ کا سا امن و امان ہوگا اس زمانہ میں بعض لوگ بعض کو کاٹ کھائیں گے یہ مطلب نہیں کہ وہ سلطنت لوگوں کو کاٹ کھائے گی یا سلطان ظالم ہوں گے ظلم والی بادشاہت کا ذکر تو آگے آرہا ہے ۴؎ کہ اس دور میں لوگوں کی مرضی کے خلاف جبرًا لوگ سلطان بن جاویں گے خود بھی ظالم ہوں گے اور ان کے حکام بھی ظالم ہوں گے۔

۵؎ اس خلافت سے مراد حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے جو قریب قیامت قائم ہوگی اس دور میں زمانہ رسالت کے تمام فیوض و برکات جاری ہوں گے اس درمیان میں اگرچہ بعضے بادشاہ بڑے عادل ہوں گے جیسے حضرت عمر ابن عبدالعزیز یا سلطان محی الدین اورنگ زیب عالمگیر وغیرہ مگر ان کی سلطنت خلافت علی منہاج النبوۃ نہ ہوگی (از مرقات و اشعہ)

۶؎ یہ حبیب ابن سالم ہیں حضرت نعمان ابن بشیر کے آزاد کردہ غلام وہ اس حدیث کے ایک راوی اور حضرت نعمان کے کاتب ہیں۔

بِهٰذَا الْحَدِيْثِ أُذَكِّرُهُ إِيَّاهُ وَقُلْتُ أَرْجُوْ أَنْ تَكُوْنَ أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بَعْدَ الْمُلْكِ الْعَاضِّ وَالْجَبْرِيَّةِ فَسُرَّ بِهٖ وَأَعْجَبَهٗ يَعْنِيْ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيْزِ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ فِيْ دَلَائِلِ النُّبُوَّةِ كِتَابُ الْفِتَنِ اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ فِيْ مَقَامِهٖ ذٰلِكَ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهٖ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ مَنْ

انہیں یہ حدیث لکھ بھیجی ہیں ان کو یہ حدیث یاد دلاتا تھا میں نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ آپ کٹکھنے اور جبریہ ملک کے بعد مسلمانوں کے امیر ہوئے ہم کو[۱] تو آپ اس سے بہت خوش ہوئے اور عمر ابن عبدالعزیز کو یہ بہت پسند آئی[۲] (احمد۔ بیہقی۔ دلائل النبوۃ) فتنوں کا بیان[۳] پہلی فصل روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں کہ ہم میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ قیام فرمایا[۴] آپ نے اسی جگہ میں قیامت تک ہونے والی کوئی چیز نہ چھوڑی مگر اس کی خبر دیدی[۵] جس نے اسے یاد رکھا اس نے یاد رکھا

[۱] سبحان اللہ کیسی احتیاط سے کام لیا کہ انہیں خلیفہ المسلمین نہ کہا نہ ان کی حکومت کو خلافت فرمایا بلکہ فرمایا کہ آپ ہیں تو سلطان اسلام مگر آپکے زمانہ میں عدل و انصاف کا دور دورہ ہے آپنے ظلم کی جڑیں کاٹ دیں عدل قائم کیا مسلمان آپ کو عمر ثانی کہتے تھے اور آپ کی حکومت کو خلافت فاروقی کا نمونہ کہا کرتے تھے [۲] یہ خوشی شکر یہ کی تھی کہ اللہ کا شکر ہے کہ لوگوں کا میرے متعلق یہ نیک گمان ہے لوگوں کی زبان ان کا گمان اللہ کی طرف سے ہوتا ہے [۳] فتن جمع ہے فتنۃ کی فتنہ کے کل چودہ معنی ہیں۔ محنت۔ آزمائش۔ پسند آنا کسی پر فریفتہ ہونا۔ گمراہ ہونا۔ گمراہ کرنا۔ گناہ۔ کفر۔ رسوائی۔ عذاب۔ سونا آگ میں گلانا۔ جنون۔ محنت۔ لوگوں کے آپس کے جھگڑے وفساد۔ (اشعۃ اللمعات) مؤلف اس بارے میں بہت سے باب باندھیں گے حتی کہ فضائل و مناقب کے باب بھی اسی بیان میں آئینگے ان بابوں میں ان معانی کا لحاظ ہے [۴] حضور انور کا یہ قیام آیندہ واقعات کی خبریں دینے کے لئے تھا، جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے [۵] یعنی حضور نے ہر چھوٹے بڑے واقعہ حتی کہ قطرہ قطرہ ذرہ ذرہ کا بیان فرما دیا یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے وعلمك ما لم تكن تعلم جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالے نے حضور کو ذرہ ذرہ قطرہ کا علم بخشا اتنے تھوڑے وقت میں یہ سب بیان فرما دینا حضور انور کا معجزہ ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام آن کی آن میں زبور شریف پڑھ لیتے تھے خیال رہے کہ اللہ تعالے نے حضور انور کو سب کچھ سکھا دیا جس سے حضور ان سب کے

حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ قَدْ عَلِمَهٗ اَصْحَابِیْ هٰؤُلَاءِ وَاِنَّهٗ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْئُ قَدْ نَسِيْتُهٗ فَاَرَاهُ فَاَذْكُرُهٗ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ اِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ اِذَا رَاٰهُ عَرَفَهٗ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُعْرَضُ الْفِتَنُ عَلَى الْقُلُوْبِ كَالْحَصِيْرِ عُوْدًا عُوْدًا فَاَیُّ قَلْبٍ اُشْرِبَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ وَاَیُّ قَلْبٍ اَنْكَرَهَا نُكِتَتْ فِيْهِ نُكْتَةٌ بَيْضَاءُ حَتّٰى

جو بھول گیا وہ بھول گیا[۱] یہ بات میرے یہ دوست جانتے ہیں[۲] ان واقعات میں سے کوئی چیز ہوتی ہے جسے میں بھول چکا ہوتا ہوں پھر اسے دیکھتا ہوں تو ایسے یاد کر لیتا ہوں جیسے کوئی شخص کسی کا چہرہ پہچان لیتا ہے جب وہ اس سے غائب رہا ہو پھر جب اسے دیکھے تو پہچان لے[۳] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ دلوں پر فتنے پیش آئیں گے[۴] جیسے چٹائی کا ایک ریگ جو دل فتنے پلا دیا گیا اس میں سیاہ دھبہ پیدا کردیں گے اور جو دل انہیں برا سمجھے اس میں سفید داغ پیدا ہو جاوے گا[۵] حتی کہ لوگ

عالم بن گئے مگر حضور انور نے حضرات صحابہ کو یہ سب کچھ بتادیا سکھایا نہیں جس سے وہ صحابہ ان سب کے عالم نہیں بن گئے لہذا صحابہ کا علم حضور کے برابر نہیں ہوگیا جیسے اللہ تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے وعلم آدم الاسماء کلھا جس سے وہ ان تمام کے عالم بن گئے مگر آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو یہ نام بتا دیئے سکھائے نہیں جس سے فرشتے عالم نہ بنے فلما انبأھم باسمائھم ۔ [۱] یہ ساری باتیں تو کسی ایک کو بھی یاد نہ رہیں بعض صحابہ کو زیادہ باتیں یاد رہیں بعض کو تھوڑی بعض کو بہت چیزیں بھول گئیں [۲] یعنی جو صحابہ آج موجود ہیں انہیں یہ واقعہ یاد ہے جو میں نے بیان کیا کہ حضور انور نے یہ سب باتیں ایک مجلس شریف میں بتائی تھیں [۳] یعنی بہت دفعہ واقعات ہمارے سامنے آکر ہم کو ہماری بھولی باتیں یاد دلا دیتے ہیں کہ حضور انور نے یہ فرمایا تھا دیکھو وہ واقعہ یہ ہے۔ جیسے بھولا بچھڑا آدمی سامنے آجاوے تو پہچان لیا جاتا ہے سبحان اللہ کیسی شاندار مثال ہے [۴] یہاں فتنوں سے مراد یا دنیاوی آفتیں اور مصیبتیں ہیں یا برے عقیدے برے اعمال ہیں وہ فتنے دور ہو جائیں گے مگر ان کے اثرات دلوں پر رہ جائیں گے جیسے مٹی یا ریتے پر چڑھائی بچھا دو تو چٹائی تو اٹھ جاتی ہے مگر اس کے نشان مٹی پر رہ جاتے ہیں۔ [۵] یعنی جو شخص ان فتنوں کو اچھا سمجھے گا اس کا دل سیاہ ہو جاوے گا وہ بے ایمان جیئے گا بے ایمان مرے گا اور جو ان فتنوں سے نفرت کرے گا

يَصِيرَ عَلٰى قَلْبَيْنِ اَبْيَضَ مِثْلَ الصَّفَا فَلَا تَضُرُّهٗ فِتْنَةٌ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَالْاٰخَرُ اَسْوَدُ مُرْبَادًّا كَالْكُوْزِ مُجَخِّيًا لَا يَعْرِفُ مَعْرُوْفًا وَلَا يُنْكِرُ مُنْكَرًا اِلَّا مَا اُشْرِبَ مِنْ هَوَاهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْهُ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيْثَيْنِ رَاَيْتُ اَحَدَهُمَا وَاَنَا اَنْتَظِرُ الْاٰخَرَ حَدَّثَنَا اَنَّ الْاَمَانَةَ

دو قسم کے دلوں پر ہو جائیں گے [1] ایک سفید جیسے سنگ مرمر اسے کوئی فتنہ نقصان نہ دے گا جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں اور دوسرا کالا راکھ ہمرنگ جیسے اوندھا کوزہ [2] وہ نہ بھلائی کو پہچانے نہ برائی کو برا جانے سوا اس خواہش کے جو اسے پلا دی گئی۔ [3] (مسلم) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دو خبریں بتائیں [4] جن میں سے ایک تو میں نے دیکھ لی اور دوسری کا منتظر ہوں [5] ہم کو خبر دی کہ امانت لوگوں

اس کا دل نورانی ہوگا یہاں پلائے جانے سے مراد پسند کرنا چاہنا ہے جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے واشربوا فی قلوبھم العجل۔

[1] یا تو لوگ دو قسم کے ہو جائیں گے کالے دل والے اور سفید دل والے یا لوگوں کے دل دو قسم کے ہو جائیں گے سفید اور کالے معلوم ہوا کہ گناہ سے الفت اور نفرت کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ پھر کبھی دل کا اثر چہرے پر نمودار ہو جاتا ہے چہرہ دل کی کتاب ہے۔

[2] یعنی اس کا دل سیاہ بھی ہوگا اور ناقابل تاثیر جیسے الٹا کوزہ کہ اس میں کوئی چیز نہیں ٹھہرتی ایسے ہی اس دل میں کسی نصیحت کرنے والے کی نصیحت ٹھہرے گی نہیں وہ دل کسی نصیحت کا اثر قبول نہ کرے گا یہ اللہ تعالٰی کا سخت عذاب ہے مجحن اجخاء کا اسم فاعل ہے بمعنی اوندھا اور الٹا ہو جانا۔

[3] یعنی وہ شخص بجز اپنی دل پسند چیز کے کسی کو اختیار میں نہ کرے گا اگرچہ کتنی ہی اچھی ہو اور سوائے اپنی ناپسندیدہ چیز کے کسی چیز کو چھوڑے گا ہی نہیں اگرچہ کتنی ہی بری ہو یہ ہے دل کی موت یا دل کا رین۔ رب فرماتا ہے کلا بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔

[4] یعنی فتنوں کے زمانوں میں امانت کے متعلق دو چیزیں دی لہذا یہ حدیث کتاب الفتن کے مناسب ہے۔

[5] حضور انور نے نزول امانت کی بھی خبر دی اور اس امانت کے اٹھ جانے کی بھی دی۔ میں نے امانت کا نزول تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اس کے اٹھ جانے کا منتظر ہوں نہ معلوم یہ واقعہ میری زندگی میں ہو یا میرے بعد۔

نَزَلَتْ فِيْ جَذْرِ قُلُوْبِ الرِّجَالِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ الْقُرْاٰنِ ثُمَّ عَلِمُوْا مِنَ السُّنَّةِ وَحَدَّثَنَا عَنْ رَفْعِهَا قَالَ يَنَامُ الرَّجُلُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ الْاَمَانَةُ مِنْ قَلْبِهٖ فَيَظَلُّ اَثَرُهَا مِثْلَ اَثَرِ الْوَكْتِ ثُمَّ يَنَامُ النَّوْمَةَ فَتُقْبَضُ فَيَبْقٰى اَثَرُهَا مِثْلُ اَثَرِ الْمَجْلِ كَجَمْرٍ دَحْرَجْتَهٗ عَلٰى رِجْلِكَ فَنَفِطَ فَتَرَاهُ مُنْتَبِرًا وَلَيْسَ

کے دلوں کے اصل میں اتری ہے ۱؎ پھر لوگوں نے قرآن سیکھا پھر حدیث سیکھا ۲؎ اور حضور نے ہم کو اس کے اٹھ جانے کی خبر دی ۳؎ فرمایا آدمی ایک نیند سودے گا تو اس کے دل سے امانت قبض کرلی جاوے گی ۴؎ تو اس کا اثر چھالے کی طرح رہ جاتا ہے ۵؎ پھر ایک نیند سوئے گا تو امانت قبض کرلی جاوے گی حتی کہ اس کا اثر آبلے کی طرح ہوجاوے گا ۶؎ جیسے تم اپنے پاؤں پر چنگاری لگاؤ تو ابھار ہوجاوے تم اسے پھولا ہوا

۱؎ امانت سے مراد یا تو ایمان ہے یا شرعی احکام رب تعالٰی فرماتا ہے ان عرضنا الامانۃ علی السموات ممکن ہے کہ اس سے مراد دیانتداری ہو خیانت کی مقابل۔ ۲؎ اس سے معلوم ہوا کہ دلوں میں توفیق خیر پہلے ہوتی ہے قرآن و حدیث کا سیکھنا عمل کرنا بعد میں میسر ہوتا ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو ہم نے دیکھ لیں۔

۳؎ یعنی آخر زمانہ میں روشنی ایمان دلوں سے نکل جاوے گی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ قرآن و سنت پڑھنا ان پر عمل کرنا چھوڑ دینگے۔ ۴؎ ظاہر یہ ہے کہ یہاں سونے سے مراد علم دین سے غفلت کرنا ہے اور نومۃ سے مراد معمولی غفلت ہے اس لئے کہ اس سے پہلے قرآن و سنت کے علم کا ذکر ہوا یعنی لوگ علم دین سے معمولی غفلت کریں گے تو اس کا نتیجہ وہ ہوگا جو یہاں مذکور ہے (اشعہ) اور ہوسکتا ہے کہ نوم سے مراد سونا ہی ہو تو مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے انقلاب کا حال یہ ہوگا کہ ابھی سونے سے پہلے دل کا اور حال تھا اور سوتے ہی کچھ اور ہوگیا۔ (مرقات)

۵؎ وکت واؤ کے فتح کاف کے سکون سے جمع ہے دکتۃ کی یعنی نقطہ سفید جو آنکھ کی سیاہ پتلی میں ہو چھوٹے چھالے یا چھوٹے تل کو بھی وکت کہتے ہیں خواہ کالا تل ہو یا سرخ یعنی ابن آدمی کے دل سے امانت ختم ہوجاوے گی مگر کچھ اثر باقی رہے گا۔

۶؎ مجل میم کے فتح جیم کے سکون سے آبلہ چھالا جو زیادہ کام کرنے سے ہاتھوں میں پڑ جاتا ہے کھال سخت ہوجاتی ہے یعنی لوگوں کے دلوں سے امانت آہستہ آہستہ اٹھے گی ایک بار غفلت میں امانت جائے گی دل میں خیانت آوے گی مگر معمولی جیسے چھالا دوبارہ غفلت میں یہ خیانت دل میں سخت ہوجاوے جیسے کام کرنیوالوں کے ہاتھ کے سخت دھٹے آبلے۔

فِيهِ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ يَتَبَايَعُونَ وَلَا يَكَادُ أَحَدٌ يُؤَدِّي الْأَمَانَةَ فَيُقَالُ إِنَّ فِي بَنِي فُلَانٍ رَجُلًا أَمِينًا وَيُقَالُ لِلرَّجُلِ مَا أَعْقَلَهُ وَمَا أَظْرَفَهُ وَمَا أَجْلَدَهُ وَمَا فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ إِيمَانٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ

دیکھو جس میں کچھ بھی نہ ہو[1] لوگ خرید و فروخت کریں گے اور کوئی بھی امانت ادا نہ کرے گا[2] حتی کہ کہا جاوے گا کہ فلاں قبیلہ میں ایک امانت دار شخص ہے[3] اور کسی شخص کے متعلق کہا جاوے کہ وہ کیسا عقلمند ہے کیسا خوش طبع ہے کیسا بہادر ہے حالانکہ اس کے دل میں رائی کے دانے کی برابر ایمان نہ ہوگا[4] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھتے تھے اور میں شر کے متعلق پوچھتا تھا اس خوف سے کہ مجھے وہ پہونچ جاوے[5] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ۔

[1] یہ مضمون علیحدہ ہے یعنی اگر کسی کا عضو چنگاری معمولی چنگاری سے جلجاوے وہاں چھالا پڑ جاوے تو چھالا ابھرا ہوا معلوم ہوتا ہے مگر اس میں سوا گندے پانی کے ہوتا کچھ نہیں یوں ہی اس زمانہ کے لوگ لباس و شکل میں بہت اچھے دکھائی دینگے مگر ان کے دلوں میں خیر نہ ہوگی برائی ہی ہوگی [2] یعنی وہ لوگ آپس میں خرید و فروخت اور دوسرے مالی معاملات کرینگے مگر امین نہ ہوں گے تجارتوں میں خیانت ملاوٹ سب ہی کچھ کریں گے اپنی زبان پر قائم نہ رہیں گے [3] یعنی امین آدمیوں کی اتنی کمی ہو جاوے گی کہ اگر کسی شہر کسی قبیلہ میں کوئی ایک امین ہوگا تو لوگ دور دور اس کا چرچہ کریں گے کہ اس علاقہ میں صرف وہ شخص امین ہے [4] یعنی آخر زمانہ میں لوگوں کی چالاکی۔ دنیا کمانا۔ چست و چالاکی ہونے کی تو تعریف ہوگی مگر اس کے دین تقوی امانت کا ذکر بھی نہ کیا جاوے گا وہ ہوگا بے ایمان خائن جیسا کہ آجکل عام چودھریوں نمبرداروں۔ دنیاداروں میں دیکھا جاتا ہے ہاں بعضے اللہ کے مقبول بھی ہوتے ہیں۔ مگر بہت تھوڑے۔

[5] یعنی صحابہ کرام حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے خیر کی باتیں بہت پوچھتے تھے جیسے نیک اعمال۔ دنیاوی فراخی آیندہ فتوحات تاکہ اس پر خوشی و شکر کریں مگر میں شر کی باتیں بہت پوچھتا تھا جیسے گناہ فتنے مالداری کے برے نتیجے تاکہ ان سے بچنے کی کوشش کروں تحلیہ سے پہلے تخلیہ ہے لباس و زیور سے پہلے غسل ہے پہلے برائیوں سے بچو پھر نیکیاں کرو۔

إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللّٰهُ بِهٰذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ قَوْمٌ يَسْتَنُّونَ بِغَيْرِ سُنَّتِي وَيَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ دُعَاةٌ عَلٰى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ

ہم پہلے جہالت[1] و شر میں تھے پھر اللہ ہمارے پاس یہ خیر لایا تو کیا اس خیر کے بعد کوئی شر ہوگی[2] میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد خیر ہوگی فرمایا ہاں مگر اس خیر میں کدورت ہوگی[3] میں نے عرض کیا اس کی کدورت کیا ہے فرمایا وہ قوم جو میرے طریقے کے خلاف طریقہ اختیار کریگی اور میری عادت کے خلاف عادت قبول کریگی[4] ان کی بعض باتیں اچھی پاؤ گے بعض بری میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی فرمایا ہاں[5] دوزخ کے دروازہ پر بلانے والے جو دوزخ کی طرف ان کی بات مانے گا اسے دوزخ میں ڈالدینگے[6] میں نے عرض کیا یارسول اللہ ان کی علامات بھی بتائیے فرمایا وہ ہمارے گروہ سے ہونگے ہماری زبان میں کلام کرینگے[7] میں نے عرض کیا کہ اگر میں یہ پاؤں

[1] یعنی ہم اہل عرب پہلے انتہائی برائیوں میں گرفتار تھے پھر اللہ نے ہم کو انتہائی خیر حضور کی نبوت وحی تقویٰ طہارت ہم کو عطا فرمائی [2] یعنی کیا حضور کے پردہ فرمانے کے بعد پھر ہم برائیوں میں آفتوں میں مبتلا ہونگے [3] یعنی اس شر کے بعد خیر آئے گی مگر خالص خیر نہ ہوگی اس میں شر کی ملاوٹ ہوگی دخن بنا ہے دخان سے بمعنی دھواں [4] اس فرمان عالی میں اشارہ یا تو قتل عثمان و خلافت علیؓ کی طرف ہے کہ قتل عثمان شر ہے اور خلافت علی خیر مگر اسی خلافت میں روافض و خوارج کا زور تھا یہ کدورت ہے یا اس میں اشارہ ہے خلافت عمر ابن عبدالعزیز کی طرف کہ وہ خیر تھی مگر اس زمانہ میں بدمذہبوں کا زور تھا (از اشعہ و مرقات) اس کی شرحیں اور بہت کی گئی ہیں [5] یعنی کیا اس مخلوط خیر کے بعد کوئی شر ہوگی جو خالص شر ہو اس خیر سے کہیں بدتر ہو [6] یعنی ایسے پیشوا جو لوگوں کو ہدایت کے لباس میں گمراہی دیں گے خیر دکھا کر شر پلائیں گے سنت ظاہر کرکے بدعت پیش کریں گے زہد ظاہر کرکے عیاشی کریں گے جو ان کی مانیگا وہ دوزخ میں جائے گا گویہ لوگ دوزخ میں بھیجنے کا سبب ہوں گے یہ نسبت سبب کی طرف ہے۔

[7] یعنی کلمہ گو اور مدعی اسلام ہونگے عرب ہوں گے عربی بولیں گے اس لئے لوگ ان سے بہت دھوکا کھایا کریں گے کیونکہ چھپے دشمن سے بچنا بہت مشکل ہے۔ روافض۔ خوارج۔ وہابیت۔ نجدیت وغیرہ سب عرب سے ہی پیدا ہوئیں ۔

اَدْرَكَنِیْ ذٰلِكَ قَالَ تَلْزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِمَامَهُمْ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَّلَا اِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ اَنْ تَعَضَّ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰى یُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ عَلٰى ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةِ الْمُسْلِمِ قَالَ یَكُوْنُ بَعْدِیْ اَئِمَّةٌ

تو مجھے آپ کیا حکم فرماتے ہیں فرمایا مسلمانوں کی جماعت ان کے امام کو پکڑے رہنا[1] میں نے عرض کیا کہ اگر مسلمانوں کی نہ جماعت ہو[2] نہ امام فرمایا تو ان تمام فرقوں سے الگ رہنا[3] اگرچہ اس طرح ہو کہ تم کسی درخت کی جڑ دانتوں سے پکڑ لو حتی کہ تم کو اسی حالت میں موت آجائے[4] (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا میرے بعد ایسے پیشوا ہوں گے

[1] یعنی وہ عقیدے رکھنا جو مسلمانوں کی جماعت کے ہوں سلطان اسلام کی حمایت کرنا جو تم کو اللہ رسول کے راستہ پر چلائے، ان تمام فرقوں سے الگ رہنا جماعت مسلمین کے ساتھ رہنا فتنوں سے بچنے کا قوی ذریعہ ہے اہل سنت والجماعت کے ساتھ رہو تیرہ سو برس سے مسلمانوں کے جو عقائد چلے آرہے ہیں، انہیں پر قائم رہو۔ مثلاً آج ایک فرقہ کہتا ہے کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں یا صلوٰۃ کے معنی یہ مروجہ نماز نہیں حضور کے بعد اور نبی آسکتے ہیں۔ نمازیں دن رات میں صرف دو ہیں وہ بھی اسلامی نماز سے جدا گانہ ہم یہ دیکھیں کہ آج تک ان کے متعلق مسلمانوں کے کیا عقیدے رہے ہیں وہ ہی اختیار کریں یہ ایمان کی ڈھال ہے۔

[2] یعنی اگر ایسا زمانہ آجاوے کہ مسلمانوں کا نہ کوئی بادشاہ ہو نہ وہ کسی کی امامت پر متفق ہوں۔ تو میں کیا کروں۔

[3] یعنی اس صورت میں ان فرقوں میں سے کسی کے ساتھ نہ رہنا عقائد اہل سنت کے اختیار کرنا اگر مسلمانوں کی جماعت نہ ہو تو اس جماعت کے عقائد تو محفوظ ہوں گے وہ اختیار کرنا یہ بھی قاعدہ کلیہ ہے۔

[4] اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ عام حالات میں مسلمانوں کی بستی میں رہنا بہتر ہے تاکہ وہاں نماز باجماعت ادا کرسکے، وقت پر جہاد کرسکے۔ جمعہ وعیدین میں شرکت کرسکے، بہت سی عبادات جماعت پر موقوف ہیں مگر جب بستیوں میں فتنے زیادہ ہوجاویں۔ تب عزلت وگوشہ نشینی بلکہ آبادیوں کا چھوڑ دینا بہتر ہے۔ تاکہ ایمان سلامت رہے۔ لوگوں سے امان میں رہے۔ یہ حدیث ایسے ہی نازک حالات کے متعلق ہے درخت کی جڑ پکڑ لینے سے مراد بالکل خلوت و تنہا مقام پر چلا جانا ہے جہاں بستی کا فتنہ نہ پہنچے۔

لَا يَهْتَدُونَ بِهُدَايَ وَلَا يَسْتَنُّونَ بِسُنَّتِي وَسَيَقُومُ فِيهِمْ رِجَالٌ قُلُوبُهُمْ قُلُوبُ الشَّيَاطِينِ فِي جُثْمَانِ إِنْسٍ قَالَ حُذَيْفَةُ قُلْتُ كَيْفَ أَصْنَعُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ أَدْرَكْتُ ذٰلِكَ قَالَ تَسْمَعُ وَتُطِيعُ الْأَمِيرَ وَإِنْ ضُرِبَ ظَهْرُكَ وَأُخِذَ مَالُكَ فَاسْمَعْ وَأَطِعْ۔ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَيُمْسِي كَافِرًا

جو نہ تو میری سنت اختیار کریں گے نہ طریقہ پر چلیں گے [1] ان میں کچھ لوگ اٹھیں گے جن کے دل شیطانوں کے دل ہوں گے انسان جسموں میں [2] حضرت حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر میں یہ وقت پاؤں تو کیا کروں فرمایا اپنے امیر کی سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہاری پیٹھ پر مارے اور تمہارا مال لے لے جب بھی سنو اور اطاعت کرو [3] روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان فتنوں سے پہلے اعمال کرلو جو اندھیری رات کے حصوں کی طرح ہوں گے کہ انسان سویرا پائیگا مومن ہوکر شام کریگا

[1] ظاہر یہ ہے کہ ائمہ سے مراد سلاطین ہیں۔اور مطلب یہ ہے کہ بدعقیدے بدعملی بادشاہ مسلط ہوجاویں گے۔اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد بدعمل بدمذہب پیرو علماء ہوں۔ جیسے آج کل دیکھنے میں آرہے ہیں۔بھنگی۔چرسی۔گانے باجے کے دلدادہ بے نماز بے روزہ مگر کہلاتے ہیں۔ولی یہ ولی اللہ نہیں بلکہ ولی شیطان ہیں۔اوس مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی خبر دی ہے۔

[2] یعنی یہ لوگ انسان جسم میں شیطان ہوں گے۔باتیں اچھی کریں گے علم سے بے بہرہ عمل کے خراب ہوں گے۔ان سے علیحدگی ضروری ہے۔

[3] یعنی ظالم بادشاہ اسلام کے ظلم کی وجہ سے بغاوت نہ کرو کہ بغاوت سے ملک میں فساد ہوتا ہے۔جب تک کہ وہ ظالم بادشاہ دین بگاڑنے کی کوشش نہ کرے۔اسی فرمان عالی کے مدنظر حضرات صحابہ کرام نے بدترین ظالم حکام وسلاطین پر بغاوت نہ کی جیسے حجاج ابن یوسف وغیرہ ہر جائز بات میں ان کی اطاعت کی۔خیال رہے کہ امام حسین نے یزید کو سلطان اسلام مانا نہیں کہ وہ اس کا اہل نہ تھا۔نااہل کو بادشاہ بنانا ممنوع ہے۔مگر جب بادشاہ بن چکا ہو تو اس کی بغاوت ممنوع ہے۔لہذا حضرت حسین کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔

وَلُمْسِي مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا يَبِيعُ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْيَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيَكُونُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِي وَالْمَاشِي فِيهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِي مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفُهُ فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً اَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

کافر ہو کر اور شام کریگا[1] مومن ہو کر سویرا پائیگا۔ کافر ہو کر دنیاوی سامان کے عوض اپنا دین فروخت کردیگا[2] (مسلم) اور روایت ہے ان میں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عنقریب ایسے فتنے ہوں گے ان میں بیٹھ رہنے والا بہتر ہوگا۔ کھڑے ہونے والے سے اور ان میں کھڑا ہونے والا بہتر ہوگا چلنے والے سے اور ان میں چلنے والا بہتر ہوگا دوڑنے والے سے[3] جو ان کی طرف جھانکے گا۔ وہ اسے اچک لیں گے تو جو کوئی پناہ یا ٹھکانہ پائے تو اس کی پناہ لے لے[4] (مسلم بخاری)

[1] یعنی یہ موقع امن و امان کا غنیمت جانو جو نیکی کرنا ہے کرلو ورنہ ایسے فتنے اور مٹنے والے ہیں اور ایسی بلائیں آنے والی ہیں کہ انسان کو کچھ سوجھے گا کہ میں کیا کروں دلوں کے حالات بہت جلد بدل جائیں گے۔ یہاں کافر سے مراد یا تو واقعی کافر ہے یا بمعنی ناشکرا ہے پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ کہ یہاں کافر مومن کے مقابل ارشاد ہوا ہے۔

[2] یعنی معمولی دنیاوی لالچ میں اپنا دین چھوڑ دے گا۔ اس زمانہ کے علماء رشوت لے کر غلط فتوے دیں گے۔ حکام رشوتیں لیکر غلط فیصلے کریں گے۔ عوام پیسہ لے کر جھوٹی گواہی بلکہ شراب خوری قتل تک کردیں گے۔ یہ تو اب دیکھا جارہا ہے (از مرقات)

[3] اس فرمان عالی میں بیٹھنا، کھڑا ہونا، چلنا اور دوڑنا بطور تشبیہ و استعارہ ارشاد ہوا ہے۔ بیٹھنے سے مراد ہے ان فتنوں سے الگ تھلگ رہنا، ان سے بالکل واسطہ نہ رکھنا یہ ذریعہ ہوگا فتنوں سے حفاظت کا کہ وہ فتنوں کو دیکھے گا نہ ان کا اثر لے گا۔ اور کھڑے ہونے سے مراد ہے دور سے انہیں دیکھنا۔ ان پر خبردار و مطلع ہونا، چلنے سے مراد ہے ان میں مشغول ہونا مگر معمولی طور پر اور دوڑنے سے مراد ہے ان میں خوب مشغول ہونا۔ غرضیکہ عجیب استعارات ہیں۔

[4] بعض صحابہ کرام نے جنگ جمل و صفین کو اسی حدیث میں داخل مانا اور وہ حضرات ان جنگوں میں غیر جانب دار رہے۔ جیسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مگر قوی یہ ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، دوسرے حضرات سے اجتہادی غلطی ہوئی تھی۔

وَفِیْ رِوَایَۃِ الْمُسْلِمِ قَالَ تَکُوْنُ فِتْنَۃٌ اَلنَّائِمُ فِیْھَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَقْظَانِ وَالْیَقْظَانُ فِیْھَا خَیْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِیْھَا خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً اَوْ مَعَاذًا فَلْیَسْتَعِذْ بِہٖ وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّھَا سَتَکُوْنُ فِتَنٌ اَلَا ثُمَّ تَکُوْنُ فِتَنٌ اَلَا ثُمَّ تَکُوْنُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدُ خَیْرٌ مِّنَ الْمَاشِیْ فِیْھَا وَالْمَاشِیْ فِیْھَا خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ اِلَیْھَا اَلَا فَاِذَا وَقَعَتْ فَمَنْ کَانَ لَہٗ

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ فرمایا ایسے فتنے ہوں گے کہ ان میں سونے والا جاگنے والے سے بہتر ہوگا[1] اور ان میں جاگنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا[2] اور کھڑا ہوا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو کوئی ٹھکانہ یا پناہ پائے تو اس کی پناہ لے لے[3] روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے[4] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب فتنے ہوں گے پھر فتنے خبردار پھر فتنے ہوں گے[5] پھر وہ فتنے ہوں گے کہ ان میں بیٹھا ہوا چلتے ہوئے سے بہتر ہوگا اور چلتا ہوا دوڑتے ہوئے سے بہتر ہوگا[6] آگاہ رہو کہ جب وہ فتنے واقع ہوں

[1] یہاں بھی نائم سے مراد بے خبر بے شعور ہے یعنی جو فتنوں سے ایسا بے خبر ہو کہ اسے ان کی خبر بھی نہ ہو، یقظان سے مراد بے خبردار کہ اسے ان فتنوں کی خبر تو ہو مگر اس میں شریک نہ ہو۔ خبر سے مراد ہے خود بخود خبر ہونا، نہ کہ ان کی خبر رکھنا۔

[2] قائم سے مراد ہے باقی قاعدہ اس فتنہ کی خبر رکھنے والا مگر اس میں شریک نہیں، لہٰذا بیدار اور قائم میں فرق ظاہر ہے۔

[3] ٹھکانہ سے مراد ہے امن کی جگہ اور پناہ سے مراد ہے وہ آدمی جو اُسے فتنوں سے بچالے یعنی یا تو پناہ کی جگہ چلا جاوے یا ایسے شخص کے پاس رہے جو اس کو ان فتنوں سے بچائے (مرقات) لہٰذا عبارت میں تکرار نہیں۔

[4] آپ کا نام نفیع ابن عبدالحارث ابن کلاہ ہے ثقفی ہیں۔ آپ حضور انور کے آزاد کردہ غلاموں میں سے ہیں۔ بصرہ میں رہے۔ ۴۹ھ انچاس میں وفات پائی (اکمال) بڑے متقی و پرہیزگار تھے۔ صحابہ کی آپس کی جنگوں میں آپ علیحدہ رہے۔

[5] یہ فرمان عالی یا تو ان فتنوں کا تسلسل بیان فرمانے کے لیے ہے۔ یعنی آگے پیچھے مسلسل فتنے ہوں گے۔ یا ان کی بڑائی بیان کرنے کے لیے یعنی سخت سے سخت اس سے بھی سخت فتنے ہوں گے۔ جو سارے عرب کو گھیر لیں گے۔

[6] یعنی مسلمان ان فتنوں سے جس قدر دور رہے اسی قدر اچھا، اس فرمان عالی کی شرح ابھی عرض کردی گئی۔

إِبِلٌ فَلْيَلْحَقْ بِإِبِلِهٖ وَمَنْ كَانَ لَهٗ غَنَمٌ فَلْيَلْحَقْ بِغَنَمِهٖ وَمَنْ كَانَتْ لَهٗ أَرْضٌ فَلْيَلْحَقْ بِأَرْضِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ مَنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ إِبِلٌ وَّلَا غَنَمٌ وَّلَا أَرْضٌ قَالَ يَعْمِدُ إِلٰى سَيْفِهٖ فَيَدُقُّ عَلٰى حَدِّهٖ بِحَجَرٍ ثُمَّ لِيَنْجُ إِنِ اسْتَطَاعَ النَّجَاءَ اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ ثَلٰثًا فَقَالَ رَجُلٌ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِنْ أُكْرِهْتُ حَتّٰى

تو جس کے اونٹ ہوں وہ اونٹوں سے مل جاوے اور جس کی بکریاں ہوں وہ اپنی بکریوں میں چلا جاوے اور جس کی زمین ہو وہ اپنی زمین میں پہونچ جائے[1] تو ایک صاحب بولے یارسول اللہ فرمائیے تو جس کے پاس نہ اونٹ ہوں نہ بکریاں نہ زمین[2] وہ اپنی تلوار کی طرف رخ کرے اس کی دھار کو پتھر سے کوٹ دے پھر الگ ہو جائے اگر الگ ہونے کی طاقت رکھے[3] اے اللہ کیا میں نے پہونچا دیا (تین بار فرمایا)[4] پھر ایک شخص نے عرض کی یارسول اللہ فرمائے تو اگر مجھے مجبور کیا جاوے حتی کہ

[1] امن کے زمانہ میں شہر بہتر ہے گاؤں اور جنگل سے کہ شہر میں علم ہے۔ جمعہ وعیدین بلکہ پنجگانہ کی جماعت ہیں۔ کبھی جہاد کا موقعہ بھی مل جاتا ہے مگر فتنوں کے زمانہ میں شہر سے گاؤں بلکہ جنگل بہتر ہے۔ کہ وہاں امن ہے عافیت ہے۔ شہر میں فتنے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

ان السلامۃ من لیلی وجاراتہا ان لاتمر علی حال بوادیہا

[2] یعنی جس کے پاس گاؤں یا جنگل میں رہنے کا کوئی ذریعہ نہ ہو نہ اپنی زمین ہو نہ اپنے جانور ہوں نہ اور کوئی ذریعہ وہ کیا کرے اُسے تو لامحالہ شہر میں ہی رہنا پڑے گا۔ [3] نجات اگر ت سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں چھٹکارا یا عذاب سے بچ جانا۔ اور اگر ہمزہ سے ہو تو اس کے معنی ہیں بھاگ جانا، دور ہو جانا، یہاں ہمزہ سے ہے یعنی اس وقت تلوار نہ چلائے بلکہ اپنی تلوار بیکار کردے کیونکہ یہ لڑائیاں مسلمانوں کی آپس میں ہوں گی، وہاں سے بھاگ جانے فتنوں سے الگ ہو جانے کی کوشش کرے۔ مسلمانوں کی آپس کی لڑائیاں فساد کہلاتی ہیں کفار سے جنگ جہاد ہے۔ حضرت ابو بکرہ کا اور عبداللہ ابن عمر وغیرہم صحابہ کا مسلک یہ تھا کہ بغاوت کے موقعہ پر کسی طرف شرکت نہ کرے۔ الگ رہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث تھی۔ عام صحابہ کرام کا مسلک یہ تھا کہ حق والے کی مدد کرکے باغیوں کو کچل دے تاکہ بغاوت پھیلنے نہ پائے۔ ان کی دلیل یہ آیت تھی۔ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ ان کے نزدیک حدیث بغاوت کے لیے نہیں۔ بلکہ عام فسادات اور بلووں کے متعلق ہے۔ یہ ہی قول زیادہ قوی ہے۔

[4] یعنی میرے مولیٰ گواہ ہو جا کیا میں نے تیرا حکم تیرے بندوں تک پہنچا دیا۔ معلوم ہوا کہ فتنوں سے خبردار کرنا بھی ایک تبلیغی حکم ہے۔ جس کا پہنچانا فرض ہے۔

يُنْطَلَقَ بِي إِلَى أَحَدِ الصَّفَّيْنِ وَضَرَبَنِي رَجُلٌ بِسَيْفِهِ أَوْ يَجِيءُ سَهْمٌ فَيَقْتُلُنِي قَالَ يَبُوءُ بِإِثْمِهِ وَإِثْمِكَ وَيَكُونُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوشِكُ أَنْ يَكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ أَشْرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى أُطُمٍ مِنْ آطَامِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ

مجھے دونوں صفوں میں سے ایک صف تک لے جایا جاوے پھر مجھے کوئی اپنی تلوار سے مار دے یا تیر آوے کہ مجھے قتل کردے [1] فرمایا وہ اپنا اور تمہارا گناہ لے کر لوٹے گا اور وہ دوزخی ہوگا [2] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ مسلمان کا بہترین مال وہ بکریاں ہوں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں یا پانی کی جگہ لے جائے [3] اپنا دین فتنوں سے بچا کر بھاگ جائے [4] (بخاری) روایت ہے حضرت اسامہ ابن زید سے فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ٹیلوں میں سے کسی ٹیلہ پر تشریف لے گئے [5] پھر فرمایا

[1] یعنی اگر مجھ پر ایسا حال طاری ہو جاوے کہ میں الگ نہ رہ سکوں، مجبوراً کسی فریق کے ساتھ جنگ میں کھڑا ہو جاؤں مگر میری نیت جنگ کی نہ ہو صرف جانا پڑ جاوے تو میری یہ موت کیسی ہوگی۔

[2] یعنی اس مجبوری کی صورت میں تم گنہگار نہ ہو گے۔ بلکہ تمہارا لے جانے والا یا تمہیں قتل کرنے والا گنہگار ہوگا، ایسا کہ تمہارے گذشتہ گناہ بھی اس پر پڑیں گے۔ باثمی واثمک کی شرح ہم نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی تفسیر میں واضح کردی ہے۔

[3] شعف جمع ہے شعفۃ کی بمعنی بلند چوٹی، اہل عرب پہاڑ کی چوٹیوں میں بھی اپنے مال مویشی رکھتے ہیں۔ اور وہاں خود بھی رہتے ہیں یہ جگہ زمین سے بہت بلند ہونے کی وجہ سے بڑے امن عافیت کی ہوتی ہے۔ مواقع قطر سے مراد ہے وہ جنگل جہاں پانی کے چشمے سبزہ زار، چراگاہ وغیرہ ہو۔ یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ یا اس کے برعکس۔ [4] یعنی اس علیحدگی کی وجہ اپنے دین کی حفاظت ہو نہ کہ مسلمانوں سے نفرت کہ ایسے موقعہ پر لوگوں سے خلط ملط اپنے لئے دینی خرابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ [5] اشراف کے لغوی معنی ہیں چڑھنا، جھانکنا، اچک لینا۔ یہاں بمعنی چڑھنا ہے۔ اطم ہمزہ کے پیش اور ط کے پیش سے بمعنی اونچا قلعہ، اونچا ٹیلہ جمع ہے آطام۔ چونکہ ٹیلے چڑھنے سے ساری بستی سامنے آگئی اس لیے یہاں پہنچ کر حضور انور نے یہ فرمایا۔

هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرَى قَالُوا لَا قَالَ فَإِنِّي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْمَطَرِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَةُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ
غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں [1] لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا کہ میں فتنے دیکھ رہا ہوں جو تمہارے گھروں کے درمیان بارش گرنے کی طرح گھر رہے ہیں [2] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میری امت کی ہلاکت قریش کے کچھ لڑکوں کے ہاتھ پر ہوگی [3] (بخاری)

[1] حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال آئندہ فرمان عالی کی تمہید ہے ورنہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام نہیں دیکھ رہے تھے بخیال رہے کہ بعض اوقات حضور کی تجلی ساتھ والوں پر بھی پڑتی تھی جس سے ان پر بھی غیوب کی چیزیں ظاہر ہو جاتی تھیں۔ ایک بار حضور خچر پر سوار دو قبروں پر گزرے تو خچر نے عذاب قبر دیکھا اور کودنے لگا۔ ایک بار عقاب حضور اقدس کے سر مبارک کے مقابلہ سے گزرا تو موزے کے اندر کا سانپ دیکھ لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے ایک بار حضور کا تہبند اوڑھ لیا تو غیبی نور کی بارش آنکھوں سے دیکھ لی۔ ایک بار حضرت زید نے عرض کیا۔ آٹھوں جنتیں، ساتوں دوزخ میرے سامنے ہیں۔ ہر جنتی دوزخی کو دیکھ رہا ہوں۔ آج جن خوش نصیبوں کا سر حضور کے قدم تک پہنچ جاتا ہے۔ ان پر عالم غیب منکشف ہو جاتا ہے مگر کبھی کبھی لہذا حدیث واضح ہے۔

[2] اس فرمان عالی میں ان فتنوں کی طرف اشارہ ہے جو یزید ابن معاویہ، مروان ابن حکم حجاج ابن یوسف وغیرہم کے زمانوں میں واقع ہوئے جنہوں نے سارے عرب خصوصًا مدینہ والوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا یہاں دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے۔ محض خیالی وہمی صورتیں مراد نہیں، حضرات انبیاء کرام کی آنکھیں ہمارے خواب و خیال سے بھی زیادہ تیز ہوتی ہے وہ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں ہم خواب و خیال میں اگلے پچھلے واقعات دیکھ لیتے ہیں۔ بارش سے تشبیہ دے کر دو باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ وہ فتنے بارش کی طرح ہر گھر میں پہنچیں گے۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ میں کوئی شخص خانہ نشین ہو کر بھی ان سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔ خلوت و جلوت ہر جگہ فتنے پہنچ جاویں گے۔

[3] یعنی ہمارے بعد کچھ نوعمر ناتجربہ کار نااہل لونڈے بادشاہ حاکم بن جائیں گے۔ اور اپنی نااہلی ناتجربہ کاری کی وجہ سے میری امت کو ہلاک کر دیں گے۔ اس فرمان عالی میں یزید ابن معاویہ، مروان ابن حاکم وغیرہ نااہلوں کی طرف اشارہ ہے۔ ان لوگوں کی وجہ سے اہل بیت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو مصیبتیں پیش آئیں۔ وہ سب کو معلوم ہیں۔ معلوم ہوا مجاہد غازی جوان چاہئیں مگر حکام، سلطان

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَقَارَبُ الزَّمَانُ وَيُقْبَضُ الْعِلْمُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ وَيُلْقَى الشُّحُّ وَيَكْثُرُ الْهَرْجُ قَالُوْا وَمَا الْهَرْجُ قَالَ الْقَتْلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے زمانہ چھوٹا ہو جاوے گا[1] اور علم اٹھا لیا جاوے گا[2] اور فتنے ظاہر ہو جائیں گے اور بخل ڈال دیا جاوے گا[3] ہرج بڑھ جاوے گا لوگوں نے عرض کیا ہرج کیا ہے فرمایا قتل[4] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے

قاضی بوڑھے اور تجربہ کار چاہئیں جہاد میں جوانوں کی شمشیر بوڑھوں کی تدبیر کام آتی ہے۔

۱؎ یتقارب بنا ہے قرب سے بمعنی نزدیکی۔ اس عبارت کے بہت معنی کیے گئے۔ مشہور معنی یہ ہیں کہ زمانے کے اجزاء دن رات گھنٹہ، منٹ، ہفتہ، مہینہ، سال ایک دوسرے گزرنے میں قریب ہو جائیں گے۔ کہ بہت جلد جلد گزرنے لگیں گے اسی کی شرح وہ حدیث ہے کہ قرب قیامت سال ایک مہینہ کی طرح مہینہ ہفتہ کی طرح، ہفتہ دن کی طرح، دن آگ سلگانے کی طرح گزریں گے۔ یا یہ معنی ہیں کہ زمانہ قیامت کے نزدیک ہو جاوے گا۔ یا یہ کہ زمانہ والے لوگ ایک دوسرے سے جنگ و جدال کے لیے گتھ جائیں گے۔ قریب تر ہو جائیں گے۔ یا سارے اوقات شر و فساد میں ایک دوسرے سے قریب و یکساں ہو جائیں گے۔

۲؎ علم سے مراد علم دین ہے۔ علم دین کے اٹھ جانے سے مراد یہ ہے کہ علماء دین وفات پاتے رہیں گے اور بعد کے لوگ عالم بننا چھوڑ دیں گے کیونکہ علم دین کی قدر نہ قوم میں رہے گی نہ حکومت میں۔ جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ اب علماء بھی واعظ یا پیر بن کر گزارہ کر رہے ہیں۔ صرف علماء کے لیے کوئی ذریعہ نہیں۔ انگریزی بی اے کر لو تو تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ عالم دین بنو تو حکومت کا کوئی محکمہ تمہیں نہیں لیتا۔ تم پر حکومت کے سارے دروازے بند ہیں۔ دین کا اللہ تعالٰی ہی حافظ ہے دین رسول باغ ہے۔ علم دین اس کا پانی۔ جب پانی نہ دیا جائے تو باغ کا کیا ہو گا۔

۳؎ یعنی لوگ کنجوس ہو جائیں گے۔ علماء علم سکھاتے میں بخل کریں گے۔ کاریگر اپنا ہنر سکھانے میں۔ مالدار لوگ اپنا مال خرچ کرنے میں بخیل ہو جائیں گے۔ یلقی فرما کر بتایا گیا کہ یہ بخل شیطان دلوں میں ڈالے گا۔ لوگوں کو بخل کے فائدے، سخاوت کے نقصانات ذہن نشین کر دے گا۔

۴؎ ہرج کے لغوی معنی فتنہ ہے۔ یہاں خاص فتنہ یعنی قتل و خون مراد ہے۔ حرج ح سے بمعنی تنگی ہے۔ لیس علی الاعمی حرج۔

لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَأْتِيَ عَلَى النَّاسِ يَوْمٌ لَا يَدْرِي الْقَاتِلُ فِيْمَ قَتَلَ فَقِيْلَ كَيْفَ يَكُوْنُ ذٰلِكَ قَالَ الْهَرْجُ الْقَاتِلُ وَالْمَقْتُوْلُ فِي النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❊ وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِبَادَةُ فِي الْهَرْجِ كَهِجْرَةٍ إِلَيَّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ قَالَ أَتَيْنَا أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نَلْقٰى مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ

دنیا نہ جائے گی حتی کہ لوگوں پر وہ دن آجاوے گا جب قاتل نہ جانے گا کہ کس جرم میں قتل کیا گیا اور نہ مقتول جانے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کیا گیا[1] عرض کیا گیا یہ کیسے ہوگا فرمایا فتنہ عامہ کی وجہ سے[2] قاتل مقتول دونوں دوزخ میں جائیں گے[3] (مسلم) روایت ہے حضرت معقل ابن یسار سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فتنوں کے زمانہ میں عبادت ایسی ہے جیسے میری طرف ہجرت[4] (مسلم) روایت ہے حضرت زبیر ابن عدی سے[5] فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس اپنی ماں کے پاس گئے تو ہم نے ان تکالیف کی شکایت کی ہم جو ہم حجاج سے

[1] اس فرمان عالی کا ظہور آج پورے طور سے ہو رہا ہے۔ بات بات پر مکھی، مچھر، کھٹمل کی طرح انسان قتل کرائے جارہے ہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ قاتلوں کو سزا نہیں ملتی تو مقتول کے وارثین ایک کے عوض دو تین کو مار دیتے ہیں۔ پھر وہ لوگ ان کے عوض تین چار کو، اگر عدالتوں سے سزا پوری پوری ملے تو جرموں کی جڑ کٹ جاوے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ۔

[2] یعنی لوگوں میں لاقانونیت طبیعتوں میں بربریت پیدا ہو جاوے گی۔ شرافت انسانی لوگ کھو چکیں گے۔ اس حدیث کی زندہ شرح یہ زمانہ ہے۔

[3] قاتل تو قتل کی وجہ سے دوزخ میں جاوے گا اور مقتول ارادۂ قتل کی وجہ سے کہ وہ بھی اسی ارادہ سے آیا تھا۔ اس کا داؤ نہ چلا یا وار خالی گیا۔ معلوم ہوا کہ گناہ کا پختہ ارادہ بھی گناہ، اللہ تعالٰی گناہ اور ارادۂ گناہ دونوں سے بچائے۔

[4] یعنی جو ثواب فتح مکہ سے پہلے میرے ہجرت کرکے آنے کا تھا وہ ہی ثواب اس پر فتن زمانہ میں عبادت کرنے کا ہوگا جیسے مہاجر اپنے عزیز و اقارب سے منہ موڑ کر رب کی طرف آجاتا ہے۔ ایسے ہی یہ شخص ان تمام سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف آتا ہے۔

[5] آپ تابعی ہیں۔ ہمدانی ہیں۔ مقام رے کے قاضی رہے ہیں۔ سفیان ثوری وغیرہم نے آپ سے روایات لی ہیں ❊

اِصْبِرُوْا فَاِنَّهٗ لَا يَاْتِيْ عَلَيْكُمْ زَمَانٌ اِلَّا الَّذِيْ بَعْدَهٗ اَشَرُّ مِنْهُ حَتّٰى تَلْقَوْا رَبَّكُمْ سَمِعْتُهٗ مِنْ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ اَنَسِيَ اَصْحَابِيْ اَمْ تَنَاسَوْا وَاللّٰهِ مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَةٍ اِلٰى اَنْ تَنْقَضِيَ

اٹھاتے ہیں ۱؎ فرمایا صبر کرو نہیں آئے گا کوئی زمانہ مگر اس کے بعد والا زمانہ اس سے بدتر ہوگا حتی کہ تم اپنے رب سے ملو یہ میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ ۲؎ (بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت حذیفہ سے فرماتے ہیں اللہ کی قسم میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھی بھول گئے یا بھلا بیٹھے ۳؎ اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ختم ہونے تک تمام فتنہ گروں کو ۴؎ جو تین سو۔

۱؎ حجاج ابن یوسف عبدالملک ابن مروان کی طرف سے مدینہ منورہ کا حاکم تھا۔ ایسا ظالم تھا کہ اس نے ایک لاکھ تیس ہزار مسلمانوں کو باندھ کر قتل کیا ہے۔ جو مسلمان جنگوں میں اس کے ذریعہ قتل ہوئے وہ علاوہ ہیں (مرقات)

۲؎ یعنی آئندہ عموماً سلاطین ظالم ہی ہوں گے۔ زمانہ جس قدر حضور سے دور ہوتا جاوے گا ظلم و فساد بھی بڑھتا رہے گا۔ لہذا حضرت عمر ابن عبدالعزیز کا دور یا آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی و عیسٰی علیہ السلام کا دور اس حکم سے علیحدہ ہے۔ ہر زمانہ پچھلے زمانہ سے دین کے لحاظ سے بدتر ہے۔ کبھی کوئی گناہ زیادہ کبھی کوئی گناہ غفلت وغیرہ زیادہ مرقات نے فرمایا کہ شر سے مراد بدعات کی اشاعت سنتوں کا چھوڑ دینا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ آئندہ حکام ظالم ہی ہوں گے۔ بدمذہب بدعقیدہ بھی۔ حجاج ظالم ہے مگر دین برباد کرنا نہیں جانتا۔ اس نے قرآن مجید میں اعراب لگوائے۔

۳؎ یعنی واقعی ہی بھول گئے۔ یا بھلا بیٹھے یا بھولے ہوئے بن گئے کہ ان کا کبھی ذکر نہیں کرتے۔ خیال رہے کہ بھول جانے اور بھلا دینے میں فرق ہے۔ ضروری بات بھول جانا گناہ نہیں مگر بھلا دینا گناہ ہے۔ بھلا دینے میں اپنی بے پرواہی کو دخل ہوتا ہے۔

۴؎ قائد، بنا ہے قود سے بمعنی چلانا، ہانکنا، آگے سے کسی کو کھینچنا۔ سوق: پیچھے سے ہانکنا۔ اس سے ہے سائق۔ یہاں اس سے فتنہ پیدا کرنے والے، فتنہ پھیلانے والے۔ سردار مراد ہیں۔ جیسے بے دین عالم۔ جو نئے مذہب بری بدعتیں ایجاد کرکے لوگوں میں فتنہ برپا کرتے ہیں۔ اس میں بہت وسعت ہے جیسے گمراہ کن علماء، جھوٹے مدعی نبوت، گمراہ بادشاہ سب ہی داخل ہیں۔ جن سے لوگوں میں دینی فتنے پھیلیں۔ یہ حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی کھلی دلیل ہے۔

الدُّنْيَا يَبْلُغُ مَنْ مَعَهُ ثَلٰثَمِائَةٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاهُ لَنَا بِاسْمِهٖ وَاسْمِ اَبِيْهِ وَاسْمِ قَبِيْلَتِهٖ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰى اُمَّتِى الْاَئِمَّةَ الْمُضِلِّيْنَ وَاِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِىْ اُمَّتِىْ لَمْ يُرْفَعْ عَنْهُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالتِّرْمِذِىُّ وَعَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْخِلَافَةُ

یا کچھ زیادہ ہیں [1] نہیں چھوڑا مگر ہم کو ان کے نام بتادیئے اس کا نام اس کے باپ کا نام اسکے قبیلہ کا نام [2] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اپنی امت پر گمراہ گر پیشواؤں کا خوف کرتا ہوں [3] اور جب میری امت میں "تلوار رکھ دی جاوے گی تو ان سے روز قیامت تک نہ اٹھے گی [4] (ابوداؤد، ترمذی) روایت ہے حضرت سفینہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت

[1] یہاں بڑے بڑے فتنہ گمراہ ہیں جن میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزارہا فتنہ گر ہوں گے۔ جیسے حضور انور نے فرمایا کہ میری امت میں تہتر فرقے ہوں گے بہتر دوزخی ایک جنتی، وہاں بھی اصولی فرقے مراد ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کی صدہا شاخیں ہیں شیعوں کے بہت فرقے مرزائیوں کی کئی شاخیں۔ لہذا یہ حدیث صاف ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کہ فتنہ گر تو تین سو سے کہیں زیادہ ہیں۔

[2] تمام عرب و عجم، مشرق و مغرب کے فتنہ گر سب ہی بتادیئے۔ پھر صرف اُن کا نام ہی نہ بتایا بلکہ پتہ بھی بتادیا یہ ہے حضور کا علم غیب جو اللہ نے انہیں بخشا۔

[3] علماء فرماتے ہیں کہ تلوار کے فتنے سے علمی فتنہ بڑا ہے۔ خونخوار ظالم ایک آدمی کی زندگی ختم کردیتا ہے۔ مگر فتنہ گر گمراہ عالم ہزار ہا خاندانوں کی روحانی زندگی تباہ کرڈالتا ہے۔ اس لئے حضور نے خصوصیت سے ان پر خوف ظاہر فرمایا۔

[4] چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے قتل کے وقت سے مسلمانوں میں کشت و خون شروع ہوا ہے۔ آج تک تلوار میان میں نہیں پہنچی یہ ہے اس مخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم کا علم۔ اور یہ ہے ان کی خبر کی تصدیق۔

ثَلٰثُوْنَ سَنَةً ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا ثُمَّ يَقُوْلُ سَفِيْنَةُ اَمْسِكْ خِلَافَةَ اَبِيْ بَكْرٍ سَنَتَيْنِ وَخِلَافَةَ عُمَرَ عَشَرَةً وَعُثْمَانَ اِثْنَتَيْ عَشَرَةَ وَعَلِيٍّ سِتَّةً رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ حُذَيْفَةَ

تیس سال تک ہے[1] پھر سلطنت ہو جاوے گی[2] پھر سفینہ کہتے تھے کہ حساب لگالو ابوبکر صدیق کی خلافت دو سال اور حضرت عمر کی خلافت دس سال حضرت عثمان کی بارہ سال جناب علی کی چھ سال[3] (احمد۔ ترمذی) ابوداؤد) روایت ہے حضرت حذیفہ سے

[1] یہاں خلافت سے مراد خلافت راشدہ خلافت کاملہ۔ اللہ رسول کی پسندیدہ خلافت ہے۔ خلیفہ راشدہ وہ ہے جن کی بیعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بیعت ہو وہ اسلام کا سلطان بھی ہو، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جانشین بھی جیسے حضرات خلفاء راشدین یا آخر زمانہ میں حضرت امام مہدی بعض لوگوں نے حضرت عمر ابن عبدالعزیز کو بھی خلیفہ راشد مانا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ وہ صرف خلفاء راشدین تھے۔ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز اور آخر زمانہ میں امام مہدی خلیفہ برحق ہیں۔ امام عادل ہیں۔ مگر ان کی خلافت خلافت راشدہ نہیں کہلاتی۔

[2] جس میں سلطان صرف حاکم تو ہوگا مگر حضور کا جانشین نہ ہوگا۔ اس کی بیعت بیعت سلطنت ہوگی۔ بیعت ارادت نہ ہوگی غرضکہ بیعت امارت تو سلطان کی ہوگی۔ اور بیعت ارادت حضرات مشائخ عظام کی۔

[3] یہ حساب تقریبی ہے۔ جس میں سال کی کسریں یعنی مہینے چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ حساب تحقیقی یہ ہے۔ کہ خلافت صدیقی د سال چار ماہ۔ خلافت فاروقی دس سال چھ مہینے خلافت عثمانی چند دن کم بارہ سال۔ خلافت حیدری چار سال نو ماہ۔ چاروں خلفاء کی کل مدت انتیس سال سات مہینے نو دن ہے۔ پانچ ماہ باقی رہے۔ وہ ہی حضرت امام حسن کی خلافت نے پورے کر دیئے۔ راشدہ کی مدتوں کے بیان میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ بہر حال حضرت امام حسن کی چند ماہ خلافت پر تیس سال پورے ہو گئے۔ چونکہ امام حسن کی خلافت دراصل خلافت حیدری کا تتمہ تھی۔ اس لیے اس کا ذکر علیحدہ نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ مروانی حکومت کا دور یوں ہے۔ یزید ابن معاویہ۔ اس کا بیٹا معاویہ ابن یزید۔ عبدالملک۔ ہشام ابن عبدالملک۔ ولید۔ سلیمان۔ عمر ابن عبدالعزیز ولید ابن یزید۔ یزید ابن ولید۔ مروان۔ ابن محمد۔ پھر حکومت بنی عباس میں منتقل ہو گئی۔ (مرقات) حضور خاتم انبیاء ہیں۔ حضرت علی خاتم الخلفاء اور امام مہدی خاتم الاولیاء ہیں۔

(مرقات)

قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیَکُوْنُ بَعْدَ ھٰذَا الْخَیْرِ شَرٌّ کَمَا کَانَ قَبْلَہٗ شَرٌّ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ فَمَا الْعِصْمَۃُ قَالَ السَّیْفُ قُلْتُ وَھَلْ بَعْدَ السَّیْفِ بَقِیَّۃٌ قَالَ نَعَمْ تَکُوْنُ اِمَارَۃٌ عَلٰی اَقْذَاءٍ وَھُدْنَۃٌ عَلٰی دَخَنٍ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ یَنْشَاءُ دُعَاۃُ الضَّلَالِ فَاِنْ کَانَ لِلّٰہِ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃٌ جَلَدَ ظَھْرَکَ

فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا اس خیر کے بعد شر ہو گی جیسے اس سے پہلے تھی[1] فرمایا ہاں میں نے عرض کیا تو حفاظت کیا ہے فرمایا تلوار[2]۔ میں نے عرض کیا کیا تلوار کے بعد کچھ بقایا ہے[3] فرمایا ہاں ہو گی سلطنت ناپسندیدگی[4] اور صلح دھوئیں پر[5]۔ میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر گمراہی کی طرف بلانے والے پیدا ہوں گے[6] تو اگر زمین میں کوئی اللہ کا خلیفہ ہو وہ تمہاری پشت پر کوڑے مارے

[1] یہاں خیر سے مراد اسلام ہے اور شر سے مراد کفر یا ارتداد یعنی جیسے حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے دنیا میں کفر تھا۔ کیا اب پھر کبھی کفر کا زور ہو جاوے گا۔

[2] چونکہ یہاں فتنہ سے مراد ارتداد کا فتنہ ہے جو خلافت صدیقی میں ظاہر ہوا۔ کہ بعض لوگ زکوٰۃ کے انکاری ہوئے۔ بعض مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آئے۔ ان پر تلوار چلانی ضروری ہوئی۔ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں فتنے سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا کہ وہاں مسلمانوں کی آپس کی جنگیں مراد ہیں۔

[3] یعنی اس فتنہ کے بعد اسلام کی بقا ہوگی یا پھر بھی کچھ فتنے باقی رہیں گے۔

[4] اقذاء جمع ہے قذی کی بمعنی آنکھ کا تنکا وغیرہ جس میں بظاہر آنکھ اچھی ہوتی ہے مگر باطن تکلیف یہاں مراد ہے ناپسندیدگی، اور بددلی یعنی لوگ کسی کو اپنا امیر مانیں گے تو مگر صرف ظاہر سے ان کے دل اس سے راضی نہ ہوں گے۔ نیز اس سلطنت میں بدعات وغیرہ ہوں گی۔

[5] ھدنۃ بنا ہے ہدن سے بمعنی سکون وچین۔ دخن بمعنی دخان ہے یعنی لوگ صلح تو کرلیں گے مگر اس صلح میں صفائی نہ ہوگی، کدورت ہوگی اس میں اشارہ ہے حضرت امام حسن اور امیر معاویہ کی صلح کی طرف اگرچہ یہ صلح تو ہوگی مگر لوگوں کے دلوں میں صفائی نہ ہوئی۔ اس لیے ہمارا مذہب ہے کہ حضرت امیر معاویہ اس صلح کے بعد خلیفہ نہ ہوئے بلکہ سلطان اسلام ہوئے، اسلام میں پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق اور پہلے سلطان امیر معاویہ (مرقات)

[6] یہ فتنے مروانی دور سے شروع ہوئے جبکہ مسلمانوں میں برے عقیدے بدعات رائج ہوگئیں۔ ان میں حکام اور امراء بدعمل بد مذہب ہونے لگے۔

وَاَخَذَ مَالَكَ فَاَطِعْهُ وَاِلَّا فَمُتْ وَاَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جِذْلِ شَجَرَةٍ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ بَعْدَ ذٰلِكَ مَعَهٗ نَهْرٌ وَّنَارٌ فَمَنْ وَقَعَ فِيْ نَارِهٖ وَجَبَ اَجْرُهٗ وَحُطَّ وِزْرُهٗ وَمَنْ وَقَعَ فِيْ نَهْرِهٖ وَجَبَ وِزْرُهٗ وَحُطَّ اَجْرُهٗ قَالَ قُلْتُ ثُمَّ مَاذَا قَالَ ثُمَّ يُنْتَجُ الْمُهْرُ فَلَا يُرْكَبُ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ هُدْنَةٌ

اور تمہارا مال لے مگر تم اس کی فرمانبرداری کرنا[1] اور نہ اس طرح مرجانا کہ کسی درخت کی جڑ دانتوں سے پکڑے ہوئے[2] میں نے کہا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر اس کے بعد دجال نکلے گا جن کے ساتھ نہر اور آگ ہوگی تو جو اس کی آگ میں گریگا اس کا ثواب ثابت ہوجاوے گا اور اس کے گناہ معاف ہوجائیں گے اور جو اس کی نہر میں گرے گا اس کا گناہ ثابت ہوجاوے گا[3] اور اس کا ثواب ضبط میں نے عرض کیا پھر کیا ہوگا فرمایا پھر گھوڑی بچہ دیگی تو اس پر سواری نہ کی جاسکے گی حتی کہ قیامت قائم ہوجاوے گی[4] اور ایک روایت میں یوں ہے

[1] یہاں خلیفہ سے مراد سلطان اسلام ہے۔ یعنی اگر ظالم بادشاہ بھی ہو تو تم اس کے خلاف بغاوت نہ کرنا کہ بغاوت میں فتنہ پھیلتے ہیں۔ تم اسکی اطاعت ہی کرنا۔

[2] جذل بمعنی جڑ یعنی اگر زمانہ ایسا افراتفری کا ہو کہ مسلمانوں کا بادشاہ کوئی نہ ہو تو تم لوگوں سے الگ ہوجانا۔ گوشہ نشینی اختیار کرلینا۔ کہ اس زمانہ میں جلوت میں فتنہ ہوگا خلوت میں امن دانت سے پکڑنا عربی کی ایک خاص اصطلاح ہے۔ یعنی مضبوطی سے پکڑنا اور مشکل وقت میں بھی اسے نہ چھوڑنا۔ یہاں اشارۃً فرمایا گیا کہ اس وقت گوشہ نشینی بھی مشکل ہوگی۔ مگر مشکل جھیلنا گوشہ نہ چھوڑنا۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ آگ اور نہر سے ظاہری معنی مراد ہیں۔ واقعی دجال کے ساتھ آگ بھی ہوگی۔ پانی بھی۔ مگر اس کی آگ درحقیقت ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہوگی۔ اور نہر بھڑکتی ہوئی آگ وہ مردود اپنے ماننے والوں کو اس نہر میں داخل کرے گا۔ اپنے منکروں کو آگ میں۔

[4] اس میں اشارہ ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کی طرف اس فرمان عالی کے بہت معنی ہیں۔ ۱؎ اس زمانہ پاک میں جہاد نہ ہوں گے اور مسلمان کفار کے مقابل گھوڑوں پر جہاد نہ کریں گے کیونکہ کفار ختم ہوچکے ہوں گے۔ ۲؎ اس زمانہ میں گھوڑوں پر سواری نہ ہوگی دوسری سواریاں ہوں گی جن پر سواری کی جاوے گی۔ ۳؎ دجال کے بعد ایک وقت وہ آئے گا جب قیامت بہت ہی قریب ہوگی حتی کہ گھوڑی کا بچہ جوان اور قابل سواری ہونے سے پہلے قیامت آجاویگی اس کا مطلب یہ نہیں کہ دجال ہلاک ہونے کے بعد قیامت اتنی قریب ہوگی کہ گھوڑی کی جوانی سے پہلے قیامت آجاویگی کیونکہ دجال کی ہلاکت کے پانچ سو برس بعد قیامت آویگی۔ چالیس سال تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی دنیا میں رہیں گے۔ بعد کو چار سو ساٹھ سال بعد قیامت و

عَلٰى دَخَنٍ وَجَمَاعَةٌ عَلٰى اَقْذَاءٍ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ الْهُدْنَةُ عَلَى الدَّخَنِ مَا هِيَ قَالَ لَا تَرْجِعُ قُلُوْبُ اَقْوَامٍ عَلَى الَّذِيْ كَانَتْ عَلَيْهِ قُلْتُ بَعْدَ هٰذَا الْخَيْرِ شَرٌّ قَالَ فِتْنَةٌ عَمْيَاءُ صَمَّاءُ عَلَيْهَا دُعَاةٌ عَلٰى اَبْوَابِ النَّارِ فَاِنْ مُتَّ يَا حُذَيْفَةُ وَاَنْتَ عَاضٌّ عَلٰى جَذْلٍ خَيْرٌ لَكَ مِنْ اَنْ تَتَّبِعَ اَحَدًا مِنْهُمْ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ كُنْتُ رَدِيْفًا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلٰى حِمَارٍ فَلَمَّا

کر فرمایا صلح دھوئیں پر اور لوگوں کا اجتماع ناپسندیدگی ہیں نے عرض کیا یارسول اللہ کہ دھوئیں پر صلح لہ کیا چیز ہے فرمایا کہ قوموں کے دل اس طرف نہ لوٹیں گے جس پر پہلے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ کیا اس خیر کے بعد شر ہوگی فرمایا اندھے بہرے فتنے ہوں گے ۲؎ جن پر کچھ لوگ دوزخ کے دروازوں کی طرف بلانے والے ہوں گے ۳؎ تو اے حذیفہ اگر تم اس حالت میں وفات پاؤ کہ تم کسی درخت کی جڑ دانت سے پکڑے ہو تو تمہارے لئے اس سے اچھا ہے کہ تم ان میں سے کسی کی پیروی کرو ۴؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک دن ردیف تھا ۵؎ ایک گدھے پر تو جب ہم

لہ مطلب وہی ہے صرف عبارت کا فرق ہے۔ جماعت سے مراد ہے لوگوں کا کسی کی بیعت پر ظاہری طور پر متفق ہوجانا ہے۔

۲؎ یعنی ایسے فتنے جو لوگوں کو اندھا بہرہ کردیں گے کہ لوگ اس وقت نہ حق دیکھیں گے نہ حق سنیں گے۔ لوگوں کی مت ماری جاوے گی اس وقت حق ایسا مشتبہ ہو جاوے گا کہ نظر نہ آوے گا۔

۳؎ یعنی یہ لوگ خود دوزخ کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے۔ اور مخلوق کو اپنی طرف بلاتے ہوں گے۔ بدعقیدگی۔ بدعمل۔ دوزخ کے دروازے ہیں۔

۴؎ یعنی ان فتنہ والوں میں سے کسی کے ساتھ نہ رہو، خلوت نشین ہوجاؤ۔

۵؎ جب ایک گھوڑے یا خچر پر دو آدمی سوار ہوں تو آگے والا مردف ہے۔ پیچھے والا ردیف آپ کا یہ فرمانا یا تو اللہ کی نعمت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ کہ مجھے حضور انور سے بہت ہی قرب نصیب ہوا۔ یا حدیث کی قوت بتانا مقصود ہے۔ یعنی یہ فرمان عالی میں نے بہت ہی قریب سے سنا۔ لہذا بالکل صحیح سنا، جس میں کوئی شبہ نہیں ۔

جَاوَزْنَا بُيُوْتَ الْمَدِيْنَةِ قَالَ كَيْفَ بِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ جُوْعٌ تَقُوْمُ عَنْ فِرَاشِكَ وَلَا تَبْلُغُ مَسْجِدَكَ حَتّٰى يُجْهِدَكَ الْجُوْعُ قَالَ قُلْتُ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَعَفَّفْ يَا اَبَا ذَرٍّ قَالَ كَيْفَ بِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ مَوْتٌ يَبْلُغُ الْبَيْتُ الْعَبْدَ

مدینہ کے گھروں سے نکل گئے تو فرمایا اے ابوذر اس دن تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام بھوک ہوگی[1] تم اپنے بستر سے اٹھوگے تو اپنی مسجد نہ پہونچو گے کہ تم کو بھوک مشقت میں ڈال دے گی[2] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں فرمایا پرہیزگار رہنا[3] اے ابوذر فرمایا اے ابوذر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب مدینہ میں عام موت پھیل جاوے گی[4] کہ گھر غلام کی قیمت کو پہونچ جاویگا[5]

[1] یعنی تمہاری زندگی میں مدینہ منورہ میں عام قحط سالی ہوگی، معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ اگر واقعہ حرہ کی طرف اشارہ ہے۔ تو بھوک سے مراد ہے خود ابوذر کا بھوکا ہونا کہ اس وقت جو صحابہ گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ وہ بھوکے رہے۔

[2] اس سے معلوم ہوا ہے کہ بھوک سے مراد عام قحط سالی نہیں بلکہ خاص ان کا بھوکا ہونا ہے۔ یعنی تم بھوک شدت کی وجہ سے بمشکل مسجد تک پہنچ سکو گے۔

[3] یعنی تم اس وقت بھوک کی وجہ سے رزق کے لئے شریعت کی حدیں مت توڑنا حلال روزی پر قناعت کرنا اور بھوک کی وجہ سے بددینوں سے تعلق نہ رکھنا۔

[4] یہ عام موت کسی وبائی بیماری کی وجہ سے نہ ہوگی کہ مدینہ منورہ وبا سے محفوظ ہے وہاں دجال طاعون نہیں پہنچ سکتے۔

[5] اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ مردوں کی زیادتی کی وجہ سے وقف قبرستان تو بھر جائیں گے لوگ مملوکہ زمینوں میں دفن کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور زمینوں کے مالک ایک قبر کی زمین کی اتنی بھاری قیمت وصول کریں گے۔ جتنی قیمت ایک غلام کی ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایک قبر کھودنے کی اجرت اتنی زیادہ ہوگی جتنی ایک غلام کی ہوتی ہے تیسرے یہ کہ غلاموں کے عوض قبر کی زمین خریدی جاوے گی۔ ان صورتوں میں بیت سے مراد قبر ہے۔ تیسرے یہ کہ لوگ اس قدر مر جاویں گے کہ گھر خالی رہ جاویں گے اور اتنے سستے ہو جاویں گے کہ ایک غلام کی قیمت میں ایک گھر مل جاوے گا۔ چوتھے یہ کہ گھر میں ایک غلام سارے گھر کا نگراں ہوگا باقی لوگ یا بیمار ہوں گے یا مر چکے ہوں گے ان صورتوں میں گھر سے مراد رہائشی گھر ہے (اشعہ) مگر پہلے دو معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جو امام کفن چور کا ہاتھ کٹواتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ حضور انور نے قبر کو گھر فرمایا تو جیسے گھر میں سے چوری کرنے والے کے ہاتھ کٹتے ہیں۔ ایسے ہی قبر میں سے چوری کرنے والے کے ہاتھ کٹیں گے مگر یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے کیونکہ کفن کسی کی ملکیت نہیں اور غیر مملوک

حَتّٰى اَنَّهٗ يُبَاعُ الْقَبْرُ بِالْعَبْدِ قَالَ قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَصْبِرُ يَا اَبَا ذَرٍّ
قَالَ كَيْفَ بِكَ يَا اَبَا ذَرٍّ اِذَا كَانَ بِالْمَدِيْنَةِ تَغْمُرُ الدِّمَاءُ اَحْجَارَ الزَّيْتِ قَالَ
قُلْتُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ تَاْتِيْ مَنْ اَنْتَ مِنْهُ قَالَ قُلْتُ اَلْبَسُ السِّلَاحَ قَالَ
شَارَكْتَ الْقَوْمَ اِذًا قُلْتُ فَكَيْفَ اَصْنَعُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ

حتیٰ کہ ایک قبر ایک غلام کی عوض بکے گی [1] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں فرمایا صبر کرنا اے ابوذر [2] فرمایا اے ابوذر اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب کہ مدینہ میں قتل عام ہوگا حتیٰ کہ خون ریت کے پتھروں کو ڈبو دے گا [3] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانیں فرمایا ان میں چلے جانا جن میں سے تم ہو [4] میں نے عرض کیا کہ ہتھیار باندھوں فرمایا تب تم قوم میں شریک ہو گئے [5] میں نے عرض کیا کہ میں کیا کروں یارسول اللہ فرمایا

[1] یہ فرمان عالی یا تو الگ جملہ ہے یا پہلے جملہ کی شرح ہے. دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔

[2] یعنی اس شدت میں بھی مدینہ منورہ مت چھوڑنا یہاں ہی صبر سے رہنا کہ مدینہ کی موت دوسری جگہ کی زندگی سے افضل ہے. شعر

ان کے در پہ دم نکل جائے تو جی جائیں حسن ان کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں

[3] اس فرمان عالی میں اشارہ ہے. واقعہ حرہ کی طرف جو یزید مردود کے زمانہ میں بعد واقعہ کربلا ہوا کہ یزید نے مسلم ابن عقبہ کی سرکردگی میں ایک لشکر جرار سے مدینہ منورہ پر دھاوا دیا تین دن یا پانچ دن مدینہ پاک میں قتل عام کرایا، مسجد نبوی شریف میں کئی دن اذان نہ ہوسکی، مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں حضرات صحابہ و تابعین کا خون پانی کی طرح بہا یہاں سے پھر اس لشکر نے مکہ معظمہ کا رخ کیا ابھی یہ لشکر راستہ میں تھا کہ مسلم ابن عقبہ ہلاک ہوا. اس کے بعد یزید بھی جہنم رسید ہوا. احجار الزیت یا تو مدینہ منورہ کے ایک محلہ کا نام ہے یا ایک میدان کا کیونکہ وہاں کالے کالے پتھر ہیں. گویا تیل چپڑے ہوں اس واقعہ کی تفصیل تاریخ مدینہ میں دیکھو (از مرقات واشعہ)

[4] یہ جملہ خبر بمعنی امر ہے یعنی تم ان کے پاس چلے جانا جن میں سے تم ہو یعنی اپنے گھر اپنے بال بچوں میں رہنا بلاضرورت باہر نہ نکلنا یہ ہی معنی درست ہیں، کیونکہ جنگ رہی سوا یزید کے کوئی سلطان تھا ہی نہیں۔

[5] یعنی اس موقعہ پر اگر تم بھی جنگ کرنے لگے تو اس فتنہ میں شریک ہوگئے اور اس شرکت سے فتنہ بڑھے گا گھٹے گا نہیں اسی لیے اس فتنہ میں حضرت امام زین العابدین اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنہم گوشہ نشین رہے یہ تھا اس حکم پر عمل۔

اِنْ خَشِیْتَ اَنْ یَبْھَرَکَ شُعَاعُ السَّیْفِ فَاَلْقِ نَاحِیَۃَ ثَوْبِکَ عَلٰی وَجْھِکَ یَبُوْءُ بِاِثْمِکَ وَاِثْمِہٖ رَوَاہُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْ عَبْدِ اللہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ بِکَ اِذَا اُبْقِیْتَ فِیْ حُثَالَۃٍ مِنَ النَّاسِ مَرِجَتْ عُھُوْدُھُمْ وَاَمَانَاتُھُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَکَانُوْا ھٰکَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ قَالَ تَاْمُرُنِیْ قَالَ عَلَیْکَ بِمَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْکِرُ وَعَلَیْکَ

اگر تمہیں خطرہ ہو کہ تمہیں تلوار کی شعاعیں چوندھیا دیں گی تو اپنے کپڑے کا کنارہ اپنے چہرے پر ڈال لینا تاکہ وہ تمہارا اور اپنا گناہ لے کر لوٹے [۱] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارا کیا حال ہوگا۔جبکہ تم لوگوں کی بھوسی میں رہ جاؤ گے [۲] کہ ان کے عہدو پیمان اور امانتیں گڈ بڈ ہوں گی اور آپس میں اختلاف کریں گے تو ایسے ہو جائیں گے اور اپنی انگلیوں شریف کو گتھا دیا [۳] عرض کیا مجھے کیا حکم ہے فرمایا جسے بھلا جانو اسے لازم مضبوط پکڑ لو اور جسے برا جانو وہ چھوڑ دو اور

[۱] یعنی اگر تمہارے گوشہ نشینی خانہ نشین ہونے کے باوجود کوئی ظالم سفاک تمہارے گھر میں قتل کرنے آجاوے تو اس کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ اپنا آپ چھپا کر خاموش بیٹھے رہنا کہ وہ تمہیں اس صبر وشکر کی حالت میں قتل کردے۔ خیال رہے کہ یہ فرمانا ہے حضرت ابوذر سے مگر سنانا ہے۔ دوسروں کو کیونکہ حضرت ابوذر غفاری نے حرہ کا واقعہ نہیں پایا۔ آپ کی وفات ۳۲ھ تبیس ہجری خلافت عثمانیہ میں ہوئی۔ اور حرہ کا یہ واقعہ ۶۳ھ میں ہوا۔ یہ حکم خصوصی طور پر زمین مدینہ میں کشت وخون سے بچنے کے لئے ہے۔ اسی لیے حضرت عثمان غنی شہید ہوئے کہ آپ نے قاتل کا وار روکا بھی نہیں۔ ظالم کفار سے اپنا بچاؤ اس پر وار کرنا ضروری ہے:

[۲] حثالہ گیہوں یا جو کی وہ بھوسی جو کسی کام نہ آوے اسبغول کی بھوسی بہت کار آمد اور قیمتی چیز ہے۔ اسے حثالہ نہیں کہا جاتا، یعنی تم بے کار لوگوں میں رہ جاؤ گے، جن سے کسی کو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ محض بے کار ہوں گے۔ ان کا حال آگے ارشاد ہو رہا ہے۔

[۳] یعنی ان لوگوں میں تین عیب ہوں گے۔ وعدہ خلافی۔ امانتوں میں خیانت۔ آپس میں لڑائی جھگڑے۔ اس سے حضرات صحابہ مراد نہیں بلکہ بعد والے لوگ تمام صحابہ عادل تقی ہیں۔ ان کی عدالت پر قرآن کریم گواہ ہے فرماتا ہے۔ وکلا وعد اللہ الحسنٰی

بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَاِيَّاكَ وَعَوَامَّهُمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَلْزِمْ بَيْتَكَ وَاَمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَخُذْ مَا تَعْرِفُ وَدَعْ مَا تُنْكِرُ وَعَلَيْكَ بِاَمْرِ خَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ اَمْرَ الْعَامَّةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَصَحَّحَهٗ وَعَنْ اَبِيْ

تم اپنے خاص ذات کی فکر رکھو عوام سے بچو[1] اور ایک روایت میں ہے کہ اپنا گھر لازم پکڑ لو اپنی زبان قابو میں رکھو[2] جو اچھا جانو وہ اختیار کرلو اور جو برا جانو چھوڑ دو اور اپنا خاص معاملہ اختیار کرو اور عام لوگوں کا معاملہ چھوڑ دو[3] (ترمذی) اور اسے صحیح فرمایا، روایت ہے حضرت

[1] یعنی اس زمانہ میں اپنی فکر کرو لوگوں کی فکر نہ کرو بلکہ انہیں تبلیغ بھی نہ کرو کہ اس زمانہ میں لوگ تمہاری تبلیغ کا اثر تو لیں گے نہیں الٹے تمہارے پیچھے پڑ جائیں گے۔ پہلے گزر چکا کہ ایسی مجبوری کی حالت میں تبلیغ فرض نہیں رہتی۔

[2] یعنی اس وقت لوگوں کے حالات ان کے معاملات میں گفتگو نہ کرو، اور بغیر سوچے بات نہ کرو کہ اکثر آفات زبان کی وجہ سے آجاتی ہے۔ یہ فرمان عالی تاقیامت امان کی تعلیم ہے، زبان پر قابو رکھنے سے بہت آفات دور رہتی ہیں۔ یوں ہی اپنے گھر میں رہنا لوگوں سے خلط ملط نہ رکھنا گناہوں سے بچے رہنے کا ذریعہ ہے۔

[3] یہ وجوبی حکم نہیں بلکہ اباحت اور اجازت کا حکم ہے کہ ایسی مجبوری میں تبلیغ چھوڑ دینے کی اجازت ہے اگر کوئی ہمت و صبر والا بندہ ایسی حالت میں بھی تبلیغ کرے اور مصیبت جھیلے تو ثواب کا مستحق ہوگا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے سخت مجبوری میں تبلیغ کی اور قوم سے بڑی مصیبتیں جھیلیں، حضرت امام حسین نے فتنۂ یزیدی میں سفر کیا، تبلیغ فرمائی اور جام شہادت نوش کیا، خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ فتنہ کے زمانہ میں گوشہ نشین بلکہ جنگل نشین ہوجاویں، لوگوں سے الگ رہیں مگر حضرت عبداللہ ابن عمرو کو حکم دیا گیا کہ لوگوں میں رہیں، بسیں مگر زبان کی نگرانی کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں۔ حکیم ہر مریض کو اس کے مزاج کے مطابق دوا دیتا ہے۔ جناب حذیفہ کے لیے وہ مناسب تھا اور جناب ابن عمرو کے لیے یہ مناسب۔ حضرت عبداللہ ہمیشہ کے روزہ دار، شب بیدار تھے۔ آپ کے والد عمرو ابن عاص نے حضور سے اس کی شکایت کی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تین نصیحتیں فرمائیں۔ تہائی رات جاگو دو تہائی سوؤ، ہر مہینہ تین روزے رکھو، اپنے باپ کا حکم مانو، اختلاف صحابہ کے زمانہ میں حضرت عمرو ابن عاص امیر معاویہ کے ساتھ رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو بظاہر امیر معاویہ کے ساتھ رہے۔ باپ کی وجہ سے اور درپردہ حضرت علی کے ساتھ اور کہا کرتے تھے کہ میں اپنے والد کے ساتھ خیر میں شریک ہوں نہ کہ شر میں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر کہتے تھے، کہ میں ان سے ہوں مگر افسوس کہ ان کے ساتھ نہیں رہ سکتا ہوں۔

(اشعہ)

مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَيُمْسِيْ كَافِرًا وَيُمْسِيْ مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ فَكَسِّرُوْا فِيْهَا قِسِيَّكُمْ وَقَطِّعُوْا فِيْهَا اَوْتَارَكُمْ وَاضْرِبُوْا سُيُوْفَكُمْ بِالْحِجَارَةِ فَاِنْ دُخِلَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْكُمْ فَلْيَكُنْ كَخَيْرِ ابْنَيْ اٰدَمَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

ابوموسیٰ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ آپ نے فرمایا قیامت کے آگے بہت فتنے ہیں اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح [1] ان میں آدمی صبح کو مومن ہوگا اور شام کو کافر اور شام کو مومن ہوگا اور صبح سویرے کو کافر [2] ان میں بیٹھ رہنے والا کھڑے سے بہتر ہوگا اور ان میں چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا [3] تو ان فتنوں میں اپنی کمانیں توڑ دو اپنی تانت کاٹ دو اور اپنی تلواریں پتھر سے مار دو [4] پھر اگر تم میں سے کسی پر گھسا جاوے تو وہ حضرت آدم کے بہترین بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جاوے [5] (ابوداؤد)

[1] یعنی جیسے اندھیری رات میں کچھ سوجھتا نہیں یوں ہی ان فتنوں میں کچھ سوجھے گا نہیں۔ حق کیا ہے اور باطل کیا عجیب افراتفری کا زمانہ ہوگا۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ صبح شام سے مراد قریبی اوقات ہیں۔ بعض لوگ ایسے مذبذب ہو جائیں گے کہ ابھی مومن ابھی کافر (مرقات) لوگوں کو ایمان کی پرواہ نہ رہے گی۔

[3] یہاں بیٹھنے والے سے مراد ہے ان فتنوں سے بے تعلق رہنے والا۔ چلنے والے سے مراد ہے معمولی تعلق رکھنے والا اور دوڑنے والے سے مراد ہے بہت مشغول اور فتنوں میں جسمانی ظاہری بیٹھنا چلنا دوڑنا مراد نہیں۔ اس کی مفصل شرح پہلے گذر چکی۔

[4] یعنی اس زمانہ میں اپنے جنگی ہتھیار بیکار کردو۔ تاکہ تم جنگ کے قابل نہ رہو کیونکہ اس وقت دونوں طرف مسلمان ہوں گے جن کو مارو گے مسلمان کو مارو گے۔ لہذا اپنے کو مارنے کے قابل ہی نہ رکھو۔ اسی میں بھلائی ہے۔

[5] یعنی اگر اس علیحدگی اور خلوت نشینی کے باوجود کوئی ظالم خونخوار خواہ مخواہ تمہارے گھر میں گھس کر تم پر حملہ کرے تو تم جوابی کارروائی نہ کرو قتل ہو جاؤ مگر مقابلہ نہ کرو، اس حدیث کی شرح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہے۔ اگر آپ اس وقت باغیوں کا مقابلہ کرتے تو آپ کے مملوک دو سو غلام تھے اور ہزارہا ساتھی بڑی سخت جنگ ہوتی، اور زمین مدینہ خون سے رنگین ہو جاتی۔

وَفِی رِوَایَۃٍ لَہٗ ذَکَرَ اِلٰی قَوْلِہٖ خَیْرٌ مِّنَ السَّاعِیْ ثُمَّ قَالُوْا فَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ کُوْنُوْا اَحْلَاسَ بُیُوْتِکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی الْفِتْنَۃِ کَسِّرُوْا فِیْہَا قِسِیَّکُمْ وَقَطِّعُوْا فِیْہَا اَوْتَارَکُمْ وَالْزَمُوْا فِیْہَا اَجْوَافَ بُیُوْتِکُمْ وَکُوْنُوْا کَابْنِ اٰدَمَ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ غَرِیْبٌ وَعَنْ اُمِّ مَالِکِ الْبَھْزِیَّۃِ قَالَتْ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِتْنَۃً فَقَرَّبَھَا قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَنْ خَیْرُ النَّاسِ فِیْھَا قَالَ

اور ادسی کی ایک روایت میں خیر من الساعی تک کا ذکر فرمایا پھر لوگوں نے عرض کیا کہ تب ہم کو حضور کیا حکم دیتے ہیں فرمایا اپنے گھروں کے ٹاٹ بن جاناا؎ اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کے متعلق فرمایا کہ اس میں اپنی کمانیں توڑ دینا اور اس میں اپنی تانت کاٹ دینا۲؎ اور اس میں اپنے گھروں کا اندرونی حصہ پکڑ لینا۳؎ اور حضرت آدم کے بیٹے کی طرح ہوجانا۴؎ اور کہا یہ حدیث صحیح ہے غریب ہے روایت ہے حضرت ام مالک بہزیہ سے۵؎ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا ذکر فرمایا اسے بہت قریب کیا۶؎ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں بہترین آدمی کون ہوگا فرمایا

ا؎ کہ جیسے گھر کا بچھا ہوا ٹاٹ گھر میں ہی رہتا ہے باہر نہیں جاتا تم بھی گھر میں رہنا باہر نہ جانا لوگوں سے ملنا جلنا بند کردینا۔ یہ مطلب نہیں کہ باجماعت نماز اور جمعہ و عیدین چھوڑ دینا۔ مقصد یہ ہے کہ لوگوں سے خلط ملط چھوڑ دینا۔

۲؎ یعنی جنگ کے ہتھیار ختم کردینا تاکہ تمہارے دلوں میں کبھی جنگ کا خطرہ بھی پیدا ہو جنگ کرنا تو کیا جنگ کا خیال بھی نہ کرنا کہ دونوں طرف مسلمان ہوں گے۔ جسے مارو گے مسلمان کو مارو گے۔

۳؎ یعنی گھر کے اندرونی حصہ میں خلوت و گوشہ نشینی اختیار کرنا جہاں باہر کے لوگ تمہارے پاس نہ آسکیں گھر کی بیٹھک میں نہ بیٹھنا کہ وہاں خلوت بالکل نہیں ہوتی راہگیروں سے ملاقات ہو ہی جاتی ہے۔ سوا نماز اور ضروریات کے باہر مت نکلنا۔

۴؎ ابن آدم سے مراد ہابیل ہے جو ظلمًا مقتول ہوا قابیل قاتل نہیں یعنی ان فتنوں میں تم ظالم نہ بننا مظلوم بن کر مر جانا قبول کرلینا۔

۵؎ آپ صحابیہ ہیں، بہز ابن امرء القیس کی نسل سے ہیں۔ حجازیہ ہیں۔ آپ سے طاؤس اور مکحول نے تابعین حدیث کی مدت لی آپ کے حالات معلوم نہ ہوسکے۔ ۶؎ یعنی آنا واضح بیان فرمایا کہ اس فتنہ کو ہمارے ذہنوں سے قریب کردیا ہم کو خوب واضح کرکے بتا دیا یہ مطلب نہیں کہ اسے قریب زمانہ

رَجُلٌ فِیْ مَاشِیَتِهٖ یُؤَدِّیْ حَقَّهَا وَیَعْبُدُ رَبَّهٗ وَرَجُلٌ اٰخِذٌ بِرَاْسِ فَرَسِهٖ یُخِیْفُ الْعَدُوَّ وَیُخَوِّفُوْنَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَتَکُوْنُ فِتْنَةٌ تَسْتَنْظِفُ الْعَرَبَ قَتْلَاهَا فِی النَّارِ اللِّسَانُ فِیْهَا اَشَدُّ مِنْ وَقْعِ السَّیْفِ

وہ شخص جو اپنے جانوروں میں رہے ان کا حق ادا کرے اور اپنے رب کی عبادت کرے [1] اور وہ شخص جو اپنے گھوڑے کا سر پکڑے ہو وہ دشمن کو ڈرائے اور دشمن اسے ڈرائیں [2] (ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عنقریب ایسا فتنہ ہوگا جو سارے عرب کو گھیرے گا [3] اس میں مقتولوں آگ میں ہوں گے [4] اس میں زبان تلوار کے حملہ سے

میں بتایا کیونکہ یہ فتنہ زمانہ صحابہ میں نہیں ہوا تھا

[1] یعنی اگر اس کے پاس جانور ہوں بکریاں، اونٹ وغیرہ تو جنگل میں انہیں کے پاس رہے شہر میں صرف جمعہ و عیدین کو آیا کرے وہاں جنگل میں ہی اپنے نوکروں غلاموں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر لیا کرے۔ لہذا حدیث واضح ہے۔ اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جنگل میں نماز باجماعت اور جمعہ و عیدین کیسے ادا کرے گا۔ خیال رہے کہ جو جنگل شہر سے ملحق ہو وہاں کے باشندوں پر جمعہ و عیدین ہے اور جنگل شہر سے دور ہو اس سے ملحق نہ وہاں کے باشندوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ عیدین۔

[2] یعنی اسلامی سرحدوں (بارڈر) پر رہے اور تیاری جہاد میں مشغول رہے۔ باڈر کے باشندے ہمیشہ کفار کے مقابلہ میں رہتے ہیں۔ کبھی کفار انہیں مار جاتے ہیں کبھی یہ کفار کو ان کی سرحد میں گھس کر مار آتے ہیں۔ لوٹ لاتے ہیں۔ باڈر پر رہنا بھی عبادت ہے۔ اس فرمان عالی میں اشارۃً بتایا گیا کہ ایسے فتنوں میں بھی تیاری جہاد میں مشغول رہنا چاہیئے۔

[3] یعنی فتنہ عام ہوگا جو سارے عرب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا یا اہل عرب کو فتنہ گروں سے صاف و پاک کر دے کر اس وقت فتنہ گر مارے جاویں گے۔ التنظاف کے معنی ہیں گھیرنا اور پاک و صاف کرنا، یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔

(مرقات۔اشعہ)

[4] یعنی ان فتنوں میں قتل ہونے والے شہید نہ ہوں گے۔ بلکہ دوزخی ہوں گے کیونکہ ان کی موت اسلام کے لئے نہیں بلکہ فتنہ گری کے لئے ہوگی۔ ملک و مال و عزت کی ہوس میں ایک دوسرے سے جنگ کریں گے جب مقتولین دوزخی ہوئے تو قاتلین یقیناً دوزخی ہوں گے۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَتَكُونُ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ بُكْمَاءُ عَمْيَاءُ مَنْ أَشْرَفَ لَهَا اسْتَشْرَفَتْ لَهُ وَإِشْرَافُ اللِّسَانِ فِيهَا كَوُقُوعِ السَّيْفِ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كُنَّا قُعُوْدًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ الْفِتَنَ

سخت تر ہوگی ۱؎ (ترمذی۔ ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عنقریب بہرے گونگے۔ اندھے فتنے ہوں گے ۲؎ جو انہیں اچک کر دیکھے گا اسے اچک لیں گے ۳؎ اور ان میں زبان چلانا تلوار چلانے کی طرح ہوگا ۴؎ (ابو داؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ حضور نے فتنوں کا ذکر فرمایا

۱؎ یعنی اس فتنہ میں کسی ایک گروہ کی حمایت دوسروں کو مخالفت میں زبان کھولنا تلوار چلانے سے بدتر ہوگا کہ اس وقت ایسی باتیں بڑے کشت و خون کا باعث ہوں گی۔ اس سے بڑے بڑے فتنے واقع ہوں گے۔ اللہ کی پناہ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد حضرت امیر معاویہ و علی مرتضیٰ کی جنگ ہے۔ مگر یہ غلط ہے کہ وہ دونوں جماعتیں جنتی ہیں۔ اگرچہ حق حضرت علی کے ساتھ تھا اور امیر معاویہ غلطی پر تھے مگر اجتہادی غلطی معاف ہو کسی نے ایک عالم سے پوچھا کہ عمر ابن عبدالعزیز افضل ہیں یا امیر معاویہ عالم نے فرمایا کہ جس گھوڑے پر امیر معاویہ نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار سے جہاد کیا۔ اس گھوڑے کا غبار عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔ تمام دنیا کے اولیاء اللہ ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے (مرقات) یہ بحث بہت تفصیل سے ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر مطالعہ فرماؤ۔

۲؎ یعنی ایسے فتنے ہوں گے جن میں حق نظر نہ آوے گا لوگ حیران ہوں گے۔ کہ ہم کیا کریں اور کہاں جائیں انہیں کچھ سوجھے گا نہیں لوگ حق بولیں گے نہیں حق دیکھیں گے نہیں لہذا لوگ اندھے بہرے گونگے ہو جائیں گے چونکہ اس کا سبب وہ فتنے ہوں گے لہذا فتنوں کو بہرا گونگا اندھا فرما دیا گیا۔

۳؎ یعنی ان فتنوں کے قریب جائیگا تماشائی بن کر دیکھنے کی کوشش کرے گا وہ فتنہ میں پڑ جائے گا۔ لہذا اس وقت فتنوں سے دور رہو۔

۴؎ اس کا مطلب ابھی بیان ہوچکا کہ اس فتنہ میں کسی کی حمایت میں بولنا سخت فتنہ کا سبب ہوگا۔

فَاَكْثَرَ فِيْ ذِكْرِهَا حَتّٰى ذَكَرَ فِتْنَةَ الْاَحْلَاسِ قَالَ قَائِلٌ وَمَا فِتْنَةُ الْاَحْلَاسِ قَالَ هِيَ هَرَبٌ وَحَرَبٌ ثُمَّ فِتْنَةُ السَّرَّاءِ دَخَنُهَا مِنْ تَحْتِ قَدَمَيْ رَجُلٍ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يَزْعَمُ اَنَّهٗ مِنِّيْ وَلَيْسَ مِنِّيْ اِنَّمَا اَوْلِيَائِيَ الْمُتَّقُوْنَ ثُمَّ

تو بہت زیادہ ذکر کیا[1] حتی کہ ٹاٹ کے فتنہ کا ذکر فرمایا[2] کسی کہنے والے نے عرض کیا کہ فتنہ احلاس کیا چیز ہے فرمایا وہ بھاگڑا اور لڑائی ہے[3] پھر سراء کے فتنہ کا ذکر کیا[4] جن کا فساد[5] میرے اہل بیت میں سے ایک شخص کے قدموں کے نیچے سے ہوگا[6] وہ سمجھے گا کہ وہ مجھ سے ہے وہ مجھ سے نہیں میرے دوست صرف متقی ہیں[7] پھر

[1] یعنی بہت سے فتنوں کا ذکر فرمایا۔ یا فتنوں کا بہت ذکر فرمایا کہ ہر فتنہ کی تفصیل بیان فرمائی ہر ایک کا واضح بیان کردیا۔

[2] احلاس جمع ہے حلس کی، حلس وہ ٹاٹ ہے جو زین پر نفیس دریوں غالیچوں کے نیچے بچھایا جاتا ہے۔ اوپر کے لسترات لتے بدلتے رہتے ہیں مگر وہ ٹاٹ وہاں ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے۔ اس فتنہ کو یا تو احلاس اس لیے فرمایا کہ وہ فتنہ بہت عرصہ تک رہے گا ٹاٹ کی طرح ہوگا کہ ہٹے گا نہیں اس لیے فرمایا کہ اس زمانہ میں لوگوں کو ٹاٹ کی طرح اپنے گھروں میں رہنا مفید ہوگا جو باہر پھرے گا مبتلا ہو جاوے گا۔

[3] اس فتنہ میں لوگ ایک دوسرے سے بھاگیں گے کوئی کسی کی بات نہ سنے گا ہر ایک دوسرے سے لڑے گا۔ اسے لوٹے گا۔ لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں گے۔

[4] سراء کے لفظی معنی ہیں عیش و عشرت مال کی زیادتی، چونکہ مسلمانوں میں یہ فتنہ ان کی زیادہ مالداری زیادہ عیش و عشرت کی وجہ سے ہوگا زیادتی مال ہزار ہا فتنوں کا سبب ہے۔ اس لیے اسے فتنہ سراء فرمایا گیا یعنی عیش و مال کا فتنہ۔

[5] دخن کے لفظی معنی ہیں دھواں، یہاں مراد فتنہ کی ابتداء ہے اس کا فساد ہے کہ دھواں آگ کی ابتداء ہوتا ہے ایسے ہی یہ اس فتنہ کی ابتداء ہوگی۔

[6] یعنی اس فتنہ کی ابتداء ایک شخص سے ہوگی جو اولاد فاطمہ سے ہوگا یعنی سید ہوگا یا حاکم ہوگا یا حکومت کا طلبگار اپنے خاص نفع کیلئے لوگوں کو مصیبت میں ڈال دیگا چونکہ لوگ سید ہونے کی وجہ سے اس کا ادب و احترام کرتے ہوں گے اس لیے وہ اپنے اس دینی احترام سے غلط فائدہ اٹھا کر یہ فتنہ پھیلائے گا۔

[7] یعنی وہ شخص اپنی ان حرکتوں کے باوجود اپنے کو سید ہی کہے گا اور سمجھے گا کہ میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پیارا ہوں کیونکہ ان کی اولاد سے ہوں یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا ابھی واقع نہیں ہوا، خوارج اس حدیث کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی کی خلافت میں یہ فتنہ واقع ہو چکا۔ مگر یہ اُن کی اہل بیت دشمنی ہے۔ ان سرکار کو اس سے کوئی تعلق نہیں، اگلے واقعات بھی جو یہاں مذکور ہیں۔ اس کے خلاف ہیں۔

يَصْطَلِحُ النَّاسُ عَلٰى رَجُلٍ كَوَرِكٍ عَلٰى ضِلَعٍ ۱ ثُمَّ فِتْنَةُ الدُّهَيْمَاءِ ۲ لَا تَدَعُ اَحَدًا مِّنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا لَطَمَتْهُ لَطْمَةً ۳ فَاِذَا قِيْلَ انْقَضَتْ تَمَادَتْ ۴ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَّيُمْسِيْ كَافِرًا حَتّٰى يَصِيْرَ النَّاسُ اِلٰى فُسْطَاطَيْنِ فُسْطَاطِ اِيْمَانٍ لَا نِفَاقَ فِيْهِ وَفُسْطَاطِ نِفَاقٍ لَا اِيْمَانَ فِيْهِ ۵ فَاِذَا كَانَ ذَاكُمْ فَانْتَظِرُوا الدَّجَّالَ مِنْ يَوْمِهٖ اَوْ مِنْ غَدِهٖ ۶

لوگ ایسے ایک آدمی پر صلح کریں گے جو پسلی پر گوشت کی طرح ہو گا۱ پھر کالا فتنہ ہو گا۲ جو اس امت میں کسی کو نہ چھوڑے گا مگر اسے طمانچہ لگا دے گا۳ پھر جب کہا جاوے گا کہ فتنہ ختم ہو گیا تو وہ اور پھیلے گا۴ اس میں آدمی صبح کریگا مومن ہو کر اور شام کریگا کافر ہو کر حتی کہ لوگ دو خیموں کی طرف لوٹ جائیں گے ایک خیمہ ایمان کا جس میں نفاق نہیں اور دوسرا خیمہ نفاق کا جس میں ایمان نہیں۵ تو جب یہ ہو جاوے تو اس دن یا اس کے اگلے دن دجال کے خروج کا۶

۱ ورک واؤ کے فتحہ ر کے کسرہ سے بمعنی چوتڑ (سرین) ضلع ض کے کسرہ لام کے فتحہ سے۔ پسلی کی ہڈی یعنی جیسے چوتڑ کی گندگی اگر پسلی کی ہڈی پر ہو تو ٹھہرتا نہیں کمزور ہوتا ہے۔ ایسے ہی اس بادشاہ کی حکومت قائم نہ ہوگی بہت کمزور ہوگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ لوگ اس فتنے سے بچنے کے لیے ایسے شخص کو اپنا بادشاہ مقرر کر دیں گے۔ جس کی بادشاہت میں قوت نہ ہوگی۔ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں یہ کب ہوا۔

۲ دہیما مؤنث ہے دہیم ہے جس کا مادہ دہم ہے۔ بمعنی سخت سیاہ اندھیرا۔ یعنی ایسا اندھیرے والا فتنہ ہوگا کہ لوگوں کو اس میں راستہ نظر نہ آوے گا۔ کہ کدھر جاویں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ دہیما ایک اونٹنی تھی۔ جس پر آگے پیچھے سات آدمیوں نے جنگ کی جو سب مارے گئے۔ اونٹنی خالی رہ گئی۔ جب سے عرب میں یہ کہاوت بن گئی کہ ایسے خطرناک فتنہ کو دہیما کہنے لگے (مرقات)

۳ یعنی یہ فتنہ بہت روز تک رہے گا کبھی ہلکا پڑ جاوے گا تو لوگ سمجھیں گے ختم ہو گیا۔ پھر تیز ہو جاوے گا حتی کہ ختم ہو گا۔

۴ یعنی اس فتنہ سے کوئی نہ بچے گا سب پر اس کا اثر پہنچے گا کسی پر زیادہ کسی پر کم۔

۵ یعنی لوگوں کے دو گروہ ہو جائیں گے خالص مومن، خالص منافق۔ یا فسطاط سے مراد شہر ہیں یعنی لوگ دو شہروں میں بٹ جاویں گے۔

۶ یعنی اس فتنہ کے متصل خروج دجال ہوگا۔ اس لیے معلوم ہوا کہ یہ فتنہ ابھی واقع نہیں ہوا۔ قیامت کے قریب ہوگا وہ کون سید ہوگا جو اس فتنہ کا موجد ہوگا یہ رب جانے اور یہ واقعہ کب ہوگا اس کی تاریخ کا بھی پتہ نہیں (اشعہ)

رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَیْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ اَفْلَحَ مَنْ کَفَّ یَدَهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ اِنَّ السَّعِیْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِیَ فَصَبَرَ فَوَاهًا رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ

(ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے عرب کے لئے [1] اس شر قریب آگئی وہ شخص کامیاب رہے گا جو اپنا ہاتھ روکے [2] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت مقداد ابن اسود سے [3] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے محفوظ رہے نیک بخت وہ جو فتنوں سے محفوظ رہے نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے محفوظ رہے [4] اور جو مبتلا ہو جاوے تو صبر کرے تو اچھا ہے [5] (ابوداؤد)

[1] ویل کے معنی ہیں خرابی۔ شر قریب۔ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام۔ ہلاکت۔ یہاں بمعنی خرابی ہے (مرقات)

[2] یعنی اس زمانہ میں جو جنگ و قتال میں حصہ نہ لے وہ کامیاب ہے۔ اس شر سے مراد یا تو یاجوج ماجوج کا نکلنا ہے۔ اس وقت ان سے مقابلہ کی طاقت نہ ہوگی۔ اس لئے قتال سے بچنے والا کامیاب رہے گا یا اس شر سے مراد مسلمانوں کی آپس کی جنگیں ہیں جو حضرت عثمان کی شہادت سے شروع ہوئیں اور جنگ جمل وصفین و معرکہ کربلا کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ تب یہ خطاب ان لوگوں سے ہے جسے حق و باطل کا پتہ نہ لگے وہ اس میں قتال سے بچے۔ (از مرقات) اسی لیے جنگ جمل وصفین میں حضرات صحابہ کرام کے تین گروہ ہوگئے۔ بعض حضرت علی کے ساتھ رہے۔ بعض ان کے مقابل بعض حضرات غیر جانب دار یہ وہ ہی حضرات تھے جنہیں پتہ نہ لگا کہ حق پر کون ہے لہذا تینوں جماعتیں اللہ کی مقبول ہیں۔

[3] آپ کا نام مقداد ابن عمرو کندی ہے۔ کیونکہ آپ کے والد نے قبیلہ بنی کندہ سے معاہدہ کیا تھا۔ ایک شخص تھا اسود اس نے آپ کی پرورش کی۔ اس لیے آپ ابن اسود کہلائے قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ حتی کہ آپ چھٹے مومن ہیں۔

[4] حضور انور نے یہ کلام تین بار فرمایا۔ مبالغہ کے لیے۔ یعنی جسے اللہ تعالٰی فتنوں سے بچائے رکھے وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے اس طرح کہ اس کی زندگی میں کوئی فتنہ پھیلے ہی نہیں۔ [5] واہا اظہار حسرت کے لیے بھی آتا ہے۔ بمعنی افسوس اور اظہار خوشی کے لیے بھی بمعنی خوب یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی جو فتنہ میں پھنس گیا۔ مگر صابر رہا اس پر افسوس ہے کہ وہ مصیبت میں پڑ گیا یا فتنہ میں پھنس کر صابر رہا تو بہت خوب ہے واہا پوشیدہ ہے

وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِیْ اُمَّتِیْ لَمْ تُرْفَعْ عَنْهَا اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِّنْ اُمَّتِیْ بِالْمُشْرِكِيْنَ وَحَتّٰی تَعْبُدَ قَبَائِلُ مِنْ اُمَّتِی الْاَوْثَانَ وَاِنَّهٗ سَيَكُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ كَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ اَنَّهٗ نَبِیُّ اللّٰهِ وَ

روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت میں تلوار رکھ دی جاوے تو قیامت کے دن تک اس سے نہ اٹھے گی [1] اور قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکین سے مل جائیں گے [2] اور حتی کہ میری امت کے کچھ قبیلے بت پرستی کریں گے [3] اور میری امت میں تیس جھوٹے ہوں گے وہ سب گمان کریں گے کہ وہ اللہ کے نبی ہیں [4] حالانکہ

فعل کی وجہ سے منصوب ہوا، بعض شارحین نے فرمایا کہ لفظ ابنتی میں لام مکسور ہے۔ پھر اس کا مطلب ہی کچھ اور ہوگا۔ مرقات نے فرمایا کہ واہًا اسماء اصوات میں سے ہے۔ تعجب کے لیے بولا جاتا ہے۔

[1] اس حدیث کا ظہور ہو رہا ہے۔ شہادت عثمان غنی سے مسلمانوں میں آپس میں قتل و خون شروع ہوا ہے۔ آج تک ہو رہا ہے۔ ہمیشہ کہیں نہ کہیں مسلمان آپس میں لڑتے ہی رہتے ہیں۔ ان کا قتل و خون بند نہیں ہوتا

[2] یہ واقعہ بھی ہو چکا بلکہ ہوتا رہتا ہے۔ ہم نے اپنی زندگی میں آگرہ کے ضلع میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مرتد ہوتے دیکھ لیے۔ جسے شدھی کا فتنہ کہا جاتا ہے۔

[3] اس کی صورت یہ ہے کہ بعض لوگ اپنے کو مسلمان سمجھتے ہوئے بت پرستی کریں گے۔ لہذا یہ جملہ مکرر نہیں ہم نے دیکھا کہ بعض لوگ اپنے پیروں کے فوٹوؤں کو سجدہ کرتے ہیں۔ انہیں چومتے انہیں سجا کر رکھتے ہیں۔ یہ ہے اس حدیث کا ظہور پیروں کے ان فوٹوؤں کو وہ لوگ کہتے ہیں مرقع شریف یہ اُن کا خاص لفظ ہے۔ بعض کلمہ گو تعزیہ کو سجدہ کرتے دیکھے گئے۔ قبروں کو تو بہت لوگ سجدے کرتے ہیں۔ بعض زندہ پیروں کو سجدے کرتے ہیں۔ یہ ہے بت پرستی نعوذ باللہ۔

[4] یہ تیس جھوٹے نبی وہ ہیں۔ جنہیں لوگوں نے نبی مان لیا۔ اور اُن کا فساد پھیل گیا۔ دوسرے قسم کے مدعی نبوت جنہیں کسی نے نہ مانا وہ بکواس کر کے مر گئے وہ تو بہت ہیں دیکھو ہمارے ملک میں مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کا فتنہ بہت پھیلا۔ اس کے علاوہ ہم نے بہت سے مدعی نبوت دیکھے۔ جن کی طرف کسی نے توجہ ہی نہ دی۔ اپنے کو نبی کہتے کہتے مر گئے۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ اب تک جھوٹے مدعی نبوت تیس سے زیادہ ہو چکے۔

أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَدُورُ رَحَى الْإِسْلَامِ لِخَمْسٍ وَثَلٰثِينَ أَوْ سِتٍّ وَثَلٰثِينَ أَوْ سَبْعٍ وَثَلٰثِينَ فَإِنْ يَهْلِكُوا فَسَبِيلُ مَنْ

میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں[1] اور میری امت کا ایک گروہ حق پر رہے گا سب پر غالب ان کا مخالف انہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا[2] حتی کہ اللہ کا حکم آجاوے[3] (ابوداؤد۔ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اسلام کی چکی پینتیس یا چھتیس یا سینتیس تک گھومتی رہے گی تو اگر وہ ہلاک ہو گئے تو ہلاک ہونیوالوں کا راستہ

خاتم النبیین علیہ السلام

[1] معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں۔آخری نبی کہ اس کے زمانہ میں اور اس کے بعد کوئی نبی نہ بنے اس معنی پر امت کا اجماع ہے جو کہے اس کے معنی آخری نبی نہیں۔ بلکہ اصلی نبی ہیں وہ کافر ہیں کہ وہ قرآنی آیت کے متواتر اجماعی معنی کا انکار کرتا ہے۔

[2] اس فرمان عالی میں دو غیبی خبریں ہیں۔ایک یہ کہ دوسری امتوں کی طرح حضور کی ساری امت گمراہ نہ ہوگی تا قیامت اس میں ایک جماعت سب پر غالب رہے کہ دینی غلبہ ہمیشہ اسی کو حاصل رہے۔الحمدللہ اہلسنت والجماعت سب فرقوں پر غالب ہیں۔خیال رہے کہ حنفی شافعی مالکی حنبلی۔یوں ہی قادری چشتی۔نقشبندی۔سہروردی ایک ہی جماعت ہے۔یعنی اہلسنت والجماعت آج ایک نہیں۔عالم سوجو بے دین عالموں پر غالب رہتا ہے یہ ہے اس حدیث کا ظہور۔

[3] اللہ کے حکم سے مراد حضرت عیسٰی و امام مہدی کا ظہور ہے۔جب اسلام کا پورا غلبہ ہوگا۔

[4] اس فرمان عالی کے بہت مطلب ہوسکتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس میں تین فتنوں کی طرف اشارہ ہے۔پہلا فتنہ شہادت عثمان غنی جو ۳۵ھ میں ہوا، دوسرا فتنہ جنگ جمل جو ۳۶ھ میں ہوا تیسرا فتنہ جنگ صفین جو ۳۷ھ میں ہوا معنی یہ ہیں کہ اسلام میں فتنے گردش کریں گے۔ان سالوں میں اور ہوسکتا ہے کہ یہ فرمان عالی اپنی وفات شریف کے قریب فرمایا ہو کہ اب سے اتنے عرصہ تک اسلام قوی رہے گا۔تیس سال خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ باقی زائد سال حضور کی اپنی حیات شریف کی باقی سال اور یہ کلام تقریبًا ہوا۔ اشعہ

هَلَكَ وَاِنْ يَّقُمْ لَهُمْ يَقُمْ لَهُمْ دِيْنُهُمْ سَبْعِيْنَ عَامًا قُلْتُ اَمِمَّا بَقِيَ اَوْ مِمَّا مَضٰى قَالَ مِمَّا مَضٰى رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِيْ وَاقِدِ اللَّيْثِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ اِلٰى غَزْوَةِ حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِّلْمُشْرِكِيْنَ كَانُوْا

ہلاک شدگان ہے ۱؎ اور اگر قائم رہا تو ان کا دین قائم رہے گا ۲؎ ستر سال میں نے کہا کہ کیا یہ حساب اگلے باقی زمانہ سے یا گذشتہ فرمایا گذشتہ سے ۳؎ (ابوداؤد) تیسری فصل روایت ہے حضرت ابوواقد لیثی سے ۴؎ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جب غزوہ حنین کی طرف تشریف لے گئے ۵؎ تو مشرکوں کے ایک درخت پر گزرے

۱؎ یعنی اگر مسلمان اس مذکورہ زمانہ میں ہلاک ہوجائیں کہ اپنے کو درست نہ کرسکیں تو ان کا راستہ وہ ہی ہوگا۔ جو گذشتہ ہلاک شدہ قوموں کا ہؤا کہ عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے۔

۲؎ یعنی اگر اس مذکورہ مدت میں یہ لوگ سیدھے رہے یا سیدھے ہوگئے تو ان کی سلطنت اور حکومت اسلامیہ ستر سال تک قائم رہے اس کا ظہور ہوچکا، اس طرح کہ خلافت راشدہ کا دور یعنی تیس سال ختم ہونے کے بعد حکومت بنی امیہ میں پہنچی۔ پھر ستر سال کے بعد بنی امیہ سے منتقل ہوکر بنی عباس میں پہنچی اور مسلمانوں میں بہت ضعف پیدا ہوگیا۔

۳؎ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ یہ ستر سال جو حضور نے ارشاد فرمائے ان کی ابتداء اس مذکورہ مدت تیس، چھتیس، سینتیس سال کے بعد شروع ہوگی یا مع ان کے فرمایا۔ مع ان کے فرمان عالی کے اور بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں۔ خیال رہے کہ بنی امیہ کی سلطنت امیر معاویہ سے شروع ہوئی اور مروان ابن محمد پر ختم ہوئی۔ یہ کل مدت نوانوے سال ہے۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ اس مدت میں ستر سال سلطنت اسلامیہ کا غلبہ رہے۔ ستر برس کے بعد بنی امیہ کی سلطنت میں ضعف شروع ہوجاوے گا حتی کہ انتیس برس بعد ان سے سلطنت منتقل ہوجاوے گی۔

۴؎ آپ کا نام حارث ابن عوف ہے۔ قدیم الاسلام ہیں، غزوہ بدر میں شریک ہوئے، وفات سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں مقیم ہوگئے۔ وہاں ہی وفات پائی، مقام طبع میں دفن ہوئے (مرقات)

۵؎ حنین ایک وسیع میدان ہے جو مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ہے۔ یہ غزوہ فتح مکہ کے بعد ہؤا۔ اس غزوہ میں بہت سے نومسلم شریک تھے جو فتح مکہ میں ایمان لائے تھے۔ ابھی ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہ ہوا اور اسلام سے پورے واقف نہ تھے اس لیے اگلا واقعہ پیش آیا۔

يُعَلِّقُوْنَ عَلَيْهَا اَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ اَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ اَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُبْحَانَ اللّٰهِ هٰذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰى اجْعَلْ لَنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَتَرْكَبُنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے لے ذات انواط کہا جاتا تھا ؎ تو لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط مقرر فرمادیجئے ؎ جیسے ان کا ذات انواط ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ؎ سبحان اللہ ؎ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے موسے علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارے لئے کوئی معبود مقرر کردو جیسے ان کے معبود ہیں ؎ اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم لوگ اپنے سے پہلے والوں کی راہ چلوگے ؎ (ترمذی)

؎ انواط جمع ہے نوط کی بمعنی لٹکانا اور بخنہ کرنا ذات مؤنث ہے۔ ذو کا بمعنی والا چونکہ اس درخت پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکا کر اس کی پرستش کرتے تھے۔ اس لیے اسے ذات انواط کہتے تھے۔ یعنی تعلیق والا درخت مشرکین مختلف طرح بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔

؎ یہ عرض کرنے والے وہ ہی فتح مکہ کے بعض نومسلم تھے جو ابھی تک عقائد اسلامیہ سے پورے پورے واقف نہ تھے وہ سمجھے ہی نہیں کہ یہ ہتھیار لٹکانا بھی پرستش ہے۔ اور ہر پرستش شرک ہے خواہ کسی طرح کی ہو لہذا حدیث پر روافض کا کوئی اعتراض نہیں۔ ؎ یہ سبحان اللہ فرمانا اظہار تعجب کے لیے ہے کہ تم مسلمان ہوکر ایسی بات کرتے ایسے مطالبے تمہارے لیے موزوں نہیں۔ خیال رہے کہ ان لوگوں کا یہ عرض کرنا شرک نہ تھا کہ یہ بے خبری سے تھا۔ اس لئے حضور انور نے ان کو دوبارہ ایمان لانے کا حکم نہ دیا۔ اگر ان کی نیت شرک کرنے کی ہوتی تو حضور سے کیوں عرض کرتے خود ہی یہ کام شروع کردیتے۔

؎ یعنی ضعیف مومنوں کے ایسے غلط مطالبے آج نئے نہیں ہیں۔ بعض مومنین بنی اسرائیل نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بدتر مطالبے کئے تھے انہوں نے صاف صاف کہا تھا کہ ہمارے لئے اللہ کے سوا دوسرے معبود مقرر کردیجئے۔

؎ بعض روایات میں ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ وہ اسرائیلیوں کے نقش قدم پر چلیں گے حتی کہ اگر کسی اسرائیلی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری امت کے بعض لوگ ایسا کریں گے اگر کوئی اسرائیلی گوہ کے سوراخ میں گھسا ہوگا تو یہ بھی ایسا ہی کریں گے۔ آج اس کا مشاہدہ ہورہا ہے انگریزوں کے کھڑے کھڑے کھانا موتنا شروع کیا تو مسلمان بھی ایسا ہی کرنے لگے۔ خدا کرے انگریز ناک کٹانے لگیں تو دیکھنا ہزاروں مسلمانوں کی ناکیں کٹ جائیں گی۔

وَعَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الْاُوْلٰى يَعْنِي مَقْتَلَ عُثْمَانَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ اَصْحَابِ بَدْرٍ اَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ يَعْنِي الْحَرَّةَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ اَصْحَابِ الْحُدَيْبِيَةِ اَحَدٌ ثُمَّ وَقَعَتِ الْفِتْنَةُ الثَّالِثَةُ فَلَمْ تَرْتَفِعْ وَبِالنَّاسِ طَبَاخٌ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

بَابُ الْمَلَاحِمِ

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

عَنْ

روایت ہے حضرت ابن مسیب سے ۱ فرماتے ہیں کہ پہلا فتنہ یعنی قتل عثمان واقع ہوا تو بدر والے صحابہ میں سے کوئی نہ بچا ۲ پھر دوسرا فتنہ یعنی حرّہ واقع ہوا تو حدیبیہ والوں میں سے کوئی نہ بچا ۳ پھر تیسرا فتنہ ۴ واقع ہوا تو وہ نہ اٹھا حالانکہ لوگوں میں قوت رہی ہو ۵ (بخاری) لڑائیوں ۶ کا بیان پہلی فصل روایت ہے۔

۱ آپ کا نام سعید ابن مسیّب ہے، جلیل القدر تابعی ہیں، آپ نے خلفاء راشدین کو دیکھا ہے۔

۲ یعنی اصحاب بدر نے دو فتنے نہ دیکھے بلکہ پہلا فتنہ یعنی شہادت عثمان غنی دیکھی جو ۳۵ھ پینتیس میں ہوئی، اس کے بعد دوسرے فتنہ سے پہلے پہلے تمام بدری صحابہ وفات پاگئے، یہ مطلب نہیں کہ شہادت عثمان کے موقعہ تمام بدری صحابہ شہید ہوگئے۔ آخری بدری صحابی حضرت سعد ابن ابی وقاص ہیں جو جنگ حرّہ سے چند سال پہلے وفات پاگئے۔ (لمعات، مرقات)

۳ فتنہ حرّہ ۶۳ھ میں واقع ہوا جبکہ یزید ابن معاویہ نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی، اس کے بعد سے تیسرے فتنہ تک حدیبیہ والے صحابہ میں سے کوئی نہ رہا، تیسرے فتنہ سے پہلے وہ حضرات وفات پاگئے یہ مطلب نہیں کہ حرّہ میں سارے حدیبیہ والے شہید ہو گئے۔ ۴ بعض شارحین نے کہا کہ تیسرے فتنہ سے مراد عبداللہ ابن زبیر اور حجاج ابن یوسف کی جنگ ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ جنگ ۷۳ھ چوہتر میں ہوئی، اس وقت مسلمانوں میں صحابہ کرام بہت موجود تھے بعض نے کہا کہ اس سے مراد ازارقہ کا فتنہ ہے مگر یہ بھی درست نہیں کہ یہ فتنہ مدینہ منورہ میں نہ تھا بلکہ عالمگیر تھا درست یہ ہے کہ اس سے مراد ابن حمزہ خارجی کا فتنہ ہے جو مروان ابن محمد ابن مروان ابن حکم کے زمانہ میں ہوا۔ ۵ طباخ طکے کسرہ سے بمعنی قوت و عقل یہاں مراد ہے کہ اس زمانہ میں کوئی صحابی باقی نہ رہا زمین حضرات صحابہ کرام سے خالی ہوگئی۔ ۶ ملاحم جمع ملحمۃ کی جس کا مادہ لحم بمعنی گوشت ہے اس مراد بڑی جنگ ہے کیونکہ بڑی جنگوں میں انسانوں کے گوشت کثرت سے بکھرتے ہیں یا لحمۃ سے بنا ہے بمعنی کپڑے کے تار، جی تانا بانا، چونکہ جنگ میں لوگ اپنے دشمن سے گتھ جاتے ہیں جیسے کپڑے کے تار ایک دوسرے سے اس لیے اسے ملحمہ کہتے ہیں۔ گذشتہ باب میں جنگوں کا اجمالی ذکر تھا خبر نہ تھی کہ کون جنگ کہاں ہوگی مگر اس باب میں اکثر ایسے جنگوں کا ذکر ہوگا جن کی جگہ مقرر ہے۔ اس لیے ان جنگوں کو علیحدہ باب میں بیان فرمایا۔

اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِیْمَتَانِ تَکُوْنُ بَیْنَھُمَا مَقْتَلَۃٌ عَظِیْمَۃٌ دَعْوٰھُمَا وَاحِدَۃٌ وَ حَتّٰی یُبْعَثَ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ قَرِیْبٌ مِّنْ ثَلٰثِیْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَحَتّٰی یُقْبَضَ الْعِلْمُ وَیَکْثُرَ الزَّلَازِلُ وَیَتَقَارَبَ،

حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دو بڑی جماعتیں آپس میں جنگ کریں ان کے درمیان بڑی ہی خونریزی ہو ان دونوں کا دعویٰ ایک ہوگا[1] اور یہاں تک کہ قریبًا تیس جھوٹے دجال اٹھیں وہ سب دعوی کریں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں[2] اور یہاں تک کہ علم سمیٹ لیا جاوے اور زلزلے بہت ہو جاویں[3] اور زمانہ

سے۱ ان دونوں جماعتوں سے مراد حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ کے لشکر ہیں۔ جن کے درمیان صفین میں بہت سخت جنگ ہوئی یہ دونوں جماعتیں مدعی اسلام تھیں۔ دونو مسلمان تھیں حتی کہ حضرت علی نے امیر معاویہ کی جماعت کے متعلق فرمایا اخواننا بغوا علینا۔ یہ ہمارے بھائی ہیں۔ انھوں نے ہم پر بغاوت کردی۔ اس فرمان عالی میں خوارج کا بھی رد ہے جو دونوں کو کافر کہتے ہیں اور روافض کا بھی رد ہے۔ جو حضرت امیر معاویہ کے ساتھیوں کو کافر کہتے ہیں۔ دونوں مومنین صالحین ہیں۔ حضرت علی حق پر ہیں۔ امیر معاویہ سے غلطی ہوئی۔

سے۲ دجال بنا ہے دجل سے بمعنی فریب و دھوکا۔ دجال فریبی دھوکہ باز یعنی قریبًا تیس فریبی دھوکہ باز جھوٹے نبی ظاہر ہوں گے جیسے پنجاب میں دجال جھوٹا غلام احمد قادیانی اس حدیث کی شرح ابھی کچھ پہلے عرض کردی گئی کہ ان تیس سے مراد وہ جھوٹے نبی ہیں۔ جن کو لوگوں نے مان لیا۔ ان سے فتنہ پیدا ہوگیا ورنہ جھوٹے نبی سو سے زیادہ ہو چکے ہیں۔

سے۳ علم سے مراد علم دین ہے اس کا اٹھنا اس طرح ہوگا کہ علماء دنیا سے اٹھتے رہیں گے۔ اور آئندہ پیدا نہ ہوں گے۔ حتی کہ قرب قیامت حال یہ ہوگا کہ ایک شخص میراث کا ایک مسئلہ مشرق و مغرب میں لئے پھرے گا۔ کوئی بتا نہ سکے گا۔ زلزلے تو اب بہت … ہونے لگے ہیں۔ علم دین کم ہو رہا ہے۔ اب بچے … اسکول کالج کی طرف دوڑتا ہے۔ علم دین پڑھنے والے بھی عالم نہیں بنتے ہیں۔ واعظ زیادہ ہیں

الزَّمَانُ وَيَظْهَرَ الْفِتَنُ وَيَكْثُرَ الْهَرْجُ وَهُوَ الْقَتْلُ وَحَتّٰى يَكْثُرَ فِيْكُمُ الْمَالُ فَيَفِيْضَ حَتّٰى يُهِمَّ رَبَّ الْمَالِ مَنْ يَّقْبَلُ صَدَقَتَهُ وَحَتّٰى يَعْرِضَهُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْ يَعْرِضُهُ عَلَيْهِ لَا اَرَبَ لِيْ بِهٖ وَحَتّٰى يَتَطَاوَلَ النَّاسُ فِي الْبُنْيَانِ وَحَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرِ الرَّجُلِ

سکڑ جاوے [1] اور فتنے ظاہر ہو جاویں اور ہرج یعنی قتل زیادہ ہو جاوے [2] اور یہاں تک کہ تم میں مال زیادہ ہو جاوے تو یہاں [3] حتی کہ مال والا فکر کرے کہ اس کا صدقہ کون قبول کرے [4] اور یہاں تک کہ وہ مال پیش کرے تو جس پر پیش کرے وہ کہے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں [5] اور یہاں تک کہ لوگ عالیشان عمارتوں میں فخر کریں گے [6] اور یہاں تک کہ کوئی شخص کسی شخص کی قبر پر

[1] اس طرح کہ سال مہینہ کی طرح اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ دن کی طرح گزرے گا۔ زمانہ سے برکت ختم ہو جاوے گی۔ یہ تو اب بھی دیکھا جارہا ہے۔ مرقات نے اس کے یہ معنی کیے کہ عیش و عشرت زیادہ ہو جاوے گی۔ جس سے زمانہ گزرتا ہوا محسوس نہ ہوگا کہ عیش کا زمانہ جلد گزر جاتا ہے۔ یہ حال حضرت عیسیٰ و مہدی کے زمانہ میں ہوگا۔ مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔

[2] یعنی مسلمانوں میں فتنے پھیلیں گے اور مسلمانوں میں قتل و خون زیادہ ہوں گے حتی کہ قاتل نہ کہہ سکے گا کہ میں نے قتل کیوں کیا بات بات پر قتل ہوا کریں گے۔

[3] یعنی مال کی زیادتی و فراوانی بہتے ہوئے پانی کی طرح ہوگی۔ مگر برکت نہ ہوگی۔ مال میں برکت اللہ کی رحمت ہے اور مال کی کثرت کبھی عذاب ہو جاتی ہے۔

[4] زکوٰۃ میں فقیر کا مالک ہو کر قبضہ کرنا ضروری ہے اور اس زمانہ میں فقیر ملیں گے نہیں۔ اس لئے زکوٰۃ نکالنے میں دشواری محسوس ہوگی۔ یہ ابھی زمانہ نہیں آیا۔ غالبًا امام مہدی کی حکومت میں ایسا ہوگا۔ خلافت عثمانی میں اگرچہ مال کی بہتات ہوئی، مگر اتنی نہیں یہم اگر ی کے پیش ہ کے کسرہ سے ہو تو رب کو فتحہ ہوگا۔ یعنی مال والے کو غم و فکر ہی رہے گی۔ فقیر کی تلاش میں کہ وہ بہت تلاش کرے گا مگر فقیر نہ ملے گا۔ اور اگر ی کے فتحہ کے پیش سے ہو تو رب کو پیش ہوگا۔ یعنی ارادہ کرے گا کوشش کرے گا۔ مالدار کے کوئی فقیر ملے بہرحال یہ لفظ ہم سے ہے بمعنی فکر یا غم

[5] معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں میں قناعت بھی ہوگی کہ امیر آدمی صاف کہہ دے گا کہ مجھے مال کی حاجت نہیں ورنہ حریص والے کا حال یہ ہوتا ہے کہ جتنا مال ملے جہاں سے ملے لے لیتا ہے حرام و حلال نہیں دیکھتا جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔

[6] یعنی ذلیل و خوار لوگ جو پہلے محتاج تھے۔ غنی ہو جائیں گے۔ شاندار مکان بنائیں گے وہاں اکڑا کریں گے۔

فیقول یا لیتنی مکانہ وحتی تطلع الشمس من مغربہا فاذا طلعت وراٰھا الناس اٰمنوا اجمعون فذٰلک حین لا ینفع نفسا ایمانھا لم تکن اٰمنت من قبل او کسبت فی ایمانھا خیرا ولتقومن الساعۃ وقد نشر الرجلان ثوبھما بینھما فلا یتبایعانہ ولا یطویانہ ولتقومن الساعۃ وقد انصرف الرجل بلبن لقحتہ فلا یطعمہ ولتقومن الساعۃ و

گزرے تو کہے ہائے کاش اس کی جگہ میں ہوتا[1] اور یہاں تک کہ سورج پچھم سے نکلے جب ادھر سے نکلے گا اور لوگ دیکھیں گے تو سارے ہی ایمان لے آویں گے[2] مگر یہ وقت ہوگا جب کسی کو اس کا ایمان نفع نہ دے جو پہلے ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی[3] اور قیامت قائم ہوجاوے گی اسی حالت میں کہ دو شخصوں نے اپنا کپڑا اپنے درمیان میں پھیلا ہوا ہوگا تو نہ بیچ سکیں گے اور نہ لپیٹ سکیں گے اور قیامت قائم ہوجاوے گی حالانکہ ایک شخص اپنی اونٹنی کا دودھ لے کر چلے گا تو اسے کھا نہ سکے گا[4] اور قیامت قائم ہوجاوے گی۔

[1] یعنی فتنے بہت ہوں گے حتی کہ زندے تمنا کریں گے کہ ہم مرچکے ہوتے مردے قبروں میں چین سے ہوں گے زندے گھروں میں بےچین ہیں۔ خیال رہے کہ دینی فتنوں میں موت کی تمنا کرنا بالکل جائز ہے۔ دنیاوی فتنوں میں موت کی تمنا کرنا ممنوع ہے جیسا کہ حدیث شریف وارد ہے۔ [2] اس کی شرح انشاءاللہ علامات قیامت میں آوے گی قریب قیامت آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا برحق ہے اس وقت سارے کافر ایمان قبول کریں گے مگر وہ ایمان قبول نہ ہوگا کہ ایمان بالغیب نہ رہے گا اور معتبر ہے ایمان بالغیب۔ [3] یعنی جو کافر یہ واقعہ دیکھ کر ایمان لائے گا اسکا ایمان قبول نہ ہوگا اور جو فاسق یہ واقعہ دیکھ کر فسق سے توبہ کریگا تو اسکی توبہ قبول نہ ہوگی (مرقات) اس فرمان عالی کی اور بہت تفسیریں ہیں یہ تفسیر بہت آسان اور صاف ہے خیال رہے کہ اس واقعہ کے بعد ولادت بند ہوجاویگی کسی کے بچہ پیدا نہ ہوگا، چالیس سال بعد قیامت قائم ہوجاویگی لہذا اس فرمان پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر جو بچے پیدا ہوں گے ان کے ایمان کی کیا سبیل ہوگی اگر ان کا ایمان قبول نہ ہو تو اور وہ دوزخ میں جاویں تو بے قصور کیوں پکڑے گئے اگر قبول ہو تو اس فرمان کے خلاف ہے۔ [4] خیال رہے کہ علامات قیامت تو بہت عرصہ پہلے سے قائم ہوجائیں گی مگر خود قیامت اچانک آوے گی اس لیے اسے ساعت کہتے ہیں یعنی گھڑی بھر میں قائم ہوجانیوالی، اچانک صور کا نفخہ ہوگا جس سے اولاً جاندار ہلاک ہوں گے پھر دوسری چیز فنا پھر آسمان و زمین کے ٹکڑے

هُوَ يَلِيطُ حَوْضَهُ فَلَا يَسْقِي فِيهِ وَلَتَقُومَنَّ السَّاعَةُ وَقَدْ رَفَعَ أُكْلَتَهُ إِلَى فِيهِ فَلَا يَطْعَمُهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا قَوْمًا نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ وَحَتّٰى تُقَاتِلُوا التُّرْكَ صِغَارَ الْاَعْيُنِ حُمْرَ الْوُجُوهِ ذُلْفَ الْاُنُوفِ كَاَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ

حالانکہ کوئی اپنا حوض ہوگا تو اس میں پانی پلا نہ سکے گا اور قیامت قائم ہوگی حالانکہ اس نے اپنا لقمہ اپنے منہ تک اٹھایا ہوگا تو کھا نہ سکے گا[1] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ تم ایسی قوم سے جہاد کرو گے جن کی جوتیاں بال کی ہوں گی[2] اور حتے کہ تم ترکوں سے جنگ کرو گے[3] چھوٹی آنکھوں والے سرخ چہرے والے چپٹی ناک والے ان کے چہرے گویا کٹی ہوئی ڈھال

اڑ جائیں گے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے مایـنظرون الا صیحۃ واحدۃ تاخذھم وھم یخصمون اور فرماتا ہے۔ لا تاتیکم الا بغتۃ اس حدیث پاک کی تائید ان آیتوں سے ہو رہی ہے۔

۱؎ یہ ان دونوں سے زیادہ بلیغ ہے۔ یعنی کپڑا لپیٹنا، حوض لیپنا تو بہت کام ہے کوئی شخص اٹھایا ہوا لقمہ منہ میں نہ لے سکے گا کہ قیامت آ جاوے گی۔ تو وہ قیامت ہے۔ آج بعض مصیبتیں آ جاتی ہیں کہ انسان حیران ہو جاتا ہے۔

۲؎ اس فرمان عالی کے چند معنی کئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اس قوم کے سر کے بال پاؤں تک دراز ہوں گے۔ بال گویا جوتے بن گئے ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ ان کی پنڈلیوں پر بہت بڑے بڑے بال ہوں گے جو ان کے قدموں تک جوتے کی طرح پہنچے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ ان کے جوتے بے چھلی کھال کے ہوں گے۔ جن سے بال دور نہ کئے گئے ہوں۔ یعنی کچے کول والے چمڑے کے جوتے پہنتے ہوں گے۔ یہ تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

۳؎ یہاں ترک سے مراد موجودہ ترک نہیں۔ یہ تو قدیم الاسلام خدام الحرمین ہیں۔ انہوں نے دین رسول اللہ کی بڑی خدمت کی۔ ان کی خدمتیں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ میں جا کر دیکھو وہ ترک یاجوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہیں۔ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے ہیں، اکیس قبیلوں پر ذوالقرنین نے دیوار بنائی۔ اسی قبیلہ کو چھوڑ دیا۔ اس لئے اسے ترک کہتے ہیں یعنی بار چھوڑا ہوا قبیلہ لہذا حدیث واضح ہے (مرقات)

الْمُطْرَقَةُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوا خُوزًا وَكِرْمَانَ مِنَ الْاَعَاجِمِ حُمْرَ الْوُجُوهِ فُطْسَ الْاُنُوفِ صِغَارَ الْاَعْيُنِ وُجُوهُهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ نِعَالُهُمُ الشَّعْرُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ عِرَاضِ الْوُجُوهِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ

ہیں[1] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہو گی حتی کہ تم عجمیوں یعنی خوز اور کرمان سے جہاد کرو گے[2] سرخ چہروں والے چپٹی ناک والے۔ چھوٹی آنکھ والے ان کے چہرے گویا کٹی ہوئی ڈھالیں ہیں۔ ان کے بال ہیں[3] (بخاری) اور اس کی ایک روایت بروایت عمرو ابن تغلب ہے کہ چوڑے چہرے والے[4] روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قائم ہو گی قیامت

[1] یعنی وہ بہت ہی بدصورت ہوں گے۔ چہرے سرخ آنکھیں چھوٹی۔ ناک چپٹی۔ چہرے بالکل گول جیسے کٹی ہوئی ڈھال کیونکہ اگر ڈھال کوٹ دی جاوے تو بالکل گول ہوتی ہے۔ ان علامات سے معلوم ہو رہا ہے کہ ترک سے مراد یہ موجودہ ترک نہیں کہ ان کے چہرے ایسے نہیں ہوتے۔ یہ لوگ تو بڑے خوبصورت ہیں۔ یہاں مرقات میں فرمایا کہ یہ لوگ شکل میں ناس ہیں مگر سیرت میں نسناس یعنی بن مانس نہایت ہی فسادی۔ خونخوار۔ یہ جنگ ابھی نہیں ہوئی، قریب قیامت ہو گی۔ اگلی حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ لوگ خوز اور کرمان سے نکلیں گے۔

[2] خوز ایک پہاڑ کا نام ہے اس کی وجہ سے اس علاقہ بلکہ وہاں کے باشندوں کو خوز کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ کو خوزستان کہتے ہیں۔ کرمان کاف کے کسرہ سے ایک علاقہ ہے۔ فارس اور سجستان کے درمیان ایران میں ایک شہر ہے کرمان دوسرا ہے کرمان شاہ یہ دونوں شہر ہم نے دیکھے ہیں یہاں وہ مراد نہیں۔

[3] بعض شارحین نے کہا کہ یہ لوگ وہ ہی ترک ہیں جن کا ذکر ابھی پچھلی حدیث میں ہوا۔ مرقات نے یہ ہی فرمایا مگر قوی یہ ہے کہ یہ دوسری قوم ہے۔ علاوہ اس ترک قوم کے۔ اشعۃ اللمعات اور لمعات نے یہ ہی کہا فطس جمع ہے افطس کی یعنی چپٹی چوڑی۔

[4] یعنی اس روایت میں بجائے حمر الوجوہ کے عراض الوجوہ ہے۔ یعنی چوڑے چکلے چہرے والے ہوں گے۔

حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُوْنَ الْيَهُوْدَ فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُوْنَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُوْدِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ وَالشَّجَرِ فَيَقُوْلُ الْحَجَرُ وَالشَّجَرُ يَا مُسْلِمُ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هٰذَا يَهُوْدِيٌّ خَلْفِيْ فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ اِلَّا الْغَرْقَدَ فَاِنَّهٗ مِنْ شَجَرِ الْيَهُوْدِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ

حتی کہ جنگ کریں گے. مسلمان اور یہودی تو یہود کو مسلمان قتل کریں گے [1] حتی کہ یہودی پتھر اور درخت کے پیچھے چھپے گا۔ تو پتھر اور درخت کہے گا کہ اے مسلم اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے ہے۔ آ اسے قتل کر [2] سوا غرقد کے کہ وہ یہود کے درختوں میں سے ہے [3] (مسلم)، روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں

فرمایا

[1] اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہود کی سلطنت قائم ہوگی، اور ان سے مسلمانوں کی بہت بڑی جنگ ہوگی۔ آخری جنگ میں مسلمانوں کی فتح اور یہود کی شکست ہوگی۔ بلکہ یہود دنیا سے فنا ہو جائیں گے۔ اور مسلمانوں کے ہاتھوں فنا ہوں گے۔ انشاء اللہ تعالٰی چنانچہ یہود کی سلطنت فلسطین میں قائم ہو چکی ہے۔ امریکہ و برطانیہ کی بڑی مدد سے ان کا علاقہ پھیل رہا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں جو عرب اور یہود کی جنگ ہوئی، مسلمانوں کو اس جنگ میں بڑی تکلیفیں پہنچیں۔ حتی کہ اس وقت بیت المقدس پر بھی یہود کا قبضہ ہے۔ اس عارضی فتح سے یہود کے حوصلے بہت بلند ہو گئے۔ ان شاء اللہ یہ اس جنگ کی تمہید ہے جس کی خبر اس حدیث پاک میں دی گئی۔

[2] یہ فرمان عالی بالکل حق ہے اور ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ واقعی اس وقت پتھر اور درخت مسلمانوں سے کلام کریں گے اور اپنے پیچھے چھپے ہوئے یہودی کی خبر دیں گے۔ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ یہود پر تا قیامت ذلت ڈال دی گئی، کیونکہ یہود کی یہ سلطنت کا قیام ان کی بڑی ذلت کا پیش خیمہ ہے۔

[3] غرقد ایک خاردار درخت کا نام ہے۔ اس لئے مدینہ منورہ کے قبرستان کا نام بقیع غرقد ہے یعنی غرقد کا علاقہ چونکہ اس زمانہ میں اس میدان میں غرقد کے درخت بہت تھے۔ اس لئے اس کا بقیع غرقد نام رکھا گیا۔ یہود اس درخت کی تعظیم کرتے۔ ان کے بعض جہلاء اسے پوجتے ہیں۔ ان کا خیال ہے وادی طویٰ میں حضرت موسٰی علیہ السلام کو اسی درخت سے رب نے پکارا تھا۔ یہی درخت کلام الٰہی کا مظہر یا مصدر بنا تھا۔ رب فرماتا ہے۔ من الشجرۃ ان یا موسی انی انا اللہ مگر یہ غلط ہے۔ وہ درخت بیری یا عناب کا تھا۔ نہ کہ غرقد کا۔ بہر حال یہود اس درخت کی تعظیم بہت کرتے ہیں۔ اس لیے اُسے شجر یہود کہتے ہیں۔ یہ درخت اس دن ان کی پردہ پوشی کرے گا۔ حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے۔ کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ رَجُلٌ مِّنْ قَحْطَانَ يَسُوْقُ النَّاسَ بِعَصَاهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الْاَيَّامُ وَاللَّيَالِيْ حَتّٰى يَمْلِكَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ الْجَهْجَاهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ حَتّٰى يَمْلِكَ رَجُلٌ مِّنَ الْمَوَالِيْ يُقَالُ لَهُ الْجَهْجَاهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَتَفْتَحَنَّ عِصَابَةٌ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتے کہ قحطان سے ایک آدمی نکلے گا جو لوگوں کو اپنی لاٹھی سے ہانکے گا [1] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات و دن ختم نہ ہوں گے حتی کہ ایک شخص بادشاہ بنے گا جسے جہجاہ کہا جاوے گا [2] اور ایک روایت میں ہے کہ حتی کہ غلاموں میں سے ایک شخص بادشاہ بنے گا جسے جہجاہ کہا جاوے گا [3] (مسلم) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کسریٰ کا [4]

[1] قحطان ایک قبیلہ کا نام ہے جو یمن میں آباد ہے یہ لوگ قحطان کی اولاد ہیں، اس لئے قحطان کہے جاتے ہیں قحطان ان کے مورث اعلیٰ کا نام تھا۔ یہ شخص بادشاہ ہوگا اور سخت گیر بادشاہ ہوگا۔ لوگ اس کی اطاعت کریں گے۔ لاٹھی سے ہانکنے کے یہ ہی معنی ہیں شاید اس شخص کا نام جہجاہ ہوگا۔ جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

[2] یعنی قیامت سے پہلے یہ واقعہ ہونا ضروری ہے اس کے بغیر قیامت نہ آوے گی۔ شاید جہجاہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوگا اشعۃ اللمعات نے یہ ہی فرمایا۔ خیال رہے کہ چار بادشاہ ساری دنیا کے بادشاہ ہوئے سکندر اور حضرت سلیمان، بخت نصر نمرود۔ غالبًا پانچواں بادشاہ یہ ہوگا۔ جو تمام دنیا پر راج کرے گا۔ واللہ اعلم

[3] اس روایت میں من الموالی زائد ہے جو پہلی روایت میں نہ تھا۔ یعنی جہجاہ اصل میں غلام ہوگا بعد میں ساری دنیا کا بادشاہ یہ آخری الفاظ مسلم بخاری کے نہیں مگر چونکہ یہ صرف تائید کے لیے لائے گئے ہیں۔ لہذا اسے مؤلف نے پہلی فصل میں نقل فرمایا (مرقات)

[4] اس فرمان عالی میں لفظ آل زیادہ ہے۔ کسریٰ شاہ فارس کا لقب تھا۔ جو خسرو سے بنا تھا۔ جیسے قیصر شاہ روم کا اور خاقان شاہ چین کا اور فرعون یا عزیز شاہ مصر کا اور نجاشی شاہ حبشہ کا لقب ہوتا تھا

مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ كَنْزَ اٰلِ كِسْرٰى الَّذِىْ فِى الْاَبْيَضِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❊ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلَكَ كِسْرٰى فَلَا يَكُوْنُ كِسْرٰى بَعْدَهٗ وَقَيْصَرُ لَيَهْلِكَنَّ ثُمَّ لَا يَكُوْنُ قَيْصَرُ بَعْدَهٗ وَلَتُقْسَمَنَّ كُنُوْزُهُمَا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَسَمَّى الْحَرْبَ خُدْعَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ❊ وَ

خزانہ کھولے گی جو کہ مقام ابیض میں ہے ۱؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کسریٰ ہلاک ہوگیا تو اس کے بعد کسریٰ نہ ہوگا ۲؎ اور قیصر ہلاک ہوگا تو پھر اس کے بعد قیصر نہ ہوگا ۳؎ اور ان کے خزانے اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں گے ۴؎ حضور نے جنگ کا نام دھوکا رکھا ۵؎ (مسلم،بخاری)

روایت ہے

۱؎ یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ہوچکا۔ابیض اس قلعہ کا نام ہے جس میں کسریٰ کا خزانہ محفوظ تھا،یہ قلعہ اس زمانہ کے عجائبات میں سے تھا،اب اس جگہ مسجد بنی ہوئی ہے جسے مسجد مدائن کہتے ہیں(اشعہ)نیز ابیض یمامہ کے ایک شہر کا نام بھی ہے۔یہاں پہلے معنی مراد ہیں(اشعہ)ابیض کسریٰ کو خلیفہ مکتفی باللہ نے ویران کردیا۔

۲؎ یعنی ملک ایران جب مسلمان فتح کرلیں گے تو وہ ملک پھر کسی کافر کے پاس نہ پہنچے گا۔مسلمانوں ہی کے پاس رہے گا۔یہ غیبی خبر ہے چنانچہ ملک ایران عہد فاروقی میں فتح ہوا،اور خدا کا فضل ہے کہ اب تک مسلمانوں ہی کے پاس ہے رب تعالٰی مسلمانوں ہی کے پاس رکھے

۳؎ چونکہ فتح فارس پہلے ہوئی فتح روم بعد میں،اس لیے فارس کے متعلق ہلک ماضی ارشاد ہوا اور فتح روم بعد میں اس لیے اس کے متعلق لیہلکن مضارع مع تاکید ارشاد ہوا،یہ دونوں علاقے عہد فاروقی میں فتح ہوئے اور اس کے متعلق خبر دی گئی کہ فتح روم کے بعد یا تو وہ کفار کے پاس پہنچے گا ہی نہیں یا پہنچے گا،تو موجودہ قیصر کی اولاد سے کوئی وہاں کا بادشاہ نہ بنے گا یا اس بادشاہ کا لقب قیصر نہ ہوگا،بہرحال حضور کے حضور کی ساری خبریں سچی ہیں۔

۴؎ یعنی ان ملکوں کے خزانے مسلمان فتح کرکے جہادوں اور اسلام کی اشاعت میں خرچ کریں گے یہ زمانہ فاروقی میں ہوچکا۔

۵؎ یہاں خدعہ بمعنی فریب و جھوٹ نہیں بلکہ بمعنی جنگی چال جنگی تدبیر ہے،جس سے دشمن جلد ہتھیار ڈال دے جنگ میں شمشیر سے زیادہ تدبیر کام آتی ہے۔تدبیر سے خونریزی کم ہوتی ہے فتح جلد۔مسلمانوں کو تدبیر و شمشیر دونوں سے کام لینا چاہیے جنگی تدبیروں کی مثالیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے جہادوں میں ملتی ہیں۔حضور جب مغرب میں حملہ کرنا چاہتے تو مشرق کے حالات پوچھتے تاکہ کفار کے جاسوس مغرب والوں کو مطمئن کردیں،مشرق والوں کو تیار کردیں،اچانک مغرب کی طرف حملہ فرمادیتے حضرات صحابہ نے

عَنْ نَافِعِ بْنِ عُتْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَغْزُوْنَ جَزِيْرَةَ الْعَرَبِ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ فَارِسَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الرُّوْمَ فَيَفْتَحُهَا اللّٰهُ ثُمَّ تَغْزُوْنَ الدَّجَّالَ فَيَفْتَحُهُ اللّٰهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ وَهُوَ فِيْ قُبَّةٍ مِنْ اَدَمٍ

حضرت نافع ابن عتبہ سے فرماتے ہیں[1] فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم لوگ جزیرہ عرب پر جہاد کرو گے۔ تو اللہ اسے فتح فرمادے گا[2] تو پھر فارس پر، تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا۔ پھر تم روم پر غزوہ کرو گے تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا[3] پھر تم دجال پر جہاد کرو گے تو اللہ وہ بھی فتح کردے گا[4] (مسلم) روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے[5] فرماتے ہیں کہ میں غزوہ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا

بعض جنگوں میں اپنی فوجیں پیچھے ہٹالیں کفار سمجھیں مسلمان بھاگ گئے اور رات کو اچانک حملہ کردیا۔ تھوڑی فوج سے ہر طرف سے اس طرح حملہ کردیا کہ کفار سمجھے کہ مسلمان لاکھوں کی تعداد میں آن پڑے اور انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے مسلمانوں نے فتح پائی۔ اللہ تعالٰی پاکستان کو قائم دائم رکھے۔

[1] نافع ابن عتبہ ابن ابی وقاص زہری ہیں۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص کے بھتیجے فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ آپ کا لقب مرقال تھا۔

[2] یعنی عرب کا کچھ حصہ ہم فتح فرمالیں گے بقیہ حضرت صحابہ فتح کریں گے حتی کہ جزیرۂ عرب میں سوا اسلام کے کوئی دین نہ رہے گا یہ واقعہ ہوچکا۔

[3] یہ دونوں ملک عہد فاروقی میں فتح ہوئے اور آج تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں فارس تو سارا اور روم کا اکثر حصہ۔

[4] اس فرمان عالی میں خطاب صحابہ کرام سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے کیونکہ دجال کا مقابلہ حضرات صحابہ نہیں کریں گے۔ ہوسکتا ہے کہ خطاب صحابہ کرام سے ہی ہو کیونکہ خضر علیہ السلام اس مقابلہ میں موجود ہوں گے۔ صلح حدیبیہ میں حضرت خضر نے حضور سے بیعت کی ہے جیسا کہ ہم بیعت الرضوان کے بیان میں عرض کرچکے ہیں۔ بلکہ بعض محدثین فرماتے ہیں کہ وہ مدنی صاحب جنہیں ایک دجال ذبح کرکے زندہ کرے گا پھر نہ مار سکے گا وہ حضرت خضر علیہ السلام ہی ہوں گے یعنی تم دجال پر جہاد کرو گے جن علاقوں پر اس نے قبضہ کرلیا ہوگا تم دجال کو قتل کرکے ان پر قبضہ کرو گے لہذا حدیث واضح ہے۔ [5] آپ اشجعی ہیں مشہور صحابی ہیں۔ غزوہ خیبر اور اس کے بعد کے غزوات میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن قبیلہ بنی اشجع کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا آخر میں شام میں رہے ۷۳ھ میں وفات پائی۔

فَقَالَ اُعْدُدْ سِتًّا بَیْنَ یَدَیِ السَّاعَةِ مَوْتِیْ ثُمَّ فَتْحُ بَیْتِ الْمَقْدِسِ ثُمَّ مُوْتَانٌ یَاْخُذُ فِیْکُمْ کَقُعَاصِ الْغَنَمِ ثُمَّ اِسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتّٰی یُعْطَی الرَّجُلُ مِائَةَ دِیْنَارٍ فَیَظَلُّ سَاخِطًا ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا یَبْقٰی بَیْتٌ مِنَ الْعَرَبِ اِلَّا دَخَلَتْهُ ثُمَّ هُدْنَةٌ تَکُوْنُ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَ بَنِی الْاَصْفَرِ فَیَغْدِرُوْنَ فَیَاْتُوْنَکُمْ تَحْتَ

جب حضور چمڑے کے خیمہ میں تھے[1] تو فرمایا کہ قیامت سے پہلے چھ چیزیں گن لو۔ میری موت پھر بیت المقدس کی فتح۔ پھر عام موت جو تم میں بکریوں کی وبائی طرح پھیلے گی[2] پھر مال کا بہہ جانا۔ حتی کہ ایک شخص کو سو دینار دیئے جائیں گے پھر بھی وہ ناراض رہے[3] پھر وہ فتنہ کہ عرب کا کوئی گھر نہ رہے مگر وہ اس میں داخل ہو جائے گا پھر وہ صلح جو تمہارے اور رومیوں[4] کے درمیان ہوگی پھر وہ عہد شکنی کریں گے تو تمہارے

[1] تبوک خیبر سے پانچسو میل کیلومیٹر ہے۔ حق یہ ہے کہ یہ شام کے علاقہ میں ہے تبوک کے بعد معان ہے اور معان کے بعد عمان پھر عمان سے قریباً ایک سو کیلومیٹر بیت المقدس ہے۔ کیلومیٹر پانچ فرلانگ کا ہوتا ہے۔ یعنی ہمارے میل سے تین فرلانگ چھوٹا۔

[2] قعاص قاف کے پیش سے بکریوں کی وبائی بیماری جس سے بکری بہت جلد مر جاتی ہے: یہ واقعہ بھی عہد فاروقی میں ہو چکا کہ لشکر اسلام بیت المقدس کے قریب عمواس بستی میں تھا۔ وہاں طاعون پھیلا۔ جس سے تین دن میں ستر ہزار آدمی فوت ہو گئے۔ اس وبا کا نام طاعون عمواس ہے۔ یہ اسلام میں پہلا طاعون ہے (اشعہ، مرقات) بعض محدثین نے فرمایا کہ یہ طاعون عمواس میں پھیلا مگر لشکر اسلام جابیا میں تھا۔ عمواس کے قریب عمواس میں اتنے لوگ مرے ذکر لشکریں۔

[3] یہ زیادتی مال خلافت عثمانی میں ہو چکی اس سے متصل ہی میں شہادت عثمان اور بعد کے فتنے جو سارے عرب میں پھیل گئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا

ثُمَّ فِتْنَةٌ الخ

[4] بنی اصفر رومیوں کو کہتے ہیں جو روم ابن عیصو ابن اسحاق علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ چونکہ روم زرد رنگ مائل بہ سفیدی تھے اس لیے انہیں اصفر کہتے تھے اور انکی اولاد کو بنی اصفر۔

ثَمَانِيْنَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ اَلْفًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَنْزِلَ الرُّوْمُ بِالْاَعْمَاقِ اَوْ بِدَابِقَ فَيَخْرُجُ اِلَيْهِمْ جَيْشٌ مِّنَ الْمَدِيْنَةِ مِنْ خِيَارِ اَهْلِ الْاَرْضِ يَوْمَئِذٍ فَاِذَا تَصَافُّوْا قَالَتِ الرُّوْمُ خَلُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الَّذِيْنَ سَبَوْا مِنَّا نُقَاتِلْهُمْ فَيَقُوْلُ الْمُسْلِمُوْنَ لَا وَاللّٰهِ لَا نُخَلِّيْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ اِخْوَانِنَا

مقابل اسی جھنڈوں تلے آئیں گے۔ ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار ہوں گے[۱] (بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ روم اعماق یا دابق میں اتریں گے[۲] تو مدینہ سے ایک لشکر ان کی طرف نکلے گا جو اس دن تمام زمین والوں سے بہتر ہوگا[۳] تو جب یہ لوگ صف آرا ہوں گے تو روم کہیں گے کہ ہمارے درمیان اور ان کے درمیان جو ہم میں سے قید کرلیے گئے ہٹ جاؤ۔ ہم ان سے جنگ کریں گے[۴] تو مسلمان کہیں گے اللہ کی قسم ہم تمہارے اور اپنے بھائیوں کے درمیان علیحدگی نہ کریں گے چنانچہ مسلمان ان سے

[۱] لشکر کی کل تعداد نوے لاکھ ساٹھ ہزار ہوئی، عہد فاروقی میں جنگ یرموک میں عیسائی سات لاکھ تھے، مسلمان چالیس ہزار مگر یہاں وہ جنگ مراد نہیں۔ یہ جنگ تو شہادت عثمان کے بعد ہے۔ جیسا کہ ثم سے معلوم ہورہا ہے۔

[۲] اعماق مدینہ منورہ کے متصل ایک میدان کا نام ہے اور دابق ب کے فتحہ سے مدینہ پاک کا ایک بازار ہے حلب کے قریب ایک بستی کا نام بھی دابق ہے، بعض نے کہا وہ یہاں مراد نہیں مگر مرقات نے فرمایا کہ یہاں اعماق سے مراد دمشق کے علاقہ کی ایک بستی اور دابق حلب کے پاس کی بستی اور مدینہ سے مراد شہر دمشق ہے نہ کہ مدینہ منورہ کیونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ ویران ہوگا۔ وہاں کوئی آبادی نہ ہوگی یہی صحیح ہے۔

[۳] مدینہ سے مراد شہر دمشق ہے کیونکہ یہ لشکر حضرت امام مہدی کا ہوگا، یہ لشکر شام ہی سے نکلے گا۔ اس جنگ کے بعد دجال کا فتنہ نمودار ہوگا۔

[۴] اس واقعہ سے پہلے ایک لشکر اسلام رومیوں پر جہاد کرکے ان کے بہت سے قیدی گرفتار کرچکا ہوگا رومی اس وقت مسلمانوں سے کہیں گے کہ ہم تم سے جنگ کرنا نہیں چاہتے ان مسلمانوں کو ہمارے سامنے کردو جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہم سے لڑکر ہمارے آدمی قید کرکے لے گئے ہیں، رومیوں کا یہ کہنا محض دھوکے اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے ہوگا ورنہ ان کا مقصد سب مسلمانوں سے لڑنا ہوگا اشعۃ اللمعات

فَيُقَاتِلُوْنَهُمْ فَيَنْهَزِمُ ثُلُثٌ لَا يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اَبَدًا وَيُقْتَلُ ثُلُثُهُمْ اَفْضَلُ الشُّهَدَآءِ عِنْدَ اللّٰهِ وَيَفْتَتِحُ الثُّلُثُ لَا يُفْتَنُوْنَ اَبَدًا فَيَفْتَتِحُوْنَ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ فَبَيْنَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْغَنَائِمَ قَدْ عَلَّقُوْا سُيُوْفَهُمْ بِالزَّيْتُوْنِ اِذْ صَاحَ فِيْهِمُ الشَّيْطٰنُ اَنَّ الْمَسِيْحَ قَدْ خَلَفَكُمْ فِيْ اَهْلِيْكُمْ فَيَخْرُجُوْنَ وَذٰلِكَ بَاطِلٌ فَاِذَا جَآؤُا الشَّامَ خَرَجَ فَبَيْنَا هُمْ

جنگ کریں گے تہائی بھاگ جائیں گے اللہ ان کی توبہ کبھی قبول نہ کرے گا اور تہائی قتل ہو جائیں گے وہ اللہ کے نزدیک افضل ترین شہید ہیں اور تہائی فتح کریں گے یہ کبھی فتنہ میں مبتلا نہ ہوں گے [1] پھر یہ قسطنطنیہ فتح کریں گے [2] جب کہ یہ غنیمتیں آپس میں تقسیم کرتے ہوں گے اپنی تلواریں زیتون کے درختوں سے لٹکا چکے ہوں گے [3] ان میں شیطان چیخے گا کہ مسیح دجال تمہارے گھروں میں تمہارے پیچھے پہنچ گیا یہ لوگ نکل کھڑے ہوں گے۔ یہ خبر غلط ہوگی [4] پھر جب یہ لوگ شام میں آئیں گے تو دجال ظاہر ہوگا جبکہ یہ جنگ کی تیاری کر رہے ہوں گے [5]

[1] یعنی اس جنگ میں مسلمانوں کے تین حصے ہو جائیں گے۔ ایک حصہ تو بزدل ہو کر بھاگ جائے گا۔ دوسرا حصہ جنگ میں شہید ہو جائیگا۔ تیسرا حصہ غازی اور فاتح ہوگا بھاگنے والے اول درجہ کے بدنصیب ہوں گے۔ شہید ہونے والے اوّل درجہ کے شہید۔ فاتحین اوّل درجہ کے غازی۔ غرضکہ ہر جماعت اول درجہ کی ہوگی، کوئی بدنصیبی میں اوّل درجہ کوئی خوش نصیبی میں۔

[2] قسطنطنیہ روم کا مشہور شہر ہے۔ جسے آج استنبول کہتے ہیں۔ یہ ایک بار زمانہ صحابہ کرام میں فتح ہو چکا ہے اور اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے یہ پھر مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جاوے گا اور قریب قیامت پھر مسلمان اسے فتح کریں گے یہاں اس آخری فتح کا ذکر ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

[3] یعنی فتح پاکر نہایت امن و سکون سے ہو چکے ہوں گے۔ اس لیے اپنی تلواریں درختوں سے لٹکا دی ہوں گی۔ امن کی حالت میں غازی ہتھیار جسم سے کھول لیتے ہیں۔

[4] یعنی تم تو یہاں روم میں امن و امان سے ہو تمہارے وطن شام میں دجال ظاہر ہو گیا اور تمہارے گھروں میں تمہارے بیوی بچے کو ستا رہا ہے یہ حضرات یہ خبر سنتے ہی یہ غازی دجال سے مقابلہ کرنے کی نیت سے چل پڑیں گے غنیمت وغیرہ کی طرف دھیان نہ دیں گے شام پہنچکر معلوم ہوگا۔ دجال ابھی نہیں نکلا۔ [5] غالبًا شام سے مراد بیت المقدس ہے کہ بیت المقدس اگرچہ فلسطین میں ہے مگر فلسطین شام سے بالکل قریب ہے اس لیے شام فرمایا (مرقات) ان کو دجال کے نکلنے کی اب درست اطلاع ہوگی انہیں بیت المقدس میں یہ خبر ملے گی۔

يُعِدُّوْنَ لِلْقِتَالِ يُسَوُّوْنَ الصُّفُوْفَ إِذَا أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَأَمَّهُمْ فَإِذَا رَاٰهُ عَدُوُّ اللّٰهِ ذَابَ كَمَا يَذُوْبُ الْمِلْحُ فِي الْمَاءِ فَلَوْ تَرَكَهٗ لَا نْذَابَ حَتّٰى يَهْلِكَ وَلٰكِنْ يَّقْتُلُهُ اللّٰهُ بِيَدِهٖ فَيُرِيْهِمْ دَمَهٗ فِيْ حَرْبَتِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ إِنَّ السَّاعَةَ لَا تَقُوْمُ حَتّٰى لَا يُقْسَمَ مِيْرَاثٌ وَّلَا يُفْرَحَ

صفیں سیدھی کرتے ہوں گے کہ نماز قائم ہوگی۔ تو عیسیٰ ابن مریم نازل ہوں گے [۱] وہ ان کی امامت کریں گے [۲] پھر جب اللہ کا دشمن انہیں دیکھے گا تو گلنے لگے گا۔ جیسے نمک پانی میں گلتا ہے [۳] اگر آپ اسے چھوڑ دیتے تو وہ گل جاتا حتی کہ ہلاک ہوجاتا لیکن اللہ اسے آپ کے ہاتھ سے ہلاک کرے گا تو آپ لوگوں کو اس کا خون اپنے نیزے میں دکھائیں گے (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ قیامت قائم نہ ہوگی۔ حتی کہ میراث بانٹی نہ جائے [۴] اور غنیمت سے خوشی نہ منائی

[۱] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول دمشق کے باب لد میں شرقی منارہ پر ہوگا۔

[۲] اس نماز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت فرمائیں گے۔ آئندہ بقیہ نمازوں میں امام مہدی امامت کیا کریں گے لہذا یہ حدیث حضرت مہدی کی امامت والی حدیثوں کے خلاف نہیں کہ یہاں اس نماز کی امامت مراد ہے وہاں دوسری نمازوں کی امامت۔

[۳] پہلے عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں مردے زندہ کرنے کی تاثیر تھی۔ اب جو آئیں گے تو ان کی سانس میں زندہ کافروں کو مردہ کرنے کی تاثیر ہوگی۔ یہاں تک آپ کی نگاہ پہنچے گی وہاں تک آپ کی سانس پہنچے گی اور وہاں تک کے کفار مریں گے۔ دجال آپ کی سانس کی یا نگاہ کی تاثیر سے گھلنے لگے گا مگر آپ جلدی سے اس تک پہنچ کر قتل کریں گے اور جو لوگ اس کو خدا مان چکے تھے انہیں اس مردود کا خون دکھائیں گے کہ لو تمہارا خدا مارا گیا یہ ہے اس کا خون۔ دجال فلسطین یا شام میں مارا جائے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اولاً دجال بیت المقدس کا محاصرہ کئے ہوگا۔ آپ کو دیکھ کر شام کی طرف بھاگے گا۔ شام کے شروع اور فلسطین کے آخری کنارہ پر مارا جائے گا لہذا تمام احادیث متفق ہیں۔ (مرقات)

[۴] یعنی قریب قیامت مقتول اس قدر زیادہ ہوں گے کہ ان کے بچے کھچے وارث میراث آپس میں نہ بانٹیں گے یا مال اس قدر زیادہ ہوگا کہ لوگ اپنے مورثوں کی میراث نہ بانٹیں گے کہ ہمارے پاس خود اپنا مال اتنا ہے کہ دوسرے مال کا ہم کیا کریں یا اسلیے کہ اس زمانہ میں کوئی عالم نہ ہوگا جو شریعت کے مطابق میراث تقسیم کرے یا بادشاہوں کا ظلم اتنا بڑھا ہوا ہوگا کہ مردوں کے مال کی میراث تقسیم نہ ہونے دیں گے۔ سب اپنے بیت المال میں جمع کردیں گے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

بِغَنِيْمَةٍ ثُمَّ قَالَ عَدُوٌّ يَجْمَعُوْنَ لِاَهْلِ الشَّامِ وَيَجْمَعُ لَهُمْ اَهْلُ الْاِسْلَامِ
يَعْنِي الرُّوْمَ فَيَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ
حَتّٰى بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ
يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا يَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يَحْجُزَ
بَيْنَهُمُ اللَّيْلُ فَيَفِيْءُ هٰؤُلَاءِ وَهٰؤُلَاءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ ثُمَّ

جاوے ۱؎ پھر فرمایا کہ قوی دشمن جمع ہوں گے شام والوں کے مقابل اور ان کے مقابلہ میں مسلمان جمع ہوں گے یعنی رومیوں کے مقابل ۲؎ تو مسلمان ایک دستہ منتخب کریں گے موت کے لیئے نہ غالب ہوئے نہ لوٹیں گے ۳؎ پس سخت جنگ کریں گے حتی کہ ان کے درمیان رات آڑ ہو جاوے گی تو یہ بھی لوٹ جائیں گے اور وہ بھی کوئی غالب نہ ہوگا ۴؎ اور یہ دستہ فنا ہو جاوے گا ۵؎ پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے کہ بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے ۶؎ تو عظیم جنگ کریں گے حتی کہ ان کے درمیان رات آڑے آجاوے گی تو یہ اور وہ لوٹ جائیں گے۔کوئی غالب نہ ہوگا۔ اور

۱؎ اس فرمان عالی کے بھی وہ ہی مطلب ہیں جو ابھی عرض کیئے گئے کہ لوگ بہت زیادہ شہید ہو چکے ہوں گے۔ باقی غازی غنیمت تقسیم نہ کریں گے۔ جب سو میں سے ایک یا ہزار میں سے ایک بچے تو وہ کیا غنیمت تقسیم کرے یا ظالم بادشاہ غنیمت کا مال خود کھا جائیں گے وغیرہ

۲؎ یہ تفسیر سیدنا ابن مسعود کی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ شامی مسلمان اور رومی کفار کی جنگ ہوگی یہ اجتماع اسی جنگ کے لیے ہوگا۔ عدو سے مراد رومی کفار ہیں۔

۳؎ یعنی اس جنگ میں شرط لگا کر نکلیں گے کہ یا فتح کریں گے یا شہید ہو جائیں گے ہم پیٹھ نہ دکھائیں گے۔ عجیب جذبہ سے جائیں گے یہ شام کے مسلمان ہوں گے یا شرط شین کے پیش سے فوج کا اگلا دستہ جو دشمن کے مقابل جاوے۔

۴؎ یعنی جنگ ختم نہ ہوگی بلکہ بند ہوگی وہ بھی رات آجانے کی وجہ سے آجکل کی موجودہ جنگیں جو راکٹ، بم، ہوائی جہازوں سے ہوتی ہیں وہ بھی رات میں ہلکی پڑ جاتی ہیں۔ فوجی جنگ تو بہت ہی ہلکی ہو جاتی ہے۔ شہروں پر بم باری بھی ہلکی ہو جاتی ہے۔

۵؎ یعنی مسلمانوں کا اور کفار کا اگلا دستہ ختم ہو چکا ہوگا۔ مسلمان جام شہادت پی چکے ہونگے یہ مطلب نہیں کہ صرف مسلمانوں کا یہ دستہ شہید ہو جاوے ورنہ کفار کی فتح ہو جاتی ہے۔ لہذا حدیث واضح ہے۔ خیال رہے کہ اس لڑنے والے دستہ کے ساتھ مدد کے لیے اور مسلمان بھی ہوں گے۔ دستہ شہید ہو جاویگا بقیہ مسلمان لوٹ جاویں گے۔ لہذا فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ جب یہ دستہ شہید ہو گیا تو واپس کون لوٹا (مرقات) اور ار

يَتَشَرَّطُ الْمُسْلِمُوْنَ شُرْطَةً لِلْمَوْتِ لَا تَرْجِعُ اِلَّا غَالِبَةً فَيَقْتَتِلُوْنَ حَتّٰى يُمْسُوْا فَيَفِئُ هٰؤُلَاۤءِ وَهٰؤُلَاۤءِ كُلٌّ غَيْرُ غَالِبٍ وَتَفْنَى الشُّرْطَةُ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ الرَّابِعِ نَهَدَ بَقِيَّةُ اَهْلِ الْاِسْلَامِ فَيَجْعَلُ اللّٰهُ الدَّبْرَةَ عَلَيْهِمْ فَيَقْتَتِلُوْنَ مَقْتَلَةً لَمْ يُرَ مِثْلُهَا حَتّٰى اِنَّ الطَّائِرَ لَيَمُرُّ بِجَنَبَاتِهِمْ فَلَا يُخَلِّفُهُمْ حَتّٰى يَخِرَّ

دستہ فنا ہو جاوے گا مگر پھر مسلمان موت کی شرط لگائیں گے کہ بغیر غالب ہوئے نہ لوٹیں گے تو عظیم جنگ کریں گے حتی کہ شام ہو جاوے گی تو یہ اور وہ لوٹ جائیں گے کوئی غالب نہ ہوگا ۱؎ اور شرط فنا ہو چکے گی۔ پھر جب چوتھا دن ہوگا تو کفار کی طرف بچے کھچے مسلمان اٹھ کھڑے ہوں گے ۲؎ تو اللہ ان کفار پر شکست ڈال دے گا ۳؎ تو مسلمان اس طرح قتل کریں گے کہ اس جیسا نہ دیکھا گیا ہوگا ۴؎ حتی کہ پرندہ ان کے ارد گرد گزرے گا تو انہیں پیچھے نہ چھوڑ سکیگا ۵؎

شرط یعنی شرط ہو تو مطلب ظاہر ہے کہ یہ شرط ختم ہو جاوے گی بغیر غلبہ واپس ہوگی۔

۹؎ یہاں بھی شرطۃ میں دو احتمال ہیں۔ شین کے فتح سے بمعنی شرط لگانا اور شین کے پیش سے بمعنی دستہ فوج کا یا کرنا ارتقاء

۱؎ ان آخری دونوں جملوں کے وہ ہی دو معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے۔ کہ یا تو وہ غازیوں کا دستہ شہید ہو جاوے گا۔ باقی مسلمان لوٹ جائیں گے یا ان کی یہ شرط ختم ہو جاوے گی بغیر غلبہ کے واپسی ہوگی۔

۲؎ نہد اور نہض دونوں کے معنی ہیں اٹھ کھڑا ہونا، یعنی غازیان اسلام ان تین دن کی تکالیف کے بعد ہمت نہ ہاریں گے بلکہ ان میں جوش و خروش بڑھتا ہی جاوے گا۔ اب چوتھی بار بچے کھچے مسلمان کفار پر یلغار کردیں گے۔

۳؎ دبرہ بنا ہے دُبُرٌ سے بمعنی پیچھا یہاں مراد ہے پیچھے کو بھاگنا، یعنی بھاگڑ پڑ جانا علیہم کا مرجع کفار روم ہیں یعنی اس چوتھے حملہ میں اللہ تعالٰی کفار روم میں بھاگڑ ڈال دے گا کہ وہ پیٹھ پھیر کر مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔

۴؎ یعنی کفار میں بھاگڑ پڑ جانے پر ان کا قتل عام ہو جاوے گا۔ مسلمانوں کے ہاتھوں بہت ہی کفار مارے جائیں گے۔ ایسا قتل عام اس سے پہلے نہ دیکھا گیا ہوگا۔

۵؎ پرندہ سے مراد عام چڑیا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے کوا مراد ہو یہ فرمان عالی ان لاشوں کی زیادتی بتانے کے لیے ہے۔ خواہ پرندہ اڑے یا نہ اڑے۔

مِّئَتًا فَتَعَادُّ بَنُوا الْاَبِ كَانُوْا مِائَةً فَلَا يَجِدُوْنَهٗ بَقِيَ مِنْهُمْ اِلَّا الرَّجُلُ الْوَاحِدُ فَبِاَيِّ غَنِيْمَةٍ يُفْرَحُ اَوْ اَيُّ مِيْرَاثٍ يُقَسَّمُ فَبَيْنَا هُمْ كَذٰلِكَ اِذْ سَمِعُوْا بِبَاْسٍ هُوَ اَكْبَرُ مِنْ ذٰلِكَ فَجَاءَهُمُ الصَّرِيْخُ اَنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَلَفَهُمْ فِيْ ذَرَارِيْهِمْ فَيَرْفُضُوْنَ مَا فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَيُقْبِلُوْنَ فَيَبْعَثُوْنَ عَشْرَ فَوَارِسَ طَلِيْعَةً

حتیٰ کہ مر کر برباد ہو جاویں گے (ہلاک ہوجاویں)[۱] دادا کی اولاد جو سو تھی گنی جاوے گی تو ان میں سے ایک کے سوا کسی کو باقی نہ پائیں گے[۲] تو کون سی غنیمت سے خوشی منائی جاوے اور کون سی میراث بانٹی جاوے[۳] جب وہ اس حال میں ہوں گے کہ اچانک اس سے بڑی جنگ سنیں گے کہ ان تک ایک چیخ آوے گی کہ دجال ان کے پیچھے ان کے بچوں میں پہنچ گیا[۴] تو وہ لوگ چھوڑ دیں گے جو کچھ ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اور ادھر متوجہ ہو جائیں گے[۵] تو وہ دس سوار جاسوس بھیجیں گے[۶] رسول اللہ

۱ؔ یا تو لاشوں کی بدبو سے مریں گے یا ان کی زیادتی کی وجہ سے کہ اتنی دور تک لاشیں پڑی ہوں گی کہ اس کا فاصلہ پرندہ طے نہ کر سکے گا۔ اڑتے اڑتے مر جاوے گا مگر فاصلہ طے نہ ہوگا۔ یہ آخری احتمال قوی ہے۔ شاعر کہتا ہے شعر

لایبلغ السمل المحصور غایتہا ۔ بعد ما بین قاصیہا ودانیہا

۲ؔ وہ تو کفار مقتولین کا حال تھا۔ اب مسلمان شہداء کی تعداد سنو کہ یہ قبیلہ غازی اپنے بچے کھچوں کو شمار کریں گے تو حالت یہ ہوگی کہ جس قبیلہ کے سو آدمی جہاد میں آئے تھے ان میں سے ایک بچا ہوگا۔ ننانوے شہید ہو چکے ہوں گے۔ یعنی ایک فی صد بچے گا۔ اللہ کی پناہ۔

۳ؔ وہ جو پہلے ارشاد ہوا تھا کہ غنیمت تقسیم نہ کی جاوے میراث نہ بٹے گی۔ اس کی وجہ یہ ارشاد ہوئی۔ یعنی جب سو میں ایک بچا تو وہ کس کس کی میراث لے اور کیا غنیمت تقسیم کرے لہذا یہی احتمال قوی ہے کہ زیادہ مردوں کی وجہ سے یہ کام ہوگا۔

۴ؔ یہ خبر درست ہوگی واقعی دجال نمودار ہو چکا ہوگا۔ پہلی بار جو خبر اڑی تھی وہ غلط تھی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔

۵ؔ اپنے بال بچوں کو دجال سے بچانے کے لئے نہ کہ دجال سے جنگ کرنے کے لیے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے تو اس سے جنگ ہوگی ہی نہیں۔ اور جناب مسیح کی تشریف پر وہ قتل ہوگا۔ جنگ جب بھی نہ ہوگی۔

۶ؔ طلیعہ بنا ہے طلع سے بمعنی خبر اسی سے ہے۔ اطلاع یعنی خبر دینا یا خبر پانا۔ طلیعہ واحد کے لیے بھی آتا ہے۔ جمع کے لیے بھی۔ یعنی مسلمان دس سواریوں کو دجال کی خبر کی تحقیقات کے لیے بھیجیں گے کہ واقعی وہ نکلا ہے یا پہلے کی طرح یہ خبر بھی غلط ہے اگر نکلا ہو

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْرِفُ أَسْمَاءَهُمْ وَأَسْمَاءَ آبَائِهِمْ وَأَلْوَانَ خُيُوْلِهِمْ هُمْ خَيْرُ فَوَارِسَ أَوْ مِنْ خَيْرِ فَوَارِسَ عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ يَوْمَئِذٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ هَلْ سَمِعْتُمْ بِمَدِيْنَةٍ جَانِبٌ مِّنْهَا فِي الْبَرِّ وَجَانِبٌ مِّنْهَا فِي الْبَحْرِ قَالُوْا نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے نام ان کے باپ دادوں کے نام اور ان کے گھوڑوں کے رنگ پہچانتا ہوں ۱؎ وہ لوگ اس دن روئے زمین پر بہترین سوار ہوں گے ۲؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تم نے وہ شہر سنا ہے جس کا ایک کنارہ خشکی میں ہے اور اس کا دوسرا کنارہ دریا میں ۳؎ لوگوں نے عرض کیا ہاں یارسول اللہ فرمایا قیامت

ہے تو کہاں ہے کیا کر رہا ہے۔

۱؎ یہ فرمان عالی ان کی عزت افزائی کے لیے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نام کام ان کی حرکات سکنات جانتے ہیں، کیوں نہ جانیں کہ حضور سب کے گواہ اور نگران ہیں۔ رب فرماتا ہے ویکون الرسول علیکم شھیدا حضور نے فرمایا لا یخفی علی ذکرعکم ولا سجودکم ولا خشوعکم (تا قیامت کے) مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں میں تم سب کے ظاہری اعمال دل کے احوال جانتا ہوں۔ یہ ہے حضور انور کا غیب کلی صلی اللہ علیہ وسلم، حضور ان سب کو ملاحظہ فرمارہے ہیں۔

۲؎ روئے زمین فرما کر فرشتوں کو علیحدہ فرمادیا اور اس دن فرما کر حضرات صحابہ عشرہ مبشرہ وغیرہم علیحدہ فرمادیا یعنی اس زمانہ کے موجود مسلمانوں میں سب سے بہتر و افضل یہ لوگ ہوں گے۔

۳؎ یہ تو تمام شارحین کہتے ہیں کہ یہ شہر ملک روم میں ہے۔ اس میں گفتگو ہے کہ کونسا شہر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ وہ قسطنطنیہ ہے مگر یہ قوی نہیں، کیونکہ قسطنطنیہ تو بڑی جنگ سے فتح ہوگا نہ کہ اس طرح۔ بعض نے فرمایا کہ وہ شہر رومیہ ہے یعنی سلطان روم کا پایۂ تخت، بعض نے فرمایا کہ وہ ایڈریا بستی ہے۔ جس کی دیوار اکیس ہاتھ اونچی ہے۔ اس کا گرجہ بہت لمبا ہے۔ اس کے بیچ میں تانبے کا گھوڑے کا مجسمہ ہے۔ جس پر سوار کا مجسمہ ہے۔ اس سوار کے ہاتھ سونے کا گولہ ہے۔ یہ قسطنطین کا مجسمہ ہے۔ قسطنطین وہ شخص ہے۔ جس نے شہر قسطنطنیہ آباد کیا۔ بعض نے فرمایا کہ وہ کوئی اور شہر ہے جس کا نام معلوم نہ ہوسکا یہی درست ہے۔ واللہ اعلم (مرقات)

تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَغْزُوَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِّنْ بَنِيْ اِسْحٰقَ فَاِذَا جَآءُوْهَا نَزَلُوْا فَلَمْ يُقَاتِلُوْا بِسِلَاحٍ وَّلَمْ يَرْمُوْا بِسَهْمٍ قَالُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيَسْقُطُ اَحَدُ جَانِبَيْهَا قَالَ ثَوْرُ بْنُ يَزِيْدَ الرَّاوِيْ لَا اَعْلَمُهٗ اِلَّا قَالَ الَّذِيْ فِي الْبَحْرِ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ الثَّانِيَةَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ فَيُفْرَجُ لَهُمْ فَيَدْخُلُوْنَهَا فَيَغْنَمُوْنَ فَبَيْنَا هُمْ يَقْتَسِمُوْنَ الْمَغَانِمَ اِذْ جَآءَهُمُ الصَّرِيْخُ فَقَالَ اِنَّ الدَّجَّالَ قَدْ خَرَجَ فَيَتْرُكُوْنَ كُلَّ شَيْءٍ وَّيَرْجِعُوْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رض

قائم نہ ہوگی حتی کہ اس پر اولاد اسحاق کے ستر ہزار غازی غزوہ کریں گے[1] تو جب وہاں پہنچیں گے تو اتریں گے تو نہ تو ہتھیاروں سے جنگ کریں گے نہ کوئی تیر پھینکیں گے کہیں گے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کا ایک کنارہ گر جاوے گا[2] ثور ابن یزید راوی کہتے ہیں[3] کہ میں نہیں جانتا اس کے سوا کہ فرمایا وہ کنارہ جو دریا میں ہے[4] پھر وہ دوبارہ کہیں گے لا الہ الا اللہ واللہ اکبر تو ان کے لیے کھول دیا جاوے گا[5] چنانچہ یہ لوگ غنیمت لیں گے جب وہ غنیمتیں تقسیم کر رہے ہوں گے[6] تو اچانک ان تک ایک چیخ آئے گی کوئی کہے گا کہ دجال نکل آیا تو وہ ہر چیز چھوڑ دیں گے اور لوٹ جائیں گے[7] (مسلم) دوسری فصل روایت حضرت معاذ

۱؎ یہ لوگ ملک شام کے گرد قوم کے ہوں گے جو بنی اسرائیل ہیں مگر مسلمان ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام کہ اسرائیلی ہیں۔ اور مومن بلکہ حضور کے صحابی ہیں۔

۲؎ یعنی ان غازیوں کے نعرۂ تکبیر سے اس شہر میں زلزلہ آجاوے گا۔ جس سے اس کا یہ کنارہ گر جاوے گا۔ معلوم ہوا کہ جہاد کے وقت نعرۂ تکبیر سنت ہے درست بھی ہے مفید بھی

۳؎ ثور ابن یزید تابعی ہیں۔ ان کی کنیت ابو خالد ہے حمص کے رہنے والے ہیں حافظ ہیں ثقہ ہیں مگر قدریہ ہو گئے تھے ۱۵۵ھ میں وفات ہوئی

۴؎ یعنی پہلے نعرہ پر دریا کی جانب والا کنارہ گرے گا بعد والی تکبیر سے دوسرے کنارے گریں گے۔

۵؎ حدیث بالکل ظاہر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں واقعی یہ شہر صرف نعرہ تکبیر سے فتح ہوگا۔ اللہ کا ذکر جب مشکل کشا ہے تو اس وقت شہر کشا بھی ہوگا مگر انہیں کی زبان پر فتح ہوگا۔

۶؎ چونکہ یہ شہر صلح سے فتح نہ ہوگا بلکہ طاقت سے فتح ہوگا اس لیے وہاں کے مال غنیمت ہوں گے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۷؎ نہ وطن لوٹ جائیں گے دجال کا مقابلہ اپنے بچوں کی حفاظت کیلئے ہوگا۔ غنیمتیں یہاں ہی چھوڑ دیں گے غنیمتیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں گے۔ تاکہ

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُمْرَانُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ خَرَابُ يَثْرِبَ وَخَرَابُ يَثْرِبَ خُرُوْجُ الْمَلْحَمَةِ وَخُرُوْجُ الْمَلْحَمَةِ فَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ وَفَتْحُ قُسْطُنْطِيْنِيَّةَ خُرُوْجُ الدَّجَّالِ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَلْحَمَةُ الْعُظْمٰى وَفَتْحُ الْقُسْطُنْطِيْنِيَّةِ وَخُرُوْجُ الدَّجَّالِ فِيْ سَبْعَةِ اَشْهُرٍ رَوَاهُ

ابن جبل سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ بیت المقدس کی آبادی [1] مدینہ طیبہ کی ویرانی ہے [2] اور مدینہ کی ویرانی بڑی جنگ کا ظہور ہے [3] اور بڑی جنگ کا ظہور قسطنطنیہ کی فتح ہے اور قسطنطنیہ کی فتح دجال کا نکلنا ہے [4] (ابوداؤد) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑی جنگ [5] اور قسطنطنیہ کی فتح اور دجال کا نکلنا سات مہینوں میں ہوگا [6]

بلکے ہو کر جلد وطن پہنچیں۔

[1] بعض شارحین نے کہا کہ قریب قیامت بیت المقدس ویران ہو جاویگا۔ کچھ عرصہ کے بعد آباد ہوگا۔ مگر یہ درست نہیں بیت المقدس کبھی ویران نہ ہوگا، بلکہ اس سے مراد بیت المقدس کی بہت آبادی ہے۔ یعنی وہاں پانی کی فراوانی شہروں کی سوائی اعلیٰ عمارتوں کی تعمیر یہ قریب قیامت ہوگی۔ (مرقات)

[2] اب مدینہ منورہ کو یثرب کہنا منع ہے۔ یہ فرمان عالی ممانعت سے پہلے کا ہے۔ یثرب بنا ہے ثرب سے یعنی آفت و تکلیف ثرب کے معنی ہیں آفتوں، تکلیفوں کی جگہ چونکہ مدینہ کی زمین وبائی امراض کا مرکز بلکہ سرچشمہ تھی۔ اسلیے سے یثرب کہتے تھے۔ حضور کی برکت سے وہ جگہ دار الشفا بن گئی وہاں کی خاک خاک شفا ہو گئی۔ لہذا اس کا نام اب طیبہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یثرب اس شخص کا نام ہے جس نے مدینہ بسایا تھا۔ (اشعہ) مگر اس کی ابتداء آباد کرنے والا تبع ہے جس کا واقعہ ہم نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔

[3] یہ بڑی جنگ وہ ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا کہ اس میں فی سو ایک آدمی بچے گا (مرقات و اشعہ)

[4] یعنی قسطنطنیہ کی فتح دجال نکلنے کی علامت ہوگی۔ اس سے قریب ہی دجال نکلے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کے متصل لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ فتح بیت پر شیطان پکارے گا کہ دجال نکل آیا مگر یہ خبر جھوٹی ہوگی۔

[5] بعض روایات میں الملحمۃ الکبریٰ ہے۔ اس جنگ عظیم سے مراد غالبًا وہی جنگ ہے جس میں سو آدمیوں میں سے ایک بچے گا ننانوے ہلاک ہو جائیں گے۔

[6] یہ مدت مسلمانوں کے اس شہر کی طرف متوجہ ہونے کے لحاظ سے ہے اور سات ماہ کی یہ روایت بہت ضعیف ہے اسکے بعض راوی مجروح ہیں (اشعہ)

اَلتِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ بُسْرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَیْنَ الْمَلْحَمَۃِ وَفَتْحِ الْمَدِیْنَۃِ سِتُّ سِنِیْنَ وَیَخْرُجُ الدَّجَّالُ فِی السَّابِعَۃِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَقَالَ ھٰذَا اَصَحُّ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ یُوْشِكُ الْمُسْلِمُوْنَ اَنْ یُّحَاصَرُوْا اِلَی الْمَدِیْنَۃِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَبْعَدَ مَسَالِحِھِمْ سَلَاحٌ وَسَلَاحٌ قَرِیْبٌ مِّنْ خَیْبَرَ

(ترمذی، ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن بسر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بڑی جنگ اور شہر کی فتح کے درمیان چھ سال کا فاصلہ ہے اور ساتویں سال جاکر نکلے گا[1] (ابوداؤد) اور فرمایا یہ صحیح تر ہے۔ روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں کہ قریب ہے مسلمان مدینہ منورہ کی طرف محصور کردیئے جاویں[2] حتی کہ ان کی آخری سرحد مقام سلاح ہو اور سلاح خیبر سے قریب ہے[3]

[1] یہ حدیث پچھلی حدیث کے خلاف ہے جس میں سات ماہ کا ذکر ہے۔ لہذا یا تو یہاں شہر سے مراد قسطنطنیہ کے علاوہ کوئی اور شہر ہے اور وہاں قسطنطنیہ شہر کی فتح کا ذکر تھا یا وہ حدیث مجروح ہے۔ یہ حدیث صحیح اس لیے یہاں فرمایا کہ ھذا اصح یہ زیادہ صحیح ہے۔ لہذا سات ماہ کی روایت صحیح نہیں (لمعات) مرقات نے فرمایا کہ اس جنگ سے کوئی اور جنگ مراد ہے۔ اور یہاں دوسری جنگ مراد اس گذشتہ جنگ سے سات ماہ بعد دجال نکلے گا۔ اور اسی جنگ سے سات سال بعد، لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں۔

[2] یعنی مسلمانوں کو دنیا میں کہیں پناہ نہ ملے گی۔ تمام دنیا کے مسلمان سمٹ کر مدینہ منورہ میں پناہ لیں۔ مدینہ منورہ کے اندر رہے اور کوئی مدینہ منورہ سے باہر چوطرفہ اسی شہر پاک کی حفاظت کے لیے۔ غرضکہ مسلمان صرف یہاں ہی ہوں گے۔

[3] یعنی مسلمانوں کی آخری سرحد مقام سلاح ہوگا۔ خیبر سے قریب ایک جگہ ہے۔ اور خیبر مدینہ منورہ سے قریبًا ایک سو نوے کیلو میٹر ہے۔ ایک کیلو پانچ فرلانگ کا ہوتا ہے۔ مسلمان اپنے
اس ملک کی حفاظت کے لیے مقام سلاح میں چھاؤنیاں
بناکر یہاں ہی رہیں گے آس پاس سارے کفار ہونگے
غرضکہ مسلمان اسوقت بہت سخت تنگی میں ہونگے
دنیا بھر کے مسلمان صرف ڈیڑھ سو میل رقبہ میں آباد ہونگے۔

رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَعَنْ ذِیْ مِخْبَرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ سَتُصَالِحُوْنَ الرُّوْمَ صُلْحًا اٰمِنًا فَتَغْزُوْنَ اَنْتُمْ وَهُمْ عَدُوًّا مِّنْ وَّرَائِکُمْ فَتُنْصَرُوْنَ وَتَغْنَمُوْنَ وَتَسْلَمُوْنَ ثُمَّ تَرْجِعُوْنَ حَتّٰی تَنْزِلُوْا بِمَرْجٍ ذِیْ تُلُوْلٍ فَیَرْفَعُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ النَّصْرَانِیَّةِ الصَّلِیْبَ فَیَقُوْلُ غَلَبَ الصَّلِیْبُ فَیَغْضَبُ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ فَیَدُقُّهٗ فَعِنْدَ ذٰلِکَ تَغْدِرُ الرُّوْمُ وَتَجْمَعُ لِلْمَلْحَمَةِ وَزَادَ بَعْضُهُمْ فَیَثُوْرُ الْمُسْلِمُوْنَ اِلٰی اَسْلِحَتِهِمْ فَیَقْتَتِلُوْنَ فَیُکْرِمُ

(ابوداؤد) روایت ہے ذی مخبر سے[1] فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ تم روم سے امن وامان والی صلح کرو گے تو تم اور وہ اپنے سامنے والے دشمن سے جنگ کرو گے[2] تو تم کو فتح دی جاوے گی اور تم غنیمت حاصل کرو گے اور سلامت رہو گے[3] پھر تم لوٹو گے حتی کہ ٹیلوں والی چراگاہ میں اترو گے[4] تو عیسائیوں میں ایک شخص صلیب اٹھا کر کہے گا کہ صلیب غالب آگئی[5] تو مسلمانوں میں سے ایک شخص غضب ناک ہو کر اسے توڑ دے گا[6] اس وقت روم عہد شکنی کریں گے اور جنگ کے لیے جمع ہو جائیں گے بعض راویوں نے یہ زیادہ فرمایا کہ پھر مسلمان اپنے ہتھیاروں کی طرف جوش سے بڑھیں گے[7] پھر جنگ

[1] ذی مخبر نجاشی یعنی شاہ حبشہ کے بھتیجے ہیں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص خادم آپ سے کئی صحابہ و تابعین نے روایات لیں۔ مخبر م کے کسرہ اور خ کے سکون سے ہے ب کے فتح سے آپ کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔

[2] یعنی تم مسلمان اور رومی عیسائی مل کر مشترکہ دشمن سے جنگ کرو گے وہ دشمن غالباً مشرکین ہونگے یہ احتمال ضعیف ہے کہ وہ دشمن یہود ہوں گے۔

[3] یعنی اس جنگ میں تم کو مالی و جانی نقصان بہت کم ہوگا۔ مگر فتح بہت شاندار ہوگی اور غنیمت بیشمار حاصل ہوگی۔

[4] یعنی غنیمت تقسیم کرنے کیلئے تم اور عیسائی ایک سبزہ زار میدان میں اطمینان سے جمع ہو گے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ مل کر جہاد کرنا جائز ہے۔

[5] ہمارے ملک میں صلیب کو لکیر کی شکل پر دکھاتے ہیں × اسی طرح مگر صلیب کی شکل ایسی ہے جیسے انگریزی ٹائی کی نوک اوپر نکلی ہوئی + اسی طرح عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی اس شکل کی لکڑی پر دی گئی۔ اس موقعہ پر ایک رومی عیسائی کہے گا کہ یہ فتح ہماری صلیب کی برکت سے ہوئی۔

[6] اور صلیب توڑ کر کہے گا کہ فتح ہمارے کلمہ طیبہ کی برکت سے ہوئی تیری صلیب کی کوئی حقیقت نہیں اس پر ان کی آپس میں جنگ چھڑ جائیگی۔ آگے ارشاد ہے۔ [7] یعنی غنیمت وغیرہ کو چھوڑ کر ہتھیار اٹھائیں گے۔ سخت جنگ ہوگی۔

اللّٰهُ تِلْكَ الْعِصَابَةَ بِالشَّهَادَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُتْرُكُوا الْحَبَشَةَ مَا تَرَكُوْكُمْ فَاِنَّهُ لَا يَسْتَخْرِجُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ اِلَّا ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعُوا الْحَبَشَةَ مَا وَدَعُوْكُمْ وَاتْرُكُوا التُّرْكَ

کریں گے تو اللہ اس جماعت کو شہادت سے عزت دے گا[1] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا حبشہ کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں[2] کیونکہ کعبہ کا خزانہ نہ نکالے گا مگر حبشہ کا ایک چھوٹی پنڈلیوں والا[3] (ابوداؤد) روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے ایک صاحب نے فرمایا[4] فرمایا حبشیوں کو چھوڑے رہو جب تک وہ تمہیں چھوڑے رہیں اور چھوڑے رہو

[1] یعنی اس جنگ میں مسلمان زیادہ شہید ہوں گے۔

[2] اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ملک حبشہ آخر زمانہ میں مسلمانوں سے نکل جاوے گا اور وہاں کے باشندے عیسائی یا یہودی ہوجاویں گے فرمایا گیا کہ تم اس زمانہ میں حبشہ سے جنگ کی ابتداء نہ کرنا۔ لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ عہد صحابہ میں حبشہ فتح ہوا بلکہ حضور انور کے زمانہ میں حبشہ میں اسلام پھیلا حتی کہ مسلمان مہاجرین کو پہلے حبشہ میں ہی پناہ ملی اب بھی حبشہ مسلمانوں کا ملک ہے اور وہاں کے باشندے پختہ مسلمان ہیں۔ حضرت بلال حبشی ہی تھے نیز اعتراض ہے کہ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ اقتلوھم حیث وجدتموھم پھر حضور انور حبشہ کے جہاد سے کیوں منع فرمارہے ہیں کیونکہ یہ حکم قریب قیامت کے وقت کے لیے ہے۔

[3] مشہور یہ ہے کہ خانہ کعبہ کے نیچے بہت بادشاہوں کا خزانہ مدفون ہے وہ شخص اس خزانہ کے لیے خانہ کعبہ ڈھائے گا۔ یہ واقعہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوگا۔ جب قرآن مجید کے ورق سادہ رہ جائیں گے اور دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا۔ یعنی قیامت سے بالکل متصل۔ خیال رہے کہ رب کا فرمان من دخلہ کان آمنًا کا حکم ہے خبر نہیں یعنی جو حرم کعبہ میں آجاوے اسے امن دے دو یہ مطلب نہیں کہ اسے امن رہے گی۔ لہذا یہ حدیث اس آیت شریفہ کے خلاف نہیں۔ یہ حبشی کافر ہوگا عیسائی یا یہودی واللہ اعلم۔

[4] ان صاحب کا نام شریف معلوم نہ ہوسکا مگر چونکہ ہمارے صحابہ عادل ہیں۔ ان میں فاسق کوئی نہیں اس لیے یہ حدیث مجہول نہ ہوگی۔ صحیح رہے گی۔

[5] ہم ابھی گذشتہ حدیث میں بتاچکے کہ حبشہ سے کون سے حبشی لوگ مراد ہیں اور یہ حکم کس وقت کے لیے ہے لہذا حدیث واضح ہے۔

مَا تَرَكُوكُمْ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَنَسَائِیُّ وَعَنْ بُرَيْدَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَدِيثٍ يُقَاتِلُكُمْ قَوْمٌ صِغَارُ الْأَعْيُنِ يَعْنِي التُّرْكَ قَالَ تَسُوقُونَهُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ حَتّٰى تُلْحِقُوهُمْ بِجَزِيرَةِ الْعَرَبِ فَأَمَّا فِي السِّيَاقَةِ الْأُولٰى فَيَنْجُو مَنْ هَرَبَ مِنْهُمْ وَأَمَّا فِي الثَّانِيَةِ فَيَنْجُو بَعْضٌ وَيَهْلِكُ بَعْضٌ وَأَمَّا فِي الثَّالِثَةِ فَيُصْطَلَمُونَ أَوْ كَمَا قَالَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ وَعَنْ أَبِي بَكْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ أُنَاسٌ

تم ترک کو جب تک چھوڑے رہیں تم کو[1] (ابوداؤد، نسائی) روایت ہے حضرت بریدہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی ایک حدیث میں کہ تم سے ایک چھوٹی آنکھوں والی قوم یعنی ترک جنگ کرے گی فرمایا تم انہیں تین بار ہانکو گے حتی کہ تم انہیں جزیرہ عرب میں پہونچادو گے[2] لیکن پہلی ہانک میں تو ان میں بھاگ جانے والے نجات پاجائیں گے۔ لیکن دوسری میں بعض نجات پاجائیں گے بعض ہلاک ہو جائیں گے۔ لیکن تیسری ہانک میں وہ فنا ہو جائیں گے[3] یا جیسے فرمایا (ابوداؤد)

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے لوگ

[1] ترک سے مراد قوم یاجوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہے جن سے مسلمانوں کی جنگ عظیم قریب قیامت ہوگی۔ یہ حدیث قرآن کریم کی اس آیت کی مخصص ہے واقتلوا المشرکین کافۃ کہ مشرکین میں سے ان دونوں قبیلوں کو الگ کر دیا گیا۔ جیسے خبر کا حکم مطلق ہے حتی یعطوا الجزیۃ عنه یدٍ الخ سے مشرکین عرب بحکم حدیث علیحدہ ہیں کہ ان کے لیے قتل ہے یا اسلام لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں۔ کہ یہ اس حکم قرآن کے خلاف ہے۔ (لمعات۔ مرقات)۔ اشعہ)

[2] یہ واقعہ بھی قریب قیامت ہوگا۔ کہ تمہارا ان ترکوں سے مقابلہ ہوگا۔ تم انہیں بھگاتے ہوئے لے جاؤ گے۔ اور وہ آگے آگے ہوں گے اور تم پیچھے پیچھے۔

[3] یعنی تمہاری اور ان ترکوں کی جنگ تین بار ہوگی پہلی دو جنگوں میں ان کے کچھ لوگ ہلاک ہوں گے تیسری جھڑپ میں وہ سارے ختم ہو جائیں گے یہ بھی قریب قیامت ہوگا۔

مِنْ اُمَّتِیْ بِغَائِطٍ یُسَمُّوْنَہُ الْبَصْرَۃَ عِنْدَ نَھْرٍ یُقَالُ لَہُ دَجْلَۃُ یَکُوْنُ عَلَیْہِ جِسْرٌ یَکْثُرُ اَھْلُھَا وَیَکُوْنُ مِنْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِیْنَ وَاِذَا کَانَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ جَآءَ بَنُوْ قَنْطُوْرَاءَ عِرَاضُ الْوُجُوْہِ صِغَارُ

ایک پست زمین میں اتریں گے لہ جسے بصرہ کہیں گے ۲ ایک نہر کے کنارے کے پاس جسے دجلہ کہا جاتا ہے ۳ اس پر ایک پل ہوگا۔ اس کے باشندے بہت ہوں گے ۴ اور وہ مسلمانوں کے شہروں میں سے ہوگا اور جب آخری زمانہ ہوگا تو قبیلہ بنو قنطوراء ۵ چوڑے منہ والے چھوٹی آنکھوں والے آئیں گے ۶

لہ غائط پست زمین کو کہتے ہیں۔ اس لیے پیشاب یا پاخانہ بیٹھنے کی جگہ کو غایت کہتے ہیں۔ کہ اکثر وہ پست زمین ہوتی ہے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ اذجاء احد منکم من الغائط

۲ بصرہ دراصل بسرہ تھا۔ سین سے جس کے معنی ہیں۔ بہت راستوں والا بصرہ عراق کا بڑا مشہور شہر ہے بڑی بندرگاہ عراق کی یہی بصرہ ہی میں ہے۔ یہاں بڑے اولیاء اللہ آرام فرمائیں ہم نے زیارت کی ہے۔

۳ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں بصرہ سے مراد بغداد ہے کیونکہ دجلہ کے کنارے پر بغداد واقع ہے نہ کہ بصرہ۔ بصرہ دریائے شطّ العرب کے کنارہ پر ہے۔ لہذا یہاں بصرہ کے معنی لغوی مراد ہیں۔ یعنی بہت سے راستوں والا شہر۔

۴ یعنی بغداد مسلمانوں کا بہت بڑا شہر ہوگا۔ مصر بڑے شہر کو کہتے ہیں۔ اس سے چھوٹا مدینہ، اس سے چھوٹا بلدہ، اس سے چھوٹا قریہ (اشعہ) مگر جب یہ قریہ کے ساتھ کوئی علامت لگادی جائے۔ عظیم وغیرہ تو بڑے شہر کو بھی قریہ کہہ دیتے ہیں۔

۵ قنطوراء ان ترکوں کے مورث اعلٰی کا نام ہے بعض لوگوں نے کہا کہ قنطوراء حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک لونڈی کا نام ہے۔ جس کی اولاد سے وہ ترک ہوں گے مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ وہ ترک یافث ابن نوح علیہ السلام کی نسل ہیں۔ اور یافث حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بہت پہلے ہوئے۔ بعض شارحین نے کہا کہ ممکن ہے قنطوراء لونڈی یافث کی اولاد سے ہو۔ یا اس کا نکاح کسی اولاد یافث سے ہو۔ اس طرح یہ دونوں قول جمع ہو جائیں گے۔ ان میں اختلاف نہ رہے گا۔ (مرقات)

۶ یعنی بصرہ یا بغداد کے مسلمانوں سے جنگ کرنے یہ ترک آئیں گے۔ جن کی شکلیں ایسی ہوں گی۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ ترک یاجوج ماجوج کا ایک قبیلہ ہے۔

الْأَعْيُنِ حَتَّى يَنْزِلُوا عَلَى شَطِّ النَّهْرِ فَيَتَفَرَّقُ أَهْلُهَا ثَلٰثَ فِرَقٍ يَأْخُذُونَ فِي أَذْنَابِ الْبَقَرِ وَالْبَرِّيَّةِ وَهَلَكُوا وَفِرْقَةٌ يَأْخُذُونَ لِأَنْفُسِهِمْ وَهَلَكُوا وَفِرْقَةٌ يَجْعَلُونَ ذَرَارِيَّهُمْ خَلْفَ ظُهُورِهِمْ وَيُقَاتِلُونَهُمْ وَهُمُ الشُّهَدَاءُ رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ وَعَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَنَسُ إِنَّ النَّاسَ يُمَصِّرُونَ أَمْصَارًا وَإِنَّ مِصْرًا مِنْهَا يُقَالُ لَهُ الْبَصْرَةُ فَإِنْ أَنْتَ مَرَرْتَ بِهَا أَوْ

حتی کے نہر کے کنارہ اتریں گے تو وہاں کے باشندے تین حصے ہوجاویں گے ایک فرقہ تو گایوں کی دم اور جنگل اختیار کرلیں گے[1] وہ ہلاک ہوجائیں گے اور ایک فرقہ اپنے لیئے امان لے لیگا اور ہلاک ہو جائیں گے[2] اور ایک فرقہ اپنے بال بچوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے چھوڑے گا اور ان سے جنگ کرے گا یہ لوگ شہدا ہیں[3] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انس لوگ مختلف شہر آباد کریں گے ان میں ایک شہر ہے جسے بصرہ کہا جاوے گا[4] تو اگر تم وہاں سے گزرو اس میں

[1] یعنی بصرہ یا بغداد کے مسلمان اس وقت تین حصوں میں بٹ جائیں گے ایک حصہ تو ان کفار ترک کے مقابلہ کی تاب نہ لاکر اپنے مال مویشی لے کر جنگل کی طرف بھاگے گا اور وہاں کا باشندہ بن جائیگا تاکہ آرام سے بقیہ زندگی گزاریں۔ جہاد نہ کرنا پڑے یہ لوگ بزدل ہو کر ذلیل و خوار ہوجائیں گے اور بری موت مریں گے۔ ھلکوا سے یہی مراد ہے ذلت کی موت مرنا۔

[2] یعنی مسلمانوں کا دوسرا فرقہ اُن سے ڈر کر ان سے امان لے لیگا۔ ان کی رعایا بن جاوے گا۔ بعض شارحین نے کہا کہ یہ واقعہ ہو چکا کہ مستعصم باللہ بادشاہ نے اپنے اور اپنے ماتحتوں کے لئے امان لے لی مگر یہ درست نہیں کہ مستعصم باللہ بغداد کا باشندہ تھا۔ یہاں ذکر ہے بصرہ کا لہذا یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا اور وہ ترک کفار پرسے ہوں گے۔ یہ واقعہ صفر ۶۵۶ھ ہجری میں گذرچکا (مرقات) یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔

[3] یعنی مسلمانوں کا یہ تیسرا حصہ کامل غازی اور اعلیٰ درجہ کے شہید ہوں گے۔ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اس حصہ کا بڑا حصہ شہید ہوجاوے گا تھوڑا حصہ بچے گا۔

[4] حضور انور کے زمانہ میں بصرہ شہر نہ تھا۔ اس کے شہر بن جانے کی اس حدیث میں خبر دی گئی۔ چنانچہ حضور کے فرمان کے مطابق آج بصرہ بڑا شہر ہے۔

دَخَلْتَهَا فَإِيَّاكَ وَسِبَاخَهَا وَكِلَاءَهَا وَنَخِيلَهَا وَسُوقَهَا وَبَابَ أُمَرَائِهَا وَعَلَيْكَ بِضَوَاحِيهَا فَإِنَّهُ يَكُونُ بِهَا خَسْفٌ وَقَذْفٌ وَرَجْفٌ وَقَوْمٌ يَبِيتُونَ وَيُصْبِحُونَ قِرَدَةً وَخَنَازِيرَ رَوَاهُ ۔ وَعَنْ

جاؤ وہاں کے کھاری زمین سے اور وہاں کے مقام کلاء سے ۱؎ اور وہاں کے باغات بازار اور وہاں کے امیروں کے دروازوں سے بچنا ۲؎ اور مقام ضواحی کو اختیار کرنا ۳؎ کیونکہ وہاں زمین دھنسنا پتھر برسنا زلزلے ہوں گے ۴؎ اور ایسی قوم ہوگی جو رات گزاریں گے اور سویرا پائیں گے بندر سور ہو کر ۵؎

۱؎ کلا بصرہ کے آس پاس کی زمینوں میں سے ایک زمین کا نام ہے غالبًا وہاں سبزہ چارہ بہت ہوگا۔ اس لئے اس علاقہ کو کلا کہتے ہیں۔ چونکہ بصرہ اور اس کے آس پاس کے آباد علاقوں کی آب و ہوا بھی خراب ہے اور وہاں آفات بہت آنے والی ہیں۔ اس لیے ان مقامات سے بچنے کا حکم دیا۔

۲؎ بصرہ کے بازاروں میں جھوٹ فریب دھوکہ دہی زیادہ ہے۔ امراء میں ظلم و تشدد بہت اس لیے ان جگہوں سے بچنے کا حکم دیا گیا۔

۳؎ ضواحی بصرہ، شہر بصرہ کے ایک علاقہ کا نام ہے۔ وہ علاقہ پہاڑی ہے مطلب یہ ہے کہ وہاں جلوت سے بچنا۔ خلوت اختیار کرنا بن باس ہو جانا کہ اس میں امن ہوگی

۴؎ یعنی بصرہ میں تین عذاب نوعام آئیں گے۔ ایک انسانوں، مکانات، عمارتوں میں زمین دھنس جانا۔ انہیں زمین نگل لے گی۔ دوسرے تیز ہوائیں چلنا۔ جس سے لوگ ہلاک ہو جاویں یا غیبی پتھر برسنا، یا زمین کا مدفون لاشوں کو نکال پھینکنا تیسرے سخت زلزلے۔ قذف کے کئی معنی کئے گئے ہیں (مرقات) یہ واقعات قریب قیامت ہوں گے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ یہ مذکورہ عذاب قدریہ فرقے پر آئیں گے غالبًا اس زمانہ میں بصرے میں قدریہ فرقہ بہت ہوگا۔ خیال رہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے یہ مذکورہ عذاب عام لوگوں پر نہ آئیں گے۔ خاص لوگوں پر خاص حالات میں آئیں گے۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ ماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (از اشعہ)

۵؎ یہ وہاں کے خاص عذاب کا ذکر ہے کہ وہاں کی ایک قوم رات کو اچھی بھلی سوئے گی۔ صبح کو اس طرح اٹھے گی کہ ان کے جوان تو بندر بن چکے ہوں گے اور بوڑھے سور یہ ہے مسخ یعنی صورتوں کی تبدیل یہ بھی قریب قیامت قدریہ فرقہ کی ہوگی۔ یہاں بعض نسخوں میں سفید جگہ چھوٹی ہوئی ہے۔ یعنی

صالح بن درهم يقول انطلقنا حاجين فاذا رجل فقال لنا الى جنبكم قرية يقال لها الابلة قلنا نعم قال من يضمن لي منكم ان يصلي لي في مسجد العشار ركعتين او اربعا ويقول هذه لابي هريرة سمعت خليلي ابا القاسم صلى الله عليه وسلم يقول ان الله عزوجل يبعث من مسجد العشار

روایت ہے صالح ابن درہم سے ۱؎ فرماتے ہیں کہ ہم حج کرنے جارہے تھے کہ ایک شخص ملا پس اس نے کہا کیا تم سے قریب کوئی بستی ہے جسے ابلہ کہا جاتا ہے ۲؎ ہم بولے ہاں اس نے کہا تم سے کون اس کا ضامن بنتا ہے کہ مسجد عشار میں میرے لیئے دو چار رکعتیں پڑھ دے اور کہہ دے کہ یہ نماز ابوہریرہ کی ہے ۳؎ میں نے اپنے محبوب ابوالقاسم صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالٰے قیامت کے دن مسجد عشار سے ایسے

صاحب مشکوٰۃ کو اس کا حوالہ نہ ملا، اور بعض نسخوں میں عبارت ہے رواہ ابوداؤد ومن طریق لم یجزم بها الراوی بل قال لا اعلمه الا ذکرہ عن موسی ابن انس عن انس بن مالك اشعۃ اللمعات میں یہ عبارت اسی جگہ مذکور ہے۔

۱؎ صالح ابن درہم تابعی ہیں قبیلہ باہلہ سے ہیں۔ آپ نے حضرت ابوہریرہ اور سمرہ ابن جندب سے روایات لیں۔ آپ سے شعبہ اور قسطان نے روایات لیں (اکمال۔ مرقات)۔

۲؎ اُبلّہ الف اور ب کے پیش لام کے شد سے بصرہ کے پاس مشہور بستی ہے علماء کہتے ہیں کہ دنیا کے چار شہر زمین کی جنت ہیں بصرہ کا اُبلہ۔ دمشق کا غوطہ۔ سمرقند کا صغد اور بوان شہر کا شعب یہ چاروں بستیاں بہت ہی سرسبز ہیں۔ ہم نے دمشق کا غوطہ اور بصرہ کا ابلہ دیکھا ہے۔

۳؎ یعنی تم میں سے کوئی شخص مسجد عشار میں جو کہ ابلہ کی مشہور متبرک مسجد ہے۔ دو چار رکعت نفل پڑھ کر مجھے اس لفظ سے ایصال ثواب کردے کہ الٰہی یہ نماز جو ہم نے پڑھی یہ ابوہریرہ کی طرف سے ہے۔ اس کا ثواب انہیں ملے۔ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ متبرک و مقدس مسجد میں نماز ادا کرنا دوسری نمازوں سے افضل ہے۔ مسجد نبوی کی ایک نیکی دوسری جگہ کی پچاس ہزار نیکیوں کی برابر ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز کا ثواب دوسرے کو بخشدینا درست ہے ہاں کسی کی طرف سے نماز فرض نہیں پڑھی جاسکتی تو وہ خود ہی پڑھنا پڑے گی۔ تیسرے یہ کہ کوئی نیکی کرکے کسی دوسرے کو اس طرح ثواب بخشنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو ملے بالکل جائز سنت صحابہ ہے لہذا مروجہ ختم شریف وغیرہ بالکل درست ہے۔ دیکھو حضرت ابوہریرہ ثواب بخشنے کے الفاظ بتارہے ہیں چوتھے یہ کہ اپنے سے بڑے کو ثواب بخشنا جائز ہے اگرچہ وہ کیسی ہی شان کا مالک ہو دیکھو جناب ابوہریرہ صحابی ہیں بعض تابعین کو اپنے لئے ایصال ثواب کا حکم دے رہے ہیں یہ حدیث

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُهَدَاءَ لَا يَقُوْمُ مَعَ شُهَدَاءِ بَدْرٍ غَيْرُهُمْ رَوَاهُ اَبُوْ دَاوٗدَ وَقَالَ هٰذَا الْمَسْجِدُ مِمَّا يَلِي النَّهْرَ وَسَنَذْكُرُ حَدِيْثَ اَبِي الدَّرْدَاءِ اِنَّ فُسْطَاطَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ بَابِ ذِكْرِ الْيَمَنِ وَالشَّامِ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ شَقِيْقٍ عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عُمَرَ فَقَالَ اَيُّكُمْ يَحْفَظُ حَدِيْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ فَقُلْتُ اَنَا اَحْفَظُ كَمَا قَالَ قَالَ

شہید اٹھائے گا کہ ان کے سوا شہداء بدر کے ساتھ کوئی نہ کھڑا ہوگا۔ ؎۱ (ابوداؤد) اور فرمایا کہ یہ مسجد نہر کے قریب ہے اور ہم ابوالدرداء کی حدیث ان فسطاط المسلمین یمن و شام کے ذکر والے باب میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت شفیق سے ؎۲ وہ جناب حذیفہ سے راوی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت عمر کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا تم سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فتنہ کے متعلق حدیث کا حافظ کون ہے ؎۳ میں نے عرض کیا میں حافظ ہوں جیسے حضور نے فرمایا ہے فرمایا لاؤ

نسبت سے احکام کا ماخذ ہے۔ نیز زندہ کو زندہ کا ثواب بخشدینا جائز ہے۔

؎۱ یعنی آخر زمانہ میں ایک عظیم الشان جہاد ہوگا۔ اس جہاد کے غازی اس مسجد میں جمع ہو کر میدان میں جاکر شہید ہوں گے وہ کل قیامت میں شہداء بدر کے ساتھ کھڑے ہوں گے۔ لہذا اس مسجد میں نماز پڑھنا بہت ہی افضل ہے معلوم ہوا کہ اگرچہ ساری مسجدیں اللہ کا گھر ہیں۔ مگر جس مسجد میں یا جس شہر میں اللہ کے مقبول بندے رہ چکے ہوں یا اب رہتے ہوں یا آئندہ رہنے والے ہوں وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ اس کی نسبت کی وجہ سے دیکھو دہ غازی شہداء قریب قیامت اس مسجد میں جمع ہوں گے مگر وہاں نماز آج ہی سے افضل ہے۔ جن مقامات پر حضور نے قدم بھی رکھا ہے وہ مقام اللہ کو محبوب ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سفیدہ زمین کا ادب کیا جہاں آئندہ مدینہ منورہ شہر آباد ہونے والا تھا۔

؎۲ آپ کا نام شفیق ابن ابی سلمہ ہے۔ آپ نے حضور کا زمانہ پایا مگر زیارت نہ کی۔ بہت صحابہ سے ملاقات ہوئی۔ حجاج ابن یوسف کے زمانہ میں وفات پائی۔ اور حذیفہ ابن یمان مشہور صحابی ہیں۔ آپ نے حضرت عثمان غنی کی شہادت کے چالیس دن بعد مدائن میں وفات پائی۔ وہاں مدائن میں ہی آپ کی قبر شریف ہے۔ (مرقات)

؎۳ یعنی احکام۔ اعمال۔ عقائد کی احادیث تو ہم سب کو یاد ہیں۔ ہمارے عمل میں ہیں جو فتنوں بلاؤں۔ آفتوں کی پیش گوئی حضور نے کی ہے وہ کسے یاد ہیں۔

إِنَّكَ لَجَرِيءٌ وَكَيْفَ قَالَ قُلْتُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَنَفْسِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ يُكَفِّرُهَا الصِّيَامُ وَالصَّلٰوةُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ فَقَالَ عُمَرُ لَيْسَ هٰذَا أُرِيْدُ إِنَّمَا أُرِيْدُ الَّتِي تَمُوْجُ كَمَوْجِ الْبَحْرِ قَالَ قُلْتُ مَا لَكَ وَلَهَا يَا أَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا قَالَ فَيُكْسَرُ الْبَابُ أَوْ يُفْتَحُ قَالَ

تم بڑے بہادر ہو[1] حضور نے کیسے فرمایا میں نے کہا میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مرد کا فتنہ اس کے گھر میں اس کے مال میں اور اس کی ذات میں اور اس کی اولاد میں اور اس کے پڑوسی میں ہے۔ جسے روزے نماز، خیرات، اچھائیوں کا حکم برائیوں سے روکنا مٹاتے رہتے ہیں[2] تو حضرت عمر نے فرمایا میں یہ ارادہ نہیں کر رہا ہوں میری مراد وہ فتنہ ہے جو سمندر کی موج کی طرح اٹھے گا[3] فرمایا میں نے کہا آپ کو اس سے کیا تعلق اے امیرالمومنین آپ کے اس کے درمیان ایک بند دروازہ ہے[4] فرمایا تو دروازہ توڑا جاوے گا۔ یا کھولا جاوے گا۔ فرماتے ہیں

[1] ظاہر یہ ہے کہ حضرت حذیفہ کو بہادر فرمانا ان کی تعریف و توصیف کے لیے ہے۔ یعنی بڑے دلیر ہو کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین فتنہ گروں اور فتنوں کے متعلق پوچھ پوچھ کر بہت معلومات جمع کر لی تھیں۔ نیز تم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحب اسرار ہو تم نے وہ باتیں معلوم کر لیں ہیں۔ جو ہم لوگوں کو معلوم نہیں بیان کرو۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ انہیں بہادر فرمانا ناراضی کے اظہار کے لیے مگر یہ غلط ہے۔ حضرت حذیفہ حضور کی حدیث سنائیں۔ اور جناب عمر ناراض ہوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

[2] یعنی انسان دن رات اپنے مال اولاد پڑوسیوں کی الجھنوں کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ یہ چیزیں انسان کے لیے فتنہ ہیں، انما اموالکم و اولادکم فتنۃ اور یہ مذکورہ نیکیاں ان گناہوں کو مٹاتی رہتی ہیں۔ ان الحسنات یذھبن السیئات

[3] یعنی یہ فتنے تو شخصی وقتی فتنے ہیں، بلکہ ایک طرح اللہ کی رحمت میں ہیں۔ تو اس عالمگیر فتنہ کے متعلق پوچھتا ہوں جو سمندر کی لہروں کی طرح دنیا بھر کو لے لیگا۔ کسی کے روکے نہ رکے گا۔ جس سے مسلمانوں میں قتل عام ہوگا۔

[4] یعنی آپ اس فتنہ سے خوف نہ کریں وہ آپ کو نہ پہنچے گا۔ بلکہ آپ کے ہوتے ہوئے مسلمانوں کو بھی نہ پہنچے گا۔ آپ مسلمانوں کے لیے امان ہیں۔ آپ وہ بند دروازہ ہیں جس نے مسلمانوں سے فتنوں کو روک رکھا ہے۔

قُلْتُ لَا بَلْ يُكْسَرُ قَالَ ذَاكَ اَحْرٰى اَنْ لَّا يُغْلَقَ قَالَ فَقُلْنَا لِحُذَيْفَةَ هَلْ كَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ مَنِ الْبَابُ قَالَ نَعَمْ كَمَا يَعْلَمُ اَنَّ دُوْنَ غَدٍ لَيْلَةً اِنِّيْ حَدَّثْتُهٗ حَدِيْثًا لَيْسَ بِالْاَغَالِيْطِ قَالَ فَهِبْنَا اَنْ نَّسْاَلَ حُذَيْفَةَ مَنِ الْبَابُ فَقُلْنَا لِمَسْرُوْقٍ سَلْهُ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ عُمَرُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ فَتْحُ الْقُسْطَنْطِيْنِيَّةِ مَعَ قِيَامِ

میں نے کہا نہیں بلکہ توڑا جاوے گا[1] فرمایا یہ اس لائق ہے کہ پھر بند کیا جا سکے[2] راوی کہتے ہیں کہ ہم نے جناب حذیفہ سے کہا کیا حضرت عمر جانتے تھے کہ دروازہ کون ہے فرمایا ہاں جیسے یہ جانتے تھے کہ کل سے پہلے رات ہے[3] میں نے انہیں وہ حدیث سنائی جو معمہ نہیں ہے[4] فرماتے ہیں کہ ہم کو اس سے ڈر لگا کہ حذیفہ سے پوچھیں کہ دروازہ کون ہے تو ہم نے مسروق سے کہا ان سے پوچھو انہوں نے پوچھا تو فرمایا عمر ہیں[5] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ قسطنطنیہ کی فتح قیامت قائم ہونے

[1] حضرت عمر سمجھ گئے وہ دروازہ جس کے ہٹتے ہی فتنوں کا سمندر موجیں مارنے لگے گا وہ میں ہی ہوں تو پوچھا کہ بتاؤ میری موت بستر پر ہوگی یا شہادت کی۔ دروازہ کھلنے سے مراد ہے۔ طبعی موت اور توڑے جانے سے مراد ہے قتل کیا جانا، ایسے فہم یا علم کے قربان۔

[2] یہ فرمان عالی انتہائی فراست و دانائی پر مبنی ہے۔ یعنی اگر دروازہ کھلے تو بند کیا جاسکتا ہے لیکن اگر توڑ دیا جاوے تو بند کیسے ہو، میرا قتل اس کی علامت ہے۔ کہ فتنے پھر بند نہ ہوں گے۔ آپ کی یہ فراست بالکل درست ثابت ہوئی۔

[3] یعنی اے حذیفہ آپ سے حضرت عمر نے یہ نہ پوچھا کہ دروازہ کون ہے اور نہ آپ نے انہیں بتایا تو کیا حضرت عمر آپ کا مقصد سمجھ گئے کیا انہیں پتہ لگ گیا کہ دروازہ کون ہے۔ ہم تو کچھ نہ سمجھے ہم پر واضح فرما دیجئے۔

[4] یعنی یہ اشارۃً بات چیت تمہارے لیے معمہ ہے مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے معمہ نہ تھی وہ مجتہد مطلق تھے مزاج شناس رسول۔ اس سے معلوم ہوا کہ غیبی خبریں اشارۃً دی جاتی ہیں صراحۃً نہیں۔ نیز مجتہدین حدیث و قرآن کا منشا سمجھتے ہیں لوگ قرآن و احادیث فہمی میں مجتہدین علماء کے محتاج ہیں۔

[5] یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حیات شریف فتنوں کے آگے مضبوط بند دروازہ ہے۔ آپ کے زمانہ میں کسی بیدین فتنہ گر کو سر اٹھانے کی جرأت نہیں۔ آپ کی شہادت کے بعد فتنہ گر اٹھیں گے فتنے سر نکالیں گے۔

السَّاعَۃِ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ بَابُ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ اَنْ یُّرْفَعَ الْعِلْمُ وَیَکْثُرَ الْجَھْلُ وَیَکْثُرَ الزِّنَا وَیَکْثُرَ شُرْبُ الْخَمْرِ وَیَقِلَّ الرِّجَالُ

ساتھ ہے ۱؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ قیامت کی علامتوں کا بیان ۲؎ پہلی فصل روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کی نشانیوں سے یہ ہے کہ علم اٹھالیا جاوے گا۔ اور جہالت بڑھ جاوے گی ۳؎ اور زنا شراب خواری بڑھ جاوے گی ۴؎ اور مرد کم ہوجاویں گے۔

۱؎ اس فتح سے مراد وہ فتح ہے جو قریب قیامت ہوگی، معلوم ہوا کہ قسطنطنیہ جسے آج استنبول کہتے ہیں۔ یہ مسلمانوں سے نکل جاوے گا۔ پھر مسلمان فتح کریں گے روم کا یہ شہر عہد صحابہ میں فتح ہوا اور اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ آج بیت المقدس یہود کے پاس پہنچ گیا یہ بھی علامات قیامت سے ہے۔

۲؎ اشراط جمع ہے شرط کی، شرط فتح رکے سکون سے یعنی موقوف علیہ جیسے نماز کے لیے وضو اس کی جمع شروط یا شرط ہے مگر شین کے فتح سے اس کے بہت معنی ہیں۔ علامات۔ ابتداء۔ حقیر مال۔ چھوٹی چیز اس سے ہے شرط یعنی سپاہی شاہی باڈی گارڈ جو بادشاہ کے آگے چلے اور بادشاہ کی آمد کی علامت ہو۔ اس کی جمع اشراط ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔ خیال رہے کہ اس باب میں سوا خروج امام مہدی کے باقی تمام چھوٹی علامتیں ہیں۔ بڑی علامات قیامت اگلے باب میں آئیں گی۔ ساعت قیامت کا ایک نام ہے۔ چونکہ اس کی آمد آناً فاناً ہوگی، یا بعض مقبول بندوں کو یہ گھڑی کی طرح محسوس ہوگی۔ اس لیے اسے ساعت یعنی گھڑی کی چیز کہا جاتا ہے۔ اس کا نام حشر، قیامت یوم الجزاء قارعۃ، واہیۃ، یوم الحساب۔ واقعہ۔ خافضہ۔ رافعہ وغیرہ ہیں۔ ہر نام کی الگ وجہ ہے۔ دیکھو ہماری تفسیر۔

۳؎ علم سے مراد علم دین ہے۔ جہل سے مراد دین علم سے غفلت آج یہ علامت شروع ہوچکی ہے۔ دنیاوی علوم بہت ترقی پر ہیں۔ مگر علوم تفسیر، حدیث، فقہ بہت کم رہ گئے۔ علماء اٹھتے جارہے ہیں۔ ان کے جانشین پیدا نہیں ہوتے۔ مسلمانوں نے علم دین سیکھنا قریبًا چھوڑ دیا بہت سے علماء واعظ بن کر اپنا علم کھو بیٹھے۔ یہ سب کچھ اس پیش گوئی کا ظہور ہے۔

۴؎ زنا کی زیادتی کے اسباب۔ عورتوں کی بے پردگی، اسکولوں کالجوں، لڑکوں، لڑکیوں کی مخلوط تعلیم۔ سینما وغیرہ کی بے حیائیاں گانے۔ ناچنے کی زیادتیاں یہ سب آج موجود ہیں، ان وجوہ سے زنا بڑھ رہا ہے۔ اور ابھی اور زیادہ بڑھے گا۔ ہم نے عرب ممالک کے بعض علاقوں میں دیکھا کہ بغیر شراب کوئی کھانا نہیں ہوتا۔ ہوٹل میں کھانا مانگو تو شراب ساتھ آتی ہے۔

وَيَكْثُرُ النِّسَاءُ حَتّٰى يَكُوْنَ لِخَمْسِيْنَ امْرَاَةً الْقَيِّمُ الْوَاحِدُ وَفِيْ رِوَايَةٍ يَقِلُّ الْعِلْمُ وَيَظْهَرُ الْجَهْلُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ - وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ كَذَّابِيْنَ فَاحْذَرُوْهُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحَدِّثُ اِذْ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ قَالَ اِذْ ضُيِّعَتِ

اور عورتیں زیادہ ہوجاویں گی[1] حتے کہ پچاس عورتیں ایک مرد منتظم ہوگا[2] ایک روایت میں ہے کہ علم گھٹ جاوے گا اور جہالت ظاہر ہوجاوے گی (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے سامنے جھوٹے ہوں گے تم ان سے پرہیز کرنا[3] (مسلم) روایت ہے حضرت جابر ابن سمرہ سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ حضور گفتگو فرمارہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا عرض کیا قیامت کب ہے[4] فرمایا جب امانت ضائع کر

[1] اس طرح کہ لڑکیاں زیادہ پیدا ہوں گی لڑکے کم پھر مرد جنگوں وغیرہ میں زیادہ مارے جائیں گے اپنے بیوی بچے چھوڑ جائیں گے ان وجوہ سے عورتوں کی بہتات ہوگی۔

[2] اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک خاوند کی پچاس بیویاں ہوں گی کہ یہ تو حرام ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایک خاندان میں عورتیں بیٹیاں پچاس ہوں گی۔ ماں۔ دادی۔ خالہ۔ پھوپھی وغیرہ۔ اور ان کا منتظم ایک مرد ہوگا۔ دوسری احادیث میں ہے کہ قریب قیامت سنگ اسود اور مقام ابراہیم اٹھالیا جاوے گا۔ قیامت کے قریب دنیا میں اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔

[3] جھوٹوں سے مراد جھوٹی حدیثیں گھڑنے والے یا جھوٹے مسئلے بیان کرنے والے یا جھوٹے عقیدے ایجاد کرنے والے انہیں سلف صالحین کی طرف نسبت کرنے والے یا جھوٹے مدعی نبوت کرنے والے ہیں۔ یہ لفظ بہت عام ہے جھوٹے علماء جھوٹے محدثین جھوٹے عقیدوں والوں سے بچنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے جھوٹے نبیوں سے بچنا لازم ہے جیسا کہ فاحذروھم سے معلوم ہوا۔

[4] قیامت کی تاریخ مہینہ دن بتایئے، معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالٰی نے حضور کو علم غیب کلی بخشا اور یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضور کو قیامت کا علم دیا گیا۔ اسلئے تو آپ سے یہ سوال کرتے تھے حضور انور نے بھی انہیں اس سوال پر کافر یا مشرک نہ کہا بلکہ قیامت کی علامات بیان فرمادیں اور علامتیں وہ بیان کرتا ہے جسے ہر شے کا پتہ ہو۔

الْاَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ قَالَ كَيْفَ اِضَاعَتُهَا قَالَ اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰى غَيْرِ اَهْلِهٖ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَكْثُرَ الْمَالُ وَيَفِيْضَ حَتّٰى يُخْرِجَ الرَّجُلُ زَكٰوةَ مَالِهٖ لَا يَجِدُ اَحَدًا يَقْبَلُهَا مِنْهُ وَحَتّٰى تَعُوْدَ اَرْضُ الْعَرَبِ مُرُوْجًا وَّاَنْهَارًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ قَالَ تَبْلُغُ الْمَسَاكِنُ اِهَابَ اَوْ يَهَابَ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكُوْنُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ خَلِيْفَةٌ يَقْسِمُ الْمَالَ وَلَا يَعُدُّهٗ وَ

دی جاوے تو قیامت کا انتظار کرو[1] اس نے عرض کیا کہ ضائع ہونا کیسے ہوگا فرمایا جب کام نا اہلوں کے سپرد کردیا جاوے تو قیامت کا انتظار کرو[2] (بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت نہ آوے گی حتی کہ مال زیادہ ہو جاوے گا اور بہہ جاوے یہاں تک کہ ایک شخص اپنے مال کی زکوۃ نکالنا چاہے تو کوئی ایسا نہ پائے گا[3] جو اس سے وہ قبول کرے اور حتی کہ عرب کی زمین چراگاہ اور نہری ہو جاوے گا[4] (مسلم) انہیں کی ایک روایت میں فرمایا مکانات اہاب یا یہاب تک پہنچ جاویں[5] روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانہ میں ایک خلیفہ ہوگا جو مال بانٹے گا اور اسے گنے گا نہیں[6] اور

[1] یہاں امانت سے مراد امامت حکومت سلطنت وغیرہ ہے جو رب تعالٰی کے امانتیں ہیں جو اس نے چند روز کے لیے بندوں کو سپرد فرمائی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

[2] اس طرح کہ حکومت فاسقوں یا عورتوں کو ملے قاضی و مفتی جاہل لوگ بنیں اور بے وقوف لوگ بادشاہ بنیں توسید بنا ہے وسادۃ سے اس کے معنی ہیں تکیہ کسی کے نیچے رکھنا، یعنی نا اہلوں کے سر تلے ان امانتوں کا تکیہ رکھ دیا جائے۔

[3] اس کی شرح گزر چکی یہ واقعہ قریب قیامت ہوگا۔

[4] یہ پیشگوئی تو اب دیکھنے میں آرہی ہے۔ جدہ سے مکہ معظمہ تک سبزہ باغات ہوگئے عراق کے ریتلے میدان باغوں میں تبدیل ہوچکے

[5] اہاب یا یہاب مدینہ منورہ سے بہت فاصلہ ایک جگہ کا نام ہے۔ یعنی مدینہ پاک کی آبادی بڑھتے بڑھتے وہاں تک ہو جاوے گی۔ اب مدینہ منورہ کی آبادی نہیت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ مسجد قبا تک پہنچ گئی ہے۔ پہاڑوں پر مکان بن گئے ہیں ہم نے خود دیکھے۔

[6] یہ بادشاہ غالبًا امام مہدی ہوں گے جو اور خوبیوں کے ساتھ نہایت ہی سخی ہوں گے۔

فِیْ رِوَایَۃٍ قَالَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ اُمَّتِیْ خَلِیْفَۃٌ یَحْثِی الْمَالَ حَثْیًا وَلَا یَعُدُّہٗ عَدًّا رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ الْفُرَاتُ اَنْ یَّحْسِرَ عَنْ کَنْزٍ مِّنْ ذَھَبٍ فَمَنْ حَضَرَ فَلَا یَاْخُذْ مِنْہُ شَیْئًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَحْسِرَ الْفُرَاتُ عَنْ جَبَلٍ مِّنْ ذَھَبٍ یَقْتَتِلُ النَّاسُ عَلَیْہِ فَیُقْتَلُ مِنْ کُلِّ مِائَۃٍ تِسْعَۃٌ وَّتِسْعُوْنَ وَیَقُوْلُ کُلُّ رَجُلٍ مِّنْھُمْ لَعَلِّیْ

ایک روایت میں ہے فرمایا میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہوگا جو لپ بھر بھر کر مال دے گا اور اسے گنے گا نہیں [1] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب ہے کہ فرات سونے کے خزانہ سے کھل جاوے [2] تو جو وہاں حاضر ہو وہ اس میں سے کچھ نہ لے [3] (مسلم، بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ فرات سونے کے پہاڑ سے کھل جاوے [4] اس پر لوگ آپس میں جنگ کریں گے تو ہر سو میں سے ننانوے آدمی مارے جاویں گے ان میں سے ہر شخص یہ ہی کہے گا کہ شاید

[1] اس روایت اور پہلی روایت میں فرق صرف چند لفظوں کا ہے مطلب ایک ہی ہے یعنی اس خلیفہ کے زمانہ میں فتوحات غنیمتیں ودوسرے مال بہت کثرت سے ہوں گے۔ بادشاہ نہایت سخی ہوگا۔ اسی لیے تقسیم کی کثرت کا یہ حال ہوگا کہ لوگوں کو بادشاہ مال دے گا اور گنے گا نہیں، بے گنتی دے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ لایعد کے معنی یہ ہیں کہ وہ بادشاہ کل کے لیے مال اکٹھا کر نہ رکھے۔

[2] یعنی فرات کا پانی خشک ہو جاوے گا اور اس کی تہہ میں سونا چاندی کا خزانہ ظاہر ہوگا۔ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

[3] یعنی اس سونے چاندی سے دور بھاگے وہاں ٹھہرے بھی نہیں، کیونکہ اس پر بڑی لڑائی اور عام قتل ہوگا نیز اس خزانہ کے لینے سے عذاب الٰہی نازل ہوگا بلائیں آئیں گی، نیز یہ مال خزانہ قارونی کی طرح منحوس ہوگا۔ اس سے نفع لینا حرام ہوگا۔ (اشعۃ اللمعات)

[4] غالبًا یہاں بھی وہ ہی واقعہ ارشاد ہوا جس کا ذکر ابھی پہلے ہوا۔ عبارت مختلف ہے مقصد ایک ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ دوسرا واقعہ ہے

أَكُونُ أَنَا الَّذِي أَنْجُو رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقِيءُ الْأَرْضُ أَفْلَاذَ كَبِدِهَا أَمْثَالَ الْأُسْطُوَانَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ فَيَجِيءُ الْقَاتِلُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قَتَلْتُ وَيَجِيءُ الْقَاطِعُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قَطَعْتُ رَحِمِي وَيَجِيءُ السَّارِقُ فَيَقُولُ فِي هَذَا قُطِعَتْ يَدِي ثُمَّ يَدَعُونَهُ فَلَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ شَيْئًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

میں ہی وہ ہوں جو نجات پا جائے (مسلم) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین اپنے جگر کے ٹکڑے سونے چاندی کے ستونوں کی شکل میں قے کردے گی [۲] تو قاتل آئے گا کہے گا کہ میں نے اس میں قتل کیا، اور رشتے توڑنے والا آئے گا تو کہے گا کہ میں نے اس کے لیے اپنے رشتے توڑے اور چور آئے گا تو کہے گا کہ کیا اس کی وجہ سے میرے ہاتھ کاٹے گئے [۳] پھر وہ لوگ یہ سب کچھ چھوڑ دیں گے۔ تو اس میں سے کچھ نہ لیں گے۔ [۴] (مسلم)

یہاں پہاڑ سے مراد بے شمار سونا ہے یعنی پہاڑ بھر سونا ظاہری پہاڑ مراد نہیں۔ (اشعہ و مرقات)

[۱] اس سونے پر سلطنتیں جنگ کریں گی عوام لڑیں گے، غرضکہ سونا کیا ہوگا جنگ وجدال کی جڑ۔ اور اللہ کا عذاب ہوگا، ہر شخص یہ ہی آس لگائے گا کہ شاید یہ سارا مجھے مل جائے چلو قسمت آزمائی کروں، اور لوگوں سے لڑوں بھڑوں۔

[۲] افلاذ جمع ہے فلذۃ کی بمعنی ٹکڑہ جگر کے ٹکڑوں سے مراد ہے۔ زمین کا خلاصہ اس سے مراد ہے سونے چاندی کے دفینے یا کانیں یا دیگر معدنیات یا زمین کی پیداوار گندم وغیرہ، جس سے سونا چاندی حاصل ہو اس کی شرح وہ آیت ہے واخرجت الارض اثقالها۔ ممکن ہے کہ حدیث بالکل ظاہری معنی پر ہو اور زمین سے سونے چاندی کی سلاخیں نمودار ہوں مگر پہلے معانی زیادہ قوی معلوم ہوتے ہیں۔ ان معانی سے یہ پیشگوئی پوری ہو چکی۔ اب زمین سے پیداوار بے شمار ہو رہی ہے ولایتی کھاد اور ٹیوب ویل کے پانی نے ویرانوں کو آباد زمین میں تبدیل کر دیا۔ ہر چیز کی پیداوار بہت بڑھ چکی ہے مگر آخری معنی کی تائید حدیث پاک کے آخری الفاظ سے ہو رہی ہے۔

[۳] یعنی اس وقت سونا چاندی بہت حقیر ہو جائیں گے ان کی بہتات انہیں معمولی چیز بنا دے گی۔ تب یہ مجرمین افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ افسوس اس حقیر چیز پر ہمارے اعضاء کاٹے گئے یہ وقت ابھی نہیں آیا ہے۔ لیکن اگر دولت کی زیادتی ایسی ہی ہوتی رہے تو وہ وقت بھی قریب ہی ہے۔

[۴] یعنی یہ ہی چور وغیرہ اس سونے چاندی کو ہاتھ نہ لگائیں گے۔ یہ وقت بھی ابھی نہیں آیا ابھی خوب دھڑا کے چوری رشوت خوری ظلم و زیادتی ہو رہی ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمُرَّ الرَّجُلُ عَلَى الْقَبْرِ فَيَتَمَرَّغُ عَلَيْهِ وَيَقُوْلُ يَا لَيْتَنِيْ كُنْتُ مَكَانَ صَاحِبِ الْقَبْرِ وَلَيْسَ بِهِ الدِّيْنُ اِلَّا الْبَلَاءُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَخْرُجَ نَارٌ مِّنْ اَرْضِ الْحِجَازِ تُضِيْءُ اَعْنَاقَ الْاِبِلِ بِبُصْرٰى مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ دنیا نہ جائے گی حتی کہ ایک آدمی قبر پر گزرے گا تو وہاں لوٹے گا اور کہے گا ہائے کاش اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا اور نہ ہوگا اس میں دین سوا بلا کے [1] (مسلم) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں قائم ہوگی قیامت حتے کہ زمین حجاز سے ایک آگ اٹھے گی۔ جو بصرے کے اونٹوں کی گردن چمکادے گی [3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ

[1] یعنی دنیا میں فتنے اور آفتیں بلائیں اس قدر ہوں گی کہ لوگ زندگی پر موت کو ترجیح دیں گے اور قبر کو دیکھ کر تمنا کریں گے کہ اس قبر میں ہم دفن ہو چکے ہوتے۔

[2] یعنی اس لوٹنے والے تمنا کرنے والے میں دین کا شائبہ بھی نہ ہوگا۔ اور وہ دین کی وجہ سے یہ آرزو نہ کرے گا۔ بلکہ فتنوں میں مبتلا ہوگا انہیں دنیاوی مصیبتوں کی وجہ سے یہ آرزو کرے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ زمین پر اس وقت دین نہ رہے گا۔ فتنے ہی فتنے بلائیں ہی بلائیں ہوں گی۔ وہ زمانہ وہ ہوگا جب زمین دین سے خالی ہو جاوے گی۔

[3] اس آگ کے متعلق شارحین کی تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس آگ سے مراد فتنہ و جنگ تاتاری آگ مراد ہے جس کا زیادہ زور بغداد میں رہا۔ دوسرے یہ کہ اس آگ سے مراد واقعی آگ ہی ہے مگر وہ قریب قیامت نمودار ہوگی۔ تیسرے یہ کہ آگ سے مراد آگ ہی ہے مگر یہ واقعہ ہو چکا کہ ماہ رجب تیسری تاریخ ۶۵۴ھ چھپن کو بیرون مدینہ منورہ ایک نہایت خطرناک آگ ایک بڑے شہر کی شکل میں نمودار ہوئی باون دن رہی یہ آگ پتھروں کو جلا کر راکھ کر دیتی تھی مگر درخت اس سے نہ جلتے تھے۔ ایک بڑا پتھر اس جنگل میں تھا جس کا نصف حصہ حرم شریف سے باہر تھا۔ نصف حرم شریف کے اندر اس آگ نے اس کا بیرونی حصہ جلا دیا۔ مگر اندرونی حصہ نہ جلا سکی اس آگ کی گرمی مدینہ منورہ میں نہ پہنچی تھی۔ وہاں ٹھنڈی ہوا ہی چلتی تھی باہر سخت گرمی تھی رات کو اس کی روشنی سورج کی طرح ہوتی تھی جس سے اہل مدینہ اپنے کام کاج کرتے تھے۔ مکہ معظمہ میں اس کی روشنی دیکھی گئی۔ یمامہ اور بصرہ میں اس آگ کی روشنی دیکھی گئی اہل مدینہ نے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ نَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَى الْمَغْرِبِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى يَتَقَارَبَ الزَّمَانُ فَتَكُوْنُ السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَتَكُوْنُ الْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَالْيَوْمُ كَالسَّاعَةِ وَتَكُوْنُ السَّاعَةُ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کی پہلی نشانی وہ آگ ہے جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف جمع کردے گی ۱؎ (بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتے کہ زمانہ جلد گزرنے لگے گا ۲؎ تو ایک سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا۔ اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور دن ایک گھڑی کی طرح ہوگا۔ اور گھڑی

تک آکر روضہ مطہرہ پر رہاں تو وہ آگ جانب شمال چل گئی۔ اور مدینہ منورہ محفوظ رہا (مرقات، اشعہ) بہرحال قوی تر یہی ہے کہ یہ واقعہ ہوچکا ہے۔ جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات قیامت کی علامت ہے مگر ہوچکی یوں ہی یہ آگ علامت قیامت ہے مگر واقع ہوچکی۔ یہ علامت صغریٰ ہے۔

۱؎ یہاں آگ سے مراد دوسری اور آگ ہے جو قرب قیامت نکلے گی۔ پچھلی حدیث میں جس آگ کا ذکر تھا وہ گزر چکی اس نے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالا نہیں یہ آگ نکالے گی۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اسی آگ سے مراد کوئی جنگ عظیم مراد ہے۔ جس کی وجہ سے لوگ اپنے گھروں سے بھاگ جائیں گے۔ مگر یہ درست نہیں۔ پہلی توجیہ قوی ہے بلاوجہ کسی لفظ کے حقیقی معنی نہیں چھوڑنے چاہئیں۔ اوّل کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کی بڑی علامات میں پہلی علامت یہ ہوگی۔ باقی علامات اس کے بعد نمودار ہوں گی۔ گویا یہ آگ اگلی علامات کا پیش خیمہ ہوگی۔

۲؎ یا اس طرح جلد گزرے گا کہ زمانہ اور وقت میں برکت نہ رہے گی۔ انسان ایک کام بھی نہ کرسکے گا کہ دن ختم ہوجاوے گا۔ یا اس طرح کہ لوگ مصیبتوں، آفتوں میں ایسے مبتلا ہوجائیں گے کہ انہیں وقت محسوس نہ ہوگا۔ مصیبت کا زمانہ اگر احساس کیا جاوے تو دراز محسوس ہوتا ہے۔ اگر احساس ہی نہ رہے، ہوش اڑ جاوے تو وقت محسوس نہیں ہوتا، یا اس زمانہ میں لوگوں میں عیش و آرام بہت زیادہ ہوگا۔ اور عیش و آرام کا زمانہ محسوس نہیں ہوتا۔

كَالضَّرَمَةِ بِالنَّارِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَوَالَةَ قَالَ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَقْدَامِنَا فَرَجَعْنَا فَلَمْ نَغْنَمْ شَيْئًا وَعَرَفَ الْجَهْدَ فِيْ وُجُوْهِنَا فَقَامَ فِيْنَا فَقَالَ اللّٰهُمَّ لَا تَكِلْهُمْ اِلَيَّ فَاَضْعُفَ عَنْهُمْ وَلَا تَكِلْهُمْ اِلٰى اَنْفُسِهِمْ فَيَعْجِزُوْا عَنْهَا

آگ سلگانے کی طرح ۱؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حوالہ سے ۲؎ فرماتے ہیں ہم کو جہاد کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدل بھیجا ۳؎ تو ہم واپس ہوئے کہ ہم نے کوئی غنیمت حاصل نہ کی ۴؎ اور حضور نے ہمارے چہروں میں مشقت محسوس کی ۵؎ تو ہم میں کھڑے ہوئے پھر فرمایا الٰہی انہیں میرے حوالہ نہ کر کہ میں ان سے دور ہو جاؤں گا ۶؎ اور انہیں انکی نفسوں کے حوالہ کر

۱؎ اس کی شرح پہلے گزر چکی۔ ضرمۃ ض کے فتحہ سے ر کے کسرہ سے یعنی آگ سلگانا جو جلانے سے پہلے ہوتا ہے۔ یہ فرمان عالی بطور مثال مع سمجھانے کے لیے۔ لہذا حدیث واضح ہے۔ یہاں ساعت سے مراد پل یا سیکنڈ یا گھڑی نہیں بلکہ کم از کم ایک گھنٹہ مراد ہے۔

۲؎ حوالہ ح اور واو کے فتح سے آپ عبداللہ ابن حوالہ صحابی ہیں۔ قبیلہ بنی ازد سے ہیں۔ شام میں قیام رہا۔ آپ سے صرف تین حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے (اشعہ)

۳؎ یعنی ہم کو جہاد کے لیے پیدل بھیجا کیونکہ اس وقت سواریاں موجود نہ تھیں بہت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا۔ یہ سریہ تھا جس میں حضور خود تشریف نہ لے گئے تھے۔

۴؎ یعنی ہم لوگ نہ تو شہید و زخمی ہوئے نہ دشمن پر فتح حاصل کر سکے۔ امن و امان سے واپس لوٹے مگر کامیاب نہ لوٹے۔

۵؎ جہاں جہد سے مراد بھوک، سفری تکالیف اور ساتھ ہی ناکام ہونے کی ندامت و شرمندگی سب ہی مراد ہیں۔ اگر انسان کامیاب لوٹے تو سفر و بھوک کی مشقتیں بھول جاتا ہے۔ ناکام لوٹے تو مشقتیں دگنا ہو جاتی ہیں۔

۶؎ یعنی اگر تو انہیں مجھ پر چھوڑ دے اور تو میری مدد نہ کرے بالکل میرے سپرد کر دے تو میں انہیں تو کیا اپنے کو بھی نہیں سنبھال سکتا کیونکہ الانسان خلق ضعیفا میں بندہ ضعیف ہوں اور اگر تو میری مدد کرے۔ پھر انہیں میرے سپرد کر دے تو تو کیا تیری مدد سے دونوں عالم کو سنبھال لونگا یوسف علیہ السلام نے قحط کے زمانہ میں رب تعالٰی کی مدد سے تمام جہان کو پال لیا۔ حضور فرماتے ہیں اللہ المعطی وانا القاسم قیامت میں سب کی شفاعت حضور کریں گے آج حضور سب کے سلام عرض معروض سن رہے ہیں ہم جیسے کروڑوں حضور کے نام پر پل رہے ہیں مگر یہ سب کچھ اللہ تعالٰی کی مدد سے ہے لہذا یہ حدیث حضور کی محض مجبوری کی نہیں۔ مشیں اگر با

وَلَا تَكِلْهُمْ إِلَى النَّاسِ فَيَسْتَأْثِرُوْا عَلَيْهِمْ ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلٰى رَأْسِيْ ثُمَّ قَالَ يَا ابْنَ حَوَالَةَ إِذَا رَأَيْتَ الْخِلَافَةَ قَدْ نَزَلَتِ الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ فَقَدْ دَنَتِ الزَّلَازِلُ وَالْبَلَابِلُ وَالْأُمُوْرُ الْعِظَامُ وَالسَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنَ النَّاسِ مِنْ يَدِيْ هٰذِهِ إِلٰى رَأْسِكَ رَوَاهُ
وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اتُّخِذَ الْفَيْءُ دُوَلًا

یہ ان سے عاجز ہوجائیں گے۱؎ اور نہ انہیں لوگوں کے سپرد کرو ورنہ وہ ان پر دوسروں کو ترجیح دیں گے۲؎ پھر حضور نے اپنا ہاتھ میرے سر پر رکھا پھر فرمایا اے ابن حوالہ جب تم دیکھو کہ خلافت زمین مقدس میں اتر گئی۳؎ تو زلزلے اور رنج و غم اور بڑے بڑے کام قریب ہوجائیں گے۴؎ اور اس دن قیامت زیادہ قریب ہوگی بمقابلہ میرے اس ہاتھ کے تمہارے سر سے۵؎ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب غنیمت کو اپنی دولت

کے مارے جڑ جاوے تو سب کچھ ہے اس سے الگ ہوکر کچھ نہیں۔

۱؎ دیکھو آج غیر مقلد ائمہ دین کو رافضی خلفاء راشدین بلکہ تمام صحابہ کرام کو گالیاں دیتے ہیں۔ دیوبندی تمام سلف صالحین کو مشرک و کافر بتاتے ہیں۔ اس فرمان عالی کی تائید اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ قل لا املك لنفسى نفعا ولا ضرا الا ما شاء الله آیت میں الا ما شاء اللہ نے مسئلہ واضح کردیا۔

۲؎ ہمارے اعمال کا بھی یہی حال ہے رب کرم کرے تو ہم نیک اعمال کرلیں گے۔ اگر وہ ہم کو چھوڑ دے تو ہم بد اعمالیوں۔ بدعقیدگیوں کے گڑھے میں گر جائیں ڈھیلا اوپر جائے گا۔ دوسرے کے پھینکنے سے نیچے گرے گا۔ اپنی طاقت سے۔

۳؎ اس طرح کہ ان کا حق مار کر اپنے آپ سے لیں گے یا دوسرے نااہلوں کو دیں گے۔ انہیں محروم کردیں گے۔

۴؎ یعنی جب بیت المقدس کو مسلمان فتح کرلیں گے اور اُسے دار الخلافہ بنالیں گے کہ بادشاہ اسلام وہاں ہی رہتے ہیں یہ قریب قیامت ہوگا۔ ابتک بیت المقدس مسلمانوں کے پاس رہا مگر دارالخلافہ عمان رہا۔ اب اس پر یہود نے قبضہ کرلیا ہے ان شاء اللہ عنقریب مسلمان فتح کریں گے۔

۵؎ بلابل جمع ہے بلبلۃ کی بمعنی رنج و غم اور وسوسے یعنی اس زمانہ سے ان کو چین نہ رہے گا بڑے کاموں سے مراد ہیں قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں ۶؎ یعنی اس زمانہ سے متصل ہی قیامت ہوگی۔ اس جگہ مشکوۃ شریف میں خالی جگہ چھوڑی ہے یعنی صاحب مشکوۃ کو اس حدیث کا مخرج و ماخذ معلوم نہیں ہوا۔ مگر حدیث ابوداؤد اور حاکم نے روایت فرمائی۔ ۷؎ اسلام میں جہاد میں مال غنیمت غازیوں میں تقسیم ہوتا ہے گویا غنیمت غازیوں کا حقہ ہوتا ہے مگر قریب قیامت غنیمت کو مالدار آپس میں تقسیم کرلیا کریں گے۔ غریب غازیوں کو اس سے

وَالْاَمَانَۃُ مَغْنَمًا وَالزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ وَاَطَاعَ الرَّجُلُ اِمْرَاَتَہٗ وَعَقَّ اُمَّہٗ وَاَدْنٰی صَدِیْقَہٗ وَاَقْصٰی اَبَاہُ وَظَہَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ وَسَادَ الْقَبِیْلَۃَ فَاسِقُہُمْ وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَہُمْ وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ وَظَہَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ وَلَعَنَ اٰخِرُ ہٰذِہِ الْاُمَّۃِ اَوَّلَہَا فَارْتَقِبُوْا

اور امانت کو غنیمت اور زکوۃ کو ٹیکس بنالیا جاوے [۱] اور غیر دین کے لیئے علم حاصل کیا جاوے [۲] اور آدمی اپنی بیوی کی اطاعت ماں کی نافرمانی کرے اور اپنے دوست کو قریب باپ کو دور کرے [۳] اور مسجدوں میں آوازیں اونچی ہوں [۴] اور قبیلہ کا بدکار قوم کی سرداری کرے اور قوم کا ذلیل ان کا کفیل ہو اور آدمی کی تعظیم کی جاوے اس کی شرارت کے خوف سے [۵] اور رنڈیاں باجے ظاہر ہو جاویں اور شراب پی جاویں [۶] اور اس کے پچھلے اگلوں پر لعنت کریں تو اس وقت

محروم کردیا کریں گے اسے اپنی دولت سمجھیں گے۔

[۱] یعنی لوگ امانت کا مال اس طرح ہضم کر جاویں جیسے مال غنیمت اور لوگ زکوۃ دیں تو مگر عبادت سمجھ کر نہیں بلکہ ٹیکس سمجھ کر بے دلی بلکہ بددلی سے۔

[۲] یعنی مسلمان دینی علم نہ پڑھیں دنیاوی علوم پڑھیں یا دینی طلباء دینی علم پڑھیں مگر تبلیغ دین کے لیے نہیں بلکہ دنیا کمانے کے لیے جیسے آج مولوی عالم مولوی فاضل کے کورس یا فقہ تفسیر و حدیث کی ایک آدھ کتاب داخل ہے تو امتحان دینے والے یہ کتابیں پڑھ تو لیتے ہیں مگر صرف امتحان میں پاس ہو کر نوکری حاصل کرنے کے لئے بعض طلباء صرف وعظ گوئی کے لیے دینی کتابیں پڑھتے ہیں۔

[۳] یعنی بیوی کے کہنے میں آکر ماں سے دور رہے۔ اس کی نافرمانی کرے نیک باپ سے نفرت اور فاسق دوستوں سے محبت کرے غرضکہ بیوی اور دوستوں کی محبت میں ماں باپ کو ستائے۔ یہ بات آج عام ہورہی ہے۔

[۴] یعنی مسجدوں میں دنیاوی باتوں کا شور، لڑائیاں جھگڑے ہونے لگیں۔ نعت خوانی۔ ذکر اللہ کی مجلسیں۔ میلاد شریف ذکر کے حلقے تو حضور کے زمانہ ہی میں بھی مسجدوں میں ہوتے تھے۔ بعد نماز بلند آواز سے ذکر ہوتا تھا۔ مسجد حرام میں بلند آواز سے ذکر کرتے ہوئے طواف ہوتا تھا۔ حضرت حسان مسجد نبوی میں حضور کی نعت پڑھتے تھے۔ حضور نے مسجد میں اپنا میلاد خود ارشاد فرمایا ہے لوگ حضور کے وعظ پر مسجد میں نعرۂ تکبیر لگاتے تھے۔ لہذا یہ آوازیں یہاں مراد نہیں۔

[۵] یہ تینوں باتیں آج دیکھی جارہی ہیں فاسق و فاجر سردار ایسے شریر لوگوں سے لوگ ڈرتے ہیں ان کے سامنے حق بات نہیں کہہ سکتے۔

[۶] ان چیزوں کا رواج تو آنکھوں دیکھا جارہا ہے۔ عرب کے عام علاقوں میں شراب کھانے کا جز بن چکی ہے۔ ریڈیوں کے ذریعہ گھر

عِنْدَ ذٰلِكَ رِيْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا وَاٰيَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا فَعَلَتْ اُمَّتِيْ خَمْسَ عَشَرَةَ خَصْلَةً حَلَّ بِهَا الْبَلَاءُ وَعَدَّ هٰذِهِ الْخِصَالَ وَلَمْ يَذْكُرْ تُعُلِّمَ لِغَيْرِ الدِّيْنِ قَالَ وَبَرَّ صَدِيْقَهٗ وَجَفَا اَبَاهُ وَقَالَ

تم سرخ ہوا زلزلہ، دھنسنا، اور صورتیں بدلنا، پتھر برسنے اور ان نشانیوں کا انتظار کرنا جو لگاتار ہوں گی جیسے ہار جس کا دھاگہ توڑ دیا جاوے تو لگاتار گر کے (ترمذی) روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب میری امت پندرہ خصلتیں اختیار کرے گی تو ان پر بلا نازل ہوگی اور یہ مذکورہ خصلتیں گنوائیں۔ اور یہ نہیں ذکر کیا کہ علم سیکھا جاوے غیر دین کے لیے۔ فرمایا کہ اپنے دوست سے سلوک اپنے باپ پر ظلم کرے فرمایا

رنڈی خانہ بنا ہوا ہے ہر در و دیوار سے گانے کی آوازیں آ رہی ہیں یہ کل چودہ چیزیں ہوئیں۔

۱؎ یعنی جب مسلمانوں میں مذکورہ سولہ عیوب جمع ہو جائیں گے تو ان پر یہ مذکورہ پانچ دنیاوی عذاب یکے بعد دیگرے ایسے مسلسل آئیں گے جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ جانے پر اس کے دانے مسلسل اوپر تلے گرتے ہیں، خیال رہے کہ مسلمانوں میں یہ چودہ عیوب پیدا ہو چکے ہیں۔ جن میں سے بعض عیب وہ ہیں جو سوا مسلمانوں کے کسی قوم میں نہیں، جیسے مسجد میں دنیاوی باتیں کرکے شور مچانا۔ یا بزرگوں اور سلف صالحین کو کافر و مشرک کہنا انہیں گالیاں دینا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خچر کے کھر کے نعل کا بڑا ہی ادب و احترام کرتے ہیں۔ مگر مسلمان حضور کے تبرکات کو خود ہی مٹاتے ہیں۔ ساری قومیں اپنے بزرگوں کے دوستوں بیویوں کا بڑا احترام کرتی ہیں۔ حتی کہ ہندو ہنومان کا ادب کرتے ہیں۔ جو رام چندر کا ساتھی تھا مصیبت کا مددگار تھا مگر مسلمان وہ قوم ہے جو اپنے نبی کی بیویوں دوستوں پر تبرا کرنا عبادت جانتی ہے۔ ابن عساکر نے حضرت جابر سے مرفوعًا روایت کی کہ حضور انور نے فرمایا کہ ابوبکر عمر کی محبت ایمان ہے ان سے بغض کفر ہے جو میرے صحابہ کو بُرا کہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جو ان کی عزت کی حفاظت کرے میں اس کی حفاظت کروں گا (مرقات) اور اب مذکورہ عذاب آنے شروع ہو گئے ہیں۔ ہر جگہ مسلمان زمینی اور آسمانی مصیبتوں میں گرفتار ہے۔

۲؎ یعنی وہ ہی عیوب جو ابھی مذکور ہوئے۔ غنیمت کو دولت بنانے سے لے کر شراب پینے کے ذکر تک۔

۳؎ یہ قول صاحب مصابیح کا ہے چونکہ مذکورہ حدیث میں سولہ عیوب کا ذکر ہے اور آپ فرما رہے ہیں پندرہ۔ اس لیے فرمایا کہ حضرت علی نے ایک عیب کا ذکر نہ فرمایا یعنی علم دین سیکھنا دنیا کے لیے۔

وَشُرِبَ الْخَمْرُ وَلُبِسَ الْحَرِيْرُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتّٰى يَمْلِكَ الْعَرَبَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ بَيْتِيْ يُوَاطِئُ اِسْمُهٗ اِسْمِيْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْ دَاوٗدَ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَّهٗ قَالَ لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنَ الدُّنْيَا اِلَّا يَوْمٌ لَطَوَّلَ اللهُ ذٰلِكَ الْيَوْمَ حَتّٰى يَبْعَثَ اللهُ

اور شراب پی جاوے اور ریشم پہنا جاوے ۱؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا ختم نہ ہوگی حتی کہ عرب کا بادشاہ ایک شخص بنے ۲؎ میرے گھر والوں میں سے جس کا نام میرے نام کے موافق ہوگا ۳؎ (ترمذی، ابوداؤد) اس کی ایک روایت میں ہے کہ فرمایا اگر دنیا کا صرف ایک دن باقی رہا ہوتا تو اللہ اس دن کو دراز فرما دیتا ۴؎ حتے کہ اس دن میں

۱؎ یعنی اس روایت کے بعض الفاظ پہلی حدیث کے بعض الفاظ کے کچھ خلاف ہیں مگر معنی مطلب ایک ہی ہے وہاں تھا ادنیٰ یہاں ہے بر وہاں تھا انقلی یہاں ہے جفا وہاں تھا۔ الخمور یہاں ہے۔ الخمر وہاں ریشم پہننے کا ذکر نہ تھا یہاں ہے مگر یہاں لعنت کا ذکر نہیں اس کی بجائے ریشم پہننے کا ذکر ہے اور بجائے تعلیم دین کے یہ ہو تو اس میں بھی سولہ عیوب کا ذکر ہو جاوے گا۔ (مرقات)

۲؎ یہ صاحب یعنی امام مہدی ساری دنیا یعنی عرب و عجم کے بادشاہ ہوں گے مگر جیسا کہ اگلی حدیثوں میں آرہا ہے مگر چونکہ ہر مسلمان دراصل عربی ہے کہ مسلمانوں کے جسم عجمی ہو سکتے ہیں۔ مگر روح سب کی عربی ہے۔ اس لیے العرب فرمایا ہم نے عرض کیا ہے شعر

جسم ہندی ہے میرا جان ہے میری مدنی　　یا خدا دور ہو کس طرح یہ بعد بدنی

یا یہ مطلب ہے کہ اہل عرب ان کا مقابلہ نہ کریں گے عجمی لوگ اولاً کچھ مخالفت کریں گے۔ پھر سب ان کی اطاعت کر لیں گے یا عرب فرمایا اور عرب و عجم دونوں مراد لیے جیسے تقیکم الحر فرمایا مگر مراد گرمی سردی دونوں ہیں۔ ایسے ہی یہاں (مرقات)

۳؎ ان کا نام محمد ہوگا لقب مہدی بعض جاہل کہتے ہیں کہ وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے جو اس شکل میں تشریف لائیں گے یہ عقیدہ کفر ہے۔ یہاں صاف ارشاد ہے کہ وہ میرے اہل بیت یعنی اولاد فاطمہ زہرا سے ہوں گے حسنی سید ہوں گے۔

۴؎ یہ بطور مثال ارشاد فرمایا گیا۔ یعنی امام مہدی کی تشریف آوری کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ یقیناً دنیا میں آئیں گے فرض کرلو کہ اگر

فِيهِ رَجُلًا مِنِّي أَوْ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي يُوَاطِئُ اسْمُهُ اسْمِي وَاسْمُ أَبِيهِ اسْمَ أَبِي يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا وَعَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي مِنْ أَوْلَادِ فَاطِمَةَ رَوَاهُ أَبُو دَاوُد وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَهْدِيُّ مِنِّي أَجْلَى الْجَبْهَةِ أَقْنَى الْأَنْفِ يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا

ایک شخص بھیجتا جو مجھ سے یا میرے گھر والوں سے ہے اس کا نام میرے نام کے موافق اور اس کے باپ کا نام میرے باپ کے نام کے موافق ہوگا ۱؎ وہ آسمان و زمین کو انصاف و عدل سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و زیادتیوں سے بھری تھی ۲؎ روایت ہے حضرت ام سلمہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ کو فرماتے سنا کہ مہدی میری اولاد سے اولاد فاطمہ سے ہے ۳؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مہدی مجھ سے ہیں ۴؎ چوڑی پیشانی والے، اونچی ناک والے ۵؎ زمین کو عدل و انصاف سے

دنیا کی زندگی ختم ہو چکی ہوتی صرف ایک دن باقی رہ گیا ہوتا۔ تب بھی وہ ضرور تشریف لاتے کہ وہ دن ہی دراز ہو جاتا۔

۱؎ یعنی ان کا نام محمد ابن عبداللہ ہوگا۔ اس حدیث سے ان روافض کا رد ہو گیا جو کہتے ہیں کہ امام مہدی پیدا ہو چکے ہیں۔ ان کا نام محمد ابن حسن عسکری ہے یہ غلط ہے وہ پیدا ہوں گے۔ اور محمد ابن عبداللہ نام ہوگا۔

۲؎ یعنی ان سے پہلے دنیا میں بہت ظلم و ستم پھیلا چکا ہوگا۔ آپ عدل و انصاف کریں گے قسط سے مراد ہر حق والے کو اس کا حق دے دینا اور عدل سے مراد شریعت کے احکام جاری کرنا (مرقات)

۳؎ عترت کے معنی ہیں اہل قرابت عزیز۔ اس میں حضور کی اولاد اور ازواج پاک سب ہی داخل ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ سارے قریشی حضور کی عترت ہیں۔ واللہ اعلم اولاد فاطمہ کہہ کر یہ فرمایا کہ یہاں عترت سے مراد اولاد ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مہدی سید ہوں گے۔ مرزا قادیانی مرزا ہو کر امام مہدی بنتا ہے تعجب ہے۔

۴؎ یعنی میری امت میری جماعت بلکہ میری اولاد سے ہیں۔ یا مجھ سے بہت قرب رکھنے والے ہیں۔ جیسے فرمایا گیا کہ حسین مجھ سے ہیں، میں حسین سے یعنی میں ان سے قریب وہ مجھ سے قریب۔

۵؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل بھی ہوں گے حضور کی جیتی جاگتی تصویر کہ یہ دونوں

كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَجَوْرًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِيْنَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قِصَّةِ الْمَهْدِيِّ قَالَ فَيَجِيْئُ اِلَيْهِ الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ يَا مَهْدِيُّ اَعْطِنِيْ اَعْطِنِيْ قَالَ فَيَحْثِيْ لَهٗ فِيْ ثَوْبِهٖ مَا اسْتَطَاعَ اَنْ يَّحْمِلَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَكُوْنُ اخْتِلَافٌ عِنْدَ مَوْتِ خَلِيْفَةٍ فَيَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ هَارِبًا

بھر دیں گے جیسے وہ ظلم وستم سے بھری ہوئی تھی۔ سات سال سلطنت کریں گے ۱؎ (ابوداؤد)

روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی امام مہدی کے قصے کے بارے میں فرمایا پھر آئے گا ان کے پاس ایک شخص کہے گا اے مہدی مجھے دیجئے مجھے دیجئے۔ فرمایا آپ اس کے کپڑے میں لپ بھر کے ڈالتے رہیں گے جس قدر اٹھانے کی وہ طاقت رکھے گا ۲؎ (ترمذی)

روایت ہے حضرت ام سلمہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا ایک خلیفہ کے وفات وقت اختلاف ہوگا ۳؎ تو ایک شخص اہل مدینہ سے مکہ معظمہ کی طرف بھاگتے ہوئے نکلے گا ۴؎

دونوں صفتیں حضور انور کی ہیں۔ چوڑی پیشانی اونچی ناک شریف کشادہ پیشانی اونچی بینی انتہائی حسن ہے۔ پتلی اونچی لمبی ناک سبحان اللہ
۱؎ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں حضرت امام مہدی سلطان ہوں گے اور جناب عیسٰی علیہ السلام وزیر اعظم یا وزیر دفاع کیونکہ امام مہدی کو بادشاہ فرمایا گیا۔ جن روایات میں ہے کہ آٹھ سال سلطنت کریں گے وہاں تقریبًا آٹھ سال مراد ہیں یعنی سات سال چند ماہ نیز آٹھ یا نو سال کی روایات مشکوک ہیں۔ سات سال کی روایت یقینی ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی جیسے صورت میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ ہوں گے ویسے ہی سیرت واخلاق میں بھی ان کی طبیعت میں جو سخاوت رحم وکرم انتہائی ہوگا۔ گٹھڑی بھر بھر دینا جو مانگنے سے اٹھ نہ سکے، حضور انور کی ہی سخاوت ہے حضور انور نے حضرت عباس کو اتنا دیا کہ گٹھری ان سے اٹھ نہ سکی۔

۳؎ اس خلیفہ کا نام معلوم نہیں ہوسکا مگر آخری خلیفہ ہوگا جس کے بعد امام مہدی خلیفہ ہوں گے پارلیمنٹ کے ممبروں میں اختلاف ہوگا کہ کسے خلیفہ چنیں۔ ۴؎ یعنی جس شہر میں اس خلیفہ کا انتقال ہوگا اور جہاں دوسرے خلیفہ کا چناؤ ہونے والا ہوگا وہاں ہی یہ صاحب رہتے ہونگے وہ اس خوف سے یہاں سے نکل جاویں گے کہ لوگ کہیں مجھے خلیفہ نہ چن لیں سلطنت سے نفرت کرتے ہوئے نکلیں گے، جو حکومت سے متنفر ہو اس کا حاکم بننا مبارک ہوتا ہے اور جو حکومت کا طالب ہو اسکا حاکم بننا فساد کا باعث ہے یہاں مدینہ منورہ سے مراد یا مدینہ منورہ ہے یا وہ شہر وہاں خلیفہ کا چناؤ ہورہا ہوگا مگر خیال رہے کہ وہ خلیفہ مدینہ منورہ میں نہیں ہوگا جسکا انتقال ہوا ہے خلافت

إِلَى مَكَّةَ فَيَأْتِيهِ نَاسٌ مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ فَيُخْرِجُونَهُ وَهُوَ كَارِهٌ فَيُبَايِعُونَهُ بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ وَيُبْعَثُ إِلَيْهِ بَعْثٌ مِنَ الشَّامِ فَيُخْسَفُ بِهِمْ بِالْبَيْدَاءِ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ فَإِذَا رَأَى النَّاسُ ذٰلِكَ أَتَاهُ أَبْدَالُ الشَّامِ وَعَصَائِبُ أَهْلِ الْعِرَاقِ فَيُبَايِعُونَهُ ثُمَّ يَنْشَأُ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَخْوَالُهُ كَلْبٌ فَيَبْعَثُ

تو مکہ والوں میں سے کچھ لوگ اس کے پاس آئیں گے اسے باہر لائیں گے حالانکہ وہ اسے ناپسند کرتا ہوگا ۱؎ یہ لوگ اس سے مقام ابراہیم اور سنگ اسود کے درمیان بیعت کریں گے ۲؎ اور ان کی طرف شام سے ایک لشکر بھیجا جائے گا۔ اسے مکہ و مدینہ کے درمیان ایک میدان میں دھنسا دیا جاوے گا ۳؎ جب لوگ یہ دیکھیں گے تو ان کے پاس شام کے ابدال اور عراق والوں کی جماعتیں آئیں گی تو اس سے بیعت کرلیں گے ۴؎ پھر قریش کا ایک شخص نکلے گا جس کے ماموں قبیلہ کلب ہونگے۔

عثمان کے بعد ہی مدینہ منورہ سے خلافت منتقل ہوچکی حضرات امیر معاویہ کی یہ پیشگوئی درست ہوئی کہ مدینہ میں خلیفہ کا قتل ہوا اب مدینہ سے خلافت منتقل ہوگئی۔ چنانچہ اب تک کوئی خلیفہ مدینہ منورہ میں نہیں رہا نہ آئندہ رہنے کی امید ہے۔

۱؎ یعنی وہ مکہ مکرمہ میں کسی گھر میں تشریف فرما ہوں گے لوگوں سے چھپے ہوئے مگر لوگ یعنی مکہ والے ان کے دروازہ پر پہنچ کر انہیں تقاضا کرکے باہر بلائیں گے اور ان کے ہاتھ شریف پر جبرًا بیعت کریں گے اور انہیں اپنا خلیفہ مان لیں گے۔

۲؎ غالبًا یہ بیعت کعبہ معظمہ کے حطیم شریف میں واقع ہوگی کہ حطیم شریف سنگ اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان آجاتی ہے (مرقات)۔

۳؎ یعنی اس وقت شام کا بادشاہ کوئی کافر ہوگا۔ جب اسے ان کی خلافت کا پتہ لگے گا تو وہ ان سے جنگ کرنے کے لیے ایک بڑا لشکر بھیجے گا۔ اس لشکر کا نام لشکر سفیانی ہوگا کہ یہ لوگ خالد ابن یزید ابن ابی سفیان کے اولاد سے ہوں گے یہ شخص یعنی خالد دراز سر چیچک رو سفید آنکھ والا تھا۔ یہ لشکر ایک چٹیل میدان میں زمین میں غرق ہوجاویگا۔ یہ میدان حرمین طیبین کے درمیان ہے یہ وہ میدان نہیں جو ذوالحلیفہ کے سامنے مدینہ منورہ میں ہے (مرقات) اس لشکر میں صرف ایک شخص بچے گا جو ان کی ہلاکت کی خبر لوگوں تک پہنچائے گا۔

۴؎ یعنی حضرت امام مہدی کی یہ کرامت جب لوگوں میں مشہور ہوگی تو شام کے ابدال اور عراق کی جماعتیں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ سے بیعت کریں گی۔ ابدال اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہے جنکی تعداد ستر ہے۔ چالیس شام میں اور تیس دوسرے مقامات میں رہتے ہیں جب ان میں سے کوئی وفات پاتا ہے۔ تو عام مسلمانوں میں سے کسی کو اس کی جگہ مقرر کردیا جاتا ہے اس لئے انہیں ابدال کہتے ہیں حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ جس میں رضا بالقضاء بری باتوں سے زبان روکنا۔ اللہ کے لیے غصہ کرنا پایا جاوے وہ انشاء اللہ ابدال

إِلَيْهِمْ بَعْثًا فَيَظْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ وَذٰلِكَ بَعْثُ كَلْبٍ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ وَيُلْقِي الْإِسْلَامُ بِجِرَانِهٖ فِي الْأَرْضِ فَيَلْبَثُ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُتَوَفّٰى وَيُصَلِّي عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ رَوَاهُ أَبُوْدَاوٗدَ

وہ ان کی طرف ایک لشکر بھیجے گا۔ وہ ان پر غالب آئیں گے [1] یہ بنی کلب کا لشکر ہوگا۔ وہ لوگوں میں ان کے نبی کی سنت پر عمل کرے گا [2] اور اسلام زمین میں اپنی گردن بچھادے گا [3] پھر وہ سات سال قیام کریں گے۔ پھر وفات پاجائیں گے اور ان پر مسلمان نماز پڑھیں گے [4] (ابوداؤد)

میں داخل ہوگا۔ امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ جو شخص روزانہ تین بار یہ دعا پڑھ لیا کرے تو ان شاء اللہ ابدال میں سے ہوگا۔ اللھم اغفر لامة محمد۔ اللھم ارحم امة محمد۔ اللھم تجاوز عن امة محمد عراق سے بھی اولیاء اللہ کی جماعت آکر امام مہدی سے بیعت کریں گی۔ (اشعہ)

[1] یعنی یہ خبیث انسان اپنے ماموؤں بنی کلب کی مدد سے کر جناب امام مہدی کے مقابلہ میں لشکر بھیجے گا تو امام مہدی کے لشکر والے اس لشکر پر فتح پائیں گے۔ یہ لوگ شکست فاش پائیں گے۔

[2] یعنی امام مہدی لوگوں میں سنت میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو پھیلائیں گے ان سے سنت پر عمل کرائیں گے۔ دنیا میں بڑی برکات ہوں گی۔

[3] جران جیم کے کسرہ ر کے فتحہ سے اونٹ کی گردن جب اونٹ اطمینان سے زمین پر بیٹھتا ہے۔ تو اپنی گردن بچھادیتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے زمانہ میں جنگ جدال وغیرہ بند ہوجاویں گے۔ لوگوں کو امن نصیب ہوگا۔ اسلام کی بہت اشاعت ہوگی استقامت اسلام کو سمجھانے کے لیے یہ فرمایا گیا۔

[4] یعنی امام مہدی خلیفہ بننے کے بعد سات سال خلافت کریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی یہ پتہ نہیں چلا کہ وفات کہاں ہوں گی شیعہ کہتے ہیں کہ حسن عسکری کے بیٹے محمد ہی امام مہدی ہیں جو پیدا ہوچکے ہیں اور غائب ہوگئے ہیں قریب قیامت ظاہر ہوں گے یہ عقیدہ محض باطل ہے خیال رہے صوفیاء کی اصطلاح میں اولیاء اللہ کے طبقات و تعداد مختلف ہیں چنانچہ ہمیشہ دنیا میں ایک قطب ہوگا اور چار اوتاد۔ چالیس یا ستر ابدال۔ تین سو یا پانچ سو نقیب بعض کے نزدیک پانچ اصفیا یا نجبا بھی ہیں۔ ان کے کام و نام کتب صوفیاء میں ملاحظہ کرو زمانہ تابعین میں اویس قرنی قطب الوقت تھے۔ پھر حضور شیخ عبدالقادر جیلانی بالاتفاق قطب ہیں (مرقات) ان حضرات کی تعداد میں اختلاف ہے اس کی بحث آخر کتاب میں آوے گی ان شاء اللہ تعالٰی۔ غوث اعظم قطب عالم غالبًا ایک ہی ولی کا نام ہے اللہ تعالٰی کے فیوض باطنی قطب عالم پر نازل ہوتے ہیں۔ پھر قطب عالم کی طرف سے عالم میں بقدر ظرف تقسیم ہوتے ہیں۔ چاروں سمتوں میں رہتے ہیں مشرق، مغرب، جنوب، شمال

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَلَاءً یُصِیْبُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ حَتّٰی لَا یَجِدُ الرَّجُلُ مَلْجَاءً یَلْجَاءُ اِلَیْہِ مِنَ الظُّلْمِ فَیَبْعَثُ اللّٰہُ رَجُلًا مِّنْ عِتْرَتِیْ وَاَھْلِ بَیْتِیْ فَیَمْلَاُ بِہِ الْاَرْضَ قِسْطًا وَّعَدْلًا کَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَّجَوْرًا ۱ یَرْضٰی عَنْہُ سَاکِنُ السَّمَاءِ وَسَاکِنُ الْاَرْضِ لَا تَدَعُ السَّمَاءُ مِنْ قَطْرِھَا شَیْئًا اِلَّا صَبَّتْہُ مِدْرَارًا وَّالْاَرْضُ مِنْ نَّبَاتِھَا شَیْئًا اِلَّا اَخْرَجَتْہُ حَتّٰی یَتَمَنَّی الْاَحْیَاءُ الْاَمْوَاتَ یَعِیْشُ

روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس بلا کا ذکر فرمایا۔ جو اس امت کو پہنچے گی۔ حتٰے کہ آدمی جائے پناہ نہ پائے گا۔ جہاں ظلم سے پناہ لے تو اللہ تعالٰے میری اولاد اور میرے گھر والوں سے ایک شخص کو بھیجے گا کہ وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسے وہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی اس آسمان و زمین کے رہنے والے راضی ہوں گے [۱] آسمان اپنا کوئی قطرہ نہ چھوڑے گا مگر وہ برسائے گا بہتا ہوا [۲] اور زمین بھی کوئی سبزی نہ چھوڑے گی مگر اگا دے گی [۳] حتٰے کہ زندہ لوگ مردوں کی تمنا کریں گے [۴]

یہ حضرات قطب سے فیض لے کر اپنے علاقے میں تقسیم کرتے ہیں۔ (مرقات) خیال رہے کہ یہ فیوض باطنی کا حال ہے مسائل فقہیہ صوفیاء کے کشف سے ثابت نہیں ہوتے۔ اگرچہ وہ حضرات حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ہی نقل فرمادیں، کیونکہ شریعت کے دلائل کتاب و سنت ہیں نہ کہ صرف کشف (مرقات)، ہاں کشف سے فقہی مسئلہ کی تائید ہوسکتی ہے۔

۱ یعنی امام مہدی سے دنیا کے لوگ آسمانوں کے فرشتے خوش ہوں گے کیونکہ وہ سلطان عادل بھی ہوں گے۔ ولی کامل بھی سلطان عادل سے زمین والے خوش ہوتے اور ولی کامل سے آسمان والے راضی لہذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے۔

۲ یعنی بوقت ضرورت بارش ہوگی اور پوری ہوگی نہ کم کہ پیداوار کم ہو نہ زیادہ کہ کھیت تباہ ہوجاوے۔ اس فرمان عالی کا یہ مطلب ہے یعنی ضرورت والی بارش پوری آئے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ جتنا پانی سمندروں میں ہے سب ہی برس جاوے گا کہ پھر تو دنیا تباہ ہوجاوے۔

۳ یعنی جس قدر پیداوار ہوسکتی ہے وہ ہوگی اور جس قسم کی چیزیں زمین سے پیدا ہوسکتی ہیں وہ سب پیدا ہوجائیں گی۔ ہر قسم کے دانہ پھل نہایت کثرت سے ہوں گے۔ اللہ تعالٰی اپنی رحمتوں کے دروازے کھول دے گا جب بادشاہ اچھا ہو تو اللہ کی رحمت بہت ہوتی ہے

۴ یعنی زندہ لوگ آرزو کریں گے کہ ہمارے مردے آج زندہ ہوتے تو وہ بھی آج کی برکتیں، رحمتیں دیکھتے اور ان سے فائدے اٹھاتے۔

فِی ذٰلِكَ سَبْعَ سِنِیْنَ اَوْ ثَمَانَ سِنِیْنَ اَوْ تِسْعَ سِنِیْنَ رَوَاهُ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ رَجُلٌ مِّنْ وَّرَآءِ النَّهْرِ یُقَالُ لَهُ الْحَارِثُ حَرَّاثٌ عَلٰی مُقَدِّمَتِهٖ رَجُلٌ یُّقَالُ لَهُ مَنْصُوْرٌ یُوَطِّنُ اَوْ یُمَكِّنُ لِاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا مَكَّنَتْ قُرَیْشٌ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ وَجَبَ عَلٰی كُلِّ مُؤْمِنٍ نَصْرُهٗ اَوْ قَالَ اِجَابَتُهٗ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ

وہ اسی حالت میں سات سال یا آٹھ سال یا نو سال زندہ رہیں گے [1] روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ماوراء النہر سے ایک شخص نکلے گا جسے حارث کہا جاوے گا [2] کسان ہوگا [3] اس کے لشکر کے اگلے حصہ پر ایک شخص ہوگا جسے منصور کہا جاوے گا [4] وہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو ایسی ہی جگہ دے گا جیسے قریش نے اللہ کے رسول کو جگہ دی تھی [5] ہر مسلمان پر اس کی مدد ضروری ہے یا فرمایا اس کی بات قبول کرنا ضروری ہے [6] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں

[1] یہ شک راوی کو ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے سات سال فرمائے یا آٹھ سال یا نو سال مگر گذشتہ حدیث سے ثابت ہوا کہ سات سال کی روایت قوی ہے۔ یہاں مشکوٰۃ شریف نے سفید جگہ چھوڑی ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ اس حدیث کا مخرج صاحب مشکوٰۃ کو نہ ملا مگر اسے حاکم نے مستدرک میں روایت کی اور فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔

[2] وراء النہر ایک علاقہ کا نام ہے جس میں بہت سے شہر ہیں۔ جیسے بخاری اور سمرقند وغیرہ۔

[3] یعنی اس کا نام حارث ہوگا لقب حراث کیونکہ وہ کھیتی باڑی کرتا ہوگا۔

[4] منصور یا تو اس کا نام ہوگا یا اس کا لقب غالبًا یہ صاحب حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے۔ (مرقات)

[5] یہاں قریش سے مراد ابوطالب۔ حمزہ اور دوسرے وہ قریش حضرات ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے خدمت و حفاظت کرتے رہے۔ اگرچہ اہل سنت کے نزدیک ابوطالب کا ایمان ثابت نہیں، بعض نے فرمایا کہ آل محمد سے مراد حضرت امام مہدی اور ان کے تبعین ہیں۔ یعنی حارث یا منصور امام مہدی کے بڑے معاون اور مددگار ہوں گے۔

[6] یعنی ہر مسلمان پر حارث یا منصور کی مدد کرنا ضروری ہے۔

بِيَدِهٖ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُكَلِّمَ السِّبَاعُ الْاِنْسَ وَحَتّٰى تُكَلِّمَ الرَّجُلَ عَذَبَةُ وَ شِرَاكُ نَعْلِهٖ وَيُخْبِرُهٗ فَخِذُهٗ بِمَا اَحْدَثَ اَهْلُهٗ بَعْدَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْاٰيَاتُ بَعْدَ الْمِائَتَيْنِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ

میری جان ہے کہ قیامت نہ آئے گی حتے کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے[1] اور حتے کہ آدمی سے اس کے کوڑے کا پھندنا اور اس کے جوتے کا تسمہ باتیں کرے گا اور اس کی ران اسے وہ سب خبر دے گی جو اس کے گھر والوں نے اس کے پیچھے کیا (ترمذی) تیسری فصل حضرت ابوقتادہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ بڑی نشانیاں دو سو برس کے بعد ہیں[2] (ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ثوبان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

[1] یعنی ہر قسم کے درندے خواہ چرندے ہوں۔ جیسے شیر بھیڑیا وغیرہ یا پرندے جیسے باز شکرہ وغیرہ ہر قسم کے انسان سے باتیں کریں گے۔ اس انسان کی زبان میں جو اس کی مادری ہو حدیث بالکل ظاہر پر ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ مومن وکافر ہر انسان سے کلام کریں گے اولیاء اللہ سے تو آج بھی کلام کرتے ہیں بلکہ ان سے شجر و حجر کلام کرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است

[2] یعنی ایسی مشینیں ایجاد ہو جاویں گی جو انسانوں کے کلام بلکہ کام کو کھینچ کر لیا کریں گی وہ مشینیں دیواروں۔ جوتوں کواڑوں میں فٹ ہوں گی اور اسے ہر بات بتائیں گی۔ موجودہ سائنس نے ان چیزوں کو ممکن بلکہ قریب الوقوع بنا دیا۔ درو دیواروں سے تو اب بھی آوازیں آ رہی ہیں۔

[3] یعنی بڑی علامات قیامت یا ان علامات کا لگاتار ظہور آج سے دو سو برس بعد شروع ہوگا۔ یا ہجرت سے یا ہماری وفات سے سنہ ایک ہزار ہجری سے دو سو برس بعد شروع ہوگا۔ اس حدیث میں بڑی گنجائش ہے اگر دو ہزار برس بعد بھی ہو تب ان دو سو کے بعد ہی ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا رَاَیْتُمُ الرَّایَاتِ السُّوْدَ قَدْ جَاءَتْ مِنْ قِبَلِ خُرَاسَانَ فَاْتُوْھَا فَاِنَّ فِیْھَا خَلِیْفَۃَ اللّٰہِ الْمَھْدِیَّ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالْبَیْھَقِیُّ فِیْ دَلَائِلِ النُّبُوَّۃِ وَعَنْ اَبِیْ اِسْحَاقَ قَالَ قَالَ عَلِیٌّ وَنَظَرَ اِلٰی اِبْنِہِ الْحَسَنِ قَالَ اِنَّ اِبْنِیْ ھٰذَا سَیِّدٌ کَمَا سَمَّاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَسَیَخْرُجُ مِنْ صُلْبِہٖ

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب تم کالے جھنڈے دیکھو کہ خراسان کی طرف آرہے ہیں ۲ تو تم وہاں جانا کیونکہ اس میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہے ۳ (احمد بیہقی دلائل النبوۃ) روایت ہے حضرت ابواسحاق سے ۴ فرماتے ہیں فرمایا حضرت علی نے اور اپنے بیٹے حسن کو کہ میرا یہ بیٹا سید ہے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسے سید فرمایا ۵ اس کی پشت سے

۱؎ اس میں خطاب حضرات صحابہ سے نہیں بلکہ عام مسلمانوں سے ہے کیونکہ یہ واقعہ حضرات صحابہ کے زمانہ میں نہیں بلکہ قریب قیامت ہے۔ اگرچہ اس وقت خضر علیہ السلام موجود ہوں گے۔ یہ حضور کے صحابی نہیں نیز بعض جنات صحابی ہوں گے مگر وہ زمانہ صحابہ کرام کا زمانہ نہیں ہوگا۔ لہذا خطاب عام ہے۔

۲؎ یعنی اسلام کا عظیم الشان اور جرار لشکر جو بہت سے جھنڈوں کے تلے ہوگا۔ غالبًا یہ لشکر جرار حارث اور منصور کا ہوگا جن کا ذکر پہلے ہوچکا۔

۳؎ یعنی اس لشکر میں امام مہدی بذات خود سپاہیانہ شان سے ہوں گے۔ آپ اس وقت خلیفہ نہ بنے ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ اس لشکر پر امام مہدی کا ہاتھ ہوگا۔ ان کی نصرت ہوگی۔ لہذا یہ حدیث اس فرمان عالی کے خلاف نہیں کہ حضرت امام مہدی کا ظہور حرمین شریفین کے درمیان ہوگا۔ کہ وہ وقت آپ کی خلافت کے ظہور کا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سیاہ رنگ ماتمی نہیں جو کہ روافض کا خیال ہے فتح مکہ کے دن حضور کا عمامہ سیاہ تھا۔ ان جھنڈوں کا رنگ سیاہ ہی ہوگا۔

۴؎ آپ ابواسحاق سبیعی ہمدانی، کوفی ہیں تابعی ہیں، بہت صحابہ سے آپ کی ملاقات ہے۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو سال پہلے پیدا ہوئے اور ۱۲۹ھ میں وفات پائی۔ بڑے متقی عالم بڑے محدث ہیں (اکمال۔ مرقات)

۵؎ یعنی حضرت حسن مسلمانوں کا سردار ہے۔ آج حضور کی اولاد کو جو سید کہتے ہیں۔ اس کا ماخذ یہی حدیث ہے رب تعالٰی نے یحیٰی علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ سیدا وحصورا ونبیا من الصالحین

رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشْبِهُهٗ فِي الْخُلُقِ وَلَا يُشْبِهُهٗ فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةً يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَلَمْ يَذْكُرِ الْقِصَّةَ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ فُقِدَ الْجَرَادُ فِيْ سَنَةٍ مِّنْ سِنِيْ عُمَرَ الَّتِيْ تُوُفِّيَ فِيْهَا فَاهْتَمَّ بِذٰلِكَ هَمًّا شَدِيْدًا فَبَعَثَ

ایک شخص نکلے گا جو تمہارے نبی کے نام سے موسوم ہوگا، عادت میں ان کے مشابہ ہوگا اور شکل میں مشابہ نہ ہوگا پھر پورا قصہ بیان فرمایا کہ وہ زمین کو انصاف سے بھر دے گا (ابوداؤد) اور قصہ کا ذکر نہ فرمایا۔ روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کے برسوں میں اس برس جس میں آپ کی وفات ہوئی ٹڈی گم ہوگئی تو آپ اس سے سخت غمگین ہوئے تو آپ نے

سلہ امام مہدی والد کی طرف سے حسنی سید ہوں گے۔ والدہ کی طرف سے حسینی آپ کے اصول میں کوئی والدہ حضرت عباس کی اولاد سے ہوں گی۔ لہذا آپ حسنی بھی ہیں حسینی بھی۔ اور عباسی بھی۔ لہذا احادیث میں تعارض نہیں (اشعہ) غالبًا آپ حضور غوث الثقلین شیخ سید عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے ہوں گے۔ حضور غوث پاک بھی حسنی حسینی سید ہیں۔ اس میں روافض کی تردید ہے۔ کہ محمد ابن حسن عسکری امام مہدی ہیں۔ جو غار میں چھپے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ حسینی سید ہیں حسنی نہیں۔ خیال رہے کہ لا مھدی الا عیسٰی۔ نہایت ہی ضعیف بلکہ موضوع حدیث ہے۔ حضرت عیسٰی تو ابن مریم ہیں اور امام مہدی ابن رسول اللہ ہیں۔ (مرقات) اور اگر وہ حدیث بھی صحیح بھی ہو۔ تب بھی وہاں مہدی سے مراد ہدایت یافتہ معصوم ہے نہ کہ امام مہدی (مرقات)

سلہ یعنی امام مہدی اخلاق آداب عادات میں ہماری طرح ہوں گے۔ مگر شکل و صورت میں ہماری طرح نہ ہوں گے یعنی پورے ہم شکل نہ ہوں گے۔ اگرچہ بعض باتوں میں ہماری ہم شکل ہوں گے۔ جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

سلہ آپ نے سمجھا کہ ٹڈی دنیا سے ختم ہوگئی اور یہ ختم ہونا دوسری مخلوق کے ختم ہو جانے کی علامت ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قیامت قریب آگئی۔ یہ حضرت عمر رضی کے خوف الٰہی کی انتہا ہے ورنہ آپ کو معلوم تھا کہ ابھی مسلمان بلکہ صحابہ کرام زندہ ہیں۔ قرآن باقی ہے۔ دجال وغیرہ نہیں ظاہر ہوئے۔ ابھی قیامت کیسی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات سے پانچ سو سال بعد قیامت آوے گی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر بادل دیکھ کر خوف کے آثار نمودار ہو جاتے تھے۔

إِلَى الْيَمَنِ رَاكِبًا وَرَاكِبًا إِلَى الْعِرَاقِ وَرَاكِبًا إِلَى الشَّامِ يَسْأَلُ عَنِ الْجَرَادِ هَلْ أُرِيَ مِنْهُ شَيْئًا فَأَتَاهُ الرَّاكِبُ الَّذِي مِنْ قِبَلِ الْيَمَنِ بِقَبْضَةٍ فَنَثَرَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَمَّا رَآهَا عُمَرُ كَبَّرَ وَقَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَ أَلْفَ أُمَّةٍ سِتُّمِائَةٍ مِنْهَا فِي الْبَحْرِ وَأَرْبَعُمِائَةٍ فِي الْبَرِّ فَإِنَّ أَوَّلَ هَلَاكِ الْأُمَمِ الْجَرَادُ فَإِذَا هَلَكَتِ الْجَرَادُ تَتَابَعَتِ الْأُمَمُ كَنِظَامِ السِّلْكِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ

بَابُ الْعَلَامَاتِ بَيْنَ يَدَيِ

ایک سوار یمن کی طرف اور ایک سوار عراق کی طرف اور ایک سوار شام کی طرف بھیجا ٹڈی کے متعلق سوال فرماتے تھے کہ کیا کچھ ٹڈیاں دیکھی گئیں تو آپ کے پاس وہ سوار جو یمن گیا تھا مٹھی بھر ٹڈیاں لایا اور آپ کے سامنے بکھیر دیں جب انہیں دیکھا تو حضرت عمر نے تکبیر کہی ۱؎ اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ عزوجل نے ایک ہزار امتیں پیدا کیں ۲؎ جن میں سے چھ سو دریا میں ہیں اور چار سو خشکی میں ۳؎ اور سب سے پہلے ہلاکت ٹڈی ہے جب ٹڈی ہلاک ہو جائے گی تو دوسری امتیں لگاتار ہلاک ہوں گی جیسے لڑی کا دھاگہ ۴؎ (بیہقی شعب الایمان)

قیامت کے سامنے والی

۱؎ یعنی آپ نے نعرۂ تکبیر بلند فرمایا خوشی سے کہ الحمد للہ ابھی امان ہے معلوم ہوا کہ ٹڈی یمن و برکت والا جانور ہے ہاں کبھی عذاب الٰہی بن کر بھی آتا ہے جیسے پانی برکت والی چیز ہے مگر اس کا سیلاب عذاب ہے ہر چیز میں رحمت و عذاب کی جہتیں ہیں۔ معلوم ہوا کہ خوشی میں نعرۂ تکبیر لگانا سنت صحابہ ہے۔ اسے منع قرار دینا جہالت ہے۔

۲؎ اصولی امتیں ایک ہزار ہیں۔ فروعی امتیں اٹھارہ ہزار جیسے گھوڑا ایک مخلوق ہے۔ خچر اس میں داخل۔ سانپ ایک مخلوق ہے اس کی قسمیں اسی ایک میں داخل۔ لہذا روایات میں تعارض نہیں بلکہ امتیں تو لاکھوں قسم کی ہیں۔ اٹھارہ ہزار عالم ہیں۔ یا جاندار اصولی مخلوق ایک ہزار ہے باقی مخلوق بہت زیادہ۔

۳؎ خشکی کا ہر جانور سمندر میں موجود ہے جیسے دریائی انسان دریائی سور دریائی شیر، دریائی گھوڑا گائے میں نے دریائی بھینس دیکھی ہے مگر دریائی ہر جانور خشکی میں نہیں۔ چنانچہ خشکی میں مچھلی۔ مگرمچھ، گھڑیال وغیرہ نہیں۔ لہذا دریائی مخلوق زیادہ ہے۔

۴؎ کہ جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹنے پر دانے لگاتار آگے پیچھے گرتے ہیں۔ ایسے ہی ان قوموں کی موت مسلسل واقع ہوگی۔

السَّاعَةِ وَذِكْرِ الدَّجَّالِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ اُسَيْدٍ الْغِفَارِيِّ قَالَ اَطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْنَا وَنَحْنُ نَتَذَاكَرُ فَقَالَ مَا تَذْكُرُوْنَ قَالُوْا نَذْكُرُ السَّاعَةَ قَالَ اِنَّهَا لَنْ تَقُوْمَ حَتّٰى تَرَوْا قَبْلَهَا عَشْرَ اٰيَاتٍ فَذَكَرَ الدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ

علامات ۱؎ اور دجال کا بیان ۲؎ پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت حذیفہ ابن اسید غفاری سے ۳؎ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم پر تشریف لائے جب کہ ہم کچھ تذکرہ کر رہے تھے تو فرمایا کیا تذکرہ کرتے ہو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ فرمایا قیامت ہرگز نہ آوے گی حتی کہ اس سے پہلے دس نشانیاں دیکھ لو۔ پھر حضور نے دھواں ۴؎ دجال

۱؎ ان علامات سے مراد قیامت کی دس بڑی بڑی علامات ہیں۔ ورنہ قیامت کی چھوٹی بڑی بہت علامات ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں جیسے امام مہدی کا ظہور وغیرہ۔

۲؎ دجال بروزن فعال مبالغہ کا صیغہ ہے بنا ہے دجل سے بمعنی جھوٹ یا فریب وغیرہ یا ملمع سازی یا حق و باطل کا خلط ملط چونکہ دجال میں یہ تمام عیوب ہوں گے اس لیے اسے دجال کہتے ہیں۔ دجال دو قسم کے ہیں چھوٹے اور بڑے چھوٹے دجال بہت ہوئے اور ہوں گے۔ ہر جھوٹا نبی، جھوٹا مولوی صوفی۔ جو لوگوں کو گمراہ کریں وہ دجال ہیں۔ بڑا دجال صرف ایک ہے۔ جو دعویٰ خدائی کرے گا، اس کا نام اس کی قوم کا پتہ نہیں چلا۔ مشہور یہ ہے کہ اس کی اصل یہود سے ہوگی، واللہ و رسولہ اعلم۔ جب اللہ رسول نے اس کی یہ باتیں بیان نہ فرمائیں تو ہم تحقیق کرنے والے کون۔ مرزا نے قادیانی کہتا تھا کہ انگریز دجال ہیں۔ ریل ان کا گدھا ہے۔ اور میں مسیح موعود انہیں فنا کرنے والا۔ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ ریل دجال کا ایسا گدھا ہی جس پر یہ مسیح صاحب زندگی میں سوار ہوتے رہے۔ اور بعد مرنے ان کی لاش لاہور سے قادیان تک اسی گدھے پر گئی اور خود انگریزوں کی غلامی میں مرے انہیں تو کیا مارتا خود انگریزوں کی موجودگی میں ہلاک ہوا۔

۳؎ آپ صحابی ہیں۔ بیعت رضوان میں شریک ہوئے۔ آخر میں کوفہ قیام رہا۔

۴؎ حق یہ ہے کہ اس دھوئیں سے مراد وہ دھواں نہیں جو ہجرت سے پہلے قریش کو قحط سالی میں سخت بھوک کی وجہ محسوس ہوا تھا بلکہ اس دھواں سے مراد قریب قیامت والا وہ دھواں ہے جو قریب قیامت مشرق و مغرب میں پھیل جاوے گا۔ جس سے مسلمانوں کو زکام سا محسوس ہوگا۔ اور کفار دیوانہ ہو جائیں گے یہ دھواں چالیس دن رہے گا۔

وَالدَّابَّةَ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَنُزُوْلَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ وَيَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَثَلٰثَةَ خُسُوْفٍ خَسْفٌ بِالْمَشْرِقِ وَخَسْفٌ بِالْمَغْرِبِ وَخَسْفٌ بِجَزِيْرَةِ الْعَرَبِ وَاٰخِرُ ذٰلِكَ نَارٌ تَخْرُجُ مِنَ الْيَمَنِ تَطْرُدُ النَّاسَ اِلٰى مَحْشَرِهِمْ وَفِيْ رِوَايَةٍ نَارٌ تَخْرُجُ مِنْ قَعْرِ عَدَنٍ

جانور ۱؎ سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا عیسیٰ ابن مریم کا اترنا اور یاجوج و ماجوج ۲؎ اور تین زمین دھنسے ایک دھنسنا پورب میں دوسرا پچھم میں اور ایک دھنسنا عرب کے جزیرہ میں ۳؎ اور ان سب کے آخر وہ آگ جو یمن سے نکلے گی جو لوگوں کو ان کی قیامت گاہ کی طرف ہانک لے جائے گی ۴؎ اور ایک روایت میں ہے کہ وہ آگ قعر عدن سے ۵؎

۱؎ یہ جانور مکہ معظمہ کے حرم کعبہ سے نمودار ہوگا صفا مروہ پہاڑوں کے درمیان سے یہ چوپایہ ہے ساٹھ گز قد اس کے مختلف اعضاء بدن مختلف جانوروں کے سے ہوں گے۔ اس کے پاس عصاء موسوی، مہر سلیمانی ہوگی، ہر شخص کو پکڑ کر اس کی پیشانی پر مہر سلیمانی لگائے گا۔ جس پر سفید نقش نمودار ہوں وہ مومن ہوگا۔ سیاہ نقش والا کافر اس جانور کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اخرجنا لهم دابة من الارض تكلمهم مرقات نے فرمایا کہ یہ جانور تین بار نکلے گا۔ امام مہدی کے زمانہ میں، پھر نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد پھر آفتاب کے مغرب سے نکلنے کے بعد (مرقات)

۲؎ ان علامات کے ظہور کی ترتیب یہ ہے پہلے دھواں۔ پھر دجال۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کا نزول۔ پھر یاجوج ماجوج کا خروج پھر یہ جانور، پھر سورج کا پچھم سے نکلنا۔ خیال رہے کہ امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ظاہر ہوجائیں گے بعض لوگوں نے سمجھا ہے۔ کہ آفتاب کا مغرب سے نکلنا پہلے ہے۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام بعد میں مگر درست نہیں، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کفار کا ایمان قبول ہوگا اور طلوع آفتاب کے بعد ایمان قبول نہ ہوگا (مرقات)

۳؎ گذشتہ زمانوں میں بعض جگہ زمین ہی دھنسی ہیں۔ مگر یہ دھنسنا قریب قیامت ہوں گے بڑے بڑے علاقوں اور بڑے خطرناک جیسے زلزلے عام طور پر آتے رہتے ہیں۔ مگر زلزلہ قیامت خدا کی پناہ ان زلزلة الساعة لشیٔ عظيم (از مرقات)

۴؎ اس موقعہ پر دو آگ نکلے گی۔ ایک یمن سے دوسری حجاز سے آخر میں یہ دونوں جمع ہوجائیں گی۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جن میں حجاز سے آگ نکلنے کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ یہ آگ ان مذکورہ علامات کے بعد ہوگی، ان علامات سے پہلے جن کے متصل صور کا نفخہ ہے۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں آگ کو پہلی علامت فرمایا گیا ہے کہ یہ آگ ان علامات میں پہلی ہے۔ ۵؎ قیامت زمین شام یا زمین فلسطین میں قائم ہوگی۔ یہ آگ تمام کو وہاں پہنچا دے گی۔ یہ

تَسُوْقُ اِلَى الْمَحْشَرِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فِی الْعَاشِرَةِ وَرِیْحٌ تُلْقِی النَّاسَ فِی الْبَحْرِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ سِتًّا اَلدُّخَانَ وَالدَّجَّالَ وَدَابَّةَ الْاَرْضِ وَطُلُوْعَ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَاَمْرَ الْعَامَّةِ وَخُوَیْصَّةَ اَحَدِكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اَوَّلَ الْاٰیٰتِ خُرُوْجًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَخُرُوْجُ الدَّآبَّةِ

کے بیچ سے نکلے گی لوگوں کو محشر کی طرف ہانک دے گی ۱؎ اور ایک روایت میں ہے دسویں علامت کے بارے میں ہے کہ وہ ہوا جو لوگوں کو دریا میں ڈال دے گی ۲؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ چھ علامات سے پہلے اعمال کرلو ۳؎ دھواں دجال زمین کا جانور سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا عام فتنہ اور تم میں سے ہر ایک کا خاص فتنہ ۴؎ (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ پہلی نشانی جو نکلے گی وہ سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا ہے۔ اور جانور کا لوگوں کے سامنے نکلنا ہے ۵؎

قدرت الٰہی ہوگی کہ ساری مخلوق زمین شام میں جمع ہوجاوے گی۔

۱؎ عدن ملک یمن کا مشہور شہر ہے وہ اس کا دارالخلافہ ہے۔ یہ عبارت پچھلی عبارت کی شرح ہے کہ وہاں یمن تھا یہاں عدن ہے۔

۲؎ یعنی اس روایت میں دسویں علامت بجائے آگ کے ہوا فرمائی گئی ہے مگر ہوسکتا ہے کہ اس آگ کے ساتھ آندھی بھی ہو۔ یہ آندھی کفار کو سمندر میں پھینک دے کہ کفار سمندر سے قیامت میں اٹھیں۔ خیال رہے کہ وہ آگ مومنوں کیلئے عذاب نہیں۔ بلکہ ڈراوا ہوگی جس سے مسلمان ملک شام میں پہنچ جاویں اللہ ورسولہ اعلم (مرقات)

۳؎ کیونکہ ان چھ علامات کے ظہور کے وقت اعمال صالحہ کرنا بہت ہی مشکل ہوجاویں گے۔

۴؎ یعنی عام فتنوں سے بھی پہلے نیکیاں کرلو، اور خاص فتنوں سے بھی پہلے کرلو۔ خاص فتنے کیا ہیں۔ ایسے مشاغل بیماریاں جو اعمال سے روک دیں۔ اور پھر موت تو سب سے بڑی آفت ہے جس پر تمام اعمال ختم ہوجاتے ہیں الا ماشاء اللہ (مرقات)

۵؎ یہ علامتیں ان علامات سے پہلے ہیں جو ان کے بعد آنے والی ہیں۔ اولیت سے مراد اولیت اضافی ہے نہ کہ اولیت حقیقی ان تینوں میں دھواں اور دجال پہلے ہیں اور آفتاب کا مغرب سے نکلنا ان دونوں کے بعد۔

عَلَى النَّاسِ ضُحًى وَأَيُّهُمَا مَا كَانَتْ قَبْلَ صَاحِبَتِهَا فَالْأُخْرٰى عَلٰى أَثَرِهَا قَرِيْبًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ إِذَا خَرَجْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِيْ إِيْمَانِهَا خَيْرًا طُلُوْعُ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا وَالدَّجَّالُ وَدَابَّةُ الْأَرْضِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

دوپہر کے وقت ۱ ان دونوں میں سے جو بھی اپنے صاحب سے پہلے ہو تو دوسری اس کے قریب ہی پیچھے ہوگی ۲ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تین چیزیں جب نمودار ہونگی تو کسی نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لائی تھی ۳ یا اپنے ایمان میں بھلائی نہ کمائی تھی۔ سورج کا اپنے پچھم سے نکلنا ۴ اور دجال اور زمین کا جانور ۵ (مسلم)

۱ یعنی اس عجیب الخلقت جانور کو ظاہر ہونا دوپہر کے وقت ہوگا کہ اس وقت مکہ معظمہ میں دوپہر ہوگی. اگرچہ دوسرے ملکوں میں سویرا یا شام یا رات ہو یا یہ مطلب ہے کہ وہ جانور جہاں بھی پہنچے گا۔ دوپہر کو پہنچے گا کہ اس وقت عام طور پر لوگ باہر ہوتے ہیں نیز اس وقت جو چیز دیکھی جاتی ہے۔ وہ یقینی ہوتی ہے۔

۲ اس حدیث میں ابہام ہے۔ صراحۃً بیان نہ فرمایا گیا کہ ان میں سے پہلے کونسی علامت ہوگی اور بعد میں کونسی دوسری احادیث میں اس کی تفصیل ہے جو ابھی کچھ پہلے عرض کی گئی ہاں یہاں اشارہ ہے کہ یہ علامات آپس میں قریب قریب ہیں۔

۳ چونکہ ان علامات کے ظہور پر قیامت کا سب کو یقین ہو جاوے گا۔ اس لیے اب قیامت غیب نہ رہے گی بلکہ شہادت بن جاوے گی۔ اور ایمان بالغیب معتبر ہے۔ اس لئے اب نہ ایمان معتبر ہوگا نہ اس وقت کی توبہ قبول ہوگی۔ خیال رہے کہ توبہ کا دروازہ سورج کے مغرب سے نکلنے پر بند ہوگا یہاں ثلث فرمانا ایسا ہے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے۔ یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان کہ موتی مونگے کھاری سمندر سے نکلتے ہیں نہ میٹھے سے مگر فرمایا دونوں سے نکلتے ہیں ایسے ہی توبہ قبول نہ ہونا تغلیباً ان تینوں علامتوں کی طرف نسبت فرمایا گیا۔

۴ سورج کا یہ طلوع دجال اور دابہ کے بعد ہے مگر چونکہ دروازہ توبہ بندی اسی پر ہوگا اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا (مرقات)

۵ دجال اور دابہ پہلے ہیں طلوع بعد میں دجال کے نکلنے پر توبہ کا دروازہ بند نہ ہوگا۔ عیسٰی علیہ السلام دجال کے قتل کے بعد دنیا بھر کے کفار کو مسلمان کریں گے۔ اس وقت جزیہ کا مسئلہ ختم ہو جاوے گا۔ اسلام یا قتل ہوگا جیسا کہ دوسری احادیث میں ہے اگر اس وقت ایمان و توبہ قبول نہ ہوں تو مسلمان کرنے کے کیا معنی۔

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ غَرَبَتِ الشَّمْسُ اَتَدْرِیْ اَیْنَ تَذْہَبُ ہٰذِہٖ قُلْتُ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّہَا تَذْہَبُ حَتّٰی تَسْجُدَ تَحْتَ الْعَرْشِ فَتَسْتَاْذِنُ فَیُؤْذَنُ لَہَا وَیُوْشِکُ اَنْ تَسْجُدَ وَلَا تُقْبَلُ مِنْہَا وَتَسْتَاْذِنُ فَلَا یُؤْذَنُ لَہَا وَیُقَالُ لَہَا ارْجِعِیْ مِنْ حَیْثُ جِئْتِ فَتَطْلُعُ

روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کہ سورج ڈوبا۔ کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ جاتا کہاں ہے میں نے عرض کیا اللہ اور رسول ہی خوب جانیں فرمایا یہ جاتا ہے حتے کہ عرش کے پیچھے سجدہ کرتا ہے [1] پھر اجازت مانگتا ہے تو اسے اجازت دے دی جاتی ہے [2] اور قریب ہے کہ سجدہ کرے اور اس کا سجدہ قبول نہ ہو اور اجازت مانگے تو اسے [3] اجازت نہ دی جاوے اور اس سے کہا جاوے کہ جہاں سے آیا ہے وہاں ہی لوٹ

[1] خیال رہے کہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اور عرش سارے آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ سورج کا دورہ ہر وقت ہی ختم ہوتا ہے اور ہر وقت کسی نہ کسی جگہ غروب ہوتا ہے۔ لہذا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت سورج سجدے میں رہتا ہے اور آگے بڑھنے دوسرے ملک میں طلوع ہونے کی اجازت مانگتا ہے۔ مگر ان کے سجدہ کا تعلق اس ملک سے ہوتا ہے جہاں وہ غروب ہوا۔ لہذا اس حدیث پر موجودہ فلاسفر اعتراض نہیں کر سکتے۔ سورج کا سجدہ وہ جو اس کے لائق ہے قرآن کریم فرماتا ہے کہ درخت اور گھاس بیل سجدہ کرتی ہیں۔ والنجم والشجر یسجدان خیال رہے کہ وہ جو قرآن مجید میں ہے کہ ذوالقرنین نے سورج کو کیچڑ کے چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھا وہاں محسوس ہونے کا ذکر ہے نہ کہ واقعہ کا وہاں سمندر میں برف کی دلدل تا حد نظر تھی۔ وہاں معلوم ایسا ہوتا تھا۔ جیسے سورج اس دلدل میں ڈوب رہا ہے۔ لہذا وہ آیت اور یہ آیت متعارض نہیں۔

[2] یعنی ہر وقت آگے بڑھنے کی اجازت مانگتا رہتا ہے اور ملتی رہتی ہے وہ آگے بڑھتا اور ہر ملک میں طلوع ہوتا رہتا ہے۔ اسے واپس لوٹنے کا حکم نہیں ملتا۔

[3] یعنی قریب قیامت سورج کو آگے بڑھنے کی اجازت نہ ملے گی بلکہ پورہ دورہ الٹا چکر لگانے کا حکم ہوگا تو ہر جگہ مغرب کی طرف سے طلوع ہو کا اس ایک چکر میں ایسا ہوگا پھر مطابق عادت مشرق سے طلوع ہونے لگیگا۔

سورج کہاں سجدہ کرتا ہے

مغرب سے طلوع

مِنْ مَّغْرِبِهَا فَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا قَالَ مُسْتَقَرُّهَا تَحْتَ الْعَرْشِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا بَيْنَ خَلْقِ اٰدَمَ اِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ اَمْرٌ اَكْبَرُ مِنَ الدَّجَّالِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيْسَ بِاَعْوَرَ

جاؤ اپنے مغرب سے طلوع کرو چنانچہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے کہ سورج اپنے ٹھکانے پر چلتا ہے فرمایا اس کا ٹھکانا عرش کے نیچے ہے (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش اور قیام قیامت کے درمیان دجال سے بڑا کوئی امر نہیں (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تم پر چھپا نہیں، اللہ تعالیٰ کانا نہیں

؎۱ یہ حکم ہر جگہ کے لیے ہوگا، اور سورج ساری دنیا میں پچھم کی طرف سے طلوع ہوگا۔

؎۲ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں، ایک یہ کہ قیامت کا دن سورج کا مستقر ہے قیامت تک نکلتا ڈوبتا رہے گا اور قیامت قائم ہونے پر یہ نظام ختم ہو جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ گرمی سردی میں سورج کے مستقر الگ الگ ہیں کہ ایک ٹھکانا پر پہنچ کر لوٹ پڑتا ہے پھر آگے نہیں بڑھتا تیسری تفسیر وہ ہے جو حضور انور نے خود فرمائی۔ جو یہاں مذکور ہے۔ کہ سورج اپنے ٹھکانا یعنی عرش کے نیچے ہی چکر لگا رہا ہے اس سے اوپر نیچے نہیں ہو سکتا۔ یہ تیسرے آسمان پر اترے نہ پانچویں پر چڑھے۔ چونکہ یہ تفسیر خود صاحب قرآن صلے اللہ علیہ وسلم کی ہے لہذا قوی ہے۔

؎۳ یعنی انسان کی ابتداء پیدائش سے لے کر قیامت تک دجال سے بڑا فتنہ کوئی نہیں یہ ہی انسان کے لئے بڑی آفت ہے۔ اس سے بہت لوگ گمراہ ہوں گے۔ لوگ دجال کے کرشمے دیکھ کر اسے خدا مان لیں گے اس لئے نوح علیہ السلام سے لے کر آخر تک ہر نبی نے اپنی قوم کو دجال کے فتنہ سے آگاہ کیا۔

؎۴ حدیث شریف میں جب عبداللہ مطلق آتا ہے تو اس سے مراد حضرت عبداللہ ابن مسعود ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں۔

وَاِنَّ الْمَسِيْحَ الدَّجَّالَ اَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّ عَيْنَهٗ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَّبِيٍّ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ اُمَّتَهُ الْاَعْوَرَ الْكَذَّابَ اَلَا اِنَّهٗ اَعْوَرُ وَاِنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ مَكْتُوْبٌ بَيْنَ عَيْنَيْهِ ك ف ر

اور مسیح دجال آنکھ کا کانا ہے[1] اس کی آنکھ گویا ابھرا ہوا انگور ہے[2] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی نبی ایسا نہیں جنہوں نے اپنی امت کو کانے جھوٹے سے ڈرایا نہ ہو[3] آگاہ رہو کہ وہ کانا ہے، اور تمہارا رب کانا نہیں اس کی دو آنکھوں کے نیچے لکھا ہے ک ف ر[4]

[1] یعنی اے لوگو دجال کے حیرت انگیز کرشمے دیکھ کر اُسے خدا نہ سمجھ لینا۔ اس کی بندگی کی دلیل ہے۔ اس کی اپنی کانی آنکھ ہے وہ اپنے کو شفا نہ دے سکے گا۔

[2] یعنی دجال کی داہنی آنکھ کانی بھی ہوگی اور اوپر کو انگور کی طرح ابھری ہوئی جو ہر شخص کو نظر آوے اپنے اس عیب کو دور نہ کر سکے گا۔ خیال رہے کہ جو خدا ہونے کا دعویٰ کرے اس کے ہاتھ پر عجیب کرشمے ظاہر ہو سکتے ہیں کیونکہ الوہیت تو مشتبہ ہو سکتی ہی نہیں مگر جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے اس کے ہاتھ پر کوئی کرشمہ ظاہر نہیں ہو سکتا ورنہ نبوت مشتبہ ہو جاوے۔ دجال اگر دعویٰ نبوت کرے تو کوئی اعجوبہ نہیں دکھا سکتا یہ خوب خیال رکھو۔ یہاں مسیح بمعنی اسم مفعول ہے یعنی ممسوح العین ایک آنکھ کا کانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو مسیح کہتے ہیں۔ وہاں مسیح بمعنی اسم فاعل ہے یعنی برکت کے لیے چھونے والے اور چھو کر مردے زندہ، بیماروں کو اچھا کرنے والا طافیہ بنا ہے طفی سے بمعنی اوپر ہونا اور ابھرنا اس لیے جو مچھلی پانی پر تر کر آجاوے اسے طافیہ کہتے ہیں۔

[3] حق یہ ہے کہ یہاں دجال سے مراد وہ ہی دجال ہے جو قریب قیامت نکلے گا اگرچہ ان انبیاء کرام کو خبر تھی کہ ہماری امتیں اسے نہ پائیں گی پھر بھی اس سے ڈرانا اہتمام ظاہر کرنے کے لیے کہ وہ بڑی ہی ہیبت ناک چیز ہے اس سے پناہ مانگو یہ پناہ مانگنا بھی عبادت ہے دیکھو جن صحابہ کو حدیث و قرآن نے انکے جنتی ہونے کی بشارت دیدی وہ بھی دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں کیونکہ یہ عمل عبادت ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ دجال کے نکلنے کا وقت معین نہیں مگر یہ قوی نہیں کیونکہ اس کے قاتل عیسیٰ ہیں۔ اور ان کا نزول قریب قیامت ہی ہے۔ [4] یعنی تم اس کے بندہ ہونے اور کافر ہونے اور شرارتی ہونے میں شک نہ کرنا یہ دونوں علامتیں اس کے کافر اور بندہ ہونے کی ہیں۔ اپنی آنکھ کو درست نہ کر سکنا علامت بندگی ہے اور ک اف ر اس کے کفر کی علامت ہے یہاں مرقات نے لکھا کہ ماتھے

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ حَدِيثًا عَنِ الدَّجَّالِ مَا حَدَّثَ بِهِ نَبِيٌّ قَوْمَهُ أَنَّهُ أَعْوَرُ وَإِنَّهُ يَجِيءُ مَعَهُ بِمِثْلِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَالَّتِي يَقُولُ إِنَّهَا الْجَنَّةُ هِيَ النَّارُ وَإِنِّي أُنْذِرُكُمْ كَمَا أَنْذَرَ بِهِ نُوحٌ قَوْمَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ حُذَيْفَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ الدَّجَّالَ

(مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کیا میں تم کو دجال کے متعلق وہ بات نہ بتاؤں جو کسی نبی نے اپنی قوم کو نہ بتائی وہ کانا ہے[1] اور وہ اپنے ساتھ جنت دوزخ کی مثل لائے گا[2] تو جسے وہ جنت کہے گا وہ آگ ہوگی[3] میں تم کو ایسے ہی ڈراتا ہوں جیسے اس سے حضرت نوح نے اپنی قوم کو ڈرایا[4] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت حذیفہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی کہ فرمایا دجال نکلے گا

کانا خرافی ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ حروف ہر پڑھا بے پڑھا آدمی پڑھے گا۔

[1] یعنی پچھلے انبیاء کرام نے اپنی امتوں کو دجال کے دوسرے عیوب سے تو آگاہ کیا مگر اس کا کانا ہونا صرف میں ہی بیان کرتا ہوں۔

[2] یہ فرمان عالی بالکل ظاہری معنی پر ہے۔ واقعی اس کے ساتھ خوشنما باغ بھی ہوگا۔ اور ہیبت ناک آگ بھی۔

[3] یعنی جو آگ دکھائی دے گی وہ واقعہ میں باغ ہے اور جو باغ معلوم ہوگا وہ واقعہ میں آگ ہے۔ جیسے دنیا عارفین کی نظر میں کہ اس کی نعمتیں حقیقت میں لعنتیں یعنی عذاب ہیں۔ اور یہاں کی تکالیف حقیقت میں رحمت ہیں۔ نمرود کی آگ بظاہر آگ تھی مگر حضرت خلیل کے لیے باغ۔ دریائے نیل کا پانی بظاہر پانی تھا مگر فرعونیوں کے لیے آگ۔ یہ آنکھوں کا دھوکہ ہے۔ شعر

سوف تری اذا انجلی الغبار افرس تحتک ام حمار

[4] تاکہ نوح علیہ السلام سے لے کر آخر تک کی امتیں دجال کا بدترین فتنہ ہوتا معلوم کرلیں۔ خیال رہے کہ دجال کسی جگہ چند دن ٹھہرے گا نہیں بلکہ آندھی کی طرح دنیا میں پھر جاوے گا تاکہ کوئی اس کی حالت میں غور کرکے اسے جھٹلائے نہیں۔ اس وقت جسے اللہ ایمان پر قائم رکھے گا وہ ہی رہے گا۔ مشکل سے ہزار میں ایک اس کے شر سے محفوظ رہے گا۔ اس وقت امن مدینہ منورہ میں ہو گی۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ نوح علیہ السلام سے پہلے نبیوں نے دجال سے نہیں ڈرایا تھا۔ یہ ڈرانا حضرت نوح سے شروع ہوا۔

يخرج وان معه ماء ونارا فاما الذي يراه الناس ماء فنار تحرق واما الذي يراه الناس نارا فماء بارد عذب فمن ادرك ذلك منكم فليقع في الذي يراه نارا فانه ماء عذب طيب متفق عليه وزاد مسلم وان الدجال ممسوح العين عليها ظفرة غليظة مكتوب بين عينيه كافر يقرأه كل مؤمن كاتب وغير كاتب

اور اس کے ساتھ پانی[1] اور آگ ہوں گے[2] لیکن جسے لوگ پانی دیکھیں گے وہ آگ ہوگی جو جلا ڈالے گی اور جسے لوگ آگ دیکھیں گے وہ ٹھنڈا میٹھا پانی ہوگا تو تم میں سے جو یہ پالے وہ اس میں جائے جسے آگ دیکھے کہ وہ میٹھا عمدہ پانی ہے (مسلم بخاری) مسلم نے یہ زیادہ فرمایا کہ دجال آنکھ کا سپاٹ ہے جس پر موٹا ناخونا ہے[3] اس کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہے کافر جسے ہر پڑھا بے پڑھا مسلمان پڑھ لے گا[4]۔

[1] پانی سے مراد صرف پانی نہیں بلکہ جو نعمتیں پانی سے پیدا ہوتی ہیں وہ سب مراد ہیں۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ اس کے ساتھ باغ اور آگ ہوں گے (مرقات)

[2] یا تو یہ باغ و آگ محض شعبدہ ہوں گے جیسے جادوگر شعبدے باز مٹی کو روپیہ بنا کر دکھا دیتے ہیں یا حقیقۃً یہ ہی ہوں گے دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔ ایک ہی چیز کا ایک کے لیے باغ دوسرے کے لیے آگ ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ ایک قبر میں دو شخص دفن ہو جاویں ایک مومن دوسرا کافر تو ایک قبر مومن کے لیے جنت کا باغ ہے کافر کے لیے دوزخ کی بھٹی۔ ایک بستر پر دو آدمی سو رہے ہیں ایک شخص اچھی خواب دیکھ کر مزے لے رہا ہے۔ دوسرا شخص اس بستر پر بری خواب دیکھ کر گھبرا رہا ہے۔ یہ باغ و آگ اس کے ساتھ ایسے چلیں گے جیسے آج ریل کے انجن میں پانی کا حوض اور آگ دوڑتے پھرتے ہیں۔ آج ریل بحری جہاز ہوائی جہاز کی سیر کرو معلوم ہوگا کہ آرام دہ مکانات۔ کھیلنے کے میدان۔ پاخانہ۔ غسل خانہ۔ باورچی خانہ دوڑتے پھر رہے ہیں، بلکہ ہوا میں اڑ رہے ہیں۔

[3] یعنی دجال کی ایک آنکھ تو ہوگی ہی نہیں۔ وہ حصہ سر کے پیچھے کی طرح صاف ہوگا۔ دوسری آنکھ کانی ہوگی۔ ابھرے ہوئے انگور کی طرح یا اس کی ایک آنکھ کبھی صاف سپاٹ ہوگی۔ کبھی ابھرا ہوا انگور یا کسی کو وہ آنکھ سپاٹ نظر آوے گی کسی کو ابھرا انگور، لہذا یہ حدیث گذشتہ احادیث کے خلاف نہیں جن میں اس کی آنکھ کو ابھرا ہوا انگور فرمایا گیا ہے (مرقات شرح مشکوٰۃ)

[4] یعنی اس تحریر کو مومن تو بے پڑھا بھی پڑھ لے گا سمجھ لے گا اور کافر پڑھا لکھا بھی نہ سمجھ سکے گا۔ یہ بھی قدرت خداوندی ہوگی۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلدَّجَّالُ اَعْوَرُ الْعَيْنِ الْيُسْرٰى جُفَالُ الشَّعْرِ مَعَهٗ جَنَّتُهٗ وَنَارُهٗ فَنَارُهٗ جَنَّةٌ وَجَنَّتُهٗ نَارٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا فِيْكُمْ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ دُوْنَكُمْ وَاِنْ يَّخْرُجْ وَلَسْتُ فِيْكُمْ فَامْرُؤٌ

روایت ہے ان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال بائیں آنکھ کا کانا ہے(1) بہت بالوں والا(2) اس کے ساتھ اس کی جنت اور اس کی آگ ہوگی۔ تو اس کی آگ جنت ہے اور اس کی جنت آگ ہے(3) (مسلم) روایت ہے حضرت نواس ابن سمعان سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا اگر وہ نکلا اور میں تم میں ہوا تو تمہارے بغیر اس کا مقابل میں ہوں گا(4) اور اگر نکلا اور میں تم میں نہ ہوا تو ہر شخص اپنی

(1) یہاں اعور بمعنی عیب ناک ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی کہ اس کی داہنی آنکھ تو بالکل سپاٹ ہوگی اور بائیں آنکھ عیب دار ہوگی۔ غرضکہ کوئی آنکھ بے عیب نہ ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ کسی کو اس کی داہنی آنکھ کانی محسوس ہوگی کسی کو بائیں آنکھ یہ فرق احساس کا ہوگا نہ کہ واقعہ کا یہ بھی ایک قدرتی کرشمہ ہوگا وہ مردود سب کچھ کر دکھائے گا مگر اپنی آنکھ نہ درست کر سکے گا۔

(2) جفال جیم کے پیش سے بمعنی کثیر بہت مگر ہر بہت کو جفال نہیں کہتے بلکہ بہت بالوں کو جفال کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ بندھے ہوئے بڑے جوڑے کو جفال کہتے ہیں۔

(3) اس کی شرح ابھی گزر گئی کہ اس کا باغ بظاہر باغ معلوم ہوگا، حقیقۃً دوزخ ہوگا اور اس کی آگ بظاہر آگ ہوگی حقیقۃً باغ جیسے جناب خلیل کی آگ حقیقۃً باغ اور بحر قلزم کا پانی حقیقۃً آگ بن گیا تھا۔ شعر

گلستان کند آتشے بر خلیل　　　گروہے بدآتش برو ز آب نیل

(4) یہ فرمان عالی بالفرض ہے یعنی فرض کرلو کہ اگر وہ میری موجودگی میں آگیا۔ تو تم کو اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے وہ میرے ہی ہاتھوں فنا ہوجاویگا اس کے شعبدے بازیاں میرے مقابل ناکارہ ہوجائیں گی اس فرمان عالی سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ اگرچہ اس مردود کا ظہور ابھی نہیں ہوگا مگر اس سے ڈرنا رکن ایمان ہے۔ تم اس سے خوف کرو جیسے قیامت ابھی نہیں آئے گی مگر اس سے ڈرتے رہو۔ خوف قیامت خوف دجال درحقیقت خوف خدا کا ذریعہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ دجال اگرچہ مارا جاوے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں لیکن اگر میرے زمانہ میں آجاتا تو میرے ہاتھوں ہی فنا ہوجاتا بلکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی حضور کے نائب ہونے کی حیثیت سے اسے قتل کریں گے۔

حَجِيْجُ نَفْسِهٖ وَاللّٰهُ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ اِنَّهٗ شَابٌّ قَطَطٌ عَيْنُهٗ طَافِئَةٌ كَاَنِّيْ اُشَبِّهُهٗ بِعَبْدِ الْعُزّٰى بْنِ قَطَنٍ فَمَنْ اَدْرَكَهٗ مِنْكُمْ فَلْيَقْرَاْ عَلَيْهِ فَوَاتِحَ سُوْرَةِ الْكَهْفِ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَلْيَقْرَاْ عَلَيْهِ بِفَوَاتِحِ سُوْرَةِ الْكَهْفِ فَاِنَّهَا جِوَارُكُمْ مِنْ فِتْنَتِهٖ اِنَّهٗ

ذات کا محافظ ہے[1] اور ہر مسلمان پر اللہ میرا خلیفہ ہے[2] وہ جوان ہے سخت گھونگھر بال[3] اس کی آنکھ ابھری ہوئی ہے گویا میں اسے عبدالعزیٰ ابن قطن سے تشبیہ دیتا ہوں[4] تو تم میں سے جو اسے پائے تو اس پر سورہ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے اور ایک روایت میں ہے کہ اس پر سورہ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے کہ وہ تمہارا امان ہے۔ اس کے فتنہ سے[5] وہ

[1] یعنی ہر شخص اپنی ذات کے لیے اس کا مقابلہ دلائل عقلیہ و شرعیہ سے کرے کہ دلائل سے سوچے کہ یہ خدا نہیں ہو سکتا۔ یہاں حجیج بمعنی مقابل ہی ہے مگر یہ مقابلہ اسے قتل کرنے کا نہیں بلکہ اپنے ایمان بچانے کا ہے (مرقات) گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دجال کو فنا کرنے کے لیے اس کے مقابل ہیں۔ اور یہ ہر شخص اس سے بچنے کے لیے اس کا مقابل۔

[2] یہاں خلیفہ بمعنی وکیل و محافظ ہے۔ اگر اس وقت ہم حیات ہوتے تو مسلمانوں کی حفاظت ہم کرتے۔ اب چونکہ ہم نہ ہوں گے تو میری طرف سے میرا رب میری امت کی حفاظت کرے۔ اس سے معلوم ہوا بفضلہ تعالٰی مومن ہمیشہ منصور و محفوظ رہتا ہے

[3] بالوں میں تھوڑے خم جسے جعد کہتے ہیں بہت اچھا ہے مگر بہت زیادہ خمی کہ بالوں کے کنڈل بن جاویں جسے قطط کہتے ہیں بری ہے۔ دجال کے بال بہت ہی خم دار ہوں گے۔

[4] عبدالعزیٰ زمانہ جاہلیت میں ایک مشرک بادشاہ گزرا ہے۔ اس کی بدصورتی عرب میں مشہور تھی بلکہ اس کے دیکھنے والے لوگ اس وقت موجود تھے حضور نے اس سے تشبیہ دی چونکہ دجال کی صورت بہت ہی بری ہوگی کہ اس جیسا بدشکل دنیا میں کوئی نہ گزرا نہ اس وقت ہوگا اس لیے حضور انور نے جزم و یقین سے تشبیہ نہ دی بلکہ کانی فرمایا یعنی اسے کچھ کچھ مشابہت عبدالعزیٰ سے ہوگی ورنہ وہ عبدالعزیٰ سے کہیں بدتر ہوگا معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور نے اگلے پچھلے اپنی نگاہوں سے دیکھے ہیں۔ کہ عبدالعزیٰ پہلے گزر چکا ہے اور دجال آئندہ ہوگا۔ مگر دونوں حضور کے علم و نظر میں ہیں (از مرقات)

[5] یعنی اس زمانہ میں جو کوئی سورۂ کہف کی شروع آیات کذبا تک پڑھتا رہے گا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ ان آیات میں یہ ذکر ہے کہ اصحاب کہف دقیانوس بادشاہ کے فتنہ سے محفوظ رہے۔ ان کی حفاظت کی برکت سے اللہ انہیں دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھے گا۔ جوار کا لفظی ترجمہ ہے پاسپورٹ کہ وہ ذریعہ امان ہوتا ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سورۂ کہف کی شروع کی دس آیات ہمیشہ پڑھنے والا دجال سے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ بعض لوگ ہمیشہ بعض لوگ ہر جمعہ کو پڑھتے ہیں تاکہ موجودہ دجالوں سے

خَارِجٌ خَلَّةً بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ فَعَاثَ عَيْنًا وَعَاثَ شِمَالًا يَا عِبَادَ اللّٰهِ فَاثْبُتُوا قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا لَبْثُهُ فِي الْاَرْضِ قَالَ اَرْبَعُونَ يَوْمًا يَوْمٌ كَسَنَةٍ وَيَوْمٌ كَشَهْرٍ وَيَوْمٌ كَجُمُعَةٍ وَسَائِرُ اَيَّامِهِ كَاَيَّامِكُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِي كَسَنَةٍ اَيَكْفِينَا فِيهِ صَلٰوةُ يَوْمٍ قَالَ لَا اُقْدُرُوا لَهُ قَدْرَهُ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ

شام و عراق والے راستے سے نکلے گا۔ تو داہنے بائیں فساد پھیلائے گا اے اللہ کے بندو ثابت قدم رہنا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ اس کا زمین میں ٹھہرنا کتنا ہے۔ فرمایا چالیس دن کہ ایک دن سال کی طرح ہوگا اور ایک دن مہینہ کی طرح اور ایک دن ہفتہ کی طرح اور بقیہ دن تمہارے عام دنوں کی طرح ہم نے عرض کیا یارسول اللہ تو یہ دن جو ایک سال کی طرح ہوگا کیا اس میں ہم کو ایک دن کی نمازیں کافی ہوں گی فرمایا نہیں تم اس کے لیے اندازہ لگالینا ہم نے عرض کیا یارسول اللہ

۱؎ خلۃ نقطہ خ سے ریگستان میں راستہ وسیع۔ حلہ ح بغیر نقطہ سے کوفہ و بغداد کے درمیان ایک شہر ہے۔ بعض روایات میں حلہ ہی ہے۔ وہاں کے لوگ اب بھی شریر ہیں (مرقات)

۲؎ اس میں ندا اس زمانہ کے مسلمانوں سے ہے (مرقات)

۳؎ بعض روایات میں ہے کہ چالیس سال قیام کرے گا مگر وہ روایت ضعیف ہے۔ صحیح روایت چالیس دن کی ہے۔

۴؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے۔ واقعی پہلا دن ایک سال کی برابر دراز ہوگا۔ اب بھی گرمیوں میں دن بجائے آٹھ گھنٹے کے چودہ گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ غم و اندوہ کی وجہ سے وہ دن سال برابر معلوم ہوگا۔ مگر یہ غلط ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ ۵؎ اس طرح کہ اس دن سورج نکلتے ہی فجر کی نماز پڑھنا پھر آٹھ گھنٹہ بعد ظہر پڑھ لینا، پھر چار گھنٹہ کے بعد عصر پھر دو گھنٹہ بعد مغرب اور دو گھنٹہ بعد عشاء پھر چھ گھنٹہ کے بعد فجر اس طرح پڑھے جانا شاید موجودہ گھڑیاں اس دن کے حساب کے لیے رب تعالٰی نے پیدا فرمادی ہیں۔ معلوم ہوا کہ جن ملکوں میں بعض زمانہ میں عشاء کا وقت نہیں آتا وہاں عشاء کی نماز معاف نہ ہوگی بلکہ پڑھنا پڑے گی اندازہ سے جیسے لندن میں سال میں چند دن ایسے آتے ہیں کہ نماز عشاء کا وقت نہیں آتا۔ شفق غائب نہیں ہوتی۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہ حکم خاص اس دن کیلئے ہے خلاف قیاس ورنہ نماز کے اوقات سورج کی حرکت سے وابستہ ہیں اس سال بھر کے دن میں بھی پانچ نمازیں ہو جائیں مگر چونکہ حدیث میں یہ حکم آگیا تو اس دن کیلئے قیاس چھوڑ دیا گیا چنانچہ اس دن میں رمضان کا روزہ، نماز جمعہ و عیدین نہ پڑھی جائیں گی اگرچہ دن سال بھر کا ہے اور سال میں یہ چیزیں ہوتی ہیں

وَمَا إِسْرَاعُهُ فِي الْأَرْضِ قَالَ كَالْغَيْثِ اسْتَدْبَرَتْهُ الرِّيحُ فَيَأْتِي عَلَى الْقَوْمِ فَيَدْعُوهُمْ فَيُؤْمِنُونَ بِهِ فَيَأْمُرُ السَّمَاءَ فَتُمْطِرُ وَالْأَرْضَ فَتُنْبِتُ فَتَرُوحُ عَلَيْهِمْ سَارِحَتُهُمْ أَطْوَلَ مَا كَانَتْ ذُرًى وَأَسْبَغَهُ ضُرُوعًا وَأَمَدَّهُ خَوَاصِرَ ثُمَّ يَأْتِي الْقَوْمَ فَيَدْعُوهُمْ فَيَرُدُّونَ عَلَيْهِ قَوْلَهُ فَيَنْصَرِفُ عَنْهُمْ فَيُصْبِحُونَ مُمْحِلِينَ لَيْسَ بِأَيْدِيهِمْ شَيْءٌ مِنْ أَمْوَالِهِمْ وَيَمُرُّ بِالْخَرِبَةِ فَيَقُولُ لَهَا أَخْرِجِي كُنُوزَكِ فَتَتْبَعُهُ كُنُوزُهَا

زمین میں اس کی تیز رفتاری کیسی ہوگی فرمایا جیسے بادل جس کے پیچھے ہوا ہو[1] وہ ایک قوم پر آوے گا۔ انہیں بلائے گا وہ اس پر ایمان لے آئیں گے تو آسمان کو حکم دے گا وہ بارش برسائے گا اور زمین کو حکم دے گا وہ اگائے گی۔ ان کے جانور آئیں گے جیسے پہلے تھے اس سے زیادہ دراز کوہان والے اور زیادہ بھرے ہوئے تھن والے اور زیادہ لمبی کوکھوں والے[2] پھر ایک دوسری قوم کے پاس آئے گا انہیں بلائے گا وہ اس کی بات رد کردیں گے وہ ان کے پاس سے لوٹ جائے گا[3] تو یہ لوگ قحط زدہ ہو جاویں گے[4] کہ ان کے ہاتھوں میں ان کے مال میں سے کچھ نہ رہے گا[5] اور ویرانہ پر گزرے گا اس سے کہے گا اپنے خزانے نکال تو اس کے پیچھے یہ خزانے

[1] اس تشبیہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ دجال اڑتا ہوا دنیا کی سیر کرے گا۔ ہوائی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں۔ جن سے تھوڑے عرصہ میں دنیا کا چکر لگایا جا سکتا ہے۔ یعنی جیسے بادل کے پیچھے جب ہوا ہو تو بہت تیز اڑتا ہے ایسے ہی وہ بہت تیز اڑے گا۔ آج آواز سے زیادہ رفتار والے ہوائی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں۔

[2] یہ رب تعالٰی کی طرف سے خاص آزمائشیں ہوں گی کہ جو لوگ اسے خدا مان لیں گے ان پر بارش نہایت مناسب پیداوار نہایت اعلٰی ان کے جانوروں کے دودھ گھی میں بہت زیادتی ہو جاوے گی۔ ان کے اونٹ بہت موٹے تازہ اونچے ہو جاویں گے۔ دوسرے لوگ ان کی اس فراخی کو دیکھ کر دھوکا کھا جائیں گے کہ واقعی وہ خدا ہی ہے۔ دیکھو اس نے اپنے ان بندوں کو کیسا آرام سے اور مالدار کر دیا وہ لوگ ان لوگوں کی مالداری و عیش کو دیکھ کر اسے خدا مان لیں گے۔ [3] اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ دجال کسی کو کفر پر مجبور نہ کر سکے گا۔ یہ شعبدے دکھا کر مائل ہی کرے گا رب تعالٰی فرماتا ہے ان عبادی لیس لک علیہم سلطان یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بندے دلائل کے ذریعہ اس کی شر سے محفوظ رہیں گے۔ [4] ممحل بنا ہے محل سے بمعنی خشکی و قحط سالی یعنی ان پر نہ تو بارش ہوگی نہ ان کی زمین میں سبزہ ہوگا [5] یعنی ان کا اپنا پہلا مال بھی فنا ہو جاویگا۔ جانور یا خشک ہو جاویں گے یا مر جاویں گے۔ گھروں میں تباہی آ جاوے گی مگر یہ لوگ راضی برضا رہیں گے۔

كَيَعَاسِيبِ النَّحْلِ ثُمَّ يَدْعُو رَجُلًا مُمْتَلِئًا شَبَابًا فَيَضْرِبُهُ بِالسَّيْفِ فَيَقْطَعُهُ جَزْلَتَيْنِ رَمْيَةَ الْغَرَضِ ثُمَّ يَدْعُوهُ فَيُقْبِلُ وَيَتَهَلَّلُ وَجْهُهُ يَضْحَكُ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ الْمَسِيحَ بْنَ مَرْيَمَ فَيَنْزِلُ عِنْدَ الْمَنَارَةِ الْبَيْضَاءِ شَرْقِيَّ دِمَشْقَ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ

شہد کی مکھیوں کی طرح چلیں گے پھر ایک جوانی سے بھرے ہوئے شخص کو بلائے گا اسے تلوار سے مار کر اس کے دو ٹکڑے کرکے تیر کے نشان کے چھینک دے گا پھر اسے بلائے گا تو وہ آجاوے گا اور اس کا چہرہ چمکتا ہوگا وہ ہنستا ہوگا جب کہ دجال اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالٰی مسیح ابن مریم کو بھیجے گا کہ آپ دمشق کے مشرقی سفید مینارے کے پاس دو زعفرانی کپڑوں کے درمیان اتریں گے

ل؎ یعنی آبادیوں میں جاکر تو وہ آفت ڈھائے گا اور ویرانوں زمینوں میں پہنچ کر یہ فساد پھیلائے گا اس کے ساتھ اس کے حالی موالی بہت رہیں گے ویرانوں کے خزانوں کو اپنے ساتھ لے لے گا۔ جنہیں ان کے ساتھ والے نکلتے دیکھیں گے اور دوسرے لوگوں کو یہ سب ستائیں گے یعاسیب جمع ہے یعسوب کی یعنی شہد کی مکھیوں کی سردار مکھی کہ جب وہ اڑتی ہے تو اس کے ساتھ سارے چھتے کی مکھیاں اڑتی ہیں۔ اس لیے سردار کو یعسوب کہا جاتا ہے۔ یعاسیب جمع فرما کر اشارۃً بتایا کہ بے شمار مکھیوں کی طرح اس کے ساتھ بے شمار خزانے چلیں گے۔ یہ خزانے یا تو بذات خود چلیں گے یا کسی سواری میں جیسے آج لاکھوں من سامان ریل۔ موٹر۔ بحری جہاز۔ ہوائی جہاز دوڑتے۔ تیرتے۔ اڑتے پھر رہے ہیں۔

۲؎ یہ جوان آدمی یا تو اس کے متبعین میں سے ہوگا۔ لوگوں کو اپنی قوت دکھانے کے لیے یہ حرکت کرے گا یا ان میں سے ہوگا جو ان کی پیروی نہ کریں گے اسے سزا دینے کے لیے یہ حرکت کرے گا۔ تلوار سے اسے چیر دے گا جیسے آرے سے چیرا جاتا ہے اور دونوں ٹکڑے اتنے فاصلہ پر پھینکے گا جو تیر اور اس کے نشانہ کے درمیان ہوتا ہے یعنی بہت دور۔

۳؎ یعنی اس کی ایک آواز پر یہ دونوں ٹکڑے حرکت کرکے آپس میں مل جاویں گے پھر پورا جسم بن کر اس میں جان پڑجاویگی اور وہ جوان دوڑتا ہوا آجاوے گا۔ ہم نے بعض جادوگروں کو دیکھا کہ آدمی کو چادر اوڑھا کر اس کا گلہ کاٹ دیتے ہیں۔ اور پھر اسے اچھا خاصا کھڑا کردیتے ہیں مگر یہ شعبدہ ہوتا ہے غالبًا وہ حقیقتًہ یہ کرے گا۔

۴؎ اللہ تعالٰی جھوٹے مسیح کو سچے مسیح کے ذریعے ہلاک کرے گا اس لیے اس مردود کو حضرت مہدی قتل نہ کریں گے کہ اس کام کے لیے حضرت مسیح منتخب ہوچکے ہیں۔

۵؎ مہرودتین تثنیہ ہے مہرودۃ بمعنی غوطہ دیا ہوا یعنی آپ کے جسم شریف پر گیروے یا زعفران سے رنگے ہوئے دو کپڑے ہونگے تہبند چادر

وَاضِعًا كَفَّيْهِ عَلٰى اَجْنِحَةِ مَلَكَيْنِ اِذَا طَاْطَاَ رَاْسَهٗ قَطَرَ وَاِذَا رَفَعَهٗ تَحَدَّرَ مِنْهُ مِثْلُ جُمَانٍ كَاللُّؤْلُؤِ فَلَا يَحِلُّ لِكَافِرٍ يَجِدُ مِنْ رِيْحِ نَفَسِهٖ اِلَّا مَاتَ وَنَفَسُهٗ يَنْتَهِيْ حَيْثُ يَنْتَهِيْ طَرْفُهٗ فَيَطْلُبُهٗ حَتّٰى يُدْرِكَهٗ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهٗ ثُمَّ يَاْتِيْ عِيْسٰى قَوْمٌ قَدْ عَصَمَهُمُ اللّٰهُ مِنْهُ فَيَمْسَحُ عَنْ وُجُوْهِهِمْ وَيُحَدِّثُهُمْ بِدَرَجَاتِهِمْ فِي الْجَنَّةِ فَبَيْنَمَا هُوَ كَذٰلِكَ اِذْ اَوْحَى اللّٰهُ اِلٰى عِيْسٰى اِنِّيْ قَدْ اَخْرَجْتُ عِبَادًا

اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے جب اپنا سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور جب اٹھائیں گے تو اس سے قطرے ٹپکیں گے موتیوں کی طرح ۱؎ پھر کسی کافر کو ممکن نہ ہوگا کہ آپ کی سانس پائے مگر مر جاوے گا اور آپ کی سانس وہاں تک پہنچے گی ۲؎ جہاں تک آپ کی نظر جاوے گی آپ اسے تلاش کریں گے یہاں تک کہ اسے باب لد میں پائیں گے ۳؎ تو قتل کریں گے پھر حضرت عیسیٰ کے پاس وہ قوم آوے گی جنہیں اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا تو آپ ان کے چہرے صاف فرمائیں گے اور انہیں ان کے جنتی درجات کی خبر دیں گے ۴؎ وہ اس طرح ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ کو رب تعالٰی وحی کرے گا کہ میں اپنے بندے

۱؎ جمان گھنگرو کے دانہ یا موتی کی طرح گول قطرے جو نہایت صاف شفاف و سفید ہوں۔آپ خود نہایت حسین ہوں گے آپ کا یہ پسینہ نہایت پاکیزہ و خوشبودار ہوگا۔

۲؎ بعض شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد سانس نہیں بلکہ دم کرنا ہے یعنی آپ جب دم کرنے کی نیت سے پھونک لگائیں گے تو آپ کا دم تا حد نظر پہنچے گا اور جس کافر کو لگے گا وہ مرے گا اللہ کی شان ہے کہ پہلے اسی دم سے مردے زندہ ہوتے تھے۔اور اب زندہ کافر مردہ ہوں گے۔یاجوج و ماجوج کفار پر آپ کو دم کرنا ہی نہیں کیونکہ ان کی موت اور طرح سے واقع کرنا ہے بعض نے فرمایا کہ نفس سے مراد سانس ہی ہے۔

۳؎ لد بیت المقدس کی قریب ایک بستی ہے اس بستی کے دروازے میں گھستے ہوئے اسے پائیں گے کہ وہ وہاں داخل ہو رہا ہوگا اسے دروازہ پر ہی قتل کردیں گے اندر داخل نہ ہونے دیں گے۔ جیسے شداد اپنی جنت کے دروازے پر ہی قتل کردیا گیا۔

۴؎ یعنی ان مؤمنین کے چہرے جو گرد و غبار سے اٹے ہوں گے جیسا کہ عام غرباء فقراء کا حال ہوتا ہے اسے خود حضرت مسیح اپنے ہاتھ شریف سے صاف کریں گے یا محبت و کرم سے ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے مگر پہلے معنی قوی ہیں جیسا کہ عن وجوھھم فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے آپ غبار صاف فرماتے جائیں گے اور انہیں جنت کی بلکہ وہاں کے درجات کی خبر دیتے جائیں گے۔

لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِي اِلَى الطُّوْرِ وَيَبْعَثُ اللّٰهُ يَاجُوْجَ وَمَاجُوْجَ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ فَيَمُرُّ اَوَائِلُهُمْ عَلٰى بُحَيْرَةِ طَبَرِيَّةَ فَيَشْرَبُوْنَ مَا فِيْهَا وَيَمُرُّ اٰخِرُهُمْ فَيَقُوْلُ لَقَدْ كَانَ بِهٰذِهٖ مَرَّةً مَاءٌ ثُمَّ يَسِيْرُوْنَ حَتّٰى يَنْتَهُوْا اِلٰى جَبَلِ الْخَمَرِ وَهُوَ جَبَلُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَيَقُوْلُوْنَ لَقَدْ قَتَلْنَا مَنْ فِي الْاَرْضِ هَلُمَّ فَلْنَقْتُلْ مَنْ فِي السَّمَآءِ فَيَرْمُوْنَ بِنُشَّابِهِمْ اِلَى السَّمَآءِ فَيَرُدُّ اللّٰهُ

نکالے ہیں جن میں لڑنے کی کسی میں طاقت نہیں تو میرے بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ[1] اور اللہ یاجوج ماجوج کو بھیجے گا جو ہر ٹیلے سے دوڑتے آئیں گے[2] تو ان کی اگلی جماعت بحیرہ طبریہ پر گزرے گی۔ اس کا سارا پانی پی جاوے گی[3] ان کی آخری جماعت گزرے گی تو کہے گی کہ کبھی یہاں پانی تھا حتی کہ جبل خمر تک پہنچیں گے۔ یہ بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے[4] تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا آؤ آسمان والوں کو قتل کریں[5] تو اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے تو اللہ

[1] یعنی اے عیسٰی دجال تو آیا اور ہلاک ہو گیا اب کچھ روز کے لیے ایک بڑی مخلوق یاجوج ماجوج اس زمین پر آ رہے ہیں۔ جن کی ہلاکت تمہارے ہاتھوں سے نہیں بلکہ تمہاری بددعا سے ہوگی۔ اس لیے یہ زمین خالی کر دو طور پہاڑ ان کی شر سے محفوظ رہے گا۔ ان مسلمانوں کو وہاں لے جاؤ یہ ان کو تنبیہ فرما کر بتایا گیا کہ کسی انسان میں دونوں ہاتھوں سے بھی ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں۔

[2] یعنی جب یاجوج ماجوج کی دیوار ٹوٹے گی تو وہ ہر طرف سے دوڑتے ہوئے اس زمین پر آئیں گے ان کی کثرت سے زمین بھر جاوے گی۔

[3] یعنی ان کی کثرت کا یہ حال ہوگا کہ دریا کا سارا پانی ان کا اگلا حصہ ہی پی جاوے گا۔ اور دریا خشک کر دے گا بحیرہ تصغیر ہے بحر کی بحیرہ طبریہ شام کے علاقہ میں دس میل لمبا دریا ہے طبریہ ایک بستی کا نام ہے۔ اردن کے علاقہ میں۔ وہاں یہ دریا ہے اس لیے اسے بحیرہ طبریہ کہتے ہیں۔ [4] خمر کے معنی ہیں چھپنا ڈھانپنا اسی سے ہے خمار دوپٹہ چونکہ وہ پہاڑ بہت سرسبز ہے کہ اس کی پوری زمین سبزہ اور درختوں سے چھپی ہوئی ہے۔ اس لیے اسے جبل خمر کہتے ہیں۔ یعنی سبزہ سے ڈھکا ہوا پہاڑ (لمعات مرقات)

[5] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان تو طور پہاڑ میں محفوظ ہو چکے ہوں گے مگر زمین کفار سے بھری ہوں گے یعنی دجال کو مان لینے والے وہ یاجوج ماجوج کے ہاتھوں مارے جائیں گے حتی کہ زمین میں ان میں سے کوئی نہ بچے گا اس لیے یہ یاجوج ماجوج کہیں گے کہ زمین والوں کو تو ہم مار چکے آؤ آسمان والے فرشتوں کو بھی مار لیں تاکہ دنیا میں ہم ہی رہیں ہمارے سوا کوئی نہ رہے۔

عَلَيْهِمْ ثِيَابُهُمْ مَخْضُوبَةٌ دَمًا وَيُحْصَرُ نَبِيُّ اللّٰهِ وَاَصْحَابُهٗ حَتّٰى يَكُوْنَ رَاْسُ الثَّوْرِ لِاَحَدِهِمْ خَيْرًا مِنْ مِائَةِ دِيْنَارٍ لِاَحَدِكُمُ الْيَوْمَ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِيْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ يَهْبِطُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ اِلَى

ان کے تیر خون سے رنگین لوٹائے گا لہ اور اللہ کے نبی اور ان کے ساتھی محصور رہیں گے۔ حتی کہ ان کے لیے بیل کی سری سو اشرفیوں سے بڑھ کر ہوگی ۲ جو تمہارے لیے آج ہے تب اللہ کے نبی عیسٰی اور ان کے ساتھی متوجہ الی اللہ ہوں گے ۳ تب اللہ ان یاجوج ماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کرے گا تو وہ سب ایک شخص کی موت کی طرح مردہ ہوجائیں گے ۴ پھر اللہ کے نبی عیسٰی اور ان کے ساتھی زمین کی طرف

لہ ممکن ہے کہ یہ تیر چڑیوں کے لگے۔ ان کے خون میں بھیگ کر لوٹیں اس میں اشارۃً یہ فرمایا کہ یاجوج ماجوج کا فساد صرف زمین میں نہ ہوگا بلکہ فضا میں بھی ہوگا۔

۲ چونکہ اس زمانہ میں مسلمان صرف کوہ طور پر رہیں گے کہیں جا آ نہ سکیں گے اس ہی لیے باہر سے مال کی درآمد بند ہوگی لہذا قحط بہت پڑ جاوے گا اور باوجودیکہ وہ علاقہ بہت سرسبز شاداب ہے۔ پھر گرانی کا یہ حال ہوگا کہ جو قدر آج سو دینار کی ہے اس سے زیادہ قدر و قیمت گائے کی ایک سری کی ہوگی۔ مسلمانوں پر یہ زمانہ بہت تنگی کا گزرے گا۔ جب گائے کی سری کی یہ قیمت ہوگی تو باقی گوشت کی قیمت کا اندازہ لگالو سری بہت سستی ہوتی ہے۔

۳ اس طرح کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام قوم یاجوج ماجوج کی ہلاکت کی دعا کریں گے مومنین آمین کہیں گے نبی اللہ فرما کر یہ بتایا گیا کہ اس وقت بھی عیسٰی علیہ السلام نبی ہوں گے نبوت کے منسوخ ہونے سے ان کے احکام بندوں پر جاری نہیں ہوتے مگر ان کا درجہ عند اللہ وہ ہی رہتا ہے اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ موسٰی علیہ السلام جناب خضر کے پاس گئے تو ان کی نبوت منسوخ نہ ہوئی تھی مگر وہاں آپ نبوت کی شان سے نہ گئے تھے نہ حضرت خضر پر توریت کے احکام جاری فرمائے تو جب دین مصطفوی میں عیسٰی علیہ السلام آویں گے تو قرآنی احکام ہوتے ہوئے اپنے منسوخ شریعت کے احکام کیسے جاری کریں گے۔ مرزائیوں کو اس میں غور کرنا چاہیئے۔

۴ یعنی ایک آن کی آن میں سب ہلاک ہوجائیں گے۔ انہیں مرتے ہوئے ایک ساعت بھی نہ لگے گی۔ یہ پتہ نہ لگا کہ یہ لوگ زمین میں کتنے دن رہیں گے۔

الْاَرْضِ فَلَا يَجِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ مَوْضِعَ شِبْرٍ اِلَّا مَلَاَهٗ زَهَمُهُمْ وَنَتْنُهُمْ فَيَرْغَبُ نَبِىُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ اِلَى اللّٰهِ فَيُرْسِلُ اللّٰهُ طَيْرًا كَاَعْنَاقِ الْبُخْتِ فَتَحْمِلُهُمْ فَتَطْرَحُهُمْ حَيْثُ شَآءَ اللّٰهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ تَطْرَحُهُمْ بِالنَّهْبَلِ وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ قِسِيِّهِمْ وَنُشَّابِهِمْ وَجِعَابِهِمْ سَبْعَ سِنِيْنَ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ

اتریں گے تو زمین میں بالشت بھر زمین ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں اور بدبو نے نہ بھر دی ہو[1] تب اللہ کے نبی عیسیٰ اور ان کے ساتھی اللہ تعالٰی سے دعا کریں گے تو اللہ تعالٰی پرندے بھیجے گا[2] اونٹ کی گردنوں کی طرح وہ انہیں اٹھا کر جہاں اللہ چاہے گا پھینک دیں گے[3] اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں نہبل میں پھینک دیں گے[4] اور مسلمان ان کی کمانیں ان کے کمانوں ان کے تیر دان اور ترکش سات سال تک جلائیں گے[5] پھر اللہ تعالٰی

[1] یعنی تمام روئے زمین ان مردودوں کی لاشوں اور بدبو سے بھرا ہوگا۔ مسلمان اس قید سے نکل تو آئیں گے مگر اس مصیبت سے زمین میں کاروبار تو کیا چل پھر بھی نہ سکیں گے۔

[2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا اور مسلمانوں کی آمین پر یہ پرندے رب تعالٰی بھیجے گا۔ جو تعداد میں بے شمار ہوں گے۔ جسامت میں بہت بڑے اور طاقتور کہ ایک پرندہ یاجوج کی لاش اٹھائے گا۔ کہاں سے آئیں گے اور کہاں غائب ہو جائیں گے یہ رب جانے ٹڈی دل ہم نے آتے دیکھا ہے نہ معلوم کہاں سے آتا ہے اور پھر کہاں غائب ہو جاتا ہے۔ ان پرندوں کی شکل بختی اونٹوں کی گردنوں سے ملتی ہوگی۔

[3] یہ بھی رب تعالٰی کی قدرت ہی ہوگی کہ اتنی زیادہ لاشیں جن سے روئے زمین بھری ہوگی۔ نہ معلوم کہاں غائب کردی جائیں گی اس جگہ کا ذکر آگے آرہا ہے۔

[4] نہبل بروزن منبر بمعنی بڑا پہاڑ۔ اور یہ ایک بستی کا نام بھی ہے جو بیت المقدس کے قریب ہے۔ غالبًا اس بستی کا یہ نام اس پہاڑ کے نام سے ہے جیسے ہمارے پنجاب میں سانگلا ہل ایک شہر کا نام ہے۔ اس کے ایک پہاڑ کے نام پر جہلم ایک شہر ہے دریاء جہلم کے نام پر۔ اس چھوٹی سی جگہ میں اتنی لاشوں کا سما جانا بھی اللہ تعالٰی کی قدرت ہی سے ہوگا۔

[5] یعنی یاجوج ماجوج تو مر جائیں گے مگر اپنے تیر، ترکش، کمانیں اتنی بڑی تعداد میں چھوڑ جائیں گے کہ سات سال تک مسلمان انہیں جلا کر اپنے سب کام چلائیں گے مفت کی لکڑی پائیں گے۔

مَطَرًا لَا يَكُنُّ مِنْهُ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ فَيَغْسِلُ الْاَرْضَ حَتّٰى يَتْرُكَهَا كَالزَّلَفَةِ ثُمَّ يُقَالُ لِلْاَرْضِ اَنْبِتِيْ ثَمَرَتَكِ وَرُدِّيْ بَرَكَتَكِ فَيَوْمَئِذٍ تَاْكُلُ الْعِصَابَةُ مِنَ الرُّمَّانَةِ وَيَسْتَظِلُّوْنَ بِقِحْفِهَا وَيُبَارَكُ فِي الرِّسْلِ حَتّٰى اَنَّ اللِّقْحَةَ مِنَ الْاِبِلِ لَتَكْفِي الْفِئَامَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْبَقَرِ لَتَكْفِي الْقَبِيْلَةَ مِنَ النَّاسِ وَاللِّقْحَةَ مِنَ الْغَنَمِ لَتَكْفِي الْفَخِذَ مِنَ النَّاسِ

بارش بھیجے گا جس سے نہ کوئی گھر مٹی کا بچے گا نہ اُون کا تو وہ زمین کو دھو دے گی[1] حتی کہ اسے شیشہ کی طرح کرچھوڑے گی[2] زمین سے کہا جاوے گا تو اپنے پھل اگا اور اپنی برکت لوٹا دے تو اس دن ایک انار سے ایک جماعت کھائے گی اور اس کے چھلکے سے سایہ لے گی[3] اور دودھ میں برکت دی جاوے گی حتی کہ تازہ جنی ہوئی اونٹنی لوگوں کی ایک جماعت کو کافی ہوگی اور نئی جنی ہوئی گائے ایک قبیلہ کو کافی ہوگی اور نئی جنی ہوئی بکری لوگوں کے ایک خاندان کو کافی ہوگی[4]

[1] اس فرمان کا تعلق یاجوج ماجوج کی ہلاکت سے ہے یعنی ان مردودوں کے ہلاک ہوجانے اور ان کی نعشیں پھینک دیئے جانے پر ایک عالمگیر بارش آوے گی۔ یہ مطلب نہیں کہ سات تیر و کمان ترکش جلا چکنے کے بعد بارش آوے گی۔

[2] زلفہ قاف سے بمعنی صاف آئینہ۔ زلفہ سے اس کے بہت معنی ہیں۔ دھلی زمین۔ صاف تشتری۔ سبز رنگ کا صاف گھڑا سیب۔ صاف پتھر۔ صاف کردہ زمین یہاں زا وفا سے بھی ہوسکتا ہے ذاف سے ہر معنی درست ہیں۔ زا ولام کے فتحہ سے

[3] یعنی ایک انار اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دانوں سے ایک پوری جماعت شکم سیر ہوجاوے اور اس کا چھلکا پورے خیمہ کی طرح ہوگا قحف کھوپڑی کے پیالہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ انار کا چھلکا کھوپڑی کی طرح گول اور ڈھلوان ہوتا ہے۔ اس لیے اُسے قحف فرمایا گیا۔ کوہ مری اور شملہ کی ایک ہری مرچ میں ڈیڑھ پاؤ قیمہ بھر جاتا ہے۔

[4] لقحہ لام کے کسرہ قاف کے سکون سے نوزائیدہ مادہ جانور خواہ اونٹنی ہو یا گائے یا بکری۔ خیال رہے کہ نوزائیدہ کا دودھ کم ہوتا ہے کچھ دن بعد جب تھن ڈال دیتی ہیں۔ تب دودھ بڑھتا ہے فرمایا جارہا ہے کہ جب نوزائیدہ یعنی نئی نئی بیاہی ہوئیں مادہ جانور کے دودھ میں ایسی برکت و کثرت ہوگی تو کچھ لوکر بیائی ہو کر اس کا دودھ کتنا ہوگا۔ ان احادیث میں تاویل کی ضرورت نہیں۔ ہم نے پہاڑ کے آلو دیکھے ہیں ایک آلو ڈیڑھ سیر بلکہ دو سیر کا۔ آزاد کشمیر کی مولی بہت موٹی، بہت لمبی کہ ایک آدمی ایک مولی اٹھا سکتا ہے۔ رب تعالٰی کی قدرت ہمارے خیال سے وراء ہے ہم نے دوسرے حج کے موقعہ پر طائف کے انار دیکھے چھوٹے تربوز کے برابر۔ جن کے دانے چھوٹے آلو کے برابر

فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ إِذْ بَعَثَ اللهُ رِيحًا طَيِّبَةً فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ وَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ فَعَلَيْهِمْ تَقُومُ السَّاعَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ إِلَّا الرِّوَايَةَ وَهِيَ قَوْلُهُ تَطْرَحُهُمْ بِالنَّهْبَلِ إِلٰى قَوْلِهٖ سَبْعَ سِنِينَ رَوَاهَا التِّرْمِذِيُّ

جب کہ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ اللہ ایک خوش گوار ہوا بھیجے گا وہ انہیں ان کی بغلوں کے نیچے لگے گی تو ہر مسلمان ہر مومن کی روح قبض کرلے گی ۱؎ اور بدترین لوگ رہ جائیں گے جو زمین میں گدھوں کی جفتی کی طرح زنا کریں گے۔ان پر قیامت ہوگی ۲؎(مسلم)،سوا دوسری روایت کے اور وہ یہ قول ہے کہ انہیں نہبل میں پھینک دے گی۔سبع سنین تک ۳؎(ترمذی)

ایک انار کے شربت سے بوتل بھر جاتی تھی اور جدہ کے تربوز اس زمانہ میں اتنے بڑے دیکھے کہ سبحان اللہ لہذا یہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے۔کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔

۱؎ یہاں مسلم و مومن ہم معنی ہیں مسلم مومن کی تفسیر ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات کے بہت عرصہ بعد ہوگا۔جبکہ دنیا میں پھر کافر پھیل چکے ہوں گے۔حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں۔دنیا میں کوئی کافر نہ رہے گا سب مسلمان ہو چکے ہوں گے۔یا تو کبھی مسلم و مومن میں فرق کیا جاتا ہے۔کہ ظاہری اطاعت کرنے والا مسلم اور دل سے عقائد اسلامیہ کو ماننے والا مومن۔یہ ہوا ایک غیبی ہوا ہوگی۔جو ہر مسلمان کی جان نہایت آسانی سے نکال لے گی۔

۲؎ ہرج بمعنی قتل بھی آتا ہے۔اور بمعنی زنا بھی یہاں بمعنی زنا ہے۔ہرج کے لغوی معنی خلط ملط ہوتا ہے۔خواہ قتل کے لیے خواہ زنا کے لیے عورت و مرد کا اختلاط یہاں دوسرے معنی میں ہے۔بعض شارحین نے بمعنی قتل فرمایا ہے مگر پھر گدھوں سے تشبیہ درست نہیں ہوگی۔گدھا جفتی کے وقت رینکتا ہے۔جس سے دور تک خبر ہو جاتی ہے۔اس لیے یہاں گدھے سے تشبیہ دی نہ کہ دوسرے جانور سے اگرچہ چیل بھی اس وقت چیختی ہے مگر گدھے سے کم اس کی آواز ہوتی ہے۔لہذا گدھے سے تشبیہ نہایت ہی موزوں ہے۔

۳؎ یعنی اتنی عبارت ترمذی شریف میں ہے مسلم میں نہیں۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَیَتَوَجَّهُ قِبَلَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَیَلْقَاهُ الْمَسَالِحُ مَسَالِحُ الدَّجَّالِ فَیَقُوْلُوْنَ لَهٗ اَیْنَ تَعْمِدُ فَیَقُوْلُ اَعْمِدُ اِلٰی هٰذَا الَّذِیْ خَرَجَ قَالَ فَیَقُوْلُوْنَ لَهٗ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِرَبِّنَا فَیَقُوْلُ مَا بِرَبِّنَا خَفَاءٌ فَیَقُوْلُوْنَ اقْتُلُوْهُ فَیَقُوْلُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ اَلَیْسَ قَدْ نَهَاکُمْ رَبُّکُمْ اَنْ تَقْتُلُوْا اَحَدًا دُوْنَهٗ فَیَنْطَلِقُوْنَ بِهٖ اِلَی الدَّجَّالِ فَاِذَا رَاٰهُ الْمُؤْمِنُ قَالَ یَا اَیُّهَا النَّاسُ هٰذَا الدَّجَّالُ الَّذِیْ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

روایت ہے حضرت ابی سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال نکلے گا تو اس کی طرف مومنوں سے ایک صاحب متوجہ ہوں گے ۱؎ تو انہیں دجال کے سپاہی ملیں گے ۲؎ وہ ان سے کہیں گے کہ کہاں کا ارادہ کر رہے ہو کہیں گے کہ میں اس کی طرف کا ارادہ کر رہا ہوں جو نکلا ہے ۳؎ فرمایا وہ لوگ ان سے کہیں گے کیا تم ہمارے رب پر ایمان نہیں رکھتے۔ وہ کہیں گے ہمارے رب میں پوشیدگی نہیں ۴؎ تو یہ لوگ کہیں گے کہ اسے قتل کر دو تو ان کے بعض بعض سے کہیں گے کیا تم کو تمہارے رب نے اس کے بغیر قتل کرنے سے منع نہیں کیا ہے ۵؎ تو وہ انہیں دجال کے پاس لے جائیں گے مومن جب اسے دیکھے گا تو کہے گا اے لوگو یہ ہی وہ دجال ہے جس کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا ہے ۶؎ فرمایا

۱؎ یہ صاحب مدینہ سے نکلیں گے۔ غالبًا حضرت خضر علیہ السلام ہوں گے کیونکہ وہ اب تک زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے۔ آپ ہی پر دجال کا زور ختم ہوگا (مرقات) ۲؎ مسالح ہے جمع مسلح کی مسلح کے معنی ہیں ہتھیار رکھنے کی جگہ یعنی ملک کی سرحد پھر سرحد کے باشندے کو مسالح کہنے لگے کہ وہ لوگ ہر وقت ہتھیار بند رہتے ہیں۔ پھر محافظ سپاہیوں کو مسالح کہنے لگے کہ اکثر سپاہی ہتھیار بند ہوتے ہیں (لمعات۔ مرقات۔ اشعہ) معلوم ہوا کہ دجال اپنے سپاہی چھوڑیگا جو لوگوں کو اس مردود تک پہنچائیں گے۔

۳؎ آپ کا یہ فرمان نہایت حقارت کے انداز میں ہوگا خرج سے اشارۃً یہ فرمائیں گے کہ دجال راہ حق سے نکلا ہوا ہے ایمان سے ہٹا ہوا ہے۔ ۴؎ یعنی اے بیوقوفو رب تم کسی سے ڈھکا چھپا نہیں وہ تمام عیوب سے پاک ہے تمام صفات سے موصوف ہے دجال کھاتا پیتا ہے پیشاب پاخانہ کرتا ہے سوتا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ وہ کانا ہے جس میں یہ عیوب ہوں وہ رب کیسا تم اسے رب کیوں مانتے ہو۔

۵؎ خلاصہ یہ ہے کہ دجال کے سپاہیوں میں سے بعض کہیں گے کہ انہیں یہاں ہی قتل کر دو بعض کہیں گے کہ نہیں انہیں دجال کے پاس لے چلو۔

۶؎ یعنی یہ صاحب دجال کی صورت اس کی کانی آنکھ کالا منہ دیکھ کر پکاریں گے کہ یہ خدا نہیں بلکہ خدا کا مردود بندہ ہے۔

فَيَأْمُرُ الدَّجَّالُ بِهٖ فَيُشَبَّحُ فَيَقُوْلُ خُذُوْهُ وَشُجُّوْهُ فَيُوْسَعُ ظَهْرُهٗ وَبَطْنُهٗ ضَرْبًا قَالَ فَيَقُوْلُ اَوَمَا تُؤْمِنُ بِيْ قَالَ فَيَقُوْلُ اَنْتَ الْمَسِيْحُ الْكَذَّابُ قَالَ فَيُؤْمَرُ بِهٖ فَيُؤْشَرُ بِالْمِئْشَارِ مِنْ مَفْرِقِهٖ حَتّٰى يُفَرَّقَ بَيْنَ رِجْلَيْهِ قَالَ ثُمَّ يَمْشِي الدَّجَّالُ بَيْنَ الْقِطْعَتَيْنِ ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ قُمْ فَيَسْتَوِيْ قَائِمًا ثُمَّ يَقُوْلُ لَهٗ اَتُؤْمِنُ

تب دجال اس کے متعلق حکم دے گا تو انہیں لمبا ڈال دیا جاوے گا کہے گا اسے پکڑ لو اور زخمی کو دو[1] چنانچہ ان کی پیٹھ اور پیٹ مار کر چوڑے کر دینگے[2] فرمایا وہ کہے گا کیا مجھ پر ایمان نہیں لاتا فرمایا وہ کہیں گے کہ تو جھوٹا مسیح ہے[3] فرمایا بس اس کے متعلق حکم دیا جاوے گا تو آرے سے انکی مانگ سے چیز دیا جاویگا حتی کہ ان کے پاؤں چیز دیئے جائیں گے[4] فرمایا پھر دجال دو ٹکڑوں کے درمیان چلے گا پھر اس سے کہے گا کھڑا ہو وہ سیدھا کھڑا ہو جاوے گا[5] پھر اس سے کہے گا کیا مجھ پر ایمان

[1] پہلا شبح سے ہے معنی چوڑائی میں ڈال دینا یعنی مارنے کے لیے اس سے زمین الٹا لٹا دینا جسے پنجابی میں کہتے ہیں لما پا دینا دوسرا شجو شج بمعنی زخمی کرنے سے ہے یعنی پہلے انہیں زمین پر لمبا ڈالو پھر انہیں اتنا مارو کہ زخمی ہو جاویں ان دونوں کی اور کئی شرحیں ہیں جو اسی جگہ لمعات میں مذکور ہیں۔

[2] پیٹھ چوڑی کرنا ایک خاص محاورہ ہے یعنی مار مار کر ایسا حال کر دیں گے کہ اگر ان کی پیٹھ لوہے یا سونے چاندی کی ہوتی تو کٹ کٹ کر چوڑی ہو جاتی مقصد یہ ہے کہ بہت ہی ماریں گے مگر وہ اف نہ کریں گے ہر کام اور ہر شخص کا ایک وقت ہوتا ہے حضرت خضر علیہ السلام دجال پر اپنی کرامت یا معجزہ نہ جاری کریں گے کہ ابھی اس کا وقت نہیں ورنہ یہ خضر وہ ہیں جنہوں نے ایک اشارہ سے گرتی دیوار سیدھی کر دی تھی اور ایک انگلی سے بچہ کا سر اکھیڑ کر اسے مار دیا تھا جیسا کہ قرآن میں ہے۔

[3] یعنی تو جھوٹا مسیح ہے جسے سچے مسیح علیہ السلام قتل کریں گے یہ فیصلہ الٰہی ہے ورنہ میں ہی تجھے ہلاک کر دیتا (مرقات)

[4] اللہ اکبر یہ ہے اللہ کی راہ میں مصیبت جھیلنا کہ لکڑی چیرنے کی طرح آرہ سے چر گئے اُف نہ کی لوگ یہ تماشا دیکھ رہے ہوں گے۔

[5] اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقابلہ کے وقت کرامت و معجزہ سارے جادو اور استدراج پر غالب رہتا ہے مگر جب مقابلہ نہ ہو تو جادو۔ استدراج وغیرہ ولی نبی پر اثر کر دیتے ہیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں سارے جادوگر فیل ہو گئے کہ وہاں مقابلہ تھا مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر جادو نے اثر کر دیا کہ وہاں مقابلہ نہ تھا بعض انبیاء کرام کو

بِیْ فَیَقُوْلُ مَا ازْدَدْتُ فِیْكَ اِلَّا بَصِیْرَۃً قَالَ ثُمَّ یَقُوْلُ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّهٗ لَا یَفْعَلُ بَعْدِیْ بِاَحَدٍ مِّنَ النَّاسِ قَالَ فَیَاْخُذُهُ الدَّجَّالُ لِیَذْبَحَهٗ فَیُجْعَلُ مَا بَیْنَ رَقَبَتِهٖ اِلٰی تَرْقُوَتِهٖ نُحَاسًا فَلَا یَسْتَطِیْعُ اِلَیْهِ سَبِیْلًا قَالَ فَیَاْخُذُ بِیَدَیْهِ وَرِجْلَیْهِ فَیَقْذِفُ بِهٖ فَیَحْسَبُ النَّاسُ اَنَّمَا قَذَفَهٗ اِلَی النَّارِ وَاِنَّمَا اُلْقِیَ فِی الْجَنَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَعْظَمُ النَّاسِ شَهَادَةً

لاتا ہے تو وہ کہے گا تیرے بارے میں میری بصیرت ہی زیادہ ہوئی [۱] فرمایا پھر کہینگے اے لوگو یہ میرے بعد اب کسی آدمی سے یہ نہ کرسکے گا [۲] فرمایا پھر اسے دجال ذبح کرنے کے لئے پکڑے گا تو اس کی گردن سے گلے تک کے درمیان تانبہ کردیا جاوے گا [۳] پھر وہ اس تک راہ پانے کی طاقت نہ رکھے گا فرمایا کہ پھر دجال ان کے ہاتھوں پاؤں کو پکڑے گا اور پھینک دیگا لوگ سمجھیں گے کہ اسے آگ کی طرف پھینکا مگر وہ جنت میں ڈالا جاوے گا [۴] پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص رب العالمین کے نزدیک تمام لوگوں

تلوار سے شہید یا زخمی کیا گیا۔ یہاں دوسری صورت ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر زندگی باقی ہو جب بھی عارضی موت آسکتی ہے حضرت خضر کی زندگی قریب قیامت تک ہے مگر آج وہ دجال کے ہاتھوں عارضی طور پر شہید کردیے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام جن مردوں کو زندہ کرتے تھے وہ اپنی زندگی ختم کرکے مرے ہوتے تھے۔ مگر اب دعا سے دوبارہ عمر پاتے تھے۔

[۱] یعنی تیرا یہ کرشمہ دیکھ کر مجھے تیرے دجال ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا اور زیادہ یقین ہوگیا پہلے علم الیقین تھا اب عین الیقین ہوگیا۔

[۲] یعنی اس کی شعبدہ بازیاں ختم ہوئیں اب یہ کسی کو مار کر زندہ نہ کرسکے گا۔ مجھ پر اس کا زور ختم ہوا اور رب پر اس کا شور ختم ہوجائے گا یہ مر کر گمنام ہوجائے گا۔

[۳] یعنی ذبح کے وقت جہاں چھری چلائی جاتی ہے وہاں یا تو بعینہٖ تانبہ کی تختی ہوجائے گی یا یہ جگہ تانبہ کی طرح سخت کردی جائے گی جس پر چھری نہ چل سکے گی۔ اور دجال یا اس کے سپاہی ان بزرگ کو ذبح نہیں کرسکیں گے۔

[۴] اس جنت و آگ کی تحقیق ابھی کچھ پہلے کی جاچکی ہے یعنی دجال اپنی شرمندگی مٹانے کے لیے ان بزرگ کو اپنی خودساختہ آگ میں ڈالیگا دیکھنے میں آگ ہوگی۔ مگر نار نمرود کی طرح درحقیقت نہایت آرام دہ باغ ہوگا

عِنْدَ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اُمِّ شَرِيْكٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَفِرَّنَّ النَّاسُ مِنَ الدَّجَّالِ حَتّٰى يَلْحَقُوْا بِالْجِبَالِ قَالَتْ اُمُّ شَرِيْكٍ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ الْعَرَبُ يَوْمَئِذٍ قَالَ هُمْ قَلِيْلٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَنَسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

میں بڑی شہادت والا ہوگا [1] (مسلم) روایت ہے حضرت ام شریک سے [2] فرماتی ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ دجال سے بھاگیں گے حتّٰی کہ پہاڑوں میں جا پہونچیں گے [3] ام شریک فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ تو اس دن عرب کہاں ہوں گے فرمایا وہ تھوڑے ہونگے [4] (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

[1] یعنی یہ صاحب اس زمانہ کے تمام شہید مسلمانوں میں اول درجہ کے شہید ہوں گے کیونکہ ایک بار تو آرہ سے چیرے گئے۔ پھر دوبارہ قتل وذبح کے لیے لٹائے گئے پھر ظاہری آگ میں پھینکے گئے ان سب کے سوا ایسے موقعہ پر نہایت جرأت وہمت سے مردانہ وار دجال کے مقابل ہوکر سینکڑوں کے ایمان کو بچا گئے اور ظاہر ہے کہ جیسے کارنامے جیسی تکالیف ویسا درجہ اس الناس میں حضرات شہداء احد۔ بدروحنین یا شہداء کربلا داخل نہیں کہ ان کے درجہ تک کوئی مسلمان تاقیامت نہیں پہنچ سکتا۔ لہذا حدیث واضح ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ سیدالشہداء تو حضرت حمزہ یا شہداء کربلا امام حسین ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ درجہ ان کی نبوت کی وجہ سے سب سے بڑھ جاوے کہ نبی کا عمل غیر نبی کے عمل سے زیادہ درجہ رکھتا ہے۔

[2] ام شریک دو ہیں ایک ام شریک انصاریہ صحابیہ دوسری ام شریک قرشیہ عامریہ یہاں ام شریک قرشیہ مراد ہیں اور جن ام شریک کے پاس فاطمہ بنت قیس کو عدت گزارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ وہ ام شریک انصاریہ تھیں (اشعہ)

[3] یعنی احتیاط والے مسلمان اپنا دین بچانے کے لیے بستیوں بلکہ جنگلوں میں نہ ٹھہریں گے کیونکہ اس زمانہ میں کوئی جگہ اس کے شر سے محفوظ نہ ہوگی۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی تعریف فرماتے ہوئے یہ فرمارہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ فتنہ کے زمانہ میں بستیاں چھوڑ کر گوشہ نشین ہوجانا چاہیے کہ اس میں دین کی بڑی حفاظت ہے۔

[4] جناب ام شریک نے پوچھا کہ عرب تو بڑے بہادر ہیں۔ یہ لوگ دجال پر جہاد کیوں نہ کریں گے فرمایا کہ اس وقت عرب اتنے تھوڑے ہوں گے کہ جہاد کرنے پر قادر نہ ہوں گے معلوم ہوا کہ جہاد کے لیے قدرت شرط ہے۔

۱ یَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ یَهُوْدِ اَصْفَهَانَ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَیْهِمُ الطَّیَالِسَةُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ
وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِی الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْهِ اَنْ یَّدْخُلَ نِقَابَ الْمَدِیْنَةِ فَیَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ الَّتِیْ تَلِی الْمَدِیْنَةَ فَیَخْرُجُ اِلَیْهِ رَجُلٌ وَهُوَ خَیْرُ النَّاسِ اَوْ مِنْ خِیَارِ النَّاسِ فَیَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّكَ الدَّجَّالُ

سے راوی فرمایا کہ اصفہان کے یہود میں سے ستر ہزار آدمی دجال کی پیروی کرلیں گے ۱؎ جن پر طبلسان لباس ہوگا ۲؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال آوے گا حالانکہ اس کو مدینہ کے راستوں میں داخلہ ناممکن ہوگا ۳؎ تو بعض کھاری زمینوں میں جو مدینہ سے متصل ہیں وہاں اترے گا ۴؎ تو اسکی طرف ایک شخص نکلے گا جو لوگوں میں بہترین یا لوگوں میں سے بہترین ہوگا ۵؎ وہ کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کو تو وہ ہی دجال ہے

۱؎ معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں یہود شہر اصفہان میں کثرت سے ہوں گے اصفہان ایران کا مشہور شہر ہے میں نے وہاں کی سیر کی ہے یہاں ہی دجال کا زور زیادہ ہوگا اور دجال کے پہلے مددگار و معاون یہود ہوں گے بعض نے کہا کہ دجال خود یہود میں سے ہوگا۔

۲؎ طیالسہ جمع ہے طیلسان کی جو معرب ہے تالسان کا تالسان وہ خاص رومال ہے جس سے سر اور کندھا ڈھکا جاتا ہے یا کوئی اور خاص لباس طیلسان پہننے سے ممانعت بھی آئی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا پہننا بھی ثابت ہے جب تک یہ یہود کا نشان خاص رہا ممنوع رہا جب اس کا رواج عام ہوگیا تب حضور نے پہنا تمام لباسوں کا یہ ہی حال کہ جو کفار کی علامت ہوں ان سے بچے اور جب علامت نہ رہیں مشترک بن جاویں تو جائز ہیں (مرقات)

۳؎ انقاب جمع ہے نقب کی معنی پہاڑی راستہ جو پہاڑ میں جائے اب ہر راستہ کو نقب کہتے ہیں یہاں اسی معنی میں ہے یعنی باہر سے جتنے راستے مدینہ منورہ میں آتے ہیں ان سب پر کنارہ مدینہ منورہ پر فرشتے ہوں گے جو دجال کو مدینہ مطہرہ میں داخل ہونے سے روکیں گے وہ ہی یہاں مراد ہے وہ مردود مدینہ منورہ کے باہر جو زمین شورہ ہے وہاں قیام کرے گا۔

۴؎ عام شارحین نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام ہوں گے جو دجال کا مقابلہ کرنے نکلیں گے وہ زندہ ہیں اور تاقیامت زندہ رہیں گے اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ہوں گے آپ دجال کے ہاتھوں دکھ اٹھائیں گے مگر اسے بے نقاب فرمادیں گے اس کی جھوٹی الوہیت کی مٹی انہی کے ہاتھوں پلید ہوگی اس وقت آپ اسلام کے مبلغ اعظم ہوں گے اور سب کو نظر آئیں گے سب انہیں پہچانیں گے ان سے گفتگو کریں گے۔

الَّذِیْ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدِیْثَہٗ فَیَقُوْلُ الدَّجَّالُ اَرَاَیْتُمْ اِنْ قَتَلْتُ ھٰذَا ثُمَّ اَحْیَیْتُہٗ ھَلْ تَشُکُّوْنَ فِی الْاَمْرِ فَیَقُوْلُوْنَ لَا فَیَقْتُلُہٗ ثُمَّ یُحْیِیْہِ فَیَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَا کُنْتُ فِیْكَ اَشَدَّ بَصِیْرَۃً مِّنِّی الْیَوْمَ فَیُرِیْدُ الدَّجَّالُ اَنْ یَّقْتُلَہٗ فَلَا یُسَلَّطُ عَلَیْہِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ **وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ** عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَاْتِی الْمَسِیْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَھِمَّتُہُ الْمَدِیْنَۃُ حَتّٰی یَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ ثُمَّ

جس کی خبر ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دی تھی تو دجال کہے گا کہ بتاؤ تو اگر میں اسے قتل کردوں پھر زندہ کردوں تو کیا تم اس میں کچھ شک کروگے[1] وہ لوگ کہیں گے کہ نہیں تو وہ اس شخص کو قتل کرے گا پھر زندہ کریگا تب وہ کہے گا واللہ کہ اب سے پہلے تیرے متعلق زیادہ سمجھ بوجھ والا نہ تھا[2] پھر دجال اسے قتل کرنا چاہیگا تو اس پر قابو نہ دیا جاوے گا[3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ مسیح دجال مشرق کی طرف سے آوے گا اس کا ارادہ مدینہ منورہ کا ہوگا[4] حتی کہ احد کے پیچھے اترے گا پھر

[1] دجال اپنے ماننے والوں سے یہ خطاب کرے گا خود ان بزرگ سے یہ خطاب نہ کرے گا کہ وہ جانتا ہے کہ یہ بزرگ تو مجھے مانیں گے نہیں اسے خطرہ تھا کہ شاید ان بزرگ کی تقریر سے میرے ماننے والوں کے دلوں میں میری طرف سے کچھ شک ہوگیا اس لیے ان سے یہ کہے گا۔ اس زبان حال کے اور کئی مطلب کیے گئے ہیں مگر یہ مطلب قوی ہے کہ اس میں خطاب اس کے معتقد یہودیوں سے ہے، نہ کہ مومنین سے

[2] یعنی دجال کا فر ہونے کا جتنا یقین مجھے اب ہوگیا اتنا پہلے نہ تھا کہ پہلے مجھے تیرے متعلق علین الیقین تھا دیکھ کر اب حق الیقین ہوگیا آخر ماکہ۔ [3] یعنی اب جوان بزرگ کو ذبح کرنے جانے گا تو نہ کرسکے گا کیونکہ ان کی گردن میں تانبہ یا پیتل ہوجائے گا جو چھری سے کٹ نہ سکے گا اور آج اس وقت سے اس کی یہ شعبدہ بازیاں ختم ہوجائیں گی اس کا زوال شروع ہوجائے گا۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے ہاتھوں اس کی لاش گلیوں میں پھرے گی جسے کتے کھاتے ہوں گے اللہ سچا اس کے نبی سچے (مرقات)

[4] پہلے گزر چکا کہ دجال خراسان سے نکلے گا اور خراسان مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہے وہ مدینہ منورہ کے ارادے سے اتنا دراز سفر طے کرے گا مگر یہاں داخل نہ ہوسکے گا کہ یہاں سید الابرار آرام فرما ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

تَصْرِفُ الْمَلٰئِكَةُ وَجْهَهٗ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ بَكْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ رُعْبُ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ لَهَا يَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰى كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ سَمِعْتُ مُنَادِيَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فرشتے اس کا منہ شام کی طرف پھیر دیں گے اور وہاں ہی ہلاک ہوگا[۱] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا مدینہ منورہ میں مسیح دجال کا رعب نہ داخل ہوگا[۲] اس دن اس کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے ہوں گے[۳] (بخاری) روایت ہے جناب فاطمہ بنت قیس سے[۴] فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلانچی کو سنا

[۱] پہلے گذر چکا کہ دجال باب لد میں مارا جائے گا اور باب لد دمشق کے قریب ایک بستی ہوگی اور دمشق ملک شام میں ہے اسے وہاں موت لے جائے گی۔

[۲] یعنی ساری دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں وہ خود داخل ہوگا اور چھوٹی بستیوں میں اس کے مبلغ اس کی دہشتناک خبریں پہنچائیں گے جس سے لوگ ڈر کر یا لالچ سے اسے رب مان لیں گے مگر مدینہ منورہ وہ محفوظ و مامون شہر ہوگا۔ جہاں نہ دجال آئے نہ اس کا رعب یہاں کے لوگ بالکل محفوظ اور مطمئن ہوں گے یہ ہی امن و امان مکہ معظمہ میں ہوگا۔ زمین مدینہ میں نہ طاعون داخل ہو نہ اور کوئی وبائی بیماری نہ دجال وغیرہ۔

[۳] دروازوں سے مراد یا تو راستے ہیں یا خود یہ ہی معروف دروازے یعنی اس دن مدینہ منورہ میں اردگرد چہار دیواری ہوگی اور دیوار میں سات دروازے ہوں گے اب بھی مدینہ منورہ کے اردگرد کہیں یہ چہار دیواروں دیکھی جاتی ہے۔ غالبًا اس زمانہ میں یہ چہار دیواری مکمل ہوگی جس میں یہ دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے ان فرشتوں میں جبریل امین بھی ہوں گے وہ جو مشہور ہے کہ حضور کی وفات کے بعد حضرت جبریل زمین پر نہ آئیں گے بالکل غلط ہے۔ طبرانی میں ہے کہ جو مومن وضو پر مرے اس کے نزع کے وقت اس کے پاس جبریل امین آتے ہیں۔ (مرقات)

[۴] آپ قرشیہ فہریہ ہیں یعنی فہر ابن مالک ابن نضر کی اولاد سے ہیں ضحاک ابن قیس کی بہن ہیں مہاجرین اولین میں سے ہیں صاحب جمال وعقل تھیں پہلے عمرو ابن مغیرہ کے نکاح میں تھیں ان کے طلاق کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ ابن زید سے نکاح کر دیا۔

يُنَادِي الصَّلٰوةُ جَامِعَةٌ فَخَرَجْتُ اِلَى الْمَسْجِدِ فَصَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ جَلَسَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَضْحَكُ فَقَالَ لِيَلْزَمْ كُلُّ اِنْسَانٍ مُصَلَّاهُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ لِمَ جَمَعْتُكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنِّيْ وَاللّٰهِ مَا جَمَعْتُكُمْ لِرَغْبَةٍ وَّلَا لِرَهْبَةٍ وَّلٰكِنْ جَمَعْتُكُمْ لِاَنَّ تَمِيْمَا الدَّارِيَّ كَانَ رَجُلًا نَصْرَانِيًّا فَجَآءَ وَاَسْلَمَ وَحَدَّثَنِيْ

جو اعلان کر رہا تھا کہ نماز تیار ہے تو میں مسجد کی طرف گئی میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی ۱؎ تو جب حضور نے نماز پوری کر لی تو منبر پہ جلوہ افروز ہوئے حالانکہ حضور ہنس رہے تھے ۲؎ فرمایا ہر شخص اپنے نماز کی جگہ رہے ۳؎ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے تم کو کیوں جمع فرمایا ہے سب نے عرض کی اللہ رسول ہی جانیں فرمایا واللہ ہم نے تم کو بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے جمع نہیں فرمایا ۴؎ لیکن اس لیے جمع فرمایا ہے کہ تمیم داری ایک عیسائی آدمی تھا وہ آیا اور مسلمان ہو گیا ۵؎ اور اس نے ہم کو ایسی خبر دی

۱؎ جب کبھی کوئی اہم مشورہ یا ضروری کام ہوتا تو نماز کے بعد مسجد میں کیا جاتا تھا اس موقعہ پر اعلان ہوتا تھا کہ سب لوگ فلاں نماز مسجد نبوی میں ادا کریں۔ لوگ اہتمام سے آجاتے تھے یہ ہی مراد یہاں ہے لہذا حدیث ظاہر ہے۔

۲؎ یہاں ہنسنا بمعنی تبسم فرمانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری عمر شریف میں کبھی ٹھٹھا مار کر نہ ہنسے ہاں تبسم بہت فرماتے تھے۔ شعر

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

۳؎ یعنی کوئی صاحب نہ ہٹے نہ اٹھے ہمارا کلام وہاں ہی بیٹھے سنے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے۔

۴؎ یعنی نہ تو کوئی رحمت کی آیت نازل ہوئی ہے نہ عذاب کی آیت جسے سنانے کے لیے میں نے تم لوگوں کو جمع کیا ہو نہ مال غنیمت کہیں سے آیا ہے جو تم میں تقسیم کرنا ہے نہ دشمن کے مقابلہ کے لیے تم کو کہیں بھیجنا ہے آج تو ایک نئی بات ہی سنانا ہے۔

۵؎ حضرت تمیم ابن اوس مشہور صحابی ہیں قبیلہ بنی عبدالدار سے ہیں دار ایک بت کا نام تھا اس نسبت سے ان کے مورث اعلیٰ کا نام عبدالدار تھا بڑے عابد و زاہد شب زندہ دار تھے اولًا مدینہ منورہ میں رہے حضرت عثمان کی شہادت کے بعد شام میں قیام پذیر ہوئے وہاں ہی آپ کا مزار ہے مسجد نبوی شریف میں سب سے پہلے چراغ جلانیوالے بلکہ چراغاں کرنے والے آپ ہی ہیں اولًا آپ عیسائی تھے پھر یہ واقعہ دیکھ کر

حَدِيثًا وَافَقَ الَّذِي كُنْتُ أُحَدِّثُكُمْ بِهِ عَنِ الْمَسِيحِ الدَّجَّالِ حَدَّثَنِي أَنَّهُ رَكِبَ فِي سَفِينَةٍ بَحْرِيَّةٍ مَعَ ثَلَاثِينَ رَجُلًا مِنْ لَخْمٍ وَجُذَامٍ فَلَعِبَ بِهِمُ الْمَوْجُ شَهْرًا فِي الْبَحْرِ فَأَرْفَؤُا إِلَى جَزِيرَةٍ حِينَ تَغْرُبُ الشَّمْسُ فَجَلَسُوا فِي أَقْرُبِ السَّفِينَةِ فَدَخَلُوا الْجَزِيرَةَ فَلَقِيَتْهُمْ دَابَّةٌ أَهْلَبُ كَثِيرُ الشَّعْرِ لَا يَدْرُونَ مَا قُبُلُهُ مِنْ دُبُرِهِ

جو اس کے موافق ہے جو ہم تم کو مسیح دجال کے متعلق بتایا کرتے تھے[۱] اس نے ہم کو خبر دی کہ وہ قبیلہ لخم اور جذام کے تیس آدمیوں کے سامنے دریائی جہاز میں سوار ہوئے[۲] تو انہیں ایک ماہ تک موج سمندر میں کھلاتی رہی[۳] پھر وہ مغرب کی طرف جزیرہ کے قریب پہونچے پھر وہ چھوٹی کشتی میں بیٹھے جزیرہ میں داخل ہوئے[۴] تو انہیں ایک بہت زیادہ اور موٹے بالوں والا جانور ملا[۵] کہ بالوں کی زیادتی کی وجہ سے

جو یہاں مذکور ہے حضور کے ہاتھ پر ایمان لائے (اکمال) آپ ۹ھ میں ایمان لائے بڑے پایہ کے صحابی ہیں رضی اللہ عنہ۔

[۱] یعنی ہماری خبر کی آنکھوں دیکھی تصدیق سن لو غالباً حضرت تمیم داری اس مجمع میں موجود تھے۔ حضور نے ان کی موجودگی میں یہ سب کچھ سنایا۔

[۲] سفینہ بریہ یعنی ریت کا جہاز اونٹ کو کہتے ہیں اور سفینہ بحریہ یعنی سمندری جہاز بڑی کشتی کو نیز چھوٹی کشتی کو جو نہروں وغیرہ میں چلے زورق کہتے ہیں بڑی کشتی کو سفینہ بحریہ لخم یمن کا ایک قبیلہ ہے اور جذام ج کے پیش سے نجد کا ایک قبیلہ ہے (اشعہ، مرقات)

[۳] بے فائدہ کام کو لعب کہتے ہیں چونکہ دریا میں اتنے روز تک مارے مارے پھرنا بے فائدہ تھا۔ اس لیے اسے لعب فرمایا۔

[۴] معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بڑی کشتیوں کے اندر اس کے ساتھ چھوٹی کشتیاں رہتی تھیں۔ بڑی کشتی گہرے پانی میں رہتی تھی اور چھوٹی کشتی سے کنارہ تک آتے تھے اقرب جمع قارب کی بمعنی چھوٹی کشتی یہ جمع شاذ ہے فاعل کی جمع افعل کے وزن پر نہیں آتی الا شاذًا خلاصہ یہ ہے کہ جب ان لوگوں نے ایک ماہ کے بعد زمین دیکھی تو غنیمت سمجھ کر وہاں اترے اور چھوٹی کشتی کے ذریعہ کنارہ پر پہنچے۔

[۵] اھلب بنا ہے ھلب سے بمعنی موٹے بال یا دم پر زیادہ بال یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی اس جانور کے بال بہت تھے اور موٹے تھے دابہ نر اور مادہ دونوں جانوروں کو کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔

وما من دابة فى الارض الا على الله رزقها۔

مِنْ كَثْرَةِ الشَّعْرِ قَالُوْا وَيْلَكِ مَا اَنْتِ قَالَتْ اَنَا الْجَسَّاسَةُ اِنْطَلِقُوْا اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ فِي الدَّيْرِ فَاِنَّهٗ اِلٰى خَبَرِكُمْ بِالْاَشْوَاقِ قَالَ لَمَّا سَمَّتْ لَنَا رَجُلًا فَرِقْنَا مِنْهَا اَنْ تَكُوْنَ شَيْطَانَةً قَالَ فَانْطَلَقْنَا سِرَاعًا حَتّٰى دَخَلْنَا الدَّيْرَ فَاِذَا فِيْهِ اَعْظَمُ اِنْسَانٍ مَا رَاَيْنَاهُ قَطُّ خَلْقًا وَاَشَدُّهٗ وِثَاقًا مَجْمُوْعَةً يَدُهٗ اِلٰى عُنُقِهٖ مَا بَيْنَ رُكْبَتَيْهِ اِلٰى كَعْبَيْهِ بِالْحَدِيْدِ قُلْنَا وَيْلَكَ مَا اَنْتَ قَالَ قَدْ قَدَرْتُمْ عَلٰى خَبَرِيْ فَاَخْبِرُوْنِيْ

یہ نہیں جانتے تھے کہ اس کا اگلا اور پچھلا حصہ کون سا ہے [1] ان لوگوں نے کہا تیری خرابی ہو تو کون ہے وہ بولی میں جاسوس ہوں [2] تم لوگ کلیسہ میں اس شخص کے پاس جاؤ کہ وہ تمہاری خبر کا مشتاق ہے کہا کہ جب اس نے ہم سے ایک آدمی کا نام لیا تو ہم اس سے بولے کہ وہ جناتنی ہے [3] کہا کہ پھر ہم تیز چلے حتی کہ کلیسہ میں داخل ہوگئے [4] تو وہاں ایک بہت بھاری بھرکم آدمی تھا ہم نے اتنا بڑا اور ایسا مضبوط بندھا ہوا آدمی نہ دیکھا تھا اس کے ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے تھے [5] اس کے گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہے سے جکڑا ہوا تھا ہم نے کہا تیری خرابی ہو تو ہے کون وہ بولا میری خبر پر تم نے قابو پالیا تم بتاؤ

[1] یعنی اس کے سر سے دم تک بال ہی بال تھے پتہ نہ لگتا تھا کہ سر کدھر ہے اور دم کدھر ہے گویا عجیب الخلقت مخلوق تھی۔

[2] یعنی میرا کام ہے لوگوں کی خبریں دجال تک پہنچانا جو اس کلیسہ میں بندھا ہوا ہے سیدنا عبداللہ ابن عمر و ابن عاص فرماتے ہیں کہ یہ جانور وہ ہی دابۃ الارض تھا جو قریب قیامت نمودار ہوگا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے واخرجنا لھم دابۃً۔

[3] یعنی ہم کو یہ خوف ہوا کہ شاید یہ جناتنی ہو اور ہم کو جس کے پاس بھیج رہی ہے وہ جن ہو ہم جنات میں پھنس نہ جائیں۔

[4] دیر بنا ہے دار سے اور دار بنا ہے دور سے بمعنی گول عمارت چونکہ گرجا اکثر گول ہوتا ہے اس لیے اسے دیر کہتے ہیں غالبًا اس وقت دجال یہودیوں میں سے ہے جو ایک گرجے میں بندھا ہوا ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔

[5] یعنی اس سے پہلے ہم نے نہ تو اتنا قد آور آدمی دیکھا نہ ایسی مضبوط زنجیر دیکھی جس میں وہ بندھا تھا وہ بھی ہیبت ناک اس کی قید بھی ہیبت ناک۔

ما انتم قالوا نحن اناس من العرب ركبنا في سفينة بحرية فلعب بنا البحر
شهرا فدخلنا الجزيرة فلقينا دابة اهلب فقالت انا الجساسة اعمدوا الى
هذا في الدير فاقبلنا اليك سراعا فقال اخبروني عن نخل بيسان هل تثمر
قلنا نعم قال اما انها توشك ان لا تثمر قال اخبروني عن بحيرة طبرية
هل فيها ماء قلنا هي كثيرة الماء قال ان

تم کون لوگ ہو[1] انہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں ہم دریائی جہاز میں سوار ہوئے تو
ہم کو دریا ایک ماہ تک کھلاتا رہا[2] پھر ہم اس جزیرہ میں داخل ہوئے تو ہم کو بڑے بالوں والا
جانور ملا وہ بولا میں جاسوس ہوں اس کلیسہ کی طرف جاؤ تو ہم دوڑتے ہوئے تیری طرف
آ گئے۔ وہ بولا کہ مجھے بیسان کے باغ کی خبر دو کیا وہ پھل دے رہا ہے[3] ہم
نے کہا ہاں وہ بولا قریب ہے کہ پھل نہ دے گا[4] بولا مجھے بحیرہ طبریہ کے متعلق
بتاؤ کیا اس میں پانی ہے[5] ہم نے کہا کہ وہ تو بہت پانی والا ہے۔ بولا قریب

[1] یعنی تم میرے پاس آ گئے ہو تم میری خبریں سن ہی لوگے اور میں تم کو سب کچھ اپنے متعلق بتا ہی دوں گا پہلے تم بتاؤ کہ تم لوگ کون ہو خیال رہے کہ یہ دجال ان لوگوں کے حالات پوچھنا چاہتا تھا نہ کہ ان کی حقیقت کیوں کہ اسے خبر تھی کہ یہ لوگ انسان ہیں۔ اس لیے اس نے ما کہا من نہ کہا (اشعہ، مرقات)

[2] یعنی ہم اہل عرب ہیں تجارت وغیرہ کی غرض سے دریائی سفر کر رہے تھے کہ سمندر کی موجوں میں ہم پھنس گئے۔

[3] خیال رہے کہ بیسان دو بستیوں کے نام ہیں ایک حجاز میں ہے دوسری فلسطین نہر اردن کے قریب یہاں وہ اس دوسرے بیسان کے متعلق پوچھ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے آزاد تھا اور اس نے یہ تمام مقامات دیکھے تھے پھر یہاں قید کیا گیا۔ (مرقات و اشعہ)

[4] یعنی ابھی قیامت قریب نہیں دور ہے کیوں کہ علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ ہے کہ یہ باغ خشک ہو جائے گا اس کے پھل ختم ہو جائیں گے۔

[5] بحیرہ طبریہ ایک نہر ہے اور طبریہ ایک قصبہ کا نام ہے جو نہر اردن کے قریب واقع ہے امام طبرانی اسی قصبہ کے رہنے والے ہیں طبرانی اسی طبریہ کی طرف نسبت ہے۔

مَاءَهَا يُوشِكُ اَنْ يَذْهَبَ قَالَ اَخْبِرُوْنِي عَنْ عَيْنِ زُغَرَ هَلْ فِي الْعَيْنِ مَاءٌ وَهَلْ يَزْرَعُ اَهْلُهَا بِمَاءِ الْعَيْنِ قُلْنَا نَعَمْ هِيَ كَثِيْرَةُ الْمَاءِ وَاَهْلُهَا يَزْرَعُوْنَ مِنْ مَاءِهَا قَالَ اَخْبِرُوْنِي عَنْ نَبِيِّ الْاُمِّيِّيْنَ مَا فَعَلَ قُلْنَا قَدْ خَرَجَ مِنْ مَكَّةَ وَنَزَلَ يَثْرِبَ قَالَ اَقَاتَلَهُ الْعَرَبُ قُلْنَا نَعَمْ قَالَ كَيْفَ صَنَعَ بِهِمْ فَاَخْبَرْنَاهُ اَنَّهُ قَدْ ظَهَرَ عَلٰى مَنْ يَلِيْهِ مِنَ الْعَرَبِ وَاَطَاعُوْهُ قَالَ اَمَا اِنَّ

ہے کہ اس کا پانی خشک ہو جاوے [۱] بولا مجھے چشمہ زغر کے متعلق بتاؤ کیا اس چشمہ میں پانی ہے اور کیا وہاں کے باشندے کھیتی باڑی کر رہے ہیں [۲] ہم نے کہا ہاں اس میں بہت پانی ہے اور وہاں کے باشندے اس کے پانی سے کھیتی باڑی کر رہے ہیں [۳] وہ بولا مجھے ناخواندہ لوگوں کے نبی کے متعلق خبر دو کہ انہوں نے کیا کیا [۴] ہم نے کہا وہ مکہ سے تشریف لے گئے اور مدینہ قیام پذیر ہوئے بولا کیا عرب نے ان سے جنگ کی ہم نے کہا ہاں بولا انکے ساتھ نبی نے کیا کیا ہم نے اسے بتایا کہ وہ متصل عرب پر غالب آگئے ہیں اور عرب نے ان کی اطاعت کرلی ہے [۵] بولا عرب

[۱] یعنی علامات قیامت میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ یہ بحیرہ طبریہ خشک ہو جائے گا۔ ابھی قیامت دور ہے۔

[۲] زغر بروزن زفر ایک شہر ہے شام کے علاقہ میں زغر ایک عورت کا نام تھا جس نے یہ شہر آباد کیا تھا اس کے نام پر اس شہر کا نام زغر ہوا یہاں ایک مشہور چشمہ ہے اس کا نام عین زغر ہے۔ وہ اس کے متعلق پوچھ رہا ہے۔

[۳] یہاں دجال نے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا مگر مطلب وہ ہی ہے۔ کہ عنقریب یہ چشمہ بھی خشک ہوجائیگا۔ (مرقات) اور قریب قیامت اس کے پانی سے کھیتی باڑی بھی نہیں ہوسکے گی۔ جب پانی ہی نہ ہوگا تو اس کے پانی سے کھیتی کے کیا معنی۔

[۴] بعض یہود کا عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی تو ہیں مگر ہمارے نبی نہیں کہ ہم تو اہل علم ہیں آپ عرب ناخواندہ لوگوں کے نبی ہیں اس لحاظ سے وہ حضور کو نبی الامیین کہہ رہا ہے (اشعہ، مرقات) معلوم ہوا کہ دجال یہود قوم سے ہے۔

[۵] یعنے جہادوں میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم غالب آچکے ہیں اور مدینہ منورہ کے آس پاس کے علاقے انہوں نے فتح کر لیے ہیں اور ان علاقوں کے لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہو چکے جو واقعات تھے وہ صحیح صحیح بیان کر دئے۔

ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّهُمْ اَنْ يَّطِيْعُوْهُ وَاِنِّىْ مُخْبِرُكُمْ عَنِّىْ اَنَا الْمَسِيْحُ الدَّجَّالُ وَاِنِّىْ يُوْشِكُ اَنْ يُّؤْذَنَ لِىْ فِى الْخُرُوْجِ فَاَخْرُجُ فَاَسِيْرُ فِى الْاَرْضِ فَلَا اَدَعُ قَرْيَةً اِلَّا هَبَطْتُهَا فِىْ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً غَيْرَ مَكَّةَ وَطَيْبَةَ هُمَا مُحَرَّمَتَانِ عَلَىَّ كِلْتَاهُمَا كُلَّمَا اَرَدْتُّ اَنْ اَدْخُلَ وَاحِدًا

کے لئے ان کی اطاعت کرنا بہتر ہے [1] اور میں تمہیں اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں [2] قریب ہے کہ مجھے نکلنے کی اجازت دی جاوے تو میں نکلوں تو ساری زمین میں چلوں کوئی بستی نہ چھوڑوں مگر وہاں چالیس دن میں اتروں سوا مکہ اور مدینہ کے [3] کہ وہ دونوں بستیاں مجھ پر حرام ہیں جب کبھی میں ان میں سے کسی میں داخل ہوتا جاؤں گا

[1] سبحان اللہ دشمن اور بے دین کے منہ سے حضور کی حقانیت کی گواہی نکل رہی ہے چونکہ ابھی وہ دجال بن کر دنیا کے سامنے آیا نہیں ہے اس لیے یہ سچی بات کہہ رہا ہے جب دجال بن کر آوے گا تب وہ خدا تعالٰے کو بھی نہ مانے گا نبوت تو بہت دور ہے یعنی ان لوگوں کے لیے دین و دنیا کی بہتری اس میں ہے وہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں شاید یہ ہی سن کر تیم داری مدینہ منورہ میں آکر مسلمان ہو گئے۔ بعض صحابہ کو کفار کے ذریعہ ایمان ملا تیم داری کو دجال کے ذریعہ۔ ابوسفیان کو شاہ روم ہرقل کے ذریعہ۔

[2] غالبًا یہ مسیح بنا ہے سیاحۃ سے بمعنی زمین میں چلنا پھرنا سیر کرنا چونکہ یہ مردود تھوڑے دنوں میں تمام زمین میں چکر لگالے گا اس کے لیے اُسے مسیح کہا گیا۔ مسیح کے اور بہت معنی ہیں۔ دجال بنا ہے دجل سے بمعنی فریب دینا اس کا نام کچھ اور ہے لقب دجال ہے اس وقت وہ اپنی حقیقت خود بیان کر رہا ہے۔

[3] یہ ہے اس کافر دجال کے علم کا حال کہ آئندہ ہونے والے واقعات تفصیلًا ایک ایک بتا رہا ہے۔ اپنا مقام اور ساتھ ہی حرمین طیبین کی شان بیان کر رہا ہے خیال رہے کہ مدینہ منورہ کے نام ایک سو سے زیادہ ہیں۔ یہ ان میں سے بہت نام جذب القلوب شریف کے اول میں لکھے ہیں یہاں دجال نے اسے طیبہ کہا طیبہ کے معنی ہیں پاک وصاف کی ہوئی بستی چونکہ دجال سے وہ بستی محفوظ رہے گی اس کی خباثت وہاں نہ پہنچ سکے گی اس لیے طیبہ کہا خیال رہے کہ دجال کے سوا دیگر کفار ومشرکین ومنافقین مدینہ منورہ میں جا تو سکتے ہیں۔ مگر رہ نہیں سکتے زندگی میں یا مرے بعد وہاں سے نکال دیئے جائیں گے یہ زمین مقدس بھٹی ہے۔ جو لوہے کا میل نکال دیتی ہے مگر دجال وہاں جا بھی نہ سکے گا۔

مِنْهُمَا اسْتَقْبَلَنِي مَلَكٌ بِيَدِهِ السَّيْفُ صَلْتًا يَصُدُّنِي عَنْهَا وَإِنَّ عَلٰى كُلِّ نَقْبٍ مِنْهَا مَلَائِكَةً يَحْرُسُونَهَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَطَعَنَ بِمِخْصَرَتِهِ فِي الْمِنْبَرِ هٰذِهِ طَيْبَةُ يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ اَلَا هَلْ كُنْتُ حَدَّثْتُكُمْ فَقَالَ النَّاسُ نَعَمْ اَلَا اِنَّهٗ فِي بَحْرِ الشَّامِ اَوْ بَحْرِ الْيَمَنِ لَا بَلْ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ مَا هُوَ وَاَوْمَاَ بِيَدِهِ اِلَى الْمَشْرِقِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ

تو میرے سامنے ایک فرشتہ آوے گا جس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہوگی جو مجھے وہاں سے روک دیگا اور اس کے ہر راستہ پر فرشتے اس کی حفاظت کرتے ہوں گے [۱] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا عصا منبر پر مارا اور فرمایا یہ ہے مدینہ یہ ہے مدینہ یعنی مدینہ منورہ بولو کیا ہم نے تم کو یہ خبریں دی تھیں لوگوں نے کہا ہاں [۲] آگاہ رہو کہ وہ شام یا یمن کے جنگل میں ہے نہیں بلکہ مشرق کی طرف وہ ہے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا [۳] (مسلم) روایت ہے

[۱] ہم نے پہلے عرض کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام بھی ان فرشتوں میں داخل ہوں گے ان کی تشریف آوری زمین پر بند نہ ہوئی ہاں وحی لانا بند ہوگیا کہ حضور انور کے بعد کوئی نبی نہیں خیال رہے کہ دجال یہ سب کچھ جانتے ہوئے حرمین طیبین میں داخلہ کی کوشش کرے گا جیسے شیطان لاحول کا کوڑا جانتے ہوئے بلکہ یہ کوڑا کھاتے ہوئے بھی ہر ایک کے پاس پہنچنے کی کوشش کرتا ہے مکھیاں اڑکھاتے ہوئے بھی ہر جگہ پہنچتی ہیں لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب اسے یہ سب کچھ معلوم ہے تو پھر وہاں جانے کی کوشش کیوں کرے گا فطرت نہیں بدلتی یہ اس کی فطری چیز ہوگی شیطان جانتا ہے کہ میں حضرات انبیاء و اولیاء کو بہکا نہیں سکتا الاعبادك منهم المخلصين مگر پھر کوشش میں رہتا ہے۔

[۲] حضور انور کا یہ عمل و فرمان انتہائی خوشی سے ہے خوشی ایک تو اس کی ہے کہ ہمارے فرمان عالی کی تصدیق ایک غیر مسلم سے ہوئی بلکہ وہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنی۔ دوسرے یہ کہ ہمارے مدینہ کی شان عالی یہ ہے اللہ تعالٰے ہم سب کو مدینہ طیبہ کی زیارت نصیب فرمائے۔

[۳] اس فرمان عالی کے بہت شرحیں کی گئیں ہیں بہترین شرح یہ ہے کہ ما ھو میں ما زائدہ ہے نافیہ نہیں مطلب یہ کہ ہے کہ دجال کبھی بحر شام میں مقید رہتا ہے اور کبھی بحرین کی جیل میں رکھا جاتا ہے آجکل ان دونوں جیلوں میں نہیں بلکہ مدینہ منورہ سے مشرق جانب میں ہے یا یہ مطلب ہے کہ وہ شامی یا یمنی جیلوں میں مقید رہتا ہے مگر قریب مدینہ منورہ میں ان طرفوں سے نہ آئے گا بلکہ مشرق کی طرف سے آرے گا۔

عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرَانِيْ اللَّيْلَةَ عِنْدَ الْكَعْبَةِ فَرَاَيْتُ رَجُلًا اٰدَمَ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ لَهٗ لِمَّةٌ كَاَحْسَنِ مَا اَنْتَ رَاءٍ مِنَ اللِّمَمِ قَدْ رَجَّلَهَا فَهِيَ تَقْطُرُ مَاءً مُتَّكِئًا عَلٰى عَوَاتِقِ رَجُلَيْنِ يَطُوْفُ بِالْبَيْتِ فَسَاَلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالُوْا هٰذَا الْمَسِيْحُ بْنُ مَرْيَمَ قَالَ ثُمَّ اِذَا اَنَا بِرَجُلٍ جَعْدٍ قَطَطٍ اَعْوَرِ الْعَيْنِ الْيُمْنٰى كَاَنَّ

حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے آج رات اپنے کو کعبہ کے پاس دیکھا[1] تو میں نے ایک شخص کو دیکھا گندمی رنگ ان سب سے اچھا جو تم نے گندمی رنگ کے لوگ دیکھے ان پٹھے والے بال میں تمام پٹھے والوں سے اچھے جو تم نے دیکھے ہوں اس میں کنگھی کی ہوئی ہے ان سے پانی ٹپک رہا ہے[2] دو شخصوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہیں بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں میں نے پوچھا یہ کون ہیں لوگوں نے کہا یہ مسیح ابن مریم ہیں[3] فرمایا پھر میں ایک شخص پر تھا بال چھلے والے[4] داہنی آنکھ کا کانا۔ گویا اس کی

خیال رہے کہ مدینہ منورہ سے شام جانب شمال ہے اور یمن جانب جنوب اور نجد جانب مشرق لہذا دجال اس زمانہ میں نجد کی طرف سے آئے گا یہ ہے میرے محبوب کا علم۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[1] یا تو خواب میں دیکھا یا کشف میں(مرقات)، بہرحال یہ دیکھنا ہے بالکل برحق کیونکہ نبی کا کشف بھی وحی ہے اور خواب بھی وحی۔

[2] یہ پانی وضو کا ہے یا غسل کا یا رحمت الٰہی کا آپ باوضو طواف کر رہے تھے۔

[3] اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسے علیہ السلام زمین پر آیا کرتے ہیں مگر پردہ غیب میں رہ کر اور یہ کہ آپ حج و عمرہ بھی ادا کرتے ہیں مگر لوگوں کی نگاہ سے غائب اور یہ کہ حضور کی نگاہیں پوشیدہ چیزوں کو دیکھتی ہیں بلکہ حضرات انبیاء کرام بعد وفات روئے زمین کی سیر کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے حضور انور کے ساتھ حج کیا حجۃ الوداع بعد وفات عالم کی سیر کرنا مشکل نہیں یہ دو آدمی جن کے کندھوں پر آپ رکھے ہوئے طواف کر رہے ہیں وہ حضرت خضر ہیں اور حضرت امام مہدی کی روح یہ دونوں حضرات حضرت جناب مسیح کی مدد آپ کی خدمت کے لیے آپ کے ساتھ ہیں(مرقات)، اور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں مرد فرشتے ہوں شکل انسانی میں۔ جو آپ کی اس خدمت کے لیے مقرر کیے گئے ہوں۔

[4] جعد کے معنی ہیں گھونگھر والے بال یعنی قدرے خم دار قطط کے معنی ہیں بہت ہی اٹھے ہوئے چھلے کی طرح گول جعود حسن ہے مگر چھلے والے بال بدصورتی۔

عَيْنُهُ عِنَبَةٌ طَافِيَةٌ كَأَشْبَهِ مَنْ رَأَيْتُ مِنَ النَّاسِ بِابْنِ قَطَنٍ وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَسَأَلْتُ مَنْ هٰذَا فَقَالُوا هٰذَا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ فِي الدَّجَّالِ رَجُلٌ أَحْمَرُ جَسِيمٌ جَعْدُ الرَّأْسِ أَعْوَرُ عَيْنِ الْيُمْنٰى أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا ابْنُ قَطَنٍ وَذُكِرَ حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ

آنکھ ابھرا ہوا انگور ہے جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے ان میں سے سب سے زیادہ مشابہ ابن قطن ہے [1] اپنے دونوں ہاتھ دو شخصوں کے کندھوں پر رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا [2] میں نے پوچھا یہ کون ہے لوگوں نے کہا یہ مسیح دجال ہے [3] (مسلم بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ حضور نے دجال کے بارے میں فرمایا کہ وہ سرخ رنگ موٹا بال والا داہنی آنکھ کا کانا آدمی ہے [4] لوگوں میں اس سے زیادہ مشابہ ابن قطن ہے اور ابوھریرہ کی حدیث

[1] یعنی دجال عبدالعزیٰ ابن قطن یہودی کے ہم شکل ہے جسے تم نے دیکھا ہے اگر دجال کو دیکھنا ہو تو اسے دیکھ لو (اشعہ۔مرقات)

[2] یہ شخص وہ فرشتے تھے جو دجال کی قید میں نگرانی کرتے ہیں وہ اسے طواف کرانے ایسے لائے ہیں جیسے جیل کی پولیس ملزم قیدی کو کبھی حاکم کی کچہری وغیرہ میں اپنی نگرانی میں پیش کرتی ہے اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ابھی دجال کافر نہیں ہوا جب اس کا خروج ہوگا تب کافر ہوگا دوسرے یہ کہ ابھی اس کا داخلہ مکہ معظمہ میں ممنوع نہیں جب اس کا خروج ہوگا تب وہ حرمین شریفین میں داخل نہ ہو سکے گا۔ تیسرے یہ کہ دجال ابھی قید میں ہے مگر پھر بھی فرشتوں کے پہرے میں کعبہ وغیرہ میں پہنچتا ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور نے دجال کو دیکھا ہے اسے پہچانتے ہیں کیونکہ نبی کی خواب وحی ہوتی ہے یہاں اشعہ نے فرمایا کہ دجال کا یہ طواف جو حضور انور نے خواب میں دیکھا وہ اس مردود کا مکہ معظمہ کے اردگرد گھومنا ہے جو وہ قریب قیامت چکر لگائے گا لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اور عیسیٰ علیہ السلام کا طواف یہ مکہ معظمہ میں طواف کرکے دجال کے پیچھے گھومنا ہے اسے قتل کرنے کے لیے یہ خواب مثال ہے۔

[3] حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح بمعنی ماسح ہیں یعنی چھو کر بیماروں کو شفا دینے والے دجال مسیح بمعنی ممسوح یعنی ایک آنکھ پونچھی ہوئی صاف اور بھی بہت فرق ہیں۔

[4] یعنی دجال انسان ہے مرد ہے رنگ کا سرخ بدن کا موٹا۔ بالوں کا چھلے دار آنکھ کا کانا اس وقت اس کی داہنی آنکھ کانی ہے خروج کے وقت کبھی داہنی کانی ہوگی کبھی بائیں جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِھَا فِیْ بَابِ الْمَلَاحِمِ وَسَنَذْکُرُ حَدِیْثَ ابْنِ عُمَرَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی النَّاسِ فِیْ بَابِ قِصَّۃِ ابْنِ الصَّیَّادِ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ فَاطِمَۃَ بِنْتِ قَیْسٍ فِیْ حَدِیْثِ تَمِیْمِ الدَّارِیِّ قَالَتْ فَاِذَا اَنَا بِامْرَاَۃٍ تَجُرُّ شَعْرَھَا قَالَ مَا اَنْتِ اَنَا الْجَسَّاسَۃُ اِذْھَبْ اِلٰی ذٰلِکَ الْقَصْرِ فَاَتَیْتُہٗ

لاتقوم الساعۃ حتی تطلع الشمس من مغربہا الخ باب الملاحم میں ذکر کردی گئی اور ہم حضرت ابن عمر کی حدیث قام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فی الناس ابن صیاد کے قصہ میں ان شاءاللہ ذکر کریں گے [1] دوسری فصل روایت ہے حضرت فاطمہ بنت قیس سے تمیم داری کی حدیث میں مروی ہے[2] فرماتی ہیں فرمایا کہ ناگاہ میں اس عورت پر گزرا جو اپنے بال گھسیٹ رہی تھی[3] انہوں نے کہا تو کون ہے وہ بولی میں جاسوس ہوں اس محل کی طرف جاؤ[4] میں وہاں گیا تو ایک

[1] یعنی یہ دونوں حدیثیں مصابیح میں اسی جگہ تھیں مگر ہم نے مناسبت کا لحاظ کرتے ہوئے پہلی حدیث تو باب الملاحم میں ذکر کردی اور دوسری حدیث ان شاءاللہ ابن صیاد کے باب میں بیان کریں گے کہ وہ حدیثیں انہیں بابوں کے مناسب ہیں۔

[2] یعنی تمیم داری کی وہ دراز حدیث جو بروایت مسلم فاطمہ بنت قیس سے مروی ہے وہ گزر چکی ابوداؤد میں وہ ہی حدیث قدرے اختلاف سے مروی ہے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرق صرف لفظی ہے مطلب ایک ہی ہے۔

[3] خیال رہے کہ ان دونوں حدیثوں میں پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ وہاں مسلم کی روایت میں دابۃ تھا۔ اور یہاں ابوداؤد کی روایت میں امراۃ یعنی عورت ہے ان دونوں میں کئی طرح مطابقت کی جاسکتی ہے ایک یہ کہ وہاں دابۃ بمعنی جانور نہیں بلکہ بمعنی زمین پر چلنے والی ہے جس میں انسان بھی داخل ہے رب تعالٰے فرماتا ہے ان شرالدواب عنداللہ الصم البکم لہذا وہاں دابۃ بمعنی عورت تھا دوسرے یہ کہ دجال نے بہت سے جاسوس رکھے ہوئے تھے کوئی جانور کی شکل میں کوئی عورت کی شکل میں تمیم داری کو دو جاسوس ملے ایک جانور ایک عورت وہاں ایک کا ذکر تھا۔ یہاں دوسری کا ذکر ہے۔ تیسرے یہ کہ جساسہ شیطانہ تھی کبھی جانور کے شکل میں نظر آئی کبھی عورت کی شکل میں جنات شکلیں بدل سکتے ہیں۔

[4] وہاں مسلم کی حدیث میں دیر تھا یعنی کلیسا یہاں قصر ہے مگر ان میں مخالفت نہیں وہ کلیسا محل کی شکل میں تھا لہذا کلیسا بھی کہا جاسکتا ہے محل بھی۔

فَإِذَا رَجُلٌ يَجُرُّ شَعْرَهُ مُسَلْسَلٌ فِي الْأَغْلَالِ يَنْزُو فِيمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَقُلْتُ مَنْ أَنْتَ قَالَ أَنَا الدَّجَّالُ رَوَاهُ أَبُودَاؤدَ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنِّي حَدَّثْتُكُمْ عَنِ الدَّجَّالِ حَتّٰى خَشِيْتُ أَنْ لَا تَعْقِلُوا إِنَّ الْمَسِيحَ الدَّجَّالَ قَصِيرٌ أَفْحَجُ جَعْدٌ أَعْوَرُ مَطْمُوسُ الْعَيْنِ لَيْسَتْ بِنَاتِئَةٍ وَلَا حَجْرَاءَ فَإِنْ أُلْبِسَ عَلَيْكُمْ

شخص تھا جو اپنے بال گھسیٹ رہا تھا قیدوں میں جکڑا ہوا تھا آسمان و زمین کے درمیان کود رہا تھا[1] میں نے کہا تو کون ہے وہ بولا میں دجال ہوں[2] (ابوداؤد) روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں نے تمہیں دجال کے متعلق خبریں دیں حتی کہ مجھے خوف ہوا کہ تم نہ سمجھو[3] مسیح دجال پستہ قد ٹیڑھا پاؤں والا[4] گھنے ہوئے بال ایک آنکھ کا سپاٹ ہے وہ آنکھ نہ تو ابھری ہوئی ہے اور نہ دھنسی ہوئی[5] اگر تم پر اشتباہ ہو

[1] یعنی قید میں تھا مگر اچھلتا تڑپتا تھا اسے سکون و چین نہ تھا اچھلتا تھا بہت اونچا۔

[2] وہاں مسلم کی روایت میں سائل پوری جماعت کو فرمایا گیا تھا۔ یہاں صرف تمیم داری کو کہ ارشاد ہوا۔ فقلت مگر ان دونوں میں تعارض نہیں جماعت کا کام ہر ایک کی طرف نسبت ہو سکتا ہے۔ سب نے پوچھا تو تمیم داری نے بھی پوچھا یا تمیم داری نے پوچھا تو گویا سب نے ہی پوچھا بہر حال دونوں حدیثیں متفق ہیں۔

[3] یعنی ہم نے بہت ہی مجلسوں میں دجال کے بہت عیوب بیان کیے ممکن ہے کہ تم کو وہ سب یاد نہ رہیں تم بہت سی باتیں بھول جاؤ اس لیے ہم اس کے متعلق چند فیصلہ کن باتیں بتاتے ہیں جنہیں تم بے تکلف یاد کرلو۔

[4] افحج بنا ہے فحج سے بمعنی ٹیڑھے قدم کہ جب کھڑا ہو تو اس کے پنجے بہت پھیلے ہوئے ہوں، ایڑیاں قریب قریب ہوں پنڈلیاں پھیلی ہوں قصیر بمعنی پستہ قد۔ ٹھنگنا۔ جن روایات میں اسے عظیم کہا گیا ہے وہاں مراد موٹا ہے یعنی پستہ قد مگر بہت موٹا لہذا حدیث میں تعارض نہیں۔

[5] یعنی ایک آنکھ ابھری ہوئی دوسری سپاٹ لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔ جن میں ہے کہ اس کی ایک آنکھ ابھری ہوئی ہوگی۔

فَاعْلَمُوا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤدَ وَعَنْ اَبِيْ عُبَيْدَةَ ابْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّهٗ لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ نُوْحٍ اِلَّا قَدْ اَنْذَرَ الدَّجَّالَ قَوْمَهٗ وَاِنِّيْ اُنْذِرُكُمُوْهُ فَوَصَفَهٗ لَنَا قَالَ لَعَلَّهٗ سَيُدْرِكُهٗ بَعْضُ مَنْ رَاٰنِيْ اَوْ سَمِعَ كَلَامِيْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَكَيْفَ قُلُوْبُنَا

تو جان لو کہ تمہارا رب کانا نہیں [1] (ابو داؤد) روایت ہے حضرت ابو عبیدہ ابن جراح سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ نوح علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہ ہوئے مگر انہوں نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا [2] اور میں نے تم کو اس سے ڈرایا پھر آپ نے ہم سے اس کے وصف بیان کئے فرمایا شاید اسے بعض وہ لوگ پائیں گے جنہوں نے مجھے دیکھا یا میرا کلام سنا [3] لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس دن ہمارے

[1] یعنی اگر تم کو اس کے کرشمے دیکھ کر دھوکا لگے کہ شاید یہ خدا ہو تو اولاً تو اس کا کھانا پینا سونا وغیرہ بندہ ہونے کی علامات ہیں ساتھ ہی کانے ہونے کا عیب خاص بندہ ہونے کی علامت ہے۔

[2] یعنی دجال کا فتنہ اتنا بڑا ہے کہ نوح علیہ السلام کے زمانہ سے حضرات انبیاء کرام نے اپنی امتوں کو ڈرانا شروع کیا حالانکہ اس مردود کا خروج قریب قیامت ہوگا وہ حضرات جانتے تھے کہ ہماری قومیں اسے نہ پائیں گی کیوں ڈرایا اس کی اہمیت خطرناک ہونا دکھانے کے لیے جیسے قیام قیامت سے تمام نبیوں نے اپنی امتوں کو ڈرایا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ وہ فتنہ صرف وہ ہی لوگ دیکھیں گے جو اس وقت موجود ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ یہاں حضور انور کو دیکھنے سے مراد ہے انسان کا بیداری میں ان آنکھوں سے دیکھنا اور کلام سننے سے مراد ہے بلاواسطہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام سننا چونکہ اس زمانہ میں حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہوں گے بلکہ اس کا مقابلہ کریں گے جیسا کہ پہلے گزر چکا اور حضرت خضر علیہ السلام نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا بھی ہے آپ کا کلام بھی سنا ہے بلکہ بیعت رضوان میں آپ کے ہاتھ شریف پر بیعت بھی کی ہے لہذا حدیث واضح ہے اسی فرمان عالی کے اور بہت بیان کیے گئے ہیں بعض نے کہا کہ اس سے وہ جن صحابی مراد ہیں جو اس وقت موجود ہوں گے بعض نے کہا کہ کلام سننے سے مراد بالواسطہ احادیث سننا ہے اور دیکھنے سے مراد خواب میں حضور کو دیکھنا ہے مگر یہ توجیہیں کمزور ہیں۔

يَوْمَئِذٍ قَالَ مِثْلُهَا يَعْنِي الْيَوْمَ أَوْ خَيْرٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَأَبُودَاوُدَ وَعَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الدَّجَّالُ يَخْرُجُ مِنْ أَرْضٍ بِالْمَشْرِقِ يُقَالُ لَهَا خُرَاسَانُ يَتْبَعُهُ أَقْوَامٌ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الْمَجَانُّ الْمُطْرَقَةُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ الدَّجَّالَ فَلْيَنْأَ مِنْهُ فَوَاللّٰهِ أَنَّ الرَّجُلَ لَيَأْتِيهِ وَهُوَ يَحْسَبُ

دل کیسے ہونگے فرمایا آج کی طرح یا اس سے بھی اچھے [۱] (ترمذی و ابوداؤد) روایت ہے حضرت عمرو ابن حریث سے [۲] وہ حضرت ابوبکر صدیق سے راوی فرمایا ہم کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خبر دی فرمایا دجال مشرقی زمین سے نکلے گا جسے خراسان کہا جاتا ہے [۳] اس کے پیچھے کچھ قومیں ہوں گی گویا ان کے چہرے کٹی ہوئی ڈھالیں ہیں (ترمذی) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو دجال کو سنے وہ اس سے دور رہے [۴] اللہ کی قسم کوئی شخص اس کے پاس جائے گا یہ

[۱] یعنی اس زمانہ میں مسلمانوں کے دل ایمان سے بھرپور ہوں گے ان کے دلوں میں دجال کے متعلق کوئی شبہ نہ ہوگا انہیں یقین ہوگا کہ یہ مردود و شعبدے باز کافر ہے ان کے دل حضرات صحابہ کرام کی طرح پاک و صاف ہوں گے اور صحابہ سے بڑھ کر آزمائش میں ثابت قدم رہیں گے کہ حضرات صحابہ کرام کا امتحان دجال سے نہیں لیا گیا لیکن درجہ صحابہ ہی کا بڑا ہوگا۔

[۲] آپ کا نام عمرو ابن حریث ہے کنیت ابو سعید قرشی مخزومی ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے وقت بارہ برس کے تھے حضور نے ان کے سر پر ہاتھ شریف پھیرا ہے دعائیں دی ہیں آخر میں کوفہ میں رہے۔

[۳] خراسان پورے علاقہ کا نام ہے پھر ایک شہر کا نام بھی ہے یہ علاقہ ایران کے ملک میں ہے۔ فقیر نے وہ علاقہ دیکھا ہے اس کا ایک حصہ ہرات تک پھیلا ہوا ہے ہرات افغانستان کا ایک مشہور شہر ہے اس کی اتباع کرنے والے وہ ترک ہوں گے جن کی تحقیق ہم پہلے کرچکے ہیں یہ موجودہ ترک نہیں

[۴] یعنی کوئی شخص تماشہ دیکھنے کے لیے بھی دجال کے پاس نہ جائے کہ اس میں خطرہ ہوگا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار۔ بروں کی صحبت بری ہے۔

إِنَّهُ مُؤْمِنٌ فَيَتَّبِعُهُ مِمَّا يَبْعَثُ بِهِ مِنَ الشُّبُهَاتِ رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيْدَ بْنِ السَّكَنِ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْكُثُ الدَّجَّالُ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً السَّنَةُ كَالشَّهْرِ وَالشَّهْرُ كَالْجُمُعَةِ وَالْجُمُعَةُ كَالْيَوْمِ وَالْيَوْمُ كَاضْطِرَامِ السَّعَفَةِ فِي النَّارِ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

سمجھ کر کہ میں مسلمان ہوں لے تو پھر اس کی اتباع کرلے گا ان شبہات کی وجہ سے جن کے ساتھ وہ بھیجا گیا لے (ابوداؤد) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید ابن سکن سے ؎ فرماتی ہیں فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال زمین میں چالیس سال رہے گا ؎ ایک سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا اور مہینہ ہفتہ کی طرح اور ہفتہ ایک دن کی طرح اور دن آگ میں سوکھے پتے جلنے کی طرح ؎ (شرح سنہ)

لے یعنی وہ یہ سمجھے گا کہ میں پختہ مسلمان ہوں مجھے دجال اور اس کے شبہ سے اسلام سے ہٹا نہیں سکتے۔ اپنی اس موہومہ پختگی کے دھوکے میں مارا جائے گا۔ آج بھی بعض لوگ اپنے ایمان کو ناقابل تسخیر قلعہ سمجھ کر بد مذہبوں کی صحبت ان کے وعظ ان کی کتب کا مطالعہ اختیار کرتے ہیں اور بے دین بن جاتے ہیں بہت لوگ مرزا قادیان کو محض دیکھنے گئے اور قادیانی بن گئے

؎ یعنی یہ شخص اپنے کو پختہ مومن سمجھنے والا اس کی شعبدے بازیاں دیکھ کر شک میں ضرور پڑ جائے گا کہ شاید یہ خدا ہی ہے یہ شبہ بھی کفر ہے ان شبہات کے باوجود وہ اپنے کو مومن ہی سمجھتا رہے گا اور آہستہ آہستہ اس کا کفر اور بھی پختہ ہوتا رہے گا ایمان ایک دولت ہے بے دین لوگ اس دولت کے چور ڈاکو ہیں اگر اس دولت کی حفاظت کرنی ہے تو ان چوروں سے الگ رہو۔

؎ آپ مشہور صحابیہ انصاریہ ہیں بڑی عالمہ۔ عاقلہ۔ عابدہ زاہدہ تھیں۔

؎ گذشتہ احادیث میں ارشاد تھا کہ چالیس دن رہے گا یا تو یہ اختلاف احساس کا ہے کہ بعض کو وہ زمانہ چالیس سال کا محسوس ہوگا مگر سال بھی ایسے جو یہاں مذکور ہیں اور بعض کو چالیس دن محسوس ہوگا (مرقات) یا دجال کا زمین پر رہنا تو چالیس سال کا ہوگا مگر اس کا زور آخری چالیس دن ہوگا لہذا دونوں حدیثیں درست ہیں ان میں تعارض نہیں (اشعہ)

؎ شعفہ جمع سعفۃ کی سعفہ کھجور کی سوکھی شاخوں سوکھے پتوں کو کہتے ہیں یعنی اگر سوکھے پتوں سوکھی شاخوں میں آگ لگا دو تو فوراً بھڑک اٹھتے ہیں اور جلدی راکھ بن کر بجھ جاتے ہیں ایک دن ایسا گزرے گا اس کی شرح گزشتہ احادیث میں گزر گئی۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْبَعُ الدَّجَّالَ مِنْ اُمَّتِیْ سَبْعُوْنَ اَلْفًا عَلَیْہِمُ السِّیْجَانُ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَیْتِیْ فَذَکَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنَّ بَیْنَ یَدَیْہِ ثَلٰثَ سِنِیْنَ سَنَۃٌ تُمْسِکُ السَّمَاءُ فِیْہَا ثُلُثَ

روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے[1] ستر ہزار آدمی دجال کی پیروی کریں گے جن پر نقشین لباس ہو گا[2] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تشریف فرما تھے تو آپ نے دجال کا ذکر کیا تو فرمایا کہ دجال سے آگے تین سال ہونگے ایک سال ایسا جس میں آسمان اپنی

[1] غالب یہ ہے کہ امت سے مراد امت دعوت ہے جن پر فرض ہے کہ حضور انور پر ایمان لائیں سارا عالم حضور کی امت دعوت ہے اور مسلمان امت اجابت اس صورت میں ایسی حدیث کی شرح وہ گذشتہ حدیث ہے کہ اصفہان کے یہودی دجال کی پیروی کریں گے۔ یہاں امتی سے مراد وہ ہی یہود ہیں کہ وہ حضور کی امت دعوت میں۔ اور ستر ہزار سے مراد ہزارہا آدمی ہیں نہ کہ یہ عدد خاص مگر یہ توجیہ ضعیف ہے کہ اس سے مراد کلمہ پڑھنے والے نام دار مسلمان ہیں جیسا کہ آگے مذکور ہے۔

[2] یعنے میری امت کے وہ لوگ دجال کو مانیں گے جو پہلے سے ہی فیشن پرست یہود و نصارٰی کے نقال ان کی سی شکل و صورت بنانے والے یہود کا سا نقشین فیشن ایبل لباس پہننے والے ہوں گے انہیں کا بیڑا غرق ہو گا یا یہ مطلب ہے کہ ستر ہزار امیر لوگ دجال پر ایمان لے آئیں گے تو غریبوں کی تو شمار ہی نہیں ایک ایک امیر کی دیکھا دیکھی بہت سے غریب بہک جائیں گے۔ مگر آخری یہ توجیہ کمزور ہے کیونکہ فقراء مسلمین بفضلہ تعالٰی دجال کے شر سے محفوظ رہیں گے ابن الوقت امیر لوگ زیادہ بگڑیں گے آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ اسلام غرباء کے دم سے قائم ہے نمازی۔ شہید، عالم حافظ عموماً غریب ہی ہیں امیروں کے لیے صرف کالج اسکول ہیں۔ امیر لوگ عزت وجاہ حاصل کرنے کے لیے ہر دین اختیار کر لیتے ہیں (مرقات)

قطرها والارض ثلث نباتها والثانية تمسك السماء ثلثي قطرها والارض ثلثي نباتها والثالثة تمسك السماء قطرها كله والارض نباتها كله فلا يبقى ذات ظلف ولا ذات ضرس من البهائم الا هلك وان من اشد فتنة انه ياتي الاعرابي فيقول ارايت ان احييت لك ابلك الست تعلم اني ربك فيقول بلى فيمثل له الشيطان نحو ابله

تہائی بارش روک لے گا اور زمین تہائی پیداوار لے دوسرے سال آسمان دو تہائی بارش روک لیگا اور زمین اپنی کل پیداوار اور تیسرے سال آسمان اپنی پوری بارش روک لے گا اور زمین اپنی کل پیداوار ۳؎ تو کوئی کھر والا ڈاڑھ والا جانور نہ بچے گا مگر ہلاک ہو جاوے گا ۴؎ اور اس کے سخت ترین فتنوں میں سے یہ ہوگا کہ ایک بدوی کے پاس آوے گا کہے گا بتا تو اگر میں تیرا اونٹ زندہ کر دوں تو کیا تو یقین نہ کریگا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں ۵؎ تو شیطان اس کے سامنے اسکے اونٹ کی شکل میں آجاوے گا

۲؎ یعنی دجال کی آمد سے نو برس پہلے ہی بے برکتی قحط سالی نمودار ہو جاوے گی پہلے تین سالوں میں جتنی بارش چاہیے اس کی تہائی ہوگی اور جتنا غلہ چاہیے اس کا تہائی پیدا ہوگا اگلے چھ سالوں میں اس سے بھی کم بارش ہوگی اور کم پیداوار یہ سخت آزمائش ہوگی اللہ تعالٰے جسے بچائے گا اس کا ایمان بچے گا۔

۳؎ غرضکہ دجال کے آنے پر لوگ بالکل خالی ہاتھ بے دانہ قحط زدہ ہو چکے ہوں گے اب جب کہ اس کے نکلتے ہی اس کے ماننے والوں پر بارشیں غلہ کی بہتات دودھ گھی کی فراوانی ہوگی۔ تو بولو لوگوں کا ایمان کیسے بچے گا۔ اللہ حافظ ہے۔

۴؎ کھر والے جانوروں سے مراد گائے بھینس۔ بکری، ہرن وغیرہ ہیں ڈاڑھ والے سے مراد اونٹ وغیرہ جانور ہیں ہلاکت مراد صرف مر جانا ہی نہیں بلکہ مر جانا یا قریب موت ہو جانا ہے یعنی قحط اور خشکی سال کی وجہ سے جانور گویا فنا ہو جائیں گے لہذا یہ فرمان عالی اس فرمان کے خلاف نہیں کہ دجال کو مان لینے والوں کے جانور موٹے تازے اور خوب دودھ والے ہو جائیں گے اور انکار کرنے والوں کے جانور دبلے پتلے خشک ہو جائیں گے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور رہیں گے۔

۵؎ یعنی جب بدوی کے اونٹ مر چکے ہوں گے اور وہ بڑا مغموم ہوگا اس سے دجال آکر یہ کہے گا۔ اور اس سے یہ وعدہ دے گا۔

كَاَحْسَنِ مَا يَكُوْنُ ضُرُوْعًا وَاَعْظَمِهٖ اَسْنِمَةً وَقَالَ يَاْتِي الرَّجُلَ قَدْ مَاتَ اَخُوْهُ وَمَاتَ اَبُوْهُ فَيَقُوْلُ اَرَاَيْتَ اِنْ اَحْيَيْتُ لَكَ اَبَاكَ وَاَخَاكَ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنِّيْ رَبُّكَ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَيُمَثِّلُ لَهُ الشَّيٰطِيْنُ نَحْوَ اَبِيْهِ وَنَحْوَ اَخِيْهِ قَالَتْ ثُمَّ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِحَاجَتِهٖ ثُمَّ رَجَعَ وَالْقَوْمُ فِيْ اِهْتِمَامٍ وَغَمٍّ مِمَّا حَدَّثَهُمْ قَالَتْ فَاَخَذَ بِلَحْمَتَيِ الْبَابِ

جیسے تھن ہوتے ہیں اس سے اچھے اور خوب بلند کوہان[1] فرمایا اور آ ویگا ایک شخص کے پاس جس کے بھائی باپ مر چکے ہونگے تو کہیگا کہ بتا تو اگر میں تیرے سامنے تیرے باپ بھائی زندہ کر دوں تو کیا تو یقین کریگا کہ میں تیرا رب ہوں وہ کہے گا ہاں[2] تو اس کے سامنے شیطان اس کے باپ بھائی شکل میں آجاویگے[3] فرماتی ہیں پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی کام کے لئے تشریف لے گئے پھر واپس ہوئے حالانکہ قوم بہت رنج و غم میں تھی اس خبر کی وجہ سے جو حضور نے انہیں دی فرماتی ہیں کہ حضور نے دروازے کے دو بازو پکڑ کر

[1] معلوم ہوا کہ جن شیاطین جانوروں کی شکل بن سکتے ہیں چنانچہ جنات کتے اور سانپ کی شکل میں آجاتے ہیں جیسا کہ احادیث میں ہے اور جس جانور کی شکل میں آتے ہیں اس کے خواص بھی ان میں ہو جاتے چنانچہ اگر سانپ کی شکل میں آدمی کو ڈس لیں تو زہر ہوتا ہے ان اونٹوں میں دودھ ہوگا لوگ اسے پئیں گے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جب سانپ بنتی تھی تلقف ما یافکون۔

[2] اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ دجال کو یہ خبر ہوگی کہ کس کا کون کون عزیز قریبی فوت ہو چکے ہیں تب ہی تو وہ یہ سوال کرے گا اسے رب کی طرف سے علم بھی دیا جائے گا اور تسلط و قدرت بھی یہ سب کچھ لوگوں کی آزمائش کے لیے ہوگا۔ آج ابلیس کو ہر شخص کے دلی ارادے کی خبر ہے وہ تمام شرعی احکام سے واقف ہے جانتا ہے کہ شریعت میں کون سا کام حرام ہے کون سا کام فرض یا واجب تب ہی تو وہ فرائض سے روکتا ہے حرام کی رغبت دیتا ہے جب اس بیماری کے علم کا یہ حال ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو اس بیماری کا علاج ہیں وہ بے خبر کیسے ہو سکتے ہیں۔

[3] معلوم ہوا کہ وہ حقیقت میں اس کے ماں باپ نہ ہوں گے بلکہ محض دھوکہ ہوگا شیاطین ان کی شکل میں ہوں گے معلوم ہوا کہ دجال زندوں کو مردہ کر کے زندہ کر سکے گا مگر پرانے مردے زندہ نہ کرے گا بلکہ ان کی شکل میں شیاطین ہوں گے۔

[4] یہ حضور انور کے کلام کی تاثیر تھی کہ لوگوں کے دل ہل گئے بعض علماء کے وعظ سے بے نماز لوگ نمازی بن جاتے، حضور انور کے الفاظ شریفہ سادہ ہوتے تھے کہ انسان کی کایا پلٹ دیتے تھے آج رنگین تقریروں میں تاثیر نہیں۔

فَقَالَ مَهْيَمْ اَسْمَاءُ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَقَدْ اَفْئِدَتُنَا بِذِكْرِ الدَّجَّالِ قَالَ اِنْ يَّخْرُجْ وَاَنَا حَيٌّ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ وَاِلَّا فَاِنَّ رَبِّيْ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاللّٰهِ اِنَّا لَنَعْجِنُ عَجِيْنَنَا فَمَا نَخْبِزُهٗ حَتّٰى نَجُوْعَ فَكَيْفَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَئِذٍ قَالَ يُجْزِئُهُمْ مَا يُجْزِئُ اَهْلَ السَّمَاءِ مِنَ التَّسْبِيْحِ

فرمایا اسماء کیا ہیں[1] میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دجال کے ذکر سے ہمارے دل نکل گئے[2] فرمایا اگر وہ نکلا اور ہم زندہ ہوئے تو اس کے مقابل ہم ہوں گے[3] ورنہ میرا رب ہر مسلمان پر میرا خلیفہ ہے[4] عرض کیا یا رسول اللہ ہم اپنا آٹا گوندھتے ہیں تو روٹیاں نہیں پکاتے حتی کہ ہم بھوکے ہو جاتے ہیں تو اس دن مسلمانوں کا کیا حال ہوگا[5] فرمایا انہیں وہ تسبیح و تہلیل کافی ہوگی جو آسمان والوں کو کافی ہوتی

[1] لحمتی تثنیہ ہے لحمۃ کا لحمہ چوکھٹ کے بازو کو کہتے ہیں لحمتیں دونوں بازو و عتبہ نیچے کی چوکھٹ۔

[2] یعنی دجال کے حالات لوگوں کے معاملات سن کر ہم تو پریشان ہوگئے کہ اگر وہ ہمارے زمانہ میں نکل آیا تو ہمارا کیا بنے گا ورنہ اس زمانہ کے مسلمان کیا کریں گے۔

[3] معلوم ہوا کہ اگر دجال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں آتا تو حضور کے مقابل فیل ہو جاتا حضور کے ہاتھوں مارا جاتا اب یہ کام حضور انور کی نیابت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کریں گے۔ حضور انور اپنی امت کے والی وارث نگہبان تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ امام بوصیری کہتے ہیں ؎

احل امته فی حرز ملته   کاللیث حل مع الاشبال فی الاجم

[4] یہاں خلیفہ بمعنی نائب یا وکیل نہیں بلکہ بمعنی حافظ ناصر والی وارث و نگہبان ہے کیونکہ اللہ تعالٰی کسی کا نائب نہیں ہوتا یعنی اگر میرے بعد دجال نکلا تو میری امت رب کے حوالہ ہے وہ ہی اس کا ناصر ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی امت کا حقیقی نگہبان رب تعالٰی اور ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے ذمہ داریاں مختلف ہیں۔ [5] مقصد یہ ہے کہ مسلمان اس وقت دجال کے ماننے پر مجبور رہوں گے کہ ننگا بھوکا ہر نہ کرنے والا کام کرلیتا ہے اگر دجال کو نہ مانیں گے تو مر جائیں گے کیونکہ حالات وہ ہوں گے جو حضور فرمارہے ہیں تو مسلمانوں کا ایمان کیسے بچے گا۔ [6] یعنی میری امت کے مومن اس وقت تنگی رزق سے دل تنگ نہ ہوں اس زمانہ میں زمینی مومن عرشی فرشتوں کی طرح ہوں گے کہ ذکر اللہ سے ان کا پیٹ بھرتا رہے گا ذکر اللہ ہمیشہ ہی غذا روحانی ہے مگر اس زمانہ میں غذا جسمانی بھی ہو جائے گا بعض اولیاء اللہ نے تین تین سال تک پانی نہیں پیا مگر زندہ رہے کیسے ذکر اللہ کی برکت ہے۔

وَالتَّقْدِيْسِ رَوَاهُ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ مَا سَأَلَ اَحَدٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الدَّجَّالِ اَكْثَرَ مِمَّا سَاَلْتُهٗ وَاِنَّهٗ قَالَ لِيْ مَا يَضُرُّكَ قُلْتُ اِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مَعَهٗ جَبَلَ خُبْزٍ وَنَهَرَ مَاءٍ قَالَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ عَلٰى حِمَارٍ

ہے (تیسری فصل) روایت ہے حضرت مغیرہ ابن شعبہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دجال کے متعلق جتنا میں نے سوال کیا اس سے زیادہ کسی نے سوال نہ کیا اور حضور نے فرمایا کہ دجال تم کو نقصان نہ دیگا [1] میں نے عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہے [2] فرمایا وہ اللہ پر اس سے زیادہ آسان ہے [3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دجال ایک سفید گدھے پر

[1] یعنی تم دجال سے مطلقاً خوف نہ کرو گے کیونکہ دجال تم کو ایمان سے نہ ہٹا سکے گا یا اس لیے کہ وہ تمہاری زندگی میں نہ آئیگا یا اس لیے کہ تم ایمان میں پختہ ہو اگر وہ تمہارے زمانہ میں آ بھی گیا تو تم کو بہکا نہ سکے گا تم ایمانی قلعہ میں ہو بہرحال اس میں حضرت مغیرہ کی عمر اور آپ کی پختگی ایمان دونوں کی غیبی خبر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ہر حال سے خبردار ہیں۔

[2] یعنی اس مردود کے ظہور کے وقت دنیا میں پانی اور رزق کی بہت تنگی ہوگی اور اس کے ساتھ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر ہوگی پھر مجھے وہ کیوں نہ بہکا سکے گا روٹی پانی کی ایسی تنگی میں روٹی پانی سے بڑے بڑے بہک جاتے ہیں سبحان اللہ یہ ہے اپنے ایمان کا خوف یہ خوف قوت ایمان کی دلیل ہے اس میں حضور انور کی خبر کا جھٹلانا نہیں بلکہ خوف کا اظہار ہے۔ حضرات انبیاء کرام سے رب تعالٰے نے جنت کا وعدہ فرما لیا مگر انہیں پھر بھی خدا تعالٰے کی ہیبت ہے۔

[3] ذالک سے اشارہ ہے گمراہ کرنے کی طرف یعنی دجال میرے صحابہ کو بہکانے سے مجبور ہے وہ اس سے زیادہ ذلیل ہے کہ میرے صحابہ پر داؤ چلائے۔ یا ذالک سے اشارہ روٹیوں کے پہاڑ اور پانی کی نہر کی طرف ہے یعنی دجال اس سے زیادہ ذلیل وخوار ہے کہ اس کے ساتھ روٹیوں کا پہاڑ وغیرہ ہو اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا محض دھوکا شعبدہ ہوگا جس کی حقیقت کچھ نہیں (اشعہ، مرقات)

اَقْمَرُ مَا بَيْنَ اُذُنَيْهِ سَبْعُوْنَ بَاعًا رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ بَابُ قِصَّةِ ابْنِ صَيَّادٍ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ انْطَلَقَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِّنْ اَصْحَابِهٖ قِبَلَ ابْنِ

پر نکلے گا جس کے پاس دو کانوں کے درمیان ستر باع کا فاصلہ ہوگا (بیہقی کتاب البعث والنشور) ابن صیاد کا قصہ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے کہ حضرت عمر ابن خطاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں ابن صیاد کی

۱ اقمر کے معنی ہیں تیز سفید۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ قمرہ سفیدی مائل بہ سبزی یا سرخی مائل بہ سیاہی قاموس میں یہ ہی معنی کیے گئے مگر پہلے معنی قوی ہیں کہ یہ قمر بمعنی چاند سے بنا ہے یعنی چاند جیسا چٹا سفید چمک دار غرضکہ دجال کے گدھے کا رنگ تیز سفید ہوگا۔

۲ دونوں ہاتھ لمبائی میں پھیلاؤ تو ایک ہاتھ کی انگلیوں سے دوسرے ہاتھ کی انگلیوں تک باع ہے یعنے اس گدھے کی قدامت کا یہ عالم ہے کہ اس کا چہرہ ستر باع قریبًا سو گز ہے حدیث بالکل اپنے ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہم نے جنگلی بھینسے کا کلہ قریبًا پانچ ہاتھ کا دیکھا ہے علی پور شریف میں مچھلی کے ایک کانٹے کا پورا شہتیر ہے ہم نے خود دیکھا ہے رب تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔ لشکر صحابہ نے ایک مچھلی کا گوشت پندرہ دن کھایا۔ اس کے آنکھ کے حلقہ میں ایک آدمی کھڑا ہوگیا۔

۳ اس کا نام عبداللہ ہے لقب صاف کنیت ابن صیاد یا ابن صائد یہود مدینہ میں سے ایک یہودی کا لڑکا تھا جو بچپن میں بڑے شعبدے دکھاتا تھا بعد میں جوان ہوکر مسلمان ہوگیا عبادات اسلامی ادا کرتا تھا اس کے متعلق علماء کے تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ دجال نہیں تھا بلکہ مسلمان ہوگیا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ دجال تو تھا مگر وہ مشہور دجال نہ تھا حضور انور نے فرمایا ہے کہ میری امت میں بہت سے دجال ہوں گے یہ بھی انہیں دجالوں میں سے ایک دجال تھا۔ تیسرے یہ کہ وہ دجال مشہور ہی تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ مدینہ منورہ میں ہی مرا وہاں ہی دفن ہوا۔ مگر یہ غلط ہے وہ جنگ حرہ تک دیکھا جاتا رہا۔ حرہ کے دن غائب ہوگیا۔ تمیم داری والی حدیث میں جو دجال کا ذکر ہے اس کے متعلق مرقات میں ہے کہ اس جزیرے میں دجال کا جو جسم تمیم داری نے دیکھا وہ اس کا مثالی جسم ہے یہ جسم ظاہری واللہ اعلم۔

الصَّیَّادِ حَتّٰی وَجَدُوْہُ یَلْعَبُ مَعَ الصِّبْیَانِ فِی اُطُمِ بَنِیْ مَغَالَۃَ وَقَدْ قَارَبَ ابْنُ صَیَّادٍ یَوْمَئِذٍ الْحُلُمَ فَلَمْ یَشْعُرْ حَتّٰی ضَرَبَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ظَھْرَہٗ بِیَدِہٖ ثُمَّ قَالَ اَتَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ فَنَظَرَ اِلَیْہِ فَقَالَ اَشْھَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ الْاُمِّیِّیْنَ ثُمَّ قَالَ ابْنُ صَیَّادٍ اَتَشْھَدُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللہِ فَرَصَّہُ النَّبِیُّ صَلَّی

طرف چلے حتی کہ ان بزرگوں کے ابن صیاد کو بچوں کے ساتھ بنی مغالہ کے ٹیلوں میں کھیلتا ہوا پایا[1] یا اس دن ابن صیاد قریب بلوغ تھا تو اسے کچھ پتہ نہ لگا حتی کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس کی پیٹھ پر مارا[2] پھر فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں[3] اس نے آپ کی طرف دیکھا بولا میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے پڑھوں کے رسول ہیں[4] پھر ابن صیاد بولا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں[5] تو اسے رسول اللہ

[1] بنی مغالہ یہود مدینہ کا ایک قبیلہ ہے اُطُم جمع ہے الحمۃ کی بمعنی مضبوط قلعہ یا ٹیلہ یعنی اس وقت ابن صیاد یہود کے ان مکانات محلوں ٹیلوں کے پاس بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

[2] ابن صیاد کا دعویٰ تھا کہ وہ آگے پیچھے اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھ لیتا ہے مگر اسے حضور انور کی تشریف آوری کا مطلقًا علم نہیں ہوا۔ حضور انور اس کا دعوٰے جھوٹا کرنا چاہتے تھے اس لیے آپ نے پیچھے سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔

[3] اس فرمان عالی میں سارے ایمانیات کی تلقین ہیں جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مان لے وہ توحید وغیرہ تمام عقائد کو مان لے گا اس سے معلوم ہوا کہ نابالغ بچہ کو اسلام کی تبلیغ کی جائے اور اس کا اسلام قبول کرنا معتبر ہے ورنہ حضور انور اسے یہ تبلیغ کیوں فرماتے۔

[4] یعنی آپ رسول تو ہیں مگر بے پڑھے لوگوں کے میں خود عالم ہوں آپ میرے رسول نہیں بعض یہود کا عقیدہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے رسول ہیں عام خلق کے رسول نہیں یہ عقیدہ بھی کفر ہے اسی لیے ابن صیاد اس کہنے سے مومن نہ بنا۔

[5] ابن صیاد کا یہ قول محض حضور انور کے فرمان عالی کے مقابلہ میں ہے ورنہ وہ مدعی نبوت نہ تھا عیاں رہے کہ کافر ذمی کو قتل نہیں کیا جاتا نہ کافر بچہ کو قتل کیا جائے نہ نابالغ بچہ کا ارتداد معتبر ہے ان وجوہ سے ابن صیاد قتل نہیں کیا گیا۔ لہذا اس حدیث کی بنا پر قادیانی یہ نہیں کہہ سکتے کہ مدعی نبوت مرتد نہیں اور نہ وہ قتل کیا جائے حدیث کا منشا کچھ اور ہی ہے۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَبِرُسُلِهٖ ثُمَّ قَالَ لِابْنِ صَيَّادٍ مَاذَا تَرٰى قَالَ يَاْتِيْنِيْ صَادِقٌ وَكَاذِبٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِّطَ عَلَيْكَ الْاَمْرُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ خَبَاْتُ لَكَ خَبِيْئًا وَخَبَاْ لَهٗ يَوْمَ تَاْتِيْ

صلے اللہ علیہ وسلم نے دبوچا[1] پھر فرمایا کہ میں اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لایا[2] پھر ابن صیاد نے فرمایا کہ تو کیا دیکھتا ہے[3] کہ میرے پاس سچے جھوٹے دونوں آتے ہیں[4] رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھ پر یہ چیز خلط ملط کر دی گئی[5] پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے ایک بات سوچی ہے[6] اور آپ نے یہ آیت سوچی

[1] مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں فرفضہ، ہے رفض سے مشتق بمعنی چھوڑنا یعنی حضور انور نے اسے چھوڑ دیا پھر اس سے یہ سوال نہ کیا عام نسخوں میں فرصّہ، ہے ص کے شد سے یہ بنا ہے رصّ سے بمعنی دبوچنا بعض اعضا کو بعض سے ملا دیا اس سے ہے مرصوص رب تعالٰے فرماتا ہے کانهم بنیان مرصوص بعض نسخوں میں ہے فرضہ نقطہ والی ضاد سے رض کے معنی ہیں توڑ نا مروڑنا۔

[2] یعنی میرا ایمان سارے رسولوں پر ہے اور تو رسول ہے نہیں پھر میں تجھے رسول اللہ کیسے کہوں میں خاتم النبیین ہوں سب سے آخری نبی نہ میرے زمانہ میں کوئی نبی ہو سکتا ہے نہ میرے بعد۔ خیال رہے کہ حضور انور کے زمانہ میں بھی کوئی نبی نہیں ہو سکتا جو ایسا مانے وہ مرتد ہے خاتم النبیین کا منکر خیال رہے کہ جھوٹے مدعی نبوت سے معجزہ مانگنا کفر ہے جب اس کی تصدیق کی نیت سے ہو۔

[3] یعنی تجھے غائبانہ کون سی چیزیں نظر آتی ہیں جن کی بنا پر تو بڑے بڑے دعوے کرتا ہے اور لوگوں کو گمراہ کرتا ہے

[4] یعنی میرے پاس جنات غیبی خبریں لاتے ہیں جن میں بعض سچی ہوتی ہیں اکثر جھوٹی اس سے بھی معلوم ہوا کہ ابن صیاد نبوت کا مدعی نہ تھا بلکہ اپنے کو کاہن کہتا تھا یہ نہ کہتا تھا کہ میرے پاس حضرت جبریل آتے ہیں اور محمدی بیگم کے ساتھ میرے نکاح کی بشارت لاتے ہیں لہٰذا قادیانی لوگ اس حدیث سے دلیل نہیں پکڑ سکتے مرزا جی اپنے کو صاف صاف نبی کہتے رہے۔

[5] یعنی خود تجھے اپنی خبروں کے متعلق اطمینان نہیں تو تیرے ذریعہ کسی اور کو اطمینان کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا تیری صحبت خطرناک ہے۔

[6] ابن صیاد کا دعوے تھا کہ میں لوگوں کے دلوں کے حالات خیالات جانتا ہوں اس لیے حضور انور نے اس سے یہ سوال فرمایا معلوم ہوا کہ کاہنوں کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے ان سے غیبی خبریں پوچھنا جائز ہے حضور انور نے اس کا جھوٹ ظاہر فرمانے کو یہ سوال کیا اسے اس طرح رسوا کرنا ثواب ہے۔

السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ فَقَالَ هُوَ الدُّخُ فَقَالَ اِخْسَأْ فَلَنْ تَعْدُوَ قَدْرَكَ قَالَ عُمَرُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَتَأْذَنُ لِيْ فِيْهِ أَنْ أَضْرِبَ عُنُقَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنْ يَّكُنْ هُوَ لَا تُسَلَّطُ عَلَيْهِ وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ هُوَ فَلَا خَيْرَ لَكَ فِيْ قَتْلِهٖ قَالَ ابْنُ عُمَرَ اِنْطَلَقَ بَعْدَ ذٰلِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

یوم تاتی السماء بدخان مبین تو وہ بولا کہ وہ دخ ہے [1] فرمایا دور ہو جا تو اپنی حیثیت سے آگے نہ بڑھے گا [2] حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مجھے آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس کی گردن مار دوں [3] تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ وہی ہوا تو تم کو اس پر قابو نہ دیا جاویگا اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو اسکے قتل میں تمہارے لئے بھلائی نہیں [4] ابن عمر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلے اللہ

[1] یعنی اس پوری آیت میں سے وہ پورا ایک لفظ بھی معلوم نہ کرسکا لفظ دخان کا صرف دخ معلوم کرسکا یہ ہی حال کاہنوں کا ہوتا ہے ان کی دس باتوں بلکہ سو میں سے ایک درست نکلتی ہے اور وہ سو میں سے ایک کا پتہ چلاتے ہیں خیال رہے کہ حضور نے یہ آیت اس لیے دل میں سوچی کہ اس میں علامت قیامت کا ذکر ہے اور دجال بھی علامات قیامت سے ہے نیز قتل دجال مرخ پہاڑ کے نزدیک ہوگا ان وجوہ سے حضور نے یہ آیت سوچی (اشعہ، مرقات)

[2] یعنی تو صرف ایک کاہن ہے نہ تجھے علم غیب ہے نہ تو خدا ہے نہ خدا کا مقبول بندہ پھر تو مجھ سے کیوں کہتا ہے کہ کیا آپ میری نبوت کی گواہی دیتے ہیں تیری یہ حیثیت اور یہ بات۔

[3] یعنی چونکہ اس سے بڑا فتنہ پھیلنے کا اندیشہ ہے اس لیے اسے قتل کردینا مناسب ہے یہ ہے حضرت فاروق کا جوش ایمانی فقہاء فرماتے ہیں کہ جو جادوگر لوگوں میں فساد پھیلاتے ہیں انہیں ہلاک کرتے ہیں بادشاہ اسلام اسے قتل کرادے۔

[4] یعنی اگرچہ دجال ہے کہ ارادۂ الٰہی یہ ہی ہے کہ دجال کو حضرت عیسٰی علیہ السلام قتل کریں اور اگر یہ دجال نہیں ہے تو نابالغ بچہ بھی ہے ہمارا ذمی کافر بھی اسے قتل کرنا جائز نہیں صرف کاہن ہونا قتل کے جواز کا سبب نہیں حضور انور کا اگر مگر سے کلام فرمانا یا اس لیے تھا کہ اس وقت تک دجال کے متعلق حضور کو پورا علم عطا نہ ہوا تھا بعد میں حضور نے دجال کی شکل اس کے اعمال اس کے خروج کا وقت سب کچھ بتادیا یہ اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کا اظہار مناسب نہیں یہ شک کے لیے نہیں بلکہ تشکیک کے لیے ہے ایسے صیغہ قرآن مجید میں بھی آتے ہیں یہ بے علمی کی دلیل نہیں یہ دوسرا قول صحیح ہے۔

وَسَلَّمَ وَاُبَیُّ ابْنُ کَعْبٍ الْاَنْصَارِیُّ یَوْمًا النَّخْلَ الَّتِیْ فِیْھَا ابْنُ صَیَّادٍ فَطَفِقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَّقِیْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ وَھُوَ یَخْتِلُ اَنْ یَّسْمَعَ مِنِ ابْنِ صَیَّادٍ شَیْئًا قَبْلَ اَنْ یَّرَاہُ وَابْنُ صَیَّادٍ مُضْطَجِعٌ عَلٰی فِرَاشِہٖ فِیْ قَطِیْفَۃٍ لَّہٗ فِیْھَا زَمْزَمَۃٌ فَرَاَتْ اُمُّ ابْنِ صَیَّادٍ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ یَتَّقِیْ بِجُذُوْعِ النَّخْلِ فَقَالَتْ اَیْ صَافِ وَھُوَ اسْمُہٗ ھٰذَا مُحَمَّدٌ فَتَنَاھٰی ابْنُ صَیَّادٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ تَرَکَتْہُ بَیَّنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عُمَرَ فَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

علیہ وسلم اور ابی ابن کعب ایک دن اس باغ میں تشریف لے گئے جس میں ابن صیاد تھا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھجور کی شاخوں میں چھپنے لگے ۱؎ آپ اس حیلہ سے ابن صیاد سے کچھ سننا چاہتے تھے اس سے پہلے کہ وہ آپ کو دیکھے اور ابن صیاد اپنے بستر پر اپنی کمبلی میں لپٹا ہوا تھا جس میں اس کی کچھ گنگناہٹ تھی ۲؎ ابن صیاد کی ماں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو کھجور کی شاخوں میں چھپتے دیکھ لیا تو بولی اے صاف یہ اس کا نام تھا ۳؎ یہ ہیں محمد تو ابن صیاد نے گنگناہٹ بند کردی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر یہ اسے چھوڑے رہتی تو یہ بیان کردیتا ۴؎ فرمایا عبداللہ ابن عمر نے کہ رسول اللہ صلے اللہ

۱؎ عرب میں باغ والے لوگ اپنے باغ میں مکان بنالیتے ہیں وہاں ہی رہتے سہتے ہیں ابن صیاد کے ماں باپ بھی انہیں میں سے تھے۔

۲؎ ابن صیاد کبھی گنگناہٹ میں اپنے حالات بیان کردیتا تھا حضور انور کا مقصد یہ تھا کہ اس وقت یہ اپنی مستی میں اپنے حالات بیان کررہا ہے ہم خود بھی سن لیں اور اس کے متعلق صحیح فیصلہ کردیں اس سے معلوم ہوا کہ بے دین مفسدین کے حالات چھپ کر دیکھنا سننا جائز ہے تاکہ ان کے فساد کی روک تھام ہوسکے آج ملکی انتظامات میں جاسوسی کو بڑا دخل ہے جس تجسس سے قرآن کریم میں منع فرمایا گیا وہ مسلمانوں کی عیب جوئی کے لیے تجسس کرنا مراد ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ۳؎ یعنی حضور انور یہاں تشریف فرما ہیں تو ان کا ادب و احترام کر تعظیم کے لیے اٹھ اپنا گانا چھوڑ۔ ۴؎ یعنی یہ بھی رب تعالٰی کی طرف سے ہوا کہ وہ سب کچھ اپنے متعلق بیان کررہا تھا ایک واقعہ درپیش آگیا کہ وہ کہتے کہتے رک گیا معلوم ہوا کہ رب تعالٰی کا یہی منشاء ہے کہ اس کا حال ضیغۂ راز میں رہے ورنہ وہ وقت اپنی موج میں خود اپنے حالات بیان کررہا تھا کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں یہ کرسکتا ہوں۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّاسِ فَاَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ ثُمَّ ذَكَرَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اِنِّيْ اُنْذِرُكُمُوْهُ وَمَا مِنْ نَبِيٍّ اِلَّا وَقَدْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ لَقَدْ اَنْذَرَ نُوْحٌ قَوْمَهٗ وَلٰكِنِّيْ سَاَقُوْلُ لَكُمْ فِيْهِ قَوْلًا لَمْ يَقُلْهُ نَبِيٌّ لِقَوْمِهٖ تَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ اَعْوَرُ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِاَعْوَرَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ لَقِيَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ يَعْنِيْ ابْنَ صَيَّادٍ فِيْ بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى

علیہ وسلم لوگوں میں کھڑے ہوئے تو اللہ تعالٰی کی وہ تعریف کی جو اس کے لائق ہے[1] پھر دجال کا ذکر فرمایا پھر فرمایا کہ میں نے تم کو اس سے ڈرایا ہے اور نہیں ہے کوئی نبی مگر اس نے اپنی قوم کو اس سے ڈرایا[2] چنانچہ حضرت نوح نے اپنی قوم کو ڈرایا اور میں تم سے اس کے متعلق وہ بات کہتا ہوں جو کسی نے اپنی قوم سے نہ کہی تم جانتے ہو کہ وہ کانا ہے اور اللہ کانا نہیں[3] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ اس سے یعنی ابن صیاد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر و عمر مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ملے[4] تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ

[1] حضور انور کا طریقہ مبارک تھا کہ اپنا کلام حمد الٰہی سے شروع فرماتے تھے وعظ عموماً دوسرے کلام خصوصًا یہ فرمان بطور وعظ تھا۔

[2] یہاں نبی سے مراد حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے پیغمبر ہیں جیساکہ گذشتہ حدیثوں سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کا ڈرانا اس کی اہمیت کے لیے تھا۔ جیسے حضور نے صحابہ کو قیامت سے ڈرایا حالانکہ ان حضرات کے زمانہ میں قیامت آنے والی نہ تھی۔

[3] یہ فرمان عالی ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ ابن صیاد دجال نہیں کہ حضور انور نے فرمایا کہ وہ کانا ہے اور ابن صیاد کانا نہ تھا۔ نیز یہ صاحب اولاد تھا مدینہ منورہ میں رہتا تھا مکہ معظمہ حج کے لیے جاتا تھا۔ کیونکہ حضور کے بعد وہ مسلمان ہوگیا تھا۔ مرقات نے یہاں فرمایا کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں مرا اس پر مسلمانوں نے نماز پڑھی اسے وہاں ہی دفن کیا۔ مگر دوسری روایات میں ہے کہ وہ جنگ حرہ میں گم ہوگیا واللہ اعلم بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یقین دلا دیا تھا کہ ابن صیاد دجال نہیں تمیم داری کی حدیث آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔

[4] یعنی کا فاعل حضرت ابوسعید خدری ہیں (مرقات) یہ ملاقات عوالی مدینہ میں اتفاقًا تھی اور ابن صیاد کے گھر تشریف لے جانیکا واقعہ دوسرا ہے شاید اس وقت ابن صیاد مسلمان نہ ہوا حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد مسلمان ہوگیا صحابہ کرام کے ساتھ اس نے حج کیا۔

اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَشْھَدُ اَنِّی رَسُوْلُ اللہِ فَقَالَ ھُوَ اَتَشْھَدُ اَنِّی رَسُوْلُ اللہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اٰمَنْتُ بِاللہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ مَاذَا تَرٰی قَالَ اَرٰی عَرْشًا عَلَی الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرٰی عَرْشَ اِبْلِیْسَ عَلَی الْبَحْرِ قَالَ وَمَا تَرٰی قَالَ اَرٰی صَادِقَیْنِ وَکَاذِبًا اَوْ کَاذِبَیْنِ وَصَادِقًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لُبِسَ عَلَیْہِ فَدَعُوْہُ **وَعَنْہُ** اَنَّ ابْنَ صَیَّادٍ سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ تُرْبَۃِ الْجَنَّۃِ فَقَالَ دَرْمَکَۃٌ بَیْضَاءُ

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو گواہی دیتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں [1] تو وہ بولا کہ کیا آپ گواہی دیتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں [2] تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالٰی اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اسکے رسولوں پر ایمان لایا تو کیا دیکھتا ہے بولا میں عرش پانی پر دیکھتا ہوں [3] تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو دریا پر ابلیس کا تخت دیکھتا ہے فرمایا تو اور کیا دیکھتا ہے وہ بولا میں دو سچے ایک جھوٹا یا دو جھوٹے اور ایک سچا دیکھتا ہوں تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر شبہ ڈال دیا گیا ہے [4] اسے چھوڑ دو (مسلم) روایت ہے انہیں سے کہ ابن صیاد نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے جنت کی مٹی کے متعلق پوچھا [5] تو فرمایا کہ سفید میدہ

[1] اس کے متعلق پہلے عرض کیا گیا کہ ابن صیاد کا یہ قول حضور انور کے مقابلہ میں تھا ورنہ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔

[2] جیسے بعض اولیاء اللہ ابلیس اور اس کے تخت کو آنکھوں دیکھ لیتے ہیں اور اس پر لاحول پڑھ کر اسے دفع کر دیتے ہیں بعض بے دین کاہنوں کو بھی وہ نظر آجاتا ہے اور وہ اس سے بہک جاتے ہیں خدا کی پناہ ابن صیاد کا یہ دیکھنا اسی طرح کا تھا وہ یہ ہی بیان کر رہا ہے

[3] یعنی اسے اپنی معلومات پر خود ہی یقین نہیں کہ سچی خبر کونسی ہے جھوٹی کونسی تو اس سے کچھ پوچھ گچھ کرنا بے کار ہے۔

[4] اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر میں ابن صیاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معتقد ہوگیا تھا کہ حضور سے غیبی خبریں پوچھنے لگا تھا اور آپ کے جواب پر کسی قسم کی جرح قدح نہیں کرتا تھا حضور کے پردہ فرمانے کے بعد تو مسلمان ہوگیا تھا معلوم یہ بھی ہوا کہ ابن صیاد بھی یہ جانتا تھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا ہے وہ جنت و دوزخ زمین و آسمان سب کی خبر رکھتے ہیں۔

مِسْكٌ خَالِصٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ نَافِعٍ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عُمَرَ ابْنَ صَيَّادٍ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ لَهُ قَوْلًا أَغْضَبَهُ فَانْتَفَخَ حَتَّى مَلَأَ السِّكَّةَ فَدَخَلَ ابْنُ عُمَرَ عَلَى حَفْصَةَ وَقَدْ بَلَغَهَا فَقَالَتْ لَهُ رَحِمَكَ اللّٰهُ مَا أَرَدْتَ مِنِ ابْنِ صَيَّادٍ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّمَا يَخْرُجُ مِنْ غَضْبَةٍ يَغْضَبُهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ صَيَّادٍ إِلَى مَكَّةَ فَقَالَ لِي مَا لَقِيتُ مِنَ النَّاسِ يَزْعُمُونَ أَنِّي الدَّجَّالُ أَلَسْتَ سَمِعْتَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خالص مشک ہے [۱] (مسلم) روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر مدینہ منورہ کے بعض راستوں میں ابن صیاد سے ملے [۲] تو آپ نے اس سے ایسی بات کہی جس نے اسے غضب ناک کردیا تو وہ پھولا حتی کہ گلی بھردی [۳] پھر ابن عمر جناب حفصہ کے پاس گئے انہیں یہ خبر پہنچ چکی تھی انہوں نے ان سے کہا اللہ تم پر رحمت کرے تم نے ابن صیاد سے کیا چاہا کیا تمہیں خبر نہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دجال ایک غصہ کی حالت میں ہی نکلے گا جس پر اسے غصہ آویگا [۴] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں کہ میں مکہ تک ابن صیاد کے ساتھ رہا تو اس نے مجھ سے کہا میں نے لوگوں سے بہت مصیبت پائی [۵] وہ گمان کرتے ہیں کہ میں دجال ہوں [۶] کیا تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو

[۱] درمکہ بروزن جعفر یعنی سفید میدہ بعد میں مبینار فرمانا توضیح کے لیے ہے یعنی جنت کی مٹی رنگت میں سفید خوشبو مشک خالص کی سی ہے۔ حضور کیوں نہ بتاتے حضور تو جنت کی سیر کرکے آئے ہیں۔

[۲] یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد کا ہے جیساکہ مضمون حدیث سے واضح ہے۔

[۳] حدیث بالکل ظاہر پر ہے واقعی وہ پھول کر اتنا موٹا ہوگیا کہ گلی ساری بھرگئی۔ اب بھی بعض چیزوں میں ہوا بھردی جائے تو موٹی ہوجاتی ہیں۔ [۴] یعنی اے ابن عمر تم اسے غصہ نہ دلاؤ اگر یہ واقعی دجال ہوا تو ابھی تم اسے غصہ سے دجال بنادوگے اور ابھی اس کے خروج کا وقت ہے نہیں۔

[۵] یہاں ما استفہامیہ ہے تعجب کے لیے یعنی مجھے کیسی مصیبت پڑی ہے جو لوگوں سے میں سنتا ہوں۔

[۶] یعنی لوگ مجھے دجال کہتے ہیں حالانکہ میں دجال نہیں ہوں میرے دجال نہ ہونے کی دلیلیں یہ ہیں جو میں خود عرض کررہا ہوں

يَقُوْلُ إِنَّهٗ لَا يُوْلَدُ لَهٗ وَقَدْ وُلِدَ لِيْ أَلَيْسَ قَدْ قَالَ هُوَ كَافِرٌ وَأَنَا مُسْلِمٌ أَوَلَيْسَ قَدْ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْمَدِيْنَةَ وَلَا مَكَّةَ وَقَدْ أَقْبَلْتُ مِنَ الْمَدِيْنَةِ وَأَنَا أُرِيْدُ مَكَّةَ ثُمَّ قَالَ لِيْ فِيْ اٰخِرِ قَوْلِهٖ أَمَا وَاللّٰهِ إِنِّيْ لَأَعْلَمُ مَوْلِدَهٗ وَمَكَانَهٗ وَأَيْنَ هُوَ وَأَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهٗ قَالَ فَلَبَسَنِيْ قَالَ قُلْتُ لَهٗ تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ قَالَ وَقِيْلَ لَهٗ أَيَسُرُّكَ أَنَّكَ ذَاكَ الرَّجُلُ قَالَ لَوْ عُرِضَ عَلَيَّ مَا كَرِهْتُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ

فرماتے ہوئے سُنتے نہ رہے کہ دجال کے اولاد نہ ہوگی اور میری اولاد ہے کیا حضور نے یہ نہ فرمایا کہ وہ کافر ہے اور میں مسلمان ہوں[1] کیا حضور نے یہ نہ فرمایا کہ وہ نہ مدینہ میں داخل ہوسکے گا نہ مکہ میں اور میں مدینہ سے آرہا ہوں اور مکہ کا ارادہ کر رہا ہوں[2] پھر اس نے مجھ سے اپنی آخری قول میں کہا کہ آگاہ رہو کہ میں اس کی پیدائش گاہ اور اس کی جگہ جانتا ہوں اور یہ کہ وہ کہاں ہے اور میں اس باپ و ماں کو پہچانتا ہوں[3] فرماتے ہیں کہ اس نے مجھے شبہ میں ڈال دیا[4] میں نے اس سے کہا کہ تو ہمیشہ ہلاک رہے فرمایا اور اس سے کہا گیا کیا تجھے یہ پسند ہے کہ تو ہی وہ دجال ہے فرماتے ہیں وہ بولا کہ اگر یہ مجھ پر پیش کیا جاوے تو میں ناپسند نہ کروں[5] (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عمر سے

[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد اس وقت مسلمان ہوچکا تھا۔

[2] ان دلائل کی بنا پر اکثر علماء فرماتے ہیں کہ ابن صیاد دجال معروف نہیں مگر جو حضرات فرماتے ہیں کہ وہ دجال ہی ہے وہ ان کے جواب یہ دیتے ہیں کہ ابھی ابن صیاد دجال نہیں بنا تھا جب دجال بن کر آوے گا تب اس کے یہ حالات ہوں گے کہ وہ کافر بھی ہوگا اولاد بھی ہوگا۔ کانا بھی اور حرمین طیبین کی زمین سے محروم بھی۔

[3] غالب یہ ہے کہ ابن صیاد نے یہ سب کچھ جھوٹ بولا اسے کچھ بھی پتہ نہ تھا صرف شیخی سے یہ کہہ رہا تھا (مرقات) بعض لوگوں نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں ہی دجال ہوں اس کی ہر حالت جانتا ہوں (اشعہ)

[4] یعنی پہلے تو مجھے خیال ہوگیا تھا کہ واقعی یہ دجال نہیں مگر اس کی گفتگو سے مجھے اشتباہ ہوگیا کہ یہ دجال ہے یا نہیں۔

[5] یعنی اگر میں ہی دجال بنادیا جاؤں اور اس کے تمام عیوب مجھ کو دے دیئے جاویں تو میں اس سے راضی ہوں اس سے اس کا کفر ظاہر ہے کہ رضا بالکفر کفر ہے۔ (لمعات، اشعہ) اس سے معلوم ہوا کہ وہ اسلام ظاہر کرنے پر بھی دل سے مسلمان نہ تھا۔

لَقِيْتُهُ وَقَدْ نَفَرَتْ عَيْنُهُ فَقُلْتُ مَتٰى فَعَلَتْ عَيْنُكَ مَا اَرٰى قَالَ لَا اَدْرِيْ قُلْتُ لَا تَدْرِيْ وَهِيَ فِيْ رَأْسِكَ قَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ خَلَقَهَا فِيْ عَصَاكَ فَنَخَرَ كَاَشَدِّ نَخِيْرِ حِمَارٍ سَمِعْتَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ قَالَ رَاَيْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَحْلِفُ بِاللّٰهِ اَنَّ ابْنَ الصَّيَّادِ الدَّجَّالُ قُلْتُ تَحْلِفُ

فرماتے ہیں کہ میں ابن صیاد سے ملا اس کی آنکھ سوج گئی ۱؎ تو میں نے کہا کہ تیری آنکھ نے کیا کیا جو میں دیکھ رہا ہوں بولا مجھے خبر نہیں ۲؎ میں نے کہا کہ تجھے خبر نہیں حالانکہ وہ تیرے سر میں ہے بولا اگر اللہ چاہے تو تمہاری لاٹھی میں آنکھ پیدا کردے ۳؎ فرماتے ہیں پھر گدھے کی سی سخت آواز نکالی جو تو نے سنا ہوگی ۴؎ (مسلم) روایت ہے حضرت محمد ابن منکدر سے ۵؎ فرماتے ہیں میں نے حضرت جابر عبداللہ کو دیکھا کہ وہ اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ابن صیاد دجال ہے ۶؎ میں نے کہا کہ آپ

۱؎ یعنی پہلے اس کی آنکھ اچھی بھلی تھی کہ اچانک سوج گئی اور کسی علاج سے اچھی نہ ہوئی پہلے میں نے اس کی آنکھ اچھی دیکھی تھی آج ورم ہوگئی۔

۲؎ یعنی بغیر سبب بغیر وجہ خود بخود یہ آنکھ ایسی ہوگی۔

۳؎ اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن صیاد خدا کو مانتا تھا اس کے قادر مطلق ہونے پر ایمان رکھتا تھا وہ کہہ یہ رہا ہے کہ مجھے یہ ورم تکلیف کے بغیر ہوا ہے اس لیے مجھے پتہ نہ لگا اگر یہ آنکھ میرے سر میں لگی جیسے اے ابن عمر اگر رب تعالٰی اچانک تمہاری لاٹھی میں آنکھ پیدا کردے بغیر کسی سبب کے تو اگرچہ لاٹھی تمہارے ساتھ رہتی ہے مگر تمہیں پتہ نہ لگے گا کیونکہ یہ کام اچانک ہوگا ایسے ہی میرا معاملہ ہے۔

۴؎ یعنی تم نے جتنے گدھوں کی آواز سنی ہو ان میں سخت تر آواز سے وہ رینگنے لگا کوئی گدھا اتنی سخت آواز سے نہیں رینگتا اس میں دو احتمال ہیں یا سمعت متکلم کا صیغہ ہو یا سمعت واحد مخاطب کا صیغہ دونوں مطلب درست ہیں (مرقات)

۵؎ آپ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں بڑے عالم فاضل زاہد ہیں بہت صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے اور بہت سے تابعین سے آپ نے روایات لی ہیں ۱۳۰ھ ایک سوتیس میں وفات پائی (اشعہ) آپ سے سفیان ثوری۔ عمرو ابن دینار جیسے حضرات نے روایت لیں۔

۶؎ حضرت جابر کا یہ قسم کھانا کسی نص شرعی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اپنے ذاتی خیال کی وجہ سے تھا جو انہوں نے بعض علامات سے قائم کیا تھا اسی علامت کا ذکر آگے ہے۔

بِاللّٰہِ قَالَ اِنِّیْ سَمِعْتُ عُمَرَ یَحْلِفُ عَلٰی ذٰلِكَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ سَلَّمَ فَلَمْ یُنْکِرْہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ **اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ** عَنْ نَافِعٍ قَالَ کَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ وَاللّٰہِ مَا اَشُكُّ اَنَّ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ ابْنُ صَیَّادٍ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ وَالْبَیْہَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ فَقَدْنَا ابْنَ صَیَّادٍ یَوْمَ الْحَرَّۃِ رَوَاہُ اَبُوْدَاوٗدَ

اللہ کی قسم کھا رہے ہیں فرمایا کہ میں نے حضرت عمر کو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اس پر قسم کھاتے سنا تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کا انکار نہ فرمایا [1] (مسلم بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت نافع سے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر کہتے تھے اللہ کی قسم میں اس میں شک نہیں کرتا کہ مسیح دجال ابن صیاد ہے [2] (ابوداؤد بیہقی۔ کتاب بعث والنشور) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ہم نے حرہ کے دن ابن صیاد کو گم پایا [3] (ابوداؤد)

[1] بعض علماء نے اس حدیث کی بنا پر فرمایا کہ غالب گمان پر قسم کھالینا جائز ہے قسم کے لیے یقین ضروری نہیں مگر بعض نے فرمایا کہ قسم صرف یقین پر کھائی جاسکتی ہے اور یہاں دجال سے مراد جھوٹا دجال ہے یعنی فتنہ گر فسادی حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں تیس دجال ہوں گے اور ظاہر ہے کہ ابن صیاد ان تیس میں سے یقینی ہے خصوصًا اس وقت جب کہ اس نے اسلام ظاہر نہ کیا تھا اس معنی سے وہ یقینًا دجال تھا اور یہ قسم یقین پر تھی اور ہوسکتا ہے کہ حضرت جابر کا یہ مذہب ہو کہ یقینًا ابن صیاد دجال اکبر ہے اپنے یقین پر قسم کھائی ہو۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ یہاں دجال سے مراد وہ ہی بڑا دجال ہے اور یہ حضرات ابن عمر کی اپنی رائے ہے علامات کی بنا پر۔

[3] جنگ حرہ وہ حادثہ ہے جو یزید مردود کے مدینہ منورہ پر حملہ کرنے پر نمودار ہوا واقعہ کربلا کے بعد اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنگ حرہ تک تو ہم نے ابن صیاد کو مدینہ منورہ میں دیکھا پھر اس کے بعد وہ ہم کو نظر نہ آیا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ابن صیاد مدینہ منورہ میں مرا اور ہم نے اس پر نماز پڑھی اسے دفن کیا کیونکہ حضرت جابر کو اس واقعہ کی اطلاع نہ ملی وہ اپنے علم کے مطابق فرما رہے ہیں۔ (مرقات،اشعہ)

وَعَنْ اَبِیْ بَکْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَمْکُثُ اَبُوا الدَّجَّالِ ثَلٰثِیْنَ عَامًا لَا یُوْلَدُ لَھُمَا وَلَدٌ ثُمَّ یُوْلَدُ لَھُمَا غُلَامٌ اَعْوَرُ اَضْرَسُ وَاَقَلُّہٗ مَنْفَعَۃً تَنَامُ عَیْنَاہُ وَلَا یَنَامُ قَلْبُہٗ ثُمَّ نَعَتَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَوَیْہِ فَقَالَ اَبُوْہُ طِوَالٌ ضَرْبُ اللَّحْمِ کَاَنَّ اَنْفَہٗ مِنْقَارٌ وَّ اُمُّہٗ اِمْرَاَۃٌ فِرْضَاخِیَّۃٌ طَوِیْلَۃُ الْیَدَیْنِ فَقَالَ اَبُوْبَکْرَۃَ فَسَمِعْنَا بِمَوْلُوْدٍ

روایت ہے حضرت ابوبکرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ دجال کا باپ تیس سال تک لاولد رہے گا کہ اس کے لئے اولاد نہ ہوگی پھر ان کے کانا بڑی ڈاڑھ والا کم نفع والا کم نفع والا لڑکا پیدا ہوگا[۱] جس کی آنکھیں سوئیں گی اس کا دل نہ سوئے گا[۳] پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کے ماں باپ کا ذکر فرمایا تو فرمایا کہ اس کا باپ دراز قد دبلا ہوگا گویا اس کی ناک چونچ ہے اور اس کی ماں موٹی لمبے ہاتھ والی عورت ہے[۴] ابوبکرہ کہتے ہیں کہ ہم نے مدینہ منورہ میں یہود میں

[۱] یہ وہ علامات ہیں جن کی بنا پر بعض صحابہ کو یقین ہوگیا کہ ابن صیاد دجال ہے۔ ممکن ہے اس حدیث میں دجال سے مراد بڑا دجال نہ ہو بلکہ چھوٹے دجالوں میں سے ایک دجال ہو۔ (مرقات)

[۲] اضرس کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک یہ کہ اس کے منہ میں پیدائشی ڈاڑھ ہوگی کہ اپنے منہ میں ماں کے پیٹ سے ڈاڑھ لانے گا دوسرے یہ کہ پیدا تو بغیر دانت و ڈاڑھ کے ہی ہوگا۔ مگر جب اس کے داڑھیں نکلیں گی تو دوسرے انسانوں سے بڑی ہوں گی دوسرے معنی کو ترجیح دی گئی ہے۔

[۳] یعنی اس بچہ میں دوسری حیرت ناک بات یہ ہوگی کہ وہ گھر والوں یا دوسروں کو کوئی فائدہ نہ دے گا یا بہت کم دے گا کام کاج کم کرے گا ماں باپ کی فرمانبرداری کم کرے گا مگر نقصان زیادہ دے گا اس کے ذریعہ چیزیں زیادہ خراب ہوں گی لوگوں سے لڑائی دنگے بہت کرے گا سوتے میں دل اس کا بیدار رہے گا کہ لوگوں کی باتیں سن لیا کرے گا۔ ہر چیز دیکھ لیا کرے گا۔

[۴] یعنی جیسے اس لڑکے میں چند حیرتناک علامات ہوں گی ایسے ہی اس بچے کے ماں باپ میں چند خصوصیات ہونگی جن علامات سے وہ دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوں گے باپ لمبا۔ دبلا ناک چونچ کی طرح ماں موٹی لمبے ہاتھ والی اللہ تعالٰے نے اپنے محبوب کو ہر چیز بتائی بلکہ دکھائی ہے۔

فِي الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ فَذَهَبْتُ أَنَا وَالزُّبَيْرُ بْنُ الْعَوَّامِ حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَبَوَيْهِ فَإِذَا نَعْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمَا فَقُلْنَا هَلْ لَكُمَا وَلَدٌ فَقَالَا مَكَثْنَا ثَلَاثِينَ عَامًا لَا يُولَدُ لَنَا وَلَدٌ ثُمَّ وُلِدَ لَنَا غُلَامٌ أَعْوَرُ أَضَرُّ شَيْءٍ وَأَقَلُّهُ مَنْفَعَةً تَنَامُ عَيْنَاهُ وَلَا يَنَامُ قَلْبُهُ قَالَ فَخَرَجْنَا مِنْ عِنْدِهِمَا فَإِذَا هُوَ مُنْجَدِلٌ

ایک بچہ سنا تو میں اور زبیر ابن عوام گئے [۱] حتی کہ ہم اس کے ماں باپ پاس گئے تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ اوصاف ان دونوں میں تھے [۲] تو ہم نے کہا کیا تمہارے کوئی بچہ ہے تو وہ دونوں بولے ہم تیس سال رہے کہ ہمارے اولاد نہ ہوئی پھر ہمارے کانا [۳] بڑی ڈاڑھ والا بچہ پیدا ہوا کم نفع والا جس کی آنکھیں سوتی ہیں اور اس کا دل نہیں سوتا [۴] فرماتے ہیں کہ ہم ان کے پاس سے نکلے تو وہ دھوپ میں ایک کمبل میں لیٹا ہوا

[۱] یعنی ہم کو خبر لگی کہ یہود مدینہ میں ایک بچہ اس شکل و شباہت کا پیدا ہوا ہے جو حضور انور نے ارشاد فرمائی تھی ہم کو اس کے دیکھنے کا شوق ہوا اس لیے ہم اس محلہ اس کے گھر گئے۔

[۲] ان بزرگوں نے اس بچہ کو دیکھنے سے پہلے اس کے ماں باپ کی تحقیق کی انہیں اسی طرح کا پایا جو حضور انور نے دجال کے ماں باپ کے متعلق خبر دی تھی خیال رہے کہ کافرہ، فاسقہ، بے پردہ آوارہ عورتوں کا دیکھنا حرام نہیں خصوصًا ضرورت کے وقت ان بزرگوں نے اس کی ماں کو تحقیق کے لیے دیکھا طبیب مریضہ کو۔ قاضی شاہدہ کو۔ گواہ مدعیہ کو ضرورۃً دیکھ سکتے ہیں۔

[۳] غالبًا وہ پیدائشی ایک آنکھ کا کانا ہوگا بعد میں یہ ہی آنکھ سوج گئی ہوگی یا دوسری آنکھ لہذا یہ حدیث گذشتہ سی حدیث کے خلاف نہیں۔ جس میں ہے کہ ہم نے دیکھا اس کی ایک آنکھ آج سوج گئی۔ ہم نے پوچھا کب سوجی وہ بولا مجھے خبر نہیں۔

[۴] چنانچہ اس کے سونے کی حالت میں جو کچھ کہا جاوے وہ سن لیتا ہے جو کوئی آوے اسے دیکھ لیتا ہے۔ پھر خراٹے بھی لیتا ہے۔ خیال رہے کہ دجال کے لیے یہ صفت عیب ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ صفت کمال ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے ہیں سب کچھ دیکھتے سنتے ہیں ان کی حفاظت و ہدایت کے لیے وہ سب کو دیکھنا ہے گمراہ کرنے کے لیے دجال کی گمراہ گری کبھی بند نہیں ہوتی۔ حضور انور کی ہدایت کبھی نہیں رکتی۔ اب بھی حضور ہم سب کو دیکھتے ہم سب کی سنتے ہیں۔

فِي الشَّمْسِ فِي قَطِيفَةٍ وَلَهُ هَمْهَمَةٌ فَكَشَفَ عَنْ رَأْسِهِ فَقَالَ مَا قُلْتُمَا قُلْنَا وَهَلْ سَمِعْتَ مَا قُلْنَا قَالَ نَعَمْ تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ وَعَنْ جَابِرٍ أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْيَهُودِ بِالْمَدِينَةِ وَلَدَتْ غُلَامًا مَمْسُوحَةً عَيْنُهُ طَالِعَةً نَابُهُ فَأَشْفَقَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكُونَ الدَّجَّالَ فَوَجَدَهُ تَحْتَ قَطِيفَةٍ يُهَمْهِمُ فَآذَنَتْهُ أُمُّهُ فَقَالَتْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ هَذَا أَبُو الْقَاسِمِ

تھا اس کی کچھ گنگناہٹ تھی ۱؂ تو اس نے اپنا سر کھولا تو بولا کہ تم نے کیا کہا ہم نے کہا کہ کیا تم نے ہماری بات سن لی بولا ہاں میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا ۲؂ (ترمذی) روایت ہے حضرت جابر سے کہ ایک یہودیہ عورت نے مدینہ میں ایک بچہ جنا جس کی ایک آنکھ سپاٹ تھی اس کی ڈاڑھ اُگی ہوئی تھی ۳؂ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خوف کیا کہ یہ ہی دجال ہوگا ۴؂ اسے ایک کمبل کے نیچے پایا گنگنا رہا تھا ۵؂ اس کی ماں نے خبر دیدی بولی اے اللہ کے بندے یہ ابوالقاسم ہیں ۶؂

۱؂ ہمہمہ گائے کی ہلکی آواز کو کہتے ہیں یہاں وہ آواز مراد ہے جو سوتے میں نکلتی ہے جس میں انسان کچھ باتیں کرتا ہے اسے اردو میں گنگناہٹ یا بڑبڑانا کہتے ہیں (مرقات)

۲؂ اس لیے میں نے سوتے میں ہی تم کو دیکھ بھی لیا۔ اور تمہاری باتیں سن بھی لیں۔

۳؂ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی کانا اور ڈاڑھ والا تھا حدیث پاک کے ظاہری معنی یہ ہی ہیں۔ بعض شارحین نے کہا کہ یہاں ناب جنسی معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی ساری ڈاڑھیں کیلیں پیدائشی تھیں۔

۴؂ اس کے متعلق عرض کیا جاچکا ہے کہ یہاں دجال سے مراد چھوٹا دجال ہے اور ممکن ہے کہ بڑا دجال ہی مراد ہو اور یہ پہلے کا واقعہ ہو بعد میں حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے بڑے دجال کی بہت سی نشانیاں بیان فرمائی ہوں۔

۵؂ اس گنگنانے میں وہ اپنے حالات خصوصی بیان کر رہا تھا کہ میں یہ ہوں میں وہ ہوں وہ سب کچھ ہی کہہ جاتا اگر اسے روکا نہ جاتا۔

۶؂ یعنی یہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو اپنا گنگنانا چھوڑ ان کا ادب و احترام کر معلوم ہوتا ہے کہ ماں کی نیت بری نہ تھی اور منظور الٰہی یہ تھا کہ ابن صیاد کے حالات پردہ میں ہی رہیں۔

فَخَرَجَ مِنَ الْقَطِيفَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَهَا قَاتَلَهَا اللهُ لَوْ تَرَكَتْهُ لَبَيَّنَ فَذَكَرَ مِثْلَ مَعْنَى حَدِيثِ ابْنِ عُمَرَ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ ائْذَنْ لِي يَا رَسُولَ اللهِ فَأَقْتُلَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنْ يَكُنْ هُوَ فَلَسْتَ صَاحِبَهُ إِنَّمَا صَاحِبُهُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَإِنْ لَا يَكُنْ هُوَ فَلَيْسَ لَكَ أَنْ تَقْتُلَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ فَلَمْ يَزَلْ رَسُولُ

تو وہ کمبل سے نکل پڑا تب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا اسے غارت کرے اسے کیا ہوا[1] اگر یہ اسے چھوڑ دیتی تو یہ بیان کر دیتا پھر حضرت ابن عمر کی حدیث کے معنی کی مثل ذکر کیا تب جناب عمر ابن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیں کہ میں اسے قتل کردوں[2] تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر یہ وہ ہی ہے تو اسکے قاتل تم نہیں اسکے قاتل حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں[3] اور اگر یہ وہ نہیں ہے تو تمہیں مناسب نہیں کہ ذمہ والوں میں سے کسی کو قتل کرو[4] پھر رسول اللہ

[1] یعنی اسے سوجھا گیا کہ میری خبر ابن صیاد کو دے کر اسے خاموش کر دیا کچھ دیر خاموش رہی ہوتی خیال رہے کہ عربی میں قاتلہ اللہ اظہار غضب کے لیے کہا جاتا ہے اس سے بد دعا مقصود نہیں ہوتی رب تعالیٰ فرماتا ہے قاتلهم الله انى يوفكون

[2] کیوں کہ یہ بڑا فتنہ گر فسادی ہوگا اگرچہ یہ ابھی بے قصور بچہ ہے مگر حضرت خضر نے بھی تو ایک بے قصور بچہ کو اس لیے قتل کیا کہ وہ آگے چل کر فساد پھیلاتا مجھے بھی اس کے قتل کی اجازت دیجیے تاکہ فساد کی جڑ کٹ جائے۔

[3] یعنی اگر یہ وہ ہی بڑا دجال ہے جس کا خروج قریب قیامت ہوگا تو تم اس کے قتل پر قادر نہ ہو گے کہ یہ ارادۂ الٰہی کے خلاف ہے۔

[4] یعنی اسلامی قانون سے اس کا قتل جائز نہیں کہ یہ ہے یہودی ذمی اور ذمی کا قتل بغیر بڑے جرم کے جائز نہیں حضرت خضر علیہ السلام بھی اب کسی بے قصور بچے کو قتل نہیں کر سکتے کہ اب وہ بھی اسلامی قوانین کے پابند ہیں یہ دین موسوی نہیں جس سے حضرت خضر یا کوئی شخص الگ ہو۔

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشْفِقًا أَنَّهُ هُوَ الدَّجَّالُ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ

بَابُ نُزُولِ عِيسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَلْفَصْلُ الْأَوَّلُ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُوشِكَنَّ أَنْ يَنْزِلَ فِيكُمُ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَدْلًا فَيَكْسِرُ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلُ الْخِنْزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ

صلے اللہ علیہ وسلم اس سے خوف فرماتے رہے کہ یہ دجال ہو[1] (شرح سنۃ) (عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری) [2] پہلی فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے قریب ہے کہ تم میں [3] ابن مریم حاکم۔ عادل ہو کر اتریں وہ صلیب کو توڑیں گے سوروں کو فنا کردیں گے [4] جزیہ کو

[1] اس کے متعلق پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ حضور انور کا یہ خوف اولاً تھا پھر بعد میں تو حضور نے دجال کے ایسے حالات بیان فرمائے جن سے ہم سننے والوں کو یقین ہے کہ وہ دجال ابھی نہیں آیا ادھر تمیم داری کی وہ حدیث کہ انہوں نے ایک کلیسہ میں اسے زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا واضح کرتی ہے کہ ابن صیاد دجال نہیں لہذا حضور انور کو بعد میں یقین تھا کہ یہ دجال نہیں ماں باپ کے حالات یکساں ہوسکتے ہیں صفات کے ایک ہونے سے چند موصوف ایک نہیں ہوجاتے لہذا اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا کم علمی ثابت نہیں ہوتی۔

[2] قریب قیامت حضرت عیسےٰ علیہ السلام زمین پر تشریف لائیں گے دین محمدی کے تابع ہوں گے حضور کی شریعت پر عمل کریں گے اور لوگوں سے عمل کرائیں گے جزیہ اور سود کو ختم فرمادیں گے یعنی کسی شخص کو کافر رہ کر جزیہ دینے کا اختیار نہ ہوگا کوئی سور نہ کھاسکے گا سور فنا کردیئے جائیں گے یہ دونوں حکم آپ منسوخ نہ کریں گے خود حضور انور نے فرمادیا تھا کہ ان کی تشریف آوری پر یہ دونوں حکم منسوخ ہوجائیں گے ان کے ناسخ خود حضور انور کے فرمان ہیں جن کا ظہور اس وقت ہوگا۔

[3] یعنی تم مسلمانوں میں وہ آئیں گے نہ کہ تم صحابہ میں۔

[4] اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ سوروں کا شکار کرتے رہیں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو نہ کافر رہنے کی اجازت ہوگی نہ سور کھانے شراب پینے کی اس وقت کفار کے لیے دو ہی صورتیں ہوں گی یا اسلام یا قتل یہ حضور ہی کا حکم ہے جس کا ظہور اس دن ہوگا۔

وَيَفِيضَ الْمَالُ حَتّٰى لَا يَقْبَلَهُ اَحَدٌ حَتّٰى تَكُوْنَ السَّجْدَةُ الْوَاحِدَةُ خَيْرًا مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ثُمَّ يَقُوْلُ اَبُوْهُرَيْرَةَ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الْاٰيَةَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ

ختم فرمادیں گے مال کو بہا دینگے حتی کہ اسے کوئی قبول نہ کرے گا حتی کہ ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہوگا[1] پھر جناب ابو ہریرہ فرماتے تھے کہ اگر چاہو تو یہ آیت پڑھو کہ کوئی اہل کتاب نہیں مگر وہ ان پر ان کی وفات سے پہلے ایمان لے آوے گا[2] (مسلم۔بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے خدا کی قسم ابن مریم اتریں گے حاکم عادل ہو کر[3] تو صلیب توڑ

[1] یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تشریف آوری کی برکت سے دنیاوی مالی دلی تقوٰی بہت ہی ہوجائے گا سارے لوگ متقی پرہیزگار عبادت گزار شب بیدار ہوجائیں گے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے دم قدم سے زمانے بدل جاتے ہیں دل تقوٰی سے بھر جاتے ہیں دلوں پر ان کا اثر پڑتا ہے یہ حضرات لوگوں کے دل رنگ دیتے ہیں۔لوگ سوچ لیں کہ کیا مرزائے قادیان کے زمانہ میں یہ کام ہوئے وہ تو خود چندہ کرتے ہوئے قبریں فروخت کرتے ہوئے مرا پھر کس طرح وہ مسیح موعود ہوسکتا ہے رب تعالٰی اس کی شر سے مسلمانوں کو بچائے۔

[2] یعنی عیسٰی علیہ السلام کی وفات سے پہلے یہودی اور عیسائی سارے ہی آپ کو اللہ کا بندہ اللہ کا رسول مان لیں گے اور ابھی تو سب مسلمان ہوئے نہیں معلوم ہوا کہ ابھی عیسٰی علیہ السلام کی وفات بھی نہیں ہوئی قبل موتہٖ میں ہ ضمیر عیسٰی علیہ السلام کی طرف ہے نہ کہ اہل کتاب کی طرف کیونکہ اپنی موت کے وقت کا ایمان قبول نہیں ہوتا۔لہذا اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ سارے اہل کتاب اپنی موت سے پہلے حضرت مسیح پر ایمان لے آتے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ مرزائے قادیانی مسیح موعود نہیں وہ تو خود عیسائیوں کی سلطنت میں ان کا غلام بن کر رہا انہیں کی غلامی میں مرا۔

[3] چونکہ قریب قیامت آپ چوتھے آسمان سے فرش پر آویں گے اسی لیے نزول فرمایا گیا چونکہ آپ بغیر والد کے پیدا ہوئے اسی لیے ابن مریم فرمایا نیز ابن مریم فرما کر یہ بتایا کہ یہ مسیح وہ ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام ہوں گے جو پہلے دنیا میں تشریف لاچکے تھے اس نام کا کوئی اور آدمی نہ ہوگا افسوس ہے کہ مرزا قادیانی کا نام غلام احمد ماں کا نام چراغ بی بی اور وہ آسمان سے اترے نہیں بلکہ ماں کے پیٹ سے جنے گئے مگر پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ مسیح موعود میں ہی ہوں بھلا کچھ حد ہے اس ڈھٹائی کی۔

الصَّلِيْبَ وَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيْرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ رَوَاهُ

دیں گے اور سور فنا کر دیں گے جزیہ ختم فرمادیں گے[1] اونٹنیاں آوارہ چھوڑ دی جائیں گی جن پر کام کاج نہ کیا جاوے گا[2] اور کینے۔ بغض۔ حسد جاتے رہیں گے[3] وہ مال کی طرف بلائیں گے تو کوئی اسے قبول نہ کرے گا[4]

[1] ان تینوں کے معنے پہلے عرض کیے جا چکے ہیں کہ صلیب توڑنے کے معنی یہ ہیں کہ صلیب فنا کر دی جائے گی کسی کو اس کی پرستش کی اجازت نہ ہوگی۔ اسی طرح سور فنا کر دیے جائیں گے کہ نہ کوئی انہیں کھا سکے گا نہ پال سکے گا۔ مرزائی ان باتوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ کیا عیسٰے علیہ السلام سوروں کا شکار کیلئے پھریں گے وغیرہ وغیرہ وہ اس کا مطلب یا سمجھتے نہیں یا دیدہ دانستہ یہ کہتے ہیں۔

[2] اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اونٹوں کی زکوۃ نہ لی جاوے گی کہ مال کی زیادتی کی وجہ سے زکوۃ لینے والا کوئی نہ ہوگا۔ یعنی یسعٰی بنا ہے سعایۃ سے جس سے ہے ساعی دوسرے یہ کہ اونٹنیوں پر سواری باربرداری نہ کی جائے گی کیونکہ دوسری سواریاں ان کاموں کے لیے بہت ایجاد ہو چکی ہوں گی۔ خیال رہے کہ ابھی اونٹنیاں معطل نہ ہوئیں ان سے بہت کام لیے جارہے ہیں لہذا مرزا قادیانی کا یہ کہنا کہ میرے زمانہ میں اونٹ بے کار ہوگئے ریل موٹر وغیرہ کی وجہ سے محض غلط ہے آنکھوں دیکھ لو کہ اونٹوں سے صدہا کام لیے جارہے ہیں۔ لوگوں میں امیری نہیں خود مرزا جی مانگتے رہے یا اونٹوں کو شکاری جانور کا خطرہ نہ رہے گا کوئی ان کی حفاظت نہ کرے گا۔

[3] یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے لوگوں کے دلوں سے حسد بغض کینے نکل جائیں گے کیونکہ کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ رہے گی۔ ہر ایک کو دین و ایمان کی لگن لگ جائے گی محبت دنیا ان سب کی جڑ ہے جب جڑ ہی کٹ گئی تو شاخیں کیسے رہیں نیز مختلف دین نہ رہیں گے سب کا دین ایک اسلام ہوگا۔ غرضکہ نہ دنیاوی جھگڑے رہیں گے نہ دینی اختلافات نہ کسی کو حرص مال ہوگی نہ عزت وجاہ کی خواہش غرض کہ آپ کی برکت سے دلوں کی دنیا بدل جاوے گی۔

[4] یعنی لوگوں کو مال کی نہ ضرورت رہے گی نہ ہوس کفایت قناعت دونوں میسر ہوں گی اس لیے مال لینا منظور نہیں کریں گے کہ انہیں رغبت نہ ہوگی۔

مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهُمَا قَالَ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِيْ يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ قَالَ فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمْ تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُوْلُ لَا اِنَّ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ

(مسلم) اور مسلم بخاری کی روایت میں ہے فرمایا تم کیسے ہوں گے جب تم میں ابن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا [1] روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کی ایک جماعت حق پر قیامت تک لڑتی رہے گی [2] فرمایا تب عیسٰے ابن مریم نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آئیے ہم کو نماز پڑھائیے تو وہ کہیں گے [3] نہیں تم میں سے بعض بعض پر

[1] اس فرمان عالی کے چند معنی کیے گئے ہیں ایک یہ کہ واما مکم میں واو حالیہ ہے مطلب یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام اس حالت میں اتریں گے کہ نماز کی جماعت ہو رہی ہوگی اور مسلمانوں کو ان کا امام نماز پڑھا رہا ہوگا۔ یعنی امام مہدی بعد میں نمازیں عیسٰی علیہ السلام ہی پڑھایا کریں گے۔ دوسرے یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خلیفۃ المسلمین ہوں گے مگر امامت نماز حضرت مہدی کیا کریں گے جو عرب ہوں گے قرشی ہاشمی مسلمین میں سے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ خود عیسٰی علیہ السلام ہی تم مسلمانوں میں سے ہوں گے اور امام ہوں گے نماز پڑھایا کریں گے بعض شارحین نے اس تیسرے معنی کو ترجیح دی ہے کیونکہ پہلے دو معنی سے لازم آوے گا کہ عیسٰی علیہ السلام اس وقت بھی مسلمانوں میں سے نہ ہوں بلکہ ان کا دین اپنا پرانا دین ہو پہلے دو معنی سے معلوم ہو رہا ہے کہ عیسٰی علیہ السلام اور ہوں گے امام کوئی اور ہوگا مگر مرزائے قادیان کہتا ہے کہ میں ہی عیسٰی ہوں میں ہی امام مہدی میں ہی کرشن میں ہی خدا اور یہ حدیث پیش کرتا ہے یہ حدیث تو اس کے خلاف ہے۔

[2] قیامت سے مراد قریب قیامت ہے جب کہ دنیا میں مومن و کافر دونوں ہوں گے قیامت کے قیام کے وقت تو مومن رہیں گے۔ اور طائفہ سے مراد اسلام کے غازی مجاہد اور علماء ربانی۔ صوفیاء کرام اولیاء عظام ہیں کہ تاقیامت اسلام میں یہ جماعتیں رہیں گی اس سے معلوم ہوا کہ جہاد قیامت تک ہے مگر مرزا قادیانی کہتا ہے کہ میں نے جہاد منسوخ کر دیا۔

[3] امیر سے مراد امام مہدی ہیں جو مسلمانوں کے اس وقت دینی امیر حاکم ہوں گے رضی اللہ عنہ وہ کہیں گے کہ آپ مجھ سے افضل ہیں کہ اپنے وقت کے نبی اور اس وقت کے عالم مجتہد ہیں آپ نماز پڑھائیے۔

أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ اللّٰهِ هٰذِهِ الْأُمَّةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَهٰذَا الْبَابُ خَالٍ عَنِ الْفَصْلِ الثَّانِي

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

يَنْزِلُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ إِلَى الْأَرْضِ فَيَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ وَيَمْكُثُ خَمْسًا وَ

اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ثُمَّ يَمُوْتُ فَيُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ فَأَقُوْمُ أَنَا وَعِيْسَى بْنُ

امیر ہیں یہ اللہ کی طرف سے اس امت کے احترام کی وجہ سے [۱] (مسلم) اور یہ باب دوسری فصل سے خالی ہے تیسری فصل روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ عیسےٰ ابن مریم زمین کی طرف اتریں گے نکاح کریں گے ان کے اولاد ہوگی [۲] اور پنتالیس سال قیام کریں گے [۳] پھر وفات پائیں گے میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن کئے جائیں گے [۴] تو ہم اور عیسےٰ

[۱] یعنی میں نماز پڑھانے نہیں آیا دین اسلام کی دوسری خدمتیں کرنے آیا ہوں امام آپ ہمارے ہیں اول وقت تو آپ ہی فرمائیں گے بعد میں بہت سی نمازیں بارہا پڑھائیں گے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام امامت کریں گے (مرقات)

[۲] ظاہر یہ ہے کہ آپ نکاح ایک ہی کریں گے اور اولاد ایک سے زیادہ ہوگی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

[۳] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمین میں ٹھہرنے کے متعلق تین روایتیں ہیں سات سال، چالیس سال، پنتالیس سال ان میں مطابقت اس طرح سے کی جاسکتی ہے کہ آپ تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر تشریف لے گئے اور اب قریب قیامت تشریف لاکر بارہ سال زمین میں رہیں گے جن روایات میں پنتالیس سال ہے وہاں یہ مجموع پورا قیام مراد ہے جن میں چالیس ہے وہاں مجموعی دونوں قیاموں کی دہائی لے لی گئی ہیں اکائی جو مثل کسر کے ہے چھوڑ دی گئی ہے سات سال والی روایت میں آئندہ قیام کا ذکر ہے پانچ سال دجال کو فنا کرنے یاجوج ماجوج سے مسلمانوں کو بچانے دنیا میں انتظام قائم کرنے میں صرف ہوں گے اور سات سال مستقل امان کے ساتھ خلافت کرنے میں (مرقات)

[۴] چنانچہ اب روضہ شریف میں تین قبریں ہیں چوتھی قبر کی جگہ خالی ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن ہوں گے لوگوں نے امام حسن کو وہاں دفن کرنا چاہا حضرت عائشہ صدیقہ نے اجازت دے دی مگر بنی امیہ نے دفن نہ ہونے دیا پھر عبدالرحمن ابن عوف کو دفن کرنا چاہا جناب عائشہ صدیقہ نے اجازت دے دی مگر یہ نہ ہوسکا۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ وہاں دفن ہوں کہ یہ گھر آپ ہی کا ہے مگر آپ نے فرمایا نہیں مجھے میری سہیلیوں یعنی دوسری ازواج کے ساتھ دفن کرنا بقیع میں۔ ارادہ الٰہی تھا کہ وہ جگہ خالی رہے (اشعہ)

مَرْيَمَ فِي قَبْرٍ وَاحِدٍ بَيْنَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَوَاهُ ابْنُ الْجَوْزِيِّ فِي كِتَابِ الْوَفَاءِ بَابُ قُرْبِ السَّاعَةِ وَإِنَّ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ الْفَصْلُ الْأَوَّلُ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهَاتَيْنِ قَالَ شُعْبَةُ وَسَمِعْتُ قَتَادَةَ يَقُولُ فِي قَصَصِهِ كَفَضْلِ

ابن مریم ابوبکر و عمر کے درمیان ایک مقبرے سے اٹھیں گے ۱ (ابن جوزی۔ کتاب الوفا) قیامت کا قریب ہونا اور جو مرگیا تو اس کی قیامت قائم ہوگئی ۲ پہلی فصل روایت ہے حضرت شعبہ سے وہ قتادہ سے وہ جناب انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کریں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح بھیجے گئے ہیں ۳ شعبہ نے فرمایا کہ میں نے قتادہ کو ان کے وعظوں میں

۱ یہاں قبر سے مراد مقبرہ ہے یعنی قیامت کے دن روضۂ انور سے ہم چار صالحین اٹھیں گے جن میں درمیانی ہوں گے بیچ میں اور داہنے بائیں صدیق اور عمر فاروق شہید اکبر ہوں گے گویا من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین اس آیت کا پورا مظہر اور ان پانچوں کا مجمع یہاں ہوگا حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق بعد انبیاء سب سے افضل اور سب سے بڑھ کر خوش نصیب ہیں

۲ قیامت کو ساعت اس لیے کہتے ہیں کہ قیامت کا قیام بھی پل بھر میں اچانک ہوجانے گا حدیث شریف میں قیامت تین معنی میں ارشاد ہوتا ہے قیامت صغریٰ (چھوٹی) یعنی انسان کی اپنی موت۔ قیامت وسطیٰ (درمیانی) ایک زمانہ کا ختم ہونا جیسے قرن کہتے ہیں۔ قیامت کبریٰ (بڑی) یعنی لوگوں کا سزا جزا کے لیے اٹھنا یہاں پہلی ساعت سے مراد قیامت کبریٰ ہے اور دوسری قیامت سے مراد قیامت صغرےٰ ہے قیامت کبریٰ قریب ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کا بہت زمانہ گذر چکا جتنا باقی ہے وہ بہت تھوڑا ہے۔ خیال رہے کہ قیامت کبریٰ کے بہت سے موقعہ ہیں پہلا نفخہ جب سب فنا یا بیہوش ہوجائیں گے۔ دوسرا نفخہ جب سب زندہ یا باہوش ہوجائیں گے پھر اول حال ظہور جلال کا وقت پھر درمیانہ حال جب حساب و کتاب اس کے علاوہ دوسرے کام ہوں گے پھر آخر حال فیصلہ کا وقت ان مختلف اوقات میں مختلف حال ہوں گے۔

۳ ہاتین سے اشارہ کلمہ کی اور بیچ کی انگلی کی طرف ہے اور اس فرمان عالی کے چند معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جیسے ان دو انگلیوں کے درمیان میں کوئی انگلی نہیں ایسے ہی میرے اور قیامت کے درمیان کوئی نبی نہیں ہمارا دین قیامت سے ملا ہوا اور قیامت تک ہے یا ہم قیامت سے بہت قریب ہیں کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی سے قریب یا ہم قیامت سے وہاں کے حالات سے خبردار ہیں جیسے قریب والا اپنے قریب والے کے حالات سے خبردار ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ بڑی انگلی کا کنارہ کلمہ کی انگلی کے

أَحَدُهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَلَا أَدْرِيْ أَذَكَرَهُ عَنْ أَنَسٍ أَوْ قَالَهُ قَتَادَةُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ قَبْلَ أَنْ يَّمُوْتَ بِشَهْرٍ تَسْأَلُوْنِيْ عَنِ السَّاعَةِ وَإِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَأُقْسِمُ بِاللّٰهِ مَا عَلَى الْأَرْضِ مِنْ نَفْسٍ

فرماتے سنا ۱ کہ جیسے ان دونوں میں سے ایک کی زیادتی دوسری پر ۲ پر مجھے یہ خبر نہیں کہ اسے حضرت انس سے روایت کیا یا قتادہ نے خود کہا (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے ایک ماہ پہلے فرماتے سنا کہ تم مجھ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہو ۳ اس کا علم اللہ کے پاس ہے ۴ اور میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ زمین پر ایسی کوئی نفاس سے

کنارہ سے اوپر ہے مگر بے قریب ایسے ہی قیامت ہمارے بعد مگر بے قریب حضور کی تشریف آوری علامات قیامت سے ایک علامت ہے۔

۱ جس تقریر میں احکام شرعی یا رحمت و عذاب کا ذکر ہو اسے وعظ کہتے ہیں اور جس میں یہ چیزیں نہ ہوں بلکہ گذشتہ یا آئندہ کے واقعات وغیرہ ہوں اسے قصہ کہتے ہیں اور مقرر کو قاصی۔

۲ یہ دوسری حدیث ہے اس میں آخری معنی مراد ہیں کہ بڑی انگلی کلمے کی انگلی سے کچھ ہی بڑی ہے ایسے ہی قیامت ہم سے کچھ ہی دور ہے یہ جملہ پہلے جملہ کی شرح نہیں ہے (مرقات)

۳ یعنی تم مجھ سے یہ پوچھتے ہو کہ قیامت کس سنہ کس دن کس مہینے کس تاریخ میں قائم ہوگی یہاں قیامت سے مراد پہلا نفخہ ہے۔ جس میں وہ سب فنا ہو جائیں گے۔

۴ یعنی قیامت کا وقوع اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہے کسی اندازے تخمینہ اٹکل قیاس سے معلوم نہیں ہو سکتی ہاں اللہ تعالٰے ہی کسی کو بتائے تو وہ قادر ہے حق یہ ہے کہ اللہ تعالٰے نے حضور کو قیامت کا علم بھی عطا فرمایا اس لیے حضور انور نے قیامت کی ساری علامتیں بیان فرما دیں قیامت کا دن تاریخ مہینہ بتا دیا کہ جمعہ کے دن محرم کے مہینہ دسویں تاریخ کو قائم ہوگی ہاں سنہ نہ بتایا کہ یہ صیغۂ راز میں رہے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو بلکہ اللہ تعالٰے حضور کے توسل سے بعض اولیاء اللہ کو بھی علم قیامت بخشتا ہے اس لیے حضور انور نے یہ نہ فرمایا کہ مجھے اللہ نے قیامت کا علم نہ دیا ہے نہ دے گا۔

مَنْفُوسَةٍ يَأْتِي عَلَيْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِيَ حَيَّةٌ يَوْمَئِذٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَأْتِي مِائَةُ سَنَةٍ وَعَلَى الْأَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوسَةٌ الْيَوْمَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَعْرَابِ يَأْتُونَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَسْأَلُونَهُ

پیدا ہونے والی ذات [۱] جس پر سو سال گزریں اور وہ اسی دن زندہ ہو [۲] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ سو برس ایسے نہ گزریں گے کہ زمین پر کوئی جنی ہوئی ذات آج کی جو موجود رہے [۳] (مسلم) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ دیہاتی لوگ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے تو آپ سے قیامت کے

۱ نفس معنی زندہ چیز منفوسہ بنا ہے نفاس سے یعنی جو زندہ نفاس والی عورت سے پیدا ہوا ہے۔ وہ آج سے سو برس کے بعد زندہ نہ رہے گا خیال رہے کہ اس فرمان عالی سے مراد ہے کہ جو انسان ظاہری زمین پر موجود ہے وہ سو برس کے اندر وفات پا جائیگا جنات، انسان نہیں۔ حضرت عیسٰی و ادریس علیہم السلام زمین پر نہیں آسمان یا جنت میں ہیں حضرت خضر زمین پر نہیں رہتے پانی میں رہتے ہیں۔ الیاس علیہم السلام اور اصحاب کہف ظاہری زمین پر نہیں جو سب کو نظر آویں۔ سانپ گدہ وغیرہ جانور نفس تو ہیں مگر منفوسہ یعنی نفاس والی عورت سے پیدا نہیں لہذا یہ سب چیزیں اس فرمان سے علیحدہ ہیں۔ چار نبی زندہ ہیں دو زمین میں حضرت خضر و الیاس کہ خضر پانی میں اور الیاس خشکی میں رہتے ہیں دو آسمان میں حضرت عیسٰی چوتھے آسمان پر ادریس جنت میں علیہم السلام (مرقات، اشعہ) حضور غوث پاک کبھی دوران وعظ فرماتے تھے اے اسرئیلی ٹھہرئیے ایک محمدی کا کلام سنتے جانا یعنی حضرت خضر سے فرماتے تھے (اشعہ)

۲ یعنی آج کی تاریخ سے سو برس بعد یہ قرن ختم ہو جائے گا اگرچہ بعض صحابہ کی عمریں سو برس سے زیادہ ہوئیں۔ جیسے حضرت سلمان فارسی اور حضرت انس مگر آج کی تاریخ سے سو برس میں سب وفات پا چکیں گے معلوم ہوا کہ حضور انور کو سب کی موت کا علم دیا گیا۔

۳ ہم ابھی عرض کر چکے کہ منفوسہ سے مراد انسانی ذات ہے کہ نفاس والی عورتوں سے انسان ہی پیدا ہوتا ہے اور علی الارض فرما کر اصحاب کہف حضرت خضر و الیاس علیہم السلام کو مستثنٰی فرما دیا کہ وہ اگرچہ زمین میں ہیں مگر زمین پر نہیں یعنی لوگوں پر ظاہر نہیں اور حضرت عیسٰی و ادریس علیہم السلام نہ زمین میں ہیں نہ زمین پر وہ تو آسمان پر ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے۔

عَنِ السَّاعَةِ فَكَانَ يَنْظُرُ اِلٰى اَصْغَرِهِمْ فَيَقُوْلُ اِنْ يَّعِشْ هٰذَا لَا يُدْرِكْهُ الْهَرَمُ حَتّٰى تَقُوْمَ عَلَيْكُمْ سَاعَتُكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنِ الْمُسْتَوْرِدِ بْنِ شَدَّادٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ فِيْ نَفَسِ السَّاعَةِ فَسَبَقْتُهَا كَمَا سَبَقَتْ هٰذِهٖ مِنْ هٰذِهٖ وَاَشَارَ بِاِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَعَنْ

پوچھتے تھے[1] تو آپ ان میں سے سب سے چھوٹے کی طرف نظر فرماتے تھے کہ اگر یہ زندہ رہا تو اسے بڑھاپا نہ آئے گا کہ حتی کہ تم پر تمہاری قیامت قائم ہو جاوے گی[2] (مسلم بخاری) دوسری فصل روایت ہے حضرت مستورد ابن شداد سے[3] وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا میں قیامت کے اندر بھیجا گیا ہوں[4] تو میں قیامت سے اس طرح پہلے ہوں جیسے یہ انگلی اس سے اور اپنی دو انگلیوں کلمہ کی اور بیچ کی طرف اشارہ کیا[5] (ترمذی) روایت ہے

[1] وہ لوگ ساعت سے قیامت کبریٰ یعنی حشر ونشر کا دن مراد لیتے تھے پوچھتے تھے کہ اب سے کتنے عرصہ بعد قیامت کبریٰ قائم ہو گی۔ حضور انور جواب میں یہ نہ فرماتے تھے کہ تم مشرک ہو گئے کہ تم نے قیامت کا سوال مجھ سے کیا یہ تو اللہ تعالٰی ہی کو معلوم ہے کسی اور کو اس کا عالم ماننا شرک ہے کفر ہے بلکہ احسن طریقہ سے اس سوال کا جواب دیتے تھے۔

[2] یہاں ساعت سے مراد قیامت صغریٰ یعنی ہر ایک کی اپنی موت ہے یا قیامت وسطیٰ یعنی اسی قرن کا ختم ہو جانا یہ جواب حکیمانہ ہے کہ تم بڑی قیامت کی فکر کیوں کرتے ہو تم اپنی قیامت کی فکر کرو یعنی موت کی وہ بہت قریب ہے اسی بچہ کے بڑھاپے سے پہلے تم سب مر جاؤ گے۔

[3] آپ بہت کمسن صحابی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت چھوٹے بچے تھے مگر آپ سے بہت احادیث مروی ہیں اولًا کوفہ میں پھر مصر میں رہے۔

[4] یعنی میری بعثت اس وقت ہوئی ہے جب علامات قیامت شروع ہو چکی ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ نفس سے مراد ابتدا ہے جب کہ اس کی نشانیاں ظاہر ہونے لگی ہیں اسی سے ہے والصبح اذا تنفس بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری علامت قیامت ہے۔

[5] اس جملہ کی شرح ابھی گزر گئی اس میں اشارۃً فرمایا کہ ہم قیامت کے پڑوسی ہیں جیسے ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی سے بے خبر نہیں ہوتی ایسے ہی ہم قیامت سے بے خبر نہیں اور جیسے بیچ کی انگلی کچھ ہی بڑی ہے پہلی انگلی سے یونہی قیامت کچھ ہی دور ہے ہم سے اری آ رہو چکی اب قیامت ہی کا انتظار کر۔

سعد بن ابی وقاص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انی لارجو ان لا تعجز امتی عند ربها ان یؤخرهم نصف یوم قیل لسعد وکم نصف یوم قال خمس مائة سنة رواه ابو داود الفصل الثالث عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل هذه الدنیا مثل ثوب شق من اوله الی آخره فبقی متعلقا بخیط فی آخره فیوشك ذلك

حضرت سعد ابن ابی وقاص سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ میں امید کرتا ہوں کہ میری امت اپنے رب کے نزدیک اس سے انہیں آدھے دن کی مہلت دلئے سعد سے کہا گیا کہ آدھا دن کتنا فرمایا پانچ سو سال ۱؎ (ابوداؤد) تیسری فصل روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دنیا کی مثال اس کپڑے سی ہے جو اول سے آخر تک کاٹ دیا گیا پھر وہ آخر میں ایک دھاگے سے لٹکا رہ گیا قریب ہے کہ یہ دھاگہ

۱؎ اس فرمان کے بہت مطلب بیان کیے گئے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالٰی پانچ سو سال تک میری امت کو اعمال کرنے کی مہلت ضرور دے گا کہ اس سے پہلے قیامت نہ آوے گی اس سے زیادہ مہلت دیدے تو اس کی مہربانی ہے الحمدللہ یہ خبر بالکل درست ہوئی اب قریبًا چودہ سو برس گزر چکے اور ابھی قیامت نہیں آئی دوسرے یہ کہ پانچ سو سال تک میری امت بڑے فتنوں بڑی آفتوں سے محفوظ رہے گی پھر بڑے بڑے فتنے آفتیں نمودار ہوں گی (مرقات، اشعہ)

۲؎ یعنی اس فرمان عالی میں دن سے مراد اللہ کا دن ہے اور اللہ کے دن کے متعلق رب فرماتا ہے ان یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون شیخ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے ایک ہزار سال کے بعد جو پانچ سو سال ہوں گے یہ امت اس سے آگے نہ بڑھے۔ قیامت اس دوران میں آجائے گی۔ اب پونے چودہ سو برس ہوئے ڈیڑھ سو سال باقی ہیں۔ (اشعہ) ایک روایت میں ہے انسانی دنیا کی عمر ساڑھے سات ہزار سال ہے حضور انور کی ولادت پاک حضرت آدم سے ساڑھے چھ ہزار سال بعد ہے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پانچ سو سال تک اسلامی نظام نہ بگڑنے پائے گا اس مدت کے بعد اس میں خلل پیدا ہوگا۔

الْخَيْطُ اَنْ يَّنْقَطِعَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ بَابٌ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى لَايُقَالَ فِي الْاَرْضِ اَللّٰهُ اَللّٰهُ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ

کہ ٹوٹ جاوے [1] (بیہقی شعب الایمان) قیامت قائم نہ ہوگی مگر یہ بدترین لوگوں پر [2] پہلی فصل روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ قائم ہوگی قیامت حتی کہ زمین میں اللہ اللہ نہ کہا جاوے گا [3] اور ایک روایت میں ہے

[1] یہ تشبیہ نہایت ہی بلیغ ہے جس میں بتایا گیا ہے دنیا اب قریب الختم ہے مگر یہ قرب رب تعالے کے علم کے لحاظ سے ہے نہ کہ ہمارے حساب سے وہاں کا ایک دھاگہ بھی بہت دراز ہوتا ہے اس لیے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ قریبًا اس فرمان کو چودہ سو برس ہوچکے اب تک وہ دھاگہ ٹوٹا ہی نہیں خیال رہے کہ آدم علیہ السلام تو آخری مخلوق ہیں اور انسان ان کی اولاد دنیا آپ سے کروڑوں بلکہ اربوں سے سال پہلے پیدا ہوچکی تھی فرشتے، آسمان زمین چاند ستارے سورج پھر زمین کے جانور وغیرہ سب پہلے ہی پیدا ہوچکے تھے اور قیامت میں یہ ساری مخلوق فنا کردی جاوے گی یا بیہوش اور قیامت حضرت آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے سات ہزار سال بعد قائم ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام سے چھ ہزار سال سے بھی زیادہ مدت کے بعد پیدا ہوئے تو ظاہر ہے کہ اس فرمان عالی کے وقت دنیا دھاگے میں لگی رہ گئی تھی اب تو اس فرمان عالی کو بھی پونے چودہ سو سال گزرے اب تو قیامت بہت ہی قریب ہے رب تعالے اس کا خوف نصیب کرے

[2] بدترین سے مراد کفار اور بدکار ہیں یعنی مومنین صالحین قیامت سے پہلے ہی مرچکے ہوں گے جیسا کہ پہلے گزرچکا نیکوں کا وجود دنیا کا تعویذ ہے جب تک یہ لوگ ہیں قیامت نہیں آسکتی

[3] اللہ اللہ کی تکرار تاکید کے لیے ہے یعنی اس وقت کوئی ایسا آدمی نہ رہے گا جو اللہ کا نام لے اس وقت سارے انسان بت پرست کفار ہوں گے معلوم ہوا کہ عالم کا بقا علماء و عاملین اور صالحین کی برکت سے ہے معلوم ہوا کہ علماء صالحین کی برکت جن۔ فرشتے۔ حیوانات۔ جمادات۔ نباتات سب کو پہنچتی ہے کہ ان کی وجہ سے یہ تمام قیامت کی دہشت سے امن میں ہیں (مرقات) اس لیے حدیث شریف میں آیا ہے علماء کی بقاء کے لیے پانی میں مچھلیاں دعا کرتی ہیں۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰی اَحَدٍ یَّقُوْلُ اللّٰہُ اللّٰہُ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰی شِرَارِ الْخَلْقِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی تَضْطَرِبَ اَلْیَاتُ نِسَآءِ دَوْسٍ حَوْلَ ذِی الْخَلَصَةِ وَ ذُو الْخَلَصَةِ طَاغِیَةُ دَوْسٍ الَّتِیْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ

کہ اس شخص پر قیامت نہ قائم ہوگی جو اللہ اللہ کہتا ہو[1] (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی مگر بدترین مخلوق پر[2] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ دوس کی عورتوں کے چوتڑ ذی الخلصہ کے ارد گرد تھل تھل ہوں گے[3] اور ذوالخلصہ دوس کا وہ بت ہے جس کی وہ زمانہ جاہلیت میں

[1] یہاں احد سے مراد انسان ہیں ورنہ فرشتے تو اس وقت بھی اللہ اللہ کرتے ہوں گے۔

[2] شرار سے مراد عقاید۔ اعمال۔ اخلاق میں بدترین۔ خلق سے مراد صرف انسان ہیں یعنی جن انسانوں پر قیامت قائم ہوگی وہ سارے کافر۔ بے حیا۔ بدکار۔ بے شرم ہوں گے نیکی کا نام بھی نہ لیں گے فرشتے اس وقت ہوں گے جو اللہ اللہ کرتے ہوں گے لہذا اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں گناہ انسان یا جنات ہی کرتے ہیں۔ دوسری مخلوق نہیں کرتی۔

[3] دوس یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے اس ہی قبیلہ کے حضرت ابو ہریرہ تھے دوسی کفار نے کعبۂ معظمہ کے مقابلہ میں ایک بت خانہ بنایا تھا۔ جس میں ایک بت تھا خلصہ نام اس لیے اس گھر کو کعبہ یمانیہ بھی کہتے تھے اور ذوالخلصہ بھی اس ذوالخلصہ کو حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جریر ابن عبداللہ اور دیگر غازی صحابہ کرام کے ذریعہ آگ سے جلوا کر فنا کروادیا تھا۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ قریب قیامت دوس کے کفار پھر اس بت خانہ کو آباد کریں گے اور وہاں کے لوگ اس کا طواف کریں گے عورتوں کے چوتڑ ملنے سے مراد ہے کہ ان کی عورتیں تک اس بت خانہ کے ارد گرد طواف کعبہ کی طرح چکر لگائیں گی۔ حالانکہ مردوں کے مقابلہ میں عورتیں دین پر بہت پختہ ہوتی ہیں۔ اس وقت وہ بھی بہک جائیں گی۔

فِی الْجَاهِلِیَّةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ، وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَذْهَبُ اللَّیْلُ وَالنَّهَارُ حَتّٰی یُعْبَدَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰی فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللهِ اِنْ كُنْتُ لَاَظُنُّ حِیْنَ اَنْزَلَ اللهُ هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اَنَّ ذٰلِكَ تَامًّا قَالَ اِنَّهٗ سَیَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللهُ ثُمَّ یَبْعَثُ اللهُ

پوجا کرتے تھے ۱؎ (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ رات و دن ختم نہ ہوں گے حتی کہ لات و عزی کی پرستش کی جانے لگے ۲؎ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں گمان کرتا تھا کہ جب یہ آیت کریمہ اتری کہ وہ اللہ وہ ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت، اور حق دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین ناپسند کریں کہ یہ لازوال ہے ۳؎ فرمایا کہ جس قدر اللہ چاہے گا تب تک رہے گا ۴؎ پھر اللہ تعالٰے

۱؎ خلصہ بت کا نام تھا اور ذوالخلصہ تجانہ کا نام یعنی خلصہ والا گھر، یہ تفسیر یا تو حضرت ابوہریرہ کی ہے یا کسی اور راوی کی۔

۲؎ لات بنا ہے لتٌ سے بمعنی ستو گھولنا لات ایک شخص تھا جو حاجیوں کے لیے ستو گھولا اور گوندھا کرتا تھا۔ اس کے مرے بعد قبیلہ ثقیف نے ایک بت رکھ لیا۔ عزی قبیلہ غطفان کا بت تھا یہ دونوں پہلے کعبہ معظمہ میں تھے۔ قریب قیامت جب کعبہ معظمہ ڈھا دیا ہوگا مکہ کے لوگ مشرک ہوکر پھر لات و عزی بت بنا کر انہیں پوجنے لگیں گے خیال رہے کہ جب تک دنیا میں اسلام، قرآن، کعبہ معظمہ ہے تب تک حجاز مقدس میں بت پرستی ہرگز نہیں ہوسکتی جب روئے زمین سے یہ چیزیں اٹھ جائیں گی تب حجاز میں بھی شرکین اور بت پرستی ہوگی۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ شیطان حجاز والوں سے شرک نہیں کرا سکتا۔ کیونکہ قریب قیامت تو روئے زمین پر کہیں ایک مسلمان نہ ہوگا تو حجاز میں مومن کہاں سے آئیں گے۔

۳؎ یعنی میں نے لیظہرہ کے معنی یہ سمجھے تھے کہ اب دنیا سے اسلام کبھی بھی ختم نہ ہوگا مگر حضور والا کے فرمان عالی سے معلوم ہورہا ہے کہ قریب قیامت اسلام بھی ختم ہوجائے گا میرا یہ خیال درست نہ نکلا مجھے اس پر تعجب ہے۔

۴؎ سبحان اللہ کیسا پیارا محققانہ جواب ہے یعنی اسلام دین تام بھی ہے غالب بھی مگر اس غلبہ کی ایک حد ہے جس پر پہنچ کر ختم کر دیا جاوے گا سورج یقینًا منور ہے مگر بعد غروب سورج کالا نہیں ہوجاتا بلکہ زمین اس کا فیض لینے سے محروم ہوجاتی ہے نقصان سورج میں نہیں آیا زمین کے فیض لینے میں آیا لہذا اسلام تام ہی ہے۔

رِيحًا طَيِّبَةً فَتَوَفّٰى كُلَّ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰى مَنْ لَّا خَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى دِيْنِ اٰبَائِهِمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ فَيَمْكُثُ اَرْبَعِيْنَ لَا اَدْرِيْ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا اَوْ شَهْرًا اَوْ عَامًا فَيَبْعَثُ اللّٰهُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ كَاَنَّهٗ عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ فَيَطْلُبُهٗ فَيُهْلِكُهٗ ثُمَّ يَمْكُثُ فِي النَّاسِ

ایک پاکیزہ ہوا بھیجے گا تو ہر وہ شخص وفات دے دیا جاویگا جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہے تو وہ باقی رہ جائیں گے جن میں بھلائی نہیں وہ اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف لوٹ جائینگے [1] (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دجال نکلے گا تو چالیس تک ٹھہریگا میں نہیں جانتا کہ چالیس دن یا مہینے یا سال [3] پھر اللہ تعالٰی عیسٰی ابن مریم کو بھیجے گا گویا وہ عروہ ابن مسعود ہیں [4] آپ اسے تلاش کریں گے ہلاک کر دیں گے پھر آپ لوگوں میں

[1] جب اس طیب ہوا سے تمام روئے زمین کے مسلمان وفات پا جائیں گے تو حجاز مقدس میں مسلمان کیسے رہ سکتے ہیں وہاں بھی مشرکین ہی رہ جائیں گے۔ خیال رہے کہ رائی بھر ایمان سے یہ بتایا کہ فاسق سے فاسق مسلمان جس نے کبھی کوئی نیکی نہ کی ہو صرف عقائد کا درست ہو وہ بھی وفات پا جاوے گا نیک و صالحین کا تو ذکر ہی کیا۔

[2] اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ جو عنداللہ مومن ہے جن کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہے وہ تو اس ہوا سے وفات پا جائیں گے اور جو دنیا میں کلمہ گو تھے مگر اللہ کے علم میں کافر مرنے والے تھے وہ مرتد ہو کر باپ دادوں کا دین اختیار کر لیں گے یعنی مرتد ہو جائیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ جب سارے مسلمان فوت ہو گئے تو مرتد کون ہوا۔ لطیفہ۔ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا کہ وہ ہوا چل چکی۔ اور سارے مسلمان مشرک ہو چکے جس سے لازم آیا کہ مولوی اسماعیل اور ان کی ذریت بھی مرتد مشرک ہو چکے کیونکہ وہ بھی زمین پر ہی رہتے تھے وہ کیسے مسلمان رہ گئے۔ مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں اپنے اور اپنوں پر بھی ہاتھ صاف کر گئے۔

[3] یہ شک راوی کو ہے کہ حضور انور نے کیا فرمایا کہ چالیس دن فرمائے یا چالیس ماہ یا سال ورنہ حضور انور نے چالیس دن فرمایا ایک دن ایک سال کی برابر وغیرہ۔ [4] یعنی حضرت عیسٰی علیہ السلام حضرت عروہ ابن مسعود کے ہم شکل ہوں گے عروہ ابن مسعود سیدنا عبداللہ ابن مسعود کے بھائی ہیں بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ عروہ ابن مسعود ثقفی ہیں جو صلح حدیبیہ کے دن کفار کی طرف سے حضور انور کی خدمت

سَبْعَ سِنِيْنَ لَيْسَ بَيْنَ اثْنَيْنِ عَدَاوَةٌ ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ رِيْحًا بَارِدَةً مِّنْ قِبَلِ الشَّامِ فَلَا يَبْقٰى عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَدٌ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ خَيْرٍ اَوْ اِيْمَانٍ اِلَّا قَبَضَتْهُ حَتّٰى لَوْ اَنَّ اَحَدَكُمْ دَخَلَ فِيْ كَبِدِ جَبَلٍ لَدَخَلَتْهُ عَلَيْهِ حَتّٰى تَقْبِضَهٗ قَالَ فَيَبْقٰى شِرَارُ النَّاسِ فِيْ خِفَّةِ الطَّيْرِ وَاَحْلَامِ السِّبَاعِ لَا يَعْرِفُوْنَ

سات سال ٹھہریں گے[1] کہ دو شخصوں کے درمیان دوشمنی نہ ہوگی[2] پھر اللہ ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے بھیجے گا[3] تو روئے زمین پر کوئی نہ رہے گا جس کے دل میں ذرا برابر بھلائی یا ایمان ہو مگر وہ ہوا اسے وفات دے دی گی حتی کہ اگر تم میں سے کوئی وسط پہاڑ میں داخل ہوجائے تو وہ اس تک داخل ہوگی کہ اسے وفات دیدی[4] فرمایا پھر بدترین لوگ ہی رہ جائیں گے چڑیوں کی طرح ہلکے درندوں کی سی والے[5] نہ کسی اچھی

میں حاضر ہوئے تھے پھر ۸ھ میں غزوہ طائف کے بعد یہ اسلام لائے پھر اپنی قوم کو دعوت اسلام دی جس پر قوم نے انہیں قتل کردیا یہ عبداللہ ابن مسعود کے بھائی نہیں کہ وہ تو عبداللہ ابن مسعود ابن غافل ہذلی ہیں یہ ہی صحیح ہے۔ (مرقات)

[1] اس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے کہ بعض روایات میں ہے چالیس سال بعض میں ہے سات سال والی روایت میں آپ کا پہلا قیام جو ۳۳ سال تھا اور سات سال یہ قیام بعد نزول والا ملا کر مراد ہے اور بھی زیادہ کی روایات ہیں۔

[2] یعنی ان سات سال میں تمام دنیا میں اسلام ہی ہوگا سب مسلمان متقی ہوں گے سب کے سینے کینہ سے پاک و صاف ہوں گے۔

[3] حضرت عیسٰی کے پردہ فرمانے کے بعد کچھ عرصہ تو یہ ہی خیر و برکت رہے گی پھر انسان کافر بھی ہونے لگیں گے حتی کہ کچھ عرصہ بعد دنیا میں کفار بھی بہت ہوجائیں گے لہذا حدیث شریف واضح ہے اس پر یہ اعتراض نہیں کہ جب سارے انسان مسلمان ہوچکے تھے تو اس ہوا کے چلنے پر کافر کہاں سے آئے جو زندہ رہے۔

[4] خلاصہ یہ ہے کہ اس ہوا سے کوئی مسلمان کسی طرح بچے گا نہیں جہاں بھی ہوگا وفات پاجائے گا یہ موت اللہ تعالٰی کی بڑی رحمت ہوگی کہ بدترین لوگوں میں مسلمان نہ رہیں گے ہم کو اس دعا کی تعلیم دی گئی ہے۔ وتوفنا مع الابرار۔

[5] یعنی وہ لوگ بالکل بے عقل ہوں گے اور سخت خونخوار چڑیا ہر کام میں جلدی کرتی ہے ایسے ہی وہ ہر برائی بغیر سوچے سمجھے جلدی کریں گے گویا گناہ پر اڑ کر پہنچیں گے اور بے رحمی۔ غصہ۔ وحشت۔ بربریت طیش میں خونخوار درندوں کی طرح ہوں گے بغیر سوچے سمجھے ایک دوسرے کو بات بات پر قتل غارت کریں گے

مَعْرُوفًا وَلَا يُنْكِرُونَ مُنْكَرًا فَيَتَمَثَّلُ لَهُمُ الشَّيْطَانُ فَيَقُولُ اَلَا تَسْتَجِيبُونَ فَيَقُولُونَ فَمَا تَأْمُرُنَا فَيَأْمُرُهُمْ بِعِبَادَةِ الْاَوْثَانِ وَهُمْ فِي ذٰلِكَ دَارٌّ رِزْقُهُمْ حَسَنٌ عَيْشُهُمْ ثُمَّ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَلَا يَسْمَعُهُ اَحَدٌ اِلَّا اَصْغٰى لِيْتًا وَرَفَعَ لِيْتًا قَالَ وَاَوَّلُ مَنْ يَسْمَعُهُ رَجُلٌ يَلُوطُ حَوْضَ اِبِلِهِ فَيَصْعَقُ النَّاسُ

بات جانیں گے نہ کسی برائی کو برا جانیں گے [1] ان کے پاس شیطان انسانی شکل اختیار کرکے آوے [2] کہے گا تم شرم کیوں نہیں کرتے [3] وہ کہیں گے تو ہمیں کیا حکم دیتا ہے وہ انہیں بت پرستی کا حکم دے گا [4] وہ اس حال میں ہوں گے ان کا رزق بہتا ہوگا ان کا عیش خوب ہوگی [5] پھر صور پھونکا جائے گا تو اسے کوئی نہیں سنے گا مگر گردن کبھی جھکائے گا اور کبھی اٹھائے گا [6] فرمایا پہلا جو شخص سنے گا وہ شخص ہوگا جو اپنے اونٹ کا حوض لیپتا ہوگا [7] پھر لوگ بیہوش ہوجائیں گے [8]

[1] بلکہ برعکس اچھائیوں کو برا سمجھیں گے اور برائیوں کو اچھا سمجھیں گے عقل و علم سے خالی ہوں گے اور ساتھ ہی بڑے مالدار ہوں گے حب مال ہو مگر عقل۔ دین۔ علم نہ ہو تو مال زہر ہے مال سانپ ہے جس کا تریاق دین ہے۔

[2] شیطان کا انسان کے دل میں وسوسے ڈالنا اس کا ادنیٰ فریب ہے مگر شکل انسانی میں آکر بہکانا اس کا بڑا ہی سخت فریب ہے جس سے بچنا مشکل ہے اس لیے قرآن مجید میں انسان شیطان کو جن شیطان سے سخت تر فرمایا کہ شیاطین الانس والجن۔ مرقات وہ کہے گا کہ تم خدارسی کا ذریعہ کیوں اختیار نہیں کرتے اللہ کی راہ سے کیوں بھٹکے ہوئے ہو۔

[3] یعنی تم لوگ بت پرستی کرو خدارسی کے لیے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ اولًا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے ہوں گے نہ خدا تعالیٰ کی نہ بتوں کی جانوروں کی طرح یوں ہی زندگی گزارتے ہوں گے شیطان انہیں برے راستہ پر لگادے گا۔

[4] یعنی ان پر بڑا عذاب یہ ہوگا کہ اس بے علمی بے عقلی بے دینی کے ساتھ ان کے پاس مال دولت رزق بہت ہی وسیع ہوگا کہ اس سے ان پر گناہوں کے دروازے کھل جائیں گے۔

[5] لیت لام کے کسرہ سے گردن کی ایک طرف ایک حصہ کو کہتے ہیں یعنی وہ گھبراہٹ میں کبھی گردن کی داہنی کروٹ اونچی کریگا بائیں نیچی کبھی اس کے برعکس اس کی یہ حرکت انتہائی گھبراہٹ میں ہوگی کہ کبھی وہ صور کی آواز داہنے کان سے سنے گا کبھی بائیں سے۔

[6] صور کی آواز اولًا نہایت ہلکی اور باریک ہوگی جیسے سوا اس شخص کے کوئی نہ سنے گا پھر آہستہ آہستہ تیز ہوتی جائے گی۔

[7] پہلے بیہوش ہوں گے پھر فنا یا بے ہوشی سے مراد ہلاکت ہے اشعۃ اللمعات نے یہ ہی معنی کیے۔

ثُمَّ يُرْسِلُ اللّٰهُ مَطَرًا كَاَنَّهُ الطَّلُّ فَيَنْبُتُ مِنْهُ اَجْسَادُ النَّاسِ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ثُمَّ يُقَالُ يَا اَيُّهَا النَّاسُ هَلُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ فَيُقَالُ اَخْرِجُوْا بَعْثَ مِنْ كَمْ كَمْ فَيُقَالُ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ قَالَ فَذَاكَ يَوْمٌ يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا وَّ ذٰلِكَ يَوْمٌ

پھر اللہ شبنم کی طرح بارش بھیجے گا تو اس سے لوگوں کے جسم اُگیں گے [1] پھر صور میں دوبارہ پھونکا جاوے گا تو اچانک سب لوگ کھڑے دیکھتے ہوں گے [2] پھر کہا جاوے گا اے لوگو اپنے رب کی طرف چلو انہیں ٹھہراؤ ان سے پوچھ گچھ کی جاوے گی [3] پھر کہا جاوے گا کہ آگ کی رسد نکالو تو کہا جاوے گا کتنی سے کتنی تو فرمایا جاوے گا ہر ہزار سے نو سو ننانوے [4] فرمایا کہ وہ وقت ہوگا جو بچوں کو بڈھا کردے گا اور یہ وہ دن ہوگا۔

۱ یہ واقعہ پہلے نفخہ سے چالیس سال بعد ہوگا اس دوران میں ان مردوں کے جسم گل چکے ہوں گے اس بارش سے لوگوں کے جسم ایسے اُگیں گے جیسے کھیت میں سبزہ اگتا ہے۔

۲ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ جسموں کی بالیدگی تو اس ہلکی بارش سے ہوگی اور سب کا زندہ ہونا صور کی آواز سے ہوگا۔

۳ پہلا خطاب زندہ ہونے والے لوگوں سے تھا کہ اے زندہ ہونے والو یہاں سے میدان حشر کی طرف یعنی شام کی زمین کی طرف چلو جب یہ لوگ وہاں پہنچ جائیں گے تب فرشتوں سے کہا جائے گا کہ انہیں یہاں کھڑا کردو یہاں ہی ان کا حساب ہوگا اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ فرشتوں کی نگرانی میں محشر تک جائیں گے اور انہیں فرشتے وہاں کھڑا کریں گے۔

۴ یہ سوال جواب رب تعالٰی اور ان فرشتوں کے درمیان ہوگا یعنی اے فرشتو! تمام لوگوں میں سے آگ کے مستحقین کو الگ کردو تب وہ یہ سوال کریں گے کہ آگ کا حصہ کتنا ہے فرمایا جائے گا ہزار میں سے نوسو ننانوے اس فرمان عالی کی دو شرحیں ہیں ایک یہ کہ نو سو ننانوے میں کفار گناہ گار جو بھی دوزخ کے لائق ہیں سب ہوں گے پھر سارے گنہگار حضور کی شفاعت سے بخش دیئے جائیں گے بعض تو یہاں ہی اور بعض دوزخ میں سزا پاکر صرف کفار وہاں رہیں گے دوسری شرح یہ ہے کہ محشر کی اس جماعت میں یاجوج ماجوج بھی ہوں گے ان کی تعداد کا یہ حال ہے کہ یہاں بیرونی زمین کے انسان ان کے مقابلے میں فی ہزار ایک ہیں۔ (اشعۃ اللمعات) بہر حال یہ خطاب بہت ہی ہولناک ہوگا۔

يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ مُعَاوِيَةَ لَا تَنْقَطِعُ الْهِجْرَةُ فِي بَابِ التَّوْبَةِ بَابُ النَّفْخِ فِي الصُّوْرِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَيْنَ النَّفْخَتَيْنِ اَرْبَعُوْنَ قَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا قَالَ اَبَيْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ شَهْرًا قَالَ اَبَيْتُ قَالُوْا اَرْبَعُوْنَ سَنَةً قَالَ اَبَيْتُ

جب پنڈلی کھول جاوے گی [1] (مسلم) اور جناب معاویہ کی حدیث لا تنقطع الھجرۃ توبہ کے باب میں ذکر کردی گئی [2] صور پھونکے جانے کا بیان [3] پہلی فصل روایت ہے حضرت ابوھریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ دو نفخوں کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہے لوگوں نے عرض کیا اے ابوھریرہ کیا چالیس دن فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کیا چالیس مہینے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کیا چالیس سال فرمایا میں نہیں کچھ کہہ سکتا [4]

[1] یعنی اس دن کی وحشت و دہشت کا یہ حال ہوگا کہ اگر اس دن بچے ہوتے تو بڈھے ہوجاتے غم واندوہ کی وجہ سے پنڈلی کھلنے سے مراد ہے سخت پریشان ہونا یعنی لوگوں کو اس وقت انتہائی پریشانی ہوگی مرقات نے فرمایا کہ جب حاملہ اونٹنی کے پیٹ میں بچہ مر جاتا ہے تو آدمی ہاتھ ڈال کر اسے نکالتا ہے پہلے اس بچہ کی پنڈلی نمودار ہوتی ہے یہ اونٹنی پر سخت تر وقت ہوتا ہے۔ پھر محاورہ میں ہر مشکل میں پھنسنے کو پنڈلی کھل جانے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں جو ارشاد ہوا کہ یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود وہاں پنڈلی کھولے جانے سے مراد بعض کے نزدیک یہ ہے کہ رب تعالٰے اپنی ساق قدرت کھولیگا لوگوں کو حکم دے گا کہ ہماری ساق کو سجدہ کرو۔

[2] وہ حدیث مصابیح میں اسی جگہ تھی ہم نے وہاں بیان کی وہاں کے زیادہ مناسب ہے۔

[3] صور سینگ کے اس بگل کا نام ہے جو قیامت میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے پہلی پھونک جانداروں کو بے جان کرنے کے لیے دوسری پھونک مردوں کو زندہ کرنے کے لیے ان دونوں نفخوں میں چالیس سال کا فاصلہ ہوگا کہ اگر سورج ہوتا اور دن رات نکلتے تو چالیس سال کی مدت ہوتی اس صور کی بڑائی اس کی آواز کی ہیبت ہمارے خیال ووہم سے وراء ہے آج ایٹم بم اور پھٹنے والے بم کی آواز ہی لوگوں کو مار دیتی ہے۔ بستیوں میں زلزلے ڈال دیتی ہے وہ تو صور ہے۔

[4] یعنی مجھے یاد نہیں کہ حضور انور نے دن فرمایا یا مہینے یا سال اس لیے میں کچھ نہیں کہہ سکتا ہے۔ مگر دوسری روایات میں چالیس سال وارد ہے۔

قَالَ اَبَیْتُ ثُمَّ یُنْزِلُ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا یَنْبُتُ الْبَقْلُ قَالَ وَلَیْسَ مِنَ الْاِنْسَانِ شَیْءٌ اِلَّا یَبْلٰی اِلَّا عَظْمًا وَّاحِدًا وَّهُوَ عَجْبُ الذَّنَبِ وَمِنْهُ یُرَکَّبُ الْخَلْقُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ قَالَ کُلُّ ابْنِ اٰدَمَ یَاْکُلُهُ التُّرَابُ اِلَّا عَجْبَ

پھر اللہ آسمان سے پانی اتارے گا تو لوگ ایسے اگیں گے جیسے ساگ اگتا ہے ؎۱ اور نہیں ہے انسان کی کوئی چیز مگر وہ گل جاوے گی سوا ایک ہڈی کے اور وہ ریڑھ کی ہڈی ہے ؎۲ اس سے قیامت کے دن مخلوق کی ترکیب دی جاوے گی ؎۳ (مسلم بخاری) اور مسلم کی روایت میں یوں بھی ہے کہ سارے انسان مٹی کھالے گی سوا ریڑھ کی ہڈی

؎۱ یعنی اس غیبی بارش سے یہ گلے جسم درست ہوجائیں گے روح پڑنے کے لائق ہوجائیں گے پھر صور پھونکنے پر یہ اجسام زندہ ہوجائیں گے۔

؎۲ عجب الذنب کے لفظی معنی ہیں دم گھڑ عجب بمعنی اصل ذنب بمعنی دم جانور کی دم اس ہڈی کے کنارہ سے شروع ہوتی ہے اس کا نام ہے ریڑھ کی جو گردن سے شروع ہوتی ہے چوتڑ پر ختم ہوتی ہے اسی پر انسان بیٹھتا ہے یہ اس کے لیے ایسی ہے جیسے دیوار کے لیے بنیاد اگر یہاں یہ ہی ہڈی مراد ہے تو حدیث کے معنی یہ ہیں کہ یہ ہڈی جلد فنا نہیں ہوتی اسے خاک سو برس کے بعد گلاتی ہے اور اگر اس سے مراد ہیں اجزاء اصلیہ جو انسان کی جسم کی اصل ہیں تو وہ واقعی کبھی نہیں فنا ہوتے یہ ایسے باریک اجزاء ہیں جو خوردبین سے بھی دیکھنے میں نہیں آتے انہیں انگریزی میں ایٹم کہتے ہیں عربی میں اجزاء لایتجزی۔ انسان جل جاوے اسے شیر کھا جاوے اور پاخانہ بن کر اس کے پیٹ سے نکل جاوے وہ اجزاء ویسے ہی رہتے ہیں حتی کہ غذا خون نطفہ میں یہ اجزاء ہوتے ہیں انہیں اجزاء سے انسان پہلے بھی بنا تھا اور آئندہ بھی بنے گا اس لیے ہم بڈھے کو کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی ہے جو پہلے بالشت بھر کا بچہ بلکہ نطفہ تھا وہ ہی کیسے کہا جاتا ہے انہیں اصلی اجزاء کو یہ خوب یاد رہے۔ زائد اجزاء میں فرق ہوتا رہتا ہے کہ بیماری میں گل کر نکل جاتے ہیں آدمی دبلا ہوجاتا ہے۔ عیش میں اور اجزاء بڑھ جاتے ہیں مگر اصل اجزاء اسی طرح رہتے ہیں۔

؎۳ لہذا اگرچہ جنت میں سارے انسان جوان اور ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے دوزخی انسان اتنا بڑا کہ اس کی ایک داڑھ پہاڑ کی برابر مگر ہوں گے وہ ہی دنیا کے انسان کیونکہ ان کے اصل اجزاء وہ ہی ہوں گے روح وہ ہی ہوگی جو دنیا میں تھی لہذا اسلام کا حشر اور ہے آریوں کا تناسخ کچھ اور حتی کہ جو لوگ دنیا میں بندر سور بنا دیئے گئے ان کے بھی اجزاء اصلیہ وہ ہی تھے اور روح وہ ہی تھی لہذا وہ بھی تناسخ نہیں۔

الذَّنَبِ مِنْهُ خُلِقَ وَفِيهِ يُرَكَّبُ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقْبِضُ اللهُ الْاَرْضَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَطْوِي السَّمَاءَ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَيْنَ مُلُوْكُ الْاَرْضِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

کے اس سے پیدا کیا گیا لہ اور اس میں ترکیب دیا جاوے گا، روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زمین کو سمیٹ لے گا لہ اور آسمان کو اپنے داہنے ہاتھ پر لپیٹ لے گا سہ پھر فرمائیگا کہ میں بادشاہ ہوں زمین کے بادشاہ کہاں ہیں سہ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا

لہ ہمارا جسم پہلے مٹی تھا پھر دانہ بنا پھر آٹا پھر غذا پھر خون پھر نطفہ پھر گوشت کا ٹکڑا پھر یہ انسانی جسم مگر اصلی اجزاء ہر جگہ وہ ہی رہے۔ شعر

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام ہمچو سبزہ بار ہا روئیدہ ام

لہ آج سائنس والے کہتے ہیں کہ اصل زمین ایک انچ کی تھی جسے پھیلا کر اتنا فراخ کر دیا گیا ہے ان کے قول پر تو یہ حدیث بالکل ہی ظاہر ہے کہ زمین جتنی پہلے تھی اتنی ہی چھوٹی سی کر دی جاوے اسلام بھی کہتا ہے کہ پہلے زمین پانی پر جھاگ تھی یہ جھاگ کعبہ معظمہ کی جگہ محفوظ رہے وہ ہی زمین کی اصل ہے قیامت میں بھی ایسی ہی کر دی جاویگی اس کی کیفیت رب تعالےٰ ہی جانے۔

سہ قرآن کریم میں ہے والارض جمیعًا قبضتہ یوم القیامۃ والسماوات مطویات بیمینہ یہ حدیث اس آیت کا بیان ہے یمین کے معنی اگر داہنا ہاتھ ہے تو وہ آیت اور یہ حدیث متشابہات میں سے ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اس میں بحث نہ کرو اور اگر اس سے مراد قدرت ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ آسمان و زمین اللہ تعالےٰ کی قدرت سے حقیر و ذلیل ہوں گے جیسے مٹھی کی چیز مٹھی والے کے ہاتھ میں یا ہاتھ پر لپٹی ہوئی چیز ہاتھ والے کے قبضے میں ہوتی ہے۔ ایسے ہی آسمان و زمین اس کے قبضہ میں حقیر ہوگی۔

سہ یعنی تمام بادشاہوں کی بادشاہت عارضی فانی تھی جو ختم ہوگئی۔ ہماری بادشاہت اصلی دائمی ہے اس پر فنا نہیں ہوئی۔ خیال رہے کہ بادشاہ زمین ہی میں تھے وہ ہی تکبر وغرور کرتے تھے اس لیے الارض کی قید ارشاد ہوئی۔ آسمان کی مخلوق فرشتے وغیرہ نہ بادشاہ تھے نہ متکبر انہیں علیحدہ فرما دیا۔ نیز صرف بادشاہوں کا ذکر فرمایا۔ حضرات انبیاء، اولیاء کا ذکر نہ فرمایا کہ ان حضرات نے تکبر کبھی نہیں کیا۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَطْوِی اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثُمَّ یَأْخُذُھُنَّ بِیَدِہِ الْیُمْنٰی ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ ثُمَّ یَطْوِی الْاَرَضِیْنَ بِشِمَالِہٖ وَفِیْ رِوَایَۃٍ یَأْخُذُھُنَّ بِیَدِہِ الْاُخْرٰی ثُمَّ یَقُوْلُ اَنَا الْمَلِکُ اَیْنَ الْجَبَّارُوْنَ اَیْنَ الْمُتَکَبِّرُوْنَ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ حِبْرٌ مِّنَ الْیَھُوْدِ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی قیامت کے دن آسمانوں کو لپیٹ دے گا[۱] پھر انہیں اپنے داہنے ہاتھ میں لے[۲] گا پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر لوگ کہاں ہیں تکبر والے لوگ پھر زمینوں کو اپنے بائیں ہاتھ میں لپیٹ لیگا[۳] اور ایک روایت میں ہے کہ انہیں اپنے دوسرے ہاتھ میں لیگا پھر کہیگا کہ میں بادشاہ ہوں کہاں ہیں جابر لوگ کہاں ہیں تکبر و غرور والے لوگ[۴] (مسلم) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں کہ یہود کا ایک بڑا عالم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا

[۱] آسمان ایسے لپیٹے جائیں گے جیسے دفتر لپیٹ دیئے جاتے ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ نطوی السماء کطی السجل للکتب۔

[۲] ہاتھ سے مراد قدرت ہے لپیٹنے سے مراد ان سب کو مسخر اور تابع فرمان بنالینا ہے اگرچہ آج بھی آسمان و زمین تابع فرمان ہیں مگر قیامت میں اس کا پورا پورا ظہور ہوگا آسمان کے لیے داہنا ہاتھ فرمانا اور زمین کے لیے بایاں ہاتھ فرمانا اس لیے ہے کہ آسمان پر کبھی کسی کی بادشاہت نہ ہوئی زمین پر بادشاہتیں لوگوں کی رہی ہیں اس لیے زمین کے لیے شمال فرمایا تاکہ اس کی زیادہ مقہوری ظاہر ہو۔ (مرقات)، کہا جاتا ہے کہ یہ کام تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے یعنی نہایت معمولی ہے میرے قبضہ میں ہے۔

[۳] یہ الفاظ اس حدیث کے زیادہ مناسب ہیں کہ اللہ تعالٰی کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں اور شمال کے جو معنی ابھی ہم نے عرض کیے اس معنی سے یہ مضمون اس حدیث کے خلاف نہیں۔

[۴] یہ فرمان اظہار غضب کے لیے ہوگا اس وقت جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا۔ حضور انور نے آج ہم کو یہ سب کچھ سنا دیا تاکہ ہم لوگوں میں تکبر و غرور پیدا نہ ہو۔ خیال رہے کہ ملک بمقابلہ مالک کے عظیم تر ہے مگر بعض لحاظ سے مالک عظیم تر ہے ملک سے مالک اور ملک کے بہت نفیس فرق ہماری تفسیر مالک یوم الدین کی تفسیر ملاحظہ کرو۔

فَقَالَ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ اللّٰہَ یُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ عَلٰی اِصْبَعٍ وَالْاَرْضِیْنَ عَلٰی اِصْبَعٍ وَالْجِبَالَ وَالشَّجَرَ عَلٰی اِصْبَعٍ وَالْمَآءَ وَالثَّرٰی عَلٰی اِصْبَعٍ وَسَائِرَ الْخَلْقِ عَلٰی اِصْبَعٍ ثُمَّ یَھُزُّھُنَّ فَیَقُوْلُ اَنَا الْمَلِكُ اَنَا اللّٰہُ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعَجُّبًا مِمَّا قَالَ الْحِبْرُ تَصْدِیْقًا لَہٗ ثُمَّ قَرَأَ وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ وَالْاَرْضُ جَمِیْعًا قَبْضَتُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِیّٰتٌ

تو بولا اے محمد اللہ قیامت کے دن آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں کو درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی مٹی کو ایک انگلی پر اور ساری مخلوق کو ایک انگلی پر رکھے گا پھر انہیں ہلائے گا[1] پھر فرمائے گا میں بادشاہ ہوں میں اللہ ہوں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس عالم کے قول پر تعجب کرتے ہوئے اس کی تصدیق کرتے ہوئے ہنسے[2] پھر آپ نے تلاوت کی کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہ جانی[3] جو اس کا حق ہے اور زمین ساری اس کے قبضہ میں ہے قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہوئے ہیں

[1] اس عالم نے غالبًا یہ مضمون توریت شریف یا کسی اور اپنی دینی کتاب سے بیان کیا ہوگا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کی تردید نہ کی بلکہ تصدیق فرمائی لہذا درست ہے ان چیزوں کو انگلیوں پر رکھنے سے مراد نہایت ہی اعلےٰ درجہ کی تسخیر ہے یہی بتانا مقصود ہے اردو میں کہتے ہیں کہ تم تو مجھ کو اپنی انگلیوں پر گھماتے ہو یعنی مجھ پر پورے پورے قابض ہو تمہارے اشاروں پر میں کام کرتا ہوں لہذا یہ بالکل واضح ہے اگرچہ آج بھی ہر چیز رب کے قبضہ میں ہے مگر اس دن اس کا ظہور ہوگا۔

[2] اس تبسم اور تردید نہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے اس یہودی عالم کی اس بات کی تصدیق فرمادی لہذا یہ درست ہے۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کی اور ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود نے تلاوت کی ہو اس قول کی تصدیق کے لیے ماقدروا اللہ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ یہود و نصارےٰ اور مشرکین نے اللہ تعالٰی کی شان نہ جانی کہ اس کی یہ قدرتیں جانتے ہوئے اس کے لیے اولاد یا شریک مانا ایسی قدرتوں والا اولاد شریک سے پاک ہے کہ اولاد اور شریک اختیار کرنا مجبوری کی بنا پر ہوتا ہے فانی اور کمزور کو بقاء نسل اور دشمنوں کے مقابلہ کے لیے اولاد کی ضرورت ہوتی ہے یوں ہی شریک وہ اختیار کرتا ہے جو اکیلا کچھ نہ کرسکے۔

بِيَمِيْنِهٖ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَوْلِهٖ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ فَاَيْنَ يَكُوْنُ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ قَالَ عَلَى الصِّرَاطِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ مُكَوَّرَانِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ

اس کے داہنے ہاتھ میں[1] پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جسے یہ شریک ٹھہراتے ہیں (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے رب تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق پوچھا کہ جس دن زمین دوسری زمین سے اور آسمان بدل دیئے جائیں گے[2] کہ اس دن لوگ کہاں ہوں گے فرمایا پلصراط پر[3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ سورج و چاند قیامت کے دن سیاہ کر دیئے جائیں گے[4] (بخاری)

[1] زمین کے قبضہ میں ہونے اور آسمانوں کے لپٹے ہوئے ہونے کے معنی ابھی کچھ پہلے عرض کیے گئے کہ یہ حدیث تو متشابہات میں سے ہے یا یمین سے مراد قدرت ہے اور مطویات کے معنی ہیں قبضہ میں ہونا اس صورت میں معنی ظاہر ہے۔

[2] خیال رہے کہ تبدیلی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے روپیہ کو پیسوں سے بدل لیا اور صفات کی تبدیلی جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے اس چھلے کو انگوٹھی سے بدل لیا یعنی اسے پگھلا کر انگوٹھی کی شکل میں بنالیا قیامت کے دن تبدیلی زمین و آسمان کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ زمین و آسمان کی ذات بدل دی جاوے گی کہ زمین چاندی کی اور آسمان سونے کے کر دیئے جائیں گے دوسرے یہ کہ ذات تو یہی رہے گی مگر ان کے اوصاف بدل دیئے جائیں گے کہ زمین میں نہ پہاڑ رہیں گے نہ غار نہ دریا نہ نہریں ساری زمین روٹی کی طرح صاف ہو جاوے گی۔ پہلا احتمال قوی ہے کہ ذات ہی بدل دی جاوے گی (مرقات۔ اشعہ)

[3] سوال کا مقصد یہ ہے کہ زمین بدلنے کی حالت میں زمین پر رہنے والے انسان کہاں جائیں گے وہ اس پر تو رہ نہیں سکتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ام المومنین تبدیلی ذات ہی سمجھی ہیں حضور انور نے بھی اس کی تائید کی کہ فرمایا ہاں واقعی اس وقت لوگ اس زمین پر نہ ہوں گے بلکہ پل صراط پر ہوں گے (مرقات) یا کسی اور راستے پر ہوں گے (اشعہ)

[4] مکورات کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک یہ کہ ان دونوں کو ایسا لپیٹ دیا جاوے گا جیسے گیلا دھلا کپڑا لپیٹ کر گھر کے گوشہ میں ڈال دیا جاتا ہے دوسرے یہ کہ چاند سورج بے نور کر دیئے جائیں گے مگر سورج کی گرمی باقی رہے گی چنانچہ میدان حشر میں تجلی نور الٰہی کی ہو گی

اَلْفَصْلُ الثَّانِی عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الصُّوْرِ قَدِ الْتَقَمَہٗ وَاَصْغٰی سَمْعَہٗ وَحَنٰی جَبْہَتَہٗ یَنْتَظِرُ مَتٰی یُؤْمَرُ بِالنَّفْخِ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا تَاْمُرُنَا قَالَ قُوْلُوْا حَسْبُنَا

دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں کیسے خوشی کروں حالانکہ صور والا فرشتہ ہاتھ میں لئے ہوئے ہے اور اپنے کان لگائے ہوئے ہیں[1] اور اپنی پیشانی جھکائے ہوئے ہیں انتظار کر رہے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم دیا جاوے[2] لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو آپ کیا حکم دیتے ہیں[3] فرمایا کہو ہم کو اللہ

سورج کی رب تعالٰی فرماتا ہے واشرقت الارض بنور ربہا غرضکہ عجیب نظارہ ہوگا۔

[1] یعنی میں دیکھ رہا ہوں کہ حضرت اسرافیل منہ میں صور لیے عرش اعظم کی طرف دیکھ رہے ہیں کہ کب پھونکنے کا حکم ملے اور میں بلا تاخیر صور پھونک دوں جب میری آنکھیں یہ نظارہ کر رہی ہیں تو میرے دل کو چین و خوشی کیسے ہو۔ ادھر کا خوف لگا ہوا ہے معلوم ہوا کہ حضور کی نظریں سب کچھ دیکھتی ہیں۔ شعر

اے فروغت صبح آثار و دھور　　　چشم تو بینندۂ مافی الصدور

خیال رہے کہ یہ فرمان عالی اظہار خوف و خشیت کے لیے ہے اس لیے نہیں کہ ابھی صور پھونک جانے قیامت آجانے کا اندیشہ ہے قیامت تو اپنے وقت پر آوے گی اس سے پہلے بہت سی علامات ہوں گی خروج دجال نزول حضرت عیسٰے علیہ السلام وغیرہ یہ ایسا ہی ہے جیسے آندھی بادل آنے پر سرکار پر خوف کے آثار ظاہر ہو جاتے تھے۔ ہیبت الٰہی کی وجہ سے اس لیے نہیں کہ عذاب الٰہی آنے کا اندیشہ ہے رب تعالٰے وعدہ فرما چکا ہے کہ وما کان اللہ لیعذبہم وانت فیہم۔

[2] کان لگانا۔ سر جھکانا تیار رہنے کی علامت ہے خیال رہے کہ یہ تیاری قیامت کی عظمت ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بندہ وقت سے پہلے کام کے لیے تیار رہتا ہے۔

[3] یعنی ہم قیامت قائم ہونے پر یا مصیبتوں پر۔ یا ہر وقت یا اب ہمارے دلوں پر بہت گھبراہٹ ہے کیا کریں کونسا عمل کریں جس سے دل کو چین ہو آپ ہم کو کیا حکم دیتے ہیں۔

اللہ ونعم الوکیل رواہ الترمذی۔ وعن عبداللہ ابن عمرو عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الصور قرن ینفخ فیہ رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی۔ الفصل الثالث عن ابن عباس قال فی قولہ تعالٰی فاذا نقر فی الناقور الصور وقال الراجفۃ النفخۃ الاولی والرادفۃ الثانیۃ رواہ البخاری فی ترجمۃ باب وعن ابی سعید قال ذکر رسول

کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے [1] (ترمذی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا صور ایک سینگ ہے جس میں پھونکا جاویگا [2] (ترمذی، ابوداؤد، دارمی) تیسری فصل روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرمایا آپ نے رب تعالٰی کی اس قول کی تفسیر میں فاذا نقر فی الناقور فرمایا صور ہے [3] اور راجفہ پہلی بار پھونکنا ہے اور رادفہ دوسری پھونک [4] (بخاری) ایک باب کے عنوان میں روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں کہ رسول

[1] خیال رہے کہ یہ کلمات بڑے مبارک ہیں جب حضرت خلیل اللہ نمرود کی آگ میں جا رہے تھے تو آپ کی زبان شریف پر یہی کلمات تھے اور جب صحابہ کرام کو خبر پہنچی کہ کفار ہمارے مقابلہ کے لیے بڑی تعداد میں جمع ہوئے ہیں تو انہوں نے بھی یہ ہی کلمات کہے یہ کلمات مصیبتوں تکلیفوں میں بہت ہی کام آتے ہیں (مرقات) ہر مصیبت میں یہ کلمات پڑھنے چاہئیں۔

[2] رب جانے کہ وہ سینگ کتنا بڑا ہے اس کا سرا جو منہ میں لیا جاوے گا اس کی فراخی آسمان کی برابر ہے (مرقات) قیامت میں یہ دو بار پھونکا جاوے گا ایک بار دنیا کو فنا کرنے کے لیے دوبارہ مردے زندہ کرنے کے لیے۔

[3] یعنی اس آیت کریمہ میں ناقور کے معنی ہیں صور اور نقر کے معنی صور میں پھونکنا لہذا آیت کے معنی ہوئے جب صور میں پھونکا جاوے گا ناقور کے لغوی معنی ہیں کریدنے والا کھودنے والا چونکہ صور دوبارہ پھونکنے پر قبریں اکھیڑ کر مردے باہر ہو جائیں گے اس لیے ناقور کہتے ہیں۔

[4] یعنی قرآن مجید کا فرمان یوم ترجف الراجفۃ تتبعھا الرادفۃ میں راجفہ سے مراد صور کا پہلا نفخہ ہے اور رادفہ سے مراد دوسرا نفخہ راجفہ بنا ہے رجف سے بمعنی کانپنا تھرتھرانا رادفہ کے معنی ہیں پیچھے آنے والا چونکہ پہلے نفخہ پر تمام زمین آسمان تھرتھرا کر پھٹیں گے اس لیے اس کا نام راجفہ ہے دوسرا نفخہ اس کے بعد ہے لہذا وہ رادفہ ہے۔

اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صاحب الصور وقال عن یمینہ جبریل وعن یسارہ میکائیل وعن ابی رزین العقیلی قال قلت یارسول اللّٰہ کیف یعید اللّٰہ الخلق وما اٰیۃ ذلک فی خلقہ قال اما مررت بوادی قومک جدبا ثم مررت بہ یھتز خضرا قلت نعم قال فتلک اٰیۃ اللّٰہ فی خلقہ کذلک یحی اللّٰہ الموتی رواھما رزین

اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صور والے کا ذکر فرمایا اور فرمایا کہ ان کی داہنی طرف حضرت جبریل ہیں اور ان کی بائیں طرف جناب میکائیل [۱] روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے [۲] فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ خدا تعالیٰ مخلوق کو کیسے لوٹائیگا اور اس کی خلقت میں اس کی نشانی کیا ہے [۳] فرمایا کیا تم اپنی قوم کے جنگل میں خشک سال میں نہیں گزرے تھے وہاں اس وقت نہ گزرے جب سبزہ سے لہلہا رہی ہیں میں نے عرض کیا ہاں فرمایا تو یہ اللہ کی نشانی ہے اسکی مخلوق میں اسی طرح اللہ مردے زندہ کریگا ان دونوں کو رزین نے روایت کیا [۴]

[۱] یعنی جس وقت حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونکیں گے اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے داہنے ہاتھ کی طرف ہوں گے اور حضرت میکائیل علیہ السلام بائیں طرف اس حالت میں آپ صور پھونکیں گے اس کی وجہ رب تعالٰے ہی جانے۔

[۲] آپ کا نام لقیط ابن عامر ہے طائف والوں سے ہیں مؤلف نے آپ کا ذکر اسماء الرجال میں نہیں کیا (اشعہ، مرقات)

[۳] یعنی دنیا آخرت کا نمونہ ہے آخرت میں مرے ہوئے لوگ زندہ کیے جاویں گے اس کی مثال دنیا میں کیا ہے جسے ہم اسے دلیل بنا سکیں۔

[۴] سبحان اللہ کیسی پاکیزہ دلیل ہے کہ خشک زمین میں بارش سے تر ہو کر سوکھے سبزہ کے ریزہ دوبارہ ہرے ہو جاتے ہیں ایسے ہی صور کی آواز سے مردوں میں جان بھی پڑ جاوے گی قرآن مجید میں اسی مثال سے قیامت میں اٹھنے کو سمجھایا گیا ہے۔ دنیا کی چیزیں عالم غیب کی دلیلیں ہیں ان میں غور کرنا ضروری ہے۔

بَابُ الْحَشْرِ الْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰی اَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ لَيْسَ فِيْهَا عَلَمٌ لِاَحَدٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ

حشر کا بیان [1] پہلی فصل روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ قیامت کے دن اس سفیدہ زمین میں جمع کئے جائیں گے [2] جو میدہ کی روٹی کی طرح ہے [3] جس میں کسی کا نشان نہ ہوگا [4] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ

[1] قیامت کے بہت نام ہیں جن میں سے ایک نام حشر بھی ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا یا جمع ہونا اسے حشر یا تو اس لیے کہتے ہیں کہ اس دن سارے اولین و آخرین ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہو جائیں گے بخلاف دنیا کے یہاں مختلف جگہ میں لوگ پیدا ہوتے مرتے رہتے ہیں یا اس لیے کہتے ہیں کہ اسی دن ہر شخص اپنے اعمال اپنے احباب کے ساتھ جمع ہوگا مومن مومنین کے ساتھ کافر کفار کے ساتھ المرء مع من احب اس دن محبت جامع ہوگی قیامت تک کے حضور کے شیدائی ان شاء اللہ حضور کے ساتھ ہوں گے اس کا مقابل ہے نشر بمعنی بکھیرنا یا جدا ہونا جدا کرنا چونکہ قیامت میں بعض وقت لوگ جمع ہوں گے۔ بعض وقت ایک دوسرے سے الگ بلکہ بیزار اس لیے اسے یوم حشر و نشر کہتے ہیں یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ۔ اس لیے اسے یوم الفصل بھی کہتے ہیں کہ اس دن مومن و کافر الگ الگ کر دیے جاویں گے

[2] بیضاء بمعنی سفید۔ عفراء بمعنی مائل بہ سرخی یعنی زمین ہوگی تو سفید مگر خالص تیز سفید نہ ہوگی بلکہ سفیدی میں سرخی کی جھلک ہوگی۔

[3] قرصہ بمعنی ٹکیہ یا روٹی یہ قرص سے بنا ہے شیخ سعدی نے گلستان میں فرمایا۔ ع

قرص خورشید در سیاہی شد یونس اندر دہان ماہی شد

نقی بمعنی میدہ قرصہ میں ت وحدت کی ہے یعنی ایک روٹی۔

[4] یعنی اس دن ساری روئے زمین پر نہ کسی کا مکان ہوگا نہ باغ نہ کھیت نہ غار نہ پہاڑ صاف شفاف میدان ہوگا جس میں نہ کسی کو ٹھوکر لگے نہ کوئی غار میں گرے سب کی نظریں آسمان کی طرف ہوں گی اور زمین طے کرتے ہوں گے اس طرح سب زمین شام تک پہنچیں گے جہاں قیامت کا اجتماع ہوگا۔

وَسَلَّمَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُبْزَةً وَّاحِدَةً يَّتَكَفَّأُهَا الْجَبَّارُ بِيَدِهٖ كَمَا يَتَكَفَّأُ اَحَدُكُمْ خُبْزَتَهٗ فِي السَّفَرِ نُزُلًا لِاَهْلِ الْجَنَّةِ فَاَتٰى رَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ بَارَكَ الرَّحْمٰنُ عَلَيْكَ يَا اَبَا الْقَاسِمِ اَلَا اُخْبِرُكَ بِنُزُلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قَالَ تَكُوْنُ الْاَرْضُ خُبْزَةً وَّاحِدَةً كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہو جاوے گی جسے اللہ تعالیٰ اپنے دست قدرت سے تیار کریگا[۱] جیسے تم میں سے کوئی سفر میں اپنی روٹی تیار کرتا ہے جنت والوں کی مہمانی کیلئے[۲] پھر ایک یہودی شخص حاضر ہوا بولا اے ابوالقاسم اللہ آپ پر برکت نازل کرے کیا میں آپ کو جنتیوں کی مہمانی جو قیامت کے دن ہو گی اس کے متعلق خبر نہ دوں[۳] فرمایا ہاں بولا زمین ایک روٹی ہو جاوے گی جیسے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تب

[۱] یعنی ساری زمین کو رب تعالےٰ صرف کلمہ کن سے بغیر واسطہ فرشتہ روٹی بنادے گا چونکہ روٹی ہاتھ سے پکتی ہے اس لیے یہاں یہ ارشاد ہوا مراد دست قدرت ہے ظاہر یہ ہے کہ حدیث شریف اپنے ظاہری معنی پر ہے واقعی یہ زمین روٹی میں تبدیل ہو جائے گی جو جنتیوں کو اولاً ہی کھلادی جائے گی۔ زمین سے ہر پھل پھول۔ میوہ پیدا ہوتے ہیں اس لیے اس روٹی میں یہ سارے مزے ہوں گے اگرچہ کڑوی زہریلی خار دار چیزیں بھی زمین سے ہی نکلتی ہیں مگر ان کی آمیزش اس روٹی میں بالکل نہ ہوگی کہ یہ کڑواہٹ نکال کر پکائے جاتے ہیں کوار گندل کا جب حلوہ بناتے ہیں تو اس کی کڑواہٹ دور کر دیتے ہیں۔

[۲] یعنی جنتیوں کو پہلے یہ غذا دی جاوے گی پھر وہ غذا سے مستغنی ہوں گے پھل فروٹ لذت کے لیے کھایا کریں گے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ کلام شریف بطور تشبیہ ہے کہ روٹی قدرتی ہوگی مگر زمین کی سی ہو گی ان کی دلیل وہ حدیث ہے کہ قیامت کے بعد اس زمین اور سمندر کو آگ سے پر کر دیا جاوے گا اور دوزخ کے ساتھ اسے ملادیا جائے گا۔

[۳] یعنی ہماری توریت شریف میں اہل جنت کی پہلی غذا کے متعلق جو لکھا ہے کیا میں حضور کی خدمت میں عرض کر دوں معلوم ہوا کہ وہ یہودی ادب والا تھا کہ حضور سے اجازت لے کر کچھ سنا رہا ہے بزرگوں سے اجازت لے کر عرض کرنا ہی ادب کا تقاضا ہے۔

النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَيْنَا ثُمَّ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاِدَامِهِمْ بَالَامٌ وَالنُّوْنُ قَالُوْا وَمَا هٰذَا قَالَ ثَوْرٌ وَنُوْنٌ يَاْكُلُ مِنْ زَائِدَةِ كَبِدِهِمَا سَبْعُوْنَ اَلْفًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ **وَعَنْ** اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى ثَلٰثِ طَرَائِقَ رَاغِبِيْنَ رَاهِبِيْنَ وَ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ہماری طرف دیکھا پھر تبسم فرمایا حتی کہ آپ کی کلیں مبارک نمودار ہوگئیں [1] پھر بولا کیا میں آپ کو ان کے سالن کی خبر نہ دوں بالام اور مچھلی [2] صحابہ نے کہا وہ کیا چیز ہے بولا بیل اور مچھلی کہ ان دونوں کی کلیجی کے ٹکڑے سے ستر ہزار کھائیں گے [3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ تین طریقوں سے جمع کیے جائیں گے [4] رغبت کرنے خوف کرنے [5] اور

[1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تبسم خوشی کے طور پر تھا کہ حضور کے فرمان عالی کی تصدیق ایک یہودی عالم نے کردی معلوم ہوا کہ توریت وانجیل کی وہ باتیں جو اسلام کے موافق ہوں قبول کی جاسکتی ہیں اسلام کی تائید کے لیے ذکر محض ان کی تصدیق کے لیے۔

[2] بالام عبرانی زبان کا لفظ ہے بمعنی بیل یا گائے چونکہ حضرات صحابہ اسے سمجھے نہیں اس لیے اس نے ترجمہ کیا۔

[3] ستر ہزار سے مراد ہے بے حساب بے اندازہ لوگ ہیں یا ستر ہزار وہ حضرات ہیں جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے سب سے پہلے جائیں گے انہیں یہ غذا دی جائے گی (مرقات) شاید یہ بیل وہ ہوگا جس پر زمین قائم ہے اور مچھلی وہ جس پر بیل قائم ہے زائدہ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ ستر ہزار جنتی اس بیل کی پوری کلیجی نہ کھائیں گے بلکہ کلیجی کا اوپر والا حصہ اسی سے سب سیر ہوجائیں گے خیال رہے کہ یہ غذا جنت میں آگ سے نہ پکے گی کہ وہاں آگ نہیں بلکہ قدرتی طور پر پکی ہوئی ہوگی جیسے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آسمانی دسترخوان میں بھونی ہوئی مچھلی اور روٹی آسمان سے اتری تھی یہ بھی خیال رہے کہ اہل جنت اس کے بعد پھر کبھی غذا نہ کھائیں گے آئندہ پھل ہی کھایا کریں گے صرف لذت کے لیے۔ [4] یعنی مردے زندہ ہوکر اپنی قبروں سے میدان قیامت کی طرف تین طرح جائیں گے اس دراز راستہ کو تین طریقہ سے طے کریں گے ان طریقوں کا ذکر اگلی حدیثوں میں آرہا ہے کہ بعض تو سواریوں پر بعض پیدل اور بعض منہ کے بل گھسٹتے۔ [5] یہ ان طریقوں کا بیان نہیں بلکہ اس کے علاوہ دوسرے حالات کا بیان ہے کہ حضرات اولیاء اللہ تو خوشی خوشی راغب ہوکر جائیں گے جن کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون اور فرماتا ہے لا یحزنھم الفزع الاکبر اور فرمایا یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا ان حضرات پر قیامت کی گھبراہٹ بالکل طاری نہ ہوگی رہے خائفین

اِثْنَانِ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّثَلٰثَۃٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّاَرْبَعَۃٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّعَشَرَۃٌ عَلٰی بَعِیْرٍ وَّتَحْشُرُ بَقِیَّتَھُمُ النَّارُ تَقِیْلُ مَعَھُمْ حَیْثُ قَالُوْا وَتَبِیْتُ مَعَھُمْ حَیْثُ بَاتُوْا وَتُصْبِحُ مَعَھُمْ حَیْثُ اَصْبَحُوْا وَتُمْسِیْ مَعَھُمْ حَیْثُ اَمْسَوْا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّکُمْ مَحْشُوْرُوْنَ حُفَاۃً عُرَاۃً غُرْلًا

دو ایک اونٹ پر[۱] اور تین ایک اونٹ پر اور چار ایک اونٹ پر اور دس ایک اونٹ پر[۲] باقیوں کو آگ جمع کرے گی ان کے ساتھ قیلولہ کرے گی جہاں وہ لوگ قیلولہ کریں گے اور رات گذاریں گے اور ان کے ساتھ صبح کرے گی جہاں صبح کریں گے اور ان کے ساتھ شام کریں گے[۳] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ تم حشر کیے جاؤ گے ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ[۴]

یہ وہ لوگ ہیں جو گنہگار ہیں ان کی بخشش کی امید ہے خوف سے مراد پکڑے جانے کا خوف ہے پہلے لوگ طیار نہیں ہیں دوسرے سیارین

[۱] داثنان کا واو حالیہ ہے یہ راغبین راہبین کی ضمیر سے حال ہے۔ [۲] یہ اونٹ قربانی کے جانور نہ ہوں گے بلکہ قدرتی ہوں گے اور ان میں سے ایک ایک پر چند کا سوار ہونا یا تو اجتماعًا ہوگا کہ سب یک دم اس پر سوار ہوں گے یا باری باری والے کہ ایک سوار ہوگا باقی پیدل چلیں گے پھر دوسرے کی باری جتنا درجہ زیادہ اتنی ہی شرکت تھوڑی ہوگی۔

[۳] بعض شارحین نے فرمایا کہ اس حشر سے مراد وہ اجتماع ہے جو قیامت سے پہلے ہوگا کہ لوگ اپنی زندگی میں زمین شام میں پہنچ جائیں گے اور اس طرح پہنچیں گے مگر ترجیح اس کو ہے کہ یہ حشر قبروں سے اٹھنے کے بعد ہوگا۔ جو کہ علاوہ شام کے اور زمین میں دفن ہوئے ان کو میدان حشر میں ان طریقوں سے پہنچایا جائے گا (اشعہ، مرقات) خیال رہے کہ یہاں محشر تک جانے کا ذکر ہے اور اگلی حدیث میں قبروں سے اٹھنے کا تذکرہ لہذا مطلب واضح ہے اس کے متعلق اور بہت توں ہیں اس جگہ صبح شام سے مراد حقیقی صبح و شام نہیں بلکہ اتنا وقت مراد ہے کیونکہ اس دن رات و دن صبح شام نہ ہوگا۔ یہاں مرقات نے بہت تحقیق کی ہے۔

[۴] اس فرمان عالی میں انکم فرما کر بتایا گیا کہ تم عوام لوگ اس حالت میں اٹھیں گے ننگے بدن ننگے پاؤں بے ختنہ مگر بلکہ تمام انبیاء کرام اپنے کفنوں میں اٹھیں گے حتی کہ بعض اولیاء اللہ بھی کفن پہنے اٹھیں گے تاکہ ان کا ستر کسی اور پر ظاہر نہ ہو جامع صغیر کی روایت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں قبر انور سے اٹھوں گا اور فورًا مجھے جنتی جوڑا پہنا دیا جاوے گا لہذا یہاں اس فرمان عالی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء و بعض اولیاء مستثنیٰ ہیں (مرقات، اشعہ) اس لیے یہاں انتم فرمایا نحن نہیں فرمایا یہ خوب خیال رہے۔

ثُمَّ قَرَأَ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ وَأَوَّلُ مَنْ يُكْسٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ إِبْرَاهِيمُ وَإِنَّ نَاسًا مِنْ أَصْحَابِي يُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَأَقُولُ أُصَيْحَابِي

پھر آپ نے تلاوت فرمائی کہ جیسے ہم نے اولاً پیدائش کی ابتدا کی تھی ویسے ہی لوٹائیں گے ہمارے ذمہ یہ وعدہ ہے ہم کرنے والے ہیں[1] اور پہلے جسے لباس پہنایا جاویگا قیامت کے دن وہ ابراہیم علیہ السلام ہیں[2] اور میرے ساتھ والوں میں سے کچھ لوگ بائیں طرف پکڑ لے جائیں گے[3] تو میں فرماؤں گا کہ میرے ساتھ والے ہیں

[1] یعنی جیسے تم اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے ایسے ہی اپنی قبروں کے پیٹ سے اٹھو گے خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ننگے نہیں پیدا ہوئے تھے حریر میں لپٹے ہوئے پیدا ہوئے شعر

آنکھوں میں سرمہ بالوں میں شانہ دیا ہوا   لپٹے ہوئے حریر میں ختنہ کیا ہوا۔

حضور فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکر وعمر کے ساتھ اپنی قبروں سے اٹھیں گے پھر جنت البقیع والوں کا انتظار فرمائیں گے پھر مکہ معظمہ والے جنت معلٰی کے مردوں کا۔ پھر محشر کی طرف اس برات کے ساتھ جائیں گے ایسی حالت میں حضور بغیر لباس کیسے ہو سکتے ہیں (مرقات)

[2] یعنی کفن اوتار کر جنتی جوڑا پہلے حضرت خلیل اللہ کو پہنایا جاوے یا تو اس حکم سے حضور علیحدہ ہیں متکلم مستثنٰی ہوتا ہے یا یہ بدلہ ہے اس کا کہ نمرودی آگ میں جاتے وقت آپ کے کپڑے اتار لیے گئے تھے یہ خصوصی فضیلت ہے (مرقات) نیز آپ ننگوں کو کپڑے پہناتے تھے نیز آپ حضور انور کے جدامجد ہیں ان وجوہ سے آپ کا یہ اکرام فرمایا گیا۔

[3] اصیحاب تصغیر ہے اصحاب کی یہاں شرعی صحابہ مراد نہیں کہ شرعًا صحابی وہ ہیں جنہیں بحالت ایمان حضور انور کی صحبت نصیب ہو اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو بلکہ لغوی صحاب مراد ہے یعنی میرے پاس بیٹھنے والے لوگ یہ وہ لوگ ہیں جو حضور انور کے پردہ فرمانے کے بعد مرتد ہوگئے تھے۔ جیسے منکرین زکوٰۃ یا مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آنے والے بن گئے تھے خوارج کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت علی وفاطمہ ہیں روافض کہتے ہیں کہ ان سے مراد سوا تین چار شخصوں کے باقی تمام صحابہ ہیں جیسے ابوبکر صدیق وغیرہم دونوں فرقے جھوٹے ہیں اگر حضرت علی یا صدیق اکبر مرتد ہیں تو دنیا میں مسلمان کوئی نہیں رہ سکتا کہ ہم تک حضور کا دین پہنچانے والے تو وہ ہی حضرات ہیں۔

أُصَيْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّهُمْ لَنْ يَزَالُوا مُرْتَدِّينَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ فَأَقُولُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ إِلَى قَوْلِهِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

میرے ساتھ والے ۱ تو کہیں گے کہ یہ لوگ جب سے آپ ان سے جدا ہوئے اپنی ایڑیوں پر لوٹے رہے ۲ تو جو اس نیک بندے نے کہا ہے وہ ہی میں کہوں گا کہ میں ان کا ذمہ دار نگران تھا جب میں ان میں رہا عزیز الحکیم تک ۳ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن لوگ ننگے

۱ یعنی یہ لوگ میرے ساتھی ہیں انہیں میرے پاس آنے دو حضور انور کا یہ فرمان عالی بطور عتاب ہوگا۔ جیسے رب تعالے دوزخی کافر سے فرمائے گا۔ ذق انک انت العزیز الکریم اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضور کو اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی یہاں تو بتا رہے ہیں وہاں کیسے بھول جائیں گے نیز قیامت میں کافر مومن چہروں اور دوسری علامات سے پہچانے جائیں گے رب فرماتا ہے یعرف المجرمون بسیماھم نیز دوسری روایت میں ہے اعرفھم ویعرفوننی میں انہیں پہچانتا ہوں وہ مجھے جانتے ہیں لہذا اس فرمان عالی سے وہابی حضور کی بے علمی پر دلیل نہیں پکڑ سکتے۔

۲ یعنی یہ لوگ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد یا منکر زکوۃ ہو کر یا مسیلمہ کذاب کے امتی بن کر مرتد ہو گئے تھے۔ فرشتوں کا یہ عرض کرنا ان مردودوں کو رسوا کرنے کے لیے ہوگا نہ کہ حضور انور کو مطلع کرنے کے لیے حضور کو رب نے ہر غیب پر مطلع فرما دیا ہے۔ ؎

خدا مطلع ساخت بر جملہ غیب ؎ علی کل شیئ خبیر آمدی

جو کہتے ہیں کہ یہ لوگ حضرت صدیق و فاروق ہوں گے وہ یہ نہیں سوچتے کہ اگر صدیق و فاروق مرتد ہیں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کر لینے والے اہل بیت اطہار پر کیا فتوے ہوگا۔ امام حسین نے یزید فاسق کی بیعت نہ کی تو ان حضرات نے حضرت صدیق و فاروق ی .. بیعت کیوں کر لی۔

۳ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان عالی اپنی بیزاری ظاہر فرمانے کے لیے ہے یعنی جب تک میں ان میں رہا ان کی نگرانی کرتا رہا انہیں کفر سے بچاتا رہا میری وفات کے بعد میری نگرانی ختم ہو گئی پھر تو جانے وہ جانے یہ عرض حضرت عیسے علیہ السلام عیسائی کفار کے متعلق کریں گے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح عرض کریں گے۔

حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللهِ الرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَّنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا نَبِيَّ اللهِ كَيْفَ يُحْشَرُ الْكَافِرُ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ اَلَيْسَ الَّذِيْ اَمْشَاهُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ فِي الدُّنْيَا قَادِرٌ عَلٰى اَنْ يُّمْشِيَهٗ عَلٰى وَجْهِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

پاؤں۔ ننگے بدن۔ بے ختنہ جمع کیے جائیں گے[1] میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مرد و عورتیں سارے ہیں بعض بعض کو دیکھیں گے[2] تو فرمایا اے عائشہ وہ حال اس سے سخت تر ہوگا کہ بعض بعض کی طرف نظر بھی کریں[3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے ایک شخص نے عرض کیا یا نبی اللہ قیامت کے دن کافر اپنے چہرے کے بل کس طرح محشر میں لایا جائیگا[4] فرمایا کہ جس نے دنیا میں دو پاؤں پر چلایا وہ اس پر قادر نہیں کہ اسے قیامت کے دن اس کے منہ کے بل چلائے[5] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابو ھریرہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی

[1] ناس فرما کر بتایا کہ یہ حالت عام لوگوں کی ہوگی حضرات انبیاء و خاص اولیاء کی یہ حالت نہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا نیز جنات جانوروں کے جمع ہونے کی اور نوعیت ہوگی وہ بھی الناس سے خارج ہے۔

[2] یعنی رب تعالٰی پاکباز نیک بی بیوں کی بے پردگی کیوں فرمائے گا وہ مردوں کے سامنے صرف بے پردہ ہی نہیں بلکہ ننگی ہوں بڑا پیارا سوال ہے خیال رہے کہ ازواج پاک اور فاطمہ زہرہ باپردہ اٹھیں گی جیسا کہ عرض کیا گیا کہ وہ خاص اولیاء اللہ میں داخل ہیں۔

[3] یعنی اس دن جلال و ہیبت حجاب بن جاوے گی کوئی کسی کو نہ دیکھے گا سب کی نظر آسمان پر ہوگی قدم زمین پر آج بھی بڑی آفت میں سامنے والا آدمی پاس کی چیز نظر نہیں آتی۔ [4] ان صاحب نے یہ سوال جب کیا جبکہ حضور انور نے خبر دی کہ کفار اپنے قبروں سے زمین حشر تک منہ کے بل گھسٹتے یا رینگتے ہوئے جائیں گے۔

[5] یعنی اللہ تعالٰے کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ اس دن کفار کو سانپ کی طرح رینگتا ہوا زمین شام تک لے جاوے اس پر شبہ یا تعجب نہ کرو۔

يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِي فَيَقُولُ لَهُ أَبُوهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيكَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ يَا رَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِي أَلَّا تُخْزِيَنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ فَيَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى إِنِّي حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ

فرمایا حضرت ابراہیم اپنے باپ آذر سے قیامت کے دن ملیں گے آذر کے منہ پر سیاہی اور مٹیلا رنگ ہوگا[1] ان سے ابراہیم فرمائیں گے کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میری نافرمانی نہ کر ان کے باپ کہیں گے کہ اب میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا[2] جناب ابراہیم کہیں گے اے رب تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جس دن لوگ اٹھائے جائیں گے تو مجھے رسوا نہ کرے گا تو میرے ہلاکت والے باپ سے بڑھ کر کونسی رسوائی بڑی ہے[3] اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ میں نے کفار پر جنت حرام

[1] تحقیق یہ ہے کہ آذر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے۔ قرآن کریم یا حدیث شریف میں اسے باپ کہنا مجازاً ہے ان کے والد کا نام تارح ہے وہ مومن موحد تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آبا و اجداد از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ سارے ہی مومن موحد ہیں کوئی مشرک کافر زانی نہیں یہ نسب پاک ان دونوں عیبوں سے منزہ ہے قیامت کے دن کفار کے چہرے کالے ہوں گے مومنوں کے منہ اجیالے یہ چہروں کے رنگ دلوں کے رنگ کے رنگ کے مطابق ہوں گے حضرت بلال کا حسن وہاں دیکھنا۔ ان شاء اللہ یہاں باپ کہہ کر آذر فرما دیا گیا تاکہ کوئی حقیقی والد نہ سمجھے چچا ہی سمجھے (اشعہ)

[2] آذر یہ الفاظ بطور توبہ کہے گا۔ کہ میں نے گذشتہ زمانہ میں غلطی کی اب ہر طرح تمہاری اطاعت کروں گا۔ مجھے بچالو مگر توبہ کی جگہ دنیا ہے اس لیے اب یہ سب کچھ بے کار ہوگا۔

[3] یعنی آذر کا دوزخ میں جانا میرے لیے بدنامی کا باعث ہے تو اسے بخش دے ابعد فرما کر یہ بتایا کہ یہ تیری رحمت سے یا مجھ سے بہت دور رہا متقی مومن اللہ سے نبی سے قریب ہے ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین اور گنہگار مومن ان سے کچھ دور ہے مگر کافر ان سے بہت ہی دور ہے کہ عملاً بھی دور ہے عقیدۃً بھی دور یا یہ مطلب ہے کہ یہ میری محبت سے دور ہے مجھے اس سے محبت نہیں بلکہ اپنی بدنامی کا خوف ہے۔ قیامت میں کسی مسلمان کو کسی کافر قرابتدار سے مطلقًا محبت نہ ہوگی۔

ثُمَّ يُقَالُ لِإِبْرَاهِيمَ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهِ فَيُلْقَى فِي النَّارِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

کردی ہے [1] پھر حضرت ابراہیم سے کہا جاوے گا کہ تمہارے پاؤں کے نیچے کیا ہے وہ دیکھیں گے [2] کہ وہ ایک لتھڑے ہوئے بھیڑیے پر ہیں [3] پھر آذر کے ہاتھ پاؤں پکڑ لیے جائیں گے اسے آگ میں ڈال دیا جاوے گا [4] (بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے

[1] یعنی اے میرے پیارے خلیل اس کے دوزخی ہونے میں آپ کی رسوائی قطعًا نہیں اگر یہ مومن متقی ہوتا پھر دوزخی ہوتا تو آپ کی بدنامی ہوتی کہ نبی کی خبر غلط نکلی انہوں نے متقی مومنوں سے جنت کا وعدہ کیا تھا غلط ہوا یہ تو اپنے کفر کی وجہ سے دوزخ میں جارہا ہے نہ کہ آپ کا عزیز قریبی ہونے کی وجہ سے یہ ہے رب تعالٰے کا کرم اپنے خلیل پر۔

[2] معلوم ہوا کہ حضرت خلیل کی نگاہ بچا کر آذر کو دوزخ میں پھینکا جائے گا آپ کے سامنے نہیں اس میں بھی جناب خلیل اللہ کا احترام ہے یا یہ مطلب ہے کہ حضرت خلیل خود آذر کو اپنے پاؤں کے نیچے دیکھیں گے یہ ہی ظاہر ہے۔

[3] ذیخ کا ترجمہ ہے بھیڑیا متلطخ بمعنی لتھڑا ہوا گارے کیچڑ وغیرہ میں یعنی اب حضرت خلیل دیکھیں گے کہ آذر بجائے شکل انسانی کے بھیڑیئے کی شکل میں ہے ڈراؤنا ہیبت ناک اور وہ بھی کیچڑ میں لتھڑا ہوا۔ گھناؤنا اس حالت کو دیکھ کر آپ دل میں سخت نفرت پیدا ہوگی خیال رہے کہ وہاں شکلوں پر دلوں کا حال نمودار ہوگا۔ چونکہ آذر دنیا میں حضرت ابراہیم کے لیے بھیڑیا موذی تھا اور اس کا دل کفر میں لتھڑا ہوا تھا اس لیے اس کی شکل یہ ہوگی۔

[4] خیال رہے کہ اس واقعہ میں نہ تو حضرت خلیل نے آذر کی شفاعت فرمائی اور نہ رب تعالٰے نے آپ کی شفاعت رد کی بلکہ آپ نے اپنی عزت کا سوال فرمایا رب تعالٰے نے آپ کو مطمئن فرما کر آپ کی عزت کی حفاظت فرما کر آذر کو اس کے اصلی روپ میں دکھا کر حضرت خلیل اللہ کو اس سے متنفر فرما کر اسے دوزخ میں ڈالا لہذا حدیث شریف پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ نبی نے کافر کی شفاعت کیوں فرمائی نہ یہ کہ نبی کی شفاعت منظور کیوں نہ ہوئی۔ آپ نے اس کی شفاعت یا دعا کا ایک لفظ بھی یہاں نہ فرمایا اپنے متعلق عرض کیا جیسے حضرت نوح نے کنعان بیٹے کے متعلق فرمایا تھا ان ابنی من اھلی یہ شفاعت نہ تھی بلکہ ایک مسئلہ کا جواب پوچھنا تھا کہ اگر کفار مجھ پر یہ سوال کریں تو میں کیا جواب دوں اسی لیے کنعان کے ڈوبنے کے چھ ماہ بعد یہ عرض کیا جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔

يَعْرَقُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يَذْهَبَ عَرَقُهُمْ فِي الْاَرْضِ سَبْعِيْنَ ذِرَاعًا وَيُلْجِمُهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ اٰذَانَهُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنِ الْمِقْدَادِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ تُدْنِي الشَّمْسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْخَلْقِ حَتّٰى تَكُوْنَ مِنْهُمْ كَمِقْدَارِ مِيْلٍ فَيَكُوْنُ النَّاسُ عَلٰى قَدْرِ اَعْمَالِهِمْ فِي الْعَرَقِ فَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُوْنُ اِلٰى رُكْبَتَيْهِ

کہ قیامت کے دن لوگ پسینہ پسینہ ہو جائیں گے حتیٰ کہ ان کا پسینہ زمین میں ستر گز چلا جاویگا اور ان کی لگام بن جاوے گا حتیٰ کہ ان کے کانوں تک پہنچ جاویگا۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت مقداد سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن سورج مخلوق سے قریب کر دیا جاویگا حتیٰ کہ ان سے میل کی مقدار رہ جاویگا۲؎ تو لوگ اپنے اعمال کے مطابق پسینہ میں ہوں گے۳؎ بعض وہ ہوں گے کہ ان کے ٹخنوں تک پسینہ ہوگا بعض وہ جن کے گھٹنوں تک ہوگا۔

۱؎ یہ حال ان لوگوں کا ہوگا جنہیں عرش اعظم کا سایہ میسر نہ ہوگا سایہ والے لوگ بڑے آرام سے ٹھنڈی چھاؤں میں ہوں گے وہاں پسینہ کیسا عادل بادشاہ۔ جوان صالح۔ اکیلے میں اپنے گناہ یاد کر کے رونے والا عرش کے سایہ میں ہوں گے پھر اولیاء انبیاء کا کیا پوچھنا دنیا ان کے سایہ میں ہوگی وہ خود سایہ ہوں گے۔ ؎

اُمی و دقیقہ داں عالم　　　بے سایہ و سائبان عالم

یہ پسینہ سورج اور دوزخ کی گرمی۔ انتہائی پریشانی و فکر اور ندامت کی وجہ سے ہوگا۔ (مرقات) اور مطابق اپنے اعمال کے ہوگا زیادہ گناہ کیے تو پسینہ زیادہ بعض شارحین نے فرمایا کہ ہر ایک کا پسینہ الگ ہوگا دوسروں کے پسینہ سے مل کر دریا نہ بنے گا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی سے پانی میں طاق بن گیا بعض نے فرمایا کہ تمام پسینوں کا دریا بن جاوے گا مگر یہ دریا کسی کے ٹخنوں تک کسی کے منہ تک جیسے ایک ہی قبر میں مومن مردہ جنت میں ہے کافر مردہ دوزخ میں ایک چارپائی پر دو آدمی سو رہے ہیں ایک اچھی خواب سے خوشی ہے دوسرا بری خواب سے پریشان (مرقات)

۲؎ ظاہر یہ ہے کہ میل سے مراد راستہ کا میل ہے کوس کا تہائی حصہ آجکل ہمارے ہاں آٹھ فرلانگ کا میل ہوتا ہے عرب میں پانچ فرلانگ کا جسے کیلو کہتے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں میل سے مراد سرمہ کی سلائی ہے بہر حال ہوگا نہایت ہی قریب۔

۳؎ اعمال سے مراد گناہ ہیں یعنی برے اعمال خواہ کفر ہو یا دوسرے گناہ اس پسینہ کی تحقیق ابھی ابھی ہو چکی۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَكُونُ إِلَى حَقْوَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يُلْجِمُهُمُ الْعَرَقُ إِلْجَامًا وَاَشَارَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ اِلٰى فِيْهِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا اٰدَمُ فَيَقُوْلُ لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِيْ يَدَيْكَ قَالَ اَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ قَالَ وَمَا بَعْثُ النَّارِ قَالَ مِنْ كُلِّ اَلْفٍ تِسْعَ مِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ فَعِنْدَهٗ

اور بعض وہ جن کی کمر تک ہوگا اور ان میں بعض وہ ہونگے کہ پسینہ ان کی لگام بن جاویگا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ شریف اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا[1] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرمائیگا اے آدم وہ عرض کرینگے حاضر ہوں خدمت گزار ہوں اور ساری بھلائی تیرے قبضہ میں ہے[2] فرمائے گا آگ کا حصہ نکالو[3] عرض کرینگے آگ کا حصہ کیا ہے فرمائیگا ہر ہزار سے نو سو ننانوے[4] تو اس وقت

[1] اس تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اس پسینہ میں ڈوبا نہ ہوگا۔ بعض قریب ڈوبنے کے ہوں گے اس اختلاف حال کی وجہ ابھی کچھ پہلے عرض کر دی گئی خیال رہے کہ فم منہ کو کہتے ہیں اور وجہ چہرہ کو فی بنا ہے فم سے بمعنی منہ۔

[2] یہ فرمان عالی قیامت کے دن ہوگا حساب سے پہلے شاہی آستانہ کا ادب یہ ہے کہ ندا کے جواب میں صرف بلیٰ یا لبیک نہ کہا جاوے بلکہ اپنی وفاداری سلطان کی اور دربار کی خدمت گذاری کا بھی ذکر کیا جائے بادشاہ کی تعریف بھی کیجاوے

[3] یعنی اپنی اولاد میں سے کفار کو جو آگ کا حصہ ہیں مومنین سے الگ کرو معلوم ہوا کہ یہ چھانٹ حضرت آدم علیہ السلام سے کرائی جاوے گی۔

[4] یہاں فی ہزار ایک جنتی فرمایا گیا باقی دوزخی حضرت ابوہریرہ کی روایت فی سینکڑہ ایک جنتی تھا باقی دوزخی اس فرق کی چند وجہ ہوسکتی ہیں یا تو وہاں یاجوج ماجوج کے سوا کے باقی انسانوں کا ذکر تھا اور یہاں مع یاجوج ماجوج کا ذکر ہے یا وہاں صرف کفار کا ذکر تھا جو ہمیشہ کے دوزخی ہیں اور یہاں کفار اور مومن گنہگار سب شامل ہیں۔ مومن گنہگار عارضی دوزخی ہیں یا وہاں صرف انسان کفار کا ذکر تھا یہاں جن و انس سارے کافروں کا ذکر ہے اور ممکن ہے کہ دونوں عدد کثرت و زیادتی بیان کرنے کے ہوں خاص تعداد مراد نہ ہو جیسے ہم کہتے ہیں جلسہ میں بیسیوں آدمی تھے۔

يَشِيبُ الصَّغِيرُ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارٰى وَمَا هُمْ بِسُكَارٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيدٌ قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَأَيُّنَا ذٰلِكَ الْوَاحِدُ قَالَ أَبْشِرُوا فَإِنَّ مِنْكُمْ رَجُلًا وَمِنْ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ أَلْفٌ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ أَرْجُوا أَنْ تَكُونُوا رُبُعَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ أَرْجُوا أَنْ تَكُونُوا ثُلُثَ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ أَرْجُوا أَنْ تَكُونُوا نِصْفَ

بچے بڈھے ہوجائیں گے اور ہر حمل والی اپنا حمل گرادے گی [1] اور تم لوگوں کو نشہ میں دیکھو گے حالانکہ وہ نشہ میں نہ ہوں گے [2] لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ ایک ہم میں سے کون ہوگا [3] فرمایا خوش ہوجاؤ کہ تم میں سے ایک شخص اور یاجوج ماجوج میں سے ایک ہزار [4] پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں جان ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم لوگ جنتیوں کے چوتھائی ہوگے تو ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا میں امید کرتا ہوں کہ تم جنتیوں کے تہائی ہوگے ہم نے تکبیر کہی پھر فرمایا مجھے امید ہے کہ تم جنتیوں میں

[1] یعنی اگر اس دن نومولود بچے اور عورتوں کے حمل ہوتے تو اس صدمہ سے بچے تو بڈھے ہوجاتے اور عورتیں حمل گرا دیتیں اس زمانہ کی وحشت سے۔

[2] یہاں حقیقت مراد ہے یعنی یہ سنکر لوگوں کے ہوش اڑجاویں گے جیسے انھوں نے نشہ پیا ہے۔ مگر یہ نشہ نہ ہوگا ہیبت الٰہی ہوگی۔ اس سے بھی حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ علیحدہ ہیں اور متقیں اس دن نہ گھبراہٹ ہوگی نہ خوف۔ رب فرماتا ہے۔ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ اور فرماتا ہے لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ

[3] حضرات سامعین پر خوف الٰہی ایسا طاری ہوا کہ وہ سمجھے ہم مومنین یا ہم صحابہ میں سے ایک فی ہزار جنتی ہوگا۔ تب یہ عرض۔

[4] یعنی یہ تعداد صرف تم میں سے پوری نہ کی جاوے گی۔ بلکہ اولین و آخرین جس میں قوم یاجوج اور قوم ماجوج بھی داخل ہے انھیں ملاکر پوری کی جاوے اس لحاظ سے واقعی مومن ایک ہے۔ اور کافر نو سو ننانوے تم کو اس کا کیا خوف۔

اَهْلِ الْجَنَّةِ فَكَبَّرْنَا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ فِي النَّاسِ اِلَّا كَالشَّعْرَةِ السَّوْدَآءِ فِي جِلْدِ ثَوْرٍ اَبْيَضَ اَوْ كَشَعْرَةٍ بَيْضَآءَ فِي جِلْدِ ثَوْرٍ اَسْوَدَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَكْشِفُ رَبُّنَا عَنْ

آدھے ہو گے [۱] ہم نے تکبیر کہی [۲] تم لوگوں میں نہیں مگر ایسے جیسے سفید بیل کی کھال میں ایک کالا بال یا جیسے کالے بیل کی کھال میں ایک سفید بال [۳] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہمارا رب اپنی پنڈلی قدرت کھولے گا [۴] اور

[۱] یعنی اولاً تم لوگ تمام اولین و آخرین جنتیوں میں چہارم ہو گے کہ تین حصوں میں سارے جنتی انسان از آدم یا عیسے علیہ السلام اور چوتھائی تم۔ پھر تم نصف تہائی ہو جاؤ گے پھر آدھے دوسری روایات میں ہے کہ دو تہائی جنتی حضور کی امت ایک تہائی میں سارے لوگ۔ مگر اس طرح کہ مسلمان جنت میں آگے پیچھے پہنچیں گے جب سارے مسلمان وہاں داخل ہو جائیں گے تب حضور کی امت ⅔ اور باقی امتیں ⅓ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوزخی انسان زیادہ ہیں جنتی تھوڑے وقلیل من عبادی الشکور لیکن جنت میں فرشتے اور حور و غلمان بھی ہوں گے ان کا مجموعہ دوزخی جن وانسانوں سے بڑھ جاوے گا۔ غلبت رحمتی علی غضبی اس طرح ہوگا۔

[۲] اس سے معلوم ہوا کہ وعظ و تقریر میں اچھی خوشخبری اعلیٰ نکتہ سنکر نعرہ تکبیر لگانا سنت صحابہ ہے جو آج کل بھی رائج ہے۔

[۳] یعنی سارے مومنین یا میری امت کے سارے مومنین تمام کفار جن وانس کے مقابلہ ایسی نا معلوم نسبت رکھتے ہیں جیسے کالے بال کی کھال میں ایک سفید بال۔ خیال رہے کہ یہ نسبت سارے کفار کے لحاظ سے ہے مجموعہ کفار سے مسلمان واقعی تھوڑے ہیں ورنہ آج دنیا میں مسلمانوں کی مردم شماری ہر کافر قوم سے زیادہ ہے آج مسلمان دنیا میں قریبًا ایک ارب ہیں ان کے بعد عیسائیوں کی تعداد ہے پھر دوسری قوموں کی لیکن اگر سب کافر ملائے جاویں اور قوم یاجوج ماجوج بھی ملائی جاوے تو اس مجموعہ میں مسلمان کالی گائے کی کھال میں ایک سفید بال ہی ہیں۔

[۴] احتیاط یہ ہے کہ اس حدیث کو متشابہات میں سے مانو اس پر ایمان لاؤ مگر اس کا مطلب رب کے حوالہ کردو کیونکہ رب تعالٰے پنڈلی وغیرہ اعضاء سے پاک ہے بعض نے فرمایا کہ اپنے نور کی تجلی فرمائے گا تجلی نور کو ساق سے تعبیر فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں ہے یوم یکشف عن ساق ویدعون عن السجود وہاں پنڈلی سے مراد انسانوں کی پنڈلی ہوسکتی ہے کہ ان پر ایسی مصیبت طاری ہوگی۔ کہ ان کی پنڈلی کھل جاوے گی مگر یہاں یہ مطلب نہیں ہوسکتا کیونکہ یہاں ساقہ فرمایا گیا کہ رب اپنی پنڈلی ظاہر فرمائے گا۔

يَسْجُدُ لَهٗ كُلُّ مُؤْمِنٍ وَّمُؤْمِنَةٍ وَّيَبْقٰى مَنْ كَانَ يَسْجُدُ فِي الدُّنْيَا رِيَآءً وَّسُمْعَةً فَيَذْهَبُ لِيَسْجُدَ فَيَعُوْدُ ظَهْرُهٗ طَبَقًا وَّاحِدًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَاْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيْمُ السَّمِيْنُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوْضَةٍ وَّقَالَ اِقْرَءُوْا فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

اسے ہر مومن مرد و عورت سجدہ کریں گے[1] وہ لوگ باقی رہ جائیں گے جو دنیا میں دکھلاوے یا شہرت کے لیے سجدہ کرتے تھے وہ سجدہ کرنے لگیں گے تو ان کی پیٹھ ایک تختہ بن جاوے گی[2] (مسلم۔بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک بڑا موٹا آدمی قیامت کے دن آوے گا[3] اللہ کے نزدیک مچھر کے پر برابر وزن نہ دے گا[4] اور فرمایا کہ یہ تلاوت کرو کہ ہم قیامت کے دن ان کا وزن نہ رکھیں گے[5] (مسلم۔بخاری)

[1] یہ اس وقت ہوگا جب کھلے کافر چھانٹ کر الگ کیے جاچکے ہوں گے یہاں صرف مومنین مخلصین اور منافقین رہ جائیں گے یہ سجدہ مخلصین اور منافقین میں چھانٹ کے لیے ہوگا۔

[2] یعنی مخلصین تو درست سجدے کریں گے مگر ریاکار اور منافقین سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے مگر نہ کرسکیں گے ان کی پیٹھ تختہ کی طرح اکڑ جاوے گی جس سے وہ بجائے سجدہ کے اوندھے گر جاویں گے یہ سجدہ مخلص و منافق میں چھانٹ کے لیے ہوگا مگر ان مخلصین میں متقی و گنہگار شامل ہوں گے یہ سب اپنے رب کو سجدہ کریں گے اور صحیح کریں گے وہ سجدہ بڑے مزے کا ہوگا کہ یار سامنے ہے گنہگار سجدہ میں گر رہا ہے اللہ وہ سجدہ ہمیں بھی نصیب کرے۔ شعر

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں تری جبینِ نیاز میں

[3] عظیم سے مراد ہے دنیا میں درجہ کا بڑا۔ سمین سے مراد ہے جسم کا موٹا تازہ فربہ یعنی وہ دنیا میں سردار مالدار بھی تھا اور تندرست و توانا بھی مگر تھا منافق یا کافر۔ [4] یعنی وہ کافر و منافق اور اس کے اعمال مچھر کے پر برابر بھی وزن نہ دیں گے کیونکہ ان میں ایمان نہیں وزن ایمان و اخلاص کا ہوتا ہے۔

[5] اس آیت کریمہ کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک یہ کہ وزن بمعنی میزان ہے یعنی ہم قیامت میں کفار کے لیے میزان قائم ہی نہیں کریں گے کیونکہ وہاں وزن باٹ سے نہ ہوگا بلکہ نیکیوں کا بدیوں سے ہوگا کافر کے پاس نیکی

الفصل الثانی عن ابی ھریرۃ قال قرأ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ھذہ الآیۃ یومئذ تحدث اخبارھا قال اتدرون ما اخبارھا قالوا اللّٰہ ورسولہ اعلم قال فان اخبارھا ان تشھد علی کل عبد وامۃ بما عمل علی ظھرھا ان تقول عمل علی کذا وکذا یوم کذا وکذا قال فھذہ اخبارھا رواہ احمد والترمذی

دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی کہ اس دن زمین اپنی خبریں دے گی فرمایا کہ جانتے ہو کہ زمین کی خبریں کیا ہیں لہ لوگوں نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانتے ہیں فرمایا اس کی خبریں یہ ہیں کہ ہر بندے اور بندی پر گواہی دے گی اس کی جو اس نے اس کی پشت پر عمل کیے تا کہ کہے گی کہ مجھ پر فلاں فلاں دن فلاں فلاں عمل کیے فرمایا کہ زمین کی خبریں یہ ہیں گے (احمد، ترمذی)

ہی نہیں پھر وزن کیسا دوسرے یہ کہ وزن معنی بوجھ ہے اور معنی یہ ہیں کہ کفار کی نیکیوں میں ہم وزن نہیں رکھیں گے کہ ان کی نیکیاں صدقات خیرات وغیرہ تولے تو جائیں گے مگر بہت ہی ہلکے ہوں گے یہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں کیوں کہ قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے واما من خفت موازینہ فامہ ھاویہ۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار کی نیکیاں تولی جائیں گی مگر نہ اٹھیں گے

لہ حضور انور کا یہ سوال خود جواب دینے کے لیے ہے جو بات پوچھ کر بتائی جاوے وہ خوب یاد رہتی ہے۔ اس لیے اس طرح بتایا خود سائل خود مجیب۔

۲ہ زمین کی پیٹھ عام ہے خود زمین۔ مکان کی چھت۔ پہاڑ کی چوٹی سمندر کی سطح ہوائی جہاز کی سیٹ جہاں بھی کوئی عمل کیا جاوے وہ زمین کی پیٹھ پر ہی ہے کیونکہ پہاڑ بھی زمین پر ہے اور پانی و ہوا بھی زمین پر ان میں سے جہاں بھی کچھ کیا جاوے وہ زمین کی پیٹھ پر ہی ہے قبر کو زمین کا پیٹ کہا جاتا ہے اور ظاہری زمین کو زمین کی پیٹھ۔

۳ہ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ زمین میں حواس ہیں یہ عمل کرنے والوں کو بھی پہچانتی ہے۔ ان کے عملوں کو بھی اس کی یہ جان پہچان تفصیل وار ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمین کو قیامت کے دن ہر ایک کی پہچان ہوگی ان کا ہر عمل یاد ہوگا۔

وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ غَرِيْبٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ قَالُوْا وَمَا نَدَامَتُهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِنْ كَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ اِزْدَادَ وَاِنْ كَانَ مُسِيْئًا نَدِمَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ نَزَعَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَلٰثَةً

اور فرمایا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی نہیں جو مرے مگر شرمندہ ہوگا لہ عرض کیا یارسول اللہ اس کی شرمندگی کیا ہوگی فرمایا اگر نیک کار ہوگا تو شرمندہ ہوگا کہ اس نے زیادہ نیکیاں کیوں نہ کیں لہ اور اگر گنہگار ہوا تو شرمندہ ہوگا کہ وہ کیوں نہ باز آیا لہ (ترمذی) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ قیامت کے دن تین طرح جمع کیے جائیں گے لہ

لہ لہذا ہر شخص کو چاہیے کہ موت سے پہلے زندگی کو بیماری سے پہلے تندرستی کو مشغولیت سے پہلے فراغت کو غنیمت جانے جتنا موقع ملے کر گزرے۔ ؎

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے — اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اُجالی ہے

اس دنیا کا ایک ہی پھیرا نہیں آنا دوجی وار — جو کرنا ہے کرلے یار!

لہ حتی کہ اگر کوئی شخص اپنی ساری زندگی سجدہ سجود میں گزار دے وہ یہ کہے گا کہ میری عمر اور زیادہ کیوں نہ ہوئی کہ میں سجدے سجود اور زیادہ کر لیتا اور آج اس سے بھی اونچا درجہ پاتا اس فرمان عالی سے بھی حضرات انبیاء کرام علیحدہ ہیں انہیں وہاں ندامت کیسی وہ تو عظمت کے انتہائی درجہ میں ہوں گے۔

لہ اس فرمان میں کفار اور گنہگار سب داخل ہیں کفار کو شرمندگی ہوگی کہ ہم مسلمان کیوں نہ بنے۔ گنہگاروں کو شرمندگی ہوگی ہم نیک کار پرہیزگار کیوں نہ بنے۔ گناہوں سے باز کیوں نہ آئے مگر کفار کو اس وقت کی یہ ندامت کام نہ دے گی۔ لہ غالبًا یہ تین جماعتیں محشر سے جنت دوزخ جاتے وقت ہوں گی کہ مسلمان گنہگار تو پیدل ہوں گے متقی حضرات سوار کفار اوندھے منہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے چلیں گے قبروں سے محشر کی طرف سب پیدل جائیں گے جیسا پچھلی حدیث میں گزرا۔ ممکن ہے کہ قبروں سے محشر ہی کی طرف ان مختلف طریقوں سے لوگ جائیں دوسرا احتمال اس لیے قوی ہے کہ یہاں محشر فرمایا گیا یعنی جمع کیے جائیں گے یا محشر کی طرف جائیں گے۔

أَصْنَافٍ صِنْفًا مُشَاةً وَصِنْفًا رُكْبَانًا وَصِنْفًا عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ يَمْشُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ قَالَ إِنَّ الَّذِيْ أَمْشَاهُمْ عَلٰى أَقْدَامِهِمْ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُمْشِيَهُمْ أَمَا إِنَّهُمْ يَتَّقُوْنَ بِوُجُوْهِهِمْ كُلَّ حَدَبٍ وَشَوْكٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّهُ أَنْ يَنْظُرَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كَأَنَّهُ رَأْيُ عَيْنٍ فَلْيَقْرَأْ

ایک قسم پیدل ایک قسم سوار اور ایک قسم اپنے چہروں پر۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ وہ اپنے چہروں پر کیسے چلیں گے فرمایا جس نے انہیں ان کے قدموں پر چلایا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ انہیں ان کے چہروں پر چلائے ۲؎ آگاہ رہو کہ وہ اپنے چہروں سے ہر ٹیلے اور کانٹے سے بچیں گے ۳؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عمر سے کہ فرماتے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کو آنکھوں دیکھے کی طرح دیکھے ۴؎ تو اذا الشمس

۱؎ یہ دوسری جماعت اپنی قربانیوں نیک اعمال پر سوار ہوں گے خیال رہے کہ مومن اپنے اعمال پر سوار ہوں گے اور کفار پر ان کا مال ان کے اعمال سوار ہوں گے رب تعالٰی فرماتا ہے "ولیحملن اثقالہم واثقالا مع اثقالہم" جیسے تندرست آدمی غذا پر سوار ہوتا ہے اور پیٹ کے مریض پر غذا سوار ہوتی ہے۔ چونکہ پیدل لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی سواروں کی کم اس لیے پیدل لوگوں کا ذکر پہلے فرمایا ور جہان سواروں کا زیادہ ہوگا۔ ۲؎ یعنی یہ بات اللہ کی قدرت سے کوئی بعید نہیں وہ بڑی قدرتوں والا ہے وہ اس دن انہیں سانپ کی طرح چلائے گا۔ ۳؎ یعنی اس طرح چلنے میں اس کا سر آگے ہوگا باقی حصہ پیچھے اب اگر ٹیلے۔ روڑے وغیرہ کی ٹھوکر کھائے گا تو سر سے کانٹا لگے گا تو سر میں غرضکہ راستہ کی ہر آفت سر برداشت کرے گا۔ جیسے دنیا میں راستہ کی ہر مصیبت پاؤں برداشت کرتے ہیں اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سفر محشر سے دوزخ کی طرف ہے کیونکہ قبروں سے محشر کی طرف جاتے وقت ساری زمین میدہ کی روٹی کی طرح صاف کردی جاوے گی کہ وہاں نہ خار نہ غار نہ ٹیلہ نہ کنکر وغیرہ جیساکہ پہلے احادیث میں گزر گیا۔ ۴؎ سن کر یقین کو علم الیقین کہتے ہیں، دیکھ کر یقین عین الیقین کہلاتا ہے اندر داخل ہوکر آزما کر یقین حق الیقین کہلاتا ہے ابھی ہم لوگوں کو قیامت اور وہاں کے حالات کا یقین ہے مگر علم الیقین سرکار فرمارہے ہیں کہ اگر تم قیامت کا عین الیقین چاہتے ہو تو یہ سورتیں پڑھو ان میں قیامت کا ایسا نقشہ کھینچا گیا ہے جیسے کہ بندہ اسے دیکھ ہی رہا ہے بعض بیان ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سننے سے خبر گویا سامنے آجاتی ہے

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ اَبِي ذَرٍّ قَالَ اِنَّ الصَّادِقَ الْمَصْدُوْقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدَّثَنِيْ

اَنَّ النَّاسَ يُحْشَرُوْنَ ثَلٰثَةَ اَفْوَاجٍ فَوْجًا رَاكِبِيْنَ طَاعِمِيْنَ كَاسِيْنَ وَفَوْجًا

كُوِّرَتْ، اور اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ کی تلاوت کرے[1] (احمد، ترمذی) تیسری فصل . روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں کہ سچے کہنے والے سچی خبر دینے والے[2] صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے خبر دی کہ لوگ تین فوجوں میں جمع کیے جائیں گے[3] ایک فوج سوار عیش والے لباس پہنے ہوئے[4] اور ایک

[1] ان سورتوں میں قیامت کا بیان اس کے حالات ایسے طریقہ سے بیان ہوئے ہیں کہ قیامت گویا سامنے آجاتی ہے بعض وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا ذکر ایسے ہی فرماتے تھے کہ قیامت کا نقشہ نگاہوں کے سامنے کھنچ جاتا تھا۔

[2] یعنی حضور انور کی دو صفتیں ہیں۔ایک یہ کہ آپ ہم کو سچی خبریں دیتے ہیں دوسرے یہ کہ رب تعالٰی انہیں سچی خبریں دیتا ہے سچ سننے والے سچ بولنے والے صلی اللہ علیہ وسلم۔

[3] حشر کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ قریب قیامت عدن سے ایک عالمگیر آگ اٹھے گی۔جو تمام دنیا کو فلسطین میں پہنچا دے گی یہ حشر اول ہے۔دوسرے یہ کہ دوسرا صور پھونکنے پر مردے قبروں سے اٹھ کر فلسطین پہنچیں گے۔تیسرے یہ کہ فیصلہ ہو چکنے پر لوگ اپنے ٹھکانوں کی طرف چلیں گے۔غالب یہ ہے کہ یہاں پہلا حشر مراد ہے جیسا کہ آگے والے مضمون سے ظاہر ہے ممکن ہے کہ دوسرا یا تیسرا حشر مراد ہو۔

[4] یعنی یہ لوگ اطمینان سے اپنی سواریوں پر سوار ہو کر سفر کریں گے اعلیٰ لباس پہنے ہوئے۔اگر پہلا حشر مراد ہے تو سواریوں سے مراد ان کی اپنی مملوکا سواریاں جو اس وقت ان کے قبضے میں ہوں گی۔اور اگر تیسرا حشر مراد ہے تو قربانی یا اپنے اعمال کی سواریوں مراد ہیں۔اور اگر دوسرا حشر مراد ہے تو سواری پر خاص خاص لوگ ہوں گے۔باقی لوگ پیدل یہ سواری ان خاص لوگوں کو رب کی طرف سے مہیا کی جاوے گی۔

يَسْحَبُهُمُ الْمَلٰئِكَةُ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ وَتَحْشُرُهُمُ النَّارُ وَفَوْجًا يَمْشُوْنَ وَيَسْعَوْنَ وَيُلْقِي اللّٰهُ الْاٰفَةَ عَلَى الظَّهْرِ فَلَا يَبْقٰى حَتّٰى اَنَّ الرَّجُلَ لَتَكُوْنُ لَهُ الْحَدِيْقَةُ يُعْطِيْهَا بِذَاتِ الْقَتَبِ لَا يَقْدِرُ عَلَيْهَا رَوَاهُ

فوج فرشتے ان کے چہروں پر گھسیٹیں گے اور انہیں آگ جمع کرے گی [1] اور ایک فوج جو چلیں گے اور دوڑیں گے [2] اللہ تعالٰے ان کی سواری پر آفت ڈال دے گا۔ وہ باقی نہ رہے گی حتی کہ ایک شخص جس کے پاس باغ ہوگا وہ ایک قابل سواری اونٹ کے عوض دے گا مگر وہ اس پر قادر نہ ہوگا [3]

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہاں آگ سے مراد وہی عالمگیر آگ ہے جو عدن سے اٹھ کر تمام لوگوں کو حشر کے میدان تک پہنچا دے گی اس صورت میں ملٰئکہ کے کھینچنے سے مراد ہے ان کا نہایت ذلت کے ساتھ چلنا فرشتے انہیں نظر نہیں آئیں گے مگر کام کریں گے جیسے آج فرشتے ہمارے ساتھ رہتے اپنا کام کرتے ہیں ہم کو نظر نہیں آتے یہ اس صورت میں ہے کہ حشر سے مراد پہلا حشر ہو یعنی زندہ لوگوں کا زمین فلسطین میں پہنچنا جمع ہونا۔ اور اگر دوسرا یا تیسرا حشر مراد ہے تو فرشتوں کا انہیں کھینچنا ظاہر ہے اس صورت میں تحشر کا فاعل فرشتے ہیں اور النار کو نصب ہے اصل میں الی النار تھا یعنی فرشتے انہیں دوزخ کی طرف گھسیٹیں گے (اشعہ)

[2] یعنی یہ پیادہ لوگ اطمینان سے نہیں جائیں گے بلکہ بھاگتے ہوئے جائیں گے۔

[3] اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پہلا حشر مراد ہے یعنی اپنی قبروں سے زمین فلسطین کی طرف جانا اور مطلب یہ ہے کہ اس وقت سواریاں بہت زیادہ ہلاک ہوچکی ہوں گی جب اس جاگزم کا وقت آوے گا تو باغ یا کھیت یا باغ کا مالک چاہیگا کہ کوئی میری یہ زمین لے لے اور مجھے ایک اونٹ قابل سواری دیدے مگر کوئی نہ دے گا کیوں کہ اب باغ کھیت بے کار ہوچکے ہوں گے۔ جب یہاں سے بھاگ جانا ہی ہے تو باغ یا کھیت کا کیا فائدہ یہ حدیث علامات قیامت میں آنی چاہیے تھی نہ حشر کے بیان میں مگر صاحب مصابیح کی اتباع میں صاحب مشکوٰۃ نے یہاں ہی بیان کردی۔ بعض نے فرمایا کہ اس پوری حدیث میں دوسرے یا تیسرے حشر کا ذکر ہے مگر بعض راویوں نے ویلقی اللہ الآفۃ الخ ایک دوسری حدیث کا ٹکڑا اس میں داخل کردیا ہے اس صورت میں مطلب ظاہر ہے (مرقات) خیال رہے کہ قبروں سے محشر کی طرف سب لوگ پیدل جائیں گے مگر حضرات انبیاء اور خاص اولیاء اس وقت بھی سواریوں پر ہوں گے (مرقات) پھر محشر سے جنت کی طرف جاتے ہوئے۔ اور بلکہ پر عام متقی مسلمان سواریوں پر ہوں گے۔ اور سواریوں کی رفتار مختلف ہوگی یہ سواریاں قربانیاں اور اعمال کی ہوں گی (از مرقات)۔

النّسائی بَابُ الْحِسَابِ وَالْقِصَاصِ وَالْمِیْزَانِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ اَحَدٌ یُحَاسَبُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا ھَلَکَ قُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللہُ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا فَقَالَ اِنَّمَا ذٰلِکَ الْعَرْضُ وَلٰکِنْ مَنْ نُوْقِشَ فِی الْحِسَابِ

(نسائی) حساب۔ بدلہ۔ ترازو کا بیان۔ پہلی فصل۔ روایت ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ نہیں ہے کوئی جس کا قیامت کے دن حساب لیا جاوے گا مگر وہ ہلاک ہو جاوے گا میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالٰی یہ نہیں فرماتا کہ اس کا حساب آسان لیا جاوے گا۔ فرمایا یہ تو صرف پیشی ہوگی۔ لیکن جس سے حساب میں جرح کر لی گئی وہ ہلاک ہو جاوے گا۔

۱؎ حساب کے معنی ہیں گنتی و شمار یہاں مکلف جن و انس کے اعمال کی گنتی مراد ہے جو قیامت میں بندے کے سامنے کی جائے گی سزا و جزا کے لیے اس حساب کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے اس پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے قصاص بنا ہے قص سے بمعنی برابری یہاں مراد ہے اعمال کا بدلہ جو اعمال کے برابر ہو حساب سب کا نہ ہو گا مگر قصاص سب سے لیا جاوے گا اسی لیے قیامت میں جانوروں کو بھی اٹھا کر قصاص دلوا کر مٹی کر دیا جاوے گا دیکھو اشعۃ

۲؎ میزان یعنی اعمال تولنے کی ترازو حق ہے اس کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث سے ہے اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہے، اس کے دو پلڑے۔ ڈنڈی۔ زبان سب کچھ ہے دو پلڑوں کا فاصلہ اتنا ہے جتنا مشرق و مغرب میں فاصلہ ہے اعمال نامے یا خود اعمال اس میں وزن کیے جائیں گے حضرات انبیاء کرام اور بعض اولیاء کے اعمال کا وزن نہ کیا جائے گا وہاں وزنی پلڑا اونچا ہو گا۔ ہلکا پلڑا نیچا کیونکہ نور اوپر کو اٹھتا ہے نیچے نہیں جھکتا وہاں وزن باٹ سے نہ ہو گا بلکہ نیکیوں کا گناہوں سے ہو گا۔

۳؎ حساب سے مراد ہے جرح والا حساب تو نے کیا کیا اور گناہ کیوں کیے ہلاکت سے مراد ہے عذاب میں گرفتاری جس سے کیوں پوچھ لیا وہ گیا۔

۴؎ یعنی حضور کا یہ فرمان عالی قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق کیونکر ہوا کہ جب حساب آسان ہو گا تو سزا کیسے ہو سکتی ہے۔

يَهْلِكُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا سَيُكَلِّمُهُ رَبُّهُ لَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ تَرْجُمَانٌ وَلَا حِجَابٌ يَحْجُبُهُ فَيَنْظُرُ اَيْمَنَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ مِنْ عَمَلِهِ وَيَنْظُرُ اَشْاَمَ مِنْهُ فَلَا يَرٰى اِلَّا مَا قَدَّمَ وَيَنْظُرُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ تِلْقَاءَ وَجْهِهٖ فَاتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

ہو جاوے گا [1] (مسلم، بخاری) روایت ہے حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہیں ہے تم میں سے کوئی مگر اُس سے اس کا رب کلام کرے گا اس کے اور رب کے درمیان نہ کوئی ترجمان ہوگا اور نہ پردہ جو اس کے لیے آڑ ہو [2] تو وہ اپنے داہنے دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہی عمل جو آگے بھیجے اور اپنے بائیں دیکھے گا تو نہ دیکھے گا مگر وہ ہی جو آگے بھیجے [3] اور اپنے سامنے دیکھے گا تو آگ کے سوا نہ دیکھے گا اپنے سامنے [4] تو تم آگ سے بچو اگرچہ کھجور کی قاش سے [5]۔ (مسلم)

[1] یعنی ہمارے فرمان عالی میں حساب سے مراد ہے تحقیق و جرح والا حساب جس میں ہر عمل کا پوچھ گچھ ہو کوئی گناہ نظر انداز نہ کیا جاوے پھر وجہ گناہ بھی پوچھی جاوے اور قرآن مجید میں حساب سے مراد صرف پیشی کا حساب ہے جس میں بعض موٹے موٹے گناہ پیش ہوں اور اکثر نظر انداز کر دیئے جاویں ان پیش فرمودہ اعمال کو دکھا کر اقرار کرا کر معاف کر دیا جاوے وہاں بخشش ہی بخشش ہے اعلیٰ حضرت نے عرض کیا۔

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب بخشش بے پوچھے لے جانے کا بجا نا کیا ہے

[2] اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر ایک کو رب کا دیدار بھی ہوگا اور ہر ایک رب کا کلام بھی سنے گا مگر صالحین کو رحمت کا دیدار و کلام ہوگا بدکاروں سے غضب قہر کا قرآن مجید میں جو ارشاد باری ہے کہ ہم سے کلام نہ کریں گے ہم ان کو دیکھیں گے نہیں وہاں رحمت و کرم کا دیدار و کلام مراد ہے۔ [3] یعنی ہر چہار طرف اعمال ہوں گے بیچ میں عامل ہوگا اپنے ہر عمل کا نظارہ کرے گا۔ [4] یعنی حساب یہاں ہو رہا ہوگا۔ اور دوزخ کی آگ سامنے سے نظر آرہی ہوگی کیسا عجیب نظارہ ہوگا خدا کی پناہ۔ [5] یعنی دوزخ سے بچنے کا اعلیٰ ذریعہ صدقہ و خیرات ہے صدقہ اگرچہ معمولی ہو اخلاص سے وہ بھی آگ سے بچائے گا وہاں صدقہ کی مقدار نہیں دیکھی جاتی وہاں صدقہ والے کی نیت پر نظر ہوتی ہے کھجور کی قاش کی ہی خیرات کرو شاید وہ ہی دوزخ سے بچائے یا یہ مطلب ہے کہ کسی کا معمولی حق بھی نہ مارو وہ بھی دوزخ میں بھیج دے گا کسی کی کھجور کی قاش اس کی بغیر اجازت نہ لو (اشعۃ اللمعات)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ وَيَسْتُرُهُ فَيَقُوْلُ اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا اَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ اَىْ رَبِّ حَتّٰى قَرَّرَهُ بِذُنُوْبِهِ وَرَاٰى فِىْ نَفْسِهِ اَنَّهُ قَدْ هَلَكَ قَالَ سَتَرْتُهَا فِى الدُّنْيَا وَاَنَا

(بخاری) روایت ہے ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی مسلمانوں کو قریب کرے گا تو اس پر اپنا پردہ رکھے گا اور اُسے چھپائے گا پھر فرمائے گا کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے۔ کیا تو فلاں گناہ پہچانتا ہے۔ وہ کہیں گے ہاں یارب! حتی کہ اُس سے اُس کے سارے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور وہ اپنے دل میں سمجھے گا کہ ہلاک ہوا رب فرمائے گا کہ میں نے یہ عیوب دنیا میں چھپالیے تھے اور آج

۱؎ کنف کے کئی معنی ہیں، پردہ، حفاظت، پناہ، نگاہ بانی، سایہ، پرندے کے بازو جن سے وہ اڑتا ہے یہاں پردہ کے معنی میں ہے (اشعہ) چونکہ پرندہ انہیں بازوؤں پروں سے اپنے انڈوں بچوں کو چھپاتا بھی ہے ان کی حفاظت بھی کرتا ہے اس لیے اسے کنف کہتے ہیں۔

۲؎ یعنی مومن کو گناہوں کے حساب کے وقت محشر والوں سے چھپایا جاوے گا کسی کو خبر نہ ہوگی کہ رب نے کیا حساب لیا اور بندے نے کیا حساب دیا۔

۳؎ اس فرمان عالی سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ مومن اپنے گناہوں کا فورًا اقرار کرے گا وہاں بہانے نہ بنائے گا کفار جھوٹ بولیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین۔ دوسرے یہ کہ مومنوں کی نیکیوں کا حساب علانیہ ہوگا گناہوں کا حساب خفیہ ہوگا بلکہ نیکیوں کی نیکی چہروں پر نمودار ہوگی کہ ان کے منہ چمکتے ہوں گے مگر بدوں کی برائیاں چہروں پر ظاہر نہ ہوں گی ان کے منہ نہ بگڑیں گے کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ پردہ پوش لجپال محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے ان کی پردہ پوشی دنیا میں بھی ہے آخرت میں بھی ہوگی۔

۴؎ یعنی اب میں پکڑا گیا عذاب میں گرتا رہوا وہ شخص دل میں یہ سوچتا ہوگا کسی سے کہے گا نہیں اس لیے فی نفسہٖ فرمایا گیا رب بھی اس کے عیب چھپائے گا بندہ بھی خاموش رہے گا۔

۵؎ اس فرمان عالی سے ہی معلوم ہوسا ہے کہ یہاں دنیا کے چھپے گناہوں کو بندہ خود ہی علانیہ کرتا رہا ہو ان کا وہاں بھی اعلان ہوگا لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ غدار کے چوتڑوں پر اس کی غداری کے مطابق جھنڈا لگایا جائے گا جس سے وہ سارے میں مشہور ہوگا کہ وہ غداری بھی علانیہ تھی اس لیے اس کی سزا بھی علانیہ ہوئی۔

أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ فَيُعْطَى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ وَأَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُونَ فَيُنَادَى بِهِمْ عَلَى رُءُوسِ الْخَلَائِقِ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِينَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ دَفَعَ اللّٰهُ إِلَى كُلِّ مُسْلِمٍ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا فَيَقُولُ هَذَا فِكَاكُكَ مِنَ النَّارِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ

انہیں بخشتا ہوں۱ پھر اُس کی نیکیوں کی تحریر اُسے دے دی جاوے گی۲ لیکن کفار و منافقین انہوں کو مخلوق کے سامنے پکارا جاوے گا کہ یہ وہ ہی لوگ ہیں جو اپنے رب پر جھوٹ بولے آگاہ رہو! کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۳ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ ہر مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی عطا فرمائے گا تو کہے گا کہ یہ تیرا فدیہ ہے آگ سے۴ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے

---

۱ مومن کی بخشش ضرور ہوگی کسی کی اول ہی سے کسی کی کچھ سزا دے کر کسی کی شفاعت کے پانی سے گناہ دھو کر کسی کی بخشش دوزخ کی آگ میں کچھ روز تپا کر بہر حال ہر گنہگار کی بخشش یقینی ہے کیوں نہ ہو کہ محبوب کی امت تو ہے اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے

واعظان کا میں گنہگار وہ میرے شافع ۔ اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

۲ یہ تحریر گویا جنت کا پروانہ وہاں کا ویزا ہوگا۔ اس میں اس بندے کی نیکیوں کا ذکر تو ہوگا مگر گناہوں کا تذکرہ نہ ہوگا کہ وہ تو معاف کردیئے گئے۔ ۳ یعنی کفار و منافقین کی نیکیوں کا ذکر تک نہ ہوگا کیونکہ وہ سب رد ہوچکیں بغیر ایمان کوئی صدقہ وغیرہ قبول نہیں نیز وہ لوگ ان نیکیوں کی عوض دنیا میں اللہ کی نعمتیں استعمال کرچکے ہاں ان کے گناہوں کا اعلان بھی ہوگا اور حساب علانیہ بھی کیونکہ وہ پردہ پوش نبی کے دامن سے دور رہے۔ ۴ فک کے معنی ہیں گروی چیز کو چھڑانا فکاک وہ مال ہے جو دے کر گروی چیز چھڑائی جاوے ہر شخص کے لیے ایک ٹھکانہ دوزخ میں ہے دوسرا جنت میں مومن جنت میں اپنا ٹھکانا بھی لے گا اور کسی کافر کا بھی اور کافر دوزخ میں اپنا مقام بھی لے گا اور کسی مومن کا بھی یہاں یہ ہی مطلب ہے کہ اسے مومن تو جنت میں اپنا ٹھکانہ بھی لے اور اس یہودی عیسائی کا بھی یہ تیرے لیے ایسا ہے۔ جیسے گروی چیز کا فکاک چونکہ عیسائی یہودی مسلمانوں سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور رہے تھے اس لیے خصوصیت سے ان کا ذکر ہوا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان کے گناہوں کے عوض کافر دوزخ میں جاوے گا کہ یہ اسلامی قانون کے خلاف ہے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُجَاءُ بِنُوْحٍ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَیُقَالُ لَہٗ ھَلْ بَلَّغْتَ فَیَقُوْلُ نَعَمْ یَا رَبِّ فَتُسْاَلُ اُمَّتُہٗ ھَلْ بَلَّغَکُمْ فَیَقُوْلُوْنَ مَا جَآءَنَا مِنْ نَذِیْرٍ فَیُقَالُ مَنْ شُھُوْدُکَ فَیَقُوْلُ مُحَمَّدٌ وَّاُمَّتُہٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَیُجَآءُ بِکُمْ فَتَشْھَدُوْنَ اَنَّہٗ قَدْ بَلَّغَ ثُمَّ قَرَاَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی

ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن حضرت نوح کو لایا جائے گا۔ اُن سے کہا جائے گا کہ آپ نے تبلیغ کی تھی وہ عرض کریں گے ہاں یا رب[1]! پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کہ کیا تم کو تبلیغ کی گئی تھی وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا نہ آیا فرمایا جاوے گا اے نوح! تمہارے گواہ کون ہیں[2] عرض کریں گے محمد مصطفی اور ان کی امت حضور نے فرمایا کہ پھر تمہیں کہہ دیا جاوے گا تم گواہی دو گے کہ انہوں نے تبلیغ کی تھی[3] پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] چونکہ نوح علیہ السلام پہلے وہ نبی ہیں جو کفار کی طرف بھیجے گئے اس لیے ابتدا انہیں سے ہوگی گذشتہ کافر امتیں اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار کریں گی اس لیے مقدمہ چلے گا اور اس مقدمہ کی نوعیت یہ ہوگی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا کوئی کافر انکار نہ کرسکے گا۔

[2] یعنی تم تبلیغ کردینے کے مدعی ہو تمہاری امتیں اس کی منکر اور مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہوتا ہے وہ اگر گواہ قائم نہ کرسکے تو مدعی علیہ قسم کھاکر مقدمہ جیت لیتا ہے معلوم ہوا کہ مقدمہ کا فیصلہ اس قانون کے ماتحت ہوتا ہے حاکم کے ذاتی علم پر فیصلہ نہیں ہوتا دیکھو رب تعالٰے علیم و خبیر ہے مگر تحقیقات ہو رہی ہے۔

[3] تشہدون میں خطاب صحابہ سے نہیں بلکہ ساری امت رسول اللہ سے ہے اولین و آخرین صالحین اور ہم جیسے گنہگار اور یہ گواہی صرف نوح علیہ السلام کے حق میں نہیں ہوگی بلکہ قریبًا تمام نبیوں کے حق میں ہوگی کیونکہ سب کی کافر امتیں ان حضرات کی تبلیغ کا انکار کریں گی یہ امت ان انبیاء کرام کی گواہ ہوں گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے کہ واقعی یہ سچ کہہ رہے ہیں میں نے ان کو ان حضرات انبیاء کرام کی تبلیغ کی خبر دی تھی اور حضور اسی امت کی صفائی بھی یہاں فرمائیں گے کہ الٰہی میری امت گواہی دینے کے قابل ہے مدعی کو گواہ بڑا پیارا ہوتا ہے تمام نبیوں کو یہ امت پیاری ہے ہم کو بھی چاہیے کہ مسلمان بن کر رہیں کہ کل قیامت میں ہم نے نبیوں کی گواہی دینی ہے فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی رب تعالٰے توفیق دے۔

اللہ علیہ وسلم وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَحِكَ فَقَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مِمَّا اَضْحَكُ قَالَ قُلْنَا اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ مِنْ مُّخَاطَبَةِ الْعَبْدِ رَبَّهٗ يَقُوْلُ يَا رَبِّ اَلَمْ تُجِرْنِيْ مِنَ الظُّلْمِ قَالَ يَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ فَاِنِّيْ لَا اُجِيْزُ عَلٰى نَفْسِيْ اِلَّا شَاهِدًا مِّنِّيْ قَالَ فَيَقُوْلُ كَفٰى

نے یہ آیت تلاوت کی کہ اسی طرح ہم نے تم کو بہترین امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور یہ رسول تمہارے نگران گواہ ہوں [1] (بخاری) روایت ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو حضور ہنسے۔ پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ میں کس چیز سے ہنستا ہوں؟ فرماتے ہیں ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانیں [2] فرمایا بندے کے اپنے رب سے عرض معروض کرنے پر عرض کرے گا اے رب کیا تو نے مجھے ظلم سے امان نہیں دی۔ فرمائے گا ہاں۔ فرمایا تو بندہ کہے گا کہ میں اپنی ذات پر کوئی گواہی روا نہیں رکھتا مگر اپنے میں سے گواہ [3] فرمایا کہ رب فرمائے گا آج تو ہی اپنے نفس

[1] اس آیت کریمہ کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری تفسیر نعیمی میں ملاحظہ کرو اور شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ یہاں دو باتیں سمجھ لو کہ اس آیت میں وسط کے معنی بہترین ہے رب فرماتا ہے وقال اوسطھم درمیانی زمانہ والی مراد نہیں کیونکہ یہ امت تو آخری ہے دوسرے یہ کہ یہاں یکون الرسول علیکم شہیدا میں شہید بمعنی گواہ نگران ہے اسی لیے یہاں علیکم ارشاد ہوا یہاں مرقات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں حاضر وناظر ہیں (مرقات) بے خبر نہ گواہ بن سکتا ہے نہ کسی کی صفائی بیان کرسکتا ہے حضور اپنے ہر امتی کے ہر عمل سے خبردار ہیں اسی لیے آپ ان کی صفائی بیان فرمائیں اس لیے وہ انبیاء کرام عرض کریں۔ محمد وامتہ۔

[2] یعنی ہم کو خبر نہیں کہ حضور انور کس چیز سے ہنس رہے ہیں اس مجلس میں کوئی ہنسی کی بات تو ہوئی نہیں رہی ہے اس کی حقیقت حضور کو معلوم ہے نہ معلوم کیا خیال آگیا کہ حضور ہنس پڑے۔ [3] یہ بندہ کافر ہوگا اور کافر بھی وہ جو اپنے کفر وگناہوں کا انکار کرے گا کہ میں نہ مشرک تھا نہ گنہگار میں تو نہایت ہی نیک اعمال والا مومن تھا تیرے فرشتوں نے میرے نامہ اعمال غلط بھرے ان میں غلط اندراج کیا ہے یعنی سخت ڈھیٹ کافر ہوگا کہے گا مجھے تو میرے جسم میں سے گواہ چاہییں تو ان کی گواہی مانوں گا مجھے انہیں کا اعتبار ہے۔

بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ شَهِيدًا وَبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِينَ شُهُودًا قَالَ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيهِ فَيُقَالُ لِأَرْكَانِهِ انْطِقِي قَالَ فَتَنْطِقُ بِأَعْمَالِهِ ثُمَّ يُخَلّٰى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْكَلَامِ قَالَ فَيَقُولُ بُعْدًا لَكُنَّ وَسُحْقًا فَعَنْكُنَّ كُنْتُ أُنَاضِلُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ

پر کافی گواہ ہے اور کراماً کاتبین فرشتے گواہ ہیں [1] فرمایا پھر اس کے منہ پر مہر کر دی جائے گی [2] پھر اس کے اعضاء سے کہا جاوے گا بولو! فرمایا وہ اس کے اعمال کے متعلق کلام کریں گے [3] پھر بندے اور اس کے کلام کے درمیان خلوت کردی جاے گی [4] فرمایا کہ وہ کہے گا کہ تمہیں دوری اور ہلاکت ہو میں تمہیں سے دفع کرتا تھا۔ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے

[1] رب تعالٰے فرمائے گا کہ ہم تیرے ان ہی اعضاء سے گواہی لے لیتے ہیں جن سے تو گناہ کرتا تھا اور اس گواہی کی تائید میں کراماً کاتبین فرشتوں کی تحریریں پیش کرتے ہیں تو اپنے ان اعضاء کا بیان سن اور وہ تحریریں دیکھ دونوں کو یکساں پائیگا۔ سبحان اللہ۔ کون ہے جو رب کے حساب پر جرح کر سکے یا بہانہ بنا سکے رب تعالٰی رحم فرمائے۔ ؎

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

[2] اس طرح کہ اس کے دونوں ہونٹ ملا کر ان پر مہر لگادی جائے گی تاکہ ہونٹ ہل نہ سکیں اور بندہ بول نہ سکے معلوم ہوا کہ کافر انسان کی زبان بڑی ہی بے حیا ہے رب تعالٰے کے بارگاہ میں بھی جھوٹ بولنے دھوکہ دینے کی کوشش سے باز نہ آوے گی سارے اعضاء سچ بول دیں گے مگر زبان جھوٹ ہی بولتی رہے گی۔ رب کی پناہ۔

[3] یعنی اس کا ہر عضو اپنے اعمال کی خبر اور دوسرے عضو کے اعمال کی گواہی دے گا لہذا یہ ہی اعضاء زبان کے کفر و شرک جھوٹ غیبت کی بھی گواہی دیں گے لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ زبان کے گناہوں کی گواہی کون دے گا بہرحال سارے گناہ سامنے آجائیں گے۔ سائیں بلے شاہ فرماتے ہیں۔ ؎

جندڑی تینوں یار دے اگے نچنا پیناں جندڑیئے گھنڈ چک کے

[4] یعنی اعضاء کی ان گواہیوں کے بعد اسے تنہا چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ اپنے اعضاء سے باتیں کرے اسے کلام کا موقعہ دیا جائے گا جہاں کوئی دوسرا نہ ہو۔

[5] یعنی تمہارا بیڑا غرق ہو میں تمہاری ہی مدد سے تو گناہ کرتا تھا لوگوں کو دفع کرتا تھا اور تم نے ہی میرے خلاف گواہی دے دی تم نے یہ کیا کیا میں تم سے لوگوں کی تکالیف دور کرتا تھا۔ تم کو ہر شر اور ہر تکلیف سے بچاتا تھا مگر تم نے مجھ سے دشمنی کی مجھے نہ بچایا بلکہ پھنسا دیا۔

قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ فِي الظَّهِيْرَةِ لَيْسَتْ فِيْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ لَيْسَ فِيْ سَحَابَةٍ قَالُوْا لَا قَالَ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ اِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ اَحَدِهِمَا قَالَ فَيَلْقَى

سے فرماتے ہیں لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے[1] فرمایا کیا تم دوپہری میں جب کہ سورج بادل میں نہ ہو اُس کے دیکھنے میں کچھ تردد کرتے ہو لوگ بولے نہیں[2] تو کیا تم چودھویں رات چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو جب کہ وہ بادل میں ہو عرض کیا نہیں فرمایا تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم اپنے رب کے دیکھنے میں نہیں شک کروگے مگر جیسا کہ شک کرتے ہو تم[3] ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں فرمایا

[1] دیدار الٰہی قیامت میں بھی ہوگا اور جنت میں بھی قیامت میں تو ہر کافر و مومن دیکھے گا مگر کافر کو دیدار غضب و قہر والا ہوگا۔ جیسا کہ ابھی کچھ پہلے گزر چکا مومن کو رحمت والا یہاں محشر والے دیدار کے متعلق یہ سوال ہے۔

[2] سبحان اللہ کیسا پیارا پاکیزہ جواب ہے کہ سورج جیسی چمک دار چیز جب حجاب میں نہ ہو۔ تو اس کے دیدار میں کوئی تردد نہیں ہوتا۔ اسی طرح وہاں دیدار میں کوئی شک و شبہ نہ ہوگا۔

[3] یعنی جیسے تم ان حالات میں سورج اور چاند کو دیکھنے میں شک نہیں کرتے ایسے ہی رب تعالٰی کا دیدار کروگے کہ تمہیں اس میں کسی قسم کا تردد نہ ہوگا یقین سے دیکھو گے۔ خیال رہے کہ تضارون اگر ر کے شد سے ہے تو یہ ضر بمعنی نقصان سے بنا ہے اور اگر ر پر پیش سے ہے تو خیر بمعنی مضائقہ و مناظرہ سے بنا ہے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ رب تعالٰی کے دیدار میں تم ایک دوسرے سے جھگڑو گے نہیں سب مان لیں گے کہ واقعی رب کا دیدار ہوا مطلب یہ ہی ہے کہ اس دیدار میں کسی کو شک نہ ہوگا شک سے ہی تو مناظرے اور جھگڑے ہوتے ہیں چودھویں کے چاند دوپہر کے سورج میں کوئی مناظرہ نہیں کرتا سب مان لیتے ہیں سبحان اللہ کیا نفیس تشبیہ ہے۔

اَلْعَبْدَ فَيَقُوْلُ اَیْ فُلُ اَلَمْ اُکْرِمْكَ وَاُسَوِّدْكَ وَاُزَوِّجْكَ وَاُسَخِّرْلَكَ الْخَيْلَ وَالْاِبِلَ وَاَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ فَيَقُوْلُ بَلٰى قَالَ فَيَقُوْلُ اَفَظَنَنْتَ اَنَّكَ مُلَاقِیَّ فَيَقُوْلُ لَا فَيَقُوْلُ فَاِنِّیْ قَدْ اَنْسَاكَ كَمَا نَسِيْتَنِیْ ثُمَّ يَلْقَى الثَّانِیْ فَذَكَرَ مِثْلَهٗ ثُمَّ يَلْقَى الثَّالِثَ

رب بندے سے ملے گا[1] فرمائے گا اے فلاں کیا میں نے تجھے عزت نہیں دی تجھے سردار نہیں بنایا تجھے بیوی نہیں دی گھوڑے اونٹ کو تیرا فرمانبردار نہیں کیا اور تجھے نہ کہا کہ تو سردار بنے چہارم غنیمت لے[2] وہ کہے گا ہاں پھر فرمائے گا کیا تجھے یقین تھا کہ تو مجھ سے ملے گا عرض کرے گا نہیں[3] فرمائے گا میں تجھے بھولا ہوا چھوڑتا ہوں[4] جیسے تو نے مجھے بھلا دیا تھا پھر دوسرے بندے سے ملے گا اس طرح ذکر فرمایا[5] پھر تیسرے

[1] ظاہر یہ ہے کہ اس بندہ سے مراد بندہ کافر و مشرک ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے اور ملنے سے مراد ہے رب تعالٰی کو دیکھنا قیامت میں رب کا دیدار اس سے ہم کلام کفار بھی ہوں گے مگر یہ دیدار اور کلام غضب کے ہوں نہ کہ رحمت کے دوزخ میں پہنچ کر نہ انہیں رب کا دیدار ہوگا نہ اس سے کلام مسلمانوں کو یہ دونوں چیزیں قیامت میں بھی میسر ہوں گی دیدار و کلام رحمت والا میسر ہوگا اور جنت میں میسر ہوا کرے گا لہذا یہ حدیث نہ تو اس آیت کے خلاف ہے انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون اور نہ اس فرمان کے خلاف ہے لا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم. قرآن کریم میں رحمت کے دیدار رحمت کے کلام کی نفی ہے یہاں غضب کے دیدار و کلام کا ثبوت ہے یا قرآن مجید میں دوزخ میں پہنچنے کے بعد دیدار و کلام کی نفی ہے یہاں قیامت میں دیدار و کلام کا ثبوت دونوں برحق ہیں۔

[2] زمانہ جاہلیت میں سرداران قوم جنگوں میں اگرچہ شریک نہ ہوتے مگر وہاں کے لوٹے ہوئے مال میں سے چہارم حصہ خود لیتے تھے اپنی سرداری کا حق یہاں اسی کا ذکر ہے یعنی ہم نے تجھ کو دنیا میں عمومی نعمتیں بھی عطا کی تھیں اور خصوصی نعمتیں بھی۔ خیال رہے کہ اسلام میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غنیمت کا پانچواں حصہ پیش کیا جاتا تھا اور حضور انور اس میں سے بھی بقدر ضرورت خود لے کر باقی مسلمانوں کی ضرورتوں میں خرچ فرما دیتے تھے لہذا اس چہارم اور اس خمس میں بڑا فرق ہے۔

[3] اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کلام کافر سے ہے جو قیامت کا منکر تھا۔

[4] یہ فرمان اس آیت کی شرح ہے وکذلک الیوم تنسی یہاں بھولنے سے مراد ہے چھوڑ دینا کیونکہ اللہ تعالٰی بھول چوک سے پاک ہے۔

[5] یعنی اس دوسرے کافر بندے سے بھی وہ ہی سوال ہوگا اور وہ بندہ وہی جواب دے گا یعنی اپنے کفر و عناد کا اقرار کرے گا۔

فَيَقُوْلُ لَهٗ مِثْلَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اٰمَنْتُ بِكَ وَبِكِتَابِكَ وَبِرُسُلِكَ وَصَلَّيْتُ وَصُمْتُ وَتَصَدَّقْتُ وَيُثْنِيْ بِخَيْرٍ مَا اسْتَطَاعَ فَيَقُوْلُ هٰهُنَا اِذًا ثُمَّ يُقَالُ اَلْاٰنَ نَبْعَثُ شَاهِدًا عَلَيْكَ وَيَتَفَكَّرُ فِيْ نَفْسِهٖ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْهَدُ عَلَيَّ فَيُخْتَمُ عَلٰى فِيْهِ وَيُقَالُ لِفَخِذِهٖ اَنْطِقِيْ فَتَنْطِقُ فَخِذُهٗ وَلَحْمُهٗ وَعِظَامُهٗ بِعَمَلِهٖ وَذٰلِكَ لِيُعْذِرَ مِنْ نَفْسِهٖ وَذٰلِكَ الْمُنَافِقُ وَذٰلِكَ الَّذِيْ سَخِطَ اللّٰهُ

بندے سے ملے گا اس کی مثل فرمائے گا وہ عرض کرے گا الٰہی میں تجھ پر، تیری کتاب پر، تیرے رسولوں پر ایمان لایا تھا میں نے نمازیں پڑھی ہیں روزے رکھے خیرات کی، جہاں تک ہو سکے گا اپنی تعریفیں کرے گا[1] تو رب فرمائے گا اچھا تو تو یہاں ہی ٹھہر[2] پھر فرمایا جاوے گا اب ہم تجھ پر گواہ لائیں گے وہ اپنے دل میں سوچے گا کہ ایسا کون ہے جو میرے خلاف گواہی دے[3] گا، تب اس کے منہ پر مہر کر دی جاوے گی اور اس کی ران سے کہا جاوے گا کہ تو بول۔ اس کی ران اس کا گوشت اور اس کی ہڈیاں اُس کے اعمال بتائیں گی[4] یہ اس لیے ہو گا تاکہ بندہ کے عذر دور کر دے[5]۔ یہ بندہ منافق ہو گا۔ یہ وہ ہو گا جس سے اللہ ناراض ہے[6]

[1] یہ تیسرا بندہ بھی کافر بلکہ منافق ہو گا مگر ڈھیٹ کہ اپنے کفر و شرک اور تمام گناہوں کا انکار کر دے گا اور اپنے تقویٰ و طہارت کے دعوے کرے گا رب تعالےٰ سے بھی شرم نہ کرے گا۔ [2] پچھلے دونوں بندوں کو دوزخ میں بھیج دیا جاوے گا مگر ان کا عذاب اس ڈھیٹ سے ہلکا ہو گا کیونکہ عدالت کو دھوکا دینا جرم ہے یہ جرم اس تیسرے نے کیا۔ ان دونوں نے نہیں کیا اسے اس دھوکے کی سزا بھی ملے گی یعنی جب تو یہ کہتا ہے تو ٹھہر جا تیرا فیصلہ گواہی وغیرہ کے بعد ہو گا کیونکہ تو اپنے جرموں کا انکاری ہے جرم کے اقراری پر گواہ قائم نہیں کیے جاتے۔ ھٰھُنَا سے پہلے وقف پوشیدہ ہے یعنی تو اسی حساب کی جگہ ٹھہر ہے [3] کیونکہ میں نے کفر و شرک اور صدہا گناہ لوگوں سے چھپ کر کیے تھے میرے خلاف گواہی کون دے سکتا ہے گواہ باخبر چاہیے لوگ بے خبر ہیں۔ لوگوں کو تو میرے کلمہ نمازوں کی خبر ہے۔ [4] یعنی اس کے سارے اعضاء جن سے اس نے گناہ کیے تھے وہ اپنے عمل کا اقرار کریں گے اور دوسرے اعضاء اس پر گواہ ہوں گے مثلًا آنکھ کان کے خلاف گواہ اور کان آنکھ کے خلاف گواہ۔ [5] یعذر باب افعال کا مضارع ہے اس کا مصدر اعذار ہے بمعنی دفعہ عذر یعنی رب تعالےٰ بندے کے سارے عذر ختم کر کے پھر سزا کا فیصلہ سنائے گا۔ [6] اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ بندہ اپنی دانست میں سچ کہے گا واقعی وہ دنیا میں ریاکاری کے لیے نماز وغیرہ ادا کرتا تھا، منافقت سے کلمہ پڑھتا تھا مگر اس کے یہ اعمال قابل قبول نہ تھے اس لیے رد ہو گئے۔ خفیہ طور پر کفر و فسق کرتا تھا ان پر پکڑا گیا۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَذُكِرَ حَدِيْثُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ يَدْخُلُ مِنْ اُمَّتِيْ الْجَنَّةَ فِيْ بَابِ التَّوَكُّلِ بِرِوَايَةِ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ وَعَدَنِيْ رَبِّيْ اَنْ يُّدْخِلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِيْ سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَاحِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَا عَذَابَ مَعَ كُلِّ اَلْفٍ سَبْعُوْنَ اَلْفًا وَثَلٰثُ

(مسلم) اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ میری امت میں سے جنت میں جائیں گے (باب توکل میں بروایت حضرت ابن عباس روایت کردی گئی)ا دوسری فصل ۔ روایت ہے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے میرے رب نے وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں اس طرح داخل فرمائے گا کہ ان کا حساب ہوگا نہ عذاب۲ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار۳ اور میرے رب

۱؎ یعنی صاحب مصابیح امام بغوی نے وہ حدیث یہاں روایت کی تھی بروایت ابوہریرہ اور باب التوکل میں بھی بیان کی تھی بروایت حضرت ابن عباس گویا مکرر بیان کی تھی۔ ہم نے یہاں سے ابوہریرہ والی روایت حذف کردی اور باب التوکل میں بروایت ابن عباس نقل کردی (مرقات) اس عبارت میں بظاہر اشکال دور ہوگیا۔ کہ حدیث ایک ہے مگر دو راویوں سے دو جگہ مصابیح میں ذکر کی گئی تھی۔

۲؎ عربی زبان میں لفظ سبعین یا لفظ سبعین الف زیادتی بیان کرنے کے لیے آتا ہے وہ ہی مراد ہے لاحساب کے معنی یہ کہ ان سے مطلقًا حساب نہ ہوگا نہ حساب یسیر نہ حساب مناقشہ مگر مرقات نے فرمایا کہ یہاں حساب مناقشہ کی نفی ہے۔ پیشی والا حساب تو ہوگا مگر قوی یہی ہے کہ مطلقًا حساب نہ ہوگا اور جب حساب ہی نہ ہوا تو عذاب کا سوال ہی نہیں حساب سے مراد حساب قیامت ہے اور ہوسکتا ہے کہ حساب قیامت اور حساب قبر دونوں مراد ہوں نہ حساب قبر سب کے لیے ہے نہ عذاب محشر سب کے لیے بعض حضرات ان حسابوں سے علیحدہ ہیں۔

۳؎ پہلے ستر ہزار تو وہ تھے جو اپنے نیک اعمال کی وجہ سے بے حساب جنتی ہوئے اور یہ دوسرے ستر ہزار وہ ہیں جو ان پہلوں کی طفیل ان کی خدمت ان کے قرب کی وجہ سے بے حساب جنت میں گئے گلدستہ میں پھولوں کے ساتھ گھاس بندھ جاتی ہے تو وہ بھی عزت پا جاتی ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کے ساتھ بے شمار لوگ ہوں گے۔ جو ان کے طفیل بخشے جائیں گے۔ ؎

شنیدم کہ در روز امید و بیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

حَثَیَاتٍ مِّنْ حَثَیَاتِ رَبِّیْ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَابْنُ مَاجَۃَ وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُعْرَضُ النَّاسُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ثَلٰثَ عَرَضَاتٍ فَاَمَّا عَرْضَتَانِ فَجِدَالٌ وَّمَعَاذِیْرُ وَاَمَّا الْعَرْضَۃُ الثَّالِثَۃُ فَعِنْدَ ذٰلِکَ تَطِیْرُ الصُّحُفُ فِی الْاَیْدِیْ فَاٰخِذٌ بِیَمِیْنِہٖ وَاٰخِذٌ

کے لپوں میں سے تین لپ ۱؎ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ) روایت ہے حسن رضی اللہ عنہ سے ۲؎ وہ حضرت ابوہریرہ سے راوی ہیں فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن لوگوں کی تین پیشیاں ہوں گی۔ دو پیشیاں تو بحث اور معذرت کی ہیں ۳؎ اور رہی تیسری پیشی تو اس وقت نامۂ اعمال ہاتھوں میں اڑ کر پہنچ جائیں گے ۴؎ بعض داہنے ہاتھوں میں لیں گے

۱؎ ظاہر یہ ہے کہ ثلث کا عطف ہے سبعون پر، لہذا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ستر ہزار اور رب تعالٰی کے تین لپ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ معطوف ہے سبعین الفا پر اور یدخل کا مفعول ہے یعنی مجھ سے رب نے وعدہ فرمایا کہ تین لپ بھر کر بھی جنت میں بے حساب بھیجے گا مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ لپ سے مراد ہے بے اندازہ، کیونکہ جب کسی کو بغیر گنے بغیر تولے ناپے دینا دینا ہوتا ہے تو وہاں لپ بھر بھر کر دیتے ہیں یا کہو کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے ورنہ رب تعالٰی معنی لپ سے پاک ہے۔

۲؎ حسن سے مراد حضرت خواجہ حسن بصری ہیں آپ تابعی ہیں آپ کی والدہ حضرت ام سلمہ کی خادمہ تھیں ایک بار آپ روئے تھے آپ کی ماں ام سلمہ کا کام کر رہی تھیں ام المؤمنین نے آپ کو گود میں لے کر اپنا پستان آپ کے منہ میں دے دیا۔ اس پستان شریف کی برکت تھی کہ آپ علوم کے دریائے بے پایاں ہو گئے تمام طریقت کے سلسلوں کے مرکز ہیں رضی اللہ عنہ۔

۳؎ جدال سے مراد کفار و منافقین کا اپنے جرموں سے انکار کر دینا پھر ان کے اعضاء کی گواہی ان کے خلاف۔ معاذیر سے مراد ہے اپنے گناہوں کا اقرار کرنا ساتھ ہی اپنی مجبوری و معذوری پیش کرنا کہ میں نے فلاں مجبوری سے یہ گناہ کیا تھا۔ پہلے گناہوں کا انکار کریں گے پھر اقرار مع ان بہانوں کے مگر گنہگار مسلمان بغیر حیل و حجت اپنے گناہوں کا اقرار کرلے گا اس پر رحمت ہوگی۔

۴؎ یعنی اس بار سب کے نامہ اعمال نہایت تیزی سے اچانک تقسیم ہوجائیں گے گویا اڑ کر ہاتھوں میں پہنچ گئے۔
پل بھر میں تقسیم ہوگی۔

بِشِمَالٍ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ لَا يَصِحُّ هٰذَا الْحَدِيْثُ مِنْ قِبَلِ اَنَّ الْحَسَنَ لَمْ يَسْمَعْ مِنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ وَقَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ عَنِ الْحَسَنِ عَنْ اَبِيْ مُوْسٰى وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ يُخَلِّصُ رَجُلًا مِنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُؤُسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا

بعض بائیں ہاتھوں میں[۱] (احمد۔ ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث اس وجہ سے صحیح نہیں کہ حسن رضی نے حضرت ابوہریرہ سے سنا نہیں[۲] بعض محدثین نے یہ حدیث بروایت حسن عن ابی موسیٰ روایت کی ہے[۳] روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن مخلوق کے سامنے چھانٹے گا[۴] تو اس کے سامنے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے۔ ہر دفتر تا حد بصر ہوگا[۵] پھر فرمائے گا کیا تو ان میں سے کسی چیز

[۱] یعنی نامہ اعمال بعض کو داہنے ہاتھ میں دیئے جائیں گے وہ بائیں میں نہ پکڑ سکیں گے نہ مومنین ہوں گے بعض کو بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے یہ داہنے میں نہ لے سکیں گے یہ کفار و منافقین ہوں گے اس سے ہی مومنین و کفار کی پہچان ہو جائے گی۔ جو کہے کہ حضور انور کو اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی وہ جھوٹا ہے۔

[۲] لہذا یہ حدیث منقطع ہے اس میں کوئی راوی رہ گیا ہے۔ خیال رہے کہ بخاری نے تین حدیثیں عن الحسن عن ابی ہریرہ روایت کیں مسلم نے روایت نہیں کیں۔ بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ حسن بصری کی ملاقات حضرت ابوہریرہ سے ہے یہ تو سب مانتے ہیں کہ آپ نے حضرت ابوہریرہ کا زمانہ پایا ہے غالب ہے کہ ملاقات بھی کی ہو (مرقات و اشعہ)

[۳] صاحب مشکوٰۃ نے اکمال میں لکھا کہ خواجہ حسن بصری نے حضرت انس ابن مالک نے۔ ابو موسیٰ اشعری۔ اور عبداللہ ابن عباس وغیرہم سے ملاقات کی ہے لہذا حسن عن ابی موسیٰ والی روایت ان کے نزدیک متصل ہے۔

[۴] یعنی ایک شخص کو دوسرے لوگوں سے علیحدہ کر دیا جاوے گا۔ جس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے گا۔ جو آگے مذکور ہے۔

[۵] سجل سین اور جیم کے کسرہ لام کے شد سے بڑی کتاب یعنی دفتر قرآن کریم میں دفتر کے محافظ فرشتے کو سجل فرمایا گیا ہے کطی السجل للکتب یعنی اس شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پیش کیے جائیں گے اسے دکھائے جائیں گے یہ ہے پیش والا حساب یسیر کہا جاتا ہے (مرقات)

شَيْئًا أَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُونَ فَيَقُولُ يَا رَبِّ فَيَقُولُ أَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُولُ بَلَى إِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَإِنَّهُ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ فَتُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيهَا أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولُ احْضُرْ وَزْنَكَ

انکار کرتا ہے[2]۔ کیا تجھ پر میرے نگران کاتبین نے ظلم کیا ہے۔ عرض کرے گا نہیں یا رب پھر فرمائے گا کیا تیرے پاس کوئی عذر ہے۔ عرض کرے گا نہیں[3] یا رب۔ تو فرمائے گا ہمارے پاس تیری ایک نیکی بھی ہے اور تجھ پر ظلم آج نہ ہو گا تو ایک ورقہ نکالا جاوے گا جس میں ہو گا اشہدان لاالہ الااللہ وان محمدعبدہ ورسولہ[5] رب فرمائے گا جا اپنے تول پر حاضر

[1] خیال رہے کہ قیامت میں کوئی شخص اندھا۔ کانا۔ بے پڑھا نہ ہوگا۔ ہر جاہل سے جاہل شخص بھی اس دن سب کچھ پڑھے گا۔

[2] خیال رہے کہ بندہ کا یہ اقرار جرم ہی رب تعالٰی کو آج بھی پیارا ہے کل قیامت میں بھی پیارا ہو گا اللہ تعالٰی اقرم جرم کی توفیق دے بہانہ بازیاں اور انکار جرم بڑی سخت پکڑ ہے۔ اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کیا خوب کہا۔ ؎

عذر بدتر از گنہ کا ذکر کیا ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجیے

[3] یہاں عذر سے مراد اپنی معذوری یا بہانہ ہے جو گناہ کا باعث ہو یعنی کیا تیرے پاس کوئی وجہ گناہ موجود ہے۔ مجبوری۔ بے خبری وغیرہ بندہ اس کا انکار کرے گا۔ عرض کرے۔ میں نے بغیر کسی مجبوری بے علمی کے گناہ کیے ہیں میں گناہ گار ہوں معافی دیدے جس لائق میں تھا میں نے کر لیا جو تیری شان عالی کے لائق ہے وہ تو کر۔ میں گناہ گار تو ستار و غفار ہے۔ مہربانی فرما۔ یا ببول کے درخت میں کانٹے ہی ہوں گے پھل نہیں۔

[4] بندے کے اس عذر پر دریائے رحمت جوش میں آجاوے گا۔ بطاقہ وہ چھوٹا سا پرچہ جو حفاظت کے لیے کپڑے میں لپیٹ کر رکھا جاوے طاق کہتے ہیں کپڑے کی تہ کو ب زائد ہے (قاموس ۔ ولمعات) معلوم ہوتا ہے کہ مومن کا کلمہ طیبہ رب کی بارگاہ میں بڑی حفاظت سے رہتا ہے۔

[5] یہ کلمہ طیبہ وہ ہوگا۔ جسے مومن زندگی میں صدق دل سے پڑھا کرتا تھا اور جو اس نے مرتے وقت پڑھا تھا اسی پر جان رب کے سپرد کی تھی اللہ تعالٰی ہم سب کو کلمہ طیبہ پر خاتمہ نصیب کرے ہم نے عرض کیا ہے۔ ؎

وہ ہی موت ہے وہ زندگی جو خدا نصیب کرے ہیں کہ مرے تو ان ہی نام پر جو جئے تو ان پہ نثار ہے۔

فَيَقُوْلُ يَارَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ اِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوْضَعُ السِّجِلَّاتُ فِىْ كَفَّةٍ وَّالْبِطَاقَةُ فِىْ كَفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ عَائِشَةَ

ہوئے وہ کہے گا یارب یہ ورق ان دفتروں کے مقابل کیا ہے ۲ رب فرمائے گا کہ تو ظلم نہیں کیا جائے گا فرمایا کہ پھر یہ دفتر ایک پلے میں اور یہ پرچہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا ۳ تو یہ دفتر ہلکے ہو جائیں گے اور وہ پرچہ بھاری ہو جاوے گا ۴ اللہ کے نام کے مقابل کوئی چیز وزنی نہ ہو گی ۵ (ترمذی۔ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عائشہ سے

۱ یعنی میزان اعمال پر جانچنے ان دفتروں کو اس پرچہ سے وزن کر معلوم ہو وہاں وزن باٹوں سے نہ ہوگا بلکہ نیک اعمال کا برے اعمال سے ہوگا۔اس لیے حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کے لیے وزن نہیں کہ وہاں گناہ کوئی نہیں پھر وزن کس چیز سے ہو۔

۲ یعنی یارب اس وزن سے سوائے میری رسوائی کے اور کیا ہوگا۔ابھی تو میرا معاملہ تیرے حضور ہے اور جب وزن ہوا تو اس وزن کو سب دیکھیں گے وہاں یہ پرچہ یقینًا ہلکا ہوگا۔تو میری رسوائی ہی ہوگی۔اس لیے وزن نہ کرا میرا پردہ رکھ لے۔

۳ اس طرح کہ نیکیوں کے پلے میں یہ پرچہ رکھا جاوے گا۔اور گناہوں کے پلہ میں وہ لاکھوں من کے دفتر اس سے معلوم ہوا کہ وزن خود اعمال کا نہ ہوگا بلکہ اعمال کی تحریروں کا ہوگا۔بعض علماء کا یہ ہی قول ہے۔

۴ خیال رہے کہ قیامت کے دن وزن بقدر اخلاص ہوگا منافقین بھی کلمہ پڑھتے تھے آج مرزائی۔چکڑالوی وغیرہ بھی کلمہ پڑھتے ہیں ان کے کلمہ کا کوئی وزن نہیں گویا یہ بے معنی الفاظ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا جب یہ وزن ہے تو سمجھو کہ حضور کے اعمال کا وزن کیسا ہوگا حضور کا ایک سجدہ ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کے گناہوں سے زیادہ وزنی ہوتا۔خداتعالٰی ہماری بدکاریوں کو ہماری نیکیوں سے نہ تولے بلکہ اس راتوں کو رونے والے گنہگاروں کا غم کھانے والے امت کے رکھوالے کے سجدہ سے وزن فرمادے تاکہ ہم ڈوبتوں کا بیڑا پار لگ جاوے۔

۵ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور کے اعمال کا وزن نہ ہوگا کیونکہ کارخانہ قدرت میں کوئی ترازو ایسی نہیں بنی۔جو حضور کے اعمال تول سکے جیسے آج کوئی ترازو ایسی نہیں جو سمندر کا پانی یا ہوا تول سکے سورج کی روشنی کا کوئی میٹر نہیں۔

اَنَّهَا ذَكَرَتِ النَّارَ فَبَكَتْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يُبْكِيْكِ قَالَتْ ذَكَرْتُ النَّارَ فَبَكَيْتُ فَهَلْ تَذْكُرُوْنَ اَهْلِيْكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا فِيْ ثَلٰثَةِ مَوَاطِنَ فَلَا يَذْكُرُ اَحَدٌ اَحَدًا عِنْدَ الْمِيْزَانِ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيَخِفُّ مِيْزَانُهٗ اَمْ يَثْقُلُ وَعِنْدَ الْكِتَابِ حِيْنَ يُقَالُ هَاؤُمُ اقْرَءُوْا كِتَابِيَهْ حَتّٰى يَعْلَمَ اَيْنَ يَقَعُ كِتَابُهٗ اَفِيْ يَمِيْنِهٖ اَمْ فِيْ شِمَالِهٖ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِهٖ وَعِنْدَ الصِّرَاطِ اِذَا وُضِعَ بَيْنَ ظَهْرَيْ جَهَنَّمَ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ

کہ انہیں دوزخ یاد آگئی تو رونے لگیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کون سی چیز رلاتی ہے بولیں مجھے آگ یاد آگئی تو میں رو پڑی [۱] اے مردو کیا تم قیامت میں اپنے گھر والوں کو یاد کرو گے [۲] تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین موقعوں میں کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ میزان کے پاس حتی کہ جان لے کہ اس کا وزن ہلکا ہے یا بھاری۔ اور نامہ اعمال ملنے کے وقت جب کہا جاوے آؤ میرا نامہ اعمال پڑھو حتی کہ جان لے کہ اس کا نامہ اعمال کہاں پڑتا ہے اس کے داہنے ہاتھ میں یا بائیں میں پیٹھ کے پیچھے اور پلصراط کے نزدیک جب کہ وہ بیں دوزخ کے کناروں کے درمیان رکھا جاوے گا۔ [۳] (ابوداؤد) تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت عائشہ سے فرماتی ہیں

[۱] یہاں ذکر سے مراد زبان سے ذکر کرنا نہیں بلکہ دل میں سوچنا مراد ہے یہ ہیبت کمال ایمان کی دلیل ہے ورنہ آپ کے جنتی ہونے پر آیات قرآنیہ احادیث نبویہ دال ہیں آپ یقیناً جنتی ہیں مگر خوف خدا رلا رہا ہے۔ [۲] اس میں خطاب عام خاوندوں سے ہے یعنی اے خاوندو تم لوگ قیامت میں اپنے بال بچوں کو بخشواؤ گے یا نہیں اس خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہیں حضور کی شفاعت تو ہر مسلمان کو پہنچے گی۔ چہ جائیکہ خاص اپنے گھر والے لہذا مطلب واضح ہے اس سے شفاعت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ [۳] یعنی کوئی خاوند اس وقت تک اپنے بیوی بچوں کو یاد نہ کرے گا جب تک اسے اپنے متعلق ان تین باتوں کا اطمینان نہ ہو جاوے وزن کے وقت نیکیوں کا پلہ بھاری ہو جائے۔ نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں مل جائے پلصراط سے بخیریت پار لگ جائے ان تین منزلوں سے گزر کر مطمئن ہو کر اپنے بالوں بچوں کو یاد کرے گا۔ جواب شریف سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ ان خاوندوں کے متعلق ہے جن کو یہ تین

جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ لِيْ مَمْلُوْكِيْنَ يُكَذِّبُوْنَنِيْ وَيَخُوْنُوْنَنِيْ وَيَعْصُوْنَنِيْ وَأَشْتِمُهُمْ وَأَضْرِبُهُمْ فَكَيْفَ أَنَا مِنْهُمْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ يُحْسَبُ مَا خَانُوْكَ وَعَصَوْكَ وَكَذَّبُوْكَ وَعِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ كِفَافًا لَا لَكَ وَلَا عَلَيْكَ فَإِنْ كَانَ

کہ ایک شخص حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھ گیا۔ عرض کرنے لگا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کچھ غلام ہیں جو مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں اور میری خیانت کرتے ہیں میری نافرمانی کرتے ہیں میں انہیں گالیاں دیتا ہوں مارتا ہوں [۱] تو ان کے متعلق میرا کیا حال ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو ان خیانتوں نافرمانیوں اور جھوٹوں کا اور تیرا انہیں سزا دینے کا حساب لگایا جاوے گا [۲] پھر اگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے جرموں کے بقدر رہوگی تو ادلا بدلا ہو جاوے گا نہ تجھے مفید نہ مضر [۳] اور اگر تیرا

الجھنیں ہوں اسے اپنی فکریں ہوں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن گنہگاروں کی فکر ہوگی اپنی فکر نہ ہوگی۔ حضرت انس نے حضور انور سے سوال کیا تھا۔ کہ یارسول اللہ قیامت میں آپ کے ملنے کے مقامات کون کون سے ہیں وہاں آپ کو کہاں ڈھونڈھوں تو حضور نے اپنے ملنے کے یہ ہی مقامات بیان فرمائے۔ میزان۔ حوض کوثر۔ پلصراط غرضکہ یہ سوال و جواب عوام کے متعلق ہے نہ کہ حضور کے متعلق۔ خیال رہے کہ قیامت۔ پلصراط دوزخ پر رکھی جاوے گی۔ جس پر گزرنا ہر ایک کے لیے ضروری ہے کفار وہاں ہی گر جائیں گے مومن بخیریت گزر جائیں گے وہاں سے گزرنا ضروری ہے کہ جنت کے راستہ میں یہ پل ہے وان منکم الا واردھا

[۱] یعنی اس عمل کی وجہ سے میرا کیا حال ہوگا۔ آیا میں اس مار پیٹ گالی گلوچ میں حق بجانب ہوں یا نہیں۔ اور اس کی وجہ سے میری کوئی پکڑ تو نہیں ہوگی۔

[۲] یعنی ان غلاموں کے جرم اور تیری سزا کا حساب لگایا جاوے گا کہ دونوں برابر ہیں یا ایک دوسرے سے کچھ کم و بیش۔ معلوم ہوا کہ سزا اور جرم کی حدود مقرر ہیں۔

[۳] یعنی چونکہ نہ ان کے جرم کم ہیں نہ تیری سزا زیادہ ہے اس لیے نہ تجھ پر کچھ وبال ہوگا نہ تجھے کوئی ثواب ملے گا حساب برابر رہے گا۔

عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ دُوْنَ ذُنُوْبِهِمْ كَانَ فَضْلًا وَإِنْ كَانَ عِقَابُكَ إِيَّاهُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِهِمْ اُقْتُصَّ لَهُمْ مِنْكَ الْفَضْلُ فَتَنَحَّى الرَّجُلُ وَجَعَلَ يَهْتِفُ وَيَبْكِي فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ فَقَالَ

انہیں سزا دینا ان کے قصوروں سے کم ہوگا تو تجھے ان پر بزرگی حاصل ہوگی[۱] اور اگر تیرا انہیں سزا دینا ان کے قصور سے زیادہ ہوا تو زیادتی کا تجھ سے بدلہ لیا جاوے گا[۲] تو وہ آدمی الگ ہٹ گیا اور چیخیں مارنے رونے لگا[۳] تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو رب کا یہ فرمان نہیں پڑھتا کہ ہم قیامت کے دن انصاف والی ترازو رکھیں گے تو کوئی جان کچھ بھی ظلم نہیں کی جاوے گی۔ اگر رائی کے دانہ کے برابر عمل ہوگا تو ہم اسے بھی لائیں گے۔ ہم کافی حساب لینے والے ہیں[۴] تو وہ شخص بولا یا رسول اللہ

[۱] یعنی اگر غلاموں کے جرموں زیادہ ہوئے اور تیری سزا کم تو غلاموں کی پکڑ ہوگی تو تجھے ثواب ملے گا کہ تو نے ان غلاموں کو ان کے جرموں سے کم سزا دی ان کے بعض جرموں پر عفو و تحمل سے کام لیا ہے۔

[۲] اس فرمان عالی سے حکام۔ مدرسین و معلمین۔ خاوندوں۔ ماں باپ کو عبرت لینی چاہیے اگر یہ لوگ اپنے ماتحتوں کو ان کے جرم سے سزا زیادہ دیں گے تو یقینًا پکڑے جائیں گے کبھی استاد غصہ میں اپنے شاگردوں کو بے تحاشہ مار دیتا ہے اس کی بھی پکڑ ہے علامہ شامی نے فرمایا کہ تین طمانچہ سے زیادہ ہرگز نہ مارے اور طمانچہ بھی منہ پر نہ مارے۔ بلا قصور ہرگز نہ مارے بعض لوگ اپنی بیویوں کو بات بات پر مارتے ہیں اور بہت مارتے ہیں ان کی بھی پکڑ ہے ان کے اس عمل کا بھی حساب ہے ہر وقت اللہ کا خوف دل میں رکھو۔

[۳] یہ ہے اس زبان حق ترجمان کی تاثیر کہ دو لفظوں میں اس کے دل کی دنیا بدل دی رب تعالٰی ہم کو بھی حضور کے فرمان پر عمل اور حضور کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے آمین۔

[۴] یعنی حضور انور نے اپنے فرمان کی تائید قرآن مجید سے پیش کی۔

[۵] یہ آیت کریمہ حضور کے فرمان عالی کی حرف بحرف تائید کر رہی ہے اس آیت میں چند چیزیں فرمائی گئیں ایک یہ کہ میزان اور اس کے ذریعہ اعمال کا وزن برحق ہے دوسرے یہ کہ اس ترازو کے وزن میں کمی بیشی کا شائبہ نہیں نہ اس میں پاسنگ ہے نہ تولنے والوں میں ڈنڈی مارنے کا اندیشہ۔ تیسرے یہ کہ غیر مجرم کو سزا دے دینا یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دے دینا بھی ظلم ہے اللہ تعالٰی اس ظلم سے پاک ہے ظلم کرنا یہ

الرَّجُلُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا اَجِدُ لِیْ وَلِھٰؤُلَاءِ شَیْئًا خَیْرًا مِنْ مُفَارَقَتِھِمْ اُشْھِدُکَ اَنَّھُمْ کُلَّھُمْ اَحْرَارٌ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَعَنْھَا قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ فِیْ بَعْضِ صَلٰوتِہٖ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَسِیْرًا قُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ مَا الْحِسَابُ الْیَسِیْرُ قَالَ اَنْ یَّنْظُرَ فِیْ کِتَابِہٖ فَیَتَجَاوَزَ عَنْہُ

میں اپنے اور ان غلاموں کے لیے ان کی جدائی سے بہتر کوئی چیز نہیں پاتا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ سارے آزاد ہیں [1] (ترمذی) روایت ہے انہی سے فرماتی ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بعض نمازوں میں فرماتے سنا الٰہی مجھ سے آسان حساب لے [2] میں نے عرض کیا یا نبی اللہ! آسان حساب کیا چیز ہے؟ فرمایا یہ ہے کہ اس کے نامہ اعمال نظر کرادی جاوے پھر اسے معافی

معنی یہ بھی ہیں کہ کسی کی چیز اس کے بغیر اجازت تصرف میں لانا ظلم کے یہ معنی رب تعالٰی کے لیے ممکن نہیں کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی ملک ہے چوتھے یہ کہ حساب دانہ دانہ اور قطرہ قطرہ کا لیا جاوے گا یہ ہے قانون اگر اللہ تعالٰی کسی کو معافی دیدے حساب نہ لے تو اس کی مہربانی ہے قانون اور چیز ہے مہربانی کچھ اور یہاں قانون کا ذکر ہے اس آیت میں ہے یدخلون الجنة یرزقون فیھا بغیر حساب لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔

[1] آزاد کرنے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ غلام نہ میرے پاس میری ملکیت میں رہیں گے نہ آئندہ مجھ سے ایسے قصور ہوں گے ان تمام قصوروں کی وجہ ان لوگوں کا میری ملکیت میں رہنا ہے دوسرے یہ کہ غلام آزاد کرنا بہت سے گناہوں کا کفارہ بھی ہے میں ان کو آزاد کرتا ہوں تاکہ گذشتہ کوتاہیوں کا کفارہ ہو جائے میں اس آزاد کرنے کی وجہ سے ان گناہوں سے دنیا میں ہی پاک ہو جاؤں۔

[2] یہ دعا اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے فسوف یحاسب حسابا یسیرا حضرت ام المومنین کے سوال نے یہ آیت حل کرادی۔ خیال رہے کہ حضور انور کی یہ دعا امت کی تعلیم کے لیے ہے ورنہ حضور انور کا حساب نہ ہو گا ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلٰی ہے ان کے خاص غلام بے حساب بخشے جائیں گے جیسا کہ ہماری پیش کردہ آیت اور دوسری احادیث سے ثابت ہے۔

[3] یعنی جس حساب یسیر کی آپ دعا ہم کو سکھا رہے ہیں اور رب تعالٰی اپنے کلام میں خبر دے رہا ہے یہ حساب یسیر ہے گویا نبی نے قرآن عالی کی شرح اور رب کی آیت کی تفسیر حضور ہی فرما دیں۔

مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يَوْمَئِذٍ يَا عَائِشَةُ هَلَكَ رَوَاهُ اَحْمَدُ
وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ اَنَّهٗ اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ فَقَالَ اَخْبِرْنِيْ مَنْ يَّقْوٰى عَلَى الْقِيَامِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ الَّذِيْ
قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ
يُخَفَّفُ عَلَى الْمُؤْمِنِ حَتّٰى يَكُوْنَ عَلَيْهِ كَالصَّلٰوةِ الْمَكْتُوْبَةِ

دے دی جاوے[1] جس سے حساب میں جرح کرلی گئی اے عائشہ وہ ہلاک ہوجاوے گا[2] (احمد) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا مجھے خبر دیجئے کہ قیامت کے دن کھڑے ہونے پہ کون قدرت رکھے گا جس کے متعلق اللہ عزوجل نے فرمایا کہ جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے[3] تو فرمایا کہ وہ دن مومن پہ ہلکا کردیا جاویگا حتی کہ اس پہ ایک فرض نماز کی طرح ہوجاوے گا[4]

[1] یعنی جرم دکھانا اور معافی دے دینا۔حساب یسیر ہے اور جرم دکھانا اور ان پر جرح فرمانا کہ تم نے یہ گناہ کیوں کیے یہ سخت حساب۔

[2] یعنی جرموں پر جرح کی ہی اس سے جاوے گی جس کو سزا دینا ہوگی۔جسے بخشنا ہوگا۔اسے دکھا کر معافی ہوجاوے گی بعض وہ بندے بھی ہوں گے جن کا حساب مطلقًا نہ ہوگا نہ جرح کا نہ پیشی کا بلاحساب جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

[3] یعنی قرآن کریم کی ایک آیت فرما رہی ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہوگا خمسین الف سنۃ دوسری آیت فرما رہی ہے کہ اس دن کسی کو بیٹھنے لیٹنے کی اجازت نہ ہوگی سب کھڑے ہی ہوں گے تو اتنی دراز مدت تک کون کھڑا رہ سکیگا حضرت عبداللہ ابن عمر نے یہ ہی سورت تلاوت کی جب اس آیت پر پہنچے تو پھوٹ کر رونے لگے حتی کہ آگے نہ پڑھ سکے (مرقات)

[4] یہاں نماز فرض سے مراد نماز کا وقت نہیں بلکہ ادا نماز مراد ہے نماز بھی چار رکعت والی یعنی مومن متقی کو قیامت کا دن ایسا معلوم ہوگا جیسے اس نے چار رکعت نماز فرض پڑھی فرض کی قید اس لیے لگائی کہ بمقابلہ سنت و نفل کے فرض جلد ادا کیے جاتے ہیں کہ اس کی آخری دو رکعت خالی ہوتی ہیں نیز اس میں قومہ اور جلسہ کی دعائیں نہیں ہوتیں خیال رہے کہ غم کی تھوڑی مدت بہت محسوس ہوتی ہے اور خوشی کی دراز مدت کا کم احساس ہوتا ہے۔وصال کی رات منٹوں میں فراق کی رات گھنٹوں میں درد و بیماری کی بے خوابی کی رات سالوں میں گزرتی معلوم ہوتی ہے مومن دیدار مصطفے دیدار خدا کی خوشی میں پھولا نہ سمائے گا اسے قیامت کیا معلوم ہو۔

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ مَا طُوْلُ ہٰذَا الْیَوْمِ فَقَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ اَنَّہٗ لَیُخَفَّفُ عَلَی الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَکُوْنَ اَھْوَنَ عَلَیْہِ مِنَ الصَّلٰوةِ الْمَکْتُوْبَةِ یُصَلِّیْھَا فِی الدُّنْیَا رَوَاھُمَا الْبَیْھَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ ۔ وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ یَزِیْدَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یُحْشَرُ النَّاسُ فِیْ صَعِیْدٍ وَّاحِدٍ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَیُنَادِیْ مُنَادٍ فَیَقُوْلُ

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس دن کے متعلق پوچھا گیا[1] جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے کہ اس دن کی کتنی درازی ہے[2] تو فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ وہ دن مومن پر ہلکا کر دیا جاوے گا حتیٰ کہ اس پر اس فرض نماز سے بھی زیادہ آسان ہوجاوے گا جسے وہ دنیا میں پڑھتا تھا[3] (بیہقی کتاب بعث والنشور) روایت ہے حضرت اسماء بنت یزید سے وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا لوگ قیامت کے دن ایک میدان میں جمع کئے[4] تو پکارنے والا پکارے گا کہ وہ لوگ کہاں

[1] یعنی میری موجودگی میں یہ سوال کسی اور نے کیا میں نے سوال بھی سنا حضور کا جواب بھی۔

[2] یعنی کتنی دراز مدت ہے اللہ اکبر یہ ما اظہار تعجب کے لیے ہے یارسول اللہ اس مدت میں لوگوں کا کیا حال ہوگا کیسے کھڑے رہ سکیں گے۔ (مرقات)

[3] قرآن مجید میں قیامت کو ایک ہزار سال بھی فرمایا گیا ہے اور پچاس ہزار سال بھی اس حدیث شریف نے اسے چار رکعت نماز سے بھی کم فرمایا یہ اختلاف احساس کا ہے دن تو پچاس ہزار برس ہی کا ہے مگر کسی کو ایک ہزار سال محسوس ہوگا کسی کو چار رکعت نماز کی بقدر۔ ؎

کسی کی شب وصل سوتے کٹے ہے	کسی کی شب ہجر روتے کٹے ہے
الٰہی ہماری یہ شب کیسی آئی	نہ سوتے کٹے ہے نہ روتے کٹے ہے

[4] صعید جاہل سفیدہ ہموار زمین کو کہتے ہیں یہ زمین شام یا زمین فلسطین ہوگی جہاں قیامت قائم ہوگی اس جگہ سب اچھے برے اکٹھے ہوں گے یعنی سارے مومن رہے کفار تو پہلے ہی چھانٹ دیئے گئے ہوں گے وامتازوا الیوم ایھا المجرمون فرما کر۔

اَيْنَ الَّذِيْنَ كَانَتْ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ فَيَقُوْمُوْنَ وَهُمْ قَلِيْلٌ فَيَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِسَائِرِ النَّاسِ اِلَى الْحِسَابِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ، بَابُ الْحَوْضِ وَالشَّفَاعَةِ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ

ہیں جن کے پہلو اپنی خوابگاہوں سے الگ رہتے تھے ۱؎ پس وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے اور وہ تھوڑے ہوں گے ۲؎ تو وہ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے ۳؎ پھر باقی تمام لوگوں کو حساب کی طرف جانے کا حکم دیا جاوے گا ۴؎ (بیہقی شعب الایمان)

حوض ۵؎ اور شفاعت کا بیان ۶؎ پہلی فصل روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا

۱؎ یعنی پابندی سے نماز تہجد پڑھنے والے مسلمان پہلے حاضر ہوں جن کا حال یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں جب سب سوتے ہیں تو یہ مصلوں پر روتے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو عشاء اور فجر جماعت سے پڑھتے ہیں مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ تہجد والے لوگ تھوڑے ہوں گے یہاں ارشاد ہے وھم قلیل

۲؎ یعنی مسلمانوں میں تہجد پر پابند تھوڑے ہی ہوں گے رب فرماتا ہے وقلیل من اللیل ما یھجعون اور فرماتا ہے وقلیل من عبادی الشکور اور فرماتا ہے الا الذین امنوا وعملوا الصالحات وقلیل ماھم (مرقات)

۳؎ اس سے معلوم ہوا کہ تہجد کی نماز پر پابندی ذریعہ ہے قیامت کے حساب سے بچنے کا رب فرماتا ہے انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب۔ خیال رہے کہ یہ لوگ اس وقت جنت کے دروازے پر تو پہنچ جائیں گے مگر ابھی وہاں داخلہ نہ ہوگا کیونکہ جنت کا دروازہ حضور کے لیے کھولا جائے گا اور حضور گنہگاروں کو بخشوا کر حساب دلوا کر جنت کی طرف روانہ ہوں گے۔ یدخلون کے معنی ہیں دخول کے مستحق ہو جائیں گے لہذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں۔

۴؎ یعنی تہجد والوں کو یہ حکم روانگی سنا کر پھر دوسروں کا حساب شروع ہوگا۔

۵؎ حوض کے معنی ہیں پانی کا جمع ہونا اور بہنا اسی سے ہے حیض رحم سے خون بہنا اصطلاح میں پانی کے تالاب کو حوض کہا جاتا ہے حضور کے حوض دو ہیں ایک میدان محشر میں دوسرا جنت میں دونوں کا نام کوثر ہے محشر والے حوض کا پانی مومنوں کو وزن اعمال سے پہلے ملے گا تمام نبیوں کے الگ الگ حوض ہوں گے حضور کے حوض کا نام کوثر ہے کوثر کے معنی ہیں بہت ہی زیادہ (مرقات) بعض شارحین نے فرمایا کہ حوض کوثر ایک ہی ہے جنت میں وہاں سے ایک نہر میدان محشر میں آوے گی۔

۶؎ شفاعت بنا ہے شفع سے بمعنی ملنا اور جوڑا ہونا اس کا مقابل ہے وتر رب فرماتا ہے والشفع والوتر اور شفیع وہ جو قیامت میں گنہگاروں سے مل کر اسے اپنے سینے سے لگائے گا۔ اب اس کا ترجمہ ہوتا ہے سفارش شفاعت دو قسم کی ہے شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بَيْنَا اَنَا اَسِيْرُ فِي الْجَنَّةِ اِذَا اَنَا بِنَهْرٍ حَافَتَاهُ قُبَابُ الدُّرِّ الْمُجَوَّفِ قُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ قَالَ هٰذَا الْكَوْثَرُ الَّذِيْ اَعْطَاكَ رَبُّكَ فَاِذَا طِيْنُهُ مِسْكٌ اَذْفَرُ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ • وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب ہم جنت میں سیر فرما رہے تھے تو ایک نہر پر پہنچے جس کے کناروں پر کھکل موتی کے خیمے تھے [1] ہم نے کہا اے جبریل یہ کیا ہے انہوں نے عرض کیا یہ وہ کوثر ہے جو آپ کے رب نے آپ کو عطا فرمایا اس کی مٹی خالص مشک تھی [2] (بخاری) روایت ہے حضرت عبد اللہ ابن عمرو سے فرماتے ہیں فرمایا رسول

شفاعت کبریٰ صرف حضور کریں گے اس شفاعت کا فائدہ ساری خلقت حتی کہ کفار کو بھی پہنچے گا کہ اس شفاعت کی برکت سے حساب کتاب شروع ہو جاوے گا اور قیامت کے میدان سے نجات ملے گی یہ شفاعت قیامت کے اول وقت جبکہ عدل خداوندی کا ظہور ہوگا حضور ہی کریں گے اس وقت کوئی نبی اس شفاعت کی جرأت نہ فرمائیں گے شفاعت صغریٰ ظہور فضل کے وقت ہوگی یہ شفاعت بہت لوگ بلکہ قرآن، رمضان، خانہ کعبہ بھی کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع درجات کے لیے صالحین حتی کہ نبیوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے اور گناہوں کی معافی کے لیے ہم گنہگاروں کی شفاعت کریں گے لہذا آپ کی شفاعت سے انبیاء کرام بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ اللھم ارزقنا شفاعۃ حبیبک صلی اللہ علیہ وسلم حضور کی شفاعت ہم گنہگاروں کا سہارا ہے۔ شعر

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے مولیٰ روروکے شفاعت کی تمہید اٹھائی ہے

حضور کی شفاعت نو قسم کی ہے (۱) حساب شروع کرانے کے لیے جس کا فائدہ سب کو ہوگا۔ (۲) بے حساب جنتیوں کو جنت میں پہنچانے کے لیے (۳) جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں ان کا نیکی کا پلہ وزنی کرانے کے لیے (۴) ہم جیسے دوزخ کے لائق لوگوں کو چھڑانے کے لیے (۵) صالحین کے درجے بلند کرانے کے لیے (۶) دوزخ میں گرے ہوئے گنہگاروں کو وہاں سے نکلوانے کے لیے (۷) جنت کا دروازہ کھلوانے کے لیے (۸) اہل مدینہ اور زائرین روضہ رسول کو اپنا قرب دلوانے کے لیے (اشعہ) (۹) بعض کفار کا عذاب ہلکا کرانے کے لیے۔ (اشعۃ اللمعات)

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ شب معراج کا ہے جب حضور نے سارا عالم غیب دیکھا غالبًا یہ وہ ہی نہر ہے جو حوض کوثر سے نکل کر محشر کی طرف پہنچائی جائے گی۔

[2] کوثر کے معنی ہیں خیر کثیر حوض کوثر بھی اس کی ایک فرد ہے حضور کے بیشمار فضائل، حضور کے اہل بیت اطہار، علماء، اولیاء سب ہی کوثر میں داخل ہیں یہاں حوض کوثر کو کوثر فرمایا گیا (اشعہ)

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَوْضِیْ مَسِیْرَۃُ شَھْرٍ وَّزَوَایَاہُ سَوَاءٌ مَاءُہٗ اَبْیَضُ مِنَ اللَّبَنِ وَرِیْحُہٗ اَطْیَبُ مِنَ الْمِسْکِ وَکِیْزَانُہٗ کَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ یَّشْرَبُ مِنْھَا فَلَا یَظْمَأُ اَبَدًا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ • وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ حَوْضِیْ اَبْعَدُ مِنْ اَیْلَۃَ مِنْ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا حوض ایک مہینہ کی مسافت کا ہے[۱] اور اس کے گوشے برابر ہیں[۲] اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے[۳] اس کی خوشبو مشک سے زیادہ اچھی ہے[۴] اس کے کوزے آسمان کے تاروں کی طرح ہیں[۵] جو اس سے پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا[۶] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا حوض زیادہ بڑا ہے ایلہ سے عدن تک

[۱] یعنی حوض کوثر جو میرا حوض ہے اس کی لمبائی چوڑائی کا یہ حال ہے کہ اگر اس کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کی طرف چلا جاوے تو چلنے والا ایک مہینہ میں وہاں پہنچے۔

[۲] یعنی حوض کوثر مربع ہے لمبائی چوڑائی برابر اور اس کا ہر گوشہ زاویہ قائمہ ہے حادہ یا منفرجہ نہیں بلکہ گہرائی بھی ہر جگہ یکساں ہے یہ نہیں کہ کنارہ پر کم گہرا بیچ میں زیادہ گہرا۔

[۳] نحوی قاعدہ سے اشد بیاضًا چاہیے کیونکہ رنگت اور عیب سے فعل تعجب اور تفضیل بروزن افعل نہیں آتا مگر اس فرمان سے معلوم ہوا کہ یہ بھی جائز ہے حضور تو نحویوں صرفیوں عربیوں کے امام اعظم ہیں نحو ان کی پابند ہے۔

[۴] یعنی اس حوض میں دودھ بلکہ دودھ سے بھی اعلیٰ چیز جس کی خوشبو مشک خالص سے بھی اچھی اللہ تعالٰی ہم سب کو نصیب کرے۔

[۵] تعداد اور چمک دمک میں تاروں کی طرح ہیں۔

[۶] کوثر کا پانی تو اولًا تو پیاس بجھانے کے لیے ہم لوگ پئیں گے قبروں سے پیاسے اٹھیں گے پھر جنت میں پہنچ کر وہ ہی کوثر پیا کریں گے مگر پیاس بجھانے کے لیے نہیں صرف لذت کے لیے رب فرماتا ہے وانک لاتظمؤا فیھا ولا تضحی مگر بغیر پیاس بھی اس کے پینے میں لذت آئے گی۔ جیسے بغیر بھوک وہاں کے پھل کھانے میں مزہ آوے گا دنیا میں بغیر بھوک پیاس غذا و شربت میں مزہ نہیں آتا۔

عَدَنٍ لَهُوَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ الثَّلْجِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ بِاللَّبَنِ وَلَاٰنِيَتُهٗ اَكْثَرُ مِنْ عَدَدِ النُّجُوْمِ وَاِنِّيْ لَاَصُدُّ النَّاسَ عَنْهُ كَمَا يَصُدُّ الرَّجُلُ اِبِلَ النَّاسِ عَنْ حَوْضِهٖ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتَعْرِفُنَا يَوْمَئِذٍ قَالَ نَعَمْ لَكُمْ سِيْمَاءُ لَيْسَتْ لِاَحَدٍ مِّنَ الْاُمَمِ تَرِدُوْنَ عَلَيَّ غُرًّا مُّحَجَّلِيْنَ مِنْ اَثَرِ

سے فاصلہ سے [1] وہ برف سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا جو دودھ سے مخلوط ہو [2] اس کے برتن تاروں کے شمار کے ہیں اور میں دوسرے لوگوں کو اس سے روکوں گا جیسے کوئی شخص دوسرے لوگوں کے اونٹ کو اپنے حوض سے روکتا ہے [3] صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس دن آپ ہم کو پہچان لیں گے فرمایا ہاں تمہاری وہ نشانی ہوگی جو کسی دوسری امت کی نہ ہوگی [4] تم میرے پاس آثار وضو کی وجہ سے روشن منہ

[1] ایلہ شام اور یمن کا سرحدی شہر ہے کوہ طور کے پاس واقع ہے یہاں شام کا علاقہ ختم ہو جاتا ہے اور عدن وسط شام میں ہے وہاں کا دارالخلافہ ہے بحر ہند پر واقع ہے ان دونوں شہروں میں بڑا فاصلہ ہے۔ خیال رہے بعض روایات میں عدن و عمان کا ذکر ہے بعض میں صنعا اور مدینہ منورہ فرمایا گیا یہ تمام فرمان سمجھانے کے لیے ہیں قطعی حدبندی کے لیے نہیں جیسا آدمی ویسے اس سے خطاب جن صاحبوں کو ایلہ اور عدن کے فاصلہ کی خبر تھی ان سے ان دونوں شہروں کا ذکر فرمایا جنہیں دوسرے مذکورہ شہروں کی خبر تھی ان سے وہ شہر بیان فرمائے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

[2] برف سفید بھی ہوتا ہے ٹھنڈا بھی وہاں کا پانی بھی ایسا ہی ہوگا اس لیے برف سے تشبیہ دی دودھ شہد سے مخلوط ہو کر بڑا لذیذ ہوتا ہے اس لیے اس سے تشبیہ دی یہ تشبیہیں صرف سمجھانے کے لیے ہیں ورنہ دنیا کی کوئی چیز حوض کوثر کے پانی کی طرح نہیں ہوسکتی۔

[3] ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرے لوگوں سے مراد مرتدین و منافقین ہیں جو مسلمانوں کے علاوہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے دوسری امتوں کے مومنین مراد ہوں کیونکہ ہر نبی کا حوض الگ ہوگا ان میں اپنی امت ہی ان کے حوض پر پہنچے گی فقیر کے نزدیک دوسرے معنی قوی ہیں یعنی دنیا میں کوئی شخص دوسرے کے اونٹوں کو اپنے حوض پہ پانی نہیں پینے دیتا تاکہ جانور مخلوط نہ ہو جاویں ایسے ہی وہاں ہوگا۔

[4] یعنی قیامت میں ساری امتوں کے مومنین جمع ہوں گے پھر کیا آپ اپنی امت کے مومنوں کو پہچانیں گے اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں دوسری امتوں کو دور فرمانے کا ذکر ہے۔

الْوُضُوْءِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَهٗ عَنْ اَنَسٍ قَالَ تُرٰى فِيْهِ اَبَارِيْقُ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ كَعَدَدِ نُجُوْمِ السَّمَاءِ وَفِيْ اُخْرٰى لَهٗ عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ سُئِلَ عَنْ شَرَابِهٖ فَقَالَ اَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ يَغُتُّ فِيْهِ مِيْزَابَانِ يَمُدَّانِهٖ مِنَ الْجَنَّةِ اَحَدُهُمَا مِنْ ذَهَبٍ وَّالْاٰخَرُ مِنْ وَرِقٍ وَعَنْ سَهْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ

پنج کلیان آؤ گے لے (مسلم) اور مسلم کی روایت ہے حضرت انس سے یوں راوی ہے فرمایا اس میں سونے چاندی کے لوٹے آسمان کے ستاروں کی شمار میں دیکھے جائیں گے ٹے اور اس کی دوسری روایت میں حضرت ثوبان سے مروی ہے فرمایا حضور سے حضور کے پانی کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ دودھ سے زیادہ سفید ہے شہد سے زیادہ میٹھا اس میں جنت سے دو پرنالے گرتے ہیں جو اسے بڑھاتے ہیں سے ایک سونے کا ہے دوسرا چاندی کا۔ روایت ہے حضرت سہل ابن سعد سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں

لے اگرچہ ساری امتوں کے مومنین وضو کرتے تھے مگر آثار وضو سے اعضاء کا چمکنا صرف تمہارے لیے ہوگا خیال رہے کہ حضور کا پہچاننا اس پر موقوف نہ ہوگا یہ علامت تو عام کے پہچاننے کی ہے حضور کی امت میں بعض وہ لوگ ہیں جو وضو فرض ہونے سے پہلے فوت ہوگئے۔ جیسے اولین مومنین یا چھوٹے بچے یا دیوانے یا بے نماز مسلمان یا وہ لوگ جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہوگئے حضور انہیں بھی پہچانیں گے۔ حالانکہ نہ انہوں نے کبھی وضو کیا تھا نہ ان کے چہروں پر وضو کا پانی پہنچا تھا ان کی پہچان۔ نور نبوت سے فرمائیں گے یہ حدیث باب فضل الوضو میں گزر چکی حق یہ ہے کہ گذشتہ نبوتوں میں وضو تھا مگر وضو کا یہ اثر صرف امت مصطفوی کے لیے ہے جیسا قاسم ویسی تقسیم۔ ڈول کی تقسیم اور رہٹ کی اور ٹیوب ویل کی تقسیم اور ہے پانی ایک ہے تقسیم مختلف نماز وضو ایک ہے مگر نتیجہ مختلف۔

لے پچھلی حدیث میں کیزان ارشاد ہوا معلوم ہوا کہ کوزے بھی بہت ہوں گے لوٹے بھی بے شمار لہذا ان دونوں حدیثوں میں تعارض نہیں۔

سے یعنی پہلے سے بھی حوض کوثر میں پانی ہے اور جنت سے دو پرنالے اس میں گریں گے تاکہ پانی کم نہ ہونے پائے میزاب بنا ہے ذب سے بمعنی بہنا یغت بنا ہے غت سے بمعنی گرنا اور پے در پے پانی پینا۔ پیٹ میں ڈالنا۔

فَرَطُكُمْ عَلَى الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَيَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَأْ أَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَيَّ أَقْوَامٌ أَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُونَنِي ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَأَقُولُ إِنَّهُمْ مِنِّي فَيُقَالُ إِنَّكَ لَا تَدْرِي مَا أَحْدَثُوا

حوض پر تمہارا پیش رو ہوں[1] جو مجھ پر گزرے گا وہ پیئے گا اور جو پیئے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا[2] میرے پاس کچھ قومیں آئیں گی جنہیں میں پہچانتا ہوں اور وہ مجھے پہچانتے ہیں[3] پھر میرے اور ان کے درمیان آڑ کردی جاوے گی[4] تو میں کہونگا یہ تو میرے ہیں[5] تو فرمایا جاوے آپ نہیں جانتے کہ انہوں

[1] فرط صفت مشبہ ہے اس کا مصدر فرط بمعنی آگے ہونا پیشوائی کرنا فرط کے معنی ہیں پیشرو یعنی حوض کوثر پر تم لوگ میرے پیچھے پیچھے حوض کوثر پر پہنچو گے۔ حوض کوثر پر رہبری بھی ہم ہی کریں گے یا مطلب یہ ہے کہ حوض کوثر پر پہلے ہم پہنچ چکے ہوں گے وہاں کا انتظام فرمانے کے لیے بعد میں تم پہنچو گے۔ غالب یہ ہے کہ یہاں حوض سے مراد وہ حوض ہے جو میدان حشر میں ہوگا کہ پیاس یہاں ہی بجھے گی۔

[2] ظاہر یہ ہے کہ پینا حساب کتاب سے فارغ ہوکر نصیب ہوگا۔ (مرقات) بعض شارحین نے فرمایا کہ مومن میدان حشر میں پہنچ کر میزان و حساب سے پہلے یہ پانی پئیں گے۔ اللہ نصیب کرے۔

[3] یعنی تاقیامت جتنے مرتدین وہاں حوض کوثر سے روکے جانے والے ہیں انہیں میں آج ہی پہچانتا ہوں اور اس دن بھی پہچانتا ہوں گا وہ مجھے دنیا میں بھی پہچانیں گے اور آخرت میں بھی یا اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں موجودہ مرتدین جو بعد پردہ فرمانے کے مرتد ہوگئے تھے جیسے منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب پر ایمان لے آنے والے مرتد ہیں جن سے حضرت امیر المومنین ابوبکر صدیق نے جہاد کیے۔

[4] اس طرح کہ انہیں دھکے دے کر وہاں سے نکال دیا جاوے گا اتنی دور کہ وہ مجھے نظر نہ آئیں میں انہیں نظر نہ آؤں۔ یہ مطلب نہیں کہ انہیں وہاں ہی رکھا جاوے اور بیچ میں پردہ حائل کردیا جاوے خیال رہے کہ ان مرتدین کو یہاں لاکر سب کچھ دکھا کر انہیں دور کیا جاوے گا تاکہ انہیں بہت ہی افسوس ہو۔

[5] یعنی میرے دوست یا میرے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے میرا نام لینے والے ہیں حضور انور کا یہ فرمان ان کو زیادہ ذلیل کرنے کے لیے ہوگا۔ جیسے رب تعالٰی دوزخیوں سے فرمائے گا ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ تو چکھ تو تو بڑا عزت والا کرم والا ہے یہ مطلب نہیں کہ حضور انور پہچانیں گے نہیں ابھی فرمان عالی گزرا اعرفھم میں انہیں پہچانتا ہوں۔ نیز یہ واقعہ حضور کو آج تو معلوم ہے کل کیسے بھول جاوے گا۔ نیز ان کے منہ کالے ہاتھ بندھے ہوئے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال لیے ہوئے ہوں گے رب فرماتا ہے۔ یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ۔

بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُحْبَسُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حَتّٰى يُهَمُّوْا بِذٰلِكَ فَيَقُوْلُوْنَ لَوِ اسْتَشْفَعْنَا اِلٰى رَبِّنَا فَيُرِيْحُنَا مِنْ مَكَانِنَا فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اَنْتَ اٰدَمُ اَبُو النَّاسِ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَاَسْكَنَكَ جَنَّتَهٗ

نے آپ کے بعد کیا باتیں پیدا کیں تب میں کہونگا اسے دوری ہو جو میرے بعد تبدیلی کرے ۲؎ (مسلم بخاری)

روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین قیامت کے دن روکے جائیں گے ۳؎ حتی کہ اس کی وجہ سے سخت غمگین ہوں گے تو کہیں گے کہ ہم اپنے رب کی بارگاہ کو شفیع لاتے کہ وہ ہمیں اس جگہ سے راحت دے چنانچہ وہ حضرت آدم کے پاس حاضر ہوجائیں گے ۴؎ عرض کریں گے آپ انسانوں کے باپ ہیں اللہ نے آپکو اپنے دست قدرت سے بنایا آپ کو اپنی جنت میں رکھا

۱؎ فرشتوں کا یا رب تعالٰی کا یہ کہنا کہ تم نہیں جانتے ان مرتدین پر اظہار غضب کے لیے ہے جیسے بلاشبہ باپ بیٹے کو مارنے لگے ماں جو اس سے سخت نالاں تھی محبت مادری میں بچا چاہے باپ کہے تو اس حیثیت کو نہیں جانتی اسے تو میں ہی جانتا ہوں اس کا مقصد یہ ہے کہ اسے مت بچا مجھے سزا دے لینے دے رب تعالٰے منافقین کے متعلق فرماتا ہے لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ انہیں تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں حالانکہ حضور منافقین کو خوب جانتے تھے فرماتا ہے وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ تم انہیں کلام کی روش سے ہی پہچان لیتے ہو۔

۲؎ یعنی میری وفات کے بعد اپنا دین بدلے کہ اسلام چھوڑ کر کافر ہو جائے۔ خیال رہے کہ اس حدیث کی بنا پر روافض کہتے ہیں کہ سارے حضرات صحابہ مرتد ہوگئے تھے نعوذ باللہ اگر یہ مطلب ہے تو حضرت علی وغیرہم بھی صحابی ہیں ان پر بھی الزام آجائے گا اگر وہ حضرات مرتد ہوتے تو حضرت علی نہ ان سے بیعت کرتے نہ ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے نہ ان کے ہدایا لیتے اور دیوبندی کہتے ہیں کہ حضور انور کو قیامت میں بھی مخلص مومن اپنے پرائے کی پہچان نہ ہوگی اس کے جواب ابھی عرض کیے گئے۔

۳؎ مومنین سے مراد از آدم علیہ السلام تا روز قیامت سارے اہل ایمان ہیں روکے جانے سے مراد میدان حشر میں کھڑا رہنا اور حساب کتاب کا انتظار کرنا ہے اس سے حضرات انبیاء علیحدہ ہیں۔

۴؎ طلب شفیع کا ولولہ مسلمانوں کے دلوں میں پیدا ہوگا مگر تلاش میں کفار ساتھ ہوں گے سارے انسان ڈھونڈھیں گے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کا وسیلہ پکڑنا یہ وہ کام ہے جس سے قیامت کے کاموں کی ابتداء ہوگی وہاں پہلے یہ ہی کام وسیلہ والا ہوگا۔ بعد میں دوسرے کام۔

وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَعَلَّمَكَ اَسْمَآءَ كُلِّ شَيْءٍ اِشْفَعْ لَنَا عِنْدَ رَبِّكَ حَتّٰى يُرِيْحَنَا مِنْ مَكَانِنَا هٰذَا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ اَكْلَهٗ مِنَ الشَّجَرَةِ وَقَدْ نُهِيَ عَنْهَا وَلٰكِنِ ائْتُوْا نُوْحًا اَوَّلَ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَيَاْتُوْنَ نُوْحًا فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِيْ اَصَابَ سُؤَالَهٗ رَبَّهٗ بِغَيْرِ

آپکو اپنے فرشتوں سے سجدہ کرایا آپکو ہر چیز کے نام بتائے اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت کریں[۱] کہ وہ ہم کو اس جگہ سے نجات دے[۲] وہ فرمائینگے کہ میں تمہارے اس مقام میں نہیں ہوں[۳] اور اپنی وہ خطا یاد کرینگے جو انہوں نے کی تھی۔ یعنی درخت سے کھانا حالانکہ اس سے منع کیا گیا تھا[۴] لیکن تم حضرت نوح کے پاس جاؤ کہ وہ پہلے نبی ہیں جنہیں اللہ نے زمین والے کفار کی طرف بھیجا[۵] تو وہ حضرت نوح کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے کہ میں تمہارے اس مقام ہی نہیں اور اپنی وہ خطا یاد کرینگے جو کی تھی یعنی اپنے رب سے بغیر جانے

۱؎ معلوم ہوا کہ کسی سے کچھ مانگنا ہو تو پہلے اس کی تعریف کی جاوے بعد میں عرض و معروض اس لیے آج بھی پہلے ہم لوگ اللہ کی حمد حضور کی نعت و درود کے بعد دعا مانگتے ہیں مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے ان فضائل و کمالات کے ذریعہ ہماری شفاعت کریں۔

۲؎ یعنی تمہاری شفاعت کبریٰ فرمانا میرا منصب میرا درجہ نہیں یہ دروازہ کسی اور ہی کے ہاتھ پر کھلنے والا ہے۔

۳؎ آپ کا یہ قول رب تعالٰی سے انتہائی ہیبت و خوف کی بنا پر ہے کہ آپ اپنی وہ خطا یاد کرکے رب تعالٰی سے انتہائی ہیبت و خوف کی بنا پر ہے کہ آپ اپنی وہ خطا یاد کرکے رب کے حضور جانے سے جھجکتے ہیں کہ کبھی میری اس خطا کا تذکرہ نہ آجائے تو میں شفاعت کیسے کروں گا ورنہ رب تعالٰی نے معافی دے کر انہیں زمین کا خلیفہ بنایا ان کی معافی کا اعلان توریت و زبور و انجیل و قرآن میں کیا گیا خوف و خشیت اور چیز ہے رب تعالٰی کے وعدوں پہ بے اعتباری کچھ اور لہذا اس حدیث سے مسئلہ امکان کذب پہ دلیل نہیں پکڑی جاسکتی۔

۴؎ زمین سے مراد نوح علیہ السلام کی قوم کی زمین ہے جہاں وہ آباد تھی اور ساری کافر تھی سارے کفار کی طرف رسول پہلے آپ ہی ہیں حضرت آدم و شیث و ادریس صالح علیہم السلام مومنین یا مومن و کافر مخلوط کی طرف بھیجے گئے بعض شارحین نے فرمایا کہ آپ سے پہلے حضرات نبی تھے رسول و مرسل نہ تھے پہلے رسول آپ ہی ہیں۔

عِلْمٍ وَلٰكِنْ ائْتُوْا اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلَ الرَّحْمٰنِ قَالَ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ فَيَقُوْلُ اِنِّىْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ ثَلٰثَ كَذِبَاتٍ كَذَبَهُنَّ وَلٰكِنْ ائْتُوْا مُوْسٰى عَبْدًا اٰتَاهُ اللّٰهُ التَّوْرَاةَ وَكَلَّمَهُ وَقَرَّبَهُ نَجِيًّا قَالَ فَيَاْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ اِنِّىْ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَيَذْكُرُ خَطِيْئَتَهُ الَّتِىْ اَصَابَ قَتْلَهُ النَّفْسَ وَلٰكِنْ

سوال کرنا ۱؎ لیکن تم اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم کے پاس جاؤ فرمایا تو لوگ جناب ابراہیم کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے کہ میں تمہارے اس مقام کا نہیں خلاف واقعہ باتیں یاد کریں گے ۲؎ لیکن تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ بندے جنہیں اللہ نے توریت بخشی اور ان سے کلام کیا اور انہیں مشورہ کے لئے قرب بخشا فرمایا تو لوگ جناب موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں اور اپنی وہ خطا یاد کریں گے جو انہوں نے کی یعنی ایک کا قتل ۳؎ لیکن تم

۱؎ یعنی میں نے اپنے کافر بیٹے کنعان کے متعلق رب تعالٰی سے عرض کیا تھا ان ابنی من اھلی ۔ وہ میرا اہل بیت ہے اس پر رب نے فرمایا تھا انہ لیس من اھلک الآ اگر اس کا تذکرہ آگیا تو میں تمہاری شفاعت کیسے کروں گا۔ خیال رہے کہ نوح علیہ السلام نے کنعان کی شفاعت نہیں کی تھی۔ کیونکہ آپ کا یہ عرض کرنا اس وقت تھا۔ جب کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر چکی تھی کنعان کو ڈوبے ہوئے عرصہ گزر چکا تھا جیسا کہ قرآن کریم سے صراحۃً معلوم ہورہا ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ مولٰی میں نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ میرے اہل طوفان سے محفوظ رہیں گے اور کنعان ڈوب گیا میں لوگوں کو کیا جواب دوں مگر چونکہ اس کے جواب پر ظاہر عتاب تھا اس لیے آج انہیں یہ خوف ہے سوال بغیر علم کا مطلب یہ ہے کہ تم کو علم ہے کہ تمہارا اہل نہیں ورنہ سوال تو اس چیز کا ہوتا ہے جس کا علم نہ ہو۔

۲؎ ایک یہ کہ میں بیمار ہوں۔ دوسرے یہ کہ یہ کام اس بڑے نے کیا۔ تیسرے یہ کہ سارہ میری بہن ہے۔ خیال رہے کہ یہ تینوں کلام سچے ہیں مگر ظاہر کے خلاف اس لیے آپ نے رب کے سامنے پیش ہونے سے انکار فرمایا ہماری مراد دل کی بیماری۔ یعنی کفار سے بیزاری ہے اور کبیرھم کا مقصد یہ ہے کہ اس بڑے بت نے دوسرے بت توڑے ہوں گے یہ کلام بطور استہزا ہے بت پرستوں کی حماقت ظاہر کرنے کو اور حضرت سارہ کو دینی بہن فرمایا نہ کہ نسبی بہن۔

۳؎ اس قتل سے مراد ہے قبطی کو گھونسہ مار کر ہلاک کردینا خیال رہے کہ موذی کافر کو مار ڈالنا گناہ نہیں بلکہ عبادت ہے نیز آپ نے قتل کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ نیز اس خطا کی معافی کا اعلان بھی ہوچکا مگر ہیبت الٰہی کے باعث حاضر دربار نہیں ہوتے کہ حکم الٰہی آنے سے پہلے نبوت سے یہ قتل واقع ہوگیا ورنہ بعد میں تو آپ کی دعا سے سارے قبطی ہلاک کردیے گئے یہ بات خوب خیال رہے۔

اِئْتُوا عِيْسٰى عَبْدَ اللّٰهِ وَرَسُوْلَهٗ وَرُوْحَ اللّٰهِ وَكَلِمَتَهٗ قَالَ فَيَاْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ هُنَاكُمْ وَلٰكِنِ ائْتُوْا مُحَمَّدًا عَبْدًا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ فَيَاْتُوْنِّيْ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فِيْ دَارِهٖ فَيُؤْذَنُ لِيْ عَلَيْهِ

حضرت عیسٰی کے پاس جاؤ اللہ کے بندے اس کے رسول اللہ کی طرف سے روح اس کا کلمہ فرمایا پھر لوگ جناب عیسٰی کے پاس جائیں گے وہ فرمائیں گے میں تمہارے اس مقام کا نہیں[۱] لیکن تم حضور محمد مصطفٰے کے پاس جاؤ وہ بندے جن کی طفیل اللہ نے ان کے گنہگاروں کے سارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے[۲] فرمایا تو سب میرے پاس آئینگے تو میں اپنے رب کے پاس اس کے مقرر گھر میں حاضری

[۱] حضرت عیسٰی علیہ السلام اپنی کوئی خطا بیان نہ فرمائیں گے مگر پھر بھی شفاعت کی ہمت نہ کریں گے یا تو اس لیے کہ آپ کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا کہا تھا چنانچہ آپ سے سوال ہوگا ءانت قلت للناس اتخذونی الخ یا اس لیے کہ آپ جانتے ہیں شفاعت کبرٰی صرف حضور انور فرمائیں گے۔

[۲] یہاں چند باتیں خیال رہیں۔ایک یہ کہ یہاں حضور کے طفیل لوگوں کے گناہ معاف کرنا مراد ہے حضور انور نے کبھی گناہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا ورنہ مغفرت تو سارے نبیوں کی ہوچکی ہے خصوصیت سے حضور انور کے لیے یہ کیوں فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام نے حضور انور کی تشریف آوری کی بشارت دی. مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ قیامت میں بھی حضور کا پتہ آپ ہی دیں گے۔حضرت مسیح صبح کا وہ تارا ہیں جو سورج کی خبر دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان تلاش کرنے والوں میں سارے محدثین و فقہاء ہوں گے۔جنہوں نے یہ حدیث روایت کی ہم کو سمجھائی۔ مگر کسی کو یاد نہ آئے گا کہ حضور شفیع المذنبین ہیں چلو وہاں چلیں حتّٰی کہ حضرات انبیاء کرام کو بھی یاد نہ رہے گا یہ لوگ اپنے خیال سے آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے سے ایک دوسرے کے پاس یہ سب کچھ اس لیے ہے تاکہ حضور کی شان معلوم ہو اگر پہلے ہی لوگ حضور کے پاس پہنچ جاتے اور شفاعت ہوجاتی تو کون کہہ سکتا تھا کہ شفاعت ہر جگہ ہوسکتی تھی ہم اتفاقًا یہاں آگئے اور حضور نے شفاعت کردی یہ خیال دفع فرمانے کے لیے اسی طرح پھرایا گیا یہ بات مرقات نے بیان کی اعلٰی حضرت نے فرمایا۔

خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہی کہیں نہ بنی
یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے

چوتھے یہ کہ اس وقت تو مخلوق حضور کو ڈھونڈھے گی بعد میں حضور انور اپنے ہر گنہگار کو تلاش فرمائیں گے شعر

میں جن کی جستجو میں ہوں وہ مجھ کو آپ ڈھونڈیں گے
خدا وندا میں تیرے حشر کے میدان کے صدقے

فَاِذَا رَاَيْتُهٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَيَدَعُنِيْ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِيْ فَيَقُوْلُ اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَآءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُّعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيُحَدُّ لِيْ حَدًّا فَاُخْرِجُهُمْ مِّنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّانِيَةَ فَاَسْتَاْذِنُ

کی اجازت مانگوں گا[1] مجھے اجازت دی جاوے گی میں جب رب کو دیکھونگا تو سجدہ میں گر جاؤنگا پھر جتنا اللہ چاہے گا مجھے چھوڑے رکھے گا[2] پھر فرمائیگا اے محمد سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جائیگی شفاعت کرو قبول کی جاوے مانگو تم کو دیا جاویگا[3] فرمایا تو میں اپنا سر اٹھاؤنگا تو اللہ کی وہ حمد و ثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا[4] پھر شفاعت کروں گا میرے لیئے ایک حد مقرر کی جاوے گی میں وہاں سے چھوڑنگا انہیں آگ سے نکالوں گا اور جنت میں داخل کروں گا[5] پھر دوسری بار لوٹوں گا اپنے رب سے اس

[1] داره میں ہ کی ضمیر یا تو رب تعالٰی کی طرف ہے تو یہ اضافت عزت و شرف کی ہے یا شفاعت کی طرف یعنی میں اس شفاعت کی جگہ تشریف فرما ہوں گا یہ جگہ یا تو مقام محمود ہے یا مقام وسیلہ ہے یا عرش کے نیچے کوئی جگہ یا کوئی اور خاص جگہ جہاں صرف حضور کی رسائی ہے خیال رہے کہ لوگ تلاش کرتے کرتے حضور تک ایک ہزار سال میں پہنچیں گے۔

[2] رب تعالٰی بے حجاب حضور انور کو اپنا دیدار عطا کرے گا حضور سجدہ کریں گے یہ سجدہ شفاعت کبریٰ کی چابی ہے جس سے دروازہ شفاعت کھلے گا اور رب تعالٰی عدل سے فضل کی طرف توجہ فرمائے گا۔حضور کا سجدہ میں گرنا ہم گرتے ہوئے گنہگاروں کے سنبھلنے کا ذریعہ ہوگا یہ سجدہ عرض معروض کی اجازت حاصل کرنے کے لیے ہوگا۔جیسے شاہی دربار میں جب کچھ عرض کرنا ہو تو پہلے سلامی مجرا ادا کیا جاتا ہے حضور کا وہاں سے ہٹ کر یہاں آنا اس لیے ہے کہ وہ جگہ حساب کی تھی اور یہ جگہ اکرام و احترام کی یہ عرض اسی جگہ ہونی چاہیے تھی(مرقات)یہ سجدہ ایک ہفتہ کی برابر رہے گا۔

[3] اس سجدے سے دربار رحمت جوش میں آجاوے گا حکم ہوگا پہلے سر اٹھاؤ تم ہم کو دیکھو ہم تم کو دیکھیں پھر عرض کرو آج ہماری تمہاری بات آمنے ہوگی اللھم صلی علی سیدنا محمد وسلم [4] یعنی وہ حمد و ثنا مجھے بطور الہام مجھے وہاں ہی سکھائی جاوے گی ابھی ہم کو معلوم نہیں خیال رہے کہ رب تعالٰی کے اوصاف دنیا کے واقعات نہیں حضور کا علم دنیا کے واقعات کو محیط ہے نہ کہ صفات الہیہ کو لہذا یہ واقعہ علم غیب کے خلاف نہیں [5] یعنی یہ جگہ تو شفاعت کی تھی بخشش کی جگہ دوسری ہوگی چنانچہ ہم یہاں سے چل کر وہاں پہنچیں گے جہاں بخشش کا ظہور ہوگا حد مقرر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حکم ہوگا اپنی اتنی امت کو جنت میں داخل کردو معلوم ہوا کہ لوگ جنت میں حضور کے پہنچائے پہنچیں گے اپنے آپ نہ جائیں گے۔

عَلٰی رَبِّیْ فِیْ دَارِہٖ فَیُؤْذَنُ لِیْ عَلَیْہِ فَاِذَا رَأَیْتُہٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا فَیَدَعُنِیْ مَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ یَّدَعَنِیْ ثُمَّ یَقُوْلُ اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَہْ قَالَ فَارْفَعُ رَاْسِیْ فَاُثْنِیْ عَلٰی رَبِّیْ بِثَنَآءٍ وَّتَحْمِیْدٍ یُّعَلِّمُنِیْہِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَیَحُدُّ لِیْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَاُخْرِجُھُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُھُمُ الْجَنَّۃَ ثُمَّ اَعُوْدُ الثَّالِثَۃَ فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰی رَبِّیْ فِیْ دَارِہٖ فَیُؤْذَنُ لِیْ عَلَیْہِ فَاِذَا رَأَیْتُہٗ وَقَعْتُ سَاجِدًا

کے گھر میں اجازت مانگونگا[۱] مجھے وہاں کی اجازت دی جاوے گی جب میں رب کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا جتنا سجدے میں رہنا رب چاہیگا اتنا مجھے سجدے میں چھوڑے گا پھر فرمائیگا۔ محمد سر اٹھاؤ اور کہو تمہاری سنی جائیگی شفاعت کرو قبول کی جاویگی مانگو دیئے جاؤ گے فرمایا تب میں سر اٹھاؤنگا اپنے رب کی ایسی حمد و ثنا کرونگا جو مجھے سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا تو میرے لئے ایک حد مقرر کی جاویگی میں روانہ ہونگا۔ انہیں آگ سے نکالوں گا جب جنت میں داخل کرونگا[۲] پھر میں تیسری بار لوٹونگا اپنے رب سے اس کی جگہ میں اجازت مانگونگا مجھے اس پہ اجازت دی جاوے گی تو جب میں رب کو دیکھونگا تو سجدہ میں

۱؎ دارہ کی تحقیق ابھی کی جاچکی ہے کہ اس سے مراد ہے شفاعت کی جگہ یا اللہ کا گھر جو شفاعت کے لیے خاص کیا گیا۔ وسیلہ یا اور جگہ۔

۲؎ خیال رہے اس حدیث میں اختصار ہے حضور کی شفاعتیں چند ہوں گی پہلی شفاعت جس کی تمام دنیا طلبگار ہوگی وہ تو ہے حساب کتاب شروع کرانا لوگوں کو میدان محشر سے نجات دلانا یہ اس وقت ہوگی۔ جب کہ کوئی جنت یا دوزخ میں گیا ہوگا کہ ابھی تو حساب ہی نہیں ہوا ہے وہاں جانا کیسا اسی مطالبہ اور عرض معروض کا ذکر اول حدیث میں ہوا آخری شفاعت دوزخ میں گرے ہوئے مسلمانوں کو وہاں سے نکالنا اس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے یہ شفاعت سب سے آخر میں ہوگی۔ درمیان میں بہت سی شفاعتیں ہوں گی۔ کسی کا ہلکا پلہ بھاری کرنا۔ صراط پر گرتے ہوؤں کو سہارا دے کر گزار دینا بندھے ہوئے گنہگاروں کو کھلوا دینا پکڑے ہوئے گنہگاروں کو چھڑوا دینا ہم جیسے روسیاہوں کے منہ کی کالک صاف کرا کر چہرے اوجیالے کرا دینا وغیرہ ان شفاعتوں کا یہاں ذکر نہیں فرمایا گیا۔ ابتداء انتہاء کا ذکر ہے اس کی اور توجیہیں بھی کی گئی ہوں مگر مرقات نے اس کو ترجیح دی غرضکہ حدیث میں اختصار ہے ایسے اختصار قرآن مجید میں بہت ہیں۔

فَيَدَعُنِي مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ يَّدَعَنِي ثُمَّ يَقُوْلُ اِرْفَعْ مُحَمَّدُ وَقُلْ تُسْمَعْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ وَسَلْ تُعْطَهْ قَالَ فَاَرْفَعُ رَاْسِيْ فَاُثْنِيْ عَلٰى رَبِّيْ بِثَنَاءٍ وَّتَحْمِيْدٍ يُعَلِّمُنِيْهِ ثُمَّ اَشْفَعُ فَيَحُدُّ لِيْ حَدًّا فَاَخْرُجُ فَاُخْرِجُهُمْ مِنَ النَّارِ وَاُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ حَتّٰى مَا يَبْقٰى فِي النَّارِ اِلَّا مَنْ قَدْ حَبَسَهُ الْقُرْاٰنُ اَيْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْخُلُوْدُ ثُمَّ

گر جاؤنگا جب اللہ مجھے چھوڑے رکھنا چاہے گا چھوڑے رکھے گا [1] پھر فرمائے گا محمد سر اٹھاؤ کہو تمہاری سنی جاوے گی شفاعت کرو قبول کی جاوے گی مانگو تمہیں دیا جاویگا فرمایا تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا تو اپنے رب کی وہ حمد وثنا کروں گا جو وہ مجھے سکھائے گا پھر شفاعت کروں گا [2] تو میرے لئے ایک حد مقرر کی جاوے گی پھر میں وہاں سے روانہ ہونگا انہیں آگ سے نکالوں گا جنت میں داخل کروں گا حتی کہ آگ میں صرف وہ ہی رہ جائینگے جنہیں قرآن نے روکا یعنی جن پر ہمیشگی ضروری ہوگی [3] پھر آپ نے یہ

[1] ہم پہلے بحوالہ مرقات عرض کر چکے کہ حضور انور کے یہ سجدے ایک ایک ہفتہ کی بقدر رہوں گے یعنی اگر دن رات ہوتے تو فی سجدہ ایک ہفتہ گزرتا نہ معلوم اتنے دراز سجدوں میں حضور کیا کیا اور کیسی کیسی حمد کریں گے اور رب تعالٰی حضور کے کیسے کیسے درجے بلند فرمائے گا یہ تو یاد دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] معلوم ہوا کہ اس آخری شفاعت کے تین حصے ہوں گے ہر حصہ میں تمامی گنہگار دوزخ سے نکالے جائیں گے خیال رہے کہ فاستاذن علی ربی میں اس مقام شفاعت میں داخلہ کی اجازت مراد ہے اور یہاں سجدہ کے بعد جو اجازت ہے وہ شفاعت کی اجازت ہے لہذا فرمان عالی میں تکرار نہیں یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور کا ان دوزخیوں کو نکالنا بلاواسطہ بھی ہوگا اور بلواسطہ بھی یعنی بعض کو خود حضور انور نکالیں گے بعض کو حضور انور کے غلام یعنی مومنین لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ جنتی مومن دوزخ میں جاکر وہاں دوزخی مومنین کو نکالیں گے اولاً انہیں جن کے دل میں درہم برابر ایمان ہے پھر انہیں جن میں نصف درہم برابر ایمان ہے حتی کہ آخر میں انہیں جن میں رائی برابر ایمان ہے۔

[3] یعنی جن کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا کہ خالدین فیہا ابدا۔ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہو رہا ہے کہ دوزخ میں پہنچے ہوئے گنہگار مومنین کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضور کی امت کے اولیاء وعلماء نکالیں گے یہ مومنین خواہ امت محمدیہ کے ہوں یا دوسری امتوں کے سب کی رہائی حضور کی شفاعت سے ہوگی۔ دوسرے نبیوں کا گنہگاروں کو دوزخ سے نکالنا کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس امت کے گنہگاروں کو تو حضور انور اور آپ کے خدام نکالیں گے دوسری امتوں کے دوزخی گنہگاروں کو وہ حضرات نکالیں واللہ ورسولہ اعلم۔

تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا قَالَ وَ هٰذَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ الَّذِىْ وَعَدَهٗ نَبِيَّكُمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ
وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُهُمْ فِىْ بَعْضٍ فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰى رَبِّكَ فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِاِبْرَاهِيْمَ فَاِنَّهٗ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ فَيَاْتُوْنَ اِبْرَاهِيْمَ

آیت تلاوت کی قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر اٹھائے فرمایا یہ مقام محمود وہ ہے جس کا تمہارے نبی سے وعدہ فرمایا ہے [1] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگ بعض بعض میں مخلوط ہو جائیں گے [2] پھر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئینگے عرض کریں گے اپنے رب کی بارگاہ شفاعت کیجئے وہ فرمائیں گے کہ اس کے لیے نہیں لیکن تم حضرت ابراہیم کا دامن پکڑو کہ وہ اللہ کے خلیل ہیں [3] تو وہ حضرت ابراہیم کے پاس جائینگے

[1] ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی خود حضور انور کا اپنا ہے نبیکم فرمانا ایسا ہی ہے جیسے رب تعالٰی قرآن مجید میں فرماتا ہے قال اللہ ھذا یوم ینفع الصادقین صدقہم۔ یعنی کبھی متکلم اپنا نام یا اپنے القاب سے اپنا ذکر کرتا ہے اور ممکن ہے کہ یہ کلام کسی راوی کا ہو تب نبیکم فرمانا بالکل ظاہر ہے۔

[2] ماج بنا ہے موج سے بمعنی مخلوط ہونا بے قرار ہونا یعنی اولًا تو لوگ محشر میں اکیلے اکیلے حیران کھڑے ہوں گے بہت دراز عرصہ گزرنے پر بعض بعض سے ملیں گے اور مشورہ کریں گے اس ناس میں از آدم علیہ السلام تا روز قیامت سارے انسان داخل ہیں کافر ہوں یا مومن سوا حضرات انبیاء کرام کے تلاش شفیع کے لیے سب ہی نکلیں گے حضرات انبیاء کرام نہ نکلیں گے اور ممکن ہے کہ ان لوگوں میں وہ لوگ شامل نہ ہوں جو عرش الٰہی کے سایہ میں ہوں گے کیونکہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی جس کو دفع کرانے کے لیے شفیع کو تلاش کریں مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ یہ سارے لوگ ہی تلاش شفیع میں پھریں گے جو محشر میں گرفتار بلا ہیں وہ تو رہائی کے لیے شفیع ڈھونڈیں گے دوسرے لوگ رسائی کے لیے کہ حساب شروع ہو رب کا دیدار اس سے ہم کلامی نصیب ہو۔

[3] یہاں ایک واسطہ کا ذکر نہیں فرمایا یعنی نوح علیہ السلام کا حضرت آدم علیہ السلام بھیجیں گے نوح علیہ السلام کے پاس وہ بھیجیں گے ابراہیم علیہ السلام کے پاس مگر چونکہ حضرت آدم کے بھیجنے سے نوح علیہ السلام کے پاس گئے ہوں گے اس لیے نوح علیہ السلام کا یہ بھیجنا بالواسطہ آدم علیہ السلام کا بھیجنا ہے لہذا یہ حدیث گذشتہ کے خلاف نہیں وہاں تفصیل تھی اور یہاں اجمال ہے۔

فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُوْسٰى فَاِنَّهٗ كَلِيْمُ اللّٰهِ فَيَاتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَاِنَّهٗ رُوْحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ فَيَاتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَاتُوْنِيْ فَاَقُوْلُ اَنَا لَهَا فَاَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ اَحْمَدُهٗ بِهَا لَا يَحْضُرُنِي الْاٰنَ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَاَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ

وہ بھی کہیں گے میں اس کے لئے نہیں لیکن تم جناب موسیٰ کو پکڑو کہ وہ اللہ کے کلیم ہیں تو وہ حضرت موسیٰ کے پاس جائیں گے وہ بھی کہیں گے اس کے لئے میں نہیں لیکن تم حضرت عیسیٰ کو پکڑو کہ وہ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں تو لوگ حضرت عیسیٰ کے پاس جائیں گے وہ کہیں گے اس کیلئے میں نہیں ہوں لیکن تم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کرو[1] تو وہ میرے پاس آئیں گے میں فرماؤں گا ہاں میں اس کیلئے ہوں پھر میں اپنے رب سے اجازت مانگوں گا[2] مجھے اجازت ملے گی اور ایسی حمدیں مجھے الہام کرے گا جو ابھی میرے علم میں حاضر نہیں[3]۔ میں ان حمدوں سے حمد کرونگا اور رب کے لئے سجدہ میں گر جاؤں گا پھر کہا جائیگا اے محمد

[1] یہاں بھی کچھ اجمال ہے پہلے لوگ ان سے شفاعت کے لیے کہیں گے اس کے جواب میں آپ یہ فرمائیں گے لست لہا کا مطلب یہ ہے کہ شفاعت کبریٰ میرا کام نہیں اس درجہ میں میں نہیں ہوں یہ کوئی اور ہی کرے گا ہم شفاعت صغریٰ کریں گے۔

[2] حضور تک پہنچتے پہنچتے لوگوں کو ہزار سال تک لگ جائیں گے اتنی بڑی بھیڑ میں تلاش کرنا آسان نہیں ہے نہ معلوم یہ حضرات کہاں کہاں ملیں گے

[3] پہلے کہا جا چکا ہے کہ یہ اجازت اس جگہ داخل ہونے کی ہے نہ کہ عرض و معروض کرنے کی عرض و معروض کی اجازت تو سجدہ کرکے حاصل کی جاوے گی۔

[4] یعنی وہ صفات جن سے میں اس سجدے میں اللہ کی حمد کروں گا وہ مجھے ابھی نہیں بتائے گئے اس وقت ہی بتائے جائیں گے۔ خیال رہے کہ ہم بذات خود رب تعالٰی کی حمد نہیں کرسکتے جب تک کہ ہم کو حضور نہ سکھائیں ہماری حمد حضور کے سکھانے سے ہے اور حضور کی حمد رب تعالٰی کے سکھانے اور رب کی جیسی حمد حضور انور نے کی ہے اور کریں گے مخلوق میں سے کسی نے ایسی حمد نہ کی اسی لیے آپ کا نام احمد ہے اس سجدہ میں حضور انور رب کی بے مثال حمد کریں گے اور مقام محمود پر رب تعالٰی حضور انور کی ایسی حمد کرے گا جو کوئی نہ کرسکا ہو گا اس لیے حضور انور کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم خیال رہے کہ حضور انور کا علم واقعات کو گھیرے ہوئے ہے کہ ہر واقعہ حضور کے علم میں ہے مگر اللہ تعالٰی کے اوصاف کوئی نہیں گھیر سکتا کہ اس کے اوصاف غیر محدود ہیں۔ لہذا یہ واقعہ حضور کے علم غیب کلی کے خلاف نہیں۔

ارْفَعْ رَاسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَاسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ اَوْ خَرْدَلَةٍ مِّنْ اِيْمَانٍ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ فَاَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ

اپنا سر اٹھاؤ فرمایا تمہاری سنی جاوے گی مانگو دیے جاؤ گے شفاعت کرو قبول کی جاوے گی میں عرض کرونگا یا رب میری میری امت[1] تو فرمایا جاویگا جاؤ اس کو نکالو جس کے دل میں جو برابر ایمان ہو تو میں چلوں گا اور یہ عمل کرونگا پھر واپس لوٹونگا انہی حمدوں سے رب کی حمد کرونگا پھر اس کیلئے سجدہ میں گرونگا تو کہا جاویگا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی مانگو تمہیں وہ دیا جاوے گا شفاعت کرو قبول کی جاویگی تو میں عرض کروں گا یا رب میری امت میری امت تو کہا جاوے گا چلو اسے نکال لو جس کے دل میں ذرہ یا رائی کے دانہ برابر ایمان ہو[2][3] چنانچہ میں چلوں گا یہ عمل کروں گا پھر لوٹ کر آؤں گا تو رب کی انہیں حمدوں سے ثنا کروں گا۔

[1] یعنی میری امت کو بخش دے میری امت کو بخش دے اللہ تعالٰے نے ہر نبی رسول کو ایک ایک خصوصی دعا عطا فرمائی تھی۔ جس کی قبولیت کا پورا وعدہ فرمایا تھا سارے نبیوں نے اپنی دعائیں دنیا ہی میں مانگ لیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وہ دعا خاص محفوظ رکھی ہے اس دعا سے امت کی شفاعت فرمائیں گے یہ وہ ہی دعا ہے جس سے آپ شفاعت فرمارہے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] خیال رہے کہ ایمان واسلام میں مقدار کی زیادتی کمی ناممکن ہے کیونکہ یہ ایک بسیط چیز ہے جس کے اجزا نہیں ہاں کیفیات میں یا نتائج میں زیادتی کمی ہوسکتی ہے جیسے علم الیقین سے عین الیقین اور عین الیقین سے حق الیقین اعلٰی ہے مگر کیفیت میں نیز بعض مومنوں کو اعمال کی توفیق ملتی ہے بعض کو عرفان الٰہی یہ نتیجہ میں فرق ہے جو وغیرہ کا ذکر اسی فرق کی بنا پر ہے لہٰذا احادیث واضح ہے۔

[3] ذرہ سے مراد یا چھوٹی چیونٹی ہے یا ریت کا ذرہ یا ہباء منثور یعنی جو اندھیری کوٹھری میں کسی روزن سے دھوپ آنے سے اس میں باریک باریک روئیں اڑتے نظر آتے ہیں بہرحال مقصود ہے ایمان کا ادنٰی درجہ ہے جس کے ساتھ اور کوئی نیکی نہ ہو۔

ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فَیُقَالُ اِنْطَلِقْ فَاَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِیْ قَلْبِهٖ اَدْنٰی اَدْنٰی مِثْقَالَ حَبَّةٍ خَرْدَلَةٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَاَخْرِجْهُ مِنَ النَّارِ فَاَنْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ

پھر اس کے لئے سجدہ میں گر جاؤں گا تو کہا جاوے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی مانگو تمہیں دیا جاوے گا شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں کہوں گا یارب میری امت میری امت فرمایا جاوے گا لے جاؤ اسے نکال لو جس کے دل میں رائی کے دانہ سے کمتر ایمان ہو چنانچہ میں جاؤں گا اسے آگ سے نکال لاؤں گا چنانچہ ہم جائیں گے اور یہ کام کریں گے ۱ پھر میں

۱ حمد الٰہی وہ ہی ہوگی شفاعت کے الفاظ بھی وہ ہی ہوں گے مگران سے فائدہ اٹھانے والے جداگانہ پہلی بار اور لوگ نکالے گئے اس بار دوسرے لوگ ہر بار میں مختلف گنہگار بخشے جائیں گے جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے۔

۲ اس پوری حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں تشریف لے جائیں گے جس سے پتہ لگا کہ حضور ہم گنہگاروں کی خاطر ادنی جگہ پر تشریف لے جائیں گے اگر آج میلاد شریف یا مجلس ذکر میں حضور تشریف لاویں تو ان کے کرم سے بعید نہیں اس سے ان کی شان نہیں گھٹتی ہمارے اور ہمارے گھروں کی شان بڑھ جاتی ہے۔ ؎

ز شان و شوکت سلطان نہ گشت چیزے کم ز التفات بمہمان سرائے دہقانے
کلاہ گوشہ دہقان بہ آفتاب رسید کہ سایہ بر سرش افگند چوں تو سلطانے

ہم نے عرض کیا ہے شعر

جو کرم سے اپنے شاہ امم رکھیں مجھ غریب کے گھر قدم مرے شاہ کی نہ ہو شان کم کہ گدا یہ ان کا پیار ہے
دے مجھ غریب کا غمکدہ بنے رشک خلد بریں شہا کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شاہ وہ جو گنوار ہے

دوسرے یہ کہ دوزخ کی آگ نور میں اثر نہیں کرسکتی حضور نور ہیں آگ سے تکلیف حضور کو نہیں پہنچ سکتی ہمارا نور نظر آگ سے نہیں جلتا۔ بلکہ حضور کے خاص خدام بھی شفاعت کرنے دوزخ سے نکالنے کے لیے دوزخ میں کود جائیں گے انہیں بھی آگ نقصان نہیں دے گی تیسرے یہ کہ رب تعالٰی ہے بخشنے والا رحمت فرمانے والا مگر اپنی ساری نعمتیں حضور کی معرفت دیتا ہے دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ان لوگوں کو دوزخ سے رہائی دی دنیا میں بھی ہم کو قرآن۔ ایمان۔ اسلام۔ عرفان جو کچھ دیا سب رب نے دیا حضور انور کے ذریعہ دیا بغیر ان کے واسطے کے کسی کو کچھ نہیں دیتا۔ شعر

اَعُوْدُ الرَّابِعَةَ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهٗ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ يَا رَبِّ ائْذَنْ لِيْ فِيْمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ

چوتھی بار لوٹوں گا اور رب تعالٰی کی حمد و ثنا انہیں محامد سے کروں گا۔ پھر میں اس کے حضور سجدہ کناں کروں گا تو کہا جاوے گا۔ اے محمد سر اٹھاؤ کہو سنی جاوے گی مانگو دیئے جاؤ گے شفاعت کرو قبول کی جاوے گی تو میں عرض کروں گا یارب مجھے اس کے متعلق اجازت دے جس نے لا الہ الا اللہ کہا ہو ۱ؔ رب فرمادے گا یہ

۱ؔ حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصری ہے — کہ بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے

حضور کی شفاعت پہلے ہوئی گنہگار کی رہائی بعد میں بلکہ رہائی شفاعت کی وجہ سے ہوتی۔ چوتھے یہ کہ شرعی ایمان والوں کی حضور صرف شفاعت ہی نہیں کریں گے بلکہ شفاعت بھی کریں گے اور دستگیری بھی سجدہ کرکے عرض معروض کرنا شفاعت ہے دوزخ میں جاکر انہیں نکالنا دستگیری ہے۔ حضور دستگیر دوجہاں ہیں جو انہیں دستگیر مددگار نہ مانے وہ اس فرمان عالی کا منکر ہے۔ پانچویں یہ کہ ایمان شرعی والوں کی حضور شفاعت و دستگیری دونوں کریں گے جن کا ایمان شرعی نہ تھا ان کی شفاعت تو فرمائیں گے دستگیری نہیں جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۱ؔ خیال رہے کہ یہ چوتھی شفاعت ان لوگوں کے لیے ہے جو دنیا میں شرعی مومن نہ تھے عنداللہ مومن تھے ورنہ شرعی مومن تو ادنیٰ سے ادنیٰ بھی پہلے تین شفاعتوں سے دوزخ سے رہا کردیئے گئے ہیں اب یہ وہ ہی لوگ ہیں جو شرعًا مومن تھے ہی نہیں عنداللہ مومن تھے۔

۲ؔ اس کے متعلق بڑی گفتگو ہے کہ یہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کون لوگ ہیں بعض شارحین نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو عمر بھر کافر رہے مرتے وقت مومن ہوکر مرے عمل کوئی نہ کیا بعض نے فرمایا کہ یہ گذشتہ امتوں کے کلمہ گو گنہگار لوگ ہیں نہ کہ حضور کی امت کے یہ مرقات نے فرمایا مگر یہ دونوں توجیہیں کچھ ضعیف سی ہیں کیونکہ یہ دونوں تو مومن ہیں بلکہ پہلا شخص بے گناہ مومن ہے کہ اسے گناہ کا وقت نہیں ملا فقیر کے نزدیک یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں ایمان تھا مگر زبان سے اس کا اقرار نہیں کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک مومن ہیں شریعت میں کافر۔ جیسے ابوطالب وغیرہ انہیں شریعت میں ساترکہتے ہیں اور جس کے زبان پر ایمان ہو دل میں کفر اسے منافق کہتے ہیں اور جو دل و زبان دونوں کا مومن ہو اسے مخلص مومن اور جو دل و زبان دونوں کا کافر ہو اسے مجاہر کہا جاتا ہے فیمن قال میں قول سے مراد دلی قول ہے یعنی ماننا اور لا الہ الا اللہ سے مراد سارے اسلامی عقیدے ہیں لہذا حدیث بالکل واضح ہے اس میں منافقین یا دوسرے توحیدی عقیدہ رکھنے والے کفار داخل نہیں صرف ساترین مراد ہیں لہذا موجودہ مرزائی چکڑالوی وغیرہ اس سے خارج ہیں۔

لَكَ وَلٰكِنْ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكِبْرِيَائِيْ وَعَظْمَتِيْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ اَوْمِنْ نَفْسِهٖ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَعَنْهُ قَالَ اُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

تمہارا نہیں لیکن میری عزت و جلالت اور کبریائی کی اور میری عظمت کی قسم میں وہاں سے اسے دونگا جس نے کہا لاالہ الا اللہ ۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے جناب ابوہریرہ سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا لوگوں میں زیادہ کامیاب میری شفاعت سے قیامت کے دن ۲؎ وہ ہوگا جس نے اپنے خالص دل یا خالص نفس سے کہا لاالہ الا اللہ ۳؎ (بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ

۱؎ یعنی ان ساترین کے متعلق تمہاری یہ چوتھی شفاعت قبول ہے مگر نہیں نکالنے کے لیے آپ کو تکلیف نہیں دی جائیگی کیونکہ وہ صراحۃً آپ کی امت میں داخل نہیں ہوئے اور دنیا میں ان پر شریعت کے احکام جاری نہیں ہوئے حتی کہ ان کا اسلامی کفن دفن نہیں کیا گیا آج بھی مخلص مومن اور ان ساترین تمہاری شفاعت سے تو نکلیں گے مگر تمہارے ہاتھوں سے نہیں کیونکہ دنیا میں ان کے ہاتھ میں تمہارا ہاتھ نہ تھا ہماری اس شرح سے پتہ لگا کہ یہ لوگ بھی حضور کی شفاعت سے ہی نکلے شفاعت سے کوئی بے نیاز نہیں اس لیے انہیں اس سجدہ سے اور شفاعت سے پہلے دوزخ سے نہیں نکالا گیا۔

۲؎ یعنی میری شفاعت سے ہر انسان کو حصہ ملے گا کافر ہو یا مومن مخلص ہو یا منافق مگر پورا بہرہ ور میری شفاعت سے مومن ہی ہوں گے کہ وہ اس کی برکت سے دوزخ سے نجات پا جائیں گے عام کفار شفاعت کی وجہ سے محشر کی تکلیف سے نجات پائیں گے اور بعض کفار کے عذاب ہلکے ہوجائیں گے اس لیے یہاں اسعد فرمایا گیا (مرقات) اس کی اور بہت شرحیں کی گئی ہیں۔

۳؎ لاالہ الا اللہ کہنے سے مراد ہے سارے عقائد اسلامیہ کا اقرار کرنا جیسے کہا جاتا ہے نماز میں الحمد پڑھنا واجب ہے یعنی پوری سورۂ فاتحہ پڑھنا۔ خالصًا فرما کر منافقین کو علیحدہ فرمادیا کہ وہ صرف زبان سے اسلام مانتے ہیں دل میں کافر ہوتے ہیں اخلاص کے ساتھ قلب کا ذکر صرف تاکید کے لیے ہے ورنہ اخلاص تو دل سے ہی ہوتا ہے جیسے رب فرماتا ہے آثم قلبہ (مرقات)

وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ اِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا نَهْسَةً ثُمَّ قَالَ اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَتَدْنُو الشَّمْسُ فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيْقُوْنَ فَيَقُوْلُ النَّاسُ اَلَا تَنْظُرُوْنَ مَنْ يَّشْفَعُ لَكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ وَذَكَرَ حَدِيْثَ الشَّفَاعَةِ وَقَالَ فَاَنْطَلِقُ فَاٰتِيْ

وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ کی خدمت میں دستی پیش کی گئی حضور کو دستی پسند تھی [1] تو آپ نے اس میں سے نوچ کر کھایا [2] پھر فرمایا میں قیامت کے دن لوگوں کا سردار ہوں [3] جس دن لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے [4] اور سورج قریب ہوگا لوگوں کو اس قدر غم و تکلیف پہونچے گی جس کی وہ طاقت نہ رکھیں گے [5] پھر لوگ کہینگے تم کسی ایسے شخص کو کیوں نہیں دیکھتے جو تمہارے رب کی بارگاہ میں تمہاری شفاعت کرے [6] چنانچہ وہ آدم علیہ السلام کے پاس آئینگے اور شفاعت کی حدیث ذکر فرمائی اور فرمایا کہ پھر میں چلوں گا۔ تو

[1] دستی کا گوشت بے ریشہ ہوتا ہے اور نرم بھی مزے دار بھی جلد گل جاتا ہے سارے جانور میں یہی گوشت بہت اچھا ہوتا ہے۔

[2] نہس خالی سین سے اگلے دانتوں سے نوچنا اور نہش نقطہ والے شین سے ڈاڑھوں سے گوشت نوچنا یعنی ہڈی سے بوٹی چھوڑانا دونوں لفظ روایات میں وارد ہیں۔

[3] اس ناس میں سارے انسان داخل ہیں حضرات انبیاء کرام اور ان کی ساری امتیں اگرچہ حضور ہمیشہ سے ہی ساری مخلوق کے سردار ہیں مگر اس سرداری کا ظہور قیامت کے دن ہوگا کہ سارے لوگ آپ سے شفاعت کی درخواست کریں گے اور سب حضور کا منہ تکیں گے کوئی آپ کی سرداری کے انکار کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا کفار بھی اس کا اقرار کریں گے اور نادم ہوں گے اس لیے یوم القیامت کا ذکر فرمایا۔

[4] یہ یوم القیامۃ کا بیان ہے چونکہ یہ حاضری بارگاہ قیامت کا مقصود ہے اس لیے اس کا ذکر پہلے فرمایا ورنہ قیامت میں اور بھی کام ہوں گے جیسے کہ آگے سے معلوم ہو رہا ہے

[5] گرمی کی شدت کا یہ حال ہوگا کہ انسان کا پسینہ ستر گز زمین میں جذب ہو کر اس کے منہ کی لگام بن جائے گا یعنی منہ تک پسینہ میں آدمی ڈوبا ہوگا۔

[6] معلوم ہوا کہ قیامت کے کاروبار کی ابتداء توسل یعنی وسیلہ کی تلاش سے ہوگی آج جو حضور کے وسیلہ کے منکر ہیں وہ بھی یہ ہی کام پہلے کریں گے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔ شعر

ہم بھی محشر میں سیر دیکھیں گے
نجدی آج ان سے التجا نہ کرے

تَحْتَ الْعَرْشِ فَاَقَعُ سَاجِدًا لِّرَبِّیْ ثُمَّ یَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَیَّ مِنْ مَّحَامِدِهٖ وَحُسْنِ الثَّنَآءِ عَلَیْهِ شَیْئًا لَمْ یَفْتَحْهُ عَلٰی اَحَدٍ قَبْلِیْ ثُمَّ قَالَ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ وَسَلْ تُعْطَهٗ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَرْفَعُ رَاْسِیْ فَاَقُوْلُ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ اُمَّتِیْ یَا رَبِّ فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اَدْخِلْ مِنْ اُمَّتِكَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَیْهِمْ مِنَ الْبَابِ الْاَیْمَنِ مِنْ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ وَهُمْ شُرَکَآءُ النَّاسِ

عرش کے نیچے پہونچوں گا پھر اپنے رب کے حضور سجدہ میں گروں گا[1] پھر اللہ مجھ پر اپنے وہ حمد وہ اچھی ثنائیں کھولے گا۔ جو مجھ سے پہلے کسی پر نہ کھولے تھے[2] پھر فرمائے گا اے محمد اپنا سر اٹھاؤ مانگو دیئے جاؤ گے شفاعت کرو قبول کی جاوے گی[3] تو میں اپنا سر اٹھاؤں گا عرض کروں گا یارب میری امت میری امت تو کہا جاوے گا[4] اے محمد اپنی امت میں سے ان لوگوں کو جن پر حساب نہیں[5] جنت کے دروازوں میں سے داہنے دروازے سے داخل کرو اور یہ لوگ دروازوں میں

[1] یہاں جہاں مجھے لوگ پائیں گے اور ساری مخلوق مجھے گھیرے گی وہاں سے روانہ ہو کر اپنے مقام شفاعت میں پہنچوں گا۔ جو میرے لیے خاص تیار کیا گیا ہے غالب یہ ہے کہ حضور انور ان سب کو لے کر وہاں پہنچیں گے واللہ ورسولہ اعلم وہ نظارہ عجیب ہوگا۔

[2] یعنی اس دن جیسی حمد اپنے رب کی میں کروں گا ایسی حمد مخلوق الٰہی میں کسی نے نہیں کی ہوگی یہ حمد مجھے میرا رب بطور الہام سکھائے گا۔

[3] اسے کہتے ہیں عرض سے پہلے قبولیت ابھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعا کے لیے لب نہیں ہلائے کہ قبولیت کا رب نے فرمالیا۔

[4] ہم پہلے عرض کرچکے ہیں یہاں عبارت میں اجمال ہے ابتداء ہوئی شفاعت عامہ کے ذکر سے اور انتہا ہوئی شفاعت خاصہ کے ذکر پر یہ شفاعت اپنی امت کو جنت میں پہنچانے کی ہے عام لوگوں کے لیے شفاعت محشر سے نجات دلانے کی ہوگی۔

[5] اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا حساب نہ ہوگا بعض بے حساب جنت میں بھیجے جائیں گے جو دنیا میں اپنا حساب خود لیتا رہے گا اس کا حساب یا تو ہوگا نہیں یا ہوگا تو ہلکا ہوگا۔

فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ مِنَ الْاَبْوَابِ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَعَنْ حُذَيْفَةَ فِيْ حَدِيْثِ الشَّفَاعَةِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَتَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَشِمَالًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

برابر کے حقدار ہیں پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جنت کے دروازوں میں سے ایک کی دو چوکھٹوں کے درمیان [۱] اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ معظمہ اور ہجر کے درمیان ہے [۲] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت حذیفہ سے شفاعت کی حدیث کے بارے میں وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی [۳] فرمایا کہ امانت اور رحمی رشتے بھیجے جائیں گے [۵] وہ پلصراط کے دونوں طرف داہنے بائیں کھڑے ہوں گے [۶] (مسلم)

[۱] یعنی ان بے حساب جنتیوں کے لیے ایک دروازہ خاص ہے جس سے دوسرے جنتی داخل نہیں ہو سکتے مگر یہ حضرات ان دروازوں سے جا سکتے ہیں جیسے ریل کا فسٹ کلاس کا مسافر ہر درجہ میں سفر کر سکتا ہے مگر تھرڈ والے فسٹ میں سفر نہیں کر سکتے۔

[۲] ایک دروازے کے حصے ہوں تو ہر حصہ مصرع کہلاتا ہے اس سے مقصود ہے دروازہ جنت کی چوڑائی بیان کرنا۔

[۳] ہجر مدینہ منورہ کے علاقہ میں ایک گاؤں کا نام بھی ہے اور بحرین کے ایک شہر کا نام بھی یہاں یہ ہی شہر مراد ہے جو بحرین میں ہے۔ اس تشبیہ سے مقصود ہے اس دروازے کی فراخی بیان فرمانا حد بندی فرمانا مقصود نہیں (اشعہ۔ مرقات)

[۴] حضرت حذیفہ نے پوری حدیث شفاعت بیان کی اس طرح جو ابھی ذکر کی گئی مگر اس حدیث میں یہ زیادتی اور ہے۔

[۵] امانت داری مومن کی ایک پاکیزہ صفت ہے اس کی بہت قسمیں ہیں بات کی مال کی عزت و آبرو کی۔ امانت داری کا مقابل ہے۔ خیانت جو انسان کا بڑا عیب ہے رحم سے مراد ہے آپس کی نسبی قرابت داریاں یہ بہت قسم کی ہیں یہ دونوں شکل والی چیزیں ہوں گی وہاں اوصاف اعراض کی شکلیں ہوں گی وہ کلام کریں گی۔

[۶] یہ ان دونوں وصفوں کی انتہائی تعظیم ہوگی کہ ان دونوں کو پل صراط کے آس پاس کھڑا کیا جاوے گا شفاعت اور شکایت کے لیے کہ ان کی شفاعت پر نجات ان کی شکایت پر پکڑ ہوگی۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ انسان امانت داری اور رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی ضرور اختیار کرے کہ ان دونوں میں کوتاہی کرنے پر سخت پکڑ ہے ان کی شفاعت پر دوزخ سے نجات ہے ان کی شکایت پر وہاں گرتا ہے۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ تَعَالٰى فِي اِبْرَاهِيْمَ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَقَالَ عِيْسٰى اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ فَرَفَعَ يَدَيْهِ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ وَبَكٰى فَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى يَا جِبْرِيْلُ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَرَبُّكَ

روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے رب تعالٰی کا یہ کلام تلاوت کیا ۱ جو حضرت ابراہیم کے متعلق ہے ۲ یا رب ان بتوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا تو جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہو گیا ۳ اور جناب عیسٰی کہینگے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں ۴ تو حضور نے اپنے ہاتھ اٹھائے عرض کیا الٰہی میری امت اور روئے ۵ تو اللہ تعالٰے نے فرمایا اے جبریل جناب محمد کے پاس جاؤ تمہارا رب

۱ ظاہر یہ ہے کہ حضور انور نے نماز کے باہر یہ آیت کریمہ سورۂ ابراہیم کی تلاوت فرمائی جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۲ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عرض معروض بیان فرما رہا ہے جو آپ قیامت میں بطور شفاعت عرض کریں گے کہ خدایا جن لوگوں نے میری اطاعت کی وہ تو میرے ہو چکے تو انہیں میرے طفیل بخش دے اور جنہوں نے میری نافرمانی کی تو مولے تو گنہگاروں کا بخشنے والا ہے غرضکہ شکایت ان کی بھی نہیں کی انہیں بھی بد دعا نہ دی یہ ہے شان جمالی۔

۳ اس پوری آیت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی شفاعت کا ذکر ہے وہ بھی جمال الٰہی کے مظہر ہیں آپ کی عرض بھی یہ ہے کہ میرے مولٰی اگر تو ان گنہگاروں کو عذاب دے تو تو ان کا رب ہے وہ تیرے بندے کون تجھے عذاب سے روک سکتا ہے اور تو انہیں معافی دیدے تو تو عزیز ہے حکیم ہے تیرے ہر کام میں حکمت ہے تو سب پر غالب ہے جسے جو چاہے دیدے تجھ سے کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

۴ یعنی ان دو محبوب نبیوں کی شفاعت کا ذکر پڑھا تو شفیع المذنبین کا دریائے رحمت جوش میں آگیا اپنی گنہگار امت یاد آگئی اور اس وقت شفاعت فرمائی معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جیسی آیت تلاوت کرے اسی طرح کی دعا مانگے یہ سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم دعا کے وقت رونا علامت قبولیت ہے پھر حضور انور کا رونا حضور کے آنسو سبحان اللہ حضور کا رونا ہماری ہنسی و خوشی کا ذریعہ ہے بادل روتا ہے تو چمن ہنستا ہے۔ شعر

تانہ گریہ ابر کے خندد چمن — تا بہ گرید طفل کے جوشد لبن

أَعْلَمُ فَسَلْهُ مَا يُبْكِيهِ فَأَتَاهُ جِبْرَئِيلُ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا قَالَ فَقَالَ اللّٰهُ لِجِبْرَئِيلَ اِذْهَبْ اِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ اِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْئُكَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَعَنْ اَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ اَنَّ نَاسًا قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

خوب جانتا ہے مگر ان سے پوچھو انہیں کیا چیز رلا رہی ہے[1] تو حضور کے پاس حضرت جبریل آئے حضور سے پوچھا انہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی عرض ومعروض کی خبر دی[2] تو اللہ تعالٰی نے حضرت جبریل سے فرمایا تم جناب محمد کے پاس جاؤ کہو کہ ہم تم کو تمہاری امت کے معاملہ میں راضی کریں گے تمہیں غمگین نہ کریں گے[3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابو سعید خدری سے کہ کچھ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے رسول اللہ صلے اللہ

۱؎ سبحان اللہ کس ناز کا سوال ہے خود جانتا ہے مگر پوچھتا ہے تاکہ محبوب صراحۃً زبان پاک سے شفاعت کریں اور امت گنہگار کی مشکلیں حل ہوں دریائے بخشش الٰہی جوش میں آئے۔

۲؎ کہ امت کی نگرانی کا غم میرے رونے کا سبب ہے۔ خیال رہے کہ رونا بہت قسم کا ہے ان تمام قسموں میں افضل حضور کا شفاعت امت کے لیے رونا ہے۔

۳؎ یعنی آپ اپنی امت کے متعلق جو چاہیں گے جو کہیں گے ہم وہ ہی کریں گے احادیث میں ہے کہ اس پر حضور انور نے عرض کیا کہ تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گا جب تک کہ میرا ایک امتی بھی دوزخ میں ہو خدا کرے ہم امتی رہیں (اشعہ، مرقات) نے بھی اسی کے قریب فرمایا یہاں مرقات نے شفاعت ابراہیمی شفاعت عیسوی اور شفاعت محمدی میں بہت ہی شاندار فرق بیان فرمایا کہ ان حضرات نے اجمالی شفاعت کی مگر حضور انور نے اپنی امت کا نام لے کر تفصیلی شفاعت فرمائی کہ گنہگار ہو مگر میرا امتی ہو اسے بخش دے۔ شعر

خاک او باش و بادشاہی کن   آن او باش ہر چہ خواہی کن

نیز اس شفاعت میں اگر مگر نہیں جزم کے ساتھ دعا ہے کہ اسے ضرور بخش دے اس حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی شان امت پر بڑا کرم امت محمدیہ کا بڑا خوش نصیب ہوتا معلوم ہوا سارے بندے اللہ کی رضا چاہتے ہیں اللہ تعالٰے حضور کو راضی کرنا چاہتا ہے اس کی تائید یہ آیت کر رہی ہے ولسوف یعطیك ربك فترضٰی حضرت ابو بکر صدیق کے لیے بھی فرمایا ولسوف یرضٰی۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ هَلْ تُضَارُّوْنَ فِي رُؤْيَةِ الشَّمْسِ بِالظَّهِيْرَةِ صَحْوًا لَيْسَ مَعَهَا سَحَابٌ وَهَلْ تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ صَحْوًا لَيْسَ فِيْهَا سَحَابٌ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِلَّا كَمَا تُضَارُّوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ اَحَدِهِمَا اِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

علیہ وسلم نے فرمایا ہاں[1] کیا تم صاف دوپہری میں جب سورج کے ساتھ بادل نہ ہو سورج کے دیکھنے میں شک کرتے ہو[2] اور کیا تم چودھویں صاف رات میں جبکہ چاند کے ساتھ بادل نہ ہو چاند دیکھنے میں شک کرتے ہو عرض کیا یا رسول اللہ نہیں[3] فرمایا تم قیامت کے دن اللہ کے دیدار میں نہیں شک کرو گے مگر ایسا جیسے ان دونوں میں سے ایک کے دیکھنے میں شک کرتے ہو[4] جب قیامت کا دن ہوگا تو اعلانچی اعلان

۱؎ خیال رہے کہ قیامت میں حساب کے وقت سارے بندے رب کو دیکھیں گے مومن ہو یا کافر مگر مومن بشان رحمت دیکھیں گے اور کافر بشان غضب جیسا کہ پچھلی حدیث میں گزر چکا۔ پھر اس کے بعد جنتی تو رب تعالٰی کو دیکھا کریں گے کوئی تو جب چاہیں اور کوئی روز ایک بار کوئی ہفتہ میں ایک بار کوئی مہینہ میں کوئی سال میں ایک بار کوئی اس سے زیادہ عرصہ میں مگر دوزخی لوگ دیدار سے محروم رہیں گے رب تعالٰی فرماتا ہے۔ انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔ جنتیوں کے بارے میں فرماتا ہے الی ربھم ناظرۃ۔ غالبًا یہاں سوال قیامت کے دن کے دیدار کے متعلق ہے۔ جنتی عورتوں۔ فرشتوں۔ مغفور جنات کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں انہیں بھی دیدار ہوگا۔ بعض کہتے ہیں نہیں ہوگا۔ (مرقات)

۲؎ تضارون باب مفاعلت کا مضارع معروف ہے ضائر یضار۔ مضاراۃ کے معنی ہیں اژدحام اور بعض میں پھنس جانا پھر شک کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ کیونکہ بھیڑ میں کوئی چیز صحیح نہیں دیکھی جاتی صحو کے معنی ہیں صاف جبکہ آسمان پر بادل نہ ہو تو اسے صحو کہتے ہیں۔

۳؎ سبحان اللہ کیسی پیاری تشبیہ ہے۔ جس میں یقینی دیدار کی مثال دے کر سمجھایا گیا۔ خیال رہے کہ قمر عام ہے اور ہلال۔ بدر۔ محق خاص ہے

۴؎ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کے دیکھنے میں تو شک ہوتا نہیں تو یقینًا رب تعالٰی کے دیدار میں بھی شک نہیں ہوگا۔

لِتَتَّبِعْ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ فَلَا يَبْقَى أَحَدٌ كَانَ يَعْبُدُ غَيْرَ اللهِ مِنَ الْأَصْنَامِ وَالْأَنْصَابِ إِلَّا يَتَسَاقَطُوْنَ فِي النَّارِ حَتّٰى إِذَا لَمْ يَبْقَ إِلَّا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللهَ مِنْ بَرٍّ وَفَاجِرٍ أَتَاهُمْ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ قَالَ فَمَاذَا تَنْتَظِرُوْنَ يَتْبَعُ كُلُّ أُمَّةٍ مَا كَانَتْ تَعْبُدُ

کرے گا کہ ہر گروہ اس کے پیچھے جائے جس کی وہ پرستش کرتا تھا[1] تو جو بھی اللہ کے سوا بتوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے اس میں سے کوئی نہ بچے گا مگر دوزخ میں گر جائیں گے[2] حتی کہ جب ان نیک و بدوں کے سوا، جو اللہ کی عبادت کرتے تھے کوئی نہ بچے گا تو ان کے پاس رب العالمین آئیگا[3] فرمائیگا تم کیا انتظار کررہے ہو ہر امت اپنے معبود کے ساتھ جارہی ہے[4]

[1] خیال رہے کہ قیامت میں رب کا دیدار دو بار ہوگا پہلی بار تو حساب کے وقت جیسا کہ پہلے گزر چکا دوسری بار حساب سے فارغ ہوکر یہ دوسرا دیدار صرف مسلمانوں کو ہی ہوگا کفار کو نہ ہوگا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے لہذا یہ حدیث پچھلی احادیث کے خلاف نہیں اس موقعہ پر بت پرستوں کے تمام بت حتی کہ سورج۔ چاند بھی وہاں موجود ہوں گے۔ خیال رہے کہ حضرت عیسٰی و مریم کو عیسائیوں نے اور حضرت عزیر کو یہود نے نہیں پوجا بلکہ ان کے فوٹوؤں کو اور صلیب کو پوجا تھا وہ لوگ ان تصویروں اور صلیب کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ پھر تو چاہیے کہ یہ حضرات بھی دوزخ میں جائیں کہ انہیں یہود یا عیسائیوں نے پوجا تھا۔

[2] بتوں میں سورج، چاند بھی داخل ہیں کہ ان کی پرستش بھی ہوتی تھی خیال رہے کہ یہ چیزیں دوزخ میں جائیں گی مگر سزا پانے کے لیے نہیں بلکہ دوزخیوں کو سزا دینے کے لیے حتی کہ سورج کی گرمی آگ کی گرمی سے مل کر ان لوگوں کی تکلیف کو اور بھی زیادہ کردے لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ ان پتھروں بتوں کو بلا قصور دوزخ میں کیوں ڈالا گیا اسی طرح دوزخ میں مقرر شدہ فرشتے عذاب دیں گے عذاب پائیں گے نہیں۔

[3] رب تعالٰی کے آنے سے مراد ہے اس کا حکم آنا یا یہ متشابہات میں سے ہے اس ظاہری آنے جانے سے رب پاک ہے۔

[4] یعنی تم لوگ بھی ان سے کسی کے ساتھ کیوں نہیں جاتے رب تعالٰی کا یہ سوال اس کی بے علمی کی بنا پر نہیں بلکہ اس جواب کے لیے ہے جو وہ دے رہے ہیں خیال رہے کہ مشرکین تو اپنے معبودوں کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے مومن اپنے نبیوں کے ساتھ اور یہ امت اپنے حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں جاویں گے۔ رہے توحیدی کفار یا دہریے کفار جو بت پرستی نہیں کرتے تھے انہیں فرشتے ہانک کر دوزخ میں ڈالیں گے لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دہریے اور توحیدیے کفار کس کے ساتھ جائیں۔

قَالُوْا یَا رَبَّنَا فَارَقْنَا النَّاسَ فِی الدُّنْیَا اَفْقَرَ مَا کُنَّا اِلَیْہِمْ وَلَمْ نُصَاحِبْہُمْ وَفِی رِوَایَۃِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ فَیَقُوْلُوْنَ ھٰذَا مَکَانُنَا حَتّٰی یَاْتِیَنَا رَبُّنَا فَاِذَا جَاءَ رَبُّنَا عَرَفْنَاہُ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ سَعِیْدٍ فَیَقُوْلُ ھَلْ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَہٗ اٰیَۃٌ تَعْرِفُوْنَہٗ فَیَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَیُکْشَفُ عَنْ سَاقٍ فَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ اللہَ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِہٖ اِلَّا اَذِنَ اللہُ لَہٗ

یہ عرض کریں گے یارب ہم نے دنیا میں ان لوگوں کو چھوڑے رکھا جب کہ ہم ان کے بہت حاجت مند تھے اور ہم ان کے ساتھ نہ رہے[1] اور جناب ابوہریرہ کی روایت میں ہے کہ کہیں گے یہ ہی ہماری جگہ ہے حتی کہ ہمارے پاس ہمارا رب آئے پھر جب ہمارا رب جلوہ گر ہوگا ہم اسے پہچان لیں گے[2] اور جناب ابوسعید کی روایت میں ہے کہ رب فرمائیگا کہ کیا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی نشانی کہ تم اسے پہچان لوگے وہ کہیں گے ہاں[3] تو رب پنڈلی کھولیگا[4] تو ان میں سے جو دل کے اخلاص سے رب کو سجدہ کرتے تھے کوئی نہ بچے گا مگر اللہ اسے سجدہ کی اجازت دیگا[5]

[1] یعنی جب ہم دنیا میں کفار سے الگ رہے تو اب بھی ان سے الگ ہی رہیں گے وہاں تو ہم کو ان کے ساتھ رہنے کی ضرورت بھی تھی یہاں تو ہم ان سے بے نیاز ہیں ان کے ساتھ ہم کیوں جائیں۔

[2] یہاں آنے سے مراد تجلی فرمانا اپنا جمال دکھانا ہے۔ خیال رہے کہ مسلمان قبر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اور قیامت میں رب تعالٰے کو تعلق ایمان سے پہچانیں گے اگرچہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی دیدار نہ کیا تھا وہاں پہچان رشتہ ایمان سے ہوگی۔

[3] وہ علامت ونشانی محبت الٰہی ہے جو ایمان وعرفان کا نتیجہ ہے اس ذریعہ سے ہم رب تعالٰے کو پہچان لیں گے۔

[4] پنڈلی کھولنے کی بہت توجیہیں کی گئی ہیں مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ متشابہات میں سے ہے رب تعالٰے پنڈلی وغیرہ سے پاک ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے ان لوگوں کی پنڈلی مراد ہے یعنی ان پر ایسی تکلیف نازل ہوگی کہ ان کی پنڈلی کھل جائے گی۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے رب تعالٰے کی پنڈلی مراد ہے۔ جو اس کی شان کے لائق ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے رب تعالٰی کی تجلی صفات مراد ہے۔ اللہ اعلم بمرادہ حبیبہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[5] سبحان اللہ مزے دار سجدہ یہ ہوگا اب تک بغیر دیکھے سجدے کیے تھے آج مسجود لہ کی تجلی دیکھ کر سجدے کریں گے۔

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آلباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

بِالسُّجُوْدِ وَلَا یَبْقٰی مَنْ کَانَ یَسْجُدُ اِتِّقَآءً وَّرِیَاءً اِلَّا جَعَلَ اللّٰہُ ظَہْرَہٗ طَبَقَۃً وَّاحِدَۃً کُلَّمَا اَرَادَ اَنْ یَّسْجُدَ خَرَّ عَلٰی قَفَاہُ ثُمَّ یُضْرَبُ الْجِسْرُ عَلٰی جَہَنَّمَ وَتَحِلُّ الشَّفَاعَۃُ وَیَقُوْلُوْنَ اَللّٰہُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ فَیَمُرُّ الْمُؤْمِنُوْنَ کَطَرْفِ الْعَیْنِ وَکَالْبَرْقِ کَالرِّیْحِ وَکَالطَّیْرِ وَکَاَجَاوِیْدِ الْخَیْلِ وَالرِّکَابِ فَنَاجٍ مُّسَلَّمٌ وَّمَخْدُوْشٌ

اور جو لوگ اپنے بچاؤ اور دکھلاوے کیلئے سجدہ کرتے تھے ان میں سے کوئی نہ بچے گا مگر اللہ اس کی پیٹھ ایک تختہ بنادیگا وہ جب بھی سجدہ کا ارادہ کریگا اپنی پیٹھ پر گر جاوے گا[1] پھر دوزخ پر پل رکھا جاویگا[2] اور شفاعت واقع ہوگی[3] اور کہینگے الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ[4] تو مسلمان پلک جھپکنے کی طرح اور بجلی کی طرح اور ہوا کی طرح پرندے کی طرح اور تیز گھوڑے کی طرح اونٹ کی طرح[5] گزرینگے بعض تو نجات پا جینگے سلامت رہیں گے بعض

[1] یعنی ان ریا کار منافقوں کی پیٹھ اکڑ جاوے گی ٹیڑھی نہ ہو سکے گی اور سجدہ میں پیٹھ خم ہونا ضروری ہے اس لیے بجائے سجدہ کے اوندھے گرینگے

[2] یہ سجدہ مخلصین ومنافقین میں چھانٹ ہوگا۔ جو درست سجدہ کرے گا۔ وہ مخلص مومن ہے جو نہ کر سکے گا وہ منافق اس سے معلوم ہوا کہ یہ دیدار الٰہی منافقین کو بھی ہوگا (مرقات) مگر مومنوں کو محبت والا دیدار ہوگا منافقوں کو ہیبت بلکہ وحشت والا۔

[3] اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ پل صراط آج قائم نہیں ہے قیامت میں اس وقت قائم کیا جائے گا اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو دوزخی اس سے پہلے دوزخ میں پہنچائے گئے وہ پل صراط سے نہ گزارے گئے کہ پل تو ان کے دوزخ میں پہنچنے کے بعد قائم کیا گیا۔

[4] اس شفاعت سے مراد ہے دوزخ سے گزارنے کی شفاعت ورنہ بہت سی شفاعتیں اس سے پہلے ہو چکیں اب جب دوزخ پر سے گزرنے کا وقت آیا تو اللہ کے مقبول بندے شفاعت میں مشغول ہو گئے اسی شفاعت سے ہم گنہگاران شاءاللہ بخیریت گزریں گے۔ [5] جب تک سارے مومنین بخیریت گزر نہ جائیں گے تب تک انبیاء کرام سلم سلم کہتے رہیں گے صرف دو بار ہی نہ کہیں گے اعلٰی حضرت نے کیا خوب فرمایا شعر

پل سے گزارو راہ گزر کو خبر نہ ہو — جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو۔

[6] یعنی مومن اپنے اعمال وتقویٰ واخلاص کے مطابق پل سے گزریں گے رکاب جمع ہے مگر اس کا واحد کوئی نہیں (مرقاۃ) جیسے نساء کا واحد کوئی نہیں اور امرأۃ کی جمع کوئی نہیں یعنی پل سے پار لگنے والوں کی رفتاریں مختلف ہوں گی بعض رفتار ایسی تیز جیسے نگاہ کی رفتار بعض کی ہوا کی سی رفتار آج ایسے ہوائی جہاز تیار ہو چکے ہیں جن کی رفتار آواز سے زیادہ ہے لہذا ان رفتاروں پر حیرت نہیں کرنی چاہیے۔

مُرسَلٌ وَمَكْدُوْشٌ فِي نَارِ جَهَنَّمَ حَتّٰى إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْكُمْ بِأَشَدَّ مُنَاشَدَةً فِي الْحَقِّ قَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لِلّٰهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِإِخْوَانِهِمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا كَانُوْا يَصُوْمُوْنَ مَعَنَا وَيُصَلُّوْنَ وَيَحُجُّوْنَ فَيُقَالُ لَهُمْ أَخْرِجُوْا مَنْ عَرَفْتُمْ

زخمی ہوکر چھوڑ دیئے جائینگے بعض دوزخ کی آگ میں گرادیے جائینگے حتی کہ جب مسلمان آگ سے خلاصی پالیں گے تو اس کی قسم جسکے قبضہ میں میری جان ہے نہیں ہے تم میں سے کوئی زیادہ جھگڑنے والا اپنے اس حق میں جو تمہیں ظاہر ہوجاوے بمقابلہ مسلمانوں کے جو وہ اللہ سے جھگڑینگے قیامت کے دن اپنے دوزخی بھائیوں کے لئے عرض کرینگے یارب وہ لوگ ہمارے ساتھ روزے رکھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے اور حج کرتے تھے تو ان سے کہا جاویگا کہ جنہیں تم پہچانتے ہو نکال لو

۱؎ پلصراط کے کنارے پر دو طرفہ جگہ جگہ ٹیڑھے کانٹے یعنی کنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو بار بار اوپر آتے اور گزرنے والوں کو لگتے ہوں گے بعض لوگوں کو یہ کنڈے لگیں گے زخمی کرکے چھوڑ دیں گے بعض لوگوں کے جسم میں داخل ہوکر انہیں پیچھے کی طرف کھینچیں گے جس سے وہ دوزخ میں گر جاویں گے مخدوش سے یہ ہی مراد ہے بعضوں کو یہ چھوئیں گے بھی نہیں وہ صحیح سلامت یہاں سے گزر جاویں گے۔ اللہ تعالٰی ہم گنہگاروں کو بخریت پار لگائے۔

۲؎ مکدوش بنا ہے کدش سے بمعنی دفع یعنی پیچھے سے دھکیلنا یہ حال صرف کفار کا ہوگا جنہیں دوزخ میں ہمیشہ رہنا ہے۔ مرقات۔ بعض روایتوں میں مکدوش شین سے بمعنی ٹکڑے ٹکڑے کردینا۔ بعض میں مکردس رے سے ہے بمعنی اوپر تلے ڈالنا۔ خیال رہے کہ گنہگار مسلمانوں کو دوزخ میں اور طرح پہنچایا جاوے گا جس سے ان کی پردہ دری نہ ہو انہیں سزا خفیہ دی جاوے گی رسوا نہ کیا جاوے گا۔

۳؎ یعنی نجات یافتہ مسلمان ان مسلمانوں کی سفارش میں رب تعالٰے سے جھگڑیں گے جو دوزخ میں پہنچ گئے ان کا اپنے رب سے جھگڑنا اس سے بھی زیادہ ہوگا کہ جب کوئی مقدمہ میں جیت جائے تو اپنا حق ہارے ہوئے مدعی علیہ سے مانگنے میں وہ کیسی جلدی کرتا ہے ایسے ہی یہ جنتی رب تعالٰی سے جھگڑ جھگڑ کر کہیں گے کہ مولا انہیں سب کو جلدی سے دوزخ سے نکال دے یہ جھگڑنا ناز کا ہوگا نہ کہ بے ادبی کا۔

۴؎ یعنی وہ دوزخی مسلمان دنیا میں ان عبادات میں ہمارے ساتھ رہے آج ہمارے ساتھ جنت میں کیوں نہیں ہوئے تو ان کے گناہ معاف فرمادے جنت میں پہنچادے۔

فَتُحَرَّمُ صُوَرُهُمْ عَلَى النَّارِ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا مَا بَقِيَ فِيهَا أَحَدٌ مِمَّنْ أَمَرْتَنَا بِهِ فَيَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ نِصْفِ دِينَارٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُ ارْجِعُوا فَمَنْ وَجَدْتُمْ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ فَأَخْرِجُوهُ فَيُخْرِجُونَ خَلْقًا كَثِيرًا ثُمَّ يَقُولُونَ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيهَا خَيْرًا فَيَقُولُ

ان کی صورتیں آگ پر حرام کردی جائیں گی[۱] یہ لوگ بڑی خلقت کو نکالیں گے پھر کہیں گے یارب جن کے متعلق تونے ہم کو حکم دیا تھا ان میں سے تو کوئی باقی نہ رہا[۲] رب فرمائیگا واپس جاؤ جس کے دل میں دینار برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو تو وہ بڑی خلقت کو نکال لیں گے پھر فرمائیگا واپس جاؤ جس کے دل میں آدھی دینار برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو[۳] چنانچہ وہ بہت بڑی خلقت کو نکال لائینگے پھر فرمائے گا لوٹ جاؤ جس کے دل میں ذرہ برابر بھلائی پاؤ اسے نکال لو وہ بڑی خلقت کو نکال لائیں گے[۴] پھر عرض کریں گے یارب ہم نے دوزخ میں کسی بھلائی والے کو نہ چھوڑا[۵] تب

[۱] یعنی ان دوزخی مسلمانوں کی صورتیں نہ بگڑیں گی نہ جل کر کوئلہ ہوں گی ان شفاعت کرنے والے جنتیوں کو حکم ہوگا کہ اچھا تم خود دوزخ میں جاؤ پہچان پہچان کر انہیں نکال لاؤ۔ [۲] یعنی جو نمازی روزہ دار حاجی حضرات اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں گئے تھے انہیں تو ہم نکال لائے اب بے عمل لوگ جو صرف گناہ کرتے تھے وہ ہی رہ گئے معلوم ہوا کہ ان جنتیوں کو دوزخ کی آگ تکلیف نہ دے گی اور یہ حضرات لوگوں کے دلوں کے ایمان کو پہچانیں گے تو حضور انور کے علم کا کیا کہنا۔

[۳] اس کی شرح پہلے ہوچکی کہ ایمان کی زیادتی کمی مقدار کی نہیں بلکہ کیفیت کی زیادتی کمی مراد ہے۔ یہ تشبیہ صرف سمجھانے کے لیے ہے

[۴] یہ ذرہ برابر ایمان والے وہ لوگ ہوں گے جن کے عقیدے تو درست تھے باقی ان کے پاس کوئی نیک عمل نہ تھا اور گناہ ان سے بچا نہ تھا۔ ہر قسم کے گناہ کرتے رہے مگر مرے مومن۔

[۵] یہاں خیر سے مراد اہل خیر ہیں اور اہل خیر سے مراد شرعی ایمان والے حضرات ہیں یعنی جس کے دل میں رائی برابر شرعی ایمان تھا ہم اسے نکال لائے۔

اللهُ شَفَعَتِ الْمَلٰئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ إِلَّا أَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً مِّنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوْا خَيْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقِيْهِمْ فِيْ نَهْرٍ فِيْ أَفْوَاهِ الْجَنَّةِ يُقَالُ لَهٗ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ

اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ فرشتوں نے شفاعت کرلی رسولوں نے شفاعت فرمالی مومنوں نے شفاعت کرلی[۱] اب سوا ارحم الراحمین کے اور کوئی باقی نہ رہا[۲] تب آگ میں سے ایک مٹھی بھریگا تو ان لوگوں کو وہاں سے نکال دے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی نہیں کی[۳] جو کوئلے ہو چکے ہونگے[۴] انہیں اس نہر میں ڈالے گا جو جنت کے دہانوں میں ہے جسے زندگی کی نہر کہا جاتا ہے

[۱] یعنی جو لوگ شفاعت کے لائق تھے ان کی شفاعت ہو چکی اور وہ شفاعت کے ذریعہ دوزخ سے نکل کر جنت میں پہنچ چکے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیامت میں انسانوں کی شفاعت فرشتے بھی کریں گے جیسے آج حاملین عرش فرشتے مومن انسانوں کے لیے دعائیں کر رہے ہیں جیسے رب تعالٰی فرماتا ہے۔

[۲] اگرچہ اس سے پہلے بھی دوزخیوں کو رب تعالٰی نے ہی بخشا تھا مگر شفاعت کے وسیلہ سے اور ان نکالنے والوں کی معرفت سے اب ان کے نکلنے کی باری آئی جن کی بخشش کے لیے شفاعت مصطفوی کا وسیلہ تو ہے مگر انہیں دوزخ سے نکالنے میں کسی کا وسیلہ نہیں خود رب تعالٰی انہیں نکالے گا۔

[۳] اس کی شرح پہلے گزر گئی کہ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے سوا کلمہ پڑھنے ایمان لانے کے اور کوئی نیکی نہیں کی مگر مرقات اور نووی شرح مسلم نے فرمایا کہ ان کے پاس صرف دل کے چھپے ایمان کے اور کچھ نہیں تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ایمان شرعی نہ تھا یعنی ساترین۔ خیال رہے کہ حضور کے والدین کریمین بلکہ سارے آباؤ اجداد جو ظہور نبوت سے پہلے وفات پاگئے دوزخ میں قطعًا نہیں جائیں گے کہ وہ حضرات اہل توحید تھے اور اس زمانہ میں صرف عقیدہ توحید نجات کے لیے کافی تھا ان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہوا گناہ وہ کام ہے جس سے رب تعالٰی منع کرے ان تک ممانعت پہنچی نہیں کہ انہوں نے زمانہ نبوت پایا نہیں۔

[۴] اس سے معلوم ہوا کہ دوزخ میں جلتے رہنا موت نہ آنا کفار و مشرکین کے لیے ہوگا مومن گنہگار اور وہ لوگ جن کو دوزخ سے نکالا جانا ہے وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے ان کی جان نکال لی جاوے گی انہیں دائمی عذاب نہ ہوگا۔

كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَأَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَاَهْلُ النَّارِ النَّارَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ

ہے تو وہ یوں اُگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کے کوڑا میں اُگتا ہے پھر وہ نکلیں گے موتی کی طرح ان کی گردنوں میں مہریں ہوں گی [۱] انہیں لوگ کہیں گے کہ یہ اللہ کے آزاد کردہ ہیں جنہیں رب نے بغیر عمل کیے ہوئے بغیر بھلائی آگے بھیجے ہوئے جنت میں داخل فرمادیا [۲] تو ان سے کہا جاوے گا کہ تمہارے لیے وہ ہے جو تم نے دیکھا اور اس کی مثل [۳] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوجائیں گے تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ جس کے دل میں رائی برابر

[۱] یعنی جو کوڑا سیلاب میں بہتا ہوا آجائے اس میں کوئی دانہ ہو وہ پانی کے اثر سے بہت جلد اگ پڑتا ہے اس طرح وہ بڑھیں گے۔

[۲] یعنی پہلے وہ کالے کوئلے تھے اب جو بڑھیں گے تو موتیوں کی طرح سفید چمکیلے ہوں گے ان کی گردنوں میں سونے کا زیور پڑا ہوگا جس سے وہ پہچانے جائیں گے کہ یہ لوگ بغیر عمل جنت میں آئے یا یہ لوگ عند اللہ مومن تھے شرعی ساتر تھے۔

[۳] یعنی ان لوگوں کا لقب ہوگا عتیق الرحمٰن نام ان کے وہ دنیا والے ہوں گے وہ لوگ اسی لقب سے بڑے خوش ہوا کریں گے۔

[۴] یعنی جہاں تک تمہاری نظر کام کرتی ہے وہ بھی اور اس کی مثل اتنا ہی اور علاقہ بھی ہے ان کی نعمتوں کے تم کو دیا گیا۔ خیال رہے کہ ان لوگوں کو صرف فضل کی جنت ملے گی اور مومنوں عاملین کو عمل کی جنت بھی ملے گی اور فضل کی بھی رب فرماتا ہے ولمن خاف مقام ربہ جنتان اور دو جنتوں سے یہ ہی عدل وفضل کی جنتیں مراد ہیں۔

(مرقات)

حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَاَخْرِجُوْهُ فَيُخْرِجُوْنَ قَدِ امْتُحِشُوْا وَعَادُوْا حُمَمًا فَيُلْقَوْنَ نَهْرَ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ اَلَمْ تَرَوْا اَنَّهَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِيَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ. وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّاسَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللهِ هَلْ نَرٰى رَبَّنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَذَكَرَ مَعْنٰى حَدِيْثِ اَبِيْ سَعِيْدٍ غَيْرَ كَشْفِ السَّاقِ وَقَالَ يُضْرَبُ الصِّرَاطُ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ جَهَنَّمَ

ایمان ہو اسے نکال لو۔ چنانچہ وہ نکال لیں گے[1] حالانکہ جل چکے ہوں گے اور کوئلے ہو گئے ہوں گے پھر وہ نہر حیوٰۃ میں ڈالے جائیں گے[2] تو ایسے اگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپر کوڑے میں اُگتا ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ دانہ اولاً پیلا ٹیڑھا نکلتا ہے[3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم قیامت کے دن اپنے رب کو دیکھیں گے پھر حضرت ابوسعید کی حدیث کے معنی بیان کئے[4] سوا پنڈلی کھلنے کے اور فرمایا کہ دوزخ کے دونوں کناروں کے درمیان پلصراط قائم کیا جاوے گا[5]

[1] یہ خطاب حضرات انبیاء کرام. فرشتوں اور جنتی مومنوں سے ہوگا کہ دوزخ میں جاؤ گنہگاروں کو نکال کر لاؤ کہ یہ سارے حضرات ہی یہ کام کریں گے۔

[2] نہر حیوٰۃ وہ ہی چشمہ ہے جس کا ذکر ابھی گزرا کہ یہ جنت کے دروازے پر واقع ہے چونکہ اس پانی میں ان مردوں کو زندہ کرنے کی تاثیر ہوگی اس لیے اسے نہر حیوٰۃ کہتے ہیں۔

[3] یعنی جیسے دانہ جب اگتا ہے تو نہایت کمزور پیلا اور ٹیڑھا ہوتا ہے پھر ہوا پانی دھوپ پاکر بہتر قوی اور سیدھا ہوجاتا ہے یہ ہی حال ان لوگوں کا ہوگا کہ اس پانی سے اولاً جئیں گے اوگیں گے مگر کمزور زرد رنگ بعد میں قوت پائیں گے۔

[4] یعنی انہوں نے وہ ہی حدیث بیان فرمائی جو ابھی گزری مگر اس کے الفاظ مختلف ہیں مضمون یکساں ہے صرف پنڈلی کھلنے کا ذکر نہیں باقی سارا مضمون وہی ہے اس حدیث میں یہ مضمون زیادہ ہے جو ابھی بیان ہورہا ہے۔

[5] معلوم ہوا کہ پل صراط آج نہیں ہے کیونکہ وہ تو گزرگاہ ہے جب گزرنے والے ہی ابھی نہیں ہیں تو اس پل کی کیا ضرورت ہے قیامت کے دن یہ پل قائم کیا جائے گا بدوں کے لیے تنگ ہوگا۔ نیکوں کے لیے وسیع ہوگا۔ جیساکہ دوسری روایات میں ہے۔

فَاكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يَّجُوْزُ مِنَ الرُّسُلِ بِاُمَّتِهٖ وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ اِلَّا الرُّسُلُ وَكَلَامُ الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ اَللّٰهُمَّ سَلِّمْ سَلِّمْ وَفِيْ جَهَنَّمَ كَلَالِيْبُ مِثْلُ شَوْكِ السَّعْدَانِ لَا يَعْلَمُ قَدْرَ عِظَمِهَا اِلَّا اللّٰهُ تَخْطِفُ النَّاسَ بِاَعْمَالِهِمْ فَمِنْهُمْ مَنْ يُّوْبَقُ بِعَمَلِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ يُّخَرْدَلُ ثُمَّ يَنْجُوْا حَتّٰى اِذَا فَرَغَ اللّٰهُ مِنَ الْقَضَآءِ بَيْنَ عِبَادِهٖ وَاَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَ مِنَ النَّارِ مَنْ اَرَادَ اَنْ يُّخْرِجَهٗ

تو جو پیغمبر اپنی امت کو لے کر گزریں گے ان میں پہلا میں ہونگا[1] اور اس دن سوا رسولوں کے اور کوئی کلام نہ کریگا اور رسولوں کا کلام اس دن ہوگا الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ اور دوزخ میں خم دار کانٹے ہونگے[2] سعدان کے کانٹوں کی طرح[3] جن کی بڑائی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ لوگوں کو ان کے اعمال کے مطابق اچک لیں گے[4] ان میں سے بعض وہ ہوں گے جو اپنی بدعملی کی وجہ سے ہلاک کئے جائینگے اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو زخمی ہو کر نجات پا جائیں گے[5] حتی کہ جب اللہ تعالٰی اپنے بندوں کے فیصلے سے فارغ ہو جاویگا[6] اور جن کو آگ سے نکالنے کا ارادہ ہو چکا ہے انہیں نکالا جائیگا

۱؎ قیامت کے حساب سے فارغ ہو کر اپنی امت کو لے کر پہلے وہاں سے میں گزروں گا اس طرح کہ امت کو اپنے آگے رکھونگا میں پیچھے ان کی حفاظت فرماتا روانہ ہوں گا تاکہ ساری امت میرے سامنے رہے حضور اس موقعہ پر گرتوں کو سہارا دیتے ہوں گے ہر نبی اپنی امت کے ساتھ اس طرح ہوں گے کہ آگے امت پیچھے نبی۔

۲؎ کلالیب جمع ہے کلوب کی لوہے کی لمبی سیخ اوپر سے خم دار کلوب کہلاتی ہے اردو میں اوکھنڈی کہتے ہیں۔

۳؎ سعدان عرب میں ایک خاص قسم کی گھاس ہوتی ہے خار دار جس کے شاخوں پتوں میں بڑے بڑے کانٹے ہوتے ہیں اسے اونٹ شوق سے کھاتا ہے اس کے کانٹوں کو حسک السعدان کہا جاتا ہے اس کے پتے پستان کی گھنڈی کی طرح ہوتے ہیں (اشعہ، مرقات)

۴؎ اس طرح کہ لوگ گذرتے ہوں گے اور یہ کانٹے حرکت میں بار ہا آتے ہوں گے کسی کو تو چھوئیں گے بھی نہیں کسی کو چھو کر زخمی کرکے الگ ہو جائیں گے کسی کو چھو کر پیچھے گرا دیں گے خدا کی پناہ یہ فرق لوگوں کے ایمان و اعمال کے وجہ سے ہوگا۔

۵؎ کسی کو صرف خراش آوے گی کسی کو زخم کاری لگے گا مگر بچ جائے گا۔

۶؎ اس طرح کہ دوزخیوں کو دوزخ میں اور جنتیوں کو جنت میں داخل فرمادے گا یہ فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے کیونکہ قولی فیصلہ یعنی احکام کا صدور تو کب کا ہو چکا ہوگا۔

مِمَّنْ كَانَ يَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَمَرَ الْمَلٰٓئِكَةَ اَنْ يُّخْرِجُوْا مَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَيُخْرِجُوْنَهُمْ وَيَعْرِفُوْنَهُمْ بِاٰثَارِ السُّجُوْدِ وَحَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَى النَّارِ اَنْ تَاْكُلَ اَثَرَ السُّجُوْدِ فَكُلُّ ابْنِ اٰدَمَ تَاْكُلُهُ النَّارُ اِلَّا اَثَرَ السُّجُوْدِ فَيُخْرَجُوْنَ مِنَ النَّارِ قَدِ امْتُحِشُوْا فَيُصَبُّ عَلَيْهِمْ مَاءُ الْحَيٰوةِ فَيَنْبُتُوْنَ كَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّةُ فِيْ حَمِيْلِ السَّيْلِ وَيَبْقٰى رَجُلٌ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَهُوَ اٰخِرُ اَهْلِ النَّارِ دُخُوْلًا

ان لوگوں میں سے جنہوں نے لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دی ہے تو فرشتوں کو حکم دے گا ۱؎ کہ انہیں نکال لو جو اللہ کی عبادت کرتے تھے وہ انہیں نکال لیں گے اور انہیں سجدہ کے نشانوں سے پہچانیں گے اور اللہ تعالٰی آگ پر یہ ناممکن کردے گا کہ سجدہ کے نشان کو جلائے ۲؎ چنانچہ انسان کے سارے جسم کو آگ کھا جائے گی سوا سجدہ کے اثر کے تو وہ آگ سے نکلیں گے کہ جل کر کوئلے ہوچکے ہونگے ۳؎ پھر ان پر زندگی کا پانی بہایا جاوے گا تو وہ ایسے اگیں گے جیسے دانہ سیلاب کے اوپری کوڑے میں اگتا ہے اور ایک شخص جنت و دوزخ کے درمیان باقی رہے گا ۴؎ اور وہ تمام دوزخیوں میں سب سے

۱؎ یا تو یہ فرشتے وہ ہیں جو لوگوں کے نامہ اعمال لکھا کرتے تھے یا حاملین عرش اور ان کے اردگرد کے جو مسلمانوں کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے ہم کو بھی چاہیے کہ ان فرشتوں کے لیے دعا کیا کریں ہر ختم و ایصال کے موقعہ پر ان کا نام لیا کریں۔

۲؎ یعنی دوزخ کی آگ ان لوگوں کے سارے اعضاء کو جلا دے گی مگر اس کی پیشانی خصوصًا سجدہ گاہ کو نہ جلا سکے گی کہ یہ نور الٰہی کی جگہ ہے نور کو نار نہیں جلا سکتی بعض شارحین نے فرمایا کہ سجدہ کے ساتوں عضو بھی محفوظ رہیں گے۔ واشعہ، بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد پورا چہرہ ہے اس قول کی تائید بخاری شریف جلد دوم صفحہ ۱۱۰۱ باب رد عمل الجھمیہ میں کی اس حدیث سے ہوتی ہے ویحرم اللّٰہ صورھم علی الناس بہرحال اس کے متعلق کئی احتمال ہیں۔

۳؎ یہ لفظ بنا ہے امتحاش سے بمعنی جل کر کوئلہ سیاہ ہوجانا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ گنہگار مومن دوزخ میں جاکر مردہ بلکہ جل کر کوئلہ ہوجائیں گے وہاں جلنا اور نہ مرنا کفار کے لیے ہوگا۔

۴؎ اس ایک شخص سے مراد یا تو نوعًا ایک ہے یعنی ایک قسم کے لوگ جنہوں نے اس قسم کے جرم کیے تھے یا شخصًا ایک ہے یعنی ایک آدمی۔

الْجَنَّةَ مُقْبِلٌ بِوَجْهِهٖ قِبَلَ النَّارِ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اصْرِفْ وَجْهِيْ عَنِ النَّارِ قَدْ قَشَبَنِيْ رِيْحُهَا وَاَحْرَقَنِيْ ذَكَاؤُهَا فَيَقُوْلُ هَلْ عَسَيْتَ اِنْ اَفْعَلَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْئَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ فَيُعْطِي اللّٰهَ مَا شَآءَ اللّٰهُ مِنْ عَهْدٍ وَمِيْثَاقٍ فَيَصْرِفُ اللّٰهُ وَجْهَهٗ عَنِ النَّارِ فَاِذَا اَقْبَلَ بِهٖ عَلَى الْجَنَّةِ وَرَاٰى بَهْجَتَهَا

آخری جنت میں داخل ہونے والا ہوگا[۱] اپنا منہ آگ کی طرف کئے ہوگا[۲] عرض کریگا یارب میرا منہ آگ سے پھیر دے مجھے اس کی لو نے جھلس دیا اور اس کی تیزی نے مجھے جلا دیا[۳] تو رب فرمائے گا کیا ممکن ہے کہ اگر میں یہ کردوں تو اسکے علاوہ اور مانگے[۴] وہ کہیگا نہیں قسم تیری عزت کی تو اللہ تعالٰی وہ عہد و پیمان دے جو اللہ چاہے چنانچہ اللہ تعالٰی اس کا منہ آگ سے پھیر دے گا[۵] پھر جب اس کو جنت کے سامنے کرے گا اور یہ اس کی تروتازگی دیکھے گا[۶]

[۱] یعنی جو لوگ دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیجے جائیں گے ان میں سب سے آخر میں یہ نکالا جائے اور سب سے آخر میں یہ جنت میں پہنچایا جائے گا اسے راستہ میں بہت دیر لگے گی۔

[۲] یعنی اسے دوزخ سے نکال کر کنارہ پر بٹھال دیا جائے گا کہ جنت کی طرف اس کی پیٹھ ہوگی اور دوزخ کی طرف اس کا منہ ہوگا۔ جہاں اس کی تپش پہنچ رہی ہوگی۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے۔ جنت تو ابھی دور ہوگی۔

[۳] تشبنی بنا ہے تشب سے بمعنی جسم میں زہر کا سرایت کر جانا یا آگ کا جسم میں اثر کرکے اسے بگاڑ دینا اس کا ترجمہ جھلسانا بہت موزون ہے۔

[۴] یعنی ہم تیری یہ عرض پوری کر دیں گے مگر شرط یہ ہے کہ تو اس کے سوا اور کچھ نہ مانگے اسی منہ پھیر دینے پر قناعت کرے۔

[۵] مگر رکھے گا منہ اسی طرف وہاں سے ہٹائے گا نہیں اب بجائے منہ کے اس کی پیٹھ کو تپش پہنچے۔ جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہاں سے اسے دور کر دیا جائے۔ مگر پہلا احتمال قوی ہے۔

[۶] اس دن ہر شخص کی نظر بہت تیز ہوگی یہاں سے جنت بہت دور ہوگی مگر یہ دیکھ لے گا قرآن کریم فرماتا ہے۔ فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد ہاں بعض کفار قیامت میں اٹھتے وقت اندھے اٹھیں گے مگر بعد میں نہ کوئی اندھا رہے گا نہ کانا۔

سَكَتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ اَنْ يَّسْكُتَ ثُمَّ قَالَ يَا رَبِّ قَدِّمْنِيْ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْاَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنْتَ سَاَلْتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ لَا اَكُوْنُ اَشْقٰى خَلْقِكَ فَيَقُوْلُ فَمَا عَسَيْتَ اِنْ اُعْطِيْتَ ذٰلِكَ اَنْ تَسْاَلَ غَيْرَهٗ فَيَقُوْلُ لَا وَعِزَّتِكَ لَا اَسْاَلُكَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَيُعْطِيْ رَبَّهٗ مَا شَآءَ مِنْ عَهْدٍ وَّمِيْثَاقٍ فَيُقَدِّمُهٗ اِلٰى بَابِ

توجب تک رب اس کی خاموشی چاہے یہ خاموش رہیگا ۱؎ پھر کہے گا یارب مجھے جنت کے دروازے کے پاس پہونچا دے ۲؎ رب تعالٰی فرمائیگا کہ کیا واقعہ یہ نہیں ہے کہ تو عہد و پیمان دے چکا ہے کہ پہلی مانگی چیز کے سوا اور کچھ نہ مانگے گا وہ عرض کرے گا یارب میں تیری مخلوق میں بڑا بدنصیب نہ رہوں ۳؎ تو رب فرمائے گا کہ کیا ممکن ہے کہ تجھے یہ دیدیا جائے تو تو اسکے سوا کچھ اور مانگے کہیگا تیری عزت کی قسم اسکے سوا میں اور کچھ نہ مانگونگا چنانچہ وہ اپنے رب کو عہد و پیمان دیگا جو رب چاہے اسے اللہ تعالٰی جنت کے دروازے تک بڑھا دیگا پھر جب وہ اس کے دروازے تک

۱؎ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بندے کا خاموش رہنا پھر دعا کرنا رب تعالٰی کی طرف سے ہوگا آج بھی ہمارا عبادات کرنا دعائیں مانگنا اس کی ہی توفیق سے ہے وہ ہی ذوق دیتا ہے وہ الفاظ دعا القاء کرتا ہے وہ ہی بھیک کے لیے ہم کو جھولی دیتا ہے وہ ہی بھر دیتا ہے۔

۲؎ اس سے معلوم ہورہا ہے کہ ابتک اس کا صرف منہ پھیرا گیا تھا۔ جنت تک پہنچایا نہ گیا تھا اس نے دور سے یہاں کی تروتازگی دیکھی تھی۔

۳؎ یہاں خلق سے مراد جنتی لوگ ہیں یعنی اے مولٰی جو جنت میں آرام کر رہے ہیں وہ بھی تیری مخلوق تیرے بندے ہیں اور میں بھی تیری مخلوق ہوں تیرا بندہ ہوں میں ان سب سے بدتر کیوں رہوں مجھ پر کرم فرمادے ان کے پاس پہنچادے۔

۴؎ اس حدیث میں بڑی حوصلہ افزائی ہے اس بندے کا قسمیں کھا کھا کر توڑتے رہنا بھی رب تعالٰی کو پسند ہوگا کہ یہ قسم توڑنا سرکشی کے لیے نہ ہوگا بلکہ اللہ کی رحمت کی لالچ میں حضرت جندع ابن ضمیرہ نے مدینہ منورہ حاضر ہونے کے لیے کفار کے مجبور کرنے پر کفریہ باتیں منہ سے نکال دی تھیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔ ایسے گناہوں پر ریاکاری کی نیکیاں قربان ہوجائیں ان گناہوں کی بنا عشق و محبت یا ناز پر ہے۔

الْجَنَّةِ فَإِذَا بَلَغَ بَابَهَا فَرَآى زَهْرَتَهَا وَمَافِيْهَا مِنَ النَّضْرَةِ وَالسُّرُوْرِ فَسَكَتَ مَاشَآءَ اللهُ اَنْ يَّسْكُتَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ اللهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى وَيْلَكَ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَا اَغْدَرَكَ اَلَيْسَ قَدْ اَعْطَيْتَ الْعُهُوْدَ وَالْمِيْثَاقَ اَنْ لَّا تَسْأَلُ غَيْرَ الَّذِيْ اُعْطِيْتَ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ لَا تَجْعَلْنِيْ اَشْقٰى خَلْقِكَ

بڑھادیگا پھر جب وہ اس کے دروازہ پر پہونچے گا وہاں کی تروتازگی اور جو کچھ وہاں بہار اور خوشی دیکھے گا تو جبتک اس کا خاموش رہنا اللہ چاہے وہ خاموش رہے گا پھر عرض کریگا یارب مجھے جنت میں داخل فرمادے تو اللہ تعالیٰ فرمادیگا افسوس تجھ پر اے ابن آدم تو کتنا عہد شکن ہے کیا تونے عہد و پیمان نہیں دیا تھا کہ تو اس کے سوا نہ مانگے گا جو تجھے دے دیا گیا تو عرض کرے گا یارب مجھے اپنی خلقت میں بدنصیب نہ بنا

۱؎ یہ شخص دروازۂ جنت پر پہنچ کر اندر جھانک جھانک کر دیکھنے لگے گا وہاں کی نعمتیں دیکھ کر دنگ رہ جاوے گا رب تعالیٰ ہی صبر دے گا تو کچھ روز خاموش رہے گا ورنہ وہ فوراً ہی چیخ پڑتا یہ صبر و خاموشی بھی رب کی طرف سے ہوگی۔

۲؎ یہ اس کی آخری عرض ہوگی اور یہ شخص بہت عرصہ میں یہاں تک پہنچ سکے گا اور یہ عرض کرسکے گا رب جانے کتنا عرصہ لگے گا۔

۳؎ ویل دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے مگر کبھی ہلاک و خرابی کے معنی میں آتا ہے یہاں بمعنی افسوس ہے یہ فرمان عالی انتہائی کرم کا ہوگا جیساکہ اگلے فرمان سے معلوم ہو رہا ہے ما اغدر فعل تعجب ہے یعنی تو کیسا عہد شکن ہے وعدہ توڑنے والا ہے اللہ تعالیٰ افسوس اور تعجب سے پاک ہے یہ دونوں فرمان تعجب دلانے افسوس دلانے کے لیے ہیں نہ کہ تعجب یا افسوس کرنے کے لیے۔

۴؎ یعنی تو مجھ سے کتنے عہد کرچکا ہے ہر دفعہ عہد توڑ دیتا ہے یہ تیری آخری بار ہے خیال رہے کہ اگر گناہ کرکے یار کو منا لیا جاوے تو وہ گناہ نہیں ہوتا ہزارہا نیکیوں سے افضل ہوتا ہے۔

۵؎ اس عرض کا مقصد یہ ہے کہ میں بارہا توڑ کر دیکھ چکا کہ میری ہر عہد شکنی پر تیرا کرم ہے پھر میں کیوں نہ عہد توڑوں۔ شعر

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اس عہد شکنی پر ہزارہا وفا عہد قربان ہو جائیں میں سمجھ گیا کہ میں بدنصیب خلق یعنی دائمی دوزخی نہیں ہوں میں نصیب ور ہوں یعنی مومن ہوں ورنہ دوزخ سے نکالا نہ جاتا (مرقات)

فَلَا يَزَالُ يَدْعُوْا حَتّٰى يَضْحَكَ اللّٰهُ مِنْهُ فَاِذَا ضَحِكَ اَذِنَ لَهٗ فِيْ دُخُوْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى حَتّٰى اِذَا انْقَطَعَ اُمْنِيَّتُهٗ قَالَ اللّٰهُ تَمَنَّ مِنْ كَذَا وَكَذَا اَقْبَلَ يُذَكِّرُهٗ رَبُّهٗ حَتّٰى اِذَا انْتَهَتْ بِهِ الْاَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَمِثْلُهٗ وَفِيْ رِوَايَةِ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ وَعَشَرَةُ اَمْثَالِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ٭ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اٰخِرُ مَنْ يَّدْخُلُ

تو وہ دعا کرتا رہے گا حتی کہ اس سے اللہ تعالٰی خوش ہوجاوے گا[1] تو جب خوش ہوجاوے گا تو اسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دیگا پھر فرمائیگا تمنا کر وہ تمنا کریگا حتی کہ جب اس کی تمنائیں ختم ہو جائینگی تو رب فرمائیگا فلاں فلاں تمنا کر خود رب تعالٰی اسے یاد دلانے لگے گا[2] حتی کہ جب اسکی آرزوئیں ختم ہو جائینگی تو اللہ تعالٰی فرمائیگا کہ تیرے لئے یہ ہے اور اس کی مثل اور[3] حضرت ابو سعید کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی فرمائیگا تیرے لئے یہ ہے اور اس سے دس گنا اور[4] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری وہ شخص جو جنت میں

[1] یعنی اس کی اس عرض پر دریائے کرم جوش میں آجائے گا یہاں ضحک کے معنی ہنسنا نہیں اللہ تعالٰی ہنسنے رونے سے پاک ہے۔

[2] اس کرم کی ترتیب یہ ہوگی کہ پہلے اسے جنت میں داخلہ کی اجازت دی جاوے گی پھر جب وہ داخل ہوجائے گا تب اسے آرزوئیں کرنے کا حکم ہوگا۔ جب اس کی آرزوئیں ختم ہوجائیں گی تب رب تعالٰے اس سے خود فرمائے گا کہ بندے یہ بھی مانگ لے۔ خیال رہے کہ مانگنے میں ہماری اپنی بندگی کا اظہار ہے رب چاہتا ہے کہ بندہ مجھ سے مانگتا رہے میں دیتا رہوں اور مانگنا سکھاتا ہے پھر دیتا ہے ہمارا مانگنا بھی اس کی رحمت سے ہے۔ شعر

مری طلب بھی تمہارے کرم صدقہ ہے ‏ ‏ ‏ قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

[3] وہ تیری طلب پر تھیں مثل میری عطا و فضل سے اپنی منہ مانگی مرادیں بھی لے اور میرا فضل و کرم بھی لے سبحان اللہ۔

[4] یعنی یہ زیادتی مقدار میں تو اس سے ایک گنا ہوگا مگر کیفیت میں دس گنا لہذا احادیث میں کوئی تعارض نہیں مقدار اور کیفیت میں بڑا فرق ہے (مرقات)

الْجَنَّةَ رَجُلٌ فَهُوَ يَمْشِي مَرَّةً وَيَكْبُو مَرَّةً وَتَسْفَعُهُ النَّارُ مَرَّةً فَإِذَا جَاوَزَهَا الْتَفَتَ إِلَيْهَا فَقَالَ تَبَارَكَ الَّذِي نَجَّانِي مِنْكِ لَقَدْ أَعْطَانِيَ اللّٰهُ شَيْئًا مَا أَعْطَاهُ أَحَدًا مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فَتُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ أَدْنِنِي مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ فَلِأَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَأَشْرَبَ مِنْ مَائِهَا فَيَقُولُ اللّٰهُ يَا ابْنَ آدَمَ لَعَلِّي إِنْ أَعْطَيْتُكَهَا سَأَلْتَنِي

داخل ہوگا وہ شخص ہوگا جو کبھی چلے گا اور کبھی گرے گا[1] اور کبھی اسے آگ جھلسائیگی[2] پھر جب اس سے نکل جاویگا تو اس کی طرف دیکھے گا کہے گا مبارک ہے وہ جس نے مجھے تجھ سے نجات دی[3] اللہ نے مجھے وہ شی دی ہے جو اگلوں پچھلوں میں سے کسی کو نہیں دی[4] پھر اس کے سامنے ایک درخت پیش کیا جاویگا[5] وہ کہے گا اے میرے رب مجھے اس درخت سے قریب کردے میں اسکا سایہ لونگا اور اس کا پانی پیوں[6] تو اللہ تعالٰی فرمائے گا کہ اے ابن آدم ممکن ہے کہ اگر میں تجھے یہ دیدوں تو تو مجھ سے اس کے

[1] فہو یمشی میں ف تفصیلیہ ہے جس سے اس شخص کے جنت میں داخلہ کی تفصیل بیان فرمائی گئی۔ تعقیبیہ نہیں ہے جنت میں داخل ہو جانے کے بعد چلنا اور گرنا کیسا یعنی جب جنت میں آتا ہوگا تو راستہ اس طرح طے کرے گا۔

[2] سفع کے لغوی معنی ہیں جلاکر نشان لگا دینا بالکل جلا دینے کو حرق کہتے ہیں اور معمولی جلاکر چہرہ وغیرہ سیاہ کردینے کو سفع (مرقات)، لہذا اس کے معنی جھلسانا بہت موزوں ہیں مومن کو دوزخ کی آگ بالکل جلا ڈالنے پر قادر نہ ہوگی ہاں جھلسا دے گی۔

[3] اس کا آگ سے یہ کلام نہایت ہی فرحت و خوشی کی حالت میں ہوگا اس وقت اسے ایسی خوشی ہوگی کہ اگر موت ہوتی تو آج اسے شادی مرگ ہو جاتی۔

[4] اس کا یہ کلام بھی انتہائی خوشی کا ہوگا۔ خیال رہے کہ ادنی جنتی کو بھی یہ خیال نہ آوے گا کہ میں ادنی ہوں اگر یہ خیال ہو جائے تو اسے رنج ہو اور جنت میں رنج کیسا۔

[5] یہ درخت جنت سے باہر ہوگا اس کے پاس پانی کا چشمہ ہوگا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اس درخت کی سرسبزی شادابی حسن و خوبصورتی بیان سے باہر ہے۔

[6] یعنی میرے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اس درخت تک پہنچ جاؤں ابھی اسے جنت کی خبر نہ ہوگی کہ وہاں کیا کیا ہے۔

غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ وَيُعَاهِدُهُ اَنْ لَّا يَسْأَلَهُ غَيْرَهَا وَرَبُّهُ يُعْذِرُهُ لِاَنَّهُ يَرٰى مَا لَا صَبْرَ لَهُ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَلْيَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا وَيَشْرَبُ مِنْ مَّائِهَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَهُ شَجَرَةٌ هِيَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلٰى فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ اَدْنِنِيْ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ لِاَشْرَبَ مِنْ مَّائِهَا وَاَسْتَظِلَّ بِظِلِّهَا لَا اَسْئَلُكَ غَيْرَهَا فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِيْ اَنْ لَّا

سوا ر بھی مانگے ۱؎ وہ عرض کریگا نہیں اے رب اور اس سے وعدہ کریگا کہ اس کے سوا اور نہ مانگے ۲؎ اس کا رب اسے معذور رجانیگا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھ رہا ہو گا جس پر صبر نہیں ہو سکتا تو اسے اس درخت سے قریب کر دیگا وہ اس کا سایہ لیگا اور اس کا پانی پیئے گا ۳؎ پھر دوسرا درخت اس کے سامنے کیا جاوے جو پہلے سے اچھا ہو گا ۴؎ تو کہیگا اے میرے رب مجھے اس درخت سے قریب کر دے تاکہ میں اس کا پانی پیوں اور اس کا سایہ لوں میں تجھ سے اس کے سوا نہ مانگوں گا ۵؎ تو رب فرمائے گا اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے معاہدہ نہ کیا تھا کہ تو

۱؎ رب تعالٰی کا یہ فرمانا اپنے شک کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ یا تو سامنے والے کی شک کی وجہ سے ہوتا ہے یا یقین کے لیے مطلب یہ ہے کہ تو یقینًا آگے اور بھی سوال کرے گا یا تو سوال نہ کرنے پر یقین نہ کر تیری حالت اس مقام کی فرحت ایسی ہے کہ تو اپنے اس یقین پر قائم نہ رہے گا۔

۲؎ اس وقت بندے کو اپنے پر پورا اعتماد ہو گا کہ مجھے وہاں پہنچ جانا ہی کافی ہے میں اس کے سوا اور کچھ نہ مانگوں گا نعوذ باللہ جھوٹا وعدہ کرنے کی نیت نہ کرے گا لہذا اس فرمان پر کوئی اعتراض نہیں وہ جگہ جھوٹ بولنے کی ہوگی ہی نہیں۔

۳؎ یہ شخص یہاں وہ عیش و بہار دیکھے گا جو اس کے خیال و گمان وہم سے ورا ہوں گے وہ چیزیں بیان میں نہیں آسکتیں

۴؎ پہلا درخت بھی جنت کے راستہ ہی میں تھا اور یہ بھی وہاں ہی ہو گا۔ مگر یہ درخت پہلے نظر نہ آوے گا اس درخت پر پہنچ کر نظر آوے گا یہ سب کچھ رب تعالٰی کی طرف سے ہو گا وہ ہی دکھائے گا وہ ہی دل میں سوال پیدا کرے گا وہ ہی عطا فرمائے گا۔

۵؎ وہ شخص یہ دعا فورًا نہ کرے گا اولًا عرصہ تک خاموش رہے گا۔ صبر کرنے کی کوشش کرے گا۔ پھر جب صبر کا جام چھلک جائے گا تب یہ عرض کرے گا جیسا کہ دوسری روایات میں ہے۔

تَسْئَلُنِیْ غَیْرَھَا فَیَقُوْلُ لَعَلِّیْ اِنْ اَدْنَیْتُكَ مِنْھَا تَسْأَلُنِیْ غَیْرَھَا فَیُعَاھِدُہٗ اَنْ لَّا یَسْأَلَہٗ غَیْرَھَا وَرَبُّہٗ یُعْذِرُہٗ لِاَنَّہٗ یَرٰی مَالَا صَبْرَلَہٗ عَلَیْہِ فَیُدْنِیْہِ مِنْھَا فَیَسْتَظِلُّ بِظِلِّھَا وَیَشْرَبُ مِنْ مَّآءِھَا ثُمَّ تُرْفَعُ لَہٗ شَجَرَۃٌ عِنْدَ بَابِ الْجَنَّۃِ ھِیَ اَحْسَنُ مِنَ الْاُوْلَیَیْنِ فَیَقُوْلُ اَیْ رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنْ ھٰذِہٖ فَلِاَسْتَظِلَّ بِظِلِّھَا وَاَشْرَبُ مِنْ مَّآءِھَا لَا اَسْأَلُكَ غَیْرَھَا

اس کے سوا اور مجھ سے نہ مانگے گا پھر فرمائیگا ممکن ہے کہ اگر میں تجھے اس سے قریب کردوں تو تو مجھے اسکے سوا مانگے[1] وہ رب سے وعدہ کریگا کہ اس کے سوا نہ مانگیگا اور اس کا رب اسے معذور جانے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھیگا جس پر صبر ناممکن ہے رب اسے اس درخت سے قریب کردیگا[2] وہ اسکا سایہ لیگا اس کا پانی پئے گا پھر اسکے سامنے جنت کے دروازے کے پاس ایک درخت ظاہر ہوگا جو پہلے دو سے اچھا ہوگا[3] تو کہیگا اے میرے رب اب مجھے اس سے قریب دے تاکہ میں اس کا سایہ لوں اور اس کا پانی پیوں[4] اس کے سوا تجھ سے کچھ نہ مانگوں گا۔

[1] سبحان اللہ یہ ارشاد عالی اسے مانگنے پر ابھارنے کے لیے ہے کہ تو مجھ سے اور مانگ یہ سارے کلام محبت وکرم پر ہیں۔

[2] بعض علماء کو میں نے فرماتے سنا کہ یہ وہ شخص ہوگا جو تھا تو مومن مگر اپنے والدین کی خدمت میں کوتاہی کرتا تھا وہ جوان تھا کماؤ تھا اس کے ماں باپ بوڑھے اور معذور تھے یہ انہیں خرچہ دیتا تو تھا مگر ترسا ترسا کر بہت انتظار دکھا کر اس کی سزا کا ظہور اس طرح ہوگا کہ اسے جنت ملے گی تو مگر دکھا دکھا کر ترسا ترسا کر واللہ اعلم غرضکہ ہوگا اسی طرح کا مجرم کہ اسے بہت انتظار کے بعد جنت دی جاوے ورنہ اور لوگ تو جنت میں بغیر انتظار داخل کیے جائیں گے۔

[3] وہ دونوں درخت تو راستہ جنت میں تھے اب یہ درخت دروازہ جنت سے متصل ہوگا جوان دونوں سے بہتر ہوگا اور یہاں سے جنت کا اندرونی حصہ دیکھنے میں آوے گا یہاں بہار ہی کچھ اور ہوگی۔ جو بیان نہیں کی جاسکتی۔

[4] وہ سمجھے گا کہ ان دونوں درختوں کی طرح وہاں بھی صرف سایہ اور پانی ہے اسے کیا خبر کہ وہاں جنت کے نظارے بھی ہیں اس لیے صرف سایہ لینے پانی پینے ہی کا ذکر کرے گا۔

فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ اَلَمْ تُعَاهِدْنِيْ اَنْ لَّا تَسْأَلَنِيْ غَيْرَهَا قَالَ بَلٰى يَا رَبِّ هٰذِهٖ لَا اَسْأَلُكَ غَيْرَهَا وَرَبُّهٗ يَعْذِرُهٗ لِاَنَّهٗ يَرٰى مَا لَا صَبْرَ لَهٗ عَلَيْهِ فَيُدْنِيْهِ مِنْهَا فَاِذَا اَدْنَاهُ مِنْهَا سَمِعَ اَصْوَاتَ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ اَيْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْهَا فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ اٰدَمَ مَا يَصْرِيْنِيْ مِنْكَ اَيُرْضِيْكَ اَنْ اُعْطِيَكَ الدُّنْيَا وَمِثْلَهَا مَعَهَا قَالَ اَيْ رَبِّ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَ

تو فرمائے گا اے ابن آدم کیا تو نے مجھ سے یہ عہد نہ کیا تھا کہ تو مجھ سے اسکے سوا کچھ نہ مانگے گا عرض کریگا ہاں یارب یہ ہی آخری سوال ہے[1] اس کے سوا تجھ سے اور نہ مانگونگا اور اس کا رب اسے معذور رکھے گا کیونکہ وہ ایسی چیز دیکھے گا جس پر اس سے صبر نہ ہوگا[2] تو اس کو اس سے قریب کردیگا تو جب اس سے قریب کردیگا وہ جنت والوں کی آواز سنے گا[3] تو کہیگا اے رب مجھے اس میں داخل فرما رب فرمائیگا ابن آدم مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی[4] کیا تجھے یہ بات راضی کریگی کہ میں تجھے دنیا اور دنیا کی مثل اس کے ساتھ دوں[5] عرض کرے گا اے رب[6] تجھ سے تو مذاق کرتا ہے۔ تو

[1] یہاں ھذہ یا تو مبتدا ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یا مفعول ہے جس کا فعل پوشیدہ ہے یعنی آخری سوال میرا یہ ہی ہے اس کے بعد اور سوال نہ کروں گا یا تجھ سے آخری یہ ہی چیز مانگتا ہوں اب نہ مانگوں گا وہ سمجھتا ہوگا کہ اس سے اعلیٰ تو کوئی چیز ہو سکتی ہی نہیں پھر سوال کیا۔ [2] لہذا یہ وعدہ خلافیاں بے صبری کی وجہ سے ہوں گی۔

[3] یا تو جنتی لوگوں کی آپس کی بات چیت سنے گا یا ان کی تسبیح تہلیل تلاوت قرآن مجید کی آواز کہ جنت میں ذکر اللہ اور تلاوت وغیرہ ہوں گے۔ خیال رہے کہ قیامت میں کوئی اندھا بہرا نہ ہوگا سب کی یہ قوتیں بہت ہی تیز ہوں گی اس لیے یہ شخص جنت کے اندر کی آوازیں دروازے سے سن لے گا رب فرماتا ہے فکشفنا عنك غطاءك فبصرك اليوم حديد۔

[4] یصرینی باب ضرب کا مضارع ہے یہ بنا ہے صری سے معنی ختم ہونا منقطع ہونا چھٹکارا ملنا یعنی تیرا مجھ سے مانگنا ختم نہیں ہوتا میں تیری داد و دہش سے فارغ نہیں ہوتا بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ما استفہامیہ ہے معنی یہ ہیں کہ کون چیز مجھے تجھ سے فارغ کرے گی بتا کس چیز پر تیری مانگ ختم ہوتی ہوگی مرقات نے فرمایا کہ یہاں عبارت الٹی ہے اصل میں یہ تھا ما یصریك منی۔ میری کونسی عطا پر تیری طلب ختم ہوگی تو کس عطا پر مانگنے سے فارغ ہوگا یہ فرمان عالی نہایت ہی کرم و رحم کا ہے۔

[5] یعنی اگر تجھے جنت کا اتنا رقبہ دے دوں جو ساری دنیا کے رقبہ سے دوگنا ہے تو کیا تو سوالات اور مانگ ختم کردے گا لے تو اتنا لے اور اپنی مانگ ختم کر۔

اَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ فَضَحِكَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ فَقَالَ اَلَا تَسْأَلُوْنِيْ مِمَّ اَضْحَكُ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ فَقَالَ هٰكَذَا ضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا مِمَّ تَضْحَكُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مِنْ ضِحْكِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ حِيْنَ قَالَ اَتَسْتَهْزِئُ مِنِّيْ وَاَنْتَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ فَيَقُوْلُ اِنِّيْ لَا اَسْتَهْزِئُ مِنْكَ وَلٰكِنِّيْ عَلٰى مَا اَشَاءُ

تو رب العالمین ہے[1] حضرت ابن مسعود ہنس پڑے پھر فرمایا تم مجھ سے پوچھتے کیوں نہیں کہ میں کسی چیز سے ہنستا ہوں لوگوں نے عرض کیا کہ آپ کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا ایسے ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہنسے تھے صحابہ نے عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ حضور سرکار کس چیز سے ہنستے ہیں فرمایا رب العالمین کے ہنسنے سے جب وہ بندہ کہے گا[2] کہ کیا تو مجھ سے مذاق فرماتا ہے حالانکہ تو رب العالمین ہے تو فرمائے گا میں تجھ سے مذاق نہیں کرتا لیکن میں اپنے ھر چاہے پہ

[1] یہ شخص انتہائی خوشی میں دربار عالیہ کے اداب بھی اور عرض کرنے کا طریقہ بھی بھول جاوے گا وہ سمجھے گا کہ جنت میں اتنی جگہ کہاں سے آئی مجھ سے یوں ہی میرے دل لگانے کے لیے فرمایا جارہا ہے استہزار کے لغوی معنی ہیں دل لگی جو مخاطب کے دل کو لگ جاوے اللہ تعالٰی دل اور دل لگنے سے پاک ہے اور دل لگی کے ظاہری معنی سے بھی پاک ہے کہ کچھ دینا تو نہ ہو صرف اس کا دل بھانے کے لیے یہ فرمادے اشعہ، مرقات نے فرمایا کہ اس کی یہ عرض و معروض ایسی بےخودی میں ہوگی جیسی اس گم شدہ اونٹ والے نے اونٹ ل جانے پر کہا الٰہی انت عبدی وانا ربک. خدایا تو میرا بندہ ہے میں تیرا رب اسے خبر ہی نہ رہی کہ میرے منہ سے نکل کیا رہا ہے ایسی جوش کی حالت کی بے ادبی معاف ہوتی ہے یہ بے ادبی نہیں بلکہ بے خودی کی بدحواسی ہے۔

[2] رب تعالٰی کے ہنسنے سے مراد ہے اس کا خوش ہوجانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا ہے آپ کا تبسم فرمانا یہ تبسم بھی اظہار خوشی کے لیے ہے حضرت ابن مسعود کا ہنسنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل فرماتے ہوئے ہے حضرات صحابہ کرام حضور کے اعمال کریمہ کی روایت بالعمل بھی کرتے تھے جب غضب ہو تو بندہ کی عبادت پر ناراض ہوجائے اور جب کرم ہو تو اس کے گناہ پر خوش ہوجائے بلا تشبیہ شیخ سعدی کا وہ مقولہ دیکھو۔ گہے بر سلامے برنجند و گہے بہ دشنامے خلعت دہند۔ اس کی تحقیق یہاں مرقات میں دیکھو اعلٰی حضرت نے فرمایا۔ اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے۔

رب ہم سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔

قَدِيْرٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِي رِوَايَةٍ لَهُ عَنْ أَبِي سَعِيدٍ نَحْوُهُ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ فَيَقُوْلُ يَا ابْنَ آدَمَ مَا يَصْرِيْنِي مِنْكَ إِلَى آخِرِ الْحَدِيثِ وَزَادَ فِيْهِ وَيُذَكِّرُهُ اللّٰهُ سَلْ كَذَا وَكَذَا حَتّٰى إِذَا انْقَطَعَتْ بِهِ الْأَمَانِيُّ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى هُوَ لَكَ وَعَشَرَةُ أَمْثَالِهِ قَالَ ثُمَّ يَدْخُلُ بَيْتَهُ فَتَدْخُلُ عَلَيْهِ زَوْجَتَاهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ فَتَقُوْلَانِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَحْيَاكَ

قادر ہوں (مسلم) اور اسی مسلم کی ایک روایت میں ہے جو حضرت ابوسعید سے ہے اسی طرح ہے مگر انہوں نے یہ ذکر نہ کیا کہ اے ابن آدم مجھے تجھ سے فراغت نہیں ہوتی [1] آخر حدیث تک اس میں یہ زیادتی کی ہے کہ اللہ اسے یاد دلائے گا کہ فلاں فلاں چیز مانگ [2] حتی کہ جب اس کی خواہشیں ختم ہو جائیں گی تو اللہ تعالٰی فرمائیگا کہ وہ سب کچھ تیرا ہے اور اس سے دس گنا اور [3] فرمایا پھر وہ اپنے گھر میں داخل ہوگا تو اس پر اس دو بیویاں آنکھ والی حوریں داخل ہوں گی [4] کہیں گی شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے ہمارے لئے اور ہمیں تیرے

[1] یعنی تو نے میری قدرت جانی نہیں تیری طلب سے میری رحمتیں زیادہ ہیں میری عطائیں، تیرے وہم و گمان سے وراء ہیں۔

[2] یعنی مسلم کی روایت میں اتنی عبارت نہیں اور دوسری دراز عبارت ہے جو دوسری روایت میں مذکور ہے۔

[3] سبحان اللہ کیسا کریم رحیم ہے کہ خود ہی مانگنا سکھائے اور خود ہی عطائیں فرمائے جب حاکم فرمائے کہ تم فلاں مضمون کی درخواست ہم کو دے دو مطلب یہ ہوتا ہے کہ نوکر رکھ لیا ہے قانونی کاروائی کے لیے درخواست مانگی ہے یہ بھی وہاں بنے گا بلکہ دنیا میں بھی ایسا ہی ہے وہ ہی دعا سکھاتا ہے وہ ہی عطائیں فرماتا ہے۔

[4] اس کا مطلب پہلے بیان ہو چکا کہ اولاً ایک مثل کی عطا ہوگی پھر دس گنا کی لہذا روایات میں کوئی تعارض نہیں۔

[5] اس کی یہ بی بیاں اس کی منتظر تھیں۔ خیال رہے کہ اس جنتی کو دو بیویاں تو حور عین ملیں گی اور اس کی دنیا کی وہ بیوی جو اس کے نکاح میں فوت ہوئی اگر اس کا خاتمہ ایمان پر ہوا ہے وہ بھی ملے گی ان کے سوا اور وہ عورتیں جو کنواری فوت ہوئیں یا وہ جن کے خاوند کافر مرے وہ بھی اسے ملے گی ہر جنتی کا یہ ہی حال ہوگا۔ چنانچہ حضرت مریم اور حضرت بی بی آسیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہوں گی یہاں دو فرمانا صرف حوروں کے لیے ہے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں کہ ولھم فیھا ازواج مطھرۃ وہاں ازواج جمع ارشاد ہوا ہے یہاں دو حوریں فرمایا گیا دونوں درست ہیں۔

لَنَا وَاَحْیَانَا لَكَ قَالَ فَیَقُوْلُ مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ مِثْلَ مَا اُعْطِیْتُ، وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیُصِیْبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةً ثُمَّ یُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهٖ وَرَحْمَتِهٖ فَیُقَالُ لَهُمْ جَهَنَّمِیُّوْنَ بُخَارِیٌّ، وَعَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ قَوْمٌ مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ

لئے زندہ رکھا[1] فرماتے ہیں وہ کہے گا کہ جیسا مجھے عطیہ کیا گیا وہ کسی کو نہ دیا گیا[2] روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ قوموں کو ان کے کئے ہوئے گناہوں کی وجہ سے آگ کی لپٹ پہونچے گی[3] سزا کے طور پر پھر اللہ انہیں جنت میں داخل فرمادے گا اپنے فضل اپنی رحمت سے انہیں جہنمی کہا جاوے گا[4] (بخاری) روایت ہے حضرت عمران ابن حصین سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محمد مصطفٰے کی شفاعت سے ایک قوم آگ سے

[1] یعنی اس رب نے تم کو ہمارے لیے اور ہم کو تمہارے لیے دائمی زندگی بخشی کہ اب نہ مرنا ہے نہ یہاں سے نکلنا نہ ہماری تمہاری جدائی تجھے ہم تک پہنچایا۔

[2] یا تو اس شخص کو اعلٰی درجات والے جنتیوں کی عطاؤں کی خبر نہ ہوگی وہ سمجھے گا کہ سب سے اعلٰی نعمتیں مجھے ہی دی گئی ہیں یا اسے ان حضرات کے عطیوں کی طرف دھیان نہ جاوے گا اپنی نعمتوں پر ہی دھیان رہے گا۔ تاکہ اسے رنج نہ ہو کہ جنت میں رنج وغم نہیں مرقات نے پہلی توجیہ اختیار کی غرضکہ اس کی خوشی کی انتہا نہ ہوگی۔

[3] ایسی لپٹ پہنچے کہ جس سے ان کے چہرے جھلس تو جائیں گے مگر بالکل جلیں گے نہیں سفع کے معنی ہیں حرق قلیل تھوڑی سی جلن۔

[4] مگر انہیں اس نام سے خوشی ہوگی کہ رب تعالٰے کی بخشش رحمت انہیں یاد آئے گی۔ رنج مطلقًا نہ ہوگا۔ کہ جنت میں رنج کیسا۔

مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَيُسَمُّونَ الْجَهَنَّمِيِّينَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ
وَفِي رِوَايَةٍ يَخْرُجُ قَوْمٌ مِنْ أُمَّتِي مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَتِي يُسَمُّونَ
الْجَهَنَّمِيِّينَ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْلَمُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ
خُرُوجًا مِنْهَا وَآخِرَ أَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُولًا رَجُلٌ يَخْرُجُ
مِنَ النَّارِ حَبْوًا فَيَقُولُ اللّٰهُ اذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ
فَيَأْتِيهَا فَيُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهَا مَلْأَى فَيَقُولُ يَا رَبِّ

نکالی جاوے جو جنت میں داخل ہوں گے اور ان کا نام جہنمیں رکھا جاوے گا۱ (بخاری) اور ایک روایت میں ہے کہ میری امت میں سے ایک قوم میری شفاعت کی بنا پر آگ سے نکالی جاوے گی جو جہنمی نام دیئے جائیں گے۲ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جانتا ہوں دوزخ والوں میں سے آخری نکلنے والے کو اور جنت میں آخری داخل ہونے والے کو۳ ایک شخص آگ سے گھسٹتا ہوا نکلے گا تو رب فرمائے گا جا جنت میں داخل ہو جا وہ وہاں جاویگا اسے خیال بندھے کہ جنت بھری ہوئی ہے۴ وہ کہے گا یارب میں نے

۱ ان میں سے وہ لوگ بھی داخل ہیں جنہوں نے صرف کلمہ پڑھا۔ اچھے عقیدے اختیار کئے مگر کوئی نیکی نہ کی اور وہ بھی داخل ہیں جنہوں نے کلمہ بھی نہیں پڑھا ان کا ایمان شرعی نہ تھا مگر وہ عنداللہ مومن تھے۔ دل میں ایمان رکھتے ہیں زبان سے ظاہر نہ کرتے تھے کسی وجہ سے ان پر دنیا میں نماز جنازہ بھی نہ ہوئی انہیں مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی نہیں کیا گیا۔ انہیں رب تعالٰی اپنی قدرت والی مٹھی میں بھر کر جنت میں ڈالے گا۔ یہ سب حضور کی شفاعت سے ہی دوزخ سے نکلیں گے اس کی تحقیق ابھی کچھ پہلے کی جاچکی ہے۔

۲ یہ وہ لوگ ہیں جو کلمہ پڑھ کر مسلمان تو ہو گئے مگر غفلت میں زندگی گزار گئے۔ کوئی نیکی نہیں کی کیونکہ انہیں امتی فرمایا گیا۔

۳ رجل سے مراد صرف ایک شخص نہیں ہے بلکہ اس قسم کے لوگ ہیں۔ حضور ان سب کو تفصیلًا جانتے ہیں۔ ان کے نام ان کے خاندان ان کی شکل وصورت وغیرہ جیسا کہ اعلم سے معلوم ہوا۔ شعر

ہم نے عرض کیا ہے۔ ایک ماہ مدنی گورا سا بدن نیچی نظریں کل کی خبریں

۴ کیونکہ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرے گی وہاں تک آدمی ہی آدمی نظر آئیں گے کوئی جگہ جنتیوں سے خالی اسے نظر نہ آوے گی۔

وَجَدْتُهَا مَلَأَى فَيَقُولُ اِذْهَبْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ فَاِنَّ لَكَ مِثْلُ الدُّنْيَا وَعَشَرَةَ اَمْثَالِهَا فَيَقُولُ اَتَسْخَرُ مِنِّيْ اَوْ تَضْحَكُ مِنِّيْ وَاَنْتَ الْمَلِكُ فَلَقَدْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ وَكَانَ يُقَالُ ذٰلِكَ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ مَنْزِلَةً مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اٰخِرَ اَهْلِ الْجَنَّةِ دُخُوْلًا الْجَنَّةَ وَاٰخِرَ اَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا مِنْهَا رَجُلٌ يُؤْتٰى بِهٖ

جنت بھری ہوئی پائی [1] تو رب فرمائیگا جا جنت میں داخل ہو جا کیونکہ تیری ملکیت دنیا کی برابر اور اس کا دس گن ہے [2] وہ کہے گا کیا تو مجھ سے مسخر کرتا ہے یا مجھ سے ہنسی فرماتا ہے حالانکہ تو بادشاہ ہے تو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور ہنسے حتی کہ آپ کی داڑھیں مبارک چمک گئیں [3] اور کہا جاتا تھا کہ یہ جنت والوں میں ادنی درجہ کا ہوگا [4] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میں جانتا ہوں جنتیوں میں سے آخری داخل ہونے والے کو جنت میں اور دوزخیوں میں سے وہاں سے آخری نکلنے والے کو [5] کہ یہ شخص

[1] میرے مولیٰ اب میں کہاں جاؤں گا۔ جنت میں تو کوئی جگہ خالی ہی نہیں۔

[2] اس دس گنا فرمانے میں عجیب حکمت ہوگی کیونکہ مومن کا دنیا میں رہنا بھی نیکی ہے اور نیکی کا بدلہ دس گنا ہے۔ من جاء بالحسنۃ فلہ عشر امثالھا لہذا اس قانون سے اُسے دنیا کا دس گنا رقبہ عطا ہوا۔ (مرقات)

[3] حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے سے مراد ہوتا ہے۔ آپ کا تبسم فرمانا کیونکہ قہقہہ لگانا حضور سے کبھی ثابت نہیں۔ رب تعالیٰ کے استہزاء کے معنی بیان ہوچکے۔

[4] یہ قول یا تو حضرت ابن مسعود کا ہے یا کسی اور راوی کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا فرمان نہیں۔ اس لیے کان یقال فرمایا گیا۔ یعنی لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ یہ ادنیٰ درجہ کا جنتی ہوگا جس کی املاک اس قدر وسیع ہوں گی۔ اعلیٰ جنتیوں کی ملکیت کا رقبہ تو ہمارے خیال سے باہر ہے۔

[5] یہ دونوں چیزیں لازم ملزوم ہیں جو دوزخ سے آخر میں نکلے گا وہ ہی جنت میں آخر میں جائیگا۔ مرد سے مراد نوع مرد ہے نہ کہ شخصی مرد اس قسم کے بہت لوگ ہوں گے جنہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم تفصیلاً جانتے ہیں۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُقَالُ اَعْرِضُوْا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوْبِهٖ وَارْفَعُوْا عَنْهُ كِبَارَهَا فَتُعْرَضُ عَلَيْهِ صِغَارُ ذُنُوْبِهٖ فَيُقَالُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا وَعَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا كَذَا وَكَذَا فَيَقُوْلُ نَعَمْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّنْكِرَ وَهُوَ مُشْفِقٌ مِّنْ كِبَارِ ذُنُوْبِهٖ اَنْ تُعْرَضَ عَلَيْهِ فَيُقَالُ لَهٗ فَاِنَّ لَكَ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ حَسَنَةً فَيَقُوْلُ قَدْ عَمِلْتُ اَشْيَاءَ لَا اَرَاهَا هٰهُنَا وَ

ہوگا جسے قیامت کے دن لایا جائیگا کہا جائیگا کہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کرو اور اس سے اس کے بڑے گناہ اٹھا رکھو[1] چنانچہ اس پر اس کے چھوٹے گناہ پیش کئے جائینگے کہا جاویگا تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کئے اور فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کئے وہ کہیگا ہاں[2] انکار کرنے کی طاقت نہ رکھے گا[3] اور وہ اپنے بڑے گناہوں سے ڈر رہا ہوگا کہ اس پر وہ پیش کردئے جاویں[4] کہا جاوے گا کہ تیرے لئے ہر گناہ کے عوض ایک نیکی ہے[5] تب وہ کہے گا کہ میں نے تو اور بڑے کام بھی کئے تھے جنہیں یہاں نہیں

[1] یعنی اس کے سامنے اس کے چھوٹے گناہ اقرار کرانے کے لیے پیش کرو ابھی بڑے گناہ اسے نہ دکھاؤ خیال ہے کہ ابھی ان بڑے گناہوں کی معافی نہیں ہے بلکہ اس سے چھپانا ہے جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

[2] اس دن اپنے گناہ مان لینا سعادت کی نشانی ہوگی اور بخشش کا پیش خیمہ کہ انکار کرنے پر مصیبت آجاوے گی مسلمان یہ بات یاد رکھیں۔

[3] یعنی اس کے دل میں اس میں سے کسی گناہ کے انکار کی ہمت نہ ہوگی یہ بے ہمتی نیک بختی کی علامت ہے اللہ تعالٰی یہاں گناہ کرنے کی ہم کو ہمت ہی نہ دے یہ ہمت ہارنا ان شاء اللہ جیتنے کا پیش خیمہ ہے یہ ہمت عذاب ہے کم ہمتی رحمت۔

[4] معلوم ہوا کہ اس دن ہر شخص کو اپنا ایک ایک عمل یاد ہوگا، نامۂ اعمال اس کی یاد کی تصدیق کریگا۔ رب فرماتا ہے "اقرأ کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا" بلکہ مرتے وقت بھی انسان کے سامنے اپنے ہر نیک و بد اعمال آجاتے ہیں بہتر ہے کہ ہر شخص روزانہ سوتے وقت اپنے اعمال کا حساب کرلیا کرے۔

[5] ظاہر یہ ہے کہ یہ وہ شخص ہوگا جس نے اپنے ان گناہوں سے توبہ نہیں کی تھی بغیر توبہ مرگیا تھا اور یہ تبدیلی محض کرم و فضل سے ہوگی اس تبدیل کا مطلب یہ نہیں کہ گناہ نیکیاں بن جاویں گے کہ زنا جہاد بن جاوے اور جھوٹ سچ ہو جاوے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اسے فی گناہ ایک علیٰ وہ ہو اگر وہ نیکی کرتا تو یہ پاتا اسے ویسے ہی دیدو۔ خیال ہے کہ توبہ۔ ایمان۔ نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی تبدیلی قانون ہے۔ رب فرماتا ہے "الا من تاب و امن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ

وَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ‎۝ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ اَرْبَعَةٌ فَيُعْرَضُوْنَ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُؤْمَرُ بِهِمْ اِلَى النَّارِ فَيَلْتَفِتُ اَحَدُهُمْ فَيَقُوْلُ اَىْ

دیکھ رہا ہوں [۱] میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حضور سرکار ہنس پڑے حتی کہ آپ کی داڑھیں چمک گئیں [۲] (مسلم) روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آگ سے چار آدمی نکالے جائیں گے [۳] پھر بارگاہِ الٰہی میں پیش کئے جائیں گے پھر انہیں آگ کی طرف جانے کا حکم دیا جاویگا [۴] تو ان میں سے ایک مڑ مڑ کر دیکھے گا عرض کریگا

سیاٰتھم حسنات وہاں یہ تبدیلی صرف فضل و مہربانی ہے۔ شعر

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا

بنیا نکیتی کیتی مٹھکرائی ! بن کیتی لکھہ دین برائی

اللہ تعالیٰ انصاف نہ کرے رحم فرمادے کہ ہماری کی ہوئی برائیاں بے کی ہوئی بنا دے یعنی محو فرمادے۔ سب پر مہربانی و معاف کا قلم پھیر دے۔ شعر

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر قلمِ عفو بر گناہم کش

[۱] یعنی اس کرم کریمانہ کو دیکھ کر پکار اٹھے گا کہ مولیٰ میرے بڑے گناہ تو یہاں موجود ہی نہیں وہ بھی لائے جاویں اور ان بڑے گناہوں پر بڑے عطیے دیئے جاویں۔ تو بخش بے حساب کہ ہیں جرم بے حساب۔ [۲] حضور نے اس کے انقلاب حال پر تبسم فرمایا کہ ابھی تو گناہ کبیرہ سے ڈر رہا تھا اب خود مانگ رہا ہے۔ رب کا فضل تو آن کی آن میں کایا پلٹ دیتا ہے وہ اگر چاہے تو ہم جیسے لاکھوں گنہگار پرہیزگار بن جاویں وہاں کیا کمی ہے۔ پانچ منٹ کی بارش مردہ زمین کو زندہ کردیتی ہے۔ [۳] یعنی چار قسم کے لوگ نکالے جائیں گے یا ہر بار میں چار چار افراد نکالے جائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ شخصی ہو۔ خیال رہے کہ یہ سب لوگ بخشے جائیں گے حضور کی شفاعت سے ہی کوئی آگے کوئی پیچھے کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح شفاعت سے پہلے تو رب نہ کسی سے کلام فرمائے گا نہ قیامت کا کاروبار شروع فرمائیگا [۴] سبحان اللہ کیسا پیارا حکم ہے دوزخ سے نکل کر ہمارے حضور آ، اچھا پھر وہاں ہی لوٹ جاؤ اس حکم حکیمانہ پر دل وجان فدا اعلیٰحضرت قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا

جملہ عالم بندۂ اکرام تو صد چو جاں من فدائے نام تو

رَبِّ لَقَدْ كُنْتُ اَرْجُوْ اِذَا اَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا اَنْ لَّا تُعِيْدَنِيْ فِيْهَا قَالَ فَيُنَجِّيْهِ مِنْهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❁ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُوْنَ عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ مَظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا حَتّٰى اِذَا

یا رب میں امیدوار تھا جب تو نے مجھے وہاں سے نکال لیا تو اب دوبارہ نہ لوٹائے گا۔ فرمایا تو رب اسے آگ سے نجات دیدیگا[1] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان آگ سے نجات پائیں گے تو وہ جنت دوزخ کے درمیان ایک پل پر روکے جائیں گے[2] تو بعض کا بعض ان ظلموں کا بدلہ لیا جاوے گا جو ان کے درمیان دنیا میں تھے[3] حتی کہ جب

[1] معلوم ہوا کہ رب تعالٰی سے امید بھی بڑی عبادت ہے ایسی عبادت کہ مشکلیں حل کردیتی ہے۔ امید ہی وہ عبادت ہے جو اس عالم میں بھی ہوگی اور کام آوے گی امید ہی وہ عبادت ہے جو ہم جیسے گنہگاروں کا سہارا ہے۔ شعر

زطاعت نہ آوردم الا امید خدایا مگرداں مرا نا امید

اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چار میں سے ایک شخص یہ عرض کرے گا باقی تین بھی اسی کی عرض سے بخش دیئے جائیں گے رحمت والے کا ساتھ بھی رحمت سے حصہ دلا دیتا ہے۔ یا وہ چاروں باری باری سے یہ عرض کریں گے یہاں صرف ایک کا ذکر ہوا ہے

[2] غالب یہ ہے کہ یہ پل جنت دوزخ کے درمیان کوئی اور پل ہے سوا پلصراط کے کیونکہ پلصراط تو دوزخ کے اوپر واقع ہے جنت دوزخ کے درمیان نہیں۔ نیز یہاں ارشاد ہے کہ مومن آگ سے نجات پاکر اس پل پر پہنچیں گے۔ یعنی پلصراط سے گزر جانے کے بعد اور اگر اس سے پلصراط ہی مراد ہو تو اس کا دوسرا کنارہ مراد ہوگا جو دوزخ کے دوسری طرف جنت کی جانب اس کا پہلا کنارہ میدان حشر کی طرف عام شارحین نے اس سے پلصراط مراد لیا ہے واللہ اعلم۔

[3] یعنی ظالموں سے مظلوموں کو بدلہ دلوایا جاوے گا خواہ جانی ظلم ہو یا مالی یا عزت و آبرو کا ظلم غالبًا اس سے معمولی ظلم مراد ہیں۔ بڑے ظلم جیسے قتل، مال مارلینا وغیرہ کی سزائیں تو دوزخ میں رکھا جاوے گا۔ یہاں قصاص یا تو اس طرح لیا جاوے گا کہ مظلوم سے معاف کرادیا جاوے یا مظلوم کا درجہ بڑھا دیا جاوے یا ظالم کا درجہ گھٹا دیا جاوے قصاص کی بہت صورتیں ہوسکتی ہیں۔

هُذِّبُوا وَنُقُّوا اُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لِاَحَدُهُمْ اَهْدٰى بِمَنْزِلِهٖ فِي الْجَنَّةِ مِنْهُ بِمَنْزِلِهٖ كَانَ لَهٗ فِي الدُّنْيَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ، وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ اَحَدٌ الْجَنَّةَ اِلَّا اُرِيَ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ لَوْ اَسَاءَ لِيَزْدَادَ شُكْرًا وَلَا يَدْخُلُ النَّارَ اَحَدٌ اِلَّا اُرِيَ مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ لَوْ

کر پاک وصاف کر دیئے جائیں گے تو انہیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جاوے گی۱؎ تو اس کی قسم جس کے قبضہ میں محمد مصطفٰے کی جان ہے ان میں سے ہر ایک اپنے جنتی گھر کا اس سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوگا جو اپنے دنیاوی گھر کا ہدایت یافتہ تھا۲؎ (بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا مگر پہلے اسے اس کا دوزخی ٹھکانہ دکھایا جاوے گا اگر وہ بدجرم کرتا۳؎ تاکہ وہ زیادہ شکر کرے اور کوئی آگ میں نہ جاوے گا مگر اسے اس کا جنتی ٹھکانہ دکھایا جاوے گا اگر

۱؎ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی گندا جنت میں نہ جائے گا وہاں تو پاک وصاف کی جگہ ہے۔مؤمن بعض گناہوں سے تو دنیاوی تکالیف فکریں بیماریوں وغیرہ کے ذریعہ صاف کر دیئے جاتے ہیں۔بعض گناہوں سے سکرات موت کی وجہ سے بعض گناہوں سے عذاب قبر کی وجہ سے مگر بعض گناہ ایسے ہیں جنہیں کچھ دن دوزخ کی آگ میں رکھ کر دور کیے جائیں گے جیسے سونے چاندی کے معمولی میل صابن برش سے صاف کیے جاتے ہیں مگر بعض میل آگ میں تپا کر ہی دور کیے جاسکتے ہیں۔یہ ہی ہمارے میلوں کا حال ہے(اشعہ)

۲؎ چنانچہ کوئی جنتی جنت میں پہنچ کر کسی سے اپنے گھر کا پتہ نہ پوچھے گا۔بلکہ خود بخود بے تکلف وہاں ایسے پہنچ جاوے گا۔جیسے وہاں کا پرانا باشندہ ہے۔کیونکہ گناہ دُھل جانے کی وجہ سے اس کا دل نورانی خالص ہوگیا نور سے کچھ نہیں چھپتا(اشعہ) رب فرماتا ہے یَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيمَانِهِمْ ...... اللہ تعالٰی دنیا میں بھی ہم کو کامل نور ایمانی عطا فرمادے۔

۳؎ ہر شخص کے لیے دو ٹھکانے مقرر ہیں ایک دوزخ میں دوسرا جنت میں مؤمن اپنا اور کافر کا جنتی مقام لے گا۔اور کافر دوزخ میں اپنا اور مسلمان کے مقام کو سنبھالے گا۔یہاں قبر کے امتحان میں کامیاب ہوجانے پر دکھایا جاوے گا۔پھر قیامت میں دکھانا مراد ہے جیسا کہ مضمون سے اور عذاب قبر کے باب میں خود قبر میں دکھانے کا ذکر تھا۔

اَحْسَنَ لِيَكُوْنَ عَلَيْهِ حَسْرَةً رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَارَ اَهْلُ الْجَنَّةِ اِلَى الْجَنَّةِ وَاَهْلُ النَّارِ اِلَى النَّارِ جِيْءَ بِالْمَوْتِ حَتّٰى يُجْعَلُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ ثُمَّ يُذْبَحُ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ لَا مَوْتَ وَيَا اَهْلَ النَّارِ لَا مَوْتَ فَيَزْدَادُ اَهْلُ الْجَنَّةِ فَرَحًا اِلٰى فَرَحِهِمْ وَيَزْدَادُ اَهْلُ النَّارِ حُزْنًا اِلٰى حُزْنِهِمْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ ثَوْبَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ

وہ نیکیاں کرتا تاکہ اس پر حسرۃ ہو جاوے [1] (بخاری) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جاویں گے تو موت لائی جاوے گی حتی کہ جنت و دوزخ کے درمیان رکھی جاوے گی [2] پھر ذبح کردی جاوے گی [3] پھر پکارنے والا پکارے گا اے جنتیو اب موت نہیں اور اے دوزخیو اب موت نہیں [4] تو جنتی لوگوں کو خوشی پر خوشی بڑھ جاوے اور دوزخی لوگوں کو غم پر غم زیادہ ہو جاوے گا [5] (مسلم۔ بخاری)

دوسری فصل روایت ہے حضرت ثوبان سے وہ نبی صلے اللہ

[1] مومن کی خوشی کی انتہا نہ رہے گی اور کافر کے رنج و غم بے حد ہو جائیں گے۔ آگ کی تکلیف اور جنت کا گھر چھوٹ جانے کا صدمہ

[2] دنبہ کی شکل میں موت اعراف پر کھڑی کی جاوے گی۔ خیال رہے کہ دنیا کے اعراض صفات وغیرہ سب کی صورتیں ہیں جو آخرت میں ظاہر ہوں گی۔ آج ہم خواب میں حالات کو اجسام کی شکل میں دیکھ لیتے ہیں شاہ مصر نے سات سال کا قحط سات بالیوں سات گائیوں کی شکل میں دیکھا تھا۔

[3] اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ موت وجودی چیز ہے محض عدم نہیں۔ رب فرماتا ہے خلق الموت والحیٰوۃ لہذا موت فنا ہو سکتی ہے کہ وہ بھی مخلوق ہے۔

[4] لہذا اب ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہو نہ مرنا ہے نہ یہاں سے نکلنا نہ بیماری نہ کوئی تکلیف تمہیں بھی یہاں ہیشگی ہے اور تمہارے عیش و آرام کو بھی دوام۔

[5] اس خوشی اور غم کا بیان نہیں ہو سکتا اگر وہاں موت ہوتی تو جنتی تو خوشی سے مرجاتے اور دوزخی غم سے ہلاک ہو جاتے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَوْضِي مِنْ عَدَنٍ إِلَى عَمَّانَ الْبَلْقَاءِ مَاءُ هَا أَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَأَحْلَى مِنَ الْعَسَلِ وَأَكْوَابُهُ عَدَدُ نُجُومِ السَّمَاءِ مَنْ شَرِبَ شُرْبَةً لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا أَبَدًا أَوَّلُ النَّاسِ وُرُوْدًا فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ الشُّعْثُ رُؤُسًا الدُّنْسُ ثِيَابًا الَّذِيْنَ لَا يَنْكِحُوْنَ الْمُتَنَعِّمَاتِ وَلَا يُفْتَحُ لَهُمْ

علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ میرا حوض عدن سے لے کر عمان بلقاء تک ہے [۱] اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید ہے اور شہد سے زیادہ میٹھا [۲] اور اس کے کوزے آسمان کے تاروں کے برابر ہیں جو ایک گھونٹ پیئے گا اسکے بعد پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا [۳] لوگوں میں سب سے پہلے وہاں پہونچنے والے وہ مہاجر فقیر ہیں جن کے بال پراگندہ ہیں کپڑے میلے جو امیر عورتوں سے نکاح نہ کرسکیں ان کے دروازے نہ کھولے

[۱] عدن آج کل یمن کا دارالخلافہ ہے۔ مشہور شہر ہے بحر ہند کے کنارہ پر واقع ہے حجاج کا جہاز پہلے عدن ٹھہرتا ہے پھر جدہ پہنچتا ہے۔

[۲] عمان عین کے فتح میم کے شد سے اردن کا مشہور شہر ہے وہاں کا دارالخلافہ ہے اور عمان عین کے پیش میم کے شد سے یمن کا ایک شہر بھی ہے شام کا ایک مقام بھی اور بلقاء شام کی مشہور جگہ عمان کو بلقاء کی طرف مضاف فرما کر بتایا کہ یہاں شام والا عمان مراد ہے۔ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ یہ بیان حد بندی کے لیے نہیں بلکہ سننے والے کو وسعت سمجھانے کے لیے ہے۔ اسی واسطے مختلف احادیث میں مختلف شہروں کے نام لیے گئے جو شخص جن شہروں سے واقف تھا اسے وہی شہر بتائے گئے۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ حوض کوثر بعض لوگوں کی نگاہ میں دراز ہوگا بعض کی نگاہ میں بہت دراز بعض کی نگاہ میں بہت ہی دراز جیسے مومن کی قبر کی فراخی مختلف ہے (مرقات)

[۳] مٹھاس کے بیان کے لیے شہد کا ذکر فرمایا کہ شہد میٹھا بھی ہوتا ہے لذیذ بھی اور اس میں شفاء بھی ہے دیگر شیرینی میں یہ خوبیاں جمع نہیں۔

[۴] کوزوں اور تاروں کی گنتی حضور کو معلوم ہے۔ دوسروں کے علم سے وراء ہے، چونکہ تارے بہت بھی ہیں چمکدار بھی خوشنما بھی، اس لیے ان کا ذکر فرمایا ذرات یا قطرات کا ذکر نہیں فرمایا ان کوزوں میں کثرت بھی ہے چمک دمک بھی بخشان حسن بھی۔ [۵] حوض کوثر جنت میں ہے اس کی ایک نہر میدان حشر میں اسی میں تاثیر یہ ہے کہ نہ اب پیاس لگے نہ آئندہ پیاس محسوس ہو۔ سبحان اللہ۔

السُّدَدُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَنْ زَيْدِ بْنِ اَرْقَمَ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلْنَا مَنْزِلًا فَقَالَ مَا اَنْتُمْ جُزْءٌ مِنْ مِائَةِ اَلْفِ جُزْءٍ مِمَّنْ يَرِدُ عَلَيَّ الْحَوْضَ قِيْلَ كَمْ كُنْتُمْ يَوْمَئِذٍ قَالَ سَبْعَمِائَةٍ اَوْ ثَمَانَمِائَةٍ رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَعَنْ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جاویں لے (احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ) اور ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت زید بن ارقم سے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک منزل پہ اُترے تو فرمایا کہ تم ان کا لاکھواں حصہ بھی نہیں ہو جو میرے پاس حوض پہ پہونچیں گے لے کہا گیا تم اس دن کتنے تھے فرمایا سات سو یا آٹھ سو سے (ابوداؤد) روایت ہے حضرت سمرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے....

لے یہاں فقراء سے مراد وہ فقراء ہیں۔ جو صالحین مومنین ہیں۔ جو علم و عبادت میں مشغولیت کی وجہ سے مال و عزت حاصل نہ کر سکے اپنے کو خدمت دین کے لیے وقف رکھا دوسری روایت میں بھی اسے یوں واضح فرمایا کر دنیا میں بھو کے رہنے والے آخرت میں سیر ہوں گے (مرقات) جنہیں دنیا والے نہیں پوچھتے انہیں اللہ تعالٰی اور اس کے رسول پوچھتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں صفائی وغیرہ کا مطلب یہ نہیں کہ وہ گندے رہتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہر وقت جسمانی صفائی کے پیچھے نہیں لگتے۔ اس صفائی میں مشغول ہو کر آخرت کو نہیں بھولتے۔ لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جن میں ارشاد ہے کہ صفائی و طہارت بہت اعلیٰ چیز ہیں فرمایا گیا۔ طہارت نصف ایمان ہے نیز اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ لوگوں کے دروازہ پر جاتے ہیں مگر ان کے لیے دروازے نہیں کھلتے یہ فرض و تقدیر کا بیان ہے کہ اگر بالفرض وہ کسی دنیا دار کے دروازہ پر جائیں تو وہ ان بیچاروں کی طرف التفات نہ کریں ورنہ یہ فقراء تمام عالم سے غنی ہوتے ہیں۔ مصرع

کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو

لے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت مراد ہے کہ انشاء اللہ ہر امتی حوض کوثر پر حاضر ہوگا۔ وہاں کا پانی پئے گا کیوں نہ پئے کہ وہ اس کے نبی کا حوض ہے صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ فقط سمجھانے کے لیے ہے ورنہ حضور کی امت تو اربوں کھربوں کی تعداد میں ہے آج مسلمان دنیا میں قریبًا ایک ارب ہیں پھر تا قیامت کتنے ہوں گے ہم اندازہ نہیں کر سکتے۔

اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ حَوْضًا وَاِنَّهُمْ لَيَتَبَاهُوْنَ اَيُّهُمْ اَكْثَرُ وَارِدَةً وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَكْثَرَهُمْ وَارِدَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَّشْفَعَ لِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَقَالَ اَنَا فَاعِلٌ قُلْتُ

کہ ہر نبی کا حوض ہے[1] اور وہ حضرت اس پر فخر کریں گے کہ ان میں سے کس کے پاس زیادہ آنے والے ہیں[2] اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ان سب میں زیادہ ہوں گا آنے والوں میں[3] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا قیامت کے دن شفاعت فرمادیں[4] فرمایا میں شفاعت کروں گا[5] میں نے عرض کیا

[1] ہر نبی کا حوض علیحدہ ہوگا۔ مگر ہمارے حضور کا حوض جس کا نام کوثر ہے ان سب سے بڑا سب سے خوبصورت اور سب سے لذیذ ہوگا۔

[2] کیونکہ ہر نبی کے حوض پر ان کی امت ہی حاضر ہوگی۔ امت کی زیادتی نبی کے لیے شاگردوں کی زیادتی استاد کے لیے مریدین کی زیادتی شیخ کے لیے رعایا کی کثرت بادشاہ کے لیے باعث فخر ہوتی ہے۔

[3] اس زیادتی کا ذکر دوسری حدیث میں ہے کہ جنتی لوگوں کی کل صفیں ایک سو بیس ہوں گی جن میں سے اسی صفیں حضور کی امت کی باقی چالیس صفوں میں ساری امتیں۔ خیال رہے کہ ایسے موقعہ پر لَعَلَّ شک کے لیے نہیں بلکہ یقین کے لیے ہوتا ہے جیسے قرآن مجید بہت جگہ لَعَلَّ فرمایا گیا ہے

[4] یہاں شفاعت سے مراد خاص شفاعت ہے جو خاص غلاموں کی ہوگی۔ شفاعت عامہ تو ہر مومن کی ہوگی۔ خیال رہے کہ حضرت انس نے ایک شفاعت مانگ کر ایمان۔ تقویٰ، حسن خاتمہ قبر کے امتحان میں کامیابی سب کچھ مانگ لی کہ یہ چیزیں شفاعت خاصہ کی تمہیدیں ہیں۔ شعر

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خیر
مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

[5] اس ایک کلمہ میں بہت سے وعدے ہیں تم ایمان پر جیو گے تمہاری زندگی تقویٰ میں گزرے گی، تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوگا۔ تمہاری خطائیں قابل معافی ہوں گی، تمہاری شفاعت میرے ذمہ ہوگی کیونکہ کفر، حقوق العباد کی شفاعت نہیں ہوگی۔ آج بھی مسلمان روضۂ طہر پر عرض کرتے ہیں۔ یارسول اللہ ہم آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتے ہیں۔ یہ حدیث اس مانگنے کی اصل ہے معلوم ہوا کہ حضور سے بھیک مانگنا جائز ہے کہ دنیا کی ہر چیز شفاعت سے نیچے ہے۔ حضور کسی سائل کو محروم نہیں کرتے واما السائل فلا تنہر حضور سے اولاد مانگو، دین و دنیا مانگو، دنیا کی ہر نعمت مانگو، جو مانگو گے پاؤ گے۔ وہاں سے محروم کوئی نہیں پھرتا۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَاَيْنَ اَطْلُبُكَ قَالَ اُطْلُبْنِيْ اَوَّلَ مَا تَطْلُبُنِيْ عَلَى الصِّرَاطِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عَلَى الصِّرَاطِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَلْقَكَ عِنْدَ الْمِيْزَانِ قَالَ فَاطْلُبْنِيْ

یارسول اللہ میں حضور کو کہاں تلاش کروں [1] فرمایا تم مجھے پہلے تو تلاش کرنا پل صراط پر میں نے عرض کیا اگر آپ کو پل صراط پر نہ پاؤں فرمایا پھر مجھے میزان کے پاس ڈھونڈھنا [2] میں نے عرض کیا اگر میں حضور کو میزان کے پاس نہ پاؤں [3] فرمایا پھر مجھے ......

[1] خیال رہے کہ قیامت میں ایک وقت تو وہ ہوگا جب سارا جہاں حضور کو ڈھونڈیگا۔ پھر وقت وہ آوے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک گنہگار کو ڈھونڈیں گے۔ شعر

عزیز بچے کو ماں جس طرح تلاش کرے	خدا گواہ یہی حال آپ کا ہوگا !
وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں	غضب کا بھیڑ میں انکی میں اس پہچان کے صدقے

حضرت انس کا سوال غالبًا پہلے وقت کے متعلق ہے کبھی ایسا بھی ہوگا کہ گنہگار حضور کو اور غمخوار محبوب اپنے گنہگار کو تلاش کریں گے دوطرفہ تلاش ہوگی۔

× حضور پلصراط کے کنارے پر کھڑے ہوں گے تاکہ گرتوں کو سہارا دیں۔ شعر

سیس پہ گھڑی ڈگر گھائل میرے پاؤں	پیارے تمہیں سنبھالیو جب ڈگمگ میں ہو جاؤں

[2] حضور میزان پر اپنی امت کے عمل کا وزن اپنے اہتمام سے کرائیں گے کہ اگر کسی امتی کی نیکیاں ہلکی ہوں اور وہ دوزخ میں لے جایا جانے لگیں گے تو اپنا کوئی عمل اپنا قدم رکھ کر شفاعت فرماکر اس کی نیکیاں وزنی کرادیں، دوزخ سے بچالیں کیونکہ حضور کے اعمال کا وزن نہ ہوگا۔

[3] سبحان اللہ کیا پیارا سوال ہے۔ یعنی آپ کو اس دن ایک جگہ تو مستقل قرار ہوگا نہیں کبھی ان مجرموں کے پاس کبھی دوسروں کے پاس۔

کوئی قریب ترازو کوئی لب کوثر	کوئی صراط پہ ان کو پکارتا ہوگا
کسی طرف سے صدا آئیگی حضور آؤ	نہیں تو دم میں غریبوں فیصلہ ہوگا
کوئی کہے گا دہائی یارسول اللہ	تو کوئی تھام کے دامن مچل رہا ہوگا

غرضکہ ایک جان اور فکر جہاں۔ اللھم صل علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم تو اگر آپ میزان پر نہ ملیں تو پھر کہاں تلاش کروں؟

عِنْدَ الْحَوْضِ فَاِنِّیْ لَا اُخْطِئُ ھٰذِہِ الثَّلٰثَ الْمَوَاطِنَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قِیْلَ لَہٗ مَا الْمَقَامُ الْمَحْمُوْدُ قَالَ ذٰلِکَ یَوْمَ یَنْزِلُ اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی کُرْسِیِّہٖ فَیَئِطُّ کَمَا یَئِطُّ الرَّحْلُ الْجَدِیْدُ مِنْ تَضَایُقِہٖ

حوض کے پاس تلاش کرنا کیونکہ میں ان تین جگہوں سے علاوہ میں نہ ہونگا [1] ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے روایت ہے حضرت ابن مسعود سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں حضور سے عرض کیا گیا کہ مقام محمود کیا چیز ہے فرمایا قیامت وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی کرسی پر نزول فرمائیگا تو وہ ایسی چرائیگی جیسے نیا کجاوہ چرچراتا ہے۔ اپنی تنگی کی وجہ سے [3]

[1] غالبًا یہاں حوض سے مراد حوض کوثر کی وہ نہر ہے جو میدان حشر میں ہوگی۔ اصل حوض کوثر تو جنت میں ہے محشر میں پیاسے پانی پئیں گے حضور اپنے اہتمام سے انہیں پلوائیں گے یہاں وہ ہی موجودگی مراد ہے۔

[2] اس حدیث کے متعلق چار باتیں خیال میں رکھو ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی شفاعت کے اوقات میں ان تین جگہ ہوں گے ورنہ عمومی شفاعت کی جگہ تو مقام محمود ہے رب فرماتا ہے۔ عسٰی ان یبعثک ربک مقاما محمودا حاکم کا مقام مقدمات کے وقت کچہری ہوتا ہے۔ کھانے وغیرہ کے وقت گھر، نماز کے وقت مسجد۔ لہذا یہ حدیث نہ تو قرآن مجید کے خلاف ہے نہ دوسری احادیث کے دوسرے یہ کہ یہاں ان تین مقاموں کا ذکر وہاں کی ترتیب کے مطابق نہیں۔ کیونکہ میزان پہلے ہے حوض کی نہر اس سے آگے، پلصراط اس کے آگے تیسرے یہ کہ حضور کی شفاعت سے ہمارے نیک اعمال ایسے بھاری ہوجائیں گے جیسے روئی پانی میں بھیگ کر وزنی ہوجاتی ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حدیث اس حدیث حضرت عائشہ کے خلاف نہیں کہ حضور نے فرمایا کہ ان تین مقام پر کوئی کسی کو یاد نہ کرے گا۔ وہاں عام شوہروں کا ذکر ہے نہ کہ حضور انور کا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[3] حق یہ ہے کہ یہ عبارت متشابہات میں سے ہے کرسی پر اللہ تعالیٰ کا نزول اس معنی سے ہے جو وہ ہی جانے بعض نے فرمایا کہ اس کے احکام وہاں نازل ہوں گے۔ اور وہاں سے نافذ ہوں گے اور کرسی کا چرچانا ذات الٰہی کے بوجھ سے نہیں بلکہ ہیبت سے ہوگا۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ یہاں اللہ تعالٰی کے کرسی پر نازل ہونے سے مراد ہے حضور انور کا اس پر قدم رنجہ ہونا جیسے اگر اولًا حضور نہ ہوتے تو افلاک اور املاک نہ ہوتے یوں ہی اگر آخرًا حضور نہ ہوتے تو ہلاک لوگوں میں واقع ہوجاتی۔ لہذا حضور اول ہیں حضور آخر حضور باطن ہیں حضور ظاہر مظہر کل ہیں جس سے ذات جامع صفات جسے اللہ کہتے ہیں وہ ظاہر ہے۔ (مرقات)

وَهُوَ كَسِعَةِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ وَيُجَاءُ بِكُمْ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا فَيَكُونُ اَوَّلَ مَنْ يُكْسٰى اِبْرَاهِيْمُ يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَكْسُوْا خَلِيْلِيْ فَيُؤْتٰى بِرَيْطَتَيْنِ بَيْضَاوَيْنِ مِنْ رِيَاطٍ ثُمَّ اُكْسٰى عَلٰى اَثَرِهٖ ثُمَّ اَقُوْمُ عَنْ يَمِيْنِ اللّٰهِ مَقَامًا يَغْبِطُنِي الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ ٭ وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ

حالانکہ وہ آسمانوں و زمین کی فراخی کی طرح ہے[۱] اور تم کو ننگے پاؤں ننگے بدن بے ختنہ لایا جاوے گا[۲] تو جنہیں پہلے پہنایا جاوے گا وہ حضرت ابراہیم ہوں گے[۳] اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے خلیل کو پہناؤ تو دو سفید حلے لائے جائیں گے پھر ان کے بعد مجھے پہنایا جاوے گا[۴] پھر میں اللہ تعالیٰ کے داہنے طرف اس جگہ کھڑا ہوں گا کہ مجھ پر اگلے اور پچھلے رشک کریں گے[۵] (دارمی) روایت ہے حضرت مغیرہ ابن

[۱] یعنی باوجودیکہ کرسی کی وسعت سارے آسمانوں اور زمینوں کی برابر ہے مگر اس دن رب کے عدل یا اس کی حکومت یا اس کے فرشتوں یا حضور انور کی جلوہ گری کی وجہ سے تنگ ہو جاوے گی، دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر سارے آسمان اور زمین کرسی میں رکھے جاویں تو ایسے معلوم ہوں جیسے میدان میں سات چھلے ان دونوں احادیث میں تعارض نہیں کہ مقصود ہے کرسی کی وسعت دکھانا نہ کہ معین کرنا۔

[۲] بکم فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ پا برہنہ بدن برہنہ بے ختنہ ہونا عوام کا حال ہوگا۔ حضرات انبیاء کرام خصوصًا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اس سے مستثنیٰ ہیں۔

[۳] حضرات انبیاء کرام پر ستر کا لباس تو پہلے ہی ہوگا زینت کا لباس اب ترتیب وار پہنایا جاوے گا۔ اسلیے یہاں لباس کا حسن مذکور ہوا

[۴] یعنی یہ لباس زینت، لباس فاخرہ سب سے پہلے حضرت خلیل کو پھر مجھے پہنایا جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہ حضرت خلیل اللہ کی جزوی فضیلت ہے کلی فضیلت حضور ہی کو حاصل ہے ہر جگہ اولیت کا سہرہ حضور کے سر ہے جیسا کہ قرآن و احادیث سے ثابت ہے اور حضرت خلیل کی یہ عظمت خصوصی بھی اس لیے ہے کہ آپ حضور کے والد ہیں اور دین اسلام ان کی ملت کے مطابق ہے۔

[۵] یعنی مقام محمود عرش اعظم کے داہنے طرف ہے وہ خاص ہمارا مقام ہے جس پر سارے انبیاء و اولیاء رشک فرمائیں گے۔ خیال رہے کہ دینی عظمت پر رشک کرنا اچھی چیز ہے حسد بری چیز۔ خیال رہے کہ اس فرمان عالی میں جواب ہوگیا سائل نے پوچھا تھا۔ کہ مقام محمود کیا چیز ہے جواب عطا ہوا کہ مقام محمود کے داہنے ہاتھ ایک خاص عظمت والی جگہ جہاں صرف ہم جلوہ گر ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ بعد از خدا حضور صلے اللہ علیہ وسلم تمام ملائکہ انسان وغیرہ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ (مرقات)

شُعْبَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِعَارُ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلَى الصِّرَاطِ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ، وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ شَفَاعَتِيْ لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِيْ

شعبہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مومنوں کی علامت قیامت کے دن صراط پر یہ ہوگا الٰہی سلامت رکھ سلامت رکھ ۱؎ (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے ۲؎ روایت ہے حضرت انس سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے ہے ۳؎

۱؎ مومنین سے مراد دوسری امتوں کے مومنین لوگ ہیں۔ اس دن سب کی زبان عربی ہوگی۔ حضرات انبیاء کرام بھی فرمائیں گے سلم سلم یعنی مولیٰ ان گزرنے والوں کو سلامت رکھ مومن بھی کہیں گے رب سلم اے اللہ ہم کو سلامت رکھ۔ لہذا حضرات انبیاء کا یہ کلام شفاعت ہوگا ان کا یہ کلام اپنے لیے دعا۔ کفار گھبرائے ہوئے گزریں گے اور پھسل کر گریں گے یہ عرض مومنوں کی علامت ہوگی۔

۲؎ خیال رہے کہ دوسری امتوں کے منہ میں رب سلم ہوگا حضور کی امت مومنین کی زبان پر لاالٰہ الا انت ہوگا۔ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ مومنین لاالٰہ الا انت کہتے گزریں گے کیونکہ وہاں حضور کی امت مراد ہے اور یہاں دوسری امتیں (مرقات) ابن مردویہ میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ مومنین یہ کہتے ہوئے گزرینگے لاالٰہ الا انت وعلی اللہ فلیتوکل المومنون امام شیرازی نے حضرت ام المومنین سے روایت کی کہ مومنین اس اندھیری میں کہیں گے لاالٰہ الا انت (مرقات) ہوسکتا ہے کہ مختلف طبقہ کے مومنین یہ مختلف دعائیں عرض کریں گے۔

۳؎ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ حضور کی شفاعت بہت قسم کی ہے جن میں سے ایک شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لیے ہے یہاں وہ ہی شفاعت مراد ہے یعنی معافی گناہ کی شفاعت اس سے معلوم ہوا کہ جس کا خاتمہ بالخیر ہوگیا وہ شفاعت کا حقدار ہوگیا اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ جس حدیث میں ہے کہ ہم زکوۃ نہ دینے والوں کی شفاعت نہ کریں گے وہاں منکرین زکوۃ مراد ہیں جو کافر مرتد ہیں کہ فرض کا انکار کفر ہے جب گناہ کبیرہ والوں کی شفاعت ہوگی تو زکوۃ نہ دینا گناہ صغیرہ ہے اس کی شفاعت کیوں نہ ہوگی۔ خیال رہے کہ سواء چند گناہوں کے باقی گناہ صغیرہ ہیں۔ دیکھو مرآت جلد اول باب الکبائر۔ یہ حدیث بڑی ہمت افزا ہے۔ حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ میں تم سے عذاب دفع نہیں کرسکتا وہاں یہ ہی مطلب ہے کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو شفاعت سے محروم رہوگی۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ شفاعت عقلاً جائز ہے اور شرعاً واجب کہ اس پر بہت آیات واحادیث وارد ہیں ہم نے شفاعت کی مکمل بحث تفسیر نعیمی پ ۳ ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ میں کی ہے وہاں ملاحظہ کرو۔

رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوُدَ وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنْ جَابِرٍ
وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ اَتَانِيْ اٰتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّيْ فَخَيَّرَنِيْ بَيْنَ اَنْ يُدْخِلَ
نِصْفَ اُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ
الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ
وَابْنُ مَاجَةَ ؛ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِي الْجَدْعَاءِ

(ترمذی - ابوداؤد - ابن ماجہ ۔ بروایت جابر) روایت ہے حضرت عوف ابن مالک سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ میرے پاس رب تعالٰی کے پاس سے آنے والا آیا تو مجھے اختیار دیا[1] اس کا کہ میری آدھی امت جنت میں داخل فرمائے اور درمیان شفاعت کے[2] تو میں نے شفاعت اختیار فرمائی یہ شفاعت اس شخص کے لئے ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرائے[3] (ترمذی - ابن ماجہ) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن ابی الجدعا سے[4]

[1] یعنی حضرت جبریل امین یا کوئی اور فرشتہ بحکم رب العالمین ہمارے پاس پیغام لایا جس میں مجھے اختیار دیا۔ سبحان اللہ اللہ تو ہمارے حضور کو ان سے پوچھ کر دیتا ہے۔ یہ ہے محبوبیت ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ شعر

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　　خدا چاہتا ہے رضاءِ محمد

[2] اس طرح کہ محبوب تم جنتیوں کی شفاعت کرو امتوں کو بخشش دوں پہلے صورت میں حد بندی ہے اس میں بے حد عطا کا وعدہ ہے اس لئے حضور انور نے اسی کو اختیار فرمایا کہ میرے مولیٰ میں بخشواتا جاؤں تو بخشتا جا۔ شعر

قسمت کی تحریریں جانے ؛ امی اور تقریریں جانے　　　بخشش کی تدبیریں جانے ؛ وہ ہے رحمت والا

جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہے اجیالا

[3] یہاں شرک سے مراد کفر ہے کسی یقینی عقیدۂ اسلامیہ کا انکار کفر ہے خیال رہے کہ خوارج۔ بعض معتزلہ اور اسمٰعیلی وہابی شفاعت کے انکاری ہیں۔ وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ واقعی ان بد نصیبوں کی شفاعت نہ ہوگی۔ خوارج اور معتزلہ کا انکار شفاعت تو مرقاۃ میں اس جگہ ہے اور اسماعیلیہ کا انکار تقویۃ الایمان میں دیکھو۔

[4] آپ صحابی ہیں قبیلہ بنی کنانہ سے ہیں۔ آپ سے صرف دو حدیثیں مروی ہیں ایک یہ دوسری کنت نبیا و آدم بین الروح والجسد (اشعہ و مرقات) ؛

قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ بِشَفَاعَةِ رَجُلٍ مِنْ اُمَّتِيْ اَكْثَرُ مِنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ ❊ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْفِئَامِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْقَبِيْلَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ لِلْعُصْبَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّشْفَعُ

فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میرے ایک امتی کی شفاعت سے قبیلہ بنی تمیم سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے ۱؎ (ترمذی، دارمی، ابن ماجہ) روایت ہے حضرت ابی سعید سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں سے بعض وہ ہیں جو ایک جماعت کی شفاعت کرینگے بعض وہ جو ایک خاندان کی شفاعت کرینگے بعض وہ ہیں جو ایک کنبہ کی شفاعت کرینگے ۲؎ بعض وہ ہیں جو صرف ایک

۱؎ وہ صاحب حضرت عثمان غنی ہیں رضی اللہ عنہ۔ بعض نے فرمایا حضرت اویس قرنی ہیں جو تابعی ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میری امت کے ایک ایک بزرگ کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ بخشے جائیں گے (پہلی دو باتیں مرقات نے فرمائیں آخری بات اشعۃ اللمعات نے۔

۲؎ خیال رہے کہ اس شفاعت سے مراد شفاعت صغریٰ ہے کیونکہ شفاعت کبریٰ صرف حضور ہی کریں گے بنی تمیم عرب کا بہت بڑا قبیلہ ہے۔ جب حضور کے امتی ایسی شفاعت کریں گے تو حضور کی شفاعت تو عالم کے خیال سے وراء ہے۔ ان کی شفاعت سے تقدیریں بدل جاویں گی۔ سب کی مشکلیں حل ہوجاویں گی۔ شعر

ایسی بندھی نصیب کھلے مشکلیں کھلیں   دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے

۳؎ فئام جمع ہے اس کا واحد کوئی نہیں اس کے معنی ہیں جماعت بعض نے فرمایا یہ کہ جمع ہے فئۃ کی قبیلہ وہ جماعت جو ایک دادا کی اولاد ہو۔ عصبۃ بھی ہے۔ جس کا واحد کوئی نہیں، یہ دس سے چالیس تک پر بولی جاتی ہے۔ اس حدیث کی تفصیل دوسری احادیث میں وارد ہے کہ حافظ پانچ پشت کی، عالم چودہ پشت کی، شہید اتنی جماعت کی شفاعت کریں گے وغیرہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ قیامت میں اولاً عدل الٰہی کا ظہور ہوگا۔ اس وقت حضور کے سواء کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ بعد میں فضل الٰہی کا ظہور ہوگا اس وقت اور حضرات بھی شفاعت کریں گے۔ یہاں دوسرے وقت کا ذکر ہے اس وقت مومنین بھی شفاعت کریں گے۔ من امتی فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شفاعتیں امت محمدیہ کے لیے ہیں کہ ان کے علماء صالحین شفاعت کریں دوسری امتوں کے علماء وصلحاء کو یہ درجے نہ ملیں گے واللہ اعلم ورسولہٗ اعلم ❊ ❊

لِلرَّجُلِ حَتّٰى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ؛ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَعَدَنِىْ اَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ مِنْ اُمَّتِىْ اَرْبَعَمِائَةِ اَلْفٍ بِلَا حِسَابٍ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ زِدْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَهٰكَذَا فَحَثَ بِكَفَّيْهِ وَجَمَعَهُمَا فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ زِدْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَهٰكَذَا فَقَالَ عُمَرُ دَعْنَا يَا اَبَا بَكْرٍ

آدمی کی شفاعت کرینگے حتی کہ یہ لوگ جنت میں داخل ہو جائینگے (ترمذی) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ عزوجل نے مجھ سے وعدہ فرمایا کہ میری امت میں سے چار لاکھ کو بغیر حساب جنت میں داخل کریگا[۱] تو جناب ابوبکر نے عرض کیا اللہ ہم کو اور زیادہ دیجئے فرمایا اور اس طرح پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ملائے ان کا لپ بھرا[۲] اور حضرت ابوبکر نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمیں زیادہ دیجئے[۳] فرمایا اور ایسے تو حضرت عمر نے فرمایا اے ابوبکر ہمیں چھوڑ دو بھی[۴]

[۱] اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی ساری امت جنتی ہے کوئی پہلے ہی سے جنت میں پہنچ جاوے گا کوئی کچھ سزا بھگت کر یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ حتی شفاعت کی انتہاء کے لیے ہے یعنی یہ شفاعت ہوتی رہے گی یہاں تک کہ سارے مسلمان جنت میں پہنچ جاویں

[۲] یہ تعداد حضور کی امت کی ہے جو احکام شرعیہ کے مکلف تھے۔ حضرات انبیاء کرام، مومنوں کے فوت شدہ نا سمجھ بچے دیوانے جو دیوانگی میں فوت ہوئے ان کا کچھ حساب نہیں۔ حضرات انبیاء کرام کا بھی حساب نہیں اس کی تائید وہ آیت فرما رہی ہے یدخلون الجنۃ یرزقون فیہا بغیر حساب۔

[۳] یعنی ان چار لاکھ کے علاوہ رب تعالٰی کے لپ (بک) بھر اور بھی بغیر حساب جنت میں جائیں گے کہ حق تعالٰی ان مومنوں کو اپنے دونوں دست قدرت میں لے کر وہاں پہنچا دے گا۔ خدا کرے ہم بھی اس میں آجاویں۔ منہ چھوٹا ہے طلب بڑی ہے۔ وہ قدرتوں والا ہے۔ حضور نے دونوں ہاتھ جمع فرماکر یہ بتایا کہ رب تعالٰی مٹھی بھر کر نہیں۔ بلکہ دونوں ہاتھوں سے لپ بھر کر بخشے گا۔

[۴] یعنی اور زیادہ بخشش کی خبر دیجئے یا اور زیادہ بخشش کرائیے کہ حضور دعا فرمائیں کہ رب اس سے بھی زیادہ کو بے حساب بے عذاب بخشے۔ کیونکہ رب تعالٰی آپ کی بات ٹالتا نہیں جو تم کہتے ہو وہی رب کرتا ہے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضٰی۔

[۵] یعنی اے ابوبکر یہ اجمال رہنے دو زیادہ کی تصریح نہ کراؤ تاکہ ہم خوف و امید پر رہیں اعمال کئے جاویں۔

فَقَالَ اَبُوْ بَکْرٍ وَمَا عَلَیْكَ اَنْ یُّدْخِلَنَا اللّٰهُ کُلَّنَا الْجَنَّةَ فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اِنْ شَاءَ اَنْ یُّدْخِلَ خَلْقَهُ الْجَنَّةَ بِکَفٍّ وَاحِدٍ فَعَلَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَ عُمَرُ رَوَاهُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَفُّ اَهْلُ النَّارِ فَیَمُرُّ بِهِمُ الرَّجُلُ مِنْ

تو ابوبکر نے فرمایا تمہارا کیا حرج ہے کہ ہم سب کو اللہ جنت میں داخل فرمائے ۲؎ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر اللہ چاہے تو ایک مٹھی میں ساری خلقت کو جنت میں داخل کرے وہ کرسکتا ہے۳؎ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر نے سچ کہا (شرح سنہ) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخی لوگ صف بستہ ہوں گے ۴؎ تو جنتیوں میں سے ایک

۱؎ یعنی اے عمر ذرا خاموش تو رہو۔ میں حضور سے ساری امت رسول کے لیے بے حساب جنتی ہونے کا وعدہ لے لیتا ہوں۔ اے عمر تمہارا اس میں کیا بگڑتا ہے کہ سارے امتی رسول اللہ بے حساب جنتی ہوجاویں۔ خیال رہے کہ اللہ رسول کے بعد حضرت ابوبکر صدیق سب سے بڑھ کر رحیم و کریم ہیں۔ ان کا رحم و کرم تو مجھ سے پوچھو اللہ ان کی قبر نور سے بھر دے مجھ پر ان کا ان کی دختر جمیلہ ام المومنین عائشہ صدیقہ طیبہ طاہرہ سورہ نور والی نورانی کا بہت ہی احسان ہے۔

۲؎ یعنی اے ابوبکر تم جو کچھ چاہتے ہو وہ تو حاصل ہوگیا کہ صرف چار لاکھ کا حضور نے ذکر نہیں فرمایا ساتھ ہی رب کے لپ بھر کا بھی ذکر ہے یہ لپ بڑا ہی وسیع ہے۔

۳؎ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی عرض و معروض میں غلبہ امید کی جھلک ہے اور حضرت عمر فاروق کی عرض معروض میں رضا بالقضاء کا ظہور ہے۔ اس لیے حضرت عمر کے قول کی تائید بارگاہ نبوت سے ہوئی۔ نیز سب لوگ بغیر حساب بخش دیئے جائیں تو شفیعوں کی شفاعت محبوبوں کی محبوبیت۔ گرتوں کے سہارے دینے والے۔ ڈوبتوں کے ترانے بگڑتوں کو بنانے۔ گرتوں کے سنبھالنے کا ظہور کیسے ہو اس لیے حضرت عمر کے قول کو ترجیح دی گئی اور بھی بہت وجوہ ہوسکتی ہیں قیامت میں گنہگاروں کو بخشنا بھی مگر محبوبیت کی شان بندہ نوازی بھی تو دکھانی ہے۔

۴؎ یعنی جنتیوں کے راستے میں گنہگار مومن دوزخ میں جانے کے لیے ایسے صف بستہ کھڑے ہوں گے جیسے امیر و غنی کے راہ میں بھکاری صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں (مرقات) ان سے آس لگائے کہ کوئی ہمیں پہچان لے اور چھوڑا لے ادھر جنتی ادھر سے گزر رہے ہوں گے۔

اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ اَمَا تَعْرِفُنِيْ اَنَا الَّذِيْ سَقَيْتُكَ شُرْبَةً وَقَالَ بَعْضُهُمْ اَنَا الَّذِيْ وَهَبْتُ لَكَ وَضُوْءً فَيَشْفَعُ لَهٗ فَيُدْخِلُهُ الْجَنَّةَ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَعَنْ اَبِيْ

شخص ان پر گزرے گا تو ان میں سے ایک دوزخی کہیگا اے فلاں کیا تو مجھے پہچانتا نہیں میں وہی ہوں جس نے تجھے ایک گھونٹ پانی پلایا تھا اور بعض دوزخی کہیگا کہ میں وہ ہوں جسے وضو کا پانی دیا تھا تو جنتی انکی شفاعت کریگا پھر اسے جنت میں داخل کرے گا (ابن ماجہ) روایت ہے حضرت

۱؎ یا میں نے تجھے فلاں وقت کھانا کھلایا یا میں نے تجھے فلاں وقت سلام کیا تھا یا فلاں وقت کپڑا دیا تھا یا فلاں وقت تیرے پاس محبت سے کچھ معمولی ہدیہ پیش کیا تھا۔ غرضکہ ڈوبتا ہوا تنکے کا سہارا لیتا ہے یہ بھی اسی طرح سہارا لے گا یہ دو چیزیں بطور مثال ارشاد ہوئی ہیں (مرقات)

۲؎ اس حدیث سے چند مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ صالحین۔ علماء۔ شہداء کی شفاعت برحق ہے دوسرے یہ کہ شفاعت سے ہم جیسے گنہگاروں کی تقدیریں پلٹ جائیں گی۔ دیکھو یہ پکارنے والا دوزخیوں کی صف میں آگیا تھا شفاعت کی برکت سے وہاں سے نکل کر جنتی ہوگیا۔ دنیا میں بھی یہی حال ہے دعا سے قضا بدل جاتی ہے تیسرے یہ کہ ہم جیسے گنہگاروں کو چاہیئے کہ صالحین مقبولین کی خدمت کیا کریں۔ ان کی خدمت بڑی کام آوے گی۔ ان سے تعلق رکھیں ان سے تعلق بہت فائدہ دے گا انہیں ہدیہ پیش کریں اگرچہ کھجور کی کھانپ یا اچھی بات ہی ہو۔ یہ تیسری بات مرقات اور اشعہ نے فرمائی۔ چوتھے یہ کہ رب تعالٰی قدرت یہ ہے کہ ہر ایک کو براہ راست بغیر وسیلہ ہر چیز دے مگر قانون یہ ہے کہ گنہگاروں کو نیک کاروں کے وسیلہ سے دے دیکھو ان دوزخی صفوں والوں کو رب تعالٰی ہی بخشے گا مگر جنتی راہ گزروں کی شفاعت سے بلکہ ان لوگوں کو جنتیوں کے راستہ میں اسی لیے کھڑا کریگا کہ انہیں ان کے ہاتھوں شفاعت کی بھیک ملے۔ پانچویں یہ کہ دنیا میں اللہ والوں سے تعلق چاہیئے۔ ان کا دیکھنا بھی کل قیامت میں کام آوے گا شعر

اٹھ جاگ فریدا ستیا خلقت دیکھن جا ۔۔۔ مت کوئی بخشیا مل پوے تو توبھی بخشا جا

دیکھو قیامت میں یہ جان پہچان کام آوے گی [illegible] فرما کر بتایا کہ وہ جنتی اوس دوزخی کو اپنے ساتھ جنت میں لیجاویگا شعر

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو ۔۔۔ کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے

چھٹے یہ کہ قیامت میں لوگوں کو اپنے اچھے برے اعمال یاد ہوں گے یہاں کی دوستیاں آپس کے سلوک یاد ہوں گے ایک دوسرے کی پہچان ہوگی۔ ساتویں یہ کہ وفات یافتہ بزرگوں کی فاتحہ بزرگوں کی فاتحہ ختم وغیرہ انشاء اللہ قیامت میں کام آوے گی کہ اس میں بھی ان حضرات کی خدمت میں کھانے پانی وغیرہ کا ثواب ہدیہ کیا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے ذریعہ ہم کو ان کی شفاعت نصیب ہوجاوے

[illegible] یہ الفاظ یاد رکھو۔

هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ رَجُلَيْنِ مِمَّنْ دَخَلَ النَّارَ اشْتَدَّ صِيَاحُهُمَا فَقَالَ الرَّبُّ تَعَالٰى اَخْرِجُوْهُمَا فَقَالَ لَهُمَا لِاَيِّ شَيْءٍ اشْتَدَّ صِيَاحُكُمَا قَالَا فَعَلْنَا ذٰلِكَ لِتَرْحَمَنَا قَالَ فَاِنَّ رَحْمَتِيْ لَكُمَا اَنْ تَنْطَلِقَا فَتُلْقِيَا اَنْفُسَكُمَا حَيْثُ كُنْتُمَا مِنَ النَّارِ فَيُلْقِيْ اَحَدُهُمَا نَفْسَهٗ فَيَجْعَلُهَا اللّٰهُ عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا وَيَقُوْمُ الْاٰخَرُ فَلَا يُلْقِيْ نَفْسَهٗ فَيَقُوْلُ لَهُ الرَّبُّ تَعَالٰى مَا مَنَعَكَ اَنْ تُلْقِيَ نَفْسَكَ كَمَا اَلْقٰى صَاحِبُكَ فَيَقُوْلُ رَبِّ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَّا تُعِيْدَنِيْ فِيْهَا بَعْدَ مَا اَخْرَجْتَنِيْ مِنْهَا فَيَقُوْلُ

ابو ہریرہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو دوزخ میں جا چکے ہونگے ان میں سے دو کا شور و پکار بہت زیادہ ہوگا تو رب تعالیٰ فرمائیگا کہ ان دونوں کو نکالو پھر ان سے فرمائیگا کہ کس مقصد کے لئے تمہارا شور زیادہ ہے[1] وہ عرض کرینگے کہ ہم نے یہ اس لئے کیا کہ تو ہم پر رحم کرے[2] فرمائیگا کہ تم پر میری رحمت یہ ہی ہے کہ چلو اپنے کو وہاں ہی ڈال دو جہاں تم دونوں تھے[3] چنانچہ ان میں سے ایک تو اپنے کو ڈال دیگا تو اللہ اس پر آگ کو ٹھنڈی سلامتی والی کردیگا[4] اور دوسرا کھڑا رہیگا وہ اپنے کو نہ ڈالیگا اس سے رب فرمائیگا کہ تجھے اپنے کو گرانے سے کس چیز نے روکا جیسا کہ تیرے ساتھی نے اپنے کو گرا دیا[5] وہ کہیگا الٰہی میں امید کرتا ہوں کہ تو مجھے وہاں سے نکالنے کے بعد نہ لوٹائے گا[6] تو اس سے

[1] یہ دونوں شخص گنہگار مومن ہوں گے جو اپنی شامت نفس سے دوزخ میں گئے۔ نکالنے کا حکم ان فرشتوں کو ہوگا جو دوزخ پر مقرر ہیں یہ دونوں شخص یا تو آہ و بکا کرتے ہوں گے یا ارحم الراحمین سے فریاد۔

[2] کیونکہ ہم نے سنا تھا کہ زاری پر رحمت باری ہوتی ہے۔ دنیا میں ہم اس سے غافل رہے آج کفارہ کر رہے ہیں۔

[3] میرے اس حکم اطاعت کرو، یہ اطاعت رحمت کا ذریعہ ہوگی۔ لہذا اس فرمان پر یہ اعتراض نہیں کہ اپنے کو دوزخ میں ڈالنا رحمت کیسے ہوا۔

[4] جیسے دنیا میں نار نمرودی کو حضرت خلیل کے لیے معتدل ٹھنڈا کردیا تھا سبحان اللہ اس کریم کے قہر میں بھی مہر ہے غضب میں بھی کرم ہے۔

[5] یعنی کیا تو نے آج بھی اطاعت سے سرتابی کی دنیا میں میرے فرمانے پر مسجد میں نہ گیا آج میرے فرمانے پر دوزخ میں اپنے کو نہ گرایا۔

[6] سبحان اللہ کیا پیاری عرض و معروض ہے یعنی الٰہی سرتابی کی میری مجال نہیں۔ امید رحمت نے مجھے یہاں کھڑا رکھا رحم و کرم کا انتظار کر رہا ہوں، غرضکہ عمل اس کے پاس ہے یعنی امید میرے پاس کرم فرما تو کریم ہے بخش دے۔

لَهُ الرَّبُّ تَعَالٰى لَكَ رَجَاؤُكَ فَيُدْخَلَانِ جَمِيعًا الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرِدُ النَّاسُ النَّارَ ثُمَّ يَصْدُرُوْنَ مِنْهَا بِاَعْمَالِهِمْ فَاَوَّلُهُمْ كَلَمْحِ الْبَرْقِ ثُمَّ كَالرِّيْحِ ثُمَّ كَحُضْرِ الْفَرَسِ ثُمَّ كَالرَّاكِبِ فِىْ رَحْلِهٖ ثُمَّ كَشَدِّ الرَّجُلِ ثُمَّ كَمَشْيِهٖ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنِ ابْنِ

رب تعالٰی فرمائے گا کہ تیرے لئے تیری امید ہے پھر دونوں اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل کیے جاویں گے [1] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ آگ پر حاضر ہونگے [2] پھر وہاں سے گزرینگے اپنے اعمال کے مطابق [3] تو ان میں سے اگلے لوگ بجلی کی کوند کی طرح پھر ہوا کی طرح پھر گھوڑے کی دوڑ طرح پھر اس کی طرح جو اپنے کجاوے میں سوار ہو پھر مرد کی دوڑ کی طرح پھر اس کے چلنے کی طرح [4] (ترمذی۔ دارمی) تیسری فصل روایت ہے حضرت

[1] یعنی ایک اطاعت کی وجہ سے دوسرا امید کی وجہ سے رب کی رحمت کے مستحق ہو جائیں گے مگر دونوں جنت میں جائیں گے اللہ کی رحمت سے۔ ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین۔

[2] اس طرح کہ پلصراط سے گزریں گے جو جنت کے راستہ میں ہے اور دوزخ پر قائم ہیں جیسے ہمارے یہاں لاہور کے راستہ پنجاب یا راوی کا پل چونکہ اس پل پر سے آگ اور وہاں کے تمام احوال نظر آئیں گے اس لیے اس گزرنے کو دوزخ پر وارد ہونا فرمایا گیا۔ اسکی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے وان منکم الا واردھا عربی میں وارد کہتے ہیں پانی پر پہنچنے کو چونکہ یہ گزرنا حوض کوثر پر پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ اس لیے اسے ورود فرمایا۔

[3] صدر کے لفظی معنی ہیں لوٹنا مگر یہاں مراد ہے آگے بڑھ جانا وہاں سے گزر جانا کیونکہ جنت وہاں سے آگے ہے پیچھے نہیں وہاں ان کی رفتار اپنے اعمال کے مطابق ہوگی، قربانی دینے والے لوگ اپنی قربانیوں پر سوار ہوں گے مگر ان جانوروں کی رفتار اخلاص کے مطابق ہوگی۔

[4] غرضکہ بعض لوگ وہاں سے جلد گزر کر جلد جنت میں پہنچ جاویں گے۔ بعض لوگ دیر سے گزریں گے اور دیر سے جنت میں پہنچیں گے۔ اللہ تعالٰی وہ سفر آسان فرمادے۔

[5] یعنی صراط سے آگے جنت کے قریب یا جنت میں حوض کوثر ہے۔

عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَمَامَكُمْ حَوْضِيْ مَا بَيْنَ جَرْبَاءَ وَاَذْرُحَ قَالَ بَعْضُ الرُّوَاةِ هُمَا قَرْيَتَانِ بِالشَّامِ بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ ثَلٰثِ لَيَالٍ وَفِيْ رِوَايَةٍ فِيْهِ اَبَارِيْقُ كَنُجُوْمِ السَّمَاءِ مَنْ وَّرَدَهٗ فَشَرِبَ مِنْهُ لَمْ يَظْمَأْ بَعْدَهَا اَبَدًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ٭ وَعَنْ حُذَيْفَةَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى النَّاسَ

ابن عمر سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے آگے میرا حوض ہے[1] اس کے دو کناروں کے درمیان ایسا فاصلہ ہے جیسا جربا اور اذرح کے درمیان بعض راویوں نے کہا کہ یہ دو بستیاں ہیں شام میں جن کے درمیان تین رات کی مسافت ہے[1] اور ایک روایت میں ہے کہ اس میں لوٹے آسمان کے تاروں کی برابر ہیں[2] جو وہاں جائے گا اس سے پیئے گا تو اس کے بعد کبھی پیاسا نہ ہوگا[3] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت حذیفہ اور ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی لوگوں کو جمع کرے گا[4]

[1] اس فرمان عالی کے دو معنی کیے گئے ہیں ایک یہ کہ جتنا فاصلہ مدینہ منورہ اور جربا کے درمیان ہے یا مدینہ منورہ اور اذرح کے درمیان ہے اتنا فاصلہ حوض کوثر کے دو کناروں کے درمیان ہے دوسرے یہ کہ جتنا فاصلہ خود ان دونوں شہروں جربا اور اذرح کے درمیان ہے اتنا فاصلہ کوثر کے دو گوشوں کے درمیان ہے۔ دوسرے معنی کو ترجیح ہے (مرقاۃ) بعض نے فرمایا کہ جربا اور اذرح بالکل قریب ہیں۔ لہٰذا فاصلہ مدینہ منورہ سے وہاں تک مراد ہے۔

[2] صفائی۔ چمک۔ حسن اور تعداد میں وہاں کے لوٹے آسمانوں کے تاروں کی طرح ہیں۔ (مرقات)

[3] خیال رہے کہ جنت میں جنتی دودھ شراب شہد وغیرہ پیا کریں گے مگر پیاس کی وجہ سے نہیں بلکہ لذت کے لئے پیا کریں گے۔ (مرقات) پیاس تو ہمیشہ کے لیے حوض کوثر کا پانی پیتے ہی بجھ چکی ہوگی۔ اگر یہ حوض جنت کے اندر ہے تو اس کا پانی بھی پیا کریں گے۔ مگر وہ بھی لذت کے لیے۔

[4] محشر میں ساری مخلوق جمع ہوگی صرف انسانوں کا ذکر ان کی فضیلت کی بنا پر ہے نیز آگے جنت کے داخلہ کا ذکر ہے جو صرف انسانوں کو میسّر ہوگا۔

فَيَقُوْمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ يَا اَبَانَا اسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُوْلُ وَهَلْ اَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ اِلَّا خَطِيْئَةُ اَبِيْكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰى اِبْنِيْ

تو مومن لوگ کھڑے ہوں گے ۱؎ حتی کہ جنت ان کے سامنے قریب کی جاوے گی ۲؎ تو آدم علیہ السلام کے پاس حاضر ہوں گے عرض کریں گے اے والد صاحب ہمارے لئے جنت کھلوائیے ۳؎ وہ فرمائیں گے کہ تم کو جنت سے نہیں نکالا مگر تمہارے والد کی خطا نے میں اس کام والا نہیں ہوں تم میرے فرزند

۱؎ میدان محشر سے نجات دلانے کی درخواست تو سارے انسان کریں گے۔ مومن ہوں یا کافر مگر جنت کے داخلہ کی شفاعت کی درخواست صرف مومن کریں گے کہ یہ نعمت صرف مومن انسانوں کو میسر ہوگی اس لیے یہاں مومنوں کا ذکر فرمایا۔

۲؎ جنت میدان محشر سے بہت ہی دور ہوگی مگر مسلمانوں کو وہاں سے نظر بھی آوے گی۔ اور قریب بھی محسوس ہوگی جیسے دوربین کے ذریعہ دور کی چیز قریب نظر آتی ہے۔ اس لیے تزلف فرمایا گیا۔ لہذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا۔ کہ شفاعت کی درخواست محشر میں ہے۔ جنت پل صراط سے وراء ہے۔ پل صراط کروڑوں میل لمبا پل ہے۔ پھر جنت قریب کیسے ہوگی۔

۳؎ یعنی جنت کا بند دروازہ کھلوائیے معلوم ہوا کہ انہیں وہ دروازہ بھی نظر آوے گا۔ اس کا بند ہونا بھی محسوس ہوگا۔ نگاہ بہت تیز ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو جنت میں داخل کرائیے کہ ہم پر وہ دروازہ آپ کی شفاعت سے کھل جاوے۔

۴؎ یعنی تم لوگ میری پشت میں تھے اور میرے ذریعہ جنت میں تھے۔ میں نے خطاءً گندم کھا لیا۔ باہر آیا تم بھی میری پشت میں باہر آگئے میں تو تم کو وہاں سے لانے والا ہوں۔ اب وہاں پہنچانے والا کوئی اور ہی ہے۔ خیال رہے کہ حضرت آدم صفی اللہ کا یہ فرمان تواضع و انکسار کی بنا پر ہوگا ورنہ واقعہ اصل یہ ہے کہ انہیں جنت سے باہر لانے والے مردود انسان ہیں کہ ان کی پشت میں کفار منافقین سب ہی تھے۔ رب کی منشا یہ تھی کہ حضرت آدم جنت سے باہر جاویں۔ ان مردودوں کو اپنی پشت سے نکال آویں

یہ یہاں خالص ہو کر آویں رہیں بسیں۔ اگر آپ

جنت میں رہ جاتے تو یہ مردود بھی یہاں ہی

پیدا ہو جاویں گے۔

إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللهِ قَالَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا مِنْ وَّرَاءَ وَرَاءَ إِعْمَدُوْا إِلَى مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ تَكْلِيمًا فَيَأْتُوْنَ مُوسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُولُ لَسْتُ

ابراہیم خلیل اللہ کے پاس جاؤ فرمایا کہ حضرت ابراہیم فرمائیںگے اس کام والا میں نہیں ہوں میں تو دور کا دوست ہوں [۲] ان موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے خوب ہی باتیں کیں [۳] تو وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ فرمائیں گے میں اس کام

[۱] اس حدیث میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر نہیں یہاں اجمال ہے۔ دوسری حدیث میں تفصیل ہے کہ آپ تو حضرت نوح علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان دونوں میں تعارض نہیں صرف اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔

[۲] حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ بات مومنین کی اس عرض کے جواب میں فرمائیں گے کہ آپ تو اللہ کے خلیل ہیں فرمائیں گے کہ خلیل کہتے ہیں باہر کے دوست کو یہ شفاعت کبریٰ باہر کا دوست نہیں کرسکتا یہ تو اندرونی دوست جسے کہتے ہیں۔ حبیب اللہ وہ ہی کرسکتے ہیں۔ شعر

تم تو مغز اور پوست اور ہیں باہر کے دوست   تم ہو درون سرا تم پر کروڑوں درود

خیال رہے کہ ہم کو دوستوں سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اپنے عزیز و قرابت داروں سے بھی اپنے بچوں سے بھی اپنی بیوی سے بھی دوست یار بیٹھک میں ملتے ہیں یہ ہیں بیرونی دوست عزیز و اقارب دار عام حالات میں گھر میں آکر ملتے ہیں یہ ہیں درون خانہ کے دوست مگر گھر کے اندر رہنے بسنے والے اپنے بال بچے ہوتے ہیں یہ ہیں اندرونی دوست خلوت صرف بیوی سے ہوتی ہے یہ ہے خاص الخاص محبوبہ راز دار دوست سارے انبیاء کرام اللہ کے پیارے ہیں مگر حضور خلوت خاص کے راز دار محبوب ہیں۔ اس لیے موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالٰی نے وادی سینا میں جو کلام کیا سب کچھ محبوب کو بتا دیا فکار تلک بمینک یا موسیٰ الخ مگر جو کلام معراج کے خلوت خانہ میں اپنے اندرونی محبوب صلے اللہ علیہ وسلم سے کیا وہ کسی کو نہ بتایا۔ فاوحٰی الی عبدہٖ ما اوحٰی وہاں اپنے بندہ کو جو وحی کی وہ کی یہ ہے اندرون خانہ کی محبت۔ اللھم صلے علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ وسلم۔

[۳] لطف یہ ہے کہ جناب خلیل کو اس وقت یہ یاد نہ رہے گا کہ وہ اندرونی دوست حبیب اللہ ہے کون تاکہ لوگوں کو تلاش کرنے کا لطف تو آوے اور سب جان لیں کہ آج سوا حضور کے دروازے کے اور کہیں بھیک نہیں مل سکتی یہ بھلانا ہزارہا حکمتوں سے ہوگا۔

بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوْا اِلٰى عِيْسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوْحِهٖ فَيَقُوْلُ عِيْسٰى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَاتُوْنَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُوْمُ فَيُؤْذَنُ لَهٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيَقُوْمَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِيْ طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ

والا نہیں ہو جاؤ عیسےٰ علیہ السلام کے پاس جو اللہ کا کلمہ اللہ کی روح ہیں تو حضرت عیسےٰ فرمائینگے میں اس کام کا نہیں ہوں تب سب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں گے [۱] آپ اٹھینگے تو آپ کو اجازت دی جاویگی [۲] اور امانت رحم بھیجے جائیں گے وہ پلصراط کے دو طرفہ کھڑے ہو جائیں گے [۳] داہنے بائیں ان کی پہلی جماعت بجلی کی طرح گزریگی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ فدا بجلی کے گزرنے کی طرح کون چیز ہے [۴] فرمایا کیا تم بجلی کو نہیں دیکھتے کہ وہ پلک جھپکنے میں کیسے گزرتی اور جاتی ہے [۵] پھر ہوا کی گزر کی طرح

[۱] لوگوں کا حضور انور کی بارگاہ میں پہنچنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رہبری سے ہوگا۔ حضور بشارت مسیح ہیں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی ہماری جانیں حضرت مسیح علیہ السلام پر فدا کہ وہ ہمارے حضور کے بشیر خاص ہیں اور رہیں گے یہاں بھی فرمایا تھا ومبشرًا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔

[۲] حضور کو کلام کرنے عرض ومعروض پیش کرنے کی اجازت دی جاوے گی۔ شفاعت کی اجازت تو ازل سے دی جا چکی یہ سہرا ان کے سر پر باندھا جا چکا۔ آپ کا لقب شفیع المذنبین ہو چکا ہے۔ اعلیحضرت نے فرمایا شعر

جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا بندھا اس جبین سعادت پہ لاکھوں سلام

[۳] صلہ رحمی کرنے والوں امانت داری کرنیوالوں کی شفاعت کے لیے ان میں سے دوزخ گرتوں کو سنبھالنے کے لئے یہ دونوں وہاں کھڑے ہوں گے مگر شفاعت کبریٰ حضور ہی کریں گے۔ دروازہ شفاعت کھل جانے کے بعد پھر دوسرے لوگ دوسری چیزیں شفاعت صغریٰ کریں گی۔ [۴] یعنی یاحبیب اللہ حضور انور آنکی رفتار کو بجلی کی کوندے تشبیہ کس چیز میں دے رہے ہیں۔ ان میں کون سی چیز بجلی کی طرح ہوگی، یہ پہلا طبقہ انبیاء کرام خاص اولیاء وعلماء ہوں گے۔

[۵] یعنی ہم تیز رفتاری میں بجلی سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ مگر سبحان اللہ بجلی میں تیزی کے ساتھ ساتھ چمک دمک نورانیت بھی تو ہوتی ہے۔ ان حضرات کے چہرے چمکتے ہوں گے کیونکہ داغ بیٹری کا کام دیں گے پلصراط انکی وجہ سے منور ہو جاویگا۔

ثُمَّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِيْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُوْلُ يَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيْئَ الرَّجُلُ فَلَا يَسْتَطِيْعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا وَقَالَ وَفِيْ حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلَالِيْبُ مُعَلَّقَةٌ مَامُوْرَةٌ تَاخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوْشٌ نَاجٍ وَمُكَرْدَسٌ فِي النَّارِ وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

پھر پرندے کی طرح اور تیز مردوں کے دوڑ کی طرح ان کے اعمال انہیں لے جائینگے۱ اور تمہارے نبی صراط پر کھڑے ہوئے فرماتے ہونگے الٰہی سلامت سلامت رکھ۲ حتی کہ بندوں کے اعمال عاجز رہ جائینگے۳ یہانتک کہ ایک شخص آئیگا جو چل نہ سکے گا سوا گھسٹنے کے فرمایا کہ صراط کے دونوں کناروں پر کنڈے لٹکے ہوئے ہیں جو تابع حکم جسکے پکڑنیکا حکم دیئے جائینگے اسے پکڑ لینگے تو بعض زخمی ہوکر نجات پا جائینگے اور بعض آگ میں ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے۴ اس کی قسم جس کے قبضہ میں ابوہریرہ کی جان ہے کہ دوزخ کی گہرائی ستر سال کی ہے۵ (مسلم)

۱ یعنی ان کی رفتاروں میں یہ فرق ان کے نیک اعمال اور اخلاص کے فرق کی وجہ سے ہوگا۔ جیسا کہ عمل جیسا اخلاص ویسی وہاں کی رفتار یہاں اشعۃ اللمعات نے فرمایا کہ اعمال سبب رفتار ہیں۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم اصل وجہ رفتار کی ہے جتنا کہ حضور سے قرب زیادہ اتنی رفتار تیز۔

۲ ظاہر یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پلصراط کے اس محشر والے کنارہ پر قیام فرما ہوں گے۔ اپنے گرتوں کو سنبھالتے ہوں گے۔ آپ آخر میں وہاں سے تشریف لائیں گے مکہ معظمہ سے پہلے مسلمانوں کو ہجرت کرادی آخر میں وہاں سے آپ روانہ ہوئے اس کا ظہور وہاں ہوگا۔

۳ یعنی آخر میں وہ لوگ آئیں گے جن کو ان کے اعمال چلا نہ سکیں گے یا تو ان کے پاس اعمال نیک ہوں گے ہی نہیں یا ان میں اخلاص وغیرہ نہ ہوگا۔ عمل میں قوت پرواز اخلاص سے ہوتی ہے

۴ اسطرح کہ جنہیں زخمی کر دینے کا حکم ہے انہیں زخمی کرکے چھوڑ دیں گے اور جن میں دوزخ میں گرانے کا حکم ہے انہیں چھینک کر گرا دیں گے۔ خدا کی پناہ

۵ مکردس اسم مفعول ہے کردسۃ کا معنی ہاتھ باندھنا مکردس دست و پا بستہ یعنی ان کنڈوں سے ان کے ہاتھ پاؤں بندھ جائیں گے اور دوزخ میں گر کر بھی جائیں گے۔

۶ لہذا جو دوزخ میں گرایا جاوے گا وہ ستر سال میں اپنے ٹھکانے پر پہنچے گا۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ قَوْمٌ بِالشَّفَاعَةِ كَاَنَّهُمُ الثَّعَارِيْرُ قُلْنَا مَا الثَّعَارِيْرُ قَالَ اِنَّهُ الضَّغَابِيْسُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ✦ وَعَنْ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْفَعُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثَلَاثَةٌ الْاَنْبِيَآءُ ثُمَّ الْعُلَمَاءُ ثُمَّ الشُّهَدَآءُ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ✦ بَابُ صِفَةِ الْجَنَّةِ وَاَهْلِهَا اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ ✦ عَنْ

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک قوم شفاعت کے ذریعہ آگ سے ایسی نکالی جاوے گی جیسے کہ وہ ثعاریر ہوں ہم نے عرض کیا کہ ثعاریر کیا چیز ہے فرمایا وہ تلی ککڑیاں ہیں۱؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت عثمان ابن عفان سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن تین جماعتیں شفاعت کریں گی انبیاء پھر علماء پھر شہید لوگ۲؎ (ابن ماجہ) جنت اور جنت والوں کی صفات کا بیان۳؎ پہلی فصل روایت ہے

۱؎ ثعاریر جمع ثعبوس کی جس کا ترجمہ پنجابی زبان میں ہے گگنے اردو میں چھوٹی ککڑی جس پر رو داں ہو وہ بہت نرم اور نازک ہوتی ہے چونکہ ککڑی بہت جلد بڑھتی ہے۔اس لئے انہیں اس سے تشبیہ دی گئی کہ وہ بہت جلد بڑھیں گے۔خیال ہے کہ ان کی جسم کی سفیدی بھی شفاعت سے ہوگی لہذا یہ حدیث اس گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں جس میں فرمایا گیا کہ وہ کوئلے ہوں گے یعنی کالے کیونکہ دوزخ سے نکلتے وقت تو وہ کالے ہوں گے مگر جنت میں پہنچتے پہنچتے سفید اور گورے ہوجائینگے

۲؎ اس ترتیب میں علماء کو شہداء پر مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ علماء کے دوات کی روشنائی جس سے وہ دینی تحریر و تصنیف کریں وہ شہیدوں کے خون سے افضل ہے جیسا شیرازی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابن عبدالبر نے حضرت ابوالدرداء سے ابن جوزی نے حضرت نعمان ابن بشیر مرفوعًا روایت کی (مرقات) شہید اپنے ستر عزیزوں دوستوں کی شفاعت کریگا خیال رہے کہ یہاں خاص شفاعت مراد ہے ورنہ ہر نیک مسلمان گنہگاروں کی شفاعت کریں گے (اشعۃ اللمعات) بلکہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے۔کعبہ معظمہ۔ماہ رمضان بھی شفاعت کریں گے۔

۳؎ جنت کے معنی ہیں گھنا باغ جس میں درختوں کی وجہ سے زمین چھپی ہو جیم نون ملیں تو اس میں پوشیدگی کے معنی ہوتے ہیں اسی سے ہے۔جن۔جنون۔جنین۔جنہ چونکہ جنت میں گھنے درخت ہیں نیز وہ دنیا میں نگاہوں سے چھپی ہے۔عالم غیب میں ہے۔اس لیے اسے جنت کہتے ہیں (مرقات واشعہ) جنتی تین قسم کے ہیں۔کسبی۔وہبی۔عطائی۔کسبی جنتی وہ۔۔

اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصّٰلِحِيْنَ مَا لَا عَيْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰى قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ، وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْضِعُ

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے[1] وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ آنکھ نے دیکھیں اور نہ کانوں نے سنیں اور نہ کسی انسان کے دل پر انکا خطرہ گزرا[2] اگر چاہو تو یہ آیت پڑھ لو کہ کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے کیسی آنکھ کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے[3] (مسلم بخاری) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں

جو اعمال سے جنت میں جاویں، وہی وہ جو کسی جنتی کے طفیل جنت میں جاویں، جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے۔ عطائی جنتی وہ مخلوق جو جنت کو پر کرنے کے لیے پیدا کی جاوے گی۔ مگر دوزخ صرف کسبی ہے۔ اپنی کرنی اپنی بھرنی۔

[1] صالحین یا تو بنا ہے صلاح سے یا صلاحیت سے یعنی نیک اعمال والے بندوں کے لیے یا جنت کے قابل لوگوں کے لیے۔ پہلی صورت میں جنت کسبی مراد ہے، دوسری صورت میں عام جنت کسبی ہو یا وہبی یا عطائی لہذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سواء نیک اعمال والوں کے کوئی جنت میں نہ جاویگا تو شفاعت وغیرہ کچھ نہیں۔

[2] یعنی وہاں کی نعمتیں نہ تو بیان میں آسکتی ہیں نہ گمان میں وہ تو دیکھ کر ہی معلوم ہوں گی، اللہ تعالٰی خیریت سے دکھائے اپنے فضل و کرم سے۔ خیال رہے کہ یہاں آنکھ۔ کان۔ دل سے مراد عوام مسلمانوں کے آنکھ۔ کان دل ہیں۔ ورنہ حضرت آدم علیہ السلام تو وہاں رہ کر آئے۔ ہمارے حضور نے معراج میں وہاں کی سیر فرمائی۔ حضرت ادریس علیہ السلام تو وہاں موجود ہی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں وہ ان جیسی نعمتیں کسی آنکھ نے نہ دیکھیں نہ سنیں۔ واقعی دنیا میں نہ ایسی نعمتیں ہیں نہ کسی کے دیکھنے میں آئیں۔

[3] اس آیت کریمہ میں بھی نفس سے مراد عام لوگ ہیں۔ آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد دل کی خوشی و سرور کے اسباب ہیں جن سے دل چین میں رہیں۔ آج بیٹے کو کہا جاتا ہے قرۃ العین۔ اس آیت و حدیث سے معلوم ہوجاتا ہے کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ حضرت آدم و حوا، وہاں رہ چکے ہیں اور ہمارے حضور دیکھ آئے ہیں۔ وہاں کی بہت سی نعمتیں اب دنیا میں بھی آرہی ہیں۔ نیل و فرات وہاں سے آرہی ہے حجر اسود جنت سے ہی آیا ہے

سَوْطٍ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ◆ وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُدْوَةٌ فِي سَبِيلِ اللهِ أَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَلَوْ أَنَّ امْرَأَةً مِنْ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَتْ إِلَى الْأَرْضِ لَأَضَاءَتْ مَا بَيْنَهُمَا وَلَمَلَأَتْ مَا بَيْنَهُمَا رِيحًا وَلَنَصِيفُهَا

ایک کوڑے کی جگہ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ کی راہ میں صبح یا شام چلنا ۲ دنیا سے اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے ۳ اور اگر جنت والی عورتوں میں سے کوئی عورت ۴ زمین کی طرف جھانکے تو ان دونوں کے درمیان کو چمکا دے ۵ اور ان کے درمیان کو خوشبو سے بھر دے ۶

۱ کوڑے کی جگہ سے مراد ہے وہاں کی تھوڑی سی جگہ واقعی جنت کی نعمتیں دائمی ہیں۔ دنیا کی فانی پھر دنیا کی نعمتیں تکالیف سے مخلوط وہاں کی نعمتیں خالص۔ پھر دنیا کی نعمتیں ادنیٰ وہ اعلیٰ اس لیے دنیا کو وہاں کی ادنیٰ جگہ سے کوئی نسبت ہی نہیں۔

۲ یہاں او شک کے لیے نہیں بلکہ بیانی نوعیت کے لیے ہے۔ اللہ کی راہ میں چلنے کی صدہا قسمیں ہیں۔ نماز کے لیے مسجد میں جانا۔ طالب علم دین کے لیے جانا۔ جہاد کے لیے نکلنا۔ حج وعمرہ کے لیے جانا۔ کسی زندہ یا وفات یافتہ کی زیارت کے لیے جانا حلال روزی کی تلاش کے لیے جانا سنت سمجھ کر (اشعہ)

۳ دنیا سے مراد ہے نفس کے لیے کاروبار و اشغال اگر خدا کرم کرے تو کھانا پینا سونا بھی دین بن جاوے اگر کرم نہ کرے تو نماز و حج جہاد بھی دنیا بن جاوے یا مراد ہے دنیا کے عیش و آرام۔

۴ یعنی حور جو آج موجود ہے یا جنت میں پہنچ چکنے کے بعد دنیا کی جنتی عورت بلکہ جنتی عورتوں کا حسن حوروں سے زیادہ ہوگا کہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہوگا۔

۵ یا تو مشرق و مغرب کے درمیان کو چمکا دے یا جنت اور زمین کے درمیان کے تمام علاقہ کو چمکا دے دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ یہاں جنت اور زمین ہی کا ذکر ہو رہا ہے (مرقات) بلکہ اشعۃ اللمعات نے اس آخری معنی کو اختیار فرمایا جنتی عورتوں کا حسن دیکھنے کیلئے آنکھیں بھی دوسری ہی عطا ہونگی جو اس تابش کو جھیل سکیں ہم تو ان آنکھوں سے سورج کو نہیں دیکھ سکتے مخلوق تو ان آنکھوں سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی رنگ روپ نہیں دیکھ سکتے اس لیے معراج رات میں لوگوں سے چھپا کر کرائی گئی یعنی سارے معجزے دکھائے گئے مگر یہ بڑا معجزہ معراج دکھایا۔

عَلٰی رَاْسِهَا خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ، وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ شَجَرَةً يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا يَقْطَعُهَا وَلَقَابُ قَوْسِ اَحَدِكُمْ فِي الْجَنَّةِ خَيْرٌ مِّمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ اَوْ تَغْرُبُ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ، وَعَنْ اَبِيْ مُوْسٰى قَالَ

اور اس کے سر کی مانگ دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے (بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کے سایہ میں سوار سو برس چلے گا اور وہ طے نہ کر سکے گا اور تم میں سے ایک کے کمان کی جگہ جنت میں اس سے بہتر ہے جس پر سورج طلوع یا غروب ہو (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابو موسےٰ سے فرماتے ہیں

ڈگی چھپایا گیا صرف سنایا گیا۔ کیونکہ اس دن حسن مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اصلی رنگ میں تھا۔

۶ یعنی جنت اور زمین کے درمیانی علاقہ کو مہکا دے وہ مہک بھی ایسی ہو۔ جس کی دنیا والے تاب نہ لاسکیں ہم خالص مشک سونگھیں تو ناک سے خون جاری ہو جاتا ہے۔ وہ مہک تو اللہ اکبر۔

۷ نصیف سے مراد یا تو جنتی عورت کی مانگ ہے مانگ میں موتیوں کی لڑی لگائی جاتی ہے اس لڑی کے موتیوں کی قیمت دنیا کے سارے خزانوں سے زیادہ ہے یا سر پہ باندھنے کا رومال جو امیر عورتیں ڈوپٹے کے نیچے رکھتی ہیں۔ یا جو ڈوپٹہ جو معنی بھی ہوں مطلب یہ ہی ہے۔ جنتی حوروں کی یہ چیزیں اتنی بیش قیمت ہیں کہ دنیا بھر کے سونے چاندی ہیرے جواہرات۔ لعل گوہر اس ایک کی قیمت نہیں بن سکتے۔

۲ یہ درخت شجرہ طوبیٰ ہے جس کے ہر پتہ پر لکھا ہے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ سایہ سے مراد اس کے نیچے کا ایریا وہاں کا علاقہ ہے۔ یا تجلی الٰہی اور وہاں کی نورانیت۔ اس کا سایا ہو گا۔ یا خود اس درخت کا نور جھ زل دھوپ اور روشنی کو بھی کہتے۔ غرضکہ یہ سورج والا سایہ مراد نہیں کہ وہاں سورج نہیں ہو گا۔ سو اس سے مراد اتنا عرصہ ہے کہ اگر وہاں دن رات مہینے و سال ہوتے تو سو سال لگتے۔

۳ اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر چکی قاب کے معنی ہیں۔ برابر یا اندازہ رب فرماتا ہے۔ فکان قاب قوسین اوادنیٰ کنارہ کمان کو بھی قاب کہتے ہیں (اشعہ) اس سے مراد ہے کم سے کم جگہ ورنہ وہاں کسی جنتی کو اتنی چھوٹی جگہ نہ ملے گی وہاں تو ادنیٰ جنتی کا علاقہ دنیا بھر سے زیادہ ہو گا۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِنْ لُؤْلُؤَةٍ وَاحِدَةٍ مُجَوَّفَةٍ عَرْضُهَا وَفِي رِوَايَةٍ طُوْلُهَا سِتُّوْنَ مِيْلًا فِيْ كُلِّ زَاوِيَةٍ مِنْهَا اَهْلٌ مَا يَرَوْنَ الْاٰخَرِيْنَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ وَجَنَّتَانِ مِنْ فِضَّةٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا فِيْهِمَا وَجَنَّتَانِ مِنْ ذَهَبٍ اٰنِيَتُهُمَا وَمَا

فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن کا جنت میں ایک کھکل موتی کا خیمہ ہوگا جس کی چوڑائی اور ایک روایت میں ہے کہ اس کی لمبائی ساٹھ میل کی ہے ۱؎ اس کے ہر گوشہ میں اس کے گھر والے ہونگے کہ دوسروں کو نہ دیکھ سکیں گے ۲؎ جن پر مومن گشت کرے گا ۳؎ اور اسکے دو باغ ہوں گے جن کے برتن اور سامان چاندی کے ہوں گے ۴؎ اور دو باغ ہوں گے جن کے برتن اور سامان سونے کے ہونگے ۵؎ وہاں

۱؎ اندازہ لگاؤ کہ اگر وہ موتی دنیا میں آجاوے تو اس کی قیمت کیا ہو یہاں تو آدھے ماشے کا ایک سچا موتی کئی ہزار روپیہ کا ہوتا ہے۔ وہاں تو ساٹھ میل چوڑا ساٹھ میل لمبا ایک موتی ہے پھر اس کی صفائی اسکی چمک دمک کیسی ہے وہ خیال میں بھی نہیں آسکتی۔ انشاء اللہ دیکھ کر ہی پتہ چلے گا۔ اللہ نصیب کرے۔

۲؎ یعنی اس موتی کے مکان کے چاروں گوشوں میں اس کے مختلف گھر والے آباد ہوں گے کبھی اپنی دنیاوی بیوی بچے کہیں وہ دنیاوی عورتیں جن کے خاوند کافر رہے اور ان کے نکاح میں دی گئیں کہیں وہ کنواری لڑکیاں جو دنیا میں بغیر شادی فوت ہوئیں کہیں حوریں۔ خدام ان کے علاوہ انہیں ایک دوسرے کو نہ دیکھنا فاصلہ کی وجہ سے نہ ہوگا کہ جنتی مومن کی نگاہ بہت دور سے دیکھے گی بلکہ ان جگہوں میں عمارتیں مختلف ہوں گی۔ کوٹھیاں۔ بنگلے خیال رہے کہ جنت میں پردہ ہوگا رب فرماتا ہے حور مقصورات فی الخیام اور فرماتا ہے قاصرات الطرف۔ پردہ اس لئے نہیں ہوگا کہ وہاں لوگ فاسق و فاجر ہوں گے بلکہ اس لئے کہ شرم و حیا اچھی چیز ہے بے پردگی میں بے شرمی ہے ہاں دوزخ میں پردہ نہیں ہوگا۔ وہاں ننگے مرد و عورت ایک ہی تنور میں جلیں گے۔

۳؎ کہ مومن کبھی اپنے اس گھر میں جاویگا کبھی اس گھر میں۔ اس جانے میں نہ اُسے سواری کی ضرورت پڑے گی نہ دیر لگے گی۔ آن کی آن میں ہر جگہ پہنچ جاوے گا ہر گھر میں گشت لگائے گا۔ ۴؎ خیال رہے کہ جنت پوری جنت کو بھی کہتے ہیں اور وہاں کے ہر باغ کو بھی دوسرے معنی سے یہ تثنیہ بھی ہوتی ہے۔ جمع بھی مگر پہلے معنی سے ہمیشہ واحد ہی آتی ہے۔ جیسے زمین پورے روئے زمین کو بھی کہتے ہیں۔ اور زمین کے حصوں کو بھی یعنی جنتی کو چار باغ ملیں گے۔ دو باغ وہ جن کی در و دیوار برتن سامان درخت وغیرہ سب چاندی کے ہونگے

فِيْهِمَا وَمَا بَيْنَ الْقَوْمِ وَبَيْنَ اَنْ يَّنْظُرُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ اِلَّا رِدَآءُ الْكِبْرِيَآءِ عَلٰى وَجْهِهٖ فِيْ جَنَّةِ عَدْنٍ مُّتَّفَقٌ عَلَيْهِ ◆ وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْجَنَّةِ مِائَةُ دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَالْفِرْدَوْسُ اَعْلَاهَا دَرَجَةً مِنْهَا

کی ہر چیز اور قوم اور رب تعالیٰ کو دیکھنے کے درمیان صرف کبریائی کی چادر رہے گی لے رب کی ذات پر جنت عدن میں ہے (مسلم بخاری)؛ روایت ہے حضرت عبادہ ابن صامت سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں سو منزلیں والے ہیں ہر دو منزلوں کے درمیان فاصلہ ایسا ہے جیسے آسمان وزمین کے درمیان ہے اور فردوس اعلیٰ درجہ ہے جس کے

اور دو وہ جن کی ہر چیز سونے کی ہوگی۔

۵ خیال رہے جیسے دنیا کے پھلوں کو جنت کے پھلوں سے کوئی نسبت ہی نہیں صرف نام یکساں ہیں یوں ہی دنیا کے سونے چاندی کو وہاں کے سونے چاندی سے کوئی نسبت نہیں وہاں کا ایک ماشہ سونا دنیا کے منوں سونے سے زیادہ قیمتی ہوگا یہی حال وہاں کے موتیوں وغیرہ تمام چیزوں کا ہے۔ چنانچہ وہاں کا سونا چاندی شیشے کی طرح شفاف ہوگا یہاں یہ بات کہاں۔

لہ اس کی بحث ان شاء اللہ دیدار الٰہی کی تحقیق میں آوے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لوکہ کبریائی کی چادر دیدار کرانے کے لیے ہوگی نہ کہ آڑ کے لئے جیسے سورج پر بخارات کی چادر ہو تو بخوبی دیکھ لیا جاتا ہے۔ اگر یہ چادر نہ ہو تو کوئی اسے نہیں دیکھ سکتا۔

۲ھ ظاہر یہ ہے کہ یہاں جنت عدن لغوی معنی میں ہے یعنی پوری جنت کیونکہ ساری جنت دائمی قیام کی جگہ ہے یعنی یہ دیدار الٰہی جنت ہی میں نصیب ہوگا۔ قیامت میں یہ دیدار نہ ہوگا وہاں دیدار کی دوسری نوعیت ہوگی۔

۳ھ اب تک دنیا میں پچاس منزلہ عمارتیں بن سکی ہیں یہ بھی سنا ہے رب جانے غلط ہے یا درست۔ یہ منزلیں چھوٹی چھوٹی ہیں وہاں سو منزلہ عمارتیں ہر منزل کی چھت آسمان کی طرح اونچی۔ بعض روایات میں ہے کہ جنت کی منزلیں، قرآن مجید کی آیات کی برابر ہیں ہو سکتا ہے کہ یہ سو منزلیں ایک جنتی کی ملک ہوں (مرقات) یا یہ مطلب ہے کہ جنت کے اوپر تلے سو طبقات ہیں۔ ہر دو طبقات کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا فاصلہ زمین و آسمان کے درمیان ہے۔

تَفَجَّرُ اَنْهَارُ الْجَنَّةِ الْاَرْبَعَةُ وَمِنْ فَوْقِهَا يَكُوْنُ الْعَرْشُ فَاِذَا سَاَلْتُمُ اللّٰهَ فَاسْئَلُوْهُ الْفِرْدَوْسَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَلَمْ اَجِدْهُ فِي الصَّحِيْحَيْنِ وَلَا فِي كِتَابِ الْحُمَيْدِيِّ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا يَاْتُوْنَهَا كُلَّ جُمُعَةٍ فَتَهُبُّ رِيْحُ الشِّمَالِ

جنت کی چاروں نہریں پھوٹتی ہیں [1] اور اس کے اوپر عرش ہوتا ہے [2] تو تم جب بھی اللہ سے مانگو تو اس سے فردوس مانگو [3] (ترمذی) اور یہ حدیث میں نے نہ تو مسلم بخاری میں پائی نہ کتاب حمیدی میں [4] روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک بازار ہے جہاں جنتی ہر جمعہ کو آئیں گے [5] تو شمال ہوا چلے گی

[1] شارحین فرماتے ہیں کہ فردوس میں تمام وہ نعمتیں جمع ہیں جو دوسری جنتوں میں ہیں۔ ان سب کے علاوہ اور بہت نعمتیں ہیں اس طبقہ میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہاں سے جنت کی چاروں نہریں پانی، دودھ، شہد اور شراب طہور کی نہریں جاری ہیں۔ سب نہروں کا سرچشمہ یہاں ہے۔ خیال رہے کہ جنت میں جتنا درجہ اونچا اتنا وہاں آرام زیادہ اور دوزخ میں جتنا طبقہ نیچا اتنی تکلیف زیادہ۔

[2] معلوم ہوا کہ سب سے اونچا طبقہ یہی فردوس ہے جس پر جنت ختم ہے۔ اس لیے اسی کی طلب کا حکم دیا جا رہا ہے یہ حکم سب کو ہے۔ [3] رب تعالٰی دے گا اپنی مرضی سے مگر ہم مانگنے میں کمی کیوں کریں خوب بلند حوصلہ کرکے مانگیں کبھی کریم کی عطا مانگنے والے کے حوصلے کے مطابق ہوتی ہے۔ [4] یہ صاحب مصابیح پر اعتراض ہے کہ انہوں نے پہلی فصل میں وہ حدیث بیان کی جو ترمذی کی ہے نہ تو بخاری میں ہے نہ مسلم میں نہ ان دونوں کی جامع یعنی کتاب حمیدی میں ہے مگر یہ حدیث بخاری میں دو جگہ ہے کتاب الجہاد میں اور باب کان عرش علی الماء میں اور مسلم میں باب فضل الجہاد میں بخاری میں بروایت ابوہریرہ معمولی سے فرق سے ہے (مرقات واشعہ) غالبًا صاحب مشکوٰۃ کو ملی نہیں اسی لیے کہا لم اجد مجھے نہ ملی۔ [5] وہاں یہ بازار کاروبار یا خرید و فروخت کا نہیں بلکہ آپس کی ملاقات کا ہے اور رب کے دیدار کا وہاں سارے جنتی جمع ہوا کریں گے اور وہاں دیدار یار کے سودے ملیں گے۔ حضور کا دیدار صحابہ کرام کی ملاقات بلکہ رب العالمین کا دیدار یہاں ہوا کرے گا۔ جمعہ سے مراد پورا ہفتہ ہے۔ اور اسی سے ہفتہ بھر کی مقدار مراد ہے کہ جنت میں نہ دن رات ہے نہ ہفتہ مہینہ وغیرہ مرقات نے فرمایا کہ جنت کے بعض وقت دوسرے وقتوں سے افضل ہوں گے جسے علماء دین ہی پہنچانیں گے۔ اس افضل وقت کا نام جمعہ ہوگا۔ جنتی لوگ

فَتَحْشُوْهُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ وَثِیَابِهِمْ فَیَزْدَادُوْنَ حُسْنًا وَجَمَالًا فَیَرْجِعُوْنَ اِلٰی اَهْلِیْهِمْ وَقَدِ ازْدَادُوْا حُسْنًا وَجَمَالًا فَیَقُوْلُ لَهُمْ اَهْلُوْهُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا فَیَقُوْلُوْنَ وَاَنْتُمْ وَاللّٰهِ لَقَدِ ازْدَدْتُمْ بَعْدَنَا حُسْنًا وَجَمَالًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

ان کے چہروں ان کے کپڑوں میں بھر جاوے گی جس سے ان کا حسن وجمال اور بڑھ جاوے گا ۱؎ پھر یہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹیں گے جو حسن وجمال میں بڑھ چکے ہوں گے ۲؎ ان سے ان کے گھر والے کہیں گے اللہ کی قسم تم تو ہمارے پیچھے حسن وجمال میں بہت بڑھ گئے تو یہ کہیں گے رب کی قسم تم لوگ بھی ہمارے پیچھے حسن وجمال میں بہت بڑھ گئے ۳؎ (مسلم)

علماء سے وہ وقت معلوم کرکے اس بازار میں جایا کریں گے۔ وہاں ان سے رب تعالٰی فرمائے گا جو چاہو مانگو یہ لوگ علماء سے پوچھ کر مانگیں گے لہذا علماء کی ضرورت وہاں بھی ہوگی (مرقات)، گویا جنت میں یہ جمعہ کا دن رب کی نعمتوں کی زیادتی کا دن ہوگا جیسے دنیا میں جمعہ زیادتی عطا کا دن ہے اس ایک میں نیکی کا ثواب ستر گنا ہے۔

۱؎ یعنی تم دنیا میں جس ہوا کو شمالی (اُتروالی) ہوا کہتے ہو جو بارش لاتی ہے۔ وہاں ایسی ہوا چلے گی جو خوشبو عطر وغیرہ ان کے جسموں سے بھر دے گی۔ خیال رہے کہ جب ہم مغرب کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوں تو داہنے ہاتھ کا رُخ شمال ہے وہاں چونکہ مشرق ومغرب نہ ہوگا۔ لہذا شمال وجنوب بھی نہ ہوگا۔ اہل عرب بلکہ تمام دنیا والے شمالی ہوا کو بہت مبارک سمجھتے ہیں اُسے مون سون کہتے ہیں یہ بارش لاتی ہے۔ اسی لیے اسے شمالی ہوا فرمایا (مرقات)

۲؎ یعنی یہ جنتی جب اس بازار سے اپنے گھر واپس ہوں گے تو ان کا حسن وجمال ان کی مہک خوشبو وغیرہ اور بھی زیادہ ہو چکی ہوگی جس پر ان کے گھر والے یہ کہیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بازار میں صرف مرد جایا کریں گے۔ عورتیں اپنے گھروں میں رہا کریں گی تاکہ عورتوں مردوں کا خلط ملط نہ ہو پردہ وہاں بھی ہوگا مگر عورتوں کو یہاں ہی وہ سب کچھ دے دیا جایا کرے گا جو مردوں کو بازار میں بلاکر دیا جائے گا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

۳؎ یعنی اے بیو یو ہم تو اس بازار میں جاکر یہ حسن وجمال خوشبو۔ مہک۔ بھڑک لائے تم کو یہاں گھر بیٹھے ہی یہ سب کچھ مل گیا یا تو وہ ہوا ان بیویوں کو یہاں ہی پہنچ جایا کرے گی۔ یا ان مردوں کی قرب سے انہیں سے بھی وہ حسن ومہک ملے گا یا مردوں کو اپنا حسن اپنے گھر والوں میں نظر آوے گا۔ اپنی خوشبو اُن سے بھی محسوس ہوگی (مرقات) جس کا ہاتھ عطر سے مہک رہا ہو وہ جس سے مصافحہ کرے اسے بھی مہکا دیتا ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ عَلٰى صُوْرَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ كَاَشَدِّ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِى السَّمَآءِ اِضَاءَةً قُلُوْبُهُمْ عَلٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ يُرٰى مُخُّ سُوْقِهِنَّ مِنْ وَّرَآءِ الْعَظْمِ وَاللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلا گروہ جو جنت میں جاوے گا [۱] وہ چودھویں رات کے چاند کی شکل پر ہوگا [۲] پھر جو ان سے متصل ہونگے آسمان کے تیز چمک دار تارے کی روشنی میں ہوں گے [۳] ان سب کے دل ایک آدمی کے دل کے موافق ہوں گے کہ نہ ان میں مخالفت نہ بغض [۴] ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی بڑی آنکھوں والی حوروں میں سے [۵] جن کی پنڈلیوں کی مینگ حسن کی وجہ سے ہڈی و گوشت کے اوپر سے دیکھی جاوے گی [۶]

[۱] پہلے گروہ سے مراد یا حضرات انبیاء کرام ہیں یا انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ (مرقات) ظاہر یہ ہے کہ صرف انبیاء کرام مراد ہیں، کہ جنت میں پہلے وہ ہی تشریف لے جائیں گے۔

[۲] جنت میں سارے نبی چاند کی طرح حسین ہوں گے ہمارے حضور سورج کی طرح حسین ہوں گے (مرقات) کیوں نہ ہو کہ حضور نبوت کے آسمان کے سورج رب فرماتا ہے وسراجا منیرا۔

[۳] یعنی حضرات انبیاء کرام کے بعد والے حضرات اولیاء، علماء، شہداء، صالحین۔ چمک دار تاروں کی شکل میں ہوں گے خصوصًا صحابہ کرام کہ وہ تو دنیا میں بھی آسمان ہدایت کے تارے ہیں۔ اصحابی کالنجوم۔

[۴] یعنی جیسے اگر گھر میں اکیلا ایک آدمی ہو تو وہاں لڑائی جھگڑا ناممکن ہے ایسے ہی جنت میں بے شمار مخلوق ہوگی مگر لڑائی جھگڑا ناممکن ہوگا۔

[۵] حور جمع ہے حوراکی یعنی صاف وسفید عین جمع ہے عیناء کی یعنی بڑی آنکھ والی یعنی خاص حسن کی بیویاں جنس حور سے صرف دو ہوں گی انکے علاوہ اور بہت سی ہوں گی۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ ان جنتیوں کی بیویاں ستر سے زیادہ ہوں گی کہ وہاں دوسرے درجے کی بیویاں مراد ہیں (اشعہ)

[۶] یعنی انکا گوشت پوست ہڈیاں سب نورانی اور شفاف ہوں گی کہ ان میں کوئی چیز کسی کے لیے حجاب نہ ہوگی یہ نورانیت اور شفافی ان کے حسن کا باعث ہوگی، دنیا میں اگر گوشت پھٹ جاوے اور مینگ نظر آجاوے تو برا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یہ چیز نفرت انگیز ہے۔

يُسَبِّحُوْنَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا لَا يَسْقَمُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ اٰنِيَتُهُمُ الذَّهَبُ وَ الْفِضَّةُ وَاَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَوَقُوْدُ مَجَامِرِهِمُ الْاَلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ عَلٰى خَلْقِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ عَلٰى صُوْرَةِ اَبِيْهِمْ اٰدَمَ سِتُّوْنَ ذِرَاعًا فِى السَّمَآءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

صبح شام اللہ کی تسبیح پڑھیں گے [1] نہ کبھی بیمار ہوں گے نہ پیشاب پاخانہ کرینگے اور نہ تھوکیں گے نہ ناک صاف کریں گے [2] ان کے برتن سونے چاندی کے ہوں گے ان کی کنگھیاں سونے کی ہوں گی ان کی انگیٹھیوں کا ایندھن لوبان اور ان کا پسینہ مشک ہوگا [3] ایک آدمی کے عادت پر [4] اپنے باپ حضرت آدم کے شکل پر ساٹھ گز بلند [5] (مسلم، بخاری)

[1] یعنی ہر وقت بلکہ ہر سانس میں رب کی حمد و تقدیس اور ہوگی، صبح شام سے مراد ہے ہمیشگی۔

[2] یعنی یہ فضلات جنت میں نہ ہوں گے کہ یہ چیزیں گھن اور نفرت کا باعث ہیں۔ وہاں نفرت کہاں۔ تفل تھوک کو کہتے ہیں۔ الامخاط رینٹ کو۔

[3] خیال رہے کہ جنت میں کنگھی ہوگی جو بالوں میں کی جاوے گی مگر میل دور کرنے کے لیے نہیں۔ کہ وہاں میل جوں کھٹمل نہیں بلکہ بال نکھارنے حسن بڑھانے کے لیے یوں ہی وہاں انگیٹھی بھی ہوگی۔ اس میں لوبان بھی سلگے گا۔ مگر آگ کے بغیر کہ جنت میں آگ نہیں جیسے وہاں پرندوں کا بھنا ہوا گوشت ملے گا مگر یہ گوشت آگ پر نہ پکے گا۔ رب فرماتا ہے۔ ولحم طیر مما یشتھون نیز جنتیوں کو پسینہ آوے گا مگر گرمی سے نہیں کہ جنت میں نہ سورج کی گرمی نہ آگ کی تپش میں پسینہ بہت ہی آرام دہ ہوگا ان الفاظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔

[4] اگر خلق کو خ کے پیش سے ہے تو اس کی شرح ابھی ہو چکی کہ وہاں لڑائی جھگڑا بغض و حسد نہ ہوگا۔ اور اگر خ کے فتح سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ سب جنتی ایک ہی قد کے ہوں گے ہم عمر ہوں گے۔ تیس یا تینتیس سالہ۔ جیساکہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جیساکہ معلوم ہوگا۔

[5] یعنی سارے جنتی ساٹھ ہاتھ کے ہوں گے شرعی گز ایک ہاتھ یعنی ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے آدم کا قد اتنا ہی تھا فی السماء فرما کر بتایا گیا کہ اس سے لمبائی مراد ہے نہ کہ چوڑائی۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ سارے نبی نہایت حسین اور بہت ہی خوش آواز ہوں گے۔

وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ يَأْكُلُوْنَ فِيْهَا وَيَشْرَبُوْنَ وَلَا يَتْفُلُوْنَ وَلَا يَبُوْلُوْنَ وَلَا يَتَغَوَّطُوْنَ وَلَا يَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرَشْحٌ كَرَشْحِ الْمِسْكِ يُلْهَمُوْنَ التَّسْبِيْحَ وَالتَّحْمِيْدَ كَمَا تُلْهَمُوْنَ النَّفَسَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں کھائیں گے پئیں گے ۱؎ اور نہ تو تھوکیں گے نہ پیشاب پاخانہ کرینگے اور نہ ناک جھاڑیں گے ۲؎ صحابہ نے عرض کیا تو ان کے کھانے کا کیا حال ہوگا ۳؎ فرمایا ڈکار اور مشک کی طرح پسینہ ۴؎ تسبیح و حمد الٰہی ان کے دل میں ڈالی جاوے گی جیسے تم سانس لئے جاتے ہو ۵؎ (مسلم)

۱؎ جنتی جنت میں پرندوں کے گوشت اور اعلیٰ درجہ بے شمار پھل کھائیں گے۔ اور دودھ شہد۔ پانی۔ شراب طہور پئیں گے یہ کھانا پینا بھوک سے نہ ہوگا۔ صرف لذت کے لیے ہوگا کہ وہاں نہ بھوک ہوگی نہ پیاس۔

۲؎ یعنی جنتیوں کے کھانے پینے کے لیے بہت نعمتیں ہوں گی مگر بدن سے اس کے خارج کرنے کے لئے وہ ذریعہ نہ ہوں گے جو دنیا میں ہوتے ہیں پیشاب پاخانہ۔ تھوک۔ رینٹ وغیرہ۔

۳؎ یعنی یارسول اللہ پھر کھانے کا فضلہ بدن سے کیسے خارج ہوگا۔ اگر خارج نہ ہوگا تو وہاں تندرستی کیسے قائم رہے گی۔ نہایت نفیس سوال ہے۔

۴؎ یعنی کھانا تو ڈکار سے ہضم ہوگا اور وغیرہ پسینہ کے ذریعہ خارج ہوگا۔ خیال رہے کہ جنت میں دنیا کی سی ڈکار نہ ہوگی جس کی حدیث شریف میں برائی آئی ہے۔ اُقْصُرْ عَنَّا جُشَاءَكَ گروہ آواز کسی قدر اس میں بدبو بلکہ وہ ڈکار ہی اور قسم کی ہوگی۔ نیز وہاں پسینہ دنیا کا سا نہ ہوگا جو گرمی کی وجہ سے بدبودار تکلیف دہ ہوتا ہے وہ پسینہ اور ہی طرح کا ہوگا نہایت خوشبودار آرام دہ۔

۵؎ سبحان اللہ کس نفیس طریقہ سے سمجھایا ہے کہ جیسے دنیا میں تم سانس لیتے تھکتے نہیں۔ ایسے ہی وہاں تسبیح و تہلیل کرتے تھکو گے نہیں جیسے کہ یہاں سانس ہر وقت ہر حال میں جاری رہتی ہے ایسے ہی وہاں جنت میں تسبیح و تہلیل ہر حال ہر وقت میں جاری ہوگی جیسے یہاں سانس کسی کام سے روکتی نہیں، ایسے ہی وہاں ذکر اللہ کسی کام سے روکے گا نہیں۔ بعض عارفین پاس انفاس کرتے ہیں یعنی ذکر اللہ ان کی سانس میں جاری ہوجاتا ہے جو سوتے جاگتے کھاتے پیتے جاری رہتا ہے۔ وہ لوگ ایک اعتبار سے دنیا میں ہی جنت میں ہیں۔ مرقات نے فرمایا کہ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ دو جنتوں سے مراد ایک دنیاوی جنت ہے

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّدْخُلُ الْجَنَّةَ یَنْعَمُ وَلَا یَبْأَسُ وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُهٗ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَّاَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یُنَادِیْ مُنَادٍ اِنَّ لَكُمْ اَنْ تَصِحُّوْا فَلَا تَسْقَمُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَحْیَوْا فَلَا تَمُوْتُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَشِبُّوْا فَلَا تَهْرَمُوْا اَبَدًا وَّاِنَّ لَكُمْ اَنْ تَنْعَمُوْا فَلَا تَبْاَسُوْا اَبَدًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ

روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو جنت میں جائے گا خوش رہے گا کبھی غمگین نہ ہوگا[1] نہ اس کے کپڑے گلیں نہ اس کی جوانی ختم ہوگی[2] (مسلم)

روایت ہے حضرت ابوسعید و ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پکارنے والا پکارے گا[3] کہ تمہارے لئے یہ ہے کہ تندرست رہو گے کبھی بیمار نہ ہو گے اور تمہارے لئے یہ ہے کہ زندہ رہو گے کبھی نہ مرو گے اور تمہارے لئے یہ ہے کہ جوان رہو گے کبھی بوڑھے نہ ہو گے اور تمہارے لئے یہ ہے کہ خوش رہو گے کبھی غمگین نہ ہو گے[4] (مسلم)

دوسری اخروی جنت۔ دنیاوی جنت ذکر الٰہی ہے اخروی جنت اس کا نتیجہ ہے ارشاد باری ہے ان الابرار لفی نعیم نیک لوگ دنیا میں ہی جنت میں ہیں۔ یعنی ذکر اللہ کی جنت میں وان الفجار لفی جحیم کفار دنیا میں ہی دوزخ میں ہیں یعنی غفلت کی دوزخ میں جس کا نتیجہ آخرت کی دوزخ ہے۔

[1] کسی قسم کا غم جنتی کو نہ ہوگا۔ اور ہر طرح کی خوشی اُسے میسر ہوگی حتی کہ اپنے کافر اولاد کے دوزخ میں جانے کا بھی غم نہ ہوگا۔ اس سے قطع محبت نہ رہے گی کوئی اپنے کو دوسرے سے ہلکا نہ سمجھے گا۔ [2] غرضکہ جنت میں ہر چیز کو قرار ہے تبدیلی کسی چیز میں نہیں۔ فنا کسی کو نہیں۔ جوانی۔ لباس۔ خوشی عیش ہر چیز ہمیشہ کی ہے کوئی فنا نہ ہوگا۔ حتی کہ وہاں کے پھل کھا لینے کے بعد بھی فنا نہیں وہی پھل جو کھایا ویسا ہی باقی اکلها دائم جیسے ہوا۔ دھوپ استعمال کرنے کے بعد بھی ویسے ہی باقی رہتی ہے۔ [3] یا تو خود رب تعالٰی پکار کر فرمائے گا یا اس کی طرف سے کوئی فرشتہ پکارے گا۔ ایک دفعہ یا بار بار۔ [4] ان بشارتوں سے جنتیوں کی خوشی میں اور بھی اضافہ ہوتا رہے گا۔ خوشی کا لطف ہے اور خوشی کی بشارت کا لطف کچھ اور ہی ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَھْلَ الْجَنَّۃِ یَتَرَاءُوْنَ اَھْلَ الْغُرَفِ مِنْ فَوْقِھِمْ کَمَا تَتَرَاءُوْنَ الْکَوْکَبَ الدُّرِّیَّ الْغَابِرَ فِی الْاُفُقِ مِنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لِتَفَاضُلِ مَا بَیْنَھُمْ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تِلْکَ مَنَازِلُ الْاَنْبِیَاءِ لَا یَبْلُغُھَا غَیْرُھُمْ قَالَ بَلٰی وَالَّذِیْ

روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی لوگ اپنے اوپر بالاخانہ والوں کو اس طرح ایک دوسرے کو دکھائیں گے جیسے تم چمک دار تارے کو جو شرقی غربی کنارے میں ہو ایک دوسرے کو دکھاتے ہو۱؎ ان کے درمیان فضیلت کی وجہ سے۲؎ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ یہ تو انبیائے کرام کی منزلیں ہوں گی جن تک ان کے سوا کوئی نہ پہنچ سکے گا۳؎ فرمایا ہاں کیوں نہیں

۱؎ یعنی جنت کے نیچے درجے والے جنتی اعلیٰ جنتیوں کو اس طرح ایک دوسرے کو دکھائیں گے جیسے دنیا میں مشرق سے نکلتے چاند تاروں کو ڈوبتے ہوئے دکھاتے ہیں کہ وہ ہی حضرت ابوبکر صدیق وہ ہیں۔ حضرت بلال دیکھو وہ رہے حضرت حسین رضی اللہ عنہم یا یہاں کی عورتیں ایک دوسرے سے کہیں گی۔ دیکھو وہ ہیں خاتون جنت فاطمہ زہرا ہیں۔ جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم ان حضرات کا دیدار بھی بڑی نعمت ہوگی۔ آج مدینہ کی گلیوں کو ہم ترستے ہیں۔ مدینہ دیکھ کر سب رنج وغم بھول جاتے ہیں جب مدینہ والے محبوب اور ان کے خدام کو دیکھیں گے تو خوشی کا کیا حال ہوگا۔ شعر

میرا دل زار مدینہ میں ہے — میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے
خلد کا بازار مدینہ میں ہے — احمد مختار مدینہ میں ہے

۲؎ یعنی سب جنتی ایک درجہ کے نہ ہوں گے ان کے درجے مختلف ہوں گے۔ اعلیٰ درجہ کے جنتی اوپر کے طبقوں میں مگر نیچے والوں کو اپنے ادنیٰ ہونے کا خیال بھی نہ آوے گا بلکہ اوپر والوں کو دیکھ کر خوشی ہوگی ایسی خوشی بیان نہیں ہوسکتی۔

۳؎ سائل کا مقصد یہ ہے کہ ایسے بلند درجات والے جو آسمانی تاروں کی طرح نظر آویں۔ وہ حضرات انبیاء کرام ہی ہوسکتے ہیں۔ ہم امتیوں میں سے تو کوئی ہو گا نہیں۔

نَفْسِیْ بِیَدِہٖ رِجَالٌ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَصَدَّقُوا الْمُرْسَلِیْنَ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ

وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ اَقْوَامٌ اَفْئِدَتُھُمْ مِثْلُ اَفْئِدَۃِ الطَّیْرِ رَوَاہُ مُسْلِمٌ

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ یَا اَھْلَ الْجَنَّۃِ فَیَقُوْلُوْنَ لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَالْخَیْرُ

اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ لوگ وہاں پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کی تصدیق کی [1] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت میں ایسی قومیں جائیں گی جن کے دل چڑیوں کے دل کی طرح ہیں [2] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی جنت والوں سے فرمائے گا۔ اے جنتیو! وہ عرض کریں گے ہم حاضر ہیں اے ہمارے رب بندے ہیں تیرے اور ساری خیر

[1] یہاں ایمان باللہ سے مراد عیانی ایمان ہے اور تصدیق رسل سے مراد فناہ والی تصدیق ہے۔ یعنی ایمان و تصدیق کا اعلیٰ درجہ لہٰذا اس حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ سارے ہی جنتی مومن ہوں گے وہاں کافر تو کوئی جائے گا نہیں تو پھر نیچے درجوں میں کون رہے گا۔ عیانی ایمان کی دلیل وہ آیت ہے قال بلی ولکن لیطمئن قلبی سنکر تصدیق دیکھ کر تصدیق داخل ہو کر تصدیق فنا ہو کر تصدیق ان سب میں بڑا فرق ہے۔ یہاں یہ آخری درجہ والی تصدیق مراد ہے ہم نے عرض کیا ہے شعر

اس طرح سما جھ میں ہو جاؤں میں گم تجھ میں
پھر بھی تو ہی تماشا ہو اور تو ہی تماشائی

مرسلین جمع فرما کر اشارۃً فرمایا کہ یہ فرق مراتب صرف امت محمدیہ میں ہی نہ ہوگا۔ بلکہ ساری امتوں میں ہوگا کہ ان کے جنتی بعض اوپر ہوں گے بعض نیچے۔

[2] چڑیوں کے دل میں اللہ پر توکل اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے۔ شعر

رزق نہ رکھیں ساتھ میں پنچھی اور درویش
جن کا رب پر آسرا ان کو رزق ہمیش

مالک سے مانوس ہوتے ہیں۔ اغیار سے متنفر کہ غیر کو دیکھا اور بھاگے۔ دلوں میں ڈر بہت زیادہ کینہ بغض ان کے پاس نہیں جس انسان میں یہ صفات پیدا ہو جاویں وہ تو فرشتہ بن جاوے۔

كُلُّهُ فِي يَدَيْكَ فَيَقُولُ هَلْ رَضِيتُمْ فَيَقُولُونَ وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى يَا رَبِّ وَقَدْ اَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ فَيَقُولُ اَلَا اُعْطِيْكُمْ اَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُولُونَ يَا رَبِّ وَاَيُّ شَيْءٍ اَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ فَيَقُولُ اُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا اَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ اَبَدًا

تیرے ہاتھ ہے لہ وہ فرمائے گا کیا تم خوش ہوگئے لہ عرض کریں گے ہم کیوں خوش نہ ہوں یارب تو نے ہمکو وہ دیا جو اپنی مخلوق میں سے کسی کو نہ دیا لہ تو فرمائے گا کیا میں تمکو اس سے بھی اعلیٰ افضل نعمت نہ دوں وہ عرض کرینگے یارب اس سے افضل کونسی چیز ہے لہ تو فرمائے گا تم پر اپنی رضا نازل کروں گا تو اسکے بعد تم پر کبھی ناراض نہ ہوں لہ

لہ عربی میں جب آقا و مولیٰ کی پکار کا جواب دیتے ہیں تو ایسے الفاظ بولتے ہیں۔ حضور حاضر ہوں خدمت گار ہوں ہر چیز آپ کے ہاتھ ہے چونکہ جنت میں ہر کلام عربی زبان میں ہوگا۔ آپس میں بھی اور رب تعالیٰ سے بھی اس لئے عربی کے محاورہ وہاں استعمال ہوں گے بعض روایات میں ہے کہ اہل جنت کی عربی زبان ہے۔ اور دوزخیوں کی زبان فارسی ہوگی کہ یہ رب تعالیٰ کے قہر کے اظہار کی زبان ہے۔

لہ سبحان اللہ کیسا دل نواز سوال ہے۔ دوستو یہاں ہم رب کو راضی کریں وہاں ہم کو رب خوش کرے گا۔ یہ چند روزہ زندگی اس کی رضا میں گزاریں اللہ توفیق دے۔

لہ یعنی مولیٰ تو نے ہم کو یہاں وہ نعمتیں بخشیں جو فرشتوں۔ جنات وغیرہ کسی مخلوق کو نہ بخشیں۔ خیال رہے کہ جنات تو جنت میں جائیں گے ہی نہیں فرشتے اگرچہ وہاں ہوں گے مگر اہل جنت کی خدمت کے لیے نہ کہ وہاں کی نعمتیں استعمال کرنے کے لیے وہ کھانے پینے شہوت سے پاک ہیں۔ لہٰذا یہ عرض بالکل درست ہے

لہ یعنی ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی کہ ان نعمتوں سے بہتر اور کونسی نعمت ہوسکتی ہے اعلیٰ سے اعلیٰ نعمتیں تو تو نے ہم کو عطا فرمادی ہیں

لہ اس فرمان عالی سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے کہ یہ رضا ہی لقاء کا دیدار کا ذریعہ ہے جس سے مالک خوش ہوگیا تو ہر چیز اس کی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس سے راضی ہوجاتا ہے بندہ کے راضی ہوجانے کی علامت یہ ہے کہ وہ رب کے احکام اس کی بھیجی ہوئی تکالیف سے راضی رہتا ہے کبھی اس کی شکایت نہیں کرتا۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے پہلے بندوں سے ان کی رضا پوچھی پھر اپنی رضا کی خبر دی۔ اس حدیث کی تائید وہ آیات کرتی ہیں ورضوان من اللہ اکبر اور رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر بندہ یہ جاننا چاہے کہ رب مجھ سے راضی ہے یا نہیں تو وہ غور کرے کہ وہ رب سے راضی ہے یا نہیں راضی ہوجاؤ۔ راضی کرلو اس کا ذکر کرو۔ اپنا ذکر کرالو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

(اگلے صفحہ پر)

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ • وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ أَدْنٰى مَقْعَدِ أَحَدِكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ تَمَنَّ فَيَتَمَنّٰى وَيَتَمَنّٰى فَيَقُوْلُ لَهٗ هَلْ تَمَنَّيْتَ فَيَقُوْلُ نَعَمْ فَيَقُوْلُ لَهٗ فَإِنَّ لَكَ مَا تَمَنَّيْتَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَيْحَانُ وَجَيْحَانُ وَالْفُرَاتُ وَالنِّيْلُ كُلٌّ مِنْ أَنْهَارِ الْجَنَّةِ رَوَاهُ

(مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ادنے ٹھکانے والے جنتی سے رب فرمائے گا۔ آرزو کر وہ آرزو کرے گا اور آرزو کرے گا ۱؎ تو اس سے فرمائے گا کیا تو نے آرزو کرلی وہ کہے گا ہاں تو اس سے فرمائے گا کہ جو تو نے آرزوئیں کیں وہ اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور تیرے لیے ہے ۲؎ (مسلم) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سیحان و جیحان ۳؎ فرات نیل یہ سب جنت کی نہروں میں سے ہیں ۴؎

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست ایں گداز و سوز و درد از پیک ماست

۱؎ یتمنٰی دوبار فرمانا زیادتی بیان کرنے کے لیے ہے یعنی بندہ آرزو کرے گا اور خوب ہی کرے گا۔ بار بار کرے گا۔ جہاں تک اس کا خیال پہنچے وہاں تک کی تمنائیں کرلے گا۔ خیال رہے کہ تمنا اور امید میں بڑا فرق ہے۔ امید تو صرف ہو سکنے والی بات کی ہوتی ہے مگر تمنا ان ہونے والی بات کی بھی ہو سکتی ہے۔ ایک بڈھا تمنا کرسکتا ہے کہ کاش میری جوانی لوٹ آتی نہ معلوم بندہ تمنا کیا کرے گا مجھ گنہگار کی تمنا تو یہ ہے اور ہوگی۔ شعر

جو دل بخشا ہے مولی بخشدے الفت محمد کی جو آنکھیں دی ہیں دکھلادے مجھے صورت محمد کی

۲؎ یعنی وہ تمنائیں پوری ہوئیں تیری مانگ سے اور اتنا ہی اور دیا اپنے رحم خسروانہ کرم شاہانہ سے پہلے ایک گنا ساتھ ہی دیگا۔ آخر میں دس گنا۔ لہذا یہ حدیث دس گنا والی حدیث کے خلاف نہیں۔

۳؎ خیال رہے کہ سیحون اور جیحون ملک ارمن میں دو نہریں ہیں یعنی ترکستان اور خراسان میں اور سیحان اور جیحان ملک شام کی دو نہریں ہیں (اشعہ)

۴؎ فرات کوفہ میں ہے نیل مصر میں۔ ان چاروں نہروں کا جنت سے ہونا۔ اس کی بہت توجیہیں کی گئی ہیں مگر قوی یہ ہے۔ کہ کوئی تاویل نہ کی جاوے اسے اپنے ظاہر پر مانا جاوے کہ جنت سے ان کا پانی پہاڑوں میں بھیجا گیا۔ اور پہاڑوں سے ان میدانوں میں جاری کیا گیا۔ چنانچہ یہ پانی بہت شیریں ہیں ہاضم ہیں۔ ان نہروں پر حضرات انبیاء کرام بزرگان دین بہت ہی

مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ عُتْبَةَ بْنِ غَزْوَانَ قَالَ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ الْحَجَرَ يُلْقٰى مِنْ شَفَةِ جَهَنَّمَ فَيَهْوِىْ فِيْهَا سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا لَا يُدْرِكُ لَهَا قَعْرًا وَاللّٰهِ لَتُمْلَاَنَّ وَلَقَدْ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ مَا بَيْنَ مِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ مَسِيْرَةُ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَلَيَاْتِيَنَّ عَلَيْهَا يَوْمٌ وَهُوَ كَظِيْظٌ مِنَ الزِّحَامِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ اَلْفَصْلُ

(مسلم) روایت ہے حضرت عتبہ ابن غزوان سے [1] فرماتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا [2] کہ دوزخ کے کنارہ سے پتھر ڈالا جاوے گا تو اس میں ستر سال گرے گا اس کی تہہ نہ پائے گا [3] رب کی قسم وہ بھر دی جاوے گی اور ہم سے ذکر کیا گیا کہ جنت کی چوکھٹوں میں سے دو چوکھٹوں کے درمیان چالیس سالوں کا فاصلہ ہے اور اس پر ایک ایسا دن آوے گا جب وہ بھیڑ کی وجہ سے ٹھسا ہو گا [4] (مسلم)

کثرت سے تشریف فرما ہوئے ہیں۔ قریب قیامت جب قوم یاجوج و ماجوج کا خروج ہو گا۔ تو قرآن مجید علم دین۔ حجر اسود۔ مقام ابراہیم اور یہ چاروں نہریں دنیا سے غائب کر دی جائیں گی۔ رب فرماتا ہے۔ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ (مرقاۃ)۔

[1] عتبہ ابن غزوان صحابی ہیں بدری ہیں ساتویں مسلمان ہیں کہ ان سے پہلے صرف چھ حضرات ایمان لائے تھے۔ بڑے تیر انداز تھے۔

[2] یا تو حضور انور نے فرمایا یا کسی صحابی نے۔ خیال رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بالاتفاق قبول ہے بعد والوں کے مرسلات میں اختلاف ہے۔ (مرقات)

[3] اللہ اکبر یہ ہے دوزخ کی گہرائی پتھر اگر آسمان سے پھینکا جاوے تو صبح سے چلا ہوا شام تک زمین پر پہنچ جاوے مگر دوزخ کے کنارے سے چلا ہوا ستر سال میں اس کی تہہ تک نہ پہنچے۔ سوچ لو گہرائی کتنی ہے۔ اتنی گہرائی دوزخ کو کفار انسانوں سے بھرنا ہے۔

[4] یعنی جنت کے ہر دروازہ کی چوڑائی چالیس سال کی راہ ہے اس قدر وسعت کے بعد جب جنتی اس میں داخل ہوں گے تو ان کے کھوے سے کھوے چھلتے ہوں گے ازدحام اور بھیڑ کا یہ حال ہو گا۔ خیال رہے کہ یہ ٹھسا جب ہو گا جبکہ عام جنتی داخل ہوں گے سب سے پہلے ہمارے حضور داخل ہوں گے دروازہ کھلے گا۔ انہیں کے لیے پھر دوسرے انبیاء کرام پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ترتیب وار پھر دوسری امتیں۔ جس جماعت کے داخلہ کی باری آوے گی۔ دروازہ ٹھس جاوے گا۔ اللہ ہم کو بھی نصیب کرے۔

الثَّانِی عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مِمَّ خُلِقَ الْخَلْقُ قَالَ مِنَ الْمَاءِ قُلْنَا الْجَنَّةُ مَا بِنَاءُ هَا قَالَ لَبِنَةٌ مِنْ ذَهَبٍ وَلَبِنَةٌ مِنْ فِضَّةٍ وَمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْاَذْفَرُ وَحَصْبَاءُ هَا اللُّؤْلُؤُ وَالْیَاقُوْتُ وَتُرْبَتُهَا الزَّعْفَرَانُ

دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی فرمایا پانی سے[1] ہم نے عرض کیا جنت کا میٹریل کیا ہے[2] فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک اینٹ چاندی کی اور اس کا گارا خالص مشک کا ہے اور اس کی بجری موتی اور یاقوت ہے اس کی مٹی زعفران ہے[3]

[1] اگر خلق سے مراد جاندار مخلوق ہے۔ انسان و جانور وغیرہ تو پانی سے مراد نطفہ ہے۔اس صورت میں حضرت آدم۔ حوا۔ عیسٰی علیہ السلام اور وہ کیڑے مکوڑے اس حکم سے علیحدہ ہیں جو اولًا سریا چارپائی یا برسات کے موسم میں پیدا ہوتے ہیں کہ ان کی پیدائش نطفہ سے نہیں اس معنی کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے۔ وجعلنا من الماء کل شیءٍ حی ہم نے ہر جاندار چیز کو نطفہ سے پیدا فرمایا۔ اور اگر خلق سے مراد عالم اجسام ہے تو ماء سے مراد یہی پانی ہے اللہ نے پہلے ایک جوہر پیدا فرمایا اس پر نظر ڈالی تو ہیبت سے وہ جوہر پگھل گیا پانی بن گیا۔ اس پانی میں قدرتی گرمی پیدا کی گئی اس سے ہوا بنی کہ پانی گرمی پاکر بھاپ بن جاتا ہے ہوا نے پانی کو حرکت دی اس سے جھاگ پیدا ہوئے وہ جما دیئے گئے تو زمین بنی گویا زمین پانی کا جما ہوا جھاگ ہے یہ پانی اور زیادہ گرم کیا گیا تو اس سے آگ بنی آگ سے دھواں پیدا ہوا وہ جم کر آسمان بنے توریت شریف کے پہلے دفتر میں پیدائش کی یہی ترتیب فرمائی گئی ہے۔ زمین پانی پر ٹھہر نہ سکی ہلتی تھی تو اس پر پہاڑ کے ٹکڑے ڈالے گئے جس سے اسے قرار ہوا (اشعۃ اللمعات و لمعات)۔

[2] جس سامان سے مکان بناتے ہیں۔ اسے اردو میں میٹریل کہتے ہیں جیسے اینٹ گارا چونا لوہا سیمنٹ وغیرہ یعنی یارسول اللہ جنت کی تعمیر کس سامان سے ہوئی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کا ایمان تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہیں حضور سے ایسے باریک سوال کرتے ہیں اور سرکار یہ نہیں فرماتے کہ اچھا جبریل امین آئیں گے تو ان سے پوچھ لیں گے۔ یہ باتیں تو حضرت جبریل کو بھی معلوم نہ تھیں جو حضور بیان فرمارہے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

اے ہزاراں جبریل اندر بشر بہر حق سوئے غریباں یک نظر

[3] دیکھو یہ ہے اس غیب داں صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کہ جنت کی ساری حقیقت بیان فرمادی جس کی نگاہ سے جنت کی حقیقت نہیں چھپی انہیں سب کی حقیقت بھی معلوم ہے۔ خیال رہے سونا پیلا ہوتا ہے۔ چاندی سفید جو بوار ان اینٹوں سے بنے وہ کیسی خوشنما ہوگی۔ پھر زعفران پیلا ہوتا ہے۔ مشک سیاہ جو مٹی اس سے مخلوط ہو۔

مَنْ یَّدْخُلُھَا یَنْعَمُ وَلَا یَبْاَسُ وَیَخْلُدُ وَلَا یَمُوْتُ وَلَا یَبْلٰی ثِیَابُھُمْ وَلَا یَفْنٰی شَبَابُھُمْ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَالدَّارِمِیُّ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا فِی الْجَنَّۃِ شَجَرَۃٌ اِلَّا وَسَاقُھَا مِنْ ذَھَبٍ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی الْجَنَّۃِ مِائَۃَ

جو وہاں داخل ہوگا خوش رہے گا غمگین نہ ہوگا۔ ہمیشہ رہے گا کبھی نہ مرے گا۔ ان کے کپڑے گلیں گے نہیں اس کی جوانی فنا نہ ہوگی [۱] (احمد، ترمذی، دارمی) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں کوئی درخت نہیں مگر اس کا تنا سونے کا ہے [۲] (ترمذی) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک سو

وہ کیسی حسین اور کیسی خوشبودار ہوگی، پھر موتی سفید چمکیلے ہوتے ہیں، یاقوت رنگ برنگے جو بجری ان سے مخلوط ہو وہ کیسی خوبصورت اور قیمتی ہوگی، پھر وہاں کے درخت گہرے رنگ کے سبز ان رنگوں کے ملنے سے جو حسن پیدا ہوا ہے وہ بغیر دیکھے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ان شاء اللہ دیکھ کر ہی سمجھیں گے اور سمجھائیں گے۔ خدا تعالٰی اس قال کو حال کردے۔

[۱] یعنی جنت میں رنج۔ غم۔ تکلیف۔ بیماریاں۔ موت۔ بڑھاپا۔ کپڑے میلے ہونا وغیرہ کوئی چیز نہ ہوگی۔ مرقات نے فرمایا کہ کپڑے فرما کر سارا سامان مراد لیا گیا ہے کہ وہاں نہ کپڑے میلے ہوں نہ پھٹیں نہ کوئی سامان ٹوٹے پھوٹے نہ مرمت کرایا جاوے۔ دیکھو چاند سورج کی مرمت کون کرتا ہے۔

[۲] جنت کے درختوں کا تنہ سونے کا اس کی شاخیں چاندی کی۔ سونے کی یاقوت و زمرد سے جڑی ہوئی ہر طرح کی کلیوں پھولوں سے بھری ہوئی سیویں۔ پھلوں سے لدی ہوئی۔ نیچے نہریں جاری۔ غرضیکہ ہر طرح بہار ہی بہار ہی ہے۔ شعر

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا　　　ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے

اچھا اللہ تعالٰے کسی کے طفیل ہم کو بھی بخش دے۔

شعر

شنیدم کہ در روز امید و بیم　　　بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

دَرَجَةٍ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ مِائَةُ عَامٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ ۔ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ لَوْ اَنَّ الْعَالَمِيْنَ اجْتَمَعُوْا فِيْ اِحْدٰهُنَّ لَوَسِعَتْهُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ قَالَ ارْتِفَاعُهَا لَكَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَ الْاَرْضِ مَسِيْرَةُ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ

درجے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان سو سال کی مسافت ہے[1] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث حسن ہے غریب ہے روایت ہے حضرت ابو سعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں سو درجے ہیں۔ اگر تمام جہانوں کے لوگ ان میں سے ایک درجے میں جمع ہو جاویں تو وہ ان سب کو کافی ہو[2] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے بارے میں وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ فرمایا ان بستروں کی بلندی ایسی ہے جیسے آسمان و زمین کا فاصلہ پانچ سو سال کی مسافت[3] (ترمذی) اور فرمایا

[1] اگر درجہ سے مراد زینہ سیڑھی کے درجے ہیں۔ تب تو مطلب یہ ہے کہ جنت کی ایک منزل سے دوسری منزل کا فاصلہ اتنا ہے کہ وہاں سو درجوں والا زینہ ہو۔ جس کے ہر دو درجوں کے درمیان سو برس کے فاصلہ کی مسافت ہو اور اگر ان درجوں سے مراد جنت کی منزلیں ہیں تو مطلب ظاہر ہے۔ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں دیکھو مرقات یہ مقام۔

[2] اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک جنتی کو بہت بڑا علاقہ دیا جاوے گا کہ اتنی جنت صرف انسانوں کے لیے اور انسانوں میں بھی صرف مومنوں کے لیے خاص کر دی گئی ہے۔ اگر ہر ایک کا علاقہ بہت وسیع نہ ہو تو پوری امتوں کی کھپت کیسے ہو۔

[3] اس فرش کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں ۱ جنت کے ایک درجے کی فرش زمین دوسرے درجے کے فرش زمین سے اتنا اونچا ہے جتنا آسمان زمین سے اونچا ۲ جنتی لوگوں کے گھروں میں جو چار پائیاں ہوں گی جن پر ان کے بستر ہوں گے ان کے پائے اتنے اتنے اونچے ۳ فرش سے مراد وہاں کی حوریں اور دوسری بیویاں ہیں بلندی سے مراد

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ ❁ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَوَّلَ زُمْرَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ضَوْءُ وُجُوْهِهِمْ عَلٰى مِثْلِ ضَوْءِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ وَالزُّمْرَةُ الثَّانِيَةُ عَلٰى مِثْلِ اَحْسَنِ كَوْكَبٍ دُرِّيٍّ فِي السَّمَآءِ لِكُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ زَوْجَتَانِ عَلٰى كُلِّ زَوْجَةٍ سَبْعُوْنَ حُلَّةً يُرٰى مُخُّ سَاقِهَا مِنْ وَرَآئِهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ❁ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يُعْطَى الْمُؤْمِنُ فِي

یہ حدیث غریب ہے روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پہلا گروہ جو قیامت کے دن جنت میں جائے گا ان کے چہروں کی چمک چودھویں رات کے چاند کی چمک کی طرح ہوگی۔ اور دوسرا گروہ آسمان میں بہترین چمکدار تارے کی طرح ۱؎ ان میں سے ہر شخص کی دو بیویاں ہوں گی۔ ہر بیوی پر ستر جوڑے ہوں گے۔ ان کی پنڈلی کی مینگ ان سب کے اوپر سے دیکھی جاوے گی ۲؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جنت میں مومن کو جماع کی

۱؎ درجے کی بلندی ہے یعنی دنیا کی عورتوں کو ان عورتوں سے کچھ نسبت ہی نہیں جیسے زمین و آسمان میں فرق ہے ویسے ہی ان کے درجوں میں فرق ہے۔

۱؎ پہلا گروہ حضرات انبیاء کرام ہیں۔ دوسرا گروہ حضرات اولیاء اللہ شہداء صالحین کا ہے قلب کی حالت ان کے چہروں پر ظاہر ہوگی۔

۲؎ یعنی اس کی بیویاں تو بہت ہوں گی مگر ان میں سے دو بیویاں ایسی لطافت والی ہوں گی کہ ستر جوڑے پہنیں گی۔ پھر بھی ان کی پنڈلی کی ہڈی کی مینگ اوپر سے نظر آوے گی۔ مگر خیال رہے کہ وہ بیویاں صرف اپنے خاوندوں کے سامنے ہی آویں گی۔ کوئی اور انہیں نہ دیکھ سکے گا۔ رب فرماتا ہے قاصرات الطرف لہذا اس پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ پھر ان کے سارے پوشیدہ اعضا سب کو نظر آئیں گے۔ لباس ستر کا فائدہ نہ دے گا اس لئے کہ وہاں کل بیویوں کا ذکر ہے۔ اور یہاں ایسی لطافت والی بیویوں کا کل بیویاں بہتر ہیں جن میں سے دو ایسی لطیف اور انہیں سوا ان کے خاوندوں کے کوئی نہ دیکھے گا۔

الْجَنَّةِ قُوَّةَ كَذَا وَكَذَا مِنَ الْجِمَاعِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ يُطِيْقُ ذٰلِكَ قَالَ يُعْطٰى قُوَّةَ مِائَةٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لَوْ اَنَّ مَا يُقِلُّ ظُفُرٌ مِمَّا فِي الْجَنَّةِ بَدَا لَتَزَخْرَفَتْ

اتنی اتنی طاقت دی جاوے گی ۱؎ عرض کیا گیا یارسول اللہ کیا وہ اس کی طاقت رکھے گا ۲؎ فرمایا سو آدمیوں کی طاقت دی جاوے گی ۳؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت سعد ابن ابی وقاص سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جنت کی وہ چیزیں جو جنتی کا ناخن اٹھائے اگر وہ ۴؎ ظاہر ہو جاوے تو اس سے آسمان

۱؎ یعنی جنتی مرد کو اپنی بیویوں سے صحبت کرنے کی بہت ہی طاقت دی جاوے گی۔ اسکو صحبت سے کوئی کمزوری نہ ہوگی۔ خیال رہے کہ وہاں صحبت میں منی خارج نہیں ہوگی کہ یہ گندگی ہے۔ جیسے وہاں پیشاب، پاخانہ نہیں ایسے ہی وہاں منی نہیں، صرف ہوا خارج ہوگی مگر اس ہوا میں لذت منی سے زیادہ ہوگی ہکذا قال بعض شارحینا۔

۲؎ یعنی اتنی قوت مردمی کو ایک مرد کیسے سنبھالے گا۔ دنیا میں بعض لوگوں میں یہ طاقت اتنی ہوتی ہے کہ وہ ایک بیوی پر صبر نہیں کر سکتے اور عورت کی پلیدی کا زمانہ بمشکل گزار سکتے ہیں، پھر وہاں ضبط کیسے ہوگا۔

۳؎ یعنی اللہ تعالٰی ایک جنتی کو دنیا کے سو مردوں کی برابر قوت شہوانی عطا فرمائے گا ساتھ ہی اس کو تحمل کی طاقت بھی دے گا اور صرف بھی عطا فرمائے گا۔ خیال رہے کہ از روئے علم طب اعلیٰ درجے کے جوان میں چوبیس گھنٹے میں پانچ بار صحبت کرنے کی طاقت ہوتی ہے۔ درمیانہ درجے والے میں تین بار کی مگر وہ اسے نبھا نہیں سکتا اور وہاں طاقت ہے سو مردوں کی تو گویا اس میں چوبیس گھنٹہ کی پانچ سو بار صحبت کی طاقت ہوگی۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالٰی نے سو جنتیوں کی طاقت دی تھی یعنی چار ہزار دنیاوی مردوں کی نو بیویوں پر حضور کا قناعت فرمانا انتہائی صبر تھا حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ یہاں مرقات نے فرمایا کہ دوسری طاقتوں کا بھی یہ ہی حال ہوگا۔ بہرحال ہر طرح اللہ تعالٰی کا فضل ہوگا۔

۴؎ دنیا میں انسانوں کے ناخنوں میں میل بھرا ہوتا ہے جو گندا ہوتا ہے وہاں جنتیوں کے ناخنوں میں جو چیز ہوگی اس کا یہ حال ہوگا۔ خیال رہے کہ یہ فرمان عالی سمجھانے کے لیے ہے۔ یعنی وہاں کی معمولی چیز کا یہ حال ہوگا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جنتیوں کے ناخنوں بڑے بڑے ہوں گے ان میں کچھ بھرا ہوا ہوگا۔

لَهُ مَا بَيْنَ خَوَافِقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَوْ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ اطَّلَعَ فَبَدَا اَسَاوِرُهُ لَطَمَسَ ضَوْءُهُ ضَوْءَ الشَّمْسِ كَمَا تَطْمِسُ الشَّمْسُ ضَوْءَ النُّجُوْمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ جُرْدٌ مُرْدٌ كُحْلٌ لَا يَفْنٰى شَبَابُهُمْ وَلَا يَبْلٰى ثِيَابُهُمْ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اور زمین کناروں کے درمیان کی چیزیں سج جاویں گی [1] اور اگر کوئی جنتی آدمی جھانک لے تو اس کے کنگن ظاہر ہوجاویں تو ان کی روشنی سورج کی روشنی کو مٹادے [2] جیسے سورج تاروں کی روشنی کو مٹا دیتا ہے [3] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت ابی ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی لوگ بغیر بال والے صاف بدن [4] بے داڑھی والے، سرمہ کی آنکھ والے ہوں گے [5] نہ ان کی جوانی ختم ہو۔ نہ ان کے کپڑے گلیں [6] (ترمذی)

[1] خوافق بنا ہے خفق سے بمعنی حرکت کرنا بیقرار ہونا اسی سے ہے خفقان دل۔ مشرق و مغرب کو خوافق اس لیے کہتے ہیں کہ وہاں سے ہی دن ورات طلوع وغروب ہوتے ہیں۔ چاند تارے گویا حرکت کرتے ہوئے نکلتے ڈوبتے ہیں۔

[2] اساور جمع ہے اسورہ کی اور اسورہ جمع ہے سوار کی۔ سوار کنگن کو کہتے ہیں۔ دنیا میں مردوں کو زیور پہننا حرام ہے کہ یہاں جہاد وغیرہ کرتے ہیں وہاں مباح ہوگا۔ ہر جنتی زیوروں سے لدا پھندا ہوگا۔ پھر زیور کی قیمت کا یہ حال ہوگا۔

[3] اس کی شرح ابھی کچھ پہلے گزر گئی جنتیوں کے چہرے دنیا کے سورج سے کہیں روشن ہوں گے۔ ان کے مقابل سورج تارا ہے ان کے چہروں کو دیکھنے کے لیے آنکھ بھی اور ہی قسم کی عطا ہوگی۔ جو ان کی جھلک برداشت کرسکے۔

[4] جنتیوں کے جسم بغیر رونگٹے والا ہوگا مگر سر بغیر بال والا نہ ہوگا کہ بغیر رونگٹے جسم حسین معلوم ہوتا ہے مگر بغیر بال کے سر گنجا برا معلوم ہوتا ہے۔ جرد جمع ہے اجرد کی۔

[5] سوا ابراہیم علیہ السلام کے جنت میں کسی کے منہ پر داڑھی نہ ہوگی۔ خیال رہے کہ بے داڑھی ہونا اور چیز ہے اور داڑھی منڈانا کچھ اور ہے۔ جنتی لوگ قدرتی طور پر بے داڑھی ہوں گے۔ قدرتی طور پر ان کی آنکھیں سرگیں ہوں گی یہ سرمہ کبھی ان کی آنکھوں سے زائل نہ ہوگا۔

[6] لہذا وہ ہمیشہ تیس سالہ رہیں گے چونکہ جنت میں سورج نہیں، دن رات نہیں، مہینے سال نہیں اسلئے انکی عمروں میں اضافہ بھی نہ ہوگا۔

وَالدَّارِمِيُّ. وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَدْخُلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ جُرْدًا مُرْدًا مُكَحَّلِيْنَ اَبْنَاءَ ثَلٰثِيْنَ اَوْ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِيْنَ سَنَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

وَعَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ لَهٗ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى قَالَ يَسِيْرُ الرَّاكِبُ فِيْ ظِلِّ الْفَنَنِ مِنْهَا مِائَةَ سَنَةٍ اَوْ يَسْتَظِلُّ بِظِلِّهَا مِائَةُ رَاكِبٍ شَكَّ الرَّاوِيْ فِيْهَا فَرَاشُ الذَّهَبِ كَاَنَّ ثَمَرَهَا الْقِلَالُ رَوَاهُ

(دارمی) روایت ہے حضرت معاذ ابن جبل سے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی جنت میں جائیں گے۔ بغیر رونگٹے والے صاف بدن بے داڑھی، سرمگیں آنکھ تیس سالہ یا تینتیس سالہ [1]

(ترمذی) روایت ہے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق سے فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا حضور کی خدمت میں سدرۃ المنتہی کا ذکر ہوا [2] فرمایا کہ اس کی شاخوں کے سایہ میں سوار سو برس چلے گا یا اس کے سایہ میں سو سوار رہ سکیں گے راوی کو شک ہے [3] اس میں سونے کے پتنگے ہیں [4] اس کے پھل گویا مٹکے ہیں [5] (رزین)

[1] یہ شک راوی کو ہے کہ حضور انور نے تیس سالہ فرمایا یا تینتیس سالہ اور ہو سکتا ہے کہ جنتی مرد تینتیس سالہ ہوں اور جنتی عورتیں تیس سالہ یہ عمر اعلیٰ درجہ کے جوان کی ہوتی ہے۔

[2] یہ بیری کا درخت ہے ساتوں آسمانوں کے اوپر یہاں فرشتوں کی انتہا ہے کہ کوئی فرشتہ جو زمین پر آتا ہے۔ اس سے آگے نہیں بڑھتا اور عرشی فرشتے اس سے نیچے نہیں آتے حتیٰ کہ لوگوں کے اعمال فرشی فرشتے یہاں تک پہنچاتے ہیں پھر وہاں اوپر والے فرشتے لے لیتے ہیں اور اوپر والے فرشتے لے لیتے ہیں اور اوپر پہنچاتے ہیں۔ اس لئے اسے منتہیٰ کہا جاتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے یا اس کی انتہا جنت میں ہے یا اس کے آگے کسی کا علم نہیں بڑھتا کر اوپر گیا ہے ان وجوہ سے اسے منتہیٰ کہا جاتا ہے (از مرقات)۔

[3] یعنی بی بی اسماء کو شک ہے کہ حضور انور نے ان دو باتوں میں سے کیا بات فرمائی پہلی بات زیادہ ظاہر ہے یا یہ کہ بعض لوگوں کو وہ سایہ اس قدر محسوس ہوگا۔ بعض کو اس قدر (از مرقات)

[4] یہ پتنگے وہاں پر مقرر شدہ فرشتے ہیں جن کے پر چمکیلے ہیں (اشعہ) اس بیری کے پھل بڑے مٹکوں کے برابر ہیں جو ٹھنڈا میٹھے مکھن

التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ، وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا الْكَوْثَرُ قَالَ ذَاكَ نَهْرٌ اَعْطَانِيْهِ اللّٰهُ يَعْنِيْ فِي الْجَنَّةِ اَشَدُّ بَيَاضًا مِنَ اللَّبَنِ وَاَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ فِيْهِ طَيْرٌ اَعْنَاقُهَا كَاَعْنَاقِ الْجُزُرِ قَالَ عُمَرُ اِنَّ هٰذِهٖ لَنَاعِمَةٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكَلَتُهَا اَنْعَمُ مِنْهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ، وَعَنْ بُرَيْدَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ خَيْلٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ فَلَا تَشَاءُ اَنْ تُحْمَلَ فِيْهَا عَلٰى فَرَسٍ

ترمذی اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت انس سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوثر کیا ہے۔ فرمایا یہ ایک نہر جو اللہ نے مجھے عطا فرمائی یعنی جنت میں دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا ۱؎ اس میں پرندے جن کی گردنیں اونٹوں کی گردنوں کی طرح ہیں ۲؎ عمران بولے یہ تو خوب ہی ہے ۳؎ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہاں کے کھانے ان سے بھی زیادہ خوب ہیں ۴؎ (ترمذی) حضرت بریدہ سے کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے ۵؎ فرمایا کہ اگر تجھے اللہ جنت میں داخل فرمادے تو تو وہاں یہ چاہے گا کہ سرخ یاقوت کے گھوڑے

جیسے گودے سے بھرے ہوئے ہیں۔

۱؎ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر جنت کے اندر ہے وہاں کی شاخیں جنت کے باہر بلکہ میدان محشر میں پہنچی ہوں گی جیساکہ پچھلی احادیث میں گزرا۔

۲؎ گویا وہ وہاں کے شتر مرغ ہیں۔ مگران کا حسن و جمال رب ذوالجلال ہی جانتا ہے۔

۳؎ یعنی یہ نعمتیں بہت اچھی ہیں یا وہ شتر مرغ بہت عمدہ موٹے خوشنما ہوں گے۔

۴؎ یعنی یہ پرندے تو فقط دیکھنے کی نعمت ہے جو بڑی بھلی معلوم ہوگی اگر وہاں کے کھانے دیکھو تو وہ ان سے کہیں زیادہ اچھے ہیں

۵؎ شاید ان سائل صاحب کو گھوڑے پسند ہوں گے اس لیے وہ یہ سوال فرمارہے ہیں کہ میری مرغوب چیز بھی وہاں ہوگی یا نہیں۔ خیال رہے کہ جنت میں جو چاہو گے وہ ملے گا مگر جو چیز وہاں کے لائق نہ ہو اس کی خواہش دل میں پیدا ہی نہ ہوگی کوئی شخص حقہ، چائے پان وغیرہ کی خواہش بجا نہ کرے گا۔

مِنْ يَاقُوْتَةٍ حَمْرَاءَ يَطِيْرُ بِكَ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شِئْتَ اِلَّا فَعَلْتَ وَسَأَلَهُ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ فِي الْجَنَّةِ مِنْ اِبِلٍ قَالَ فَلَمْ يَقُلْ لَهُ مَا قَالَ لِصَاحِبِهٖ فَقَالَ اِنْ يُّدْخِلْكَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ يَكُنْ لَكَ فِيْهَا مَا اشْتَهَتْ نَفْسُكَ وَلَذَّتْ عَيْنُكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِعْرَابِيٌّ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

پر سوار کیا جاوے جو تجھے جنت میں وہاں اڑا کر پہنچادے جہاں تو چاہے مگر ایسا کیا جاوے گا[۱] اور ر حضور سے ایک شخص نے پوچھا عرض کیا یارسول اللہ کیا جنت میں اونٹ ہوں گے راوی کہتے ہیں کہ اس سے وہ نہ فرمایا جو اس کے ساتھی سے فرمایا تھا[۲] بلکہ فرمایا اللہ اگر تجھے جنت میں داخل فرمادے تو وہاں تیرے لیئے ہر وہ چیز ہوگی جو تیرا دل چاہے اور تیری آنکھیں پسند کریں[۳] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوایوب سے فرماتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بدوی حاضر ہوا عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

۱؎ یعنی اگر تم وہاں گھوڑے کی خواہش کرو گے تو تم کو یہ لید پیشاب کرنے والا اور زمین پر دوڑنے والا گھوڑا نہیں بلکہ یاقوتی گھوڑا اور اڑنے والا عطا ہوگا۔ خیال رہے کہ وہاں جنتی کی اپنی اپنی رفتار بہت تیز ہوگی کہ اس کا گھر صدہا میل کے علاقہ میں ہوگا اور اس کا اپنا مملوکہ رقبہ تو دنیا بھر سے زیادہ ہوگا مگر وہ آن کی آن میں جہاں چاہے گا۔ پہنچے گا یہ گھوڑے وغیرہ کی عطا اظہار عزت اور زینت کے لیے ہوگی حضور معراج میں براق پر گئے مگر اس دن حضور کی خود اپنی رفتار براق سے کہیں تیز تھی اس لیے اس رات حضرات انبیاء براق کے پہنچنے سے پہلے آسمانوں میں اپنے مقامات پر پہنچ چکے تھے۔ حالانکہ ان سب نے نماز بیت المقدس میں حضور کے پیچھے پڑھی تھی۔ اور حضور کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے تھے۔

۲؎ بلکہ اسے ایک جامع جواب عطا فرمایا جس سے اس کے تمام سوالات حل ہوگئے ورنہ اور لوگ بھیڑ بکریوں وغیرہ کے متعلق سوال کرتے۔

۳؎ اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے وفیھا ما تشتھیہ الانفس وتلذ الاعین ان فرمانوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں منہ سے مانگنے کی بھی ضرورت نہ پڑے گی۔ بلکہ دل میں خیال آوے گا کہ چیز سامنے ہوگی۔ حتی کہ وہاں سے پھل توڑنے کے لیے درختوں پر چڑھنا یا بانس سے ہلانا نہ پڑے گا۔ بلکہ شاخیں خود جھک کر پھل اس کے منہ سے لگادیں گی ٭ ٭ ٭

اِنِّیْ اُحِبُّ الْخَیْلَ اَفِی الْجَنَّۃِ خَیْلٌ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ اُدْخِلْتَ الْجَنَّۃَ اُتِیْتَ بِفَرَسٍ مِّنْ یَاقُوْتَۃٍ لَہٗ جَنَاحَانِ فَحُمِلْتَ عَلَیْہِ ثُمَّ طَارَ بِکَ حَیْثُ شِئْتَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ ھٰذَا حَدِیْثٌ لَیْسَ اِسْنَادُہٗ بِالْقَوِیِّ وَاَبُوْسَوْرَۃَ الرَّاوِیْ یُضَعَّفُ فِی الْحَدِیْثِ وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِیْلَ یَقُوْلُ اَبُوْسَوْرَۃَ ھٰذَا مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ یَرْوِیْ مَنَاکِیْرَ

میں گھوڑے پسند کرتا ہوں تو کیا جنت میں گھوڑے ہوں گے [۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو جنت میں داخل کیا گیا تو تیرے پاس ایک یاقوت کا گھوڑا لایا جاوے گا جس کے دو پر ہوں گے [۲] تو اس پر سوار کیا جاوے گا پھر وہ تجھے وہاں اڑا کرے جاوے گا جہاں تو چاہے گا [۳] (ترمذی) اور فرمایا اس حدیث کی سند قوی نہیں اور ابوسورہ راوی حدیث میں ضعیف مانا جاتا ہے میں نے محمد ابن اسماعیل کو فرماتے سنا کہ یہ ابوسورہ منکر الحدیث ہے منکر احادیث روایت کرتا ہے [۴]

[۱] اس کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ جنت میں گھوڑے کا وجود عبث ہے۔ مجھے دنیا میں گھوڑے کا شوق ہے اگر وہاں گھوڑا نہ ہوا تو میرا یہ شوق کیسے پورا ہوگا۔ اور اگر میرا یہ شوق پورا ہوا تو ایک عبث بلکہ جنت کے شان کے خلاف چیز موجود ہوگی۔ پھر وہاں وہ گندگی کرے گا۔ گھاس دانہ چاہے گا۔ یہ چیزیں وہاں کہاں حضور انور نے جواب ایسا شاندار دیا کہ سبحان اللہ۔

[۲] یعنی تو جنتی گھوڑے کی فکر نہ کر بلکہ اپنے جنتی ہونے کی فکر کر اگر تو اللہ کے فضل سے جنتی ہو گیا تو جو تو چاہے گا تجھے ملے گا۔ مگر وہاں کی شان کے۔ وہاں کا گھوڑا یاقوت کا ہوگا۔

[۳] یعنی وہ گھوڑا نہ تو مستی کرے گا نہ اڑیل ہوگا نہ اسے لگام وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔ تیرا چاہنا اور اس کا اڑنا اور پل بھر میں مقصود منزل پر پہنچ جانا ہوگا۔

[۴] طبرانی نے بروایت حضرت ابوایوب انصاری مرفوعًا نقل فرمایا کہ جنتی لوگ اعلیٰ درجہ کے یاقوتی اونٹوں پر سوار ہو کر اپنے دوست واحباب سے ملنے جایا کریں گے۔ جنت میں صرف اونٹ اور پرندے ہوں گے (مرقات) خیال رہے کہ وہاں یہ دنیا کے اونٹ یا پرندے نہ ہوں گے بلکہ خود جنت کی مخلوق ہوں گے جیسے حور وغلمان کہ جنت تو صرف انسانوں کے لیے ہے ہاں چند جانور وہاں جائیں گے حضور کی اونٹنی قصوا، اصحاب کہف کا کتا، صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضرت عیسیٰ کا دراز گوش جیسا کہ بعض روایات میں ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر

سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْلُ الْجَنَّةِ عِشْرُوْنَ وَمِائَةُ صَفٍّ ثَمَانُوْنَ مِنْهَا مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَاَرْبَعُوْنَ مِنْ سَائِرِ الْاُمَمِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَالدَّارِمِيُّ وَالْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ ✦ وَعَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَابُ اُمَّتِيَ الَّذِيْنَ يَدْخُلُوْنَ مِنْهُ الْجَنَّةَ عَرْضُهٗ مَسِيْرَةُ الرَّاكِبِ

روایت ہے حضرت بریدہ سے فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جنت والے ایک سو بیس صفیں ہیں [1] جن میں سے اسی صفیں اس امت کی ہیں اور چالیس صفیں باقی ساری امتوں کی [2] (ترمذی دارمی بیہقی کتاب البعث والنشور، روایت ہے حضرت سالم سے وہ اپنے والد سے راوی [3] فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت کا وہ دروازہ جس سے وہ جنت میں داخل ہوں گے اس کی چوڑائی تیز سوار کی رفتار سے

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ یہ کل شکل انسانی میں ہوگا ✦

[1] صفیں کتنی بڑی ہیں یہ ہمارے خیال و وہم سے وراء ہے ان ہی ایک سو بیس صفوں میں از آدم تا روز قیامت سارے مومن آجائیں گے

[2] خلاصہ یہ ہے کہ کل جنتیوں میں دو تہائی حضور کی امت ہوگی اور ایک تہائی میں ساری پچھلی امتیں نوع میں وہ لوگ زیادہ کہ وہ ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے نبیوں کی امتیں ہوں گی۔ مگر تعداد اشخاص میں یہ امت زیادہ۔ خیال رہے کہ اولاً یہ امت تمام جنتیوں کی نصف ہوگی پھر بعد میں اور زیادہ ہو کر دو تہائی ہو جاوے گی۔ لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں جس میں اس امت کو تمام جنتیوں کا آدھا فرمایا گیا۔ اس کے اور بھی بہت جواب دیئے گئے ہیں۔ یہ جواب قوی ہے واللہ اعلم دیکھو قرآن مجید میں بدری فرشتوں کی تعداد ایک ہزار بھی فرمائی گئی۔ تین ہزار بھی، پانچ ہزار بھی کہ وہاں اولاً ایک ہزار آئے۔ پھر دو ہزار اور آئے جس سے تین ہزار ہو گئے پھر دو ہزار اور آئے جس سے پانچ ہزار ہو گئے۔ ایسے ہی یہاں ہے۔

[3] حضرت سالم جلیل القدر تابعی ہیں، سیدنا عبداللہ ابن عمر کے فرزند ہیں۔ اور حضرت فاروق اعظم عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ سالم کے زمانہ میں ان سے بہتر کوئی نہ تھا۔ نہایت حق گو، بے خوف بڑے عالم عابد زاہد حجاج ابن یوسف جیسے ظالم حاکم سے بہت سختی سے بات کرتے تھے۔ ۱۰۶ھ ایک سو چھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی (از اشعہ و اکمال و مرقات وغیرہ) آپ کی اکثر روایات اپنے والد حضرت عبداللہ ابن عمر سے ہیں ✦ ✦ ✦

الْمُجَوَّدِ ثَلٰثًا ثُمَّ اِنَّهُمْ لَيَضْعَطُوْنَ عَلَيْهِ حَتّٰى تَكَادُ مَنَاكِبُهُمْ تَزُوْلُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ ضَعِيْفٌ وَسَاَلْتُ مُحَمَّدَ بْنَ اِسْمٰعِيْلَ عَنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ فَلَمْ يَعْرِفْهُ قَالَ يَخْلُدُ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ يَرْوِي الْمَنَاكِيْرَ ◦ وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَسُوْقًا مَا فِيْهَا شِرَىٰ وَبَيْعٌ اِلَّا الصُّوَرَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَاِذَا اشْتَهَى الرَّجُلُ صُوْرَةً دَخَلَ فِيْهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا

تیس سال کا ہے [۱] پھر وہ اس پر تنگ ہوں گے۔ حتی کہ قریب ہوگا کہ ان کے کندھے ہل جاویں [۲] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث ضعیف ہے [۳] اور میں نے محمد ابن اسمٰعیل سے اس حدیث کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اسے نہ پہچانا۔ فرمایا یخلد ابن ابی بکر منکر حدیثیں روایت کرتا ہے۔ [۴] روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں ایک بازار ہے۔ جس میں خرید وفروخت نہیں ہے۔ مگر مردوں عورتوں کی صورتیں ہیں تو جب کوئی شخص کوئی صورت پسند کرے گا تو اس میں داخل ہو جاوے گا [۵] (ترمذی) اور فرمایا یہ

[۱] ظاہر یہ ہے کہ یہاں تین سے مراد تین سال ہیں نہ کہ تین دن حضور کی امت کے داخلہ کے بہت دروازے ہیں جن کی فراخی مختلف ہے۔ یہاں ایک دروازے کی فراخی کا ذکر ہے اور چالیس سال والی روایت میں دوسرے دروازے کا تذکرہ ہے لہذا آیات میں تعارض نہیں

[۲] یعنی وہ دروازہ اس قدر وسعت کے باوجود ان جنتیوں پر تنگ ہوگا کہ ان کے کندھے گویا ہل جاویں۔

[۳] کیونکہ اس حدیث کے الفاظ دوسری صحیح احادیث کے خلاف ہیں۔

[۴] یہاں صاحب مشکوٰۃ سے خطا ہوئی۔ ان کا نام خالد ابن ابی بکر ہے نہ کہ یخلد ترمذی اور اسماء الرجال کی کتابوں میں ان کا نام خالد ہی ہے (مرقات)

[۵] ظاہر یہ ہے کہ یہاں صورت سے مراد مردانی وزنانی صورتیں ہیں۔ جو نہایت حسین وجمیل وآراستہ ہیں جو جنتی مرد یا جنتی عورتیں جس صورت کو پسند کرے گا۔ خود اس کی اپنی شکل وصورت ایسی ہو جاوے گی مگر یہ تبدیلی ذات نہ ہوگی بلکہ تبدیل صفت ہوگی جو دنیا میں بھی ہوتی رہتی ہے گورے کالے ہو جاتے ہیں کالے گورے بچہ کی صورت ہوتی ہے جوانی کی صورت اور بڑھاپے کی کچھ اور۔

حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ۔ وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّهٗ لَقِيَ اَبَا هُرَيْرَةَ فَقَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَسْاَلُ اللّٰهَ اَنْ يَّجْمَعَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ فِيْ سُوْقِ الْجَنَّةِ فَقَالَ سَعِيْدٌ اَفِيْهَا سُوْقٌ قَالَ نَعَمْ اَخْبَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ اِذَا دَخَلُوْهَا نَزَلُوْا فِيْهَا بِفَضْلِ اَعْمَالِهِمْ ثُمَّ يُؤْذَنُ لَهُمْ فِيْ مِقْدَارِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ مِنْ اَيَّامِ الدُّنْيَا فَيَزُوْرُوْنَ رَبَّهُمْ وَيُبْرِزُ لَهُمْ عَرْشَهٗ

حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت سعید ابن مسیب سے کہ وہ حضرت ابوہریرہ سے ملے تو جناب ابوہریرہ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالٰی سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے تمہیں جنت کے بازار میں ملائے[1] تو جناب سعید نے کہا کہ اس میں بازار ہے[2] فرمایا ہاں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جنت والے جب جنت میں داخل ہوں گے[3] تو وہ اپنے اعمال کے مطابق داخل ہوں گے[3] پھر انہیں دنیا میں کے دنوں کے حساب سے ایک ہفتہ میں اجازت دے دی جاوے گی تو اپنے رب سے ملاقات کرینگے[4] اور عرش الٰہی ان پر

[1] یعنی جیسے آج ہم تم بازار مدینہ میں ملے ہیں ایسے ہی بازار جنت میں ملیں۔ مدینہ منورہ اس دنیا کی جنت ہے خلاصہ دنیا کی بلکہ آج زمین مدینہ جنت سے افضل ہے کہ یہاں محبوب آرام فرمالیں۔ جب حضور جنت میں تشریف لے جائیں گے تو وہ جگہ افضل ہو جائے گی۔ جیسے ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے افضل تھا اور ہجرت کے بعد امام مالک کے ہاں مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے افضل ہوگیا۔ اور قبر انور تو بالاتفاق سارے جہاں عرش و فرش سے افضل ہے۔ افضلیت ان کے قدم سے وابستہ ہے۔ شعر

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است ۔ اے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

[2] حضرت سعید کو تو تعجب اس پر ہوا کہ جنتیوں کی ساری ضروریات تو ان کے گھروں میں ہی موجود ہوں گی پھر بازار سے کیا خریدیں گے وہ یہ نہ سمجھے کہ وہاں بازار دیدار کا ہے نہ کہ کاروبار کا وہاں جنتی ایک دوسرے کا اور رب کا دیدار کریں گے۔

[3] اس طرح کہ اعلٰی اعمال والے اونچے درجے میں ہوں گے اور معمولی اعمال والے نیچے درجہ میں، غرضکہ جنت میں تفریق و تقسیم ہوگی اجتماع نہ ہوگا۔ جیسے دنیا میں امیر لوگ کوٹھیوں میں رہتے ہیں فقیر جھونپڑیوں میں اگرچہ وہاں جھونپڑیاں کوئی نہیں بہر حال ایک جگہ اجتماع نہ ہوگا۔

[4] یعنی جیسے دنیا میں جمعہ کے دن سارے محلے بلکہ ساری بستی کے امیر و غریب شاہ و گدا مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوجاتے ہیں ربکا

وَيَتَبَدّٰى لَهُمْ فِي رَوْضَةٍ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ فَيُوضَعُ لَهُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُورٍ وَمَنَابِرُ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَمَنَابِرُ مِنْ يَاقُوتٍ وَمَنَابِرُ مِنْ زَبَرْجَدٍ وَمَنَابِرُ مِنْ ذَهَبٍ وَمَنَابِرُ مِنْ فِضَّةٍ وَيَجْلِسُ اَدْنَاهُمْ وَمَا فِيهِمْ دَنِيٌّ عَلٰى كُثْبَانِ الْمِسْكِ وَالْكَافُورِ مَا يُرَوْنَ اَنَّ اَصْحَابَ الْكَرَاسِيِّ بِاَفْضَلَ مِنْهُمْ مَجْلِسًا قَالَ

ہوگا۱ اور رب ان پر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں تجلی فرمائے گا۲ تو ان کے لیے نور کے منبر موتیوں کے منبر یاقوت کے اور زبرجد کے منبر، سونے کے منبر چاندی کے منبر رکھے جائیں گے۳ ان میں سے ادنیٰ (حالانکہ ان میں ادنیٰ کوئی نہیں) مشک و کافور کے ٹیلہ پر ہوں گے۴ وہ یہ تصور نہ کریں گے کہ کرسیوں والے ان سے اعلیٰ جگہ میں ہیں۵

ذکر کرتے ہیں نماز جمعہ پڑھتے ہیں۔ ایسے ہی جنت میں تمام ادنیٰ و اعلیٰ جنتی اس بازار میں ہفتہ میں ایک بار جمع ہو کر رب کا دیدار کیا کریں گے۔ دنیا میں جامع مسجد جامع المتفرقین ہوتی ہے۔ ایسے ہی جنت یہ بازار جامع المتفرقین ہوگا۔ اسی بازار میں ہم جیسے گنہگار ان شاء اللہ شفیع روز شمار کی زیارت سے مشرف ہوا کریں گے۔ رب کا دیدار گھروں میں خلوت میں ہوا کرے گا یہاں جلوت میں ہوگا۔

۱ یہ ظہور خصوصی ہوا کرے گا ورنہ عرش الٰہی تو جنت کی چھت ہے۔ ہر وقت نظر آیا کرے گا مگر اس بازار میں بہت قریب سے نظر آوے گا۔ اس کے اور بعض معنی کئے گئے ہیں۔

۲ یعنی اس بازار میں ایک خصوصی باغ ہوگا۔ جس میں رب کا دیدار ہوگا۔ یوں سمجھو کہ بازار میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوا کرے گی اور اس باغ میں رب تعالیٰ سے۔

۳ منبر سے مراد کرسیاں ہیں جن پر جنتی بیٹھیں گے۔ چونکہ جنتی لوگ مختلف درجے والے ہوں گے اس لیے یہ کرسیاں بھی مختلف ہوں گی کتنی کرسیاں ہوں گی اتنی جتنی گنتی میں نہ آ سکیں وہاں عدد کام نہیں کرتا

۴ ان ٹیلوں کا حسن ان کی ساخت۔ ان کی خوشبو ان کی عظمت بیان نہیں ہو سکتی۔ انشاء اللہ دیکھ کر ہی جانیں گے کہ دیکھو وہ ٹیلے یہ ہیں۔

۵ یعنی یہ ٹیلے والے یہ تو محسوس کریں گے کہ کرسیوں والے ہم سے اعلیٰ ہیں مگر یہ احساس نہ کریں گے کہ ہم ان سے گھٹیا ہیں۔ ان سے اعلیٰ ہونے پر انہیں خوشی ہوگی۔ جیسے آج حضور انور کی شان دیکھ کر ہم کو خوشی ہوتی ہے خوشی سے پھولے نہیں سماتے ہیں۔

اَبُوْ هُرَيْرَةَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ نَرٰى رَبَّنَا قَالَ نَعَمْ هَلْ تَتَمَارُوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ قُلْنَا لَا قَالَ كَذٰلِكَ لَا تَتَمَارُوْنَ فِيْ رُؤْيَةِ رَبِّكُمْ وَلَا يَبْقٰى فِيْ ذٰلِكَ الْمَجْلِسِ رَجُلٌ اِلَّا حَاضَرَهُ اللّٰهُ مُحَاضَرَةً حَتّٰى يَقُوْلَ لِلرَّجُلِ مِنْهُمْ يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ اَتَذْكُرُ يَوْمَ قُلْتَ كَذَا وَكَذَا فَيُذَكِّرُهُ بِبَعْضِ غَدَرَاتِهِ فِي الدُّنْيَا فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ اَفَلَمْ تَغْفِرْ لِيْ فَيَقُوْلُ بَلٰى فَبِسَعَةِ مَغْفِرَتِيْ بَلَغْتَ مَنْزِلَتَكَ

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہم اپنے رب کو دیکھیں گے فرمایا ہاں کیا تم سورج کے اور چودھویں شب میں چاند کے دیکھنے میں شک کرتے ہو ہم نے کہا نہیں فرمایا ایسے تم اپنے رب کے دیکھنے میں شک نہ کرو گے [۱] اس مجلس میں کوئی باقی نہ رہے گا مگر اللہ تعالٰی اس کے سامنے بے حجاب موجود ہوگا [۲] حتی کہ ان میں سے ایک شخص سے کہے گا اے فلاں کے بیٹے فلاں کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے ایسا ایسا کہا تھا۔ اسے اس کی بعض دنیاوی بدعہدیاں یاد دلائے گا [۳] بندہ عرض کرے گا الٰہی کیا تو مجھے بخشش نہ دے گا [۴] فرمائے گا ہاں تو میری وسعت رحمت کی وجہ سے اپنے اس درجہ

[۱] حضرت ابوہریرہ کو تعجب یہ ہوا کہ یہ آنکھیں رب کو کیسے دیکھ سکیں گی یہاں تو ہم سورج میں نظر نہیں جما سکتے۔ جواب میں حضور انور نے فرمایا کہ تم دیدار الٰہی بغیر کیف کیا کرو گے اور خوب اچھی طرح کہ شک و شبہ نہ ہے جیسے دوپہری میں سورج اور چودھویں شب میں چاند میں شک نہیں ہوتا۔ ایسے ہی وہاں دیدار میں شک نہ ہوا کرے گا۔ خیال رہے کہ دنیا میں سورج بذریعہ دھوپ نظر آتا ہے اور چاند بغیر کسی ذریعہ کے مگر ہوتا ہے۔ دونوں پر یقین دونوں کا مشاہدہ۔

[۲] محاضرۃ کے معنی ہیں منہ در منہ بغیر واسطہ کلام کرنا۔ رب تو جنتیوں سے کلام بھی کرے گا تو بالمشافہ بغیر واسطہ دیدار گفتار سب ایک ساتھ نصیب ہوا کرے گی۔

[۳] کہ تو نے فلاں فلاں وقت فلاں فلاں گناہ کیے تھے۔ تجھے یاد ہیں۔ یہ ذکر بطور تذکرہ ہوگا۔ سرزنش یا ناراضی کے طریقہ پر نہیں۔ اس ذکر سے بندہ کو مطلقاً رنج نہ ہوگا کہ جنت رنج کی جگہ نہیں۔

[۴] سبحان اللہ یہ بخشش ہی یاد دلاتی تھی جس سے بندہ کی خوشی اور دوبالا ہو جاوے گی حضور کی شفاعت رب تعالٰی کی بخشش کی یاد دنیا میں بھی دل کا چین ہے وہاں بھی دل کا چین ہوگی اعلیٰحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔ شعر

هٰذِهٖ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ غَشِيَتْهُمْ سَحَابَةٌ مِّنْ فَوْقِهِمْ فَامْطَرَتْ عَلَيْهِمْ طِيْبًا لَمْ يَجِدُوْا مِثْلَ رِيْحِهٖ شَيْئًا قَطُّ وَيَقُوْلُ رَبُّنَا قُوْمُوْا اِلٰى مَا اَعْدَدْتُ لَكُمْ مِنَ الْكَرَامَةِ فَخُذُوْا مَا اشْتَهَيْتُمْ فَنَاْتِيْ سُوْقًا قَدْ حَفَّتْ بِهِ الْمَلٰٓئِكَةُ فِيْهَا مَا لَمْ تَنْظُرِ الْعُيُوْنُ اِلٰى مِثْلِهٖ وَلَمْ تَسْمَعِ الْاٰذَانُ وَلَمْ يَخْطُرْ عَلَى الْقُلُوْبِ فَيُحْمَلُ لَنَا مَا اشْتَهَيْنَا لَيْسَ يُبَاعُ فِيْهَا وَلَا يُشْتَرٰى وَفِيْ ذٰلِكَ

میں پہنچا تو جبکہ وہ اسی حالت میں ہونگے کہ ان کے اوپر بادل چھا جائے گا تو انپر ایسی خوشبو برسائے گا کہ اس جیسی خوشبو کبھی کسی چیز میں نہ پائی ہوگی اور ہمارا رب فرمائیگا کہ اس اعزاز کی طرف جاؤ جو میں نے تمہارے لیئے تیار کیا ہو ہے جو چاہو لو تب ہم اس بازار میں پہنچیں گے جسے فرشتوں نے گھیرا ہوگا اسمیں وہ چیزیں ہونگی کہ انکی مثل آنکھوں نے نہ دیکھی نہ کانوں نے سنی اور نہ دلوں پر انکا خطرہ گزرا تب ہم جو چاہیں گے ہم کو پہنچا دیا جاویگا وہاں نہ تو خرید ہوگی نہ فروخت اور اس بازار میں

اے کہ طلعت راحتِ جان و دلم
اے کہ فضل تو کفیل مشکلم

۱؎ یعنی تو اپنے اعمال سے یہاں نہیں پہنچا بلکہ میرے رحم و کرم سے یہاں پہنچا کوئی شخص بغیر فضل رب العالمین کے جنت میں نہیں پہنچ سکتا۔

۲؎ یہ بادل رحمت خاص اللہ تعالٰی کی ہوگی۔ جو بادل کی شکل میں نمودار ہوگی۔ جیسے دنیا میں بادل چھا جائیں تو عجیب سماں بندھ جاتا ہے موسم بدل جاتا ہے ایسے ہی وہاں اس بادل کے آتے ہی مجلس کی حالت بدل جاویگی اور وہ سماں بندھیگا جو بیان نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالٰی دیکھنا نصیب فرمائے۔

۳؎ یعنی اس بادل سے پانی نہیں برسیگا عطر اور خوشبو برسے گی وہ بھی ایسی بے مثال کہ دنیا میں تو کیا اسے پہلے جنت میں بھی کبھی ان لوگوں نے نہیں دیکھی تھی۔

۴؎ یہ بازار یا تو وہ ہی ہوگا جس سے گزر کر ابھی یہ لوگ اس جہان میں پہنچے تھے یا دوسرا اور کوئی بازار یہاں نعمتوں کے ڈھیر ہونگے جو انہیں بغیر قیمت عطا ہوں گے غرضکہ یہ فروخت کا نہیں بلکہ تقسیم اللہ عطاء کا بازار ہوگا کچھ نعمتیں گھروں میں ملیں گی خاص نعمتیں یہاں تاکہ یہ لوگ خالی ہاتھ اپنے گھر نہ جائیں بھرے بھرے جائیں۔

۵؎ جن فرشتوں نے اس بازار کو گھیرا ہوگا وہ وہاں کے منتظم اور جنتیوں کی خدمت کرنے والے فرشتے ہوں گے جو شخص جس نعمت کی رغبت کریگا وہ اُسے اٹھا کر دیں گے بلکہ گھر تک پہنچائیں گے۔ ان نعمتوں کے نام انکی خوبی بیان کرنے کیلئے الفاظ نہیں بنے ہمارے الفاظ تو آگرہ کا تاج محل دہلی کا لال قلعہ بیان نہیں کر سکتے تو ان نعمتوں کو بیان کیسے کر سکتے ہیں وہ دیکھ کر ہی معلوم ہو سکیں گی۔

السُّوْقِ يَلْقٰى اَهْلُ الْجَنَّةِ بَعْضُهُمْ بَعْضًا قَالَ فَيُقْبِلُ الرَّجُلُ ذُو الْمَنْزِلَةِ الْمُرْتَفِعَةِ فَيَلْقٰى مَنْ هُوَ دُوْنَهٗ وَمَا فِيْهِمْ دَنِيٌّ فَيَرُوْعُهٗ مَا يَرٰى عَلَيْهِ مِنَ اللِّبَاسِ فَمَا يَنْقَضِيْ اٰخِرُ حَدِيْثِهٖ يَتَخَيَّلُ عَلَيْهِ مَا هُوَ اَحْسَنُ مِنْهُ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ لَا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ اَنْ يَّحْزَنَ فِيْهَا ثُمَّ نَنْصَرِفُ اِلٰى مَنَازِلِنَا فَيَتَلَقَّانَا اَزْوَاجُنَا فَيَقُلْنَ مَرْحَبًا وَّاَهْلًا لَقَدْ جِئْتَ وَاِنَّ بِكَ مِنَ الْجَمَالِ اَفْضَلَ

بعض جنتی بعض سے ملیں گے[۱] فرمایا کہ ایک اونچے درجے والا آوے گا وہ اپنے سے نیچے درجے والے سے ملیگا۔ حالانکہ ان میں نیچا کوئی نہیں تو اس پر جو لباس یہ دیکھے گا وہ اسے پسند آوے گا[۲] ابھی اس کی آخری بات ختم نہ ہوگی کہ اسے اپنے پر اس سے اچھا محسوس ہوگا[۳] یہ اس لیے ہوگا کہ جنت میں کسی کا غمگین ہونا ممکن نہیں۔ پھر ہم اپنے گھروں کی طرف لوٹیں گے تو ہم سے ہماری بیویاں ملیں گی کہیں گی[۴] خوب آئے اپنے گھر میں پہنچے تم اس حالت میں آئے ہو کہ تمہارا حسن و جمال اس سے

ـه تحمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بازار کی یہ نعمتیں ہم کو یہاں ہی نہیں دی جائیں گی بلکہ یہ فرشتے جو اس بازار کو گھیرے ہوئے تھے وہ یہ سامان اٹھا کر ان کے گھر پہنچائیں گے۔

۱ـه یعنی لفظ بازار سے یہ نہ سمجھنا کہ وہاں قیمتاً چیزیں ملیں گی۔ بلکہ بازار کا وہ مطلب ہے جو حضور انور نے خود ارشاد فرمایا یہ چیزیں حضور ہی بیان کر سکتے ہیں دوسروں کو تو بیان کرنا بھی نہیں آتیں۔

۲ـه اس سے معلوم ہوا کہ جنت میں ہر امید صرف دل میں خیال آتے ہی پوری ہو جاوے گی۔ منہ سے بولنے کی بھی ضرورت نہ ہوا کرے گی یہاں جو اللہ رسول چاہیں وہ ہم کریں انشاء اللہ وہاں جو ہم چاہیں گے وہ رب کریگا اللہ تعالٰی توفیق دے۔ خیال رہے کہ لفظ روع کبھی گھبرانے کے معنی میں آتا ہے کبھی خوش ہونا خوش کرنا پسند آنے پسند کرنے کے معنی میں آتا ہے یہاں بمعنی پسند آتا ہے (اشعۃ اللمعات) حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اپنے زفاف کے متعلق فرماتی ہیں۔ فلم یرعنی الا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وہاں بھی روع کے معنی خوش کرنا ہیں۔

۳ـه اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہؓ نے سارے صیغے جمع متکلم کے ارشاد فرمائے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے اور سعید ابن مسیّب کے بلکہ سارے صحابہ کے جنتی ہونیکا یقین ہے کیوں نہ ہو رب تعالٰی نے ان سے وعدہ فرمالیا ہے کُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بشارت دیں پھر شبہ یا دغدغہ کیسے ہو شکوک معاملہ تو ہمارا ہے اللہ تعالٰی

مِمَّا فَارَقْتَنَا عَلَيْهِ فَنَقُوْلُ إِنَّا جَالَسْنَا الْيَوْمَ رَبَّنَا الْجَبَّارَ وَيَحِقُّنَا اَنْ نَّنْقَلِبَ بِمِثْلِ مَا انْقَلَبْنَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ؛ وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَدْنٰى اَهْلِ الْجَنَّةِ الَّذِيْ لَهٗ ثَمَانُوْنَ اَلْفَ خَادِمٍ وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُوْنَ زَوْجَةً وَتُنْصَبُ لَهٗ قُبَّةٌ مِنْ لُؤْلُؤٍ وَزَبَرْجَدٍ

اچھا ہے جس پر تم ہم سے جدا ہوئے تھے [1] تب ہم کہیں گے کہ آج ہم نے اپنے رب جبار کے پاس ہم نشینی کی ہے۔ ہمارا حق یہی تھا کہ اس طرح مومنین جیسے لوٹے [2] (ترمذی، ابن ماجہ) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث غریب ہے روایت ہے حضرت ابوسعید سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ادنیٰ جنتی [3] وہ ہوگا کہ جس کے اسی ہزار خادم ہوں۔ اور بہتر بیویاں [4] اور اس کے لیے موتیوں زبرجد اور یاقوت کا خیمہ لگایا جاوے گا [5]۔

ان حضرات صحابہ کے دامن سے ہم کو وابستہ کرکے یہ نعمتیں بخشے۔

[1] یعنی جب ہم اپنے گھروں کو واپس ہوں گے تو ہماری دنیا کی بیویاں اور حوریں دروازے پر ہمارا استقبال کریں گی اور ہم سے یہ کہیں گی۔

[2] یعنی ہمارا یہ حسن وجمال اور اس کی زیادتی اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس قرب الٰہی کا نتیجہ ہے جو ہم کو خصوصی طور پر میسر ہوا یہ غازہ یہ اس قرب سے نصیب ہوا ہے۔

[3] یہاں ادنیٰ سے مراد کم بیویوں والا کم خدام والا جنتی ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ورنہ وہاں ادنیٰ کوئی نہیں سب اعلیٰ ہیں ہاں بعض بہت ہی اعلیٰ ہیں۔ دیکھو نبی سب اعلیٰ ہیں۔ مگر بعض بہت اعلیٰ۔ تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض اور فرمایا ورفع بعضھم درجات

[4] جن میں سے دونوں تو حورعین ہیں کی باقی دنیا کی وہ بیوی جو اس جنتی کے نکاح میں یا حق نکاح میں فوت ہوئی۔ اور وہ عورت جو کنواری مری یا جس کا خاوند کافر مرا یہ مومنہ مری۔ لہذا یہ حدیث اس گذشتہ حدیث کے خلاف نہیں کہ ایک جنتی کو دو حورعین عطا ہوں گی مگر یہاں مرقات نے کہا کہ دو بیویاں دنیا کی عورتیں اور ستر بیویاں حور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ان ستر حوروں میں دو حورعین باقی ادسطھ دوسری حوریں۔

[5] یعنی اس خیمہ کی ساخت تو زبرجد لکڑی کی ہوگی مگر اس میں موتی و یاقوت جڑے ہوں گے (مرقات) لہذا یہ حدیث نز ہے

وَيَاقُوْتٍ كَمَا بَيْنَ الْجَابِيَةِ اِلٰى صَنْعَاءَ وَبِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ مَنْ مَّاتَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ مِنْ صَغِيْرٍ اَوْ كَبِيْرٍ يُرَدُّوْنَ بَنِيْ ثَلٰثِيْنَ فِي الْجَنَّةِ لَا يَزِيْدُوْنَ عَلَيْهَا اَبَدًا وَكَذٰلِكَ اَهْلُ النَّارِ وَبِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ اِنَّ عَلَيْهِمُ التِّيْجَانَ اَدْنٰى لُؤْلُؤَةٍ مِّنْهَا لَتُضِيْءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَبِهٰذَا الْاِسْنَادِ قَالَ الْمُؤْمِنُ اِذَا اشْتَهَى الْوَلَدَ فِي الْجَنَّةِ كَانَ حَمْلُهٗ وَوَضْعُهٗ

جیساکہ جابیہ اور صنعا کے درمیان کا فاصلہ ہے (۱) اور اسی اسناد سے ہے فرمایا جو جنتی چھوٹا یا بوڑھا مرجاوے گا وہ جنت میں تیس سال کا بنا دیا جاوے گا۔ یہ لوگ اس عمر سے کبھی نہ زیادہ ہوں گے (۲) اسی طرح آگ والے لوگ (۳) اور اسی اسناد سے ہے کہ فرمایا ان پر تاج ہوں گے جن کا ادنیٰ موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا (۴) اور اسی اسناد سے ہے فرمایا مومن جب جنت میں اولاد کی خواہش کرے گا تو اس کا حمل اس کا جننا اس کی عمر رسید،

۱؎ یعنی اس خیمہ کی لمبائی چوڑائی ایسی ہوگی کہ اس کے دو کناروں میں فاصلہ وہ ہوگا جو جابیہ اور صنعا شہروں میں ہے۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جابیہ شام کا ایک شہر ہے اور صنعا، یمن کی مشہور بستی ہے ان میں فاصلہ بہت ہی دراز ہے۔

۲؎ یعنی دنیا میں مومن کسی عمر میں فوت ہو بچہ یا بوڑھا جنت میں تیس سالہ جوان ہوگا اور اسی عمر پر ہمیشہ رہے گا کیونکہ وہاں دن رات مہینے سال نہیں۔ جس سے عمر بڑھے خیال رہے کہ یہاں یردون کے معنی ہی ہوجائیں گے۔ یہ معنی نہیں کہ لوٹائے جائیں گے ورنہ بچے کے لیے کلمہ درست کیسے ہو (مرقات)

۳؎ یعنی دوزخی بھی ہمیشہ تیس سالہ رہیں گے۔ اگرچہ ان کے قد بہت بڑے ہوں گے۔ یہ عمر اس لیے تجویز کی گئی تاکہ عیش و تکلیف پوری پوری ہوں۔ خیال رہے کہ یہاں چھوٹے دوزخیوں سے مراد کفار کے بچے نہیں بلکہ کم عمر بالغ کافر مراد ہیں ان کے بچوں کے متعلق دوسری حدیث میں ہے ھم مَعَافِیرُ الْجَنَّة وہ جنت کی چڑیاں ہوں گے۔ اللہ تعالٰی کفار کے بے سمجھ بچوں کو دوزخ نہ دے گا (مرقات) کیونکہ دوزخیوں سے کہا وما تجزون الا ما کنتم تعملون تم کو اپنے اعمال ہی کی سزا دی جاوے گی۔ چھوٹے بچے کے پاس بدعقیدگی بدعملی ہے ہی نہیں۔

۴؎ یعنی اگر وہ موتی دنیا میں آجاوے تو پورب پچھم کو روشن کردے۔ آفتاب کی روشنی پر اس کی روشنی غالب آجاوے۔

وَسِنُّهُ فِي سَاعَةٍ كَمَا يَشْتَهِي وَقَالَ إِسْحٰقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ إِذَا اشْتَهَى الْمُؤْمِنُ فِي الْجَنَّةِ الْوَلَدَ كَانَ فِي سَاعَةٍ وَلٰكِنْ لَا يَشْتَهِي رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ وَرَوَى ابْنُ مَاجَةَ الرَّابِعَةَ وَالدَّارِمِيُّ الْأَخِيرَةَ

وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَمُجْتَمَعًا لِلْحُورِ الْعِينِ يَرْفَعْنَ بِأَصْوَاتٍ لَمْ تَسْمَعِ الْخَلَائِقُ

ہونا پل بھر میں ہو جاوے گا جیسا وہ چاہے [1] اور کہا اسحاق ابن ابراہیم نے اس حدیث کے متعلق کہ جب مومن جنت میں اولاد چاہے گا تو ایک پل میں ہو جاوے گی مگر وہ چاہے گا نہیں [2] (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث غریب ہے اور ابن ماجہ نے چوتھی حدیث اور دارمی نے آخری حدیث نقل فرمائی روایت ہے حضرت علی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں آنکھ دا... حوروں کا مجمع ہونا ہے [3] جو اپنی آوازیں بلند کریں گی ایسی آواز

[1] اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض جنتی اولاد چاہیں گے اور ان کے اولاد ہوگی مگر اولاد کی پیدائش اس کی پرورش اس کا تیس سالہ جوان ہو جانا ایک ہی گھڑی میں ہو گا، وہ بچے یا تو دنیاوی عورتوں سے ہوں گے یا حور کے شکم سے معلوم ہوا کہ حور سے اولاد ہو سکتی ہے کہ جنتی نورانی ہیں اور حوریں نور مگر اولاد کی خواہش پر انہیں اولاد ملے گی اسی نوری مخلوق سے

[2] یہ فرمان اسحاق ابن ابراہیم کا اپنی رائے سے ہے کہ مومن وہاں چاہے گا نہیں۔ حدیث شریف سے معلوم ہے کہ چاہے گا اور اس کے اولاد ہوگی بہر حال امکان یا وقوع بتا رہا ہے، کہ جنتی لوگوں کے حوروں سے اولاد ہوگی یا ہو سکے گی جو لوگ کہتے ہیں کہ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم نور ہیں تو آپ کے اولاد کیسے ہوئی، نور کے اولاد نہیں ہوتی وہ اس حدیث میں غور کریں کہ جنتی لوگ اور حوریں نورانی مخلوق ہیں مگر ان کے اولاد ہوگی۔ حوریں تو اولاد آدم بھی نہیں ہیں مگر اولاد ہوگی۔

[3] یہاں مرقات میں ہے کہ حوروں کی پیدائش جنتی زعفران اور فرشتوں کی تسبیح سے ہے یہ پیدا ہو چکی ہیں ان کے مجمعے وقتاً فوقتاً ہوتے ہیں۔ ان مجمعوں میں وہ یہ کہتی ہیں جو یہاں مذکور ہے۔ (مرقات)

مِثْلَهَا يَقُلْنَ نَحْنُ الْخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيْدُ وَنَحْنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبْأَسُ وَنَحْنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسْخَطُ طُوْبٰى لِمَنْ كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ◆ وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِي الْجَنَّةِ بَحْرَ الْمَاءِ

مخلوق نے کبھی نہ سنی۱ کہتی ہیں کہ ہم ہمیشہ رہنے والیاں ہیں کبھی نہ فنا ہونگے اور ہم خوش رہنے والیاں ہیں کبھی غمگین نہ ہونگے ہم راضی رہنے والیاں کبھی ناراض نہ ہونگے۲ اسے خوشخبری ہو جو ہمارا ہو اور ہم اسکے ہوں۳ (ترمذی)
روایت ہے حضرت حکیم ابن معاویہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں پانی کا دریا ہے

۱؎ یعنی ایسی خوش آوازی سے وہ یہ کہتی ہیں کہ مخلوق نے کبھی ایسی دلکش و پیاری آواز کبھی نہ سُنی۔ معلوم ہُوا کہ حضور نے وہ آواز سُنی ہے۔

۲؎ یعنی ہم میں تین صفات ہیں۔ ہمیشہ کی زندگی۔ ہمیشہ کا چین۔ ہمیشہ اپنے خاوند سے خوش رہنا۔ اور ہم تین عیبوں سے پاک ہیں۔ فنا یعنی موت۔ محتاجی اور دوسری تکالیف بیاری وغیرہ ناراضی خاوند سے لڑائی جھگڑا ہم کو جان پہچان لو۔

۳؎ خیال رہے کہ ہر حور کو خبر ہے کہ میں کس مسلمان کی بیوی ہوں جیسا کہ کتاب النکاح باب معاشرۃ النکاح میں گزرا کہ جب کسی مومن سے اس کی بیوی لڑتی جھگڑتی ہے تو اُس کی بیوی یعنی جنتی حور پکارتی ہے کہ اس سے مت لڑ یہ تیرے پاس مہمان ہے میرے پاس آنے والا ہے لہذا یہاں من کان لنا کہنا ایک قاعدہ بیان کرنے کے لیے ہے۔ نہ کہ حور کی بے علمی کی بناء پر۔ یہ بھی خیال رہے کہ حوروں کا یہ کلام انسانوں کو سنانے کے لیے ہے اور واقعی وہ کلام ہم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے معرفت سن لیا۔ جیسے فرشتوں اور رب تعالٰی کے فرمان ہم کو سنانے کے لئے ہیں۔ اور واقعی ہم نے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سن لیے۔ حضور کی ذات برزخ کبریٰ ہے۔ اس عالم اجسام اور عالم انوار وغیرہ کے درمیان حوروں کو اپنے خاوندوں کی خبر ہے مگر خاوندوں کو ان کی خبر نہیں کہ کونسی حور میرے نکاح میں ہو گی ہم کو تو ابھی اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں۔ حوریں قیامت کے بعد عطا ہوں گی۔ حضرت آدم کچھ عرصہ جنت میں رہے۔ حضور معراج میں جنت میں تشریف لے گئے۔ حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں رہتے ہیں۔ مگر یہ کوئی حضرات حوروں سے تعلق نہیں رکھتے بعد قیامت ان سے تعلق ہوگا۔ یہ حضرات اور شہداء جنت کے پھل فروٹ وغیرہ کھاتے رہے اور کھا رہے ہیں۔

وَبَحْرُ الْعَسَلِ وَبَحْرُ اللَّبَنِ وَبَحْرُ الْخَمْرِ ثُمَّ تَشَقَّقُ الْاَنْهَارُ بَعْدُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَرَوَاهُ الدَّارِمِيُّ عَنْ مُعٰوِيَةَ **اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ** عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الرَّجُلَ فِي الْجَنَّةِ لَيَتَّكِئُ فِي الْجَنَّةِ سَبْعِيْنَ مَسْنَدًا قَبْلَ اَنْ يَتَحَوَّلَ ثُمَّ تَاْتِيْهِ امْرَاَةٌ فَتَضْرِبُ عَلٰى مَنْكَبَتِهٖ فَيَنْظُرُ

اور شہد کا دریا ہے اور دودھ کا دریا ہے اور شراب کا دریا ہے پھر اس سے آگے نہریں نکلتی ہیں [1] (ترمذی) اور دارمی نے حضرت معاویہ سے روایت کی [2] تیسری فصل روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ جنت کا ایک شخص جنت میں ستر مسندوں پر تکیہ لگائے ہوگا اس کے کروٹ لینے سے پہلے [3] پھر اس کے پاس ایک عورت آئے گی جو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے گی [4]

[1] یعنی جیسے دنیا میں بحر سے نہریں نکلتی ہیں۔ ایسے ہی وہاں جنت میں پانی۔ دودھ۔ شراب طہور اور شہد کے الگ الگ دریا ہیں جو ان چیزوں کا مرکز یا خزانہ ہیں وہاں سے چھوٹی چھوٹی نہریں نکلتی ہیں جو ہر جنتی کے گھروں میں پہنچتی ہیں جیسے دہلی کے لال قلعہ میں جمنا تک نہریں لائی گئی ہیں۔ جو وہاں کے کمروں میں پہنچتی ہیں جن کا فرش اور دیواریں سنگ مرمر کی ہیں بحر اور نہر میں بہت فرق ہیں۔ جو ہم نے اپنی تفسیر میں عرض کئے ہیں تجری من تحتھا الانھار کے ماتحت خیال رہے کہ اس حدیث کی تائید اس آیت سے ہے فیھا انھار من ماء غیر آسن وانھار من لبن لم یتغیر طعمہ وانھار من خمر لذۃ للشاربین وانھار من عسل مصفی وہ آیت اسی کی تائید ہے۔

[2] یہ حدیث ترمذی نے حکیم ابن معاویہ سے روایت کی اور دارمی نے معاویہ ابن ابوسفیان سے احمد نے معاویہ ابن حیدہ سے (مرقات)۔

[3] یعنی جنت میں نیند نہیں بیٹھنا۔ لیٹنا چلنا پھرنا آرام کرنا سب کچھ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ مومن اپنے پلنگ پر جب بیٹھے گا تو اس کے نیچے اوپر تلے ستر مسندیں تکیوں کی طرح ہوں گی۔ یہ حالت تو لیٹنے اور کروٹ لینے سے پہلے ہوگی پھر اس کا لیٹنا کروٹ لینا کیسے بستروں پر ہوگا وہ تو رب ہی جانتا ہے اشعۃ اللمعات میں اس کا یہی مطلب بیان کیا مرقات نے فرمایا کہ یہ ستر مسندیں آگے پیچھے بچھائی جائیں گی۔ رنگ برنگی کبھی کیسی کبھی کیسی۔

[4] یہ عورت اس کی بیوی ہوگی اور ہاتھ رکھنا اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے ہوگا۔ یہ مار پیٹ لڑائی جھگڑے کی ضرب نہ ہوگی۔

وَجْهَهُ فِي خَدِّهَا أَصْفَى مِنَ الْمِرْآةِ وَإِنَّ أَدْنَى لُؤْلُؤَةٍ عَلَيْهَا تُضِيءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ فَتُسَلِّمُ عَلَيْهِ فَيَرُدُّ السَّلَامَ وَيَسْأَلُهَا مَنْ أَنْتِ فَتَقُولُ أَنَا مِنَ الْمَزِيدِ وَإِنَّهُ لَيَكُونُ عَلَيْهَا سَبْعُونَ ثَوْبًا فَيَنْفُذُهَا بَصَرُهُ حَتَّى يَرَى مُخَّ سَاقِهَا مِنْ وَرَاءِ ذٰلِكَ وَإِنَّ عَلَيْهَا مِنَ التِّيجَانِ إِنَّ أَدْنَى لُؤْلُؤَةٍ مِنْهَا لَتُضِيءُ مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَحَدَّثُ وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ أَنَّ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ

یہ شخص اس کے رخسار میں اپنا منہ دیکھے گا آئینہ سے زیادہ صاف ہوگا[1] اس پر ادنیٰ موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا وہ اسے سلام کرے گی یہ اس کا جواب دے گا۔ اور اس سے پوچھے گا تو کون ہے وہ کہے گی میں زائد نعمتوں سے ہوں[2] اس پر ستر جوڑے ہوں گے جنہیں اس کی نظر آر پار کر جاوے گی۔ حتی کہ اس کی پنڈلی کا گودا ان کے اوپر سے دیکھے گا[3] اس عورت پر ایسے تاج ہوں گے کہ ان کا ادنیٰ موتی پورب پچھم کے درمیان کو چمکا دے گا[4] (احمد) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم باتیں کر رہے تھے اور آپ کے پاس دیہات والوں میں سے ایک شخص تھا کہ جنتیوں میں سے ایک آدمی اپنے رب سے

۱؎ یعنی جیسے تم دنیا میں آئینہ میں اپنا چہرہ صاف دیکھتے ہو ایسے ہی وہاں اس بیوی کے چہرہ میں اپنا چہرہ بلکہ ہر چیز صاف صاف دیکھو گے کہ اس کا چہرہ دنیاوی آئینہ سے زیادہ شفاف ہوگا۔

۲؎ یعنی تجھ کو دوسری نعمتیں اور دوسری بیویاں تیرے اعمال کے عوض دی گئی ہیں اور میں تیری وہ خصوصی بیوی ہوں جو محض رب ذوالجلال کے فضل سے زائد دی گئی ہوں رب فرماتا ہے لھم ما یشاءون فیھا ولدینا مزید اور فرماتا ہے للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ حسنی تو جنت ہے اور وہاں کی نعمتیں زیادتی اللہ کا دیدار ہے اور یہ خاص بیوی جو عطیہ خاص ہے۔

۳؎ معلوم ہوا کہ یہ بیوی دوسری بیویوں سے زیادہ حسین اور شفاف و پاکیزہ ہوگی کیوں نہ ہو کہ وہ تو رب کا خاص عطیہ ہے

۴؎ یہ مختلف تاج وہ بیوی بیک وقت نہ پہنے گی۔ بلکہ آگے پیچھے کبھی وہ تاج کبھی دوسرا اور تاج ہر تاج دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

اِسْتَاْذَنَ رَبَّهٗ فِی الزَّرْعِ فَقَالَ لَهٗ اَلَسْتَ فِیْمَا شِئْتَ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَزْرَعَ فَبَذَرَ فَبَادَرَ الطَّرْفَ نَبَاتُهٗ وَاسْتِوَاءُهٗ وَاسْتِحْصَادُهٗ فَکَانَ اَمْثَالَ الْجِبَالِ فَیَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی دُوْنَكَ یَا ابْنَ اٰدَمَ فَاِنَّهٗ لَا یُشْبِعُكَ شَیْءٌ فَقَالَ الْاَعْرَابِیُّ وَاللّٰهِ لَا تَجِدُهٗ اِلَّا قُرَشِیًّا اَوْ اَنْصَارِیًّا فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ زَرْعٍ۔

کھیتی باڑی کی اجازت مانگے گا ۱؎ رب اس سے فرمائے گا کہ کیا تو اپنی چاہی نعمتوں میں نہیں ہے ۲؎ عرض کرے گا ہاں لیکن میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ وہ بیج بوئے گا ۳؎ تو پلک جھپکنے سے پہلے اس کا اگنا پورا ہوگا کٹ جانا ہو جاویگا اور پہاڑوں کی طرح ہو جاوے گا ۴؎ تب اللہ تعالٰی فرمائیگا اے ابن آدم کوئی چیز تیراپیٹ نہیں بھرتی ۵؎ تو وہ بدوی بولا رب کی قسم ایسا آدمی آپ قریشی یا انصاری ہی کو پائیں گے کہ وہ لوگ کھیتی باڑی والے ہیں ۶؎

۱؎ یہ شخص دنیا میں کھیتی باڑی کرتا تھا۔ اسے اس کا شوق تھا وہ اپنا شوق پورا کرنے کو یہ عرض کرے گا کسی کمی کی وجہ سے نہیں۔

۲؎ یعنی باغات تو لذت کے لیے ہوتے ہیں وہ جنت میں موجود ہیں۔ جن کے پھل کھا رہا ہے سیر کر رہا ہے۔ آرام کی زندگی گزار رہا ہے۔ کھیت ضرورت کے لیے دنیا میں ہوتے ہیں۔ یہاں تیری ساری ضرورتیں پوری ہیں کھیت کی ضرورت نہیں پھر تو یہ مصیبت کیوں مانگتا ہے۔

۳؎ اس کی خواہش پر اُسے بیج دیئے جائیں گے وہ اسی طرح زمین جنت میں یہ بیج پھینک دے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہل بیل سے زمین نرم کرے گا وہاں بیل اور ہل نہ ہوں گے دنیا میں بعض پہاڑی علاقوں میں یوں ہی بیج پھینک دینے سے جم جاتے ہیں وہ زمین جنت ہے۔

۴؎ یعنی ان تمام کاموں میں نہ وقت لگے گا نہ اسے محنت کرنا پڑے گی۔ بیج ڈالے گا اور سامنے کھیتی کٹی ہوئی نہیں بلکہ دانہ صاف کئے ہوئے کے پہاڑ کے پہاڑ سامنے ہوں گے۔

۵؎ فرمایا نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگ جس حال میں جئیں گے۔ اس حال میں مریں گے اور جس حال میں مریں گے اسی حال میں قیامت میں اٹھیں گے یہ شخص زندگی میں کھیتی کرتا تھا۔ کرتا مرا تھا۔ وہاں بھی یہ ہی شوق وخیال رہا (مرقات) سنا ہے کہ حضرت بلال اذان کہتے ہوئے اٹھیں گے۔ عشاق رسول عشق میں سرشار جھومتے ہوئے اٹھیں گے۔ شعر

نہ ہم جنت میں جائیں گے نہ ہم دوزخ میں جائینگے
کھڑے دیکھا کریں گے حشر میں صورت محمد کی

ایسے لوگوں کی حرص جنت میں بھی نہ جائیگی (اشعہ) ۶؎ یعنی مکہ والے کچھ لوگ اور مدینہ والے عام لوگ ہی کھیتی باڑی کرتے رہا ہیں

وَاَمَّا نَحْنُ فَلَسْنَا بِاَصْحَابِ زَرْعٍ فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ❖ وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ سَاَلَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَنَامُ اَهْلُ الْجَنَّةِ قَالَ النَّوْمُ اَخُو الْمَوْتِ وَلَا يَمُوْتُ اَهْلُ الْجَنَّةِ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ بَابُ رُؤْيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ

رہے ہم تو کھیتی والے ہیں ہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے ۱؎ (بخاری) روایت ہے حضرت جابر سے فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا جنتی سویا کریں گے فرمایا نیند موت کی جنس ہے اور جنتی مریں گے نہیں ۲؎ (بیہقی شعب الایمان) اللہ تعالٰے کے دیدار کا بیان ۳؎ ۔ پہلی فصل ۔

کو یہ شوق وہاں بھی ہوگا ہم لوگ بدوی نہ کھیتی کریں نہ ہم کو یہ شوق ہو خیال رہے کہ بدوی لوگ عمومًا جانور پالتے تھے ۔

۱؎ آپ کی یہ ہنسی اس بدوی کی حاضر جوابی اور عقلمندی کی وجہ سے تھی۔ خیال رہے کہ حضور کو خوش کرنا ہنسانا بھی عبادت ہے ۔ ایک لونڈی نے حضور انور کے سامنے دف بجانے کی منت مانی تھی جیسا کہ انشاء اللہ مناقب حضرت عمر کے باب میں اس کا ذکر آوے گا۔ ۲؎ یہ جواب عالی مع دلیل کے ہے۔ حضور انور نے لا نہیں فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی تاکہ اسکی سمجھ میں آجاوے وہاں موت ۔ اونگھ ۔ غشی ۔ بیہوشی ۔ نشہ ۔ غرضکہ غفلت پیدا کرنے والی عقل خراب کرنے والی کوئی چیز نہ ہوگی۔ سرور و خوشی ہوگی مگر سرور کی مستی نہ ہوگی۔ ورنہ عشاق وہاں رب کو دیکھ کر حضور سے ملاقات کر کے جان دے دیتے۔

۳؎ دیدار الٰہی کے متعلق چند مسائل اعتقادیہ یاد رکھو ۱؎ دنیا میں بندے اللہ تعالٰی کو بصیرت یعنی نور قلبی سے دیکھتے ہیں اسے جانتے پہچانتے ہیں۔ آخرت میں اُسے بصارت یعنی نور نگاہ سے دیکھیں گے کہ وہاں بصارت میں بصیرت ہوگی ۲؎ دنیا میں آنکھوں سے خدا تعالٰی کا دیدار ممکن ہے مگر واقع نہیں اس لیے موسٰی علیہ السلام نے دیدار کی دعا کی ناممکن کی دعا ناجائز ہے نبی ناجائز کام نہیں کرتے ۔ ۳؎ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں اللہ تعالٰی کا دیدار انہیں آنکھوں سے کیا اور خوب اچھی طرح کیا۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہی ہے ۔ ۴؎ جو شخص دعویٰ ولایت کرتے ہوئے کہے کہ میں نے خدا تعالٰی کو آنکھوں سے دیکھا ہے یا دیکھتا ہوں وہ کافر ہے کہ اپنے کو وہ نبیوں سے افضل کہتا ہے۔ ۵؎ قیامت میں ہر مومن و کافر کو رب کا دیدار ہوگا۔ مومن کو رحمت کی شان میں اور کافر کو غضب و قہر کی شان میں ۶؎ قیامت کے بعد صرف مومنوں کو جنت میں دیدار الٰہی ہوا کرے گا۔ کفار کو دوزخ میں نہ ہوگا انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون ۷؎ حق یہ ہے

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ عِيَانًا وَفِيْ رِوَايَةٍ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَظَرَ اِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ

روایت ہے حضرت جریر ابن عبداللہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے رب کو ظاہر ظہور دیکھو گے[1] اور ایک روایت میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ حضور انور نے چودھویں شب میں چاند کو دیکھا[2]

کہ جنت میں ہر مومن کو دیدار الٰہی ہوا کرے گا۔خواہ مرد ہوں یا جنتی عورتیں۔عورتوں کے متعلق اختلاف ہے مگر حق یہ ہی ہے کہ انہیں بھی دیدار ہوگا۔ دنیا میں خواب میں دیدار الٰہی ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے ہمارے امام اعظم نے ایک سو بار رب کو خواب میں دیکھا امام احمد ابن حنبل نے خواب میں دیکھا پوچھا الٰہی کونسی عبادت افضل ہے فرمایا۔تلاوت قرآن۔دوسری بار پھر دیکھا پوچھا الٰہی معنی سمجھ کر تلاوت افضل ہے یا بغیر سمجھے بھی فرمایا ہر طرح افضل ہے۔(اشعۃ اللمعات)

[1] یہ حدیث عامۃ المسلمین کی دلیل ہے کہ مومن رب تعالٰی کو محشر میں بھی آنکھوں سے دیکھیں گے اور جنت میں بھی دیکھا کریں گے خوارج اور معتزلہ اس کے منکر ہیں یہ حدیث ان کی سخت تردید کر رہی ہے۔اس پر سوالات وجوابات علم کلام کی کتب میں تفصیل وار مذکور ہیں۔خیال رہے کہ یہ دیدار بغیر کسی جہت و سمت کے ہوگا کیونکہ اللہ تعالٰی جہت و سمت سے پاک ہے

[2] یعنی رحمان کے چاند نے آسمان کے چاند کو دیکھا ڈوبنے والے گھٹنے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو نہ غروب ہو نہ گھٹے ظاہر کے چمکانے والے چاند کو اس چاند نے دیکھا جو دل و جان روح و ایمان کو چمکاتا ہے رات میں چمکنے والے چاند کو اس چاند نے دیکھا۔جو ابدالآباد تک ہر وقت دن رات چمکتا ہے۔اور چمکے گا میں کیا کہوں مجھے الفاظ بھی نہیں ملتے۔اللھم صل وسلم وبارک علی بدر النبوۃ وشمس الرسالۃ صلی اللہ علیہ وسلم یوں کہو کہ اس چاند کو جو سورج سے چمکتا ہے اس چاند نے دیکھا جو سورج کو چمکاتا ہے۔جو دلوں پر دن نکال دیتا ہے۔شعر

یا شمس نظرت الی لیلی جو بطیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھل جھل جگ میں رچی موری شب نے نہ دن ہونا جانا

چاند بھی خوش نصیب ہے۔جسے محبوب نے دیکھا یہ چاند وہی ہے
جس پر حضور کی نگاہیں پڑیں

ہیں۔

فَقَالَ اِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هٰذَا الْقَمَرَ لَا تُضَامُّوْنَ فِيْ رُؤْيَتِهٖ فَاِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ لَّا تُغْلَبُوْا عَلٰى صَلٰوةٍ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا فَافْعَلُوْا ثُمَّ قَرَأَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ٭ وَعَنْ صُهَيْبٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ

پھر فرمایا کہ تم اپنے رب کو ایسے دیکھو گے جیسے چاند کو دیکھ رہے ہو تم اس کے دیکھنے میں شک نہیں کرتے ۱؎ تو اگر تم یہ کر سکو کہ سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے والی پہلی والی نماز پر مغلوب نہ ہو تو کرو ۲؎ پھر حضور نے یہ قرات کی سورج نکلنے سے پہلے اور سورج ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی تسبیح کرو اس کے حمد کے ساتھ ۳؎ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت صہیب سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں داخل ہوجائیں گے۔

۱؎ لاتضامون یا تو بنا ہے ضیم سے بمعنی ظلم و نقصان تو میم پر پیش ہے شد نہیں یا بنا ہے ضم سے بمعنی ملنا بھیڑ کرنا تب میم پر شد اور پیش ہے یعنی تم دیدار الٰہی میں نقصان میں نہ رہو گے کہ کسی کو دیدار ہو کسی کو نہ ہو کسی کو یقین سے ہو کسی کو مشکوک طریقہ سے یا تم رب تعالٰی کو بھیڑ کرکے دشواری سے نہ دیکھو گے بلکہ آرام سے دیکھو گے۔ اطمینان کے ساتھ (اشعہ۔ مرقات) یہ دیدار قیامت میں تو ہو گا ہی جنت میں ہمیشہ ہوا کرے گا۔کسی کو جلد جلد کسی کو دیر سے۔

۲؎ خیال رہے کہ جنت کی ساری نعمتیں نیک اعمال کا عوض ہوں گی۔ خواہ اپنے اعمال کا خواہ اس کے اعمال کا جس کی طفیل جنت میں گیا۔ مگر دیدار الٰہی کسی عمل کا عوض نہ ہوگا خاص عطاء ذوالجلال ہوگی۔ان دو نمازوں پر پابندی اس دیدار کی لیاقت و قابلیت پیدا کرے گی۔ یعنی فجر و عصر کی پابندی دنیا میں نماز ایسے پڑھو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو کیونکہ یہاں حجاب ہے، وہاں حجاب اٹھ جائے گا گو یا ختم ہوجاوے گی۔ اُسے دیکھ کر اس سے کلام کرو گے۔(اشعہ)

۳؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں تسبیح و تحمید سے مراد نماز ہے۔ فجر سے مراد ہے۔ چونکہ فجر و عصر کی نمازیں رات و دن کے محافظ فرشتے جمع ہوجاتے ہیں۔ نیز فجر کی نماز سونے کی غفلت کا وقت ہے اور نماز عصر کاروبار سیر و تفریح کی غفلت کا وقت ان وجوہ سے ان نمازوں کی تاکید زیادہ کی ہے رب فرماتا ہے۔ ان قرآن الفجر کان مشہودا نماز عصر کے متعلق فرماتا ہے۔ حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطی

الْجَنَّةَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا اَزِيْدُكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ اَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا اَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ قَالَ فَيَرْفَعُ الْحِجَابُ فَيَنْظُرُوْنَ اِلٰى وَجْهِ اللّٰهِ فَمَا اُعْطُوْا شَيْئًا اَحَبَّ اِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ اِلٰى رَبِّهِمْ ثُمَّ تَلَا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ ۞ عَنِ ابْنِ

تو اللہ تعالٰی فرمائیگا کیا تم وہ چیز چاہتے ہو جو میں تم کو زیادہ دوں[1] وہ عرض کریں گے کیا تو نے ہمارے منہ اوجیالے نہ کردیئے کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کردیا اور ہم کو آگ سے نجات نہ دے دی[2] فرمایا کہ رب حجاب اٹھادے گا[3] پھر رب کی ذات کے نظارے کریںگے تو انہیں کوئی چیز رب کے دیدار سے زیادہ پیاری نہ دی گئی[4] پھر حضور نے یہ تلاوت کی نیک کاروں کے لیئے اچھی چیز ہے اور زیادتی ہے[5] (مسلم) دوسری فصل روایت ہے حضرت

[1] یعنی ان نعمتوں کے علاوہ اور نعمت دوں یا تمہارے اعمال کی جزا سے زیادہ عطا کروں جو تمہارے کسی عمل کا بدلہ نہ ہو خاص میری عطا ہو یا تم کو وہ نعمت دوں جوان سب سے زیادہ ہو سب سے افضل و اعلیٰ ہو۔ازید کی تین شرحیں ہیں۔

[2] یعنی اے مولیٰ ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان نعمتوں سے زیادہ ان سے بڑھ کر اور کون سی نعمت ہوگی تو نے ہمارا منہ اجیالا کیا تو نے ہم کو نعمتوں کے مرکز جنت میں داخل فرمایا جہاں ہر قسم کی راحتیں ہیں تو نے ہمیں دوزخ سے بچایا تیرے نام پر ہماری جانیں فدا۔اعلیٰحضرت نے فرمایا شعر

جملہ عالم بندۂ اکرام تو صد چو جان من فدائے نام تو

[3] وہ حجاب اٹھادے گا جو طالب و مطلوب کے درمیان آڑ تھا اور وہ حجاب باقی رکھا جاوے گا جو دیدار کا ذریعہ ہے جیسے رداء کبریائی کہتے ہیں جیسے سورج پر ہلکے پتلے بادل کا حجاب جو سورج کو دکھا دیتا ہے اگر یہ حجاب نہ ہو تو سورج پر نظر نہیں ٹھہرتی۔

[4] دیدار یار کی بہار یا تو مصری عورتوں سے پوچھو جنہوں نے جمال یوسفی کی ایک جھلک سے مست ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے یا جناب ابوبکر صدیق سے پوچھو جو جمال محمدی سے مست ہو کر اپنا سب کچھ فدا کر بیٹھے آج مخلوق کے حسن پر گردنیں کٹ جاتی ہیں تو خالق کا حسن کیسا ہوگا۔

[5] معلوم ہوا کہ زیادہ سے مراد دیدار الٰہی ہے زیادہ کی تین شرحیں ابھی پچھلی حدیث میں عرض کی گئیں یہ نعمت سب سے زیادہ ہے بقیہ نعمتوں میں عدل کا ظہور ہے،اس میں فضل کی جلوہ گری اس پوری حدیث کی شرح میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ صفات ذات کا پردہ بھی ہیں،اور ذات کو دکھانے والی بھی یہاں جسم کو رنگ کے پردہ میں دیکھا جاتا ہے۔اگر رنگ نہ ہو تو جسم نظر نہ آوے اللہ تعالٰی عزت کا حجاب تو

عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَدْنٰی اَھْلِ الْجَنَّۃِ مَنْزِلَۃً لَمَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی جِنَانِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ نَعِیْمِہٖ وَخَدَمِہٖ وَسُرُرِہٖ مَسِیْرَۃَ اَلْفِ سَنَۃٍ وَاَکْرَمُھُمْ عَلَی اللّٰہِ مَنْ یَّنْظُرُ اِلٰی وَجْھِہٖ غُدْوَۃً وَعَشِیَّۃً ثُمَّ قَرَأَ وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِیُّ وَ عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَکُلُّنَا

ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتیوں میں ادنیٰ درجے والا وہ ہوگا جو اپنے باغ اپنی بیویوں اپنی نعمتوں اپنے خدام کو اور اپنے تختوں کو ایک ہزار سال کے پھیلاوے میں دیکھے گا[1] اور اللہ کے نزدیک بڑی عزت والا ہوگا وہ جو صبح شام اس کی ذات کے نظارے[2] کرے[3] پھر تلاوت فرمائی بعض چہرے اس دن تروتازہ ہونگے اپنے رب کو دیکھنے والے (احمد، ترمذی) روایت ہے حضرت ابو رزین عقیلی سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا قیامت کے

اٹھاوے گا مگر صفات کی چلمن میں ذات کا دیدار کرائے گا (اشعہ) دنیا میں رب نے ہم کو اپنا دیدار کرایا مگر رخسار یار میں یعنی جمال محمدی میں وہ بے صورت اسی صورت میں نظر آتا ہے۔ حضرت اعلیٰ فاضل گولڑوی نے فرمایا

شعر

ایہہ صورت ہے بے صورت دی بے صورت ظاہر صورت تھیں

پر کام نہیں بے سوجھت دا کوئی ورلیاں موتی لے تریاں

[1] یعنی ادنیٰ جنتی کا اپنا رقبہ اور اس رقبہ میں اپنا سامان پھیلا ہوا اتنا وسیع ہوگا کہ اس کنارہ سے اس کنارہ تک انسان ایک ہزار سال میں پہنچے یہ تو ادنیٰ درجے کے جنتی کا رقبہ ہے تو سوچو کہ اعلیٰ درجے کا جنتی کا رقبہ کتنا ہوگا۔ پھر غور کرو کہ جنت کیسی وسیع ہے۔

[2] جنتیوں کو رب کا دیدار حسب مراتب ہوگا کسی کو ہفتہ میں ایک بار کسی کو روزانہ دو بار کسی کو ہر وقت جیسے دنیا میں بعض لوگ ہر وقت عشق الٰہی میں محو رہتے ہیں۔ بعض کبھی کبھی۔

[3] یہاں وجوہ سے مراد ذات ہیں اور ناظرہ سے مراد وہ تروتازگی ہے جو مومنوں پر نمودار ہوگی جب تک مومن رب کو دیکھیں گے کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گے۔

يَرٰى رَبَّهٗ مُخْلِيًا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قَالَ بَلٰى قُلْتُ وَمَا اٰيَةُ ذٰلِكَ فِىْ خَلْقِهٖ قَالَ يَا اَبَا رَزِيْنٍ اَلَيْسَ كُلُّكُمْ يَرَى الْقَمَرَ لَيْلَةَ الْبَدْرِ مُخْلِيًا بِهٖ قَالَ بَلٰى قَالَ فَاِنَّمَا هُوَ خَلْقٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَجَلُّ وَاَعْظَمُ رَوَاهُ اَبُوْ دَاؤُد

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰى اَرَاهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ

دن سب اپنے رب کو خلوت میں دیکھیں گے لہ فرمایا ہاں میں نے عرض کیا اللہ مخلوق میں اس کی نشان کیا ہے فرمایا اے ابورزین کیا تم سب چودھویں شب میں چاند کو خلوت میں نہیں دیکھتے۔ عرض کیا ہاں ۲ فرمایا یہ تو اللہ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اللہ تو بہت جلالت وعظمت والا۔ ہے ۳ (ابوداؤد)

تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنے رب کو دیکھا۔ فرمایا میں نے اسے دیکھا ہے نور والا ہے ۴ (مسلم)

لہ ظاہر یہ ہے کہ قیامت کے دن سے مراد وہی فیصلہ کا دن ہے کہ اس دن مسلمان رب تعالٰی کو بہ یک وقت دیکھیں گے مگر ہر ایک کو رب سے خلوت بھی ہوگی اور ہو سکتا ہے کہ یوم قیامت سے مراد جنت ہو جس کا فیصلہ قیامت میں ہوگا سوال کا مقصد یہ ہے کہ خلوت اور جلوت دو ضدیں ہیں بہ یک وقت دونوں جمع کیسے ہوں گی سبحان اللہ نہایت ہی قوی سوال ہے جس میں منطق کی جان موجود ہے۔

۲ سبحان اللہ ایک مثال میں مسئلہ حل کر دیا کہ بدر کو تمام دنیا اپنے اپنے گھر میں اکیلے بیٹھ کر دیکھے تو وہاں بندے کے خلوت ہے اور چاند کی طرف سے جلوت خلوت جلوت جمع ہیں مگر دو طرف سے بندے کی طرف سے خلوت ہوگی رب کی طرف سے جلوت شعر

جو نکتہ وروں سے حل نہ ہوئے اور فلسفیوں سے کھل نہ سکے ۔ وہ بھید اک کملی والے نے سمجھا دیئے چند اشاروں میں

۳ اس سے معلوم ہوا کہ خالق کے صفات کو مخلوقات کے ذریعہ سمجھانا جائز ہے محض تمثیل ہے تشبیہ نہیں رب تعالٰی فرماتا ہے لیس کمثلہ شیء وہاں تشبیہ کی نفی ہے لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

۴ اس عبارت کی دو قرأتیں ہیں ایک تو نورٌ کی تنوین سے اور انّٰی حرف استفہام بمعنی کیف اور معنی یہ ہیں کہ رب تعالٰی عظیم الشان نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں اس نور سے نگاہ خیرہ ہو جاتی ہے اس صورت میں یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے جو دیدار کے منکر ہیں اور دوسری قرأت ہے نورانی جیسے ربانی اور راہ بمعنی ماضی ہے یعنی میں نے اسے دیکھا ہے

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى قَالَ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ مَرَّتَيْنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَفِىْ رِوَايَةٍ

روایت ہے حضرت ابن عباس سے دل نے وہ نہیں جھٹلایا جو دیکھا اور بے شک اس کو دوسری بار دیکھا فرمایا حضور نے رب کو اپنے دل سے دو بار دیکھا (مسلم) اور ترمذی کی روایت

یوں ایسا دیکھا ہے گویا اب بھی دیکھ رہا ہوں وہ نورانی ہے فقیر کے نزدیک پہلی قرأت بھی دیدار الٰہی کی نفی کرتی وہ صاحب سوال کر رہے تھے دنیا میں یعنی اس زمین پر رہتے ہوئے رب کے دیدار کے متعلق یا رسول اللہ کیا آپ نے مدینہ میں رہتے ہوئے کبھی ان آنکھوں سے خدا کو دیکھا ہے۔ فرمایا وہ نور عظیم ہے میں ان آنکھوں سے اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں یہ آنکھیں اس کے نور کی تاب نہیں لاتیں۔ حضور نے رب کا دیدار کیا ہے معراج کی رات اس وقت آنکھ بھی دوسری تھی عالم ہی دوسرا تھا۔ معراج کی رات کا دیدار تو قرآن کریم سے ثابت ہے جیسا کہ آگے بیان ہوگا ان شاء اللہ۔

لے یہ سورۂ نجم شریف کی آیت ہے جس میں معراج میں دیدار الٰہی کا اعلیٰ درجہ کا ثبوت ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ حضور نے رب کو آنکھوں سے دیکھا اور دل نے اس دیکھنے کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس کی تصدیق کی دیکھا آنکھ نے تصدیق کی دل نے دل کی مدد سے آنکھ نے دیکھا اگر دل آنکھ کو جھٹلا دے تو دل سچا ہوتا ہے آنکھ جھوٹی چلتی ریل میں آنکھ دیکھتی ہے کہ سامنے کے درخت بھاگ رہے ہیں مگر دل کہتا ہے کہ نہیں بلکہ ریل بھاگ رہی ہے آنکھ جھوٹی ہوتی ہے دل سچا آیت میں فرمایا گیا کہ آنکھ نے رب کو دیکھا دل نے آنکھ کی تصدیق کی تصدیق کرنے والا دیکھنے والے کا غیر ہوتا ہے۔

کے اس فرمان میں ابن عباس کا مطلب یہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے معراج کی شب رب کو آنکھ سے دیکھا مگر دل کی مدد سے دیکھا اس طرح کہ دیدار کے وقت دل ہوش میں رہا آنکھ کی تائید کرتا رہا جناب کلیم اللہ کی طرح دل پر غشی طاری نہ ہوگئی مرتین کے معنی ہیں بار بار جیسے رب فرماتا ہے فارجع البصر کرتین۔ یعنی حضور رب کی بارگاہ میں معراج کی رات بار بار حاضر ہوتے رہے اسے دیکھتے رہے ایک بار تو ملاقات اول کے وقت اور نو بار نمازیں کم کرانے کے لیے حضرت ابن عباس کا مذہب یہ ہے کہ حضور انور نے رب کو آنکھوں دیکھا معراج میں۔ شیخ نے مدارج میں فرمایا کہ اس رات یا تو آنکھ دل میں تھی یا دل آنکھ میں لہذا چاہے یوں کہو کہ آنکھ سے دیکھا یا یوں کہو کہ دل سے دیکھا مطلب ایک ہی ہے۔ (اشعہ) قریبًا سارے صحابہ کا یہی قول ہے کہ حضور انور نے اللہ تعالٰے کو دیکھا سوا حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت انس کے وہ فرماتے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا۔

التِّرْمِذِیُّ قَالَ رَآی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ قَالَ عِكْرِمَةُ قُلْتُ اَلَيْسَ اللّٰهُ يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ قَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ اِذَا تَجَلّٰی بِنُوْرِهِ الَّذِیْ هُوَ نُوْرُهٗ وَقَدْ رَآی رَبَّهٗ مَرَّتَيْنِ، وَعَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ لَقِيَ ابْنُ عَبَّاسٍ كَعْبًا بِعَرَفَةَ فَسَأَلَهٗ عَنْ شَيْءٍ فَكَبَّرَ حَتّٰی جَاوَبَتْهُ الْجِبَالُ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ

میں ہے فرمایا حضور محمد نے اپنے رب کو دیکھا[1] عکرمہ فرماتے ہیں میں نے کہا کیا اللہ تعالٰی یہ نہیں کہتا کہ اسے آنکھیں نہیں پاسکتی اور وہ آنکھوں کو پاتا ہے[2] فرمایا تم پر افسوس ہے یہ جب ہے جب رب اپنے خاص نور سے تجلی فرمائے جو اس کا ذاتی نور ہے[3] اور حضور نے یقینًا اپنے رب کو دو بار دیکھا۔ روایت ہے حضرت شعبی سے فرماتے ہیں حضرت ابن عباس کعب سے عرفہ میں ملے تو ان سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے تکبیر کہی حتی کہ پہاڑ گونج گئے[4] تب حضرت ابن عباس نے فرمایا

[1] یعنی ترمذی کی روایت میں یہ تو وہ نہیں کہ دل سے دیکھا بلکہ یہ ہے کہ اپنے رب کو دیکھا یعنی آنکھ سے دیکھا اسی لیے حضرت عکرمہ نے وہ سوال کیا جو آگے آرہا ہے۔

[2] یعنی اے صحابی رسول اور اہل بیت نبی آپ تو کہتے ہیں کہ حضور انور نے رب تعالٰی کو آنکھوں سے دیکھا مگر قرآن کریم یہ فرماتا ہے آپ کا کلام قرآن مجید کے خلاف معلوم ہوتا ہے خیال رہے کہ حضرت عکرمہ نے رویت بصر اور ادراک بصر میں فرق نہیں کیا آنکھ کا دیکھنا اور ہے آنکھ کا پانا یعنی اسے احاطہ کرنا گھیرنا کچھ اور ہم سمندر، زمین، آسمان کو دیکھتے تو ہیں مگر ان کا احاطہ نہیں کرسکتے کہ یہ چیزیں کل اتنی لمبی چوڑی ہیں حضور کی آنکھوں نے رب تعالٰی کا دیدار کیا اس کا احاطہ نہیں کیا جنتی مومن رب کا دیدار کریں گے اس کا احاطہ نہیں کریں گے یا الابصار سے مراد دنیا کی آنکھ ہے یا اس سے مراد کفار کی آنکھیں ہیں غرضکہ اس آیت کے بہت معنی کیے گئے ہیں۔

[3] یعنی لوگ خدا تعالٰی کو جب دیکھ سکتے ہیں جب وہ اپنی تجلی ان کی برداشت کے قابل فرمادے اگر اپنی ذاتی تجلی فرمادے جیسا وہ ہے ویسا ظاہر ہو تو لوگ کیا اور چیزیں بھی فنا ہوجاویں۔ خیال رہے کہ یہ گفتگو مومنین کے دیدار کے متعلق ہے حضور انور نے تو عین ذات دیکھی جیسا رب ہے ویسا دیکھا اگر وہ تجلی خدا ہے تو یہ دیدۂ مصطفٰے ہے صلی اللہ علیہ وسلم وہ سب کچھ جھیل سکتی ہے۔

[4] یعنی نویں ذی الحجہ حج کے دن حضرت عبداللہ ابن عباس کی ملاقات جناب کعب احبار سے ہوئی حضرت ابن عباس نے کعب سے رب تعالٰی کے دیدار کے متعلق پوچھا تو حضرت کعب نے اس سوال پر اتنی بلند آواز سے اللہ اکبر کہا کہ پہاڑ گونج گئے کعب نے یہ سوال بڑا ہی اہم سمجھا۔

اِنَّا بَنُوْهَاشِمٍ فَقَالَ كَعْبٌ اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ رُؤْيَتَهٗ وَكَلَامَهٗ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَّمُوْسٰى فَكَلَّمَ مُوْسٰى مَرَّتَيْنِ وَرَاٰهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَيْنِ قَالَ مَسْرُوْقٌ فَدَخَلْتُ عَلٰى عَائِشَةَ فَقُلْتُ هَلْ رَاٰى مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ فَقَالَتْ لَقَدْ تَكَلَّمْتَ بِشَيْءٍ قَفَّ لَهٗ

ہم بنی ہاشم ہیں ۱؎ تب حضرت کعب نے فرمایا کہ اللہ نے اپنا دیدار اور اپنا کلام محمد مصطفٰی اور موسٰی علیہ السلام کے درمیان تقسیم فرمادیا تو موسٰی علیہ السلام سے دو بار کلام کیا ۲؎ اور محمد مصطفٰی نے رب کو دو بار دیکھا ۳؎ مسروق کہتے ہیں کہ پھر میں حضرت عائشہ کے پاس گیا میں نے عرض کیا حضور نے اپنے رب کو دیکھا ۴؎ آپ بولیں تم نے ایسی بات کہی جس سے میرے رونگٹے

۱؎ یعنی ہم اہل بیت نبوت میں ہم کوئی غلط یا ناممکن بات نہیں پوچھتے۔نیز امت پر ہمارا احترام ضروری ہے اے کعب تم صرف تکبیر پر نہ ٹالو بلکہ جواب دو یا یہ کہ تم ہم سے جو چاہو پوچھو ان شاءاللہ ہم جواب دیں گے۔خیال رہے کہ حضرت کعب احبار تابعی ہیں پہلے یہود کے بڑے عالم تھے توریت شریف کے ماہر ہیں۔حضرت ابن عباس نے یہ سوال ان سے اس لیے کیا تاکہ بذریعہ توریت ان سے تائید کرائیں۔

۲؎ موسٰی علیہ السلام نے ایک بار وادی ایمن میں رب سے کلام کیا عطاء نبوت کے وقت اور دوسری بار کوہ طور پر حضرت احبار نے یہ توریت شریف سے نقل کرکے بتایا(اشعہ)معلوم ہوا کہ حضور کے دیدار الٰہی کا ذکر توریت شریف میں بھی تھا۔خیال رہے کہ مرتین سے شخصی بار مراد نہیں بلکہ نوعی بار مراد ہے کیونکہ موسٰی علیہ السلام نے طور پر رب سے بارہا کلام کیا مگر یہ کلام تھا ایک ہی نوعیت کا اور وادی ایمن میں عطاء نبوت کے وقت کلام کیا وہ دوسری نوعیت کا تھا۔

۳؎ یعنی دنیا میں رب سے بلاواسطہ کلام کرنا موسٰی علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے اور معراج میں رب تعالٰی کو آنکھوں سے دیکھنا حضور کی خصوصی صفت ہے ورنہ حضور نے معراج میں رب تعالٰی کا دیدار بھی بار بار کیا اس سے کلام بھی بار بار کیا فاوحی الی عبدہ مااوحی

۴؎ غالبًا حضرت مسروق وہاں موجود تھے۔جہاں حضرت ابن عباس اور کعب احبار کی مذکورہ گفتگو ہوئی جس میں یہ ثابت کیا گیا کہ حضور انور نے رب کو دیکھا آپ نے اس کی تصدیق حضرت عائشہ صدیقہ سے کرانی چاہی اس لیے یہ سوال کیا۔مسروق تابعی ہیں امام شعبی کے استاذ۔

شَعْرِیْ قُلْتُ رُوَیْدًا ثُمَّ قَرَأْتُ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی فَقَالَتْ اَیْنَ تَذْهَبُ بِكَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرِیْلُ مَنْ اَخْبَرَكَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ اَوْكَتَمَ شَیْئًا مِّمَّا اُمِرَ بِهٖ اَوْ یَعْلَمُ الْخَمْسَ الَّتِیْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَ

کھڑے ہوگئے۔ میں نے عرض کیا پھر میں نے یہ آیت پڑھی کہ حضور نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں تو آپ بولیں خیالات تمہیں کہاں لیے پھرتے ہیں وہ تو حضرت جبریل ہیں جو تمہیں خبر دے کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا یا جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا اس میں سے کچھ چھپایا یا حضور ان پانچ باتوں کو جانتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ ہی کے پاس ہے قیامت کا علم اور

۵؎ یعنی تمہارے اس سوال سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے بھلا حضور رب تعالےٰ کو کیسے دیکھ سکتے ہیں خیال رہے کہ جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ جسمانی معراج کا انکار فرماتی ہیں پھر وہ دیدار الٰہی حضور کے لیے کیسے مان سکتی ہیں یہ دیدار تو معراج کا ایک حصہ ہے یہ دونوں انکار ان کے اجتہاد سے ہیں انہیں دیدار اور معراج کی روایات نہیں پہنچیں یہ واقعات تو آپ کے حضور کی زوجیت میں آنے سے پہلے کے ہیں۔ اس لیے آپ نے کوئی حدیث اس پر پیش نہیں کی صرف اپنا اجتہاد بیان فرمایا۔

۶؎ یعنی میں نے سورہ والنجم کی وہ آیات پیش کیں جن میں یہ ہے ولقد راٰہ نزلۃ اخرٰی صرف یہ آیت پیش نہ فرمائی صرف اس آیت سے ان کا منشا پورا نہ ہوتا کہ یہاں آیات رب دیکھنے کا ذکر ہے نہ کہ رب کو دیکھنے کا (مرقات)

۷؎ سورۂ النجم کی یہ آیات یہی بتارہی ہیں کہ یہاں حضرت جبریل مراد نہیں رب تعالےٰ کا دیدار ہی مراد ہوسکتا ہے کہ آیت اولیٰ یہ ہے علمہ شدید القوی۔ اس شدید القوی سے مراد اللہ تعالےٰ ہے کہ اس نے حضور کو قرآن سکھایا نہ کہ جبریل علیہ السلام نے۔ الرحمٰن علم القرآن۔ آگے ہے فاوحی الی عبدہ ما اوحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں نہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے جب کہ عبدہٗ کی ضمیر رب کی طرف ہے تو ساری ضمیریں اس کی طرف ہیں ثم دنی۔ فتدلیٰ سے لے کر ولقد راٰہ نزلۃ اخریٰ تک کی ساری ضمیریں شدید القوی کی طرف ہیں یعنی رب کی طرف اس آیت سے جسمانی معراج اور رب کا دیدار دونوں ہی ثابت ہیں ام المومنین نے ادھر توجہ نہ فرمائی اس لیے صحابہ نے آپ کی یہ تفسیر قبول نہ کی۔

۸؎ یعنی حضور انور نے تبلیغی شرعی احکام میں سے کوئی حکم کسی سے نہ چھپایا سب پہنچا دیئے اسی لیے مما امر بہ فرماتی ہیں رہے رموز و اسرار وہ اغیار سے ضرور چھپائے متشابہات کی تفسیر نہ بتائی۔ حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور انور سے ایک برتن علم کا وہ ملا ہے کہ اگر میں ظاہر کروں تو میری گردن ماردی جائے۔

يُنَزِّلُ الْغَيْثَ فَقَدْ أَعْظَمَ الْفِرْيَةَ وَلٰكِنَّهُ رَاٰى جِبْرِيْلَ لَمْ يَرَهُ فِىْ صُوْرَتِهٖ اِلَّا مَرَّتَيْنِ مَرَّةً عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَمَرَّةً فِىْ اَجْيَادٍ لَهٗ سِتُّمِائَةِ جَنَاحٍ قَدْ سَدَّ الْاُفُقَ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ وَرَوَى الشَّيْخَانِ مَعَ زِيَادَةٍ وَاخْتِلَافٍ وَفِىْ رِوَايَتِهِمَا قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ فَاَيْنَ قَوْلُهٗ ثُمَّ دَنٰى فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى قَالَتْ ذَاكَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَاْتِيْهِ فِىْ صُوْرَةِ الرَّجُلِ وَاِنَّهٗ اَتَاهُ هٰذِهِ الْمَرَّةَ فِىْ

آتارتا ہے بارش تو اس نے بڑا بہتان باندھا لیکن آپ نے حضرت جبریل کو دیکھا ان کی اصلی صورت کبھی نہ دیکھی سوا دو بار کے ایک بار سدرۃ المنتہٰی کے پاس اور دوسری بار محلہ اجیاد میں ان کے چھ سو پر تھے جنہوں کے کنارہ نے آسمان بند کردیئے تھے (ترمذی)، اور مسلم بخاری نے کچھ زیادتی اور کچھ اختلاف کے ساتھ روایت کی۔ ان دونوں کی روایت میں ہے فرمایا میں نے حضرت عائشہ سے عرض کیا تو رب کا یہ قول کہاں پھر قریب ہوا پھر تو دو کمانوں کی بلکہ اس سے بھی قریب تر آپ بولیں یہ جبریل علیہ السلام ہیں جو حضور کے پاس مرد کی صورت میں آتے تھے اور اس دفعہ آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں

لہ یعنی حضور انور یہ پانچ چیزیں بغیر تعلیم الٰہی نہیں جانتے ہاں اللہ تعالٰی کی تعلیم سے جانتے ہیں چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور سے پوچھا کہ ہم ازواج میں سے پہلے حضور سے کون ملے گا یعنی کس کی وفات پہلے ہوگی فرمایا لمبے ہاتھ والی یعنی حضرت زینب انہیں ام المومنین نے پوچھا یارسول اللہ کس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہیں فرمایا عمر فاروق کی حضور نے جنگ بدر سے پہلے خطوط کھینچ کر بتادیا کہ کل فلاں کافر یہاں مارا جائے گا فلاں کافر یہاں۔ لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

لہ اجیاد مکہ مکرمہ کا مشہور محلہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی جبریل امین کو دوبار ان کی اصلی شکل میں دیکھا اس پر تمام امت کا اتفاق ہے مگر گفتگو اس میں ہے کہ سورہ والنجم میں یہی دیدار جبریل مراد ہے یا دیدار الٰہی جمہور صحابہ اور عام مسلمانوں کا قول یہ ہے اس آیت میں دیدار الٰہی مراد ہے نہ کہ دیدار جبریل علیہ السلام۔

لہ حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں آتے تھے حضرت دحیہ کلبی بڑے ہی خوبصورت تھے جناب جبریل انہیں کی شکل اختیار کرتے تھے۔

مُوْرَتِہِ الَّتِیْ ہِیَ صُوْرَتُہٗ فَسَدَّ الْاُفُقَ • وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِیْ قَوْلِہٖ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی وَفِیْ قَوْلِہٖ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی وَفِیْ قَوْلِہٖ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْکُبْرٰی قَالَ فِیْہَا کُلِّہَا رَاٰی جِبْرَئِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ لَہٗ سِتُّمِائَۃِ جَنَاحٍ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃِ التِّرْمِذِیِّ قَالَ مَا کَذَبَ

میں آئے جوان کی اپنی صورت ہے تو کنارہ آسمان بھر دے لہ روایت ہے حضرت ابن مسعود سے رب کے اس فرمان کے بارے میں تو ہوا دو کمانوں کے فاصلہ پا اور زیادہ قریب ۲ اور رب کے اس فرمان کے بارے میں کہ نہیں جھٹلایا دل نے جو دیکھا اور رب کے اس قول کے بارے میں کہ بیشک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں فرمایا ان سب میں حضور نے حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا جن کے چھ سو بازو تھے ۳ (مسلم بخاری) اور ترمذی کی روایت میں ہے فرمایا دل نے نہ جھٹلایا

لہ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ام المومنین حضور کے دیدار الٰہی کا انکار فرماتی ہیں کیونکہ آپ جسمانی معراج کی قائل نہیں بعض صحابہ نے دل سے دیدار مانا ہے مگر عام صحابہ اور سارے بعد کے مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور انور نے رب کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اسی طرح کہ دل ہوش میں رہا اور ایسا ٹکٹکی باندھ کر دیکھا کہ پلک بھی نہ ماری۔ مازاغ البصر وما طغیٰ الحمدللہ کہ فقیر بینوا بندۂ گنہگار احمد یار نے دیدار کا مضمون آخر ماہ رمضان مبارک ۱۳۸۷ھ میں لکھا اللہ تعالٰی اسے قبول فرمائے اور اس گنہگار کو اپنے اور اپنے محبوب کے دیدار سے سرشار فرمادے کہ ہم فقیروں کی یہ معراج ہے۔ شعر

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

۲ قاب قوسین کے متعلق صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دو کمانیں مل کر دائرہ بن جاتا ہے جس کے بیچ میں مرکز ہوتا ہے جب کسی سے معانقہ کیا جائے گلے لگایا جائے تو دونوں ہاتھوں کا دائرہ اس کی پیٹھ پر بناتے ہیں، اور اسے گلے لگاتے ہیں مصافحہ میں قدرے دور کی ملاقات ہوتی ہے مگر معانقہ میں اتصال کی ملاقات نور الٰہی رحمت الٰہی نے اس رات اپنے محبوب کو اپنی آغوش میں اس طرح لیا کہ رحمت خداوندی دائرہ تھی اور محبوب اس کا مرکز کہ ہر طرف رب کی رحمت اس کا نور بیچ میں حضور مصطفٰے کا ظہور صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۳ یعنی ان آیات میں ساری ضمیریں حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف ہیں وہ حضور سے قریب ہوئے انہیں حضور نے دیکھا وہ ہی دو کمانوں کے برابر ہوئے لیکن اس تفسیر میں مشکل یہ ہوگی کہ ان آیات میں ایک آیت ہے فاوحی الی عبدہ ما اوحی عبدہ کی ضمیر حضور کی طرف نہیں لوٹ سکتی کیونکہ حضور انور اللہ کے بندے ہیں نہ کہ جبریل علیہ السلام کے وہ آیت بتارہی ہے کہ یہ ساری ضمیریں اللہ تعالٰی کی طرف ہیں جیسے علمہ شدید القوی میں بیان فرمایا ہم ابھی کچھ پہلے اس کی تحقیق کرچکے ہیں

الْفُؤَادُ مَا رَاٰی قَالَ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جِبْرَئِیْلَ فِیْ حُلَّةٍ مِنْ رَفْرَفٍ قَدْ مَلَأَ مَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلَهٗ وَلِلْبُخَارِیِّ فِیْ قَوْلِهٖ لَقَدْ رَاٰی فِیْ حُلَّةٍ مِنْ رَفْرَفٍ قَدْ مَلَأَ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلَهٗ لِلْبُخَارِیِّ فِیْ قَوْلِهٖ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی قَالَ رَاٰی رَفْرَفًا اَخْضَرَ سَدَّ اُفُقَ السَّمَآءِ وَسُئِلَ مَالِكُ بْنَ اَنَسٍ عَنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِلٰی رَبِّهَا

جو دیکھا فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو باریک ریشم کے جوڑے میں دیکھا کہ انہوں نے آسمان وزمین کو بھر دیا تھا ۱؎ اور ترمذی و بخاری کی روایت میں ہے رب کے اس فرمان کے متعلق بیشک ریشمی جوڑے میں دیکھا کہ انہوں نے آسمان وزمین کے درمیان کو بھر دیا تھا اور بخاری کی روایت میں اس آیت کے متعلق ہے کہ بیشک اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ فرمایا آپ نے باریک سبز ریشم دیکھا جس نے آسمان کا کنارہ بھر دیا تھا ۲؎ اور حضرت مالک ابن انس سے باری تعالٰی کے قول الی ربہا

نیز اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں مطالعہ فرماؤ۔

۱؎ تحقیق یہ ہے کہ رفرف جمع ہے اس کا واحد ہے رفرفہ۔ دوسری جمع رفارف ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں بستر رب فرماتا ہے متکئین علی رفرف خضر۔ حضرت جبریل کے پر پھیلانے پر وسیع بستر محسوس ہوتے تھے اس سے رفرف کا لفظ فرمایا یا اب پرندے کے پر کہتے ہیں لباس کے جوڑے نرم کپڑے وغیرہ کو بھی رفرف کہتے ہیں یہاں رفرف بمعنی سبز ہے کیونکہ ساتھ ہی جگہ فرمایا گیا ہے۔

۲؎ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دیدار الٰہی کے متعلق صحابہ کرام کے تین قول ہیں ایک یہ کہ معراج میں یا کبھی اور دیدار مطلقًا نہ ہوا یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ کا ہے دوسرے یہ کہ دل سے رب کو دیکھا نہ کہ آنکھوں سے یعنی بصیرت سے دیکھا بصارت سے نہیں۔ یہ قول حضرت ابن مسعود کی طرف منسوب ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور انور نے اپنی آنکھوں سے رب کا دیدار کیا یہ آخری قول جمہور صحابہ کا ہے حضرت ابن عباس سے یہ ہی مروی ہے وہ سورہ والنجم کی آیات کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر پہلے اس دیدار کے منکر تھے بعد میں حضرت ابن عباس کے قول کی طرف رجوع فرمایا حضرت عائشہ صدیقہ نے اس انکار کی کوئی دلیل نہیں دی صرف اپنے اجتہاد سے انکار فرمایا حضرت ابن عباس کا یہ فرمان صرف اجتہاد سے نہیں فرما سکتے بلکہ کسی روایت کی بنا پر ہی کہہ سکتے ہیں۔ (اشعہ)

نَاظِرَةٌ فَقِيلَ قَوْمٌ يَقُولُونَ إِلَى ثَوَابِهِ فَقَالَ مَالِكٌ كَذَبُوا فَأَيْنَ هُمْ عَنْ قَوْلِهِ تَعَالَى كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ قَالَ مَالِكٌ النَّاسُ يَنْظُرُونَ إِلَى اللهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِأَعْيُنِهِمْ وَقَالَ لَوْ لَمْ يَرَ الْمُؤْمِنُونَ رَبَّهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَمْ يُعَيِّرِ اللهُ الْكُفَّارَ بِالْحِجَابِ فَقَالَ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ رَوَاهُ فِي شَرْحِ السُّنَّةِ • وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

ناظرہ کے متعلق پوچھا گیا کہا گیا کہ ایک قوم کہتی ہے کہ لوگ رب کے ثواب کو دیکھیں گے[1] امام مالک نے فرمایا جھوٹ کہا وہ اس فرمان باری سے۔ جواب ہے ہاں کہ خبر دار وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔ امام مالک نے فرمایا[2] کہ قیامت کے دن لوگ اللہ تعالٰی کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ فرمایا اگر قیامت کے دن مومن اپنے رب کو نہ دیکھتے تو اللہ تعالٰے کفار کو حجاب سے عار نہ دلاتا[3] اس نے فرمایا کہ وہ اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے[4] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت جابر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی

[1] معتزلہ، خوارج دیدار الٰہی کے انکاری ہیں کہ جنت میں کسی کو رب کا دیدار نہیں ہوگا۔ ان کا ہی یہ قول ہے وہ ہی حضرت امام مالک کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ اس آیت کے یہ ہی معنی کرتے ہیں یہ تاویل نہیں تحریف ہے۔

[2] یعنی اگر اس آیت میں دیدار الٰہی سے مراد اللہ کا ثواب دیکھنا ہے تو اس آیت کے کیا معنی کریں گے کہ کفار رب سے حجاب میں ہوں گے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ مومنین حجاب میں نہ ہوں گے اس کا دیدار کریں گے سبحان اللہ کیسا پیارا جواب ہے۔

[3] خلاصہ یہ ہے کہ جیسے جنتیوں کے لیے دیدار الٰہی ساری نعمتوں سے افضل و اعلیٰ نعمت ہے ایسے ہی دوزخیوں کے لیے دیدار سے محرومی سارے عذابوں سے بدتر عذاب ہوگا کہ محبوب کا فراق بھی بڑا عذاب ہے۔

[4] یہاں اس دن سے مراد یا دوزخ میں کفار کے داخلے کے بعد کا دن ہے اس دن کی انتہا کبھی نہیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے اور اگر قیامت کا دن مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ رب کی نظر کرم سے حجاب میں ہوں گے ورنہ قہر کا دیدار تو قیامت کے دن کفار کو بھی ہوگا۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔

بَيْنَا اَهْلُ الْجَنَّةِ فِيْ نَعِيْمِهِمْ اِذْ سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُؤُسَهُمْ فَاِذَا الرَّبُّ قَدْ اَشْرَفَ عَلَيْهِمْ مِنْ فَوْقِهِمْ فَقَالَ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْجَنَّةِ قَالَ وَذٰلِكَ قَوْلُهٗ تَعَالٰى سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَّبٍّ الرَّحِيْمِ قَالَ فَيَنْظُرُ اِلَيْهِمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ فَلَا يَلْتَفِتُوْنَ اِلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّعِيْمِ مَا دَامُوْا يَنْظُرُوْنَ اِلَيْهِ حَتّٰى يَحْتَجِبَ عَنْهُمْ وَيَبْقٰى نُوْرُهٗ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ۔ بَابُ صِفَةِ النَّارِ

کہ جبکہ جنتی لوگ اپنی نعمتوں میں ہوں گے کہ اچانک ان کے سامنے ایک نور چمکے گا[۱] یہ اپنے سر اٹھائیں گے تو اچانک اللہ تعالٰی ان پر ان کے اوپر سے متوجہ ہوگا[۲] فرمائے گا تم پر سلامتی ہو اے جنت والو[۳] فرمایا یہ ہی وہ رب کا فرمان ہے۔ سلام کا کلام ہوگا۔ مہربان رب کی طرف سے فرمایا پھر ان کی طرف نظر فرمائیگا وہ رب کو دیکھیں گے تو جب تک رب کو دیکھتے رہیں گے، کسی نعمت کی طرف التفات نہ کریں گے[۴] یہاں تک کہ ان سے حجاب فرمائے گا۔ اور اس کا نور باقی رہے گا[۵] (ابن ماجہ) آگ اور

[۱] یعنی جنتی لوگ پھل فروٹ کھانے اپنے بال بچوں میں شغل خدام سے خدمت لینے اور دیگر نعمتوں میں مشغول ہوں گے کہ ایک نئے قسم کا نور اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

[۲] یہ نور اس کی تجلی کی جھلک ہوگی۔ خیال رہے کہ اللہ سمت سے یعنی اوپر نیچے ہونے سے پاک ہے اس کا اوپر تجلی فرمانا ایسا ہوگا جیسے موسٰی علیہ السلام پر طور سے تجلی فرمانا یا وادی سینا میں درخت پر سے کلام فرمانا کہ طور اور درخت کی تجلی گاہ الٰہی تھے نہ کہ اس کا مکان۔

[۳] یہ کلام یا تو رب تعالٰے کی طرف سے خوشخبری ہے کہ تم ہمیشہ ہر آفت سے سلامت ہو یا اظہار کرم ہے غرضکہ دعا نہیں کہ اللہ تعالٰے دعا مانگنے سے پاک ہے اس کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہے یا تم پر سلامتی ہو عرب میں یہ دعائیہ کلمہ اظہار محبت کے لیے ہوتا ہے۔

[۴] مرقات نے فرمایا کہ یہ وہ معمولی درجے کے جنتی ہوں گے جو نعمتوں میں مشغول ہو کر اس طرف سے غافل ہو گئے تھے مست الست والے ہر وقت ادھر ہی متوجہ رہیں گے۔

[۵] جیسے کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد اس کا نور بہت دیر تک رہتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے جسم اور روح و دل پر اس نور کی تجلی رہے گی۔

وَ اَهْلِهَا اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَارُكُمْ جُزْءٌ مِنْ سَبْعِیْنَ جُزْءً مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ كَانَتْ لَكَافِیَةً قَالَ فُضِّلَتْ عَلَیْهِنَّ بِتِسْعَةٍ وَسِتِّیْنَ جُزْءً كُلُّهُنَّ مِثْلُ حَرِّهَا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ وَاللَّفْظُ لِلْبُخَارِیِّ وَفِیْ رِوَایَةِ مُسْلِمٍ نَارُكُمُ الَّتِیْ یُوْقِدُ اِبْنُ اٰدَمَ وَفِیْهَا عَلَیْهَا وَكُلُّهَا

آگ والوں کا بیان ۱؎ پہلی فصل، روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری آگ دوزخ کی آگ کا سترواں حصہ ہے ۲؎ عرض کیا گیا یا رسول اللہ یہی آگ کافی تھی ۳؎ فرمایا وہ آگ ان آگوں سے انہتر درجہ زیادہ تیز رکھی گئی ہے ہر درجہ اس آگ کی مثل ہے ۴؎ (مسلم بخاری) اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے تمہاری وہ آگ ہے انسان جلاتا ہے اور اس روایت میں علیہن اور

۱؎ نار اور نور دونوں کا مادہ ایک ہے نار کی جمع نیران ہے اور نور کی جمع نیار یا انیار ہے نار کے معنی ہیں آگ نور کے معنی ہیں روشنی شریعت میں جہاں نار آتا ہے اس سے مراد دوزخ کی آگ ہوتی ہے اہل نار سے مراد کفار ہوتے ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے گنہگار مسلمان اگرچہ کچھ دن دوزخ میں رہیں گے مگر وہ اہل نار نہیں کہے جاتے اہل خانہ وہ ہوتے ہیں جو گھر میں ہمیشہ رہیں چند روزہ مہمان اہل خانہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی اہل نار وہ ہی ہے جو ہمیشہ دوزخ میں رہے۔

۲؎ یعنی دوزخ کی آگ کی تیزی دنیا کی آگ سے سترگنا ہے جیسے دنیا کی آگیں مختلف قسم کی گرم ہوتی ہیں، گھاس پھوس کی آگ ہلکی ہوتی ہے لیکر وغیرہ کی لکڑی کی آگ تیز ہوتی ہے ویلڈنگ کی آگ بہت ہی سخت تیز ہوتی ہے جو لوہے تانبہ کو بھی گلا دیتی ہے یوں ہی وہ آگ یہاں کی اعلیٰ سے اعلیٰ آگ سے سترگنا زیادہ ہوگی۔

۳؎ یعنی یہ ہی دنیا کی آگ لوگوں کو جلا دینے کے لیے کافی تھی یہ ہی آگ جلا کر راکھ کر ڈالتی ہے۔

۴؎ جواب کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کی آگ ضرورت پوری کرنے کے لیے ہے مگر وہ آگ سزا دینے کے لیے اس لیے اتنی سخت تیز رکھی گئی۔

بَدَلَ عَلَيْهِنَّ وَكُلِّهِنَّ ۔ وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لَهَا سَبْعُوْنَ اَلْفَ زِمَامٍ مَعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُوْنَ اَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّوْنَهَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا مَنْ لَهٗ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ يَغْلِيْ مِنْهُمَا

اور کلہن کی عوض علیہا اور کلہا ہے [۱] روایت ہے ابن مسعود سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس دن دوزخ لائی جائے گی۔ جس کی [۲] ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچیں گے [۳] (مسلم) روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والا وہ ہوگا جس کے پئے آگ کا جوتا اور دو تسمے ہوں گے۔ جس سے اس کا

[۱] ان دونوں روایتوں میں فرق صرف ضمیروں کا ہے کہ اس روایت میں تمام ضمیریں واحد مؤنث کی ہیں اور اس روایت میں جمع مؤنث کی باقی مطلب دونوں کا ایک ہی ہے امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ دوزخ کی آگ سے کوئی نسبت نہیں حضور انور کا یہ فرمان عالی سمجھانے کے لیے ہے کہ دنیا میں سخت تر چیز آگ ہی ہے۔

[۲] اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ پیدا ہو چکی ہے نیز وہ اس وقت اس جگہ نہیں جہاں قیامت کے بعد ہو گی یعنی محشر اور جنت کے درمیان راستہ میں ابھی یہ کسی اور جگہ ہے اس دن ملائکہ اسے کھینچ کر وہاں پہنچائیں گے جہاں اس نے رہنا ہے اس کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہے وجیئ یومئذ بجھنم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں دوزخ کی سیر فرمائی۔ اس جگہ جہاں وہ تھی آج اتنا بڑا سورج کس قدر تیزی سے حرکت کر رہا ہے یوں ہی دوزخ اپنی جگہ سے ہٹا کر لائی جائے گی۔

[۳] یہ فرمان عالی بالکل ظاہر پر ہے۔ کسی طرح کی تاویل کی ضرورت نہیں وہ لگامیں کتنی بڑی ہوں گی کتنی مضبوط ہوں گی یہ رب تعالٰی ہی جانتا ہے اور ہر لگام پر کتنے کتنے فرشتے مقرر ہوں گے یہ بھی اللہ رسول ہی جانتے ہیں جنت اسی جگہ رہے گی جہاں پہلے سے تھی۔

دِمَاغُهٗ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ مَا يُرٰى اَنَّ اَحَدًا اَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا وَاِنَّهٗ لَاَهْوَنُهُمْ عَذَابًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ٭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْ طَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ٭ وَعَنْ

دماغ کھولتا ہے جیسے ہانڈی کھولتی ہے[۱] وہ نہ سمجھے گا کہ کوئی بھی اس سے سخت تر عذاب والا ہے حالانکہ وہ ان سب میں ہلکے عذاب والا ہوگا[۲] (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں میں سب سے ہلکے عذاب والے ابوطالب ہوں گے وہ دو جوتے پہنے ہوں گے جن سے ان کا دماغ کھولتا ہوگا[۳] (بخاری)

روایت ہے

[۱] یعنی دوزخ کے مختلف طبقے ہیں ہر طبقہ کا عذاب مختلف ہے اوپر کے طبقہ کا عذاب نیچے سے ہلکا ہوگا اونچے طبقے کے دوزخیوں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کا ذکر یہاں ہے خیال رہے کہ اگر کالا دانہ پاؤں کی انگلی میں نکل آئے تو اس سے سر چکراتا ہے مریض کہتا ہے میری کھوپڑی پھٹی جارہی ہے اس کا نمونہ دنیا میں ہی قائم ہے لہذا اس حدیث پر اعتراض نہ کرو کہ سر کا پاؤں سے کیا تعلق ہے آگ کی جوتی یا تو انگاروں سے بنی ہوئی جوتی ہوگی یا آگ سے تپائی ہوئی جوتی پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں یعنی اس کے صرف پاؤں میں آگ ہوگی باقی جسم میں نہیں۔

[۲] یعنی یہ دوزخی سمجھے گا کہ سب سے زیادہ سخت عذاب مجھ پر ہی ہے مگر واقعہ یہ ہوگا کہ سب سے ہلکا عذاب اسے ہوگا۔

[۳] کیونکہ ابوطالب اگرچہ شرعًا مسلمان نہ بنے مگر انہوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بہت ہی خدمت کی حتی کہ حضور انور نے اپنی یتیمی کا زمانہ عبدالمطلب کے بعد انہیں کے پاس گزارا رب نے فرمایا الم یجدك یتیما فاوٰی اس کے نتیجہ میں ان کا عذاب ہلکا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت وہ عمل ہے جو کافروں کے بھی کام آجاتا ہے مگر بغیر شرعی ایمان لائے جنت کا داخلہ میسر نہ ہوگا. لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں وقدمنا الی ما عملوا فجعلناہ ھباءً منثورا کہ ہم نے کفار کے نیک اعمال کو بکھرے ہوئے ریزوں کی طرح برباد کردیا کہ وہاں بخشش کی نفی ہے اور یہاں ہے عذاب ہلکا ہونے کا ذکر ہے ابولہب کو دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا کردیا جاتا ہے اور اسے کلمہ کی انگلی چوسنے پر پانی ملتا ہے دیکھو بخاری شریف۔ کیونکہ اس نے حضور کی ولادت شریفہ کی خوشی منائی تھی۔ جب خدمت گار اور خوشی منانے والے کفار پر یہ کرم ہے تو جو مسلمان آج حضور کے دین کی خدمت کریں ان پر کرم کیوں نہ ہوگا۔ شعر

أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤْتٰى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً ثُمَّ يُقَالُ يَا ابْنَ اٰدَمَ هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيْمٌ قَطُّ فَيَقُوْلُ لَا وَاللهِ يَا رَبِّ وَيُؤْتٰى

حضرت انس سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن عیش والے دنیادار دوزخی کو لایا جاوے گا۔ اسے آگ میں ایک بار غوطہ دیا جاوے گا[1] پھر کہا جاوے گا اے انسان کیا تو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی تھی کیا تجھ پر کبھی کوئی نعمت آئی تھی وہ کہے گا یارب واللہ کبھی نہیں[2] اور دنیا

دوستانہ را کجا کنی محروم تو کہ با دشمناں نظر داری

یہ حدیث احمد نے بھی روایت کی (مرقات) خیال رہے کہ ابو طالب کے ایمان کے متعلق علماء اہل سنت میں اختلاف ہے علامہ احمد دحلان رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی ہے اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب وہاں ان کا ایمان ثابت فرمایا ہے صاحب تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ وہ شرعًا مومن نہ تھے کہ انہوں نے صراحۃً کلمہ نہ پڑھا مگر عند اللہ مومن تھے ان بزرگوں کے نزدیک ابو طالب کو یہ عذاب عارضی ہوگا جیسے بعض گنہگار مسلمانوں کو اور وہ اللہ تعالٰی کے اس لپ کے ذریعہ دوزخ سے نکالے جائیں گے جو شفاعتیں ختم ہو جانے پر رب تعالٰی دوزخیوں سے بھرا ہوا اپنا ایک لپ جنت میں ڈالے گا۔ عام علماء فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان ثابت نہیں۔ خیال رہے کہ کوئی شخص ان پر زبان طعن دراز نہ کرے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے ہی خدمت گذار ہیں حضور کو اپنے ساتھ لے کر سونے والے حضور کی خاطر کفار مکہ کے ہاتھوں بہت ہی دکھ درد سہنے والے ممکن ہے کہ ان پر طعن کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہو ہم اپنی فکر کریں کہ ہمارا انجام کیا ہوگا۔

[1] یہ واقعہ بعد قیامت ہوگا نہ کہ قبر میں کیونکہ دوزخ میں داخلہ اس وقت ہے قبر میں تو صرف دوزخ یا جنت کی کھڑکی کھل جاتی ہے۔

[2] پتہ لگا کہ دنیا کے عمر بھر کے عیش و آرام وہاں کے منٹ بھر کے ایک غوطہ پر بھول جائیں گے وہ تو بڑی سخت جگہ ہے دنیا میں کوئی خاص مصیبت پڑے تو سارے عیش فراموش ہو جاتے ہیں۔

أَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ فَيُقَالُ لَهُ يَا ابْنَ آدَمَ هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ وَهَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ فَيَقُولُ لَا وَاللّٰهِ يَا رَبِّ مَا مَرَّ بِي بُؤْسٌ قَطُّ وَلَا رَأَيْتُ شِدَّةً قَطُّ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَقُولُ اللّٰهُ لِأَهْوَنِ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَوْ أَنَّ لَكَ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَيْءٍ أَكُنْتَ تَفْتَدِي بِهٖ فَيَقُولُ نَعَمْ فَيَقُولُ أَرَدْتُّ

میں سخت مصیبت زدہ جنتی کو لایا جاوے گا اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جاوے گا[1] پھر اس سے کہا جاوے گا۔ اے انسان تو نے کبھی کوئی تکلیف دیکھی تھی۔ تجھ پر کبھی کوئی سختی آئی تھی وہ کہے گا یارب واللہ کبھی نہیں[2] نہ مجھ پر کبھی کوئی تکلیف آئی نہ میں نے کبھی کوئی سختی دیکھی[3] (مسلم) روایت ہے انہیں سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرماتے ہیں اللہ تعالٰی قیامت کے دن ہلکے عذاب والے دوزخی سے کہے گا اگر تیرے پاس ساری زمین کی چیزیں

[1] یا تو حوض کوثر میں یا وہاں کی ہوا اور دوسری نعمتوں میں غوطہ دئے جانے سے مراد ہے وہاں کی ہوا کا جھونکا دینا وہاں داخل فرما کر اس کی تجلی دکھانا۔ [2] معلوم ہوا کہ وہاں کے عیش کی ایک جھلک وہاں کی ہوا کا ایک جھونکا عمر بھر کے دنیاوی غموں تکلیفوں کو بھلا دے گا انسان کو چاہیے کہ اس طرف دل لگائے۔ خیال رہے کہ یہ عرض معروض جھوٹ نہ ہوگی بلکہ واقعی وہ شخص ان مصیبتوں کو بھول ہی جاوے گا اس بنا پر یہ کہے گا۔

[3] اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے دنیا میں جو مصیبتیں دیکھیں وہ درحقیقت مصیبتیں ہی نہ تھیں کیونکہ ان کا انجام یہ نعمتیں تھیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ ان مصیبتوں کو بھول ہی گیا ان نعمتوں کی خوشی میں۔

[4] دنیا میں انسان بیماریوں۔ مصیبتوں کو پیسہ کے ذریعہ دفع کرتا تھا جان پر مال قربان کرتا تھا کہ گرفتاری کو مالداری کے ذریعہ مال دے کر دفع کرتا تھا اسی قاعدے سے رب تعالٰی پوچھے گا کہ اگر تیرے پاس روئے زمین کی دولت ہوتی اور تو وہ سب کچھ دے کر اس سے بچ سکتا تو کیا تو دیدیتا وہ بندہ فوراً کہے گا یارب میں ایسا ضرور کرتا یہ تو بہت سستا سودا تھا کہ وہ مال دے کر میں اپنی جان م

مِنْكَ اَهْوَنَ مِنْ هٰذَا وَاَنْتَ فِيْ صُلْبِ اٰدَمَ اَنْ لَّا تُشْرِكَ بِيْ شَيْئًا فَاَبَيْتَ اِلَّا اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ‌• وَعَنْ سَمُرَةَ ابْنِ جُنْدَبٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ النَّارُ اِلٰى كَعْبَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاْخُذُهُ

تجھ سے اسی سے آسان چیز طلب کی تھی جبکہ تو آدم علیہ السلام کی پیٹھ میں تھا کہ تو کسی چیز کو میرا شریک نہ مان تو میرے شریک بھٹہرانے کے سوا انکاری ہو گیا۲ (مسلم بخاری) روایت ہے حضرت سمرہ ابن جندب سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض دوزخی وہ ہوں گے جنہیں ٹخنوں تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں ان کے گھٹنوں

عذاب سے بچالیتا حکایت: ہارون رشید بادشاہ نے پینے کے لیے پانی کا پیالہ ہاتھ میں لیا ایک عالم صاحب نے پوچھا اے سلطان اگر تو جنگل میں پیاس سے مر رہا ہو پانی موجود نہ ہو تو یہ پیالہ پانی کتنی قیمت سے خرید سکتا ہے جان بچانے کے لیے۔ جواب دیا کہ آدھی سلطنت سے اس نے پوچھا اچھا اگر تو یہ پانی خرید کر پی لے تیرے پیٹ میں پہنچ کر یہ پانی رک جائے پیشاب نہ آئے تکلیف سے تیری جان نکلتی ہو تو تو ڈاکٹر کو کتنی فیس دے کر پیشاب نکلوا سکتا ہے۔ سلطان نے کہا بقیہ آدھی سلطنت۔ عالم صاحب نے کہا کہ غور کرلے تیری ساری بادشاہت ایک پیالہ پانی پیٹ میں جانے وہاں سے نکلنے پر قربان ہے اب تو جتنا چاہے اس سلطنت پر ناز کر۔

۱؎ یعنی میثاق کے دن ہم نے تجھ سے اپنی وحدانیت کا اقرار کرایا الست ہو بکم پھر دنیا میں تجھے یہ میثاق یاد دلانے اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے تیرے پاس اپنے نبی بھیجے تجھے کفر وگناہ سے بچنے کا حکم دیا یہاں ارادے سے مراد حکم اور مطالبہ ہے نہ کہ ارادہ الٰہیہ کیونکہ اللہ کے ارادہ کے خلاف ہو جانا بالکل ناممکن ہے۔ فرماتا ہے۔ لوشاء اللہ لھدی الناس جمیعا اور فرماتا ہے ولوشاء اللہ ما اقتتلوا اور فرماتا ہے لوشاء اللہ لجمعھم علی الھدیٰ۔ ہاں امر الٰہی کے خلاف لوگ دن رات حرکتیں کر رہے ہیں ارادہ اور امر الٰہی میں بڑا فرق ہے لہذا حدیث واضح ہے ارادہ بمعنی امر ہے۔

۲؎ ان جیسی احادیث اور آیات میں شرک سے مراد کفر ہوتا ہے کہ کفر ہی دائمی دوزخی ہونے کا ذریعہ ہے شرک کفر کی ایک قسم ہے کسی کو اللہ تعالٰی کی برابر جاننا یا اللہ تعالٰی کو کسی کی برابر ماننا شرک ہے افنسویکم برب العالمین اور فرماتا ہے ثم الذین کفروا بربھم یعدلون کفر کے معنی ہیں اسلام کے قطعی عقیدے کا انکار۔ ہر کفر دوزخ میں ہمیشگی کا سبب ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی تو نے دنیا میں کفر ہی کیا۔

النَّارُ اِلٰی رُکْبَتَیْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاخُذُهُ النَّارُ اِلٰی حُجْزَتِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ تَاخُذُهُ النَّارُ اِلٰی تَرْقُوَتِهٖ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بَیْنَ مَنْکِبَیِ الْکَافِرِ فِی النَّارِ مَسِیْرَةُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ لِلرَّاکِبِ الْمُسْرِعِ وَفِیْ رِوَایَةٍ ضِرْسُ الْکَافِرِ مِثْلُ اُحُدٍ وَغِلَظُ

تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں ان کی کمر تک آگ پکڑے ہوگی اور بعض وہ ہوں گے جنہیں آگ ان کے گلے تک پکڑے ہوگی ۱؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخ میں کافر کے دو کندھوں کے درمیان فاصلہ تیز سوار کی تین دن کی راہ کا ہوگا ۲؎ اور ایک روایت میں ہے کہ کافر کی ڈاڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی ۳؎ اور اس کی کھال

۱؎ یعنی دوزخی لوگوں کو عذاب تو پورے جسم کو ہوگا مگر مختلف طریقوں کا ہوگا جیسا کافر ویسا اس کا عذاب دوزخ کی آگ کا تو ایک انگارا ہی سزا کے لیے کافی ہے جس کے گلے تک آگ ہو۔ غور کرلو اس کا حال کیا ہوگا اللہ تعالٰی اس آگ سے بچائے یہ آگ کفار کو بھی پہنچے گی اور بعض گنہگار مومنوں کو بھی مگر مومنوں کو کچھ دن کے لیے کافروں کو ہمیشہ کے لیے اور بھی کئی طرح فرق ہوگا۔ ترقوت وہ ہڈی ہے جو گلے اور گردن کے درمیان ہے جسے ہندی میں ٹیٹوا کہتے ہیں فارسی میں چنبر (مرقات، اشعہ)

۲؎ یعنی دوزخ میں پہنچ کر کافر کا جسم بہت ہی بڑا ہوجائے گا بڑے جسم کو آگ بھی زیادہ گھیرے گی تکلیف بھی زیادہ دے گی وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ متکبر لوگ چیونٹیوں کی طرح ہوں گے وہاں محشر کے میدان کا ذکر ہے۔ کہ وہ محشر میں چھوٹے ذلیل بے مقدار ہوں گے۔ دوزخ میں پہنچ کر بڑے موٹے ہوجائیں گے لہذا حدیث میں تعارض نہیں نیز یہ جسم کی موٹائی کفار کے لیے ہوگی گنہگار مومنوں کے لیے نہیں (مرقات)

۳؎ احد مدینہ منورہ کے مشہور پہاڑ کا نام ہے چونکہ وہ کسی پہاڑ سے ملا ہوا نہیں اس لیے احد کہلاتا ہے احد کے معنی ہیں اکیلا۔ جب کافر کے منہ کی ایک ڈاڑھ احد پہاڑ جیسی تو سوچ لو کہ اس کا منہ کیسا ہوگا۔ پھر جسم کتنا بڑا ہوگا۔ اس کی شکل بھی انسانوں کی سی نہ ہوگی۔ کتوں گدھوں سوروں کی شکل میں ہوں گے۔

جِلْدِہٖ مَسِیْرَۃُ ثَلٰثٍ رَوَاہُ مُسْلِمٌ وَذُکِرَ حَدِیْثُ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ اِشْتَكَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّهَا فِیْ بَابِ تَعْجِیْلِ الصَّلٰوۃِ اَلْفَصْلُ الثَّانِیْ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُوْقِدَ عَلَی النَّارِ اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی احْمَرَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْهَا اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی ابْیَضَّتْ ثُمَّ اُوْقِدَ عَلَیْهَا اَلْفَ سَنَۃٍ حَتّٰی اسْوَدَّتْ فَهِیَ سَوْدَاءُ مُظْلِمَۃٌ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ

کی موٹائی تین دن کی راہ ہے[1] (مسلم) اور حضرت ابوہریرہ کی حدیث کہ آگ نے اپنے رب سے شکایت کی۔ تعجیل نماز کے بیان میں ذکر کر دی گئی[2] دوسری فصل روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دوزخ کی آگ پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا۔ حتی کہ سرخ ہوگئی پھر اس پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا۔ حتی کہ سفید ہوگئی[3] پھر اس پر ایک ہزار سال تک دھونکا گیا۔ حتی کہ سیاہ ہوگئی چنانچہ وہ سیاہ تاریک ہے[4] (ترمذی)

[1] حدیث کے بالکل ظاہری معنی پر ہی ایمان لانا چاہیے بلا وجہ کسی قسم کی تاویل ایچ پیچ ہیر پھیر نہیں کرنا چاہیے اللہ تعالٰی ہر چیز پر قادر ہے۔ میں نے مچھلی کا ایک کانٹا موٹے شہتیر کی برابر دیکھا ہے۔

[2] یعنی وہ حدیث مصابیح میں یہاں تھی میں نے اس جگہ بیان کردی۔ یہاں سے ہٹاکر۔ کیونکہ اس باب سے زیادہ مناسب تھی۔

[3] دھونکنے والے فرشتے تھے ان کی دھونکنیاں جن سے دھونکا۔ رب جانتا ہے کتنی بڑی اور کس چیز کی تھیں آگ میں سرخی دھوئیں کی ملاوٹ سے ہوتی ہے دھوئیں سے خالص آگ سفید ہوتی ہے ویلڈنگ کی آگ کا رنگ دوسری آگوں سے مختلف ہوتا ہے۔

[4] دنیا کی آگ میں گرمی بھی ہے روشنی بھی۔ مگر دوزخ کی آگ میں گرمی تو غضب کی ہے روشنی کوئی نہیں اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اور اس کی آگ پیدا ہوچکی ہے۔ رب فرماتا ہے اعدت للکافرین اہلسنت کا یہی مذہب ہے۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضِرْسُ الْكَافِرِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِثْلُ اُحُدٍ وَفَخِذُهٗ مِثْلُ الْبَيْضَاءِ وَمَقْعَدُهٗ مِنَ النَّارِ مَسِيْرَةُ ثَلٰثٍ مِثْلُ الرَّبَذَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ غِلَظَ جِلْدِ الْكَافِرِ اِثْنَانِ وَاَرْبَعُوْنَ ذِرَاعًا وَاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ وَاِنَّ مَجْلِسَهٗ مِنْ

روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کے دن [1] کافر کی ڈاڑھ احد پہاڑ کی طرح ہوگی اور اس کی ران بیضا پہاڑ کی طرح [2] اور اس کی آگ کی نشستگاہ ربذہ کی طرح تین دن کی راہ ہوگی [3] (ترمذی) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر کی کھال کی موٹائی بیالیس گز ہوگی [4] اور اس کی ڈاڑھ احد پہاڑ کی طرح اور اس کی دوزخ کی بیٹھک ایسی ہوگی

[1] قیامت کے دن سے اس دن کا آخری حصہ مراد ہے لہذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ قیامت کے دن متکبرین چیونٹیوں کی طرح ہوں گے اور ہوسکتا ہے کہ متکبر غرور والے کافر چھوٹے ہوں دوسرے کافر بڑے جسم والے ہوں بہرحال دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

[2] بیضا اس پہاڑ کا نام ہے جو مکہ معظمہ کے پاس مقام تنعیم میں ہے جس کے دامن میں مسجد حضرت عائشہ واقع ہے جہاں سے عمرہ لانے والے عمرہ کا احرام باندھتے ہیں یعنی دوزخی کی ران بیضاء پہاڑ کی طرح بڑی لمبی چوڑی ہوگی یہ فرمان عالی بالکل حق ہے واقعی ایسا ہی ہوگا۔

[3] ربذہ وہ ہی جگہ ہے جہاں حضرت ابوذر غفاری کا مزار مبارک ہے یہ جگہ مکہ معظمہ سے قریب ہے مگر مدینہ منورہ سے دور ہے تین دن کی راہ پر ہے یعنی کافر اتنے بیچ میں بیٹھے گا اس کے چوتڑ اتنے بیچ میں سمائیں گے جیسے مدینہ منورہ سے مقام ربذہ ہے تین دن کی مسافت۔

[4] یعنی کافر دوزخی کی کھال اولًا بیالیس گز موٹی ہوگی پھر اس میں اضافہ ہوتا رہے گا حتی کہ تین دن کی راہ کی مسافت برابر موٹی ہوجائے گی یا بعض دوزخیوں کی کھال بیالیس گز موٹی اور بعض کی کھال اتنی موٹی لہذا یہ حدیث ابھی گزری ہوئی حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہوا کہ اس کی کھال کی موٹائی تین دن کی مسافت ہوگی۔

جَهَنَّمَ مَا بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ؛ وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْكَافِرَ يَسْتَحِبُ لِسَانَهُ الْفَرْسَخَ وَالْفَرْسَخَيْنِ يَتَوَطَّأُهُ النَّاسُ رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ ؛ وَعَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الصَّعُوْدُ جَبَلٌ مِنْ نَارٍ يَتَصَعَّدُ فِيْهِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَيَهْوِيْ بِهٖ كَذٰلِكَ فِيْهِ أَبَدًا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ قَوْلِهٖ

جیسے مکہ اور مدینہ کے قریب کی مسافت لہ (ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عمر سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کافر اپنی زبان کوس دو کوس تک نکالے گا جسے لوگ روندیں گے۔ ۲ (احمد، ترمذی) فرمایا یہ حدیث غریب ہے۔ روایت ہے حضرت ابو سعید سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا صعود آگ کا پہاڑ ہے۔ جس میں دوزخی ستر سال چڑھے گا اور وہاں سے گریگا ہمیشہ ایسا ہی کرتا رہے گا ۳ (ترمذی) روایت ہے انہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا رب کے قول

۱ یہ بیان تقریبی ہے لہذا ربذہ والی حدیث کے خلاف نہیں یا کہا جاوے کہ بعض کفار کی نشست گاہ اتنی ہوگی جو وہاں مذکور ہوئی مدینہ منورہ سے ربذہ تک کی زمین برابر اور بعض کی اتنی جو یہاں مذکور ہے بہر حال حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔

۲ یعنی جب دوزخی ہانپے گا اور ہانپتے ہی زبان نکالے گا کتے کی طرح تو دو تین میل باہر لٹک جائے گی اور لوگ اس پر چلے پھریں گے۔ خدا کی پناہ ناس سے مراد دوزخی لوگ ہیں جو وہاں دوڑیں گے بھاگیں گے اس دوڑ بھاگ میں اس کی زبان کو روندھیں گے۔

۳ یعنی قرآن مجید میں جو سارھقہ صعودا ہے وہاں جو صعود ہے وہ اس پہاڑ کا نام ہے جو دوزخ میں ہوگا اور دوزخی اس پر چڑھتے گرتے رہیں گے اس کی بلندی خدا کی پناہ اتنے اونچے سے گرنا سخت عذاب ہوگا۔

كَالْمُهْلِ اَىْ كَعَكَرِ الزَّيْتِ فَاِذَا قُرِّبَ اِلٰى وَجْهِهٖ سَقَطَتْ فَرْوَةُ وَجْهِهٖ فِيْهِ رَوَاهُ التِّرْمِذِىُّ • وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَمِيْمَ لَيُصَبُّ عَلٰى رُؤُسِهِمْ فَيَنْفُذُ الْحَمِيْمُ حَتّٰى يَخْلُصَ اِلٰى جَوْفِهٖ فَيَسْلُتُ مَا فِىْ جَوْفِهٖ حَتّٰى يَمْرُقَ مِنْ قَدَمَيْهِ وَهُوَ الصَّهْرُ ثُمَّ

کالمہل کے متعلق ۱؎ یعنی تیل کے تلچھٹ کی طرح تو جب اس کے چہرے کے قریب کیا جاوے گا تو اس کے چہرے کی کھال اس میں گر جاوے گی ۲؎ (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ گرم پانی دوزخیوں کے سر پر ڈالا جائے گا تو یہ گرم پانی اس میں سرایت کر جاوے گا حتی کہ اس کے پیٹ تک پہنچ جاوے گا ۳؎ تو اس کے پیٹ کی چیزوں کو کاٹ ڈالے گا حتی کہ اس کے قدموں سے نکل جاوے گا ۴؎ صہر یہ ہی ہے ۵؎ پھر

۱؎ یعنی قرآن مجید میں جو ہے ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم کالمھل یغلی فی البطون۔ تھوہر کا درخت ان مجرموں کی غذا ہے۔ مہل کی طرح پیٹوں میں جوش مارے گا حضور انور نے مہل تفسیر فرمائی۔

۲؎ یعنی اس غذا کی رنگت ایسی ہوگی۔ جیسے تیل کا تل چھٹ یعنی گاد گرم اس قدر جو یہاں مذکور ہے کہ منہ یا پیٹ میں پہنچنے کے بعد کیا بنے گا پینے سے پہلے منہ کے قریب پہنچنے پر ہی چہرہ بھون ڈالے گا غور کرو کہ پیٹ میں پہنچ کر کیسی آفت ڈھائے گا ان سب تکالیف کے باوجود جان نہ نکلے گی کہ وہاں موت نہیں۔

۳؎ ماء حار کہتے ہیں گرم پانی کو اور حمیم کہتے ہیں کھولتے ہوئے پانی کو جو دیگچی میں ابلتا ہو یہ ہی پانی انہیں پینے کو دیا جائیگا اور اسی پانی سے انہیں غسل دیا جایا کرے گا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں جوف سے مراد ہے سر کا اندرونی حصہ مگر قوی یہ ہے کہ اس کے معنی ہیں پیٹ اور ہوسکتا ہے کہ سر پہ پانی پڑے پیٹ تک اس کا اثر پہنچے دیکھا جاتا ہے کہ تلووں میں ٹھنڈی چیز ملو۔ تو آنکھوں میں اثر پہنچتا ہے۔

۴؎ یعنی پیٹ کی آنتیں۔ پھیپھڑا۔ دل۔ جگر وغیرہ سب کچھ کاٹ ڈالے گا اور ان سب کے ٹکڑے پاخانہ کی راہ سے نکل جاویں گے مگر موت نہ آئے گی بلکہ ان سب کے نکلتے ہی دوبارہ پیٹ میں سب کچھ بن جاوے گا دوبارہ کاٹنے کے لیے سب ٹھیک کر دیا جاوے گا۔ جیسا کہ آگے ارشاد ہے۔

۵؎ یعنی قرآن مجید میں جو ارشاد ہے یصب فوق رؤسھم الحمیم یصھر بہ ما فی بطونھم والجلود اس آیت میں جو یصھر ارشاد ہے اس سے یہ کٹ کر سب کچھ نکل جانا مراد ہے۔

يُعَادُ كَمَا كَانَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَوْلِهٖ يُسْقٰى مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ قَالَ يُقَرَّبُ إِلٰى فِيْهِ فَيَكْرَهُهٗ فَإِذَا أُدْنِيَ مِنْهُ شَوٰى وَجْهَهٗ وَوَقَعَتْ فَرْوَةُ رَأْسِهٖ فَإِذَا شَرِبَهٗ قَطَّعَ أَمْعَاءَهٗ حَتّٰى يَخْرُجَ مِنْ دُبُرِهٖ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَسُقُوْا مَاءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ وَيَقُوْلُ وَإِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ

جیسا تھا ویسا لوٹا دیا جاوے گا[۱] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوامامہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی رب کے اس قول کے متعلق کہ پلایا جاوے گا پیپ کے پانی سے جسے بمشکل نگلے گا[۲] فرمایا یہ اس کے منہ کے قریب کیا جاوے گا۔ وہ اسے ناپسند کرے گا[۳] جب اس سے قریب کیا جاوے گا تو اس کا چہرہ بھون دے گا اور اس کے چہرے کی کھال گر جاوے گی پھر جب اسے پیئے گا تو اس کی آنتیں کاٹ دے گا[۴] حتی کہ اس کی دبر سے نکل جاوے گا رب تعالٰی فرماتا ہے وہ گرم پانی پلائے جائیں گے وہ ان کی آنتیں کاٹ دے گا اور فرماتا ہے اگر پانی مانگے گا تو تلچھٹ جیسا پانی دیئے جائیں گے۔ جو چہرہ بھون دے گا یہ برا پانی ہے[۵] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابوسعید خدری سے وہ

[۱] خود یہ نکلی ہوئی آنتیں وغیرہ واپس نہیں کی جاویں گی بلکہ پیٹ میں دوبارہ یہ سب چیزیں نئی بنا دی جاویں گی رب فرماتا ہے بدلناھم جلودا غیرھا۔ دنیا میں جلی ہوئی کھال دوبارہ بن جاتی ہے بلکہ اب تو ڈاکٹر مریض کا دل نکال کر دوسرا دل ڈال دیتے ہیں اور آدمی زندہ رہتا ہے جیسا کہ ریڈیو اور اخباروں میں آرہا ہے لہذا ان باتوں کو بغیر چون وچرا مان لینا چاہیے۔

[۲] عربی میں صدید کہتے ہیں کچے لہو کو یعنی پتلی پیپ جس میں خون کی سرخی نمودار ہو یہ دوزخیوں کے پینے کا پانی ہوگا۔ خیال رہے کہ ان کو کبھی یہ کچے لہو پلایا جائے گا کبھی کھولتا پانی لہذا حمیم والی آیت بھی درست ہے اور صدید والی آیت بھی صحیح ہے ان میں تعارض نہیں۔

[۳] کیونکہ اس میں بدبو سخت ہوگی شکل نہایت بکر وہ مزہ نعوذ باللہ دیکھ کر گھن کرہی دل گھبرائے گا مگر پینا پڑے گا سخت پیاس کی وجہ سے۔

[۴] یعنی اس بدبو بدمزہ ہونے کے ساتھ ساتھ سخت گرم بھی ہوگا جس کی گرمی کا یہ حال ہوگا کہ منہ کے قریب ہوتے ہی چہرہ کی کھال جلا کر گرا دے گا۔

[۵] وہ آیت پڑھو حدیث بغور دیکھو یہ اس آیت کی تفسیر اور تفصیل ہے۔

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِسُرَادِقُ النَّارِ أَرْبَعَةُ جُدُرٍ كِثَفُ كُلِّ جِدَارٍ مَسِيرَةُ أَرْبَعِينَ سَنَةً رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ أَنَّ دَلْوًا مِنْ غَسَّاقٍ يُهْرَاقُ فِي الدُّنْيَا لَأَنْتَنَ أَهْلَ الدُّنْيَا رَوَاهُ

نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا دوزخ کی دیواریں چار ہیں۔ ہر دیوار کی موٹائی چالیس سال کی راہ ہے [1] (ترمذی) روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر غساق کا [2] ایک ڈول دنیا میں گرا دیا جائے تو دنیا والے سخت بدبو میں مبتلا ہو جاویں [3]

[1] سرادق سین کے فتحہ سے ہے پردہ کی دیوار اس کی جمع ہے سرادقات جیسے فارسی میں کہتے ہیں سراپردہ جدر جمع ہے جدار کی بمعنی دیوار قرآن کریم فرماتا ہے احاط بھم سرادقھا۔ مرقات نے فرمایا کہ سرادق اس دیوار کو کہتے ہیں جو اکیلی سارے گھر کو گھیرے ہو دوزخ کی یہ چار دیواریں آگے پیچھے ہیں ہر دیوار پورے دوزخ کو گھیرے ہوئے ہے۔

[2] غساق بھی دوزخیوں کو پلایا جانے والا پانی ہے یہ تمام دوزخیوں کی قے۔ خون، پیپ اور کچ لہو کا مجموعہ ہے جو نالیوں کے ذریعہ نیچے گرتا ہوگا اسے نیچے کے طبقے والے دوزخی پئیں گے وہاں نیچے طبقے والے دوزخیوں کا عذاب بہت سخت ہوگا۔ خیال رہے کہ غساق وغیرہ صرف کافر دوزخیوں کو پلایا جائے گا اللہ تعالٰی مسلمان گنہگاروں کو جو کچھ عرصہ کے لیے دوزخ میں رکھے جائیں گے ان پانیوں سے محفوظ رکھے گا کیونکہ مسلمان کے منہ میں اللہ رسول کا نام حضور کا کلمہ پڑھا جاتا تھا۔ رب نے انسانیت کا اتنا احترام فرمایا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی غذا حیض کا خون ہوتا ہے مگر وہ منہ کی راہ پیٹ میں نہیں جاتا ہے بلکہ بچہ کے ناف میں سوراخ وار نالا ہوتا ہے اسی ذریعہ پہنچتا ہے کیونکہ منہ اللہ رسول کے نام کی جگہ ہے مگر جب کفار نے خود ہی اپنی انسانیت کھودی تو انہیں یہ سزا دی گئی رب فرماتا ہے الاحمیما وغساقا جزاءً وفاقاً ہم کو چاہیے کہ اپنا منہ جھوٹ غیبت وغیرہ سے محفوظ رکھیں کہ یہ منہ یار کے نام کی جگہ ہے گندے گھر میں سلطان کو نہیں بٹھایا جاتا رب تعالٰے ہمارے منہ دل دماغ کو گناہوں سے بچائے۔

[3] یہاں ڈول سے مراد تھوڑا سا غساق ہے سمجھانے کے لیے ڈول ارشاد فرمایا ہے دنیا سے مراد زمین ہے یعنی غساق کی بدبو کا یہ حال ہے کہ اس کا ایک ڈول سارے روئے زمین کو بدبو سے سڑا دے اس کی بدمزگی اس کی شکل کا کیا پوچھنا اس کا ایک قطرہ روئے زمین کی چیزیں کڑوی کر دے۔ نتن مقابل ہے نور کا۔

التِّرْمِذِیُّ • وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَرَأَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اِتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ قَطْرَةً مِّنَ الزَّقُّوْمِ قُطِرَتْ فِي الدُّنْيَا لَاَفْسَدَتْ عَلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ مَعَايِشَهُمْ فَكَيْفَ بِمَنْ يَكُوْنُ طَعَامَهٗ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ هٰذَا حَدِيْثٌ

(ترمذی) روایت ہے حضرت ابن عباس سے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت کی کہ اللہ سے ڈرو۔ اس کے ڈرنے جیسا حق [1] اور نہ مرو مگر اسی حالت میں کہ تم مسلمان ہو [2] فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر زقوم کا ایک قطرہ زمین میں ٹپکا دیا جاوے [3] تو دنیا والوں پر ان کی روزیاں خراب کر دے [4] تو اس کا کیا حال ہوگا جس کا کھانا ہی زقوم ہوگا (ترمذی) اور فرمایا یہ حدیث

[1] حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ڈرنے کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے نافرمانی سے بچا جائے شکر کیا جائے ناشکری سے دور رہا جائے اسے یاد کیا جائے بھولا نہ جائے (حاکم مرقات) اللہ اس قال کو حال بنادے۔

[2] اس طرح کہ اسلام و ایمان پر مرتے دم تک قائم رہو۔ مسلم جیو۔ مومن مرو۔ شعر

پانی بھریں پنہاریاں رنگ برنگ گھڑے   بھریا اس کا جانیئے جس کا توڑ چڑھے

[3] زقوم تھوہڑ کو کہتے ہیں وہاں دوزخیوں کی یہ غذا ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر زقوم (ناگ پھنی) نچوڑی جائے اس کی ایک بوند زمین پر ٹپکادی جائے لہٰذا اس فرمان عالی پر یہ اعتراض نہیں کہ زقوم کسی پانی کا نام نہیں پھر اس کا قطرہ کیسا اور ٹپکانا کیا سیب پھل ہے مگر اس میں عرق تو ہے جو نچوڑنے سے ٹپکتا ہے۔

[4] یعنی اس ایک قطرے کی کڑواہٹ۔ بدبو۔ گرمی کی وجہ سے روئے زمین کے سارے دانے پھل کڑوے بدبودار گرم ہو جائیں قوم بھی کفار ہی کو کھلایا جائے گا رب فرماتا ہے ان شجرۃ الزقوم طعام الاثیم۔ خیال رہے کہ زقوم بنا ہے زقم سے بمعنی سخت بدمزگی (مرقات) یہ غذا بھی ان پر سخت عذاب ہوگی کہ کھائیں گے کہ بھوک ان پر مسلط کردی جائے گی۔

حَسَنٌ صَحِيحٌ ۔ وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ قَالَ تَشْوِيهِ النَّارُ فَتَقَلَّصُ شَفَتُهُ الْعُلْيَا حَتّٰى تَبْلُغَ رَأْسَهُ وَيَسْتَرْخِي شَفَتُهُ السُّفْلٰى حَتّٰى تَضْرِبَ سُرَّتَهُ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ وَعَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ابْكُوا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِيعُوا فَتَبَاكَوْا فَإِنَّ أَهْلَ النَّارِ يَبْكُونَ حَتّٰى

حسن بھی ہے صحیح بھی۔ روایت ہے حضرت ابوسعید سے وہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا وہ دوزخی دوزخ میں منہ سکوڑے ہوں گے [1] فرمایا اسے آگ بھون دے گی تو اس کا اوپری ہونٹ سکڑ جاوے گا حتی کہ اس کے سر تک پہنچ جاوے گا اور اس کا نیچا ہونٹ لٹک جاوے گا حتی کہ اس کی ناف پر پڑے گا [2] (ترمذی) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا اے لوگو روؤ اگر رو نہ سکو تو بہ تکلف روؤ [3] کیونکہ دوزخی لوگ روئیں گے حتی کہ ان کے آنسو

[1] دوزخیوں کے منہ آگ میں جھلس کر سکڑ جائیں گے۔ جس سے ان کی شکلیں بگڑ جائیں گی کہ انہیں دیکھ کر ڈر لگے گا بھوت بنے ہوں گے۔

[2] غور کرو کہ اگر اوپر کا ہونٹ سر سے لگ جاوے نیچے کا ہونٹ لٹک جائے جس سے سارے دانت کھل جائیں تو شکل کیسی ڈراؤنی ہوگی۔ ہونٹ تو منہ کی زینت ہیں۔ جن سے منہ حسین معلوم ہوتا ہے۔ جب یہ ہی بگاڑ دیئے گئے تو آدمی بھوت چڑیل سے بدتر معلوم ہوگا۔

[3] یعنی جیتے جی اپنے گناہوں کے ڈر رب کے خوف۔ اس کی رحمت کے شوق اس کے حبیب کے عشق میں جتنا ہوسکے رو لو ایسے رونے کا انجام ان شاءاللہ خوشی و شادمانی ہے مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست

مرد آخر میں مبارک بندہ ایست

خوف۔ شوق۔ ذوق کا رونا بڑا ہی لذیذ ہے انہیں آنسوؤں سے چمن ایمان کی آبیاری ہوتی ہے۔ شعر

باش چوں دولاب دائم چشم تر

تا درون صحن تو روید خضر

تَسِیْلَ دُمُوْعُھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ کَاَنَّھَا جَدَاوِلُ حَتّٰی تَنْقَطِعَ الدُّمُوْعُ فَتَسِیْلَ الدِّمَاءُ فَتَقْرَحُ الْعُیُوْنُ فَلَوْ اَنَّ سُفُنًا اُزْجِیَتْ فِیْھَا لَجَرَتْ رَوَاہُ فِیْ شَرْحِ السُّنَّۃِ وَعَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُلْقٰی عَلٰی اَھْلِ النَّارِ الْجُوْعُ فَیَعْدِلُ مَا ھُمْ فِیْہِ مِنَ الْعَذَابِ فَیَسْتَغِیْثُوْنَ بِطَعَامٍ مِنْ ضَرِیْعٍ لَّا یُسْمِنُ

ان کے چہروں پر ایسے بہیں گے گویا وہ نالیاں ہیں[1] حتی کہ آنسو ختم ہو جائیں گے تو آنکھوں کو زخمی کر دیں گے[2] اگر کشتیاں اس میں بہائی جاویں تو بہہ جاویں[3] (شرح سنہ) روایت ہے حضرت ابوالدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوزخیوں پر بھوک مسلط کی جاوے تو یہ بھوک سارے عذابوں کے برابر ہو جاوے گی[4] جن میں وہ مبتلا ہیں وہ فریاد کریں گے تو وہ ضریع میں سے کھانا دیئے جائیں گے جو نہ موٹا کرے نہ بھوک سے بچائے[5]

[1] کفار دنیا میں بے غم تھے وہاں غمگین ہوں گے یہاں خوش تھے وہاں مغموم رہیں گے یہاں ہنستے بہت تھے وہاں بہت روئیں گے جس سے ان کے رخساروں پر نالیاں بن جائیں گی۔

[2] پھر ان کی آنکھوں سے دو قسم کے خون جاری ہوں گے آنسو کی جگہ اور زخم چشم سے پھر اس رونے سے جو تکلیف ہوگی وہ بیان سے باہر ہے۔

[3] ازجیت بنا ہے ازجاؤ سے بمعنی چھوڑنا بہانا (مرقات، اشعہ) اجریت یعنی دوزخیوں کی آنکھوں سے اتنا خون بہے گا کہ اس کے تالاب دریا بن جائیں گے کہ ان میں کشتیاں جاری ہو جاویں۔

[4] یعنی دوزخیوں پر اس شدت کی بھوک مسلط کی جاوے گی کہ اس کی تکلیف دوزخ کی باقی تکالیف کے برابر ہو جاوے گی اس سے یہ لوگ غذا کے لیے بے تاب ہو جاویں گے بھوک وہ چیز ہے کہ دنیا میں بعض دفعہ بھوکی عورتوں نے اپنے بچے ذبح کر کے کھا لیے ہیں رب پناہ دے اس بھوک کی وجہ سے انہیں جو بھی کھانے کے لیے دیا جائے گا بے تامل اسے دوڑ کر لیں اور کھائیں گے کہ کسی طرح پیٹ بھرے۔ [5] ضریع عرب شریف میں ایک خاردار گھاس ہے جس کے کانٹے بھی خطرناک ہوتے ہیں اور وہ زہریلی بھی ہوتی ہے اسے جانور منہ نہیں لگاتے بلکہ جس زمین میں وہ ہو وہاں جانور ڈر کے مارے چرتے بھی نہیں وہاں ٹھہرتے بھی نہیں دوزخی پیٹ بھرنے کے لیے وہی کھائیں گے اور سخت تکلیف اٹھائیں گے مگر پیٹ اس سے بھی نہ بھرے گا۔

وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوْعٍ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالطَّعَامِ فَيُغَاثُونَ بِطَعَامٍ ذِي غُصَّةٍ فَيَذْكُرُونَ أَنَّهُمْ كَانُوا يُجِيزُونَ الْغُصَصَ فِي الدُّنْيَا بِالشَّرَابِ فَيَسْتَغِيثُونَ بِالشَّرَابِ فَيُرْفَعُ إِلَيْهِ الْحَمِيمُ بِكَلَالِيبِ الْحَدِيدِ فَإِذَا دَنَتْ مِنْ وُجُوهِهِمْ شَوَتْ وُجُوهَهُمْ فَإِذَا دَخَلَتْ بُطُونَهُمْ قَطَّعَتْ مَا فِي بُطُونِهِمْ فَيَقُولُونَ ادْعُوا خَزَنَةَ جَهَنَّمَ فَيَقُولُونَ أَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

پھر وہ کھانا مانگیں گے تو انہیں گا لینے والا کھانا دیا جاوے گا[1] تو انہیں یاد آوے گا کہ وہ دنیا میں کانے پانی سے اتارتے تھے نگلتے تھے[2] چنانچہ وہ پانی مانگیں گے تو ان کی طرف کھولتا پانی پیش کیا جاوے گا لوہے کی سنڈاسیوں سے[3] جب وہ ان کے منہ کے قریب ہوگا تو ان کے منہ بھون دے گا۔ پھر جب ان کے پیٹ میں داخل ہوگا تو ان کے پیٹوں کی ہر چیز کاٹ ڈالے گا[4] تو کہیں گے کہ دوزخ کے منتظمین کو پکارو[5] مگر منتظمین کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول دلیلیں نہیں لائے

[1] اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہے ان لدینا انکالا وجحیما و طعاما ذا غصة وعذابا الیما طعام ذا غصة یعنی کانٹوں والا کھانا یہ ہی ہے جو انہیں ضریع کے بعد دیا جاوے گا۔

[2] یعنی یہ کھانا جب نگلیں گے تو وہ ان کے حلق سے نہ اترے گا۔ پھنس جائے گا نہ اوگل سکیں گے نہ نگل سکیں گے تب انہیں دنیا کا حال یاد آئے گا کہ ہم گلے میں اٹکا ہوا لقمہ پانی سے نگلتے تھے۔

[3] یہ بالٹیاں اور سنڈاسیاں قدرتی ہوں گی جن میں کھولتا پانی بھرا ہوگا فرشتے ان بالٹیوں کو اٹھائے ہوں گے اس کا ذکر یہاں ہے اس پانی کی گرمی اس حد تک ہوگی کہ کوئی شخص نہ اس بالٹی کے قریب جا سکے گا نہ ہاتھ لگا سکے اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

[4] جس پانی کی گرمی کا یہ حال ہو وہ جب منہ میں یا پیٹ میں پہنچے گا تو کیا حال ہوگا اس بلا سے رب تعالیٰ بچائے۔

[5] یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے کہ دوزخ کے داروغہ مالک سے اور دیگر متعلقہ فرشتوں سے عرض کرو کہ ہم کو اس عذاب سے نجات ملے یا موت دے دی جائے۔ خیال رہے کہ دوزخی کبھی تو فرشتوں کو پکاریں گے کبھی رب تعالےٰ کو پکاریں گے لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ادعوا ربکم یخفف عنا یوما من العذاب وہاں دوسری پکار کا ذکر ہے۔

قَالُوْا بَلٰى قَالُوْا فَادْعُوْا وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ اُدْعُوْا مَالِكًا فَيَقُوْلُوْنَ يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ فَيُجِيْبُهُمْ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ قَالَ الْاَعْمَشُ نُبِّئْتُ اَنَّ بَيْنَ دُعَآئِهِمْ وَاِجَابَةِ مٰلِكٍ اِيَّاهُمْ اَلْفُ عَامٍ قَالَ فَيَقُوْلُوْنَ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ فَلَا اَحَدٌ خَيْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا

عرض کریں گے ہاں کہیں گے تو پکارو جناب کافروں کی پکار ہیں ہی برباد ۱؎ فرمایا پھر کہیں گے مالک کو پکارو۔ کہیں گے اے مالک اب تو تمہارا رب۔ ہمارا فیصلہ ہی کردے ۲؎ فرمایا وہ انہیں جواب دے گا تم یہاں ہی رہو گے اعمش فرماتے ہیں کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ دوزخیوں کی پکار اور مالک کے ان کو جواب دینے میں ایک ہزار سال کا فاصلہ ہو گا ۳؎ پھر کہیں گے اپنے رب کو پکارو کہ تمہارے رب سے بہتر کوئی نہیں ۴؎ تو کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدنصیبی ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم تھے ۵؎ اے ہمارے رب ہم کو اس سے نکال اگر اب ہم کفر کی

۱؎ اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ یہ آیت کریمہ قیامت کے متعلق ہے کہ دوزخ میں کفار کی دعا پکار بے کار ہوگی کچھ نہ سنی جائے گی دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ شیطان نے درازی عمر کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ انک من المنظرین (مرقات) اس آیت کے معنی ایک یہ بھی کیے گئے ہیں کہ کافروں کے لیے ان کی نجات کے لیے کسی کی دعا قبول نہیں۔ ایسی دعائیں برباد ہیں (مرقات)

۲؎ یہاں فیصلہ سے مراد موت کا فیصلہ ہے یعنی ہم کو موت دے دے حکمی فیصلہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ میں رہیں۔

۳؎ اس ایک ہزار سال میں برابر چیختے چلاتے ہی رہیں گے جواب کا انتظار بھی کریں گے اور چیختے چلاتے بھی رہیں گے۔

۴؎ یعنی وہ ارحم الراحمین ہے کاش دنیا میں وہ لوگ یہ مانتے اطاعت کرلیتے تو یہ دن کیوں دیکھتے۔

۵؎ اگر یہ بات دنیا میں وہ لوگ مان لیتے اور ایمان قبول کرلیتے تو یہ نوبت نہ آتی ہر کام وقت پر ہی درست ہوتا ہے توبہ اور ایمان کا وقت یہ زندگی ہے موت کی سکرات کے وقت کا ایمان بھی قبول نہیں چہ جائیکہ اس وقت کا ایمان۔

ظٰلِمُوْنَ قَالَ فَيُجِيْبُهُمْ اِخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنَ قَالَ فَعِنْدَ ذٰلِكَ يَئِسُوْا مِنْ كُلِّ خَيْرٍ وَعِنْدَ ذٰلِكَ يَاخُذُوْنَ فِي الزَّفِيْرِ وَالْحَسْرَةِ وَالْوَيْلِ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ وَالنَّاسُ لَا يَرْفَعُوْنَ هٰذَا الْحَدِيْثَ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

وَعَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى

طرف لوٹ آئیں تو ہم ظالم ہیں[1] فرمایا کہ انہیں جواب دے گا پڑے رہو اس میں مجھ سے بات نہ کرو[2] فرمایا کہ اس وقت ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے[3] اور اس وقت رہیں گے ندامت اور خرابی کی پکار میں مشغول ہوں گے[4] عبداللہ ابن عبدالرحمان نے فرمایا کہ لوگ اس حدیث کو مرفوع نہیں کرتے[5] (ترمذی) روایت ہے حضرت نعمان ابن بشیر سے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی

[1] یعنی ابھی ہم ظالم نہیں بلکہ دھوکا کھانے والوں میں ہیں ہم دنیا میں دھوکا کھا گئے کہ جگہ ہم نے دیکھی نہ تھی نبیوں کا ہم نے اعتبار نہ کیا اب ہم یہ عذاب اپنی آنکھوں دیکھ چکے اگر دوبارہ دنیا میں جاکر تیری نافرمانی کریں تو واقعی ہم بڑے مجرم ہوں گے ایک بار ہم کو دنیا میں اور بھیج دے ہمیں موقعہ اور عطا فرما۔

[2] یعنی تمہاری درخواست نامنظور ہے اس ایمان واعمال کا اعتبار ہے جو نبی کی زبان پر اعتماد کرکے بے دیکھے اختیار کیا جائے اب تم نے یہ عذاب اپنی آنکھوں دیکھ لیا اگر تم دنیا میں جاکر ایمان لاؤ بھی تو بھی ایمان بالغیب تم کو میسر نہ ہوگا۔ ایمان بالشہادہ ہوگا جو مردود ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم دوبارہ دنیا میں گئے تو بھی کفر وشرک وبدکاری ہی کروگے عادی مجرم جب چھوٹتا ہے لوٹتا ہے لہذا ہم سے اس بارے میں کلام ہی نہ کرو ایسی درخواست پیش نہ کرو تمہاری اپیل خارج

[3] کیونکہ اپیل کی آخری عدالت یہ ہی تھی جب یہاں سے ہی اپیل خارج ہوگئی تو اب کہاں جاکر فریاد کریں۔

[4] اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ شور مچاتے رہے تھے مگر وہ شوروغل تکلیف کا تھا یہ شوروغل مایوسی اور حسرت افسوس کا ہوگا اور کیسا ہوگا۔ وہ رب تعالٰی ہی جانے۔ اس کا بیان نہیں ہوسکتا۔

[5] یعنی اس روایت میں یہ حدیث مرفوع ہے مگر محدثین عمومًا اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت ابوالدرداء پر موقوف کرتے ہیں۔ لیکن خیال رہے کہ ایسی مرفوع حدیثیں مرفوع کے حکم میں ہوتی ہیں کہ ان میں قیاس کو دخل نہیں۔ صحابی ایسی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کہہ سکتے ہیں۔

(مرقات۔اشعہ)

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ اَنْذَرْتُكُمُ النَّارَ فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى لَوْ كَانَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا اَسْمَعَهٗ اَهْلَ السُّوْقِ وَحَتّٰى سَقَطَتْ خَمِيْصَةٌ كَانَتْ عَلَيْهِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ ۔ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ اَنَّ رَصَاصَةً مِثْلَ

اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ میں نے تم کو آگ سے ڈرایا میں نے تم کو آگ سے ڈرایا[۱] آپ یہ فرماتے رہے حتی کہ اگر حضور میری اس جگہ ہوتے تو بازار والے سن لیتے[۲] اور حتی کہ جو چادر آپ پر تھی وہ آپ کے پاس قدموں پر گر گئی[۳] (دارمی) روایت ہے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص[۴] سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اس جیسی

[۱] یعنی میں نے تم کو بارہا دوزخ سے مختلف طریقوں سے ڈرایا کیونکہ میں اللہ تعالٰی کی طرف سے نذیر بھی تو ہوں میں نے اپنا یہ فرض ادا کر دیا۔ تم لوگ گواہ ہو۔

[۲] یعنی حضور انور نے جوش میں اس قدر بلند آواز سے یہ کلمات فرمائے کہ اگر حضور انور آج یہاں قیام فرما کر وہ فرماتے تو بازار تک آپ کی آواز پہنچ جاتی۔

[۳] یعنی جوش کے ساتھ آپ پر وجدانی حالت بھی طاری تھی۔ اور آپ جنبش میں تھے جس کے اثر سے چادر مبارک کندھے شریف سے گر کر قدم مبارک پر آگئی۔ یہ حدیث صوفیاء کرام کے وجد کی دلیل ہے وجدان شوق اور ذوق خوف ہر چیز سے آسکتا ہے۔

[۴] عبداللہ بھی صحابی ہیں اور آپ کے والد عمرو بھی صحابی مگر دادا عاص ابن وائل کافر حضور انور کا سخت دشمن تھا اس کا نام عاصی تھا ی کے ساتھ مشہور ہوگیا۔ عاص ی کو گرا کر بہت دفع آخری ی دور کر دی جاتی ہے۔ جیسے باقی سے باق متعالی سے متعال مہتدی سے مہتد (مرقات) بعض محدثین نے فرمایا کہ عاص اجوف واوی یا اجوف الفی سے ہے اس کی جمع اعیاص ہے قاموس نے کہا الاعیاص میں قریش اولاد امیہ ابن عبدالشمس اس صورت میں اس کے آخر میں ی ہو ہی نہیں سکتی۔ (مرقات)

هٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی مِثْلِ الْجُمْجُمَةِ اُرْسِلَتْ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ وَهِیَ مَسِیْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ لَبَلَغَتِ الْاَرْضَ قَبْلَ اللَّیْلِ وَلَوْ اَنَّهَا اُرْسِلَتْ مِنْ رَاْسِ السِّلْسِلَةِ لَسَارَتْ اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ قَبْلَ اَنْ تَبْلُغَ اَصْلَهَا اَوْ قَعْرَهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ، وَعَنْ اَبِیْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِیْهِ

رانگ کھوپڑی کی طرف اشارہ فرمایا[1] آسمان سے زمین کی طرف گرائی جاوے حالانکہ یہ فاصلہ پانچ سو سال کا ہے تو رات سے پہلے زمین پر پہنچ جاوے اور اگر وہ ہی رانگا زنجیر کے سرے سے[2] گرایا جاوے تو چالیس دن رات چلے اس کی جڑ یا اس کی تہ تک پہنچنے سے پہلے[3] (ترمذی) روایت ہے حضرت ابو بردہ سے وہ اپنے والد سے راوی[4]

[1] رصاص ر کے فتحہ سے یعنی رانگ یا سیسہ بعض لوگوں نے رضاض ض سے پڑھا یعنی کنکر یٹ مگر یہ غلط ہے مقصد یہ ہے کہ انسانی کھوپڑی کی برابر رانگا یا سیسہ آسمان سے پھینکو تو وہ رات کا چلا صبح سے پہلے زمین پر پہنچ جائے چڑھنے کی رفتار بہت سست ہوتی ہے گرنے کی رفتار بہت ہی تیز جیسا کہ مشاہدہ ہے آسمان چڑھنے کی مدت پانچ سو سال ہے گرنے کی مدت دس گھنٹے یا اس سے بھی کم سادہ اشارہ میں مسئلہ سمجھا دیا گیا ہے۔

[2] یہاں سلسلہ سے مراد وہ زنجیر ہے جس میں کفار باندھے جائیں گے جس کی لمبائی دست قدرت کے لحاظ سے ستر ہاتھ ہے یعنی ہمارے ہاتھ نہیں۔ رب فرماتا ہے ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْهُ اس زنجیر کی لمبائی کا یہ حال ہے۔

[3] یہاں قعر سے مراد زنجیر کا دوسرا کنارہ ہے نہ کہ گہرائی کیونکہ زنجیر میں گہرائی کہاں یعنی اگر وہ زنجیر دوزخ کے کنارہ سے اس کی تہ تک لٹکائی جائے تو اس کی درازی کا یہ حال ہوگا کہ یہ سیسہ اس کنارہ سے پھینکا ہوا دوسرے کنارہ تک چالیس سال میں نہ پہنچ سکے اس زنجیر سے کفار کو جکڑا جائے گا اندازہ لگالو کہ وہ جکڑ اور پکڑ کیسی ہوگی۔

[4] آپ کا نام حارث ہے کنیت ابو بردہ آپ کے والد حضرت ابو موسیٰ اشعری مشہور صحابی ہیں آپ تابعی ہیں ابو موسیٰ اشعری، علی مرتضیٰ وغیرہم صحابہ سے روایت کرتے ہیں کوفہ کے قاضی تھے ۱۰۴ھ ایک سو چار ہجری میں وفات پائی۔ واللہ اعلم

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ فِيْ جَهَنَّمَ لَوَادِيًا يُقَالُ لَهٗ هَبْهَبُ يَسْكُنُهٗ كُلُّ جَبَّارٍ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَعْظُمُ اَهْلُ النَّارِ فِي النَّارِ حَتّٰى اَنَّ بَيْنَ شَحْمَةِ اُذُنِ اَحَدِهِمْ اِلٰى عَاتِقِهٖ مَسِيْرَةُ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ وَاِنَّ غِلَظَ جِلْدِهٖ سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا وَاِنَّ ضِرْسَهٗ مِثْلُ اُحُدٍ وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جُزْءٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ

کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوزخ میں ایک جنگل ہے جسے ہبہب کہا جاتا ہے اس میں ہر ظالم سرکش رہے گا ۱؎ (ترمذی) تیسری فصل روایت ہے حضرت ابن عمر سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا کہ دوزخی دوزخ میں بڑے ہو جائیں گے حتی کہ ان میں سے ہر ایک کی گدیا سے لے کر اس کے کندھے تک سات سو سال کا فاصلہ ہو جاوے گا ۲؎ اور اس کی کھال موٹائی ستر گز ہو گی اور اس کی ڈاڑھ احد پہاڑ کی طرح ۳؎ روایت ہے حضرت عبداللہ ابن حارث سے ابن جزء سے ۴؎ فرماتے ہیں فرمایا رسول

۱؎ ہبہب بروزن جعفر بمعنی تیزی۔ جلد۔ چمک۔ چونکہ وہاں کی آگ بہت تیز ہے اور اپنے مجرموں کو یہ جگہ بہت جلد پکڑے گی اس لیے اسے ہبہب کہا جاتا ہے وہاں نہایت ذلت و خواری سے مجرموں کو رکھا جائے گا اسی لیے وہ جگہ متکبر کفار کی ہے

۲؎ جب کان کی لو اور کندھے کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے تو باقی جسم کتنا ہوگا۔ اندازہ لگالو۔ خیال رہے کہ اس قد کی متعلق روایات مختلف ہیں جن میں مختلف قد بیان فرمائے گئے ہیں یا تو یہ سب اندازۃً ہے سمجھانے کے لیے یا بعض کفار کے قد کتنے بعض کے کتنے لہذا احادیث میں تعارض نہیں۔

۳؎ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں واقعی ان کی کھال ڈاڑھ اتنی ہی موٹی اور بڑی ہو گی۔ رسول اللہ سچے ہیں ان کی زبان پر غلط بات آسکتی ہی نہیں۔

۴؎ آپ کا نام عبداللہ ہے کنیت ابوالحارث ہے صحابی ہیں بدر میں شریک ہوئے بعد میں مصر میں رہے وہاں ہی وفات پائی ۸۶ھ میں وفات ہوئی۔

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ فِی النَّارِ حَیَّاتٍ کَاَمْثَالِ الْبُخْتِ تَلْسَعُ اِحْدٰھُنَّ اللَّسْعَةَ فَیَجِدُ حُمُوَّتَھَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا وَاِنَّ فِی النَّارِ عَقَارِبَ کَاَمْثَالِ الْبِغَالِ الْمُوْکَفَةِ تَلْسَعُ اِحْدٰھُنَّ اللَّسْعَةَ فَیَجِدُ حُمُوَّتَھَا اَرْبَعِیْنَ خَرِیْفًا رَوَاھُمَا اَحْمَدُ ۔

وَعَنِ الْحَسَنِ قَالَ حَدَّثَنَا اَبُوْ ھُرَیْرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ثَوْرَانِ مُکَوَّرَانِ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ میں زہر سانپ ہیں اونٹنی کی طرح[1] ان میں سے ایک ڈسے گا ایک بار ڈسنا کہ وہ دوزخی اُس کا زہر چالیس سال تک پائے گا[2] اور آگ میں بچھو ہیں پالان والے خچروں کی طرح۔ ان میں سے ایک ڈنگ مارے گا ایک ڈنگ تو وہ اُسکا زہر چالیس سال تک پائے گا[3] (یہ دونوں حدیثیں احمد نے روایت فرمائیں)۔

روایت ہے حضرت حسن سے فرماتے ہیں ہم کو حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنائی۔ فرمایا سورج اور چاند قیامت کے دن گہنے ہوئے دو پنیر

[1] وہ سانپ جسامت میں تو اونٹ کی طرح بڑے اور موٹے مگر زہر میں رفتار میں پتلے سانپ کی طرح ہونگے۔ دنیا میں موٹا سانپ یعنی اژدہا زہریلا نہیں ہوتا پتلا بہت زہریلا اور تیز رفتار ہوتا ہے موسٰی علیہ السلام کا عصا ثعبان مبین یعنی اژدہا ہوجاتا ہے جسامت میں اور حرکت کرتا تھا۔ پتلے سانپ کی طرح کانہا جانٌّ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ دوزخ کے موٹے سانپوں میں زہر نہ ہوگا۔ پھر ان سے کیا فائدہ بلکہ وہاں زیادہ بڑا سانپ زیادہ زہریلا ہوگا۔

[2] سانپ کے زہر سے جو جانکنی ہوتی ہے۔ وہ بہت ہی تکلیف دہ ہوتی ہے خدا کی پناہ یہ جانکنی کی تکلیف اسے چالیس سال تک محسوس ہوگی مگر جان نکلے گی نہیں اور موت آوے گی نہیں لیکن جانکنی کی شدت محسوس ہوتی رہے گی۔

[3] بچھو کے ڈنگ کی تکلیف اس کو معلوم ہے جسے کبھی بچھو نے کاٹا ہو اس کا زہر سارے جسم کو پریشان کردیتا ہے۔ خصوصًا کالا بچھو جو سانپ کو ڈنگ مارے تو وہ بھی مرجاوے بعض بچھو دنیا میں ایسے ہیں کہ تانبہ پر ڈنگ ماردیں تو وہ راکھ بن جاوے پھر دوزخ کے بچھو رب جانے کیسے زہریلے ہوں گے۔ پھر یہ زہر انہیں تکلیف تو دے گا مگر اس سے اُن کی جان نہیں نکلے گی۔

فِی النَّارِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فَقَالَ الْحَسَنُ وَمَا ذَنْبُھُمَا فَقَالَ اُحَدِّثُکَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَسَکَتَ الْحَسَنُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ کِتَابِ الْبَعْثِ وَالنُّشُوْرِ ٭ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِیٌّ قِیْلَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَنِ الشَّقِیُّ قَالَ مَنْ لَّمْ یَعْمَلْ لِلّٰہِ بِطَاعَۃٍ وَلَمْ یَتْرُکْ لَہٗ بِمَعْصِیَۃٍ رَوَاہُ ابْنُ مَاجَۃَ ٭

کے ٹکڑے ہوں گے [۱] خواجہ حسن نے کہا کہ ان دونوں کا گناہ کیا ہے۔ ابوہریرہ نے فرمایا میں تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث سنا رہا ہوں تو خواجہ حسن خاموش ہوگئے [۲] (بیہقی۔ بعث ونشور کا بیان) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آگ میں نہ جاوے گا مگر بدنصیب [۳] عرض کیا گیا یارسول اللہ بدنصیب کون ہے؟ فرمایا جو اللہ کی فرمانبرداری کا کام نہ کرے اور اس کی نافرمانی نہ چھوڑے [۴] (ابن ماجہ) ٭

[۱] ثور کہتے ہیں پنیر کے ٹکڑے کو پنیر جما ہوا دودھ جو عرب میں ہوتا ہے ہمارے ہاں نہیں ہوتا ہے وہ قدرے سخت ہوتا ہے ہم نے وہاں بہت کھایا ہے۔ یعنی چاند سورج دوزخ میں نہایت صاف چکنے ہوں گے مگر بے نور ہوں گے۔ اس لئے ثوران فرمایا۔ [۲] یہ ہے کمال ایمان کہ حضور انور کا نام سنکر عقلی سوال کوئی نہ فرمایا اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں چاند، سورج عذاب پانے کے لیے نہیں جائیں گے بلکہ اپنے پجاریوں کو عذاب دینے جائیں گے ان کی گرمی آگ کی گرمی سے مل کر عذاب کو دوبالا کردے گی۔ دیکھو دوزخ میں عذاب دینے کے لیے فرشتے بھی تو ہوں گے مگر وہ عذاب پانے کے لیے وہاں نہیں ہوں گے بلکہ عذاب دینے کے لیے ہوں گے نیز یہ دونوں نور ہیں اور نور کو نار تکلیف نہیں دیتی دیکھو مومنین وہاں سے گنہگاروں کو نکالنے کے لیے دوزخ میں جائیں گے مگر بالکل تکلیف نہ پائیں گے۔ [۳] یعنی دوزخ میں سزا پانے کے لیے صرف بد بخت جن وانس ہی ہوں گے اگر دائمی داخلہ مراد ہے تو شقی سے مراد پورا بدبخت یعنی کافر ہے اور اگر مطلقًا داخلہ مراد ہے دائمی ہو یا عارضی تو شقی سے مراد مطلقًا بدکار ہے خواہ کافر ہو یا فاسق مسلمان [۴] یہاں بھی وہ ہی دو احتمال ہیں اگر کافر مراد ہے تو اس معصیت میں بدعقیدگی بھی داخل ہے اور طاعت میں اچھے عقیدے شامل یعنی وہ کافر دوزخ میں ہمیشہ کے لیے جاویگا جس نے اچھے عقیدے اچھے اعمال اختیار نہ کئے برے عقیدے اور برے اعمال پر رہا رب فرماتا ہے لَا یَصْلٰھَا اِلَّا الْاَشْقَی الَّذِیْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ اور اگر گنہگار مومن بھی اس میں داخل ہیں تو معصیت وطاعت سے مراد

بَابُ خَلْقِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ - اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ - عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَاجَّتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَقَالَتِ النَّارُ اُوْثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِيْنَ وَالْمُتَجَبِّرِيْنَ وَقَالَتِ الْجَنَّةُ فَمَالِیْ لَا يَدْخُلُنِیْ اِلَّا ضُعَفَآءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَغِرَّتُهُمْ قَالَ اللّٰهُ لِلْجَنَّةِ اِنَّمَا اَنْتِ رَحْمَتِیْ اَرْحَمُ بِكِ مَنْ

جنت اور دوزخ کی پیدائش ۱؎ پہلی فصل - روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت اور دوزخ نے مناظرہ کیا ۲؎ تو دوزخ بولی کہ میں غرور والوں جابروں سے خاص کی گئی ہوں ۳؎ جنت بولی کہ پھر میرا کیا حال ہے کہ مجھ میں صرف کمزور لوگ ان میں سے گرے پڑے سیدھے سادھے ہی داخل ہوں گے ۴؎ اللہ تعالٰی نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے ذریعے

عمل وطاعت ہے۔ خیال رہے کہ دنیا میں خوش نصیبی بدنصیبی مال سے سمجھی جاتی ہے مگر آخرت میں اعمال سے وہاں کی دولت اعمال ہے۔

۱؎ اس باب میں بیان ہوگا کہ جنت و دوزخ پیدا ہوچکی ہیں۔ یہ ہی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے بعض نومولود بے دین کہتے ہیں کہ ابھی پیدا نہیں ہوئیں بعد قیامت پیدا ہوں گی۔ اس کی تحقیق ہم اپنی تفسیر نعیمی پارہ اوّل میں اعدت للکفرین کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔

۲؎ یہاں قولی زبانی مناظرہ مراد ہے نہ کہ صرف حال کا اللہ نے ہر چیز میں حواس شعور کلام پیدا فرمایا ہے وان من شیئ الایسبح بحمدہ سب چیزیں نماز تسبیح ذکر کرتی ہیں مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

نطق آب و نطق خاک و نطق گل | ہست محسوس حواس اہل دل
فلسفی کو منکر حنانہ است | از حواس اولیاء بیگانہ است

۳؎ یعنی اے جنت میں تجھ سے اعلٰی ہوں کہ مجھ میں اعلٰی شاندار لوگ آکر رہیں گے۔ بادشاہ۔ وزراء متکبرین مالدار کفار اور تو مجھ سے کمتر ہے کہ کمتر ین لوگ ضعفاء تجھ میں رہیں گے۔ ۴؎ دوزخ کے کہنے پر جنت نے بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کیا کہ مجھے کمزوروں کی جگہ کیوں بنایا گیا، میں نے کیا قصور کیا تھا۔ خیال رہے کہ ضعفاء سے مراد بدن اور مال کے لحاظ سے کمزور لوگ ہیں سقط اور غیرہ سے مراد ہے احوال و صفات کے لحاظ سے کمزور سقط وہ جنہیں لوگ معتبر نہ سمجھیں ان کی طرف التفات نہ کریں غرۃ وہ جو دین میں مشغول رکھنے والے لوگ جنہیں دنیا کا تجربہ کم ہو کسی کو دھوکہ نہ دے سکیں بلکہ چالاک انہیں دھوکہ دیدیں حدیث

اَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ وَقَالَ لِلنَّارِ اِنَّمَا اَنْتِ عَذَابِيْ اُعَذِّبُ بِكِ مَنْ اَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْكُمَا مِلْؤُهَا فَاَمَّا النَّارُ فَلَا تَمْتَلِئُ حَتّٰى يَضَعَ اللّٰهُ رِجْلَهٗ يَقُوْلُ قَطْ قَطْ، فَهُنَالِكَ تَمْتَلِئُ وَيُزْوٰى بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ فَلَا يَظْلِمُ اللّٰهُ مِنْ خَلْقِهٖ اَحَدًا وَاَمَّا الْجَنَّةُ فَاِنَّ اللّٰهَ

جس بندے پر چاہوں گا رحم کروں گا لے اور دوزخ سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ جس بندے پر چاہوں گا عذاب کروں گا ۲ تم میں سے ہر ایک کا بھرنا طے شدہ ہے ۳ لیکن آگ تو وہ نہ بھرے گی حتی کہ اللہ تعالٰی اپنا قدم رکھے گا ۴ تو کہے گی بس بس اس وقت بھر جاوے گی اور بعض بعض کی طرف سمٹ جاوے گی ۵ اللہ تعالٰی اپنی کسی مخلوق پر ظلم نہ کرے گا ۶ رہی جنت تو اللہ تعالٰی اس کے لئے

شریف میں ہے المؤمن غرکریم الکافر خب لئیم۔

۱ چونکہ جنت اللہ تعالٰی کی رحمت کا مظہر ہے۔ اور اللہ تعالٰی کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لیے پہلے اس سے خطاب فرمایا گیا یعنی جنہیں تو ضعیف سمجھتی ہے وہ در حقیقت کمزور نہیں وہ تو میرے رحم و کرم کا مرکز ہیں بڑے درجے والے ہیں ۲ یعنی اے دوزخ تو میرے غضب و قہر کا مظہر ہے تجھ میں وہ لوگ رکھے جائیں گے جو اپنے شامت اعمال کی وجہ سے میرے غضب و قہر کے مستحق ہو گئے تم دونوں ہی اچھی ہو کہ میرے صفات کا مظہر ہو عذابی سے مراد ہے عذاب کی جگہ محل عذاب۔ عدل بھی میری صفت ہے فضل بھی۔ ۳ یعنی تم دونوں کا کمال اسی میں ہے کہ تم دونوں ہی بھر دی جاؤ چنانچہ ہم تم میں سے کسی میں جگہ خالی نہیں چھوڑیں گے دونوں کو بھر دیں گے۔

۴ شارحین نے اجل یعنی قدم کے بہت معنی کئے ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ پاؤں یعنی قدم ہی ہو اور اللہ کے قدم سے مراد وہ ہو جو وہ ہی جانے یہ فرمان عالی متشابہات سے ہے ورنہ اس گوشت و پوست کے ہاتھ پاؤں سے رب تعالٰی پاک اور منزہ ہے۔

۵ یعنی جب اللہ تعالٰی آگ میں اپنا قدم قدرت رکھ دے گا تو آگ کا جوش ختم ہو جاوے گا اور زیادتی کا مطالبہ ھل من مزید بند ہو جاویگا یہ قدم وہاں رہے گا نہیں بالکل نکال لیا جاوے گا۔ ۶ یعنی دوزخ بھرنے عذاب دینے کے لیے کوئی مخلوق پیدا نہیں کی جاویگی کیونکہ یہ ظلم ہے رب تعالٰی ظلم سے پاک ہے خیال رہے کہ ظلم کے دو معنی ہیں کسی کی چیز اس کی بغیر اجازت استعمال کرنا دوسرے کسی کو بغیر قصور سزا دینا یہ کہہ کر ماتجزون الا ماکنتم تعملون۔ پہلے معنی تو رب تعالٰی کے لیے متصور نہیں کہ ہر چیز اللہ تعالٰی کی مخلوق و مملوک ہے دوسرے معنی ظلم سے رب تعالٰی پاک ہے ان اللہ لایظلم مثقال ذرۃ لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ اگر اللہ تعالٰی تمام لوگوں کو دوزخ

يُنْشِئُ لَهَا خَلْقًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۔ وَعَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ تَزَالُ جَهَنَّمُ يُلْقٰى فِيْهَا وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ حَتّٰى يَضَعَ رَبُّ الْعِزَّةِ فِيْهَا قَدَمَهٗ فَيَنْزَوِيْ بَعْضُهَا اِلٰى بَعْضٍ فَتَقُوْلُ قَطْ قَطْ بِعِزَّتِكَ وَكَرَمِكَ وَلَا يَزَالُ فِي الْجَنَّةِ فَضْلٌ حَتّٰى يُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَيُسْكِنُهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ

ایک مخلوق پیدا کرے گا (مسلم،بخاری) روایت ہے حضرت انس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا دوزخ میں ڈالا جاتا رہے گا اور وہ کہتی رہے گی کیا اور زیادتی بھی ہے حتی کہ اللہ تعالٰی اس میں اپنا قدم رکھ دے گا تب بعض بعض کی طرف سمٹ جاویگا کہے گی تیری عزت و کرم کی قسم بس بس اور جنت میں بچی ہوئی جگہ رہے گی حتی کہ اللہ اس کے لیئے ایک مخلوق پیدا فرمائیگا جنہیں جنت کے بچے ہوئے حصے میں رکھیگا

میں بھیجدے تو وہ ظالم نہیں ہاں ظلم سے پہلے معنی مراد ہیں۔

۱ خیال رہے کہ دوزخ صرف بدعقیدگی اور بدعملی سے ملے گی مگر جنت کسبی۔ وہبی۔ عطائی تین طرح ملے گی۔ اپنی نیکیوں سے جنت ملنا کسبی ہے کسی نیک کے طفیل ملنا وہبی ہے۔ جیسے مسلمان ماں باپ کے چھوٹے بچے مرے ہوئے یا دیوانہ مسلمان یا ہم جیسے گنہگار حضور کے طفیل یہ قوم جو جنت بھرنے کے لیے پیدا کی گئی۔ انہیں جنت عطائی ملے گی محض فضل الٰہی سے یہ مسئلہ یہاں سے حاصل ہوا۔ ۲ اس میں جنات۔ انسان۔ چاند۔ سورج اینٹ پتھر وغیرہ ڈالے جاتے رہیں گے مگر وہ بھرے گی نہیں۔

۳ یہ زبان قال کہتی رہے گی نہ کہ بزبان حال۔ ہر چیز میں زبان فہم وغیرہ سب کچھ ہے۔

۴ یعنی اب میں بالکل بھر گئی مجھ میں کسی چیز کی گنجائش نہیں نہ اب سے نہ آئندہ ہوگی اب تجھ سے زیادتی کا مطالبہ نہیں کرونگی

۵ ابھی عرض کیا گیا کہ جنت بھرنے کے لیے ایک مخلوق پیدا کی جاوے گی۔ مگر دوزخ بھرنے کے لیے کوئی مخلوق پیدا نہ کی جاوے گی کیونکہ بغیر عمل جنت مل سکتی ہے بغیر گناہ دوزخ میں نہیں ڈالا جا سکتا یہ مخلوق انسان ہی ہوگی مگر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے نہ ہوگی اور اس مخلوق کو جنت جزا یا ثواب کے لیے نہ ملے گی محض رب تعالٰی کے فضل سے عطا ہوگی۔ اس مخلوق کو حوریں عطا نہ ہوں گی پھل فروٹ اور دوسری نعمتیں دی جاویں گی۔ (شعر معہ) وہ کون سے انسان ہیں جو آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں۔

(جواب) وہ یہی مخلوق ہے۔ جو جنت پر کرنے کے لیئے پیدا کی جاوے گی کہ یہ انسان تو ہوگی مگر اولاد آدم علیہ السلام نہیں جیسے حضرات حوا انسان ہیں مگر حضرت آدم کی اولاد نہیں۔ نیز خود آدم علیہ السلام انسان ہیں مگر اولاد آدم نہیں مرقات نے فرمایا کہ جنت عمل پر موقوف نہیں۔

الْجَنَّةِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيثُ اَنَسٍ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ فِي كِتَابِ الرِّقَاقِ ❊ اَلْفَصْلُ الثَّانِي. عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ قَالَ لِجِبْرِيْلَ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا وَاِلٰى مَا اَعَدَّ اللّٰهُ لِاَهْلِهَا فِيهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا ثُمَّ حَفَّهَا بِالْمَكَارِهِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرِيْلُ اِذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيتُ اَنْ لَا يَدْخُلَهَا اَحَدٌ قَالَ فَلَمَّا

(مسلم بخاری) اور حضرت انس کی حدیث کہ جنت مشقتوں سے گھیر دی گئی۔ کتاب الرقاق میں بیان کر دی گئی۔
دوسری فصل - روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا جب اللہ نے جنت پیدا کی تو حضرت جبریل سے فرمایا کہ جاؤ اُسے دیکھو وہ گئے اُسے اور جو نعمتیں اس میں جنتیوں کیلئے اللہ نے تیار کی ہیں انھیں دیکھا پھر آئے[1] عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم نہ سنے گا اُسے کوئی مگر اس میں داخل ہو گا[2] پھر رب نے اُسے مشقتوں سے گھیر دیا[3] پھر فرمایا اے جبریل جاؤ اُسے دیکھ کر آؤ۔ فرمایا تو وہ گئے اُسے دیکھا[4] پھر آئے عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ جنت میں کوئی داخل نہ ہوسکے گا[5] فرمایا پھر جب

[1] یہاں آنے جانے سے مراد ہے اپنے جائے رہائش سے جانا آنا یعنی سدرۃ المنتہی سے جنت میں گئے پھر وہاں ہی لوٹ کر آئے حضرت جبریل کا جنت میں جانا ثواب کے لیے نہ تھا نہ وہ وہاں پھل وغیرہ کھاسکے کہ وہاں کی نعمتیں انسانوں کے لیے ہیں۔ اس لیے لاھلھا ارشاد ہوا فرشتے کھانے پینے سے محفوظ ہیں۔

[2] یعنی دوزخ میں کوئی نہ جائے گا ساری مخلوق جنت میں داخل ہو جاوے گی کیونکہ یہاں کی نعمتیں ایسی ہیں کہ کوئی ان کو سنکر ان سے صبر نہیں کرسکتا۔ [3] یعنی جنت بہت اعلیٰ گلشن ہے جگہ بہار دار ہے مگر اس کا راستہ خار دار ہے۔ حج۔ روزے۔ جہاد زکوۃ رات کو جاگنا تہجد پڑھنا یہ اس کے راستے ہیں۔ [4] اس دنیا کے عرض یہاں کے اعمال و صفات وہاں اس عالم میں شکل و صورت رکھتے ہیں، حضرت جبریل علیہ السلام نے یہ تمام چیزیں مشکلیں کانٹوں کی شکل میں دیکھیں لہذا حدیث واضح ہے۔ [5] یعنی کوئی شخص اپنی طاقت سے جنت میں نہ جاسکے گا جس پر تو فضل و کرم فرمائے اورا سے ان مشقتوں کی برداشت کی توفیق دے وہ ہی انہیں برداشت کر کے

خَلَقَ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا ثُمَّ جَآءَ فَقَالَ اَيْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَا يَسْمَعُ بِهَا اَحَدٌ فَيَدْخُلُهَا فَحَفَّهَا بِالشَّهَوَاتِ ثُمَّ قَالَ يَا جِبْرَئِيْلُ اذْهَبْ فَانْظُرْ اِلَيْهَا قَالَ فَذَهَبَ فَنَظَرَ اِلَيْهَا فَقَالَ اَیْ رَبِّ وَعِزَّتِكَ لَقَدْ خَشِيْتُ اَنْ لَّا يَبْقٰى اَحَدٌ اِلَّا دَخَلَهَا رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَاَبُوْدَاوٗدَ وَالنَّسَائِيُّ ۞ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ ۔ عَنْ

اللہ نے آگ پیدا کی تو فرمایا اے جبریل جاؤ اُسے دیکھو۔ فرمایا وہ گئے اُسے دیکھا پھر آئے [1] عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم اُسے کوئی نہ سنے گا کہ پھر اس میں داخل بھی ہو [2] رب نے اُسے لذتوں سے گھیر دیا [3] پھر فرمایا اے جبریل اُسے دیکھو فرمایا وہ گئے اُسے دیکھا عرض کیا یارب تیری عزت کی قسم مجھے خطرہ ہے کہ اس میں کوئی داخل ہوئے بغیر نہ بچے گا [4] (ترمذی۔ابوداؤد۔نسائی) ۞ تیسری فصل۔ روایت ہے

جنت میں پہنچ سکے گا۔ حضرت جبریل کی عرض بالکل درست ہے۔ جو آنکھوں سے دیکھے جارہے ہیں ۞

[1] دوزخ میں جانے آنے کے وہ ہی معنی جو ابھی عرض کئے گئے کہ اپنی جگہ سدرۃ المنتہٰی سے گئے۔ وہاں ہی آئے اور وہاں جانا تکلیف کے لیے نہیں سیر کے لیے ہے جیسے کوئی جیل خانہ کی سیر کرنے وہاں جائے تو وہ محض سیر کے لیے گیا ہے وہاں اُسے تکلیف نہیں ہوتی۔

[2] یعنی موٹی یہ جگہ ہمیشہ خالی ہی رہے گی۔ اس میں کوئی نہ آئے گا۔ ایسی مصیبت کی جگہ کون آئے گا۔

[3] گانے ۔ ناچنے۔ کھیل تماشے۔ زنا۔ چوری وغیرہ۔ نفس امارہ کو مرغوب ہیں یہ ہی دوزخ کے راستے ہیں جو نفس کو بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔

[4] اس کا مطلب ابھی عرض کیا گیا کہ مولیٰ جسے تو ہی توفیق دے وہ اس راستہ سے بچ سکے گا۔ اپنی طاقت سے کوئی یہاں سے نہیں بچ سکتا ایک شاعر کہتا ہے۔

لولا المشقة ساد الناس کلھم ۔۔۔ الجود یفقر والاقدام قتال (مرقات)

اگر مشقت نہ ہوتی تو سب ہی سردار بن جاتے عظمت بہت مشقت سے ملتی ہے ۞

أَنَسٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى لَنَا يَوْمًا الصَّلٰوةَ ثُمَّ رَقِيَ الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدِهٖ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ قَدْ أُرِيْتُ الْاٰنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلٰوةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِيْ قِبَلِ هٰذَا الْجِدَارِ فَلَمْ اَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ٭ بَابُ بَدْءِ الْخَلْقِ وَذِكْرِ

حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ہم کو نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر تشریف فرما ہوئے[1] تو اپنے ہاتھ سے مسجد کے قبلہ کی طرف اشارہ کیا۔ فرمایا ابھی جب میں نے تم کو نماز پڑھائی، تو جنت ودوزخ اس دیوار کی جانب میں اپنی شکل میں دکھائی گئیں[2] میں نے آج کے دن کی طرح خیروشر کا جامع نہیں دیکھا[3] (بخاری)

پیدائش کی ابتداء

[1] نماز سے مراد فرض نماز ہے۔ یعنی پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی اس کے بعد وعظ کے لیے منبر شریف پر تشریف لائے۔

[2] اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک دیوار میں اتنی وسیع جنت ودوزخ سماگئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس دیوار کی طرف ہم نے جنت بھی دیکھی اور دوزخ بھی جنت دوزخ اپنے مقام پر تھیں، حضور انور کی نگاہ نے دور کی جنت دوزخ ملاحظہ فرمائیں۔ حالانکہ وہ عالم دوسرا ہے نہ یہ مطلب ہے کہ جنت ودوزخ کے فوٹو دکھائے گئے۔

[3] یعنی جنت سراسر خیر ہے اور دوزخ سراسر شر۔ میں نے ان دونوں کو اسی وقت اور اسی جگہ جمع دیکھا جو نگاہ مدینہ منورہ میں کھڑے کھڑے جنت دوزخ کو ملاحظہ فرماسکتی ہیں اس نگاہ سے زمین کا کوئی چپہ کیسے مخفی رہ سکتا ہے۔ یہ حدیث حضور کی وسعت نظر کی دلیل ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت دوزخ پیدا ہوچکی ہیں۔ حضور انور نے اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ اس لیے یہ حدیث صاحب مشکوۃ اس باب میں لائے وہ واقعہ دوسرا ہے۔ جب حضور انور نے نماز کسوف میں جنت دوزخ ملاحظہ فرمائیں اور جنت کا خوشہ توڑنے کے لیے ہاتھ مبارک اٹھایا۔ بعد میں فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو وہاں کا خوشہ توڑ لیتے ٭٭٭

الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔ اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ۔ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ اِنِّيْ كُنْتُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذْ جَاءَهُ قَوْمٌ مِّنْ بَنِيْ تَمِيْمٍ فَقَالَ اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا بَنِيْ تَمِيْمٍ قَالُوْا بَشَّرْتَنَا فَاَعْطِنَا فَدَخَلَ نَاسٌ مِّنْ اَهْلِ

حضرات انبیاء کرام کا ذکر[1] پہلی فصل۔ روایت ہے حضرات عمران ابن حصین سے[2] فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ ناگاہ بنی تمیم کی ایک قوم حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی حضور نے فرمایا بشارت قبول کرو اے بنی تمیم[3] وہ بولے آپ نے ہمیں بشارتیں تو دے دیں ہم کو تو کچھ دیجئے[4] پھر یمن کے کچھ

[1] اس باب میں دو چیزیں بیان ہوں گی ایک یہ کہ مخلوق کی پیدائش کی ابتداء کیسے ہوئی دوسرے یہ کہ دین و ملت کی ابتداء کس طرح ہوئی۔ آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ عالم اجسام کی اصل پانی سے ہے کہ پانی ہی وہ چیز ہے جو ہر شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چنانچہ پانی لطیف ہو کر ہوا بنا پھر ہوا گرم ہو کر آگ بنی۔ آگ کا دھواں جم کر آسمان بنا۔ قرآن مجید میں آسمان کو دھواں فرمایا گیا ہے۔ اس پانی کے جھاگ جم کر زمین بنے۔ اس زمین کا کچھ حصہ سخت کر کے پہاڑ بنا دیئے گئے پھر پہاڑ زمین پر لنگر کی طرح قائم کر دیئے گئے تاکہ زمین جنبش نہ کرے۔ لہذا عالم اجسام کی اصل پانی ہے رب فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ اللہ تھا اس کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ سب سے پہلے لوح و قلم پیدا فرمائے پھر عرش و کرسی پھر آسمان و زمین جن و انس وغیرہ۔ دوسری حدیث میں ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالٰی نے نور محمدی بنایا۔ پھر اس نور سے سارا عالم بنا۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ؎

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

اس کی تفصیل اشعۃ اللمعات اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔

[2] یہ وہ صحابی ہیں جو تیس سال بیماری سے بستر پر رہے۔ فرشتوں سے ملاقات کرتے تھے۔ فرشتے انہیں سلام کرتے تھے آپ کے بقیہ حالات بارہا بیان ہو چکے ہیں۔

[3] یعنی اے بنی تمیم تم مجھ سے عقائد و اعمال سیکھو اور اس پر آئندہ جزاء خیر کی بشارت لو لہذا حدیث واضح ہے۔

[4] یعنی عقائد و اعمال کی تعلیم اور اس پر بشارتیں تو آپ سناتے بتاتے ہی رہتے ہیں۔ ہم کو تو مال دیجئے۔ افسوس کہ ان لوگوں کو اللہ نے مانگ لینے کا وقت دیا مگر انہوں نے کچھ فائدہ نہ اٹھایا نصیب اپنا اپنا تقدیر اپنی اپنی اس وقت دریائے رحمت جوش میں تھا۔

الْيَمَنِ فَقَالَ اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا اَهْلَ الْيَمَنِ اِذْ لَمْ يَقْبَلْهَا بَنُوْا تَمِيْمٍ قَالُوْا قَبِلْنَا جِئْنَاكَ لِنَتَفَقَّهَ فِي الدِّيْنِ وَلِنَسْأَلَكَ عَنْ اَوَّلِ هٰذَا الْاَمْرِ مَا كَانَ قَالَ كَانَ اللّٰهُ وَلَمْ يَكُنْ شَيْءٌ قَبْلَهٗ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ثُمَّ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَكَتَبَ فِي الذِّكْرِ كُلَّ شَيْءٍ ثُمَّ اَتَانِيْ رَجُلٌ فَقَالَ يَا عِمْرٰنُ اَدْرِكْ نَاقَتَكَ فَقَدْ ذَهَبَتْ فَانْطَلَقْتُ اَطْلُبُهَا وَايْمُ اللّٰهِ

لوگ آئے، حضور نے فرمایا جب بنو تمیم بشارت قبول نہیں کرتے تو تم بشارت قبول کرو[1] وہ بولے ہم قبول کرتے ہیں ہم آپ کی خدمت میں اسلئے حاضر ہوئے ہیں کہ دینی علم سیکھیں اور آپ سے اس چیز کی ابتداء پوچھیں کہ کیا چیز تھی[2] فرمایا اللہ تھا اور اس سے پہلے کچھ نہ تھا اس کا عرش پانی پر تھا[3] پھر اس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور لوح محفوظ میں ہر چیز لکھی[4] پھر میرے پاس ایک شخص آیا بولا اے عمران اپنی اونٹنی پکڑو وہ بھاگ گئی[5] تو میں اسے ڈھونڈنے چلا گیا۔ اور اللہ کی قسم میری تمنا

[1] یعنی اس وقت سے تم فائدہ اٹھالو ہم سے کچھ حاصل کرلو۔ اچھے حال کا اچھا مآل (انجام) ہوتا ہے۔

[2] یعنی اللہ تعالٰی نے جب اپنی مخلوق کو پیدا کرنا چاہا تو پہلے کیا چیز پیدا فرمائی پھر ترتیب خلق کیا ہے، سبحان اللہ کیسا پاکیزہ اور محققانہ سوال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور اول آخر سب کچھ جانتے ہیں سب کچھ آپ کی نظر میں ہے۔

[3] اس پانی سے مراد یہ سمندر کا پانی نہیں بلکہ عرش الٰہی کے نیچے قدرتی پانی ہے جو ہوا پر ہے اور ہوا اللہ تعالٰی کی قدرت پر۔ اس فرمان کا یہ مطلب نہیں کہ عرش پانی پر رکھا ہوا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس پانی اور عرش کے درمیان کوئی آڑ نہ تھی۔ جیسے ہم کہیں کہ آسمان زمین پر ہے یعنی زمین کے اوپر ہے۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ عرش او رپانی سب سے پہلے پیدا ہوئے۔ دریا کے پانی میں جنبش پیدا ہوئی جس سے جھاگ پیدا ہوئے، وہ جھاگ عرصہ تک وہاں محفوظ رہے جہاں خانہ کعبہ ہے اسی جھاگ کو پھیلا دیا گیا۔ وہ زمین ہے سب سے پہلا پہاڑ بوقبیس ہے جو پیدا کیا گیا (مرقات و اشعہ) پانی کے بخارات سے آسمان بنا۔

[4] ذکر سے مراد لوح محفوظ ہے غالب یہ ہے کہ لوح و قلم اور یہ تحریر عرش سے پہلے ہوئے (اشعہ)

[5] یعنی سلسلہ کلام جاری تھا کہ مجھ سے کسی نے یہ کہا میں بقیہ کلام سن نہ سکا۔

لَوَدِدْتُّ اَنَّهَا قَدْ ذَهَبَتْ وَلَمْ اَقُمْ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ؞ وَعَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰى دَخَلَ اَهْلُ الْجَنَّةِ مَنَازِلَهُمْ وَاَهْلُ النَّارِ مَنَازِلَهُمْ حَفِظَ ذٰلِكَ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ؞ وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ

ہے کہ وہ چلی گئی ہوتی اور میں وہاں سے نہ اٹھتا ۱؎ (بخاری) ؞ روایت ہے حضرت عمرؓ سے فرماتے ہیں ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ کھڑے ہوئے تو ہم کو ابتداء خلق کے متعلق خبر دی حتّٰی کہ جنتی جنت میں اپنے ٹھکانوں میں داخل ہوگئے اور دوزخی اپنے ٹھکانوں میں جس نے یاد رکھا اس نے یاد رکھا اور جو بھول گیا وہ بھول گیا ۳؎ (بخاری) ؞ روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے فرماتے ہیں میں نے رسول

۱؎ یعنی یہ مضمون ایسا پیارا تھا کہ مجھے اس کے پورا نہ سننے پر افسوس ہے اونٹنی بھاگ جاتی مجھے نہ ملتی مگر میں پورا فرمان عالی سن لیتا۔

۲؎ حضور انور کا یہ وعظ فجر کی نماز سے مغرب کی نماز تک تھا۔ درمیان میں سوا ظہر کی وعصر کی نماز کے اور کسی کام کے لئے وعظ شریف بند نہ فرمایا اور دن بھر میں ابتداء سے انتہا تک بیان فرمادینا بھی حضور انور کا معجزہ ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام گھوڑے پر زین کستے کستے پوری زبور شریف پڑھ لیتے تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ اس وعظ شریف میں پرندہ کا پر مارنا قطرہ کا حرکت کرنا، ذرہ کا جنبش فرمانا تک بیان فرمادیا۔ گذشتہ ماضی کے سارے حالات اور آئندہ مستقبل کا ایک ایک حال بیان کردیا۔ یہ ہے حضور کا علم غیب کلی کی بڑی قوی دلیل اور یہ حدیث ان آیات کی تفسیر ہے دعلمك مالم تکن تعلم یارب کا قرآن ویعلمکم مالا تعلمون۔ شعر

خدا مطلع ساخت بر جملہ غیب علی کل شیٔ خبر آمدی

۳؎ اللہ تعالٰی نے سارے غیب حضور کو بتائے، حضور کو یاد بھی رہے فرماتے ہیں۔ وتجلی لی کل شیء وعرفت پھر حضور انور نے یہ سب کچھ صحابہ کو بتایا مگر ان میں سے کسی کو سارا یاد نہ رہا یہ فرق ہے اس تعلیم میں اور اس تعلیم میں بعض کو زیادہ یاد رہا بعض کو کم بعض کو کچھ یاد نہ رہا۔ غرضکہ رب نے اپنے محبوب کو سب کچھ سکھایا۔ حضور نے صحابہ کو سب کچھ وعظ میں بتایا جیسے حضرت آدم کو رب نے سارے نام سکھائے۔ وعلم آدم الاسماء کلھا اور حضرت آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو وہ سب نام سکھائے نہیں بلکہ بتائے۔ فلما انباھم یہ فرق خیال میں رہے ؞

اللہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی کَتَبَ کِتَابًا قَبْلَ اَنْ یَّخْلُقَ الْخَلْقَ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ فَھُوَ مَکْتُوْبٌ

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا کہ اللہ تعالٰی نے مخلوق کی پیدائش سے پہلے ایک تحریر لکھی[1] کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے[2] تو وہ اُس کے پاس

[1] یہ تحریر یا تو لوح محفوظ میں ہے۔ دوسری تحریروں کے ساتھ یا یہ تحریر علیحدہ ہے۔ جو رب تعالٰی کے پاس محفوظ ہے۔ ہر وقت رب کی نظر میں ہے۔ خیال رہے کہ اس قسم کی تحریریں تاکید اور اہمیت ظاہر فرمانے اور اپنے خاص بندوں کو دکھانے کے لیے ہوتی ہیں۔ اس لئے نہیں کہ رب تعالٰی کو اپنے بھول جانے کا خطرہ تھا۔ لہذا لکھ لیا نعوذ باللہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحریر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھی ہے۔ دیکھ کر پڑھ کر ہم کو سنا رہے ہیں۔ شعر

قدرت کی تحریریں جانے ۔ امی اور تقدیریں جانے　　بخشش کی تدبیریں جانے: وہ ہے رحمت والا

جن کا نام ہے محمد دو جگ ہے ان سے اجیالا

[2] اس فرمان عالی کے چند معنی ہیں۔ **ایک** یہ کہ میری رحمت زیادہ ہے میرا عذاب و غضب کم کہ رحمت ہمیشہ رہتی ہے غضب کبھی کبھی۔ **دوسرے** یہ کہ میری رحمت عام ہے جس سے ہر کافر و مومن و جن و انس حصہ لے رہا ہے۔ میرا غضب خاص کافر انسانوں اور جنات پر۔ **تیسرے** یہ کہ رحمت ملنے کے اسباب بہت ہی ہیں۔ ایمان لانا توبہ کرنا۔ عبادت کرنا۔ رونا۔ ڈرنا۔ امید رکھنا۔ بندوں پر رحم کرنا۔ مگر غضب کا سبب صرف ایک ہے۔ یعنی نافرمانی کرنا۔ اگرچہ نافرمانی کی نوعیتیں بہت ہیں۔ **چوتھے**۔ یہ کہ رحمت پہلے ہے غضب اس کے بعد ہے۔ مخلوق کو پیدا فرمانا انہیں پالنا روزی دینا رحمت یہ پہلے ہے ان کی نافرمانی پر پکڑنا یہ غضب ہے۔ جو ان رحمتوں کے بعد ہے۔ دنیا میں بھی اسکی رحمت زیادہ ہے آخرت میں بھی زیادہ ہوگی۔ **پانچویں** یہ کہ اللہ کی رحمت تو بغیر سبب بھی مل جاتی ہے مگر اس کا غضب کسی سبب سے ہی ہوتا ہے۔ ہم پر اس نے عالم ارواح اور ماں کے پیٹ میں رحمتیں کیں۔ اس وقت ہم کون سے اعمال کر رہے تھے۔ شعر

درعدم کے بود مارا خود طلب　　بے طلب کردی عطاہائے عجب

چھٹے۔ یہ کہ رحمت تو ہمارے بغیر استحقاق کے بھی مل جاتی ہے مگر غضب ہمارے استحقاق سے ہی ہوتا ہے۔ اب پڑھو یہ آیت کریمہ ان عذابی اصیب بہ من اشاء ورحمتی وسعت کل شیٔ۔ اس کا اثر یہ ہے کہ دائمی رحمت ہیں۔ تو آپ کی نبوت عالمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ **ساتویں** یہ کہ رحمت کی بہت قسمیں ہیں رحمت ایجاد۔ رحمت امداد۔ رحمت توفیق اعمال۔ رحمت قبول۔ رحمت جزاء عمل وغیرہ مگر غضب کے اقسام بہت تھوڑے ہیں۔ **آٹھویں** یہ کہ خلف وعید جائز بلکہ واقع ہے مگر خلف وعدہ ناممکن ہے۔ اسکی اور وجوہ بھی ہو سکتی ہیں۔

عِنْدَهٗ فَوْقَ الْعَرْشِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ نُوْرٍ وَخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞ وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰهُ اٰدَمَ فِي الْجَنَّةِ تَرَكَهٗ مَا شَآءَ اللّٰهُ

عرش کے اوپر رکھی ہوئی ہے ۱؎ (مسلم بخاری) ۞ روایت ہے حضرت عائشہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ۲؎ اور جنات خالص آگ سے پیدا کئے گئے ۳؎ اور آدم اس سے پیدا کئے گئے جو تم سے بیان کیا گیا ۴؎ (مسلم) ۞ روایت ہے حضرت انس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالٰی نے حضرت آدم کی جنت میں صورت بنائی ۵؎ تو جب تک چھوڑے

۱؎ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریر لوح محفوظ میں نہیں ہے بلکہ خاص تختی پر ہے لوح محفوظ پر فرشتوں، نبیوں ولیوں کی نظر ہے مگر اس تحریر پر سوا ہمارے حضور کے کسی کی نظر نہیں یہ تو حضور کا کرم ہے کہ وہ خاص تحریر ہم کو بتادی سنادی۔ حضور رب کی طرف سے مختار ہیں۔ ۲؎ نور کے معنی ہیں روشنی یعنی بذات خود ظاہر دوسروں کا مظہر یہاں چمکدار جوہر مراد ہے جس میں کثافت بالکل نہ ہو (اشعۃ اللمعات) یعنی فرشتوں کی پیدائش ایسے جوہر سے ہے جو چمکدار ہے اس میں کثافت بالکل نہیں۔ ہمارے جسموں کی پیدائش خاک سے ہے جو کثیف ہے۔ اگرچہ اس میں آگ و پانی کی ملاوٹ بھی ہے۔ ۳؎ اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے۔ والجان من مارج من نار۔ اگرچہ آگ بھی لطیف ہے کثیف نہیں مگر اس میں گرمی بھی ہے نور میں گرمی نہیں صرف لطافت ہے نیز آگ نور اور کثافت کے درمیان ہے خالص آگ محض چمک ہے مکدر ہو تو محض دھواں یہ ہی فرق ہے فرشتے اور جن کے درمیان (اشعہ) ۴؎ اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے۔ من صلصال من حما مسنون یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو گلی اور سوکھی کھنکھناتی مٹی سے پیدا فرمایا جسم انسانی کی پیدائش مٹی سے ہے روح انسانی کی پیدائش امر ربی سے قل الروح من امر ربی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جسم شریف خاکی نورانی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ سراجًا منیرًا۔ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے کھجور، انار اور انگور پیدا کئے گئے۔ جنت کی حوریں زعفران سے پیدا کی گئیں (مرقات)

۵؎ آدم علیہ السلام کی پیدائش کے چند درجے ہیں اولًا ان کا پتلا زمین پر یعنی مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان وادی نعمان میں [illegible] یا اور سکھایا گیا پھر وہ سوکھا ہوا پتلا جنت میں رکھا گیا وہاں ہی روح پھونکی گئی وہاں ہی فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا وہاں

أَنْ يَتْرُكَهٗ فَجَعَلَ إِبْلِيسُ يُطِيفُ بِهٖ يَنْظُرُ مَا هُوَ فَلَمَّا رَاٰهُ أَجْوَفَ عَرَفَ أَنَّهٗ خُلِقَ خَلْقًا لَا يَتَمَالَكُ[1] رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۞
وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَتَنَ[2] إِبْرٰهِيمُ النَّبِيُّ وَهُوَ ابْنُ ثَمَانِينَ سَنَةً بِالْقَدُومِ[3] مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى

رکھنا چاہا انہیں چھوڑے رکھا۔ ابلیس اُن کے آس پاس گردش کرنے لگا دیکھتا تھا کہ یہ کیا چیز ہے تو جب انہیں خالی پیٹ دیکھا تو سمجھ گیا کہ وہ ایسی خلقت سے پیدا کیے گئے جو اپنے قابو میں نہ ہوں گے[1] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے نبی حضرت ابراہیم نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا[2] تیشہ سے[3] (مسلم، بخاری) ۞ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی

ہی حوا پیدا ہوئیں، پھر وہاں سے زمین پر بھیجا گیا یہاں اس دوسرے ٹھکانہ کا بیان ہے۔ لہذا یہ حدیث ان روایات کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ حضرت آدم کا پتلا نعمان مقام میں بنایا گیا۔ بعض نے کہا کہ فی الجنۃ۔ راوی کی غلطی ہے ۞

[1] یعنی یہ اپنے پر قابو نہ رکھیں گے۔ خوشی و رنج عیش تکلیف کو برداشت نہ کرسکیں گے شہوت و غصہ میں بے قابو ہو جائیں گے لہذا میں ان کی اولاد کو بہ آسانی بہکا سکوں گا۔

[2] جب حضرت ابراہیم اسی سال کے ہوئے، تب حکم الٰہی پہنچا کہ اے ابراہیم ختنہ کرو۔ آپ نے اپنا ختنہ خود کرلیا اور ہوا غلط طریقہ سے تو آپ سخت زخمی ہوگئے۔ اس کے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے۔ واذا ابتلی ابرٰھیم ربہ بکلمات خیال رہے کہ چند نبی ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ جن میں ہمارے حضور صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہیں۔ آج جو جوان یا بوڑھا مسلمان ہو وہ یا تو اپنا ختنہ خود کرے یا کسی ختنہ جاننے والی عورت سے نکاح کرے جو اس کی بیوی بننے کے بعد اس کا ختنہ کرے نائی سے ختنہ نہیں کرا سکتا، کیونکہ بالغ مرد کا ستر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ختنہ کرانا سنت ابراہیمی ہے آپ ہی سے یہ رسم جاری ہوئی۔

[3] قدوم ق کے فتحہ سے دال کے پیش سے شام میں ایک بستی ہے۔ اور قدوم دال کے شد سے تیشہ، بسولہ بڑھیوں کا مشہور ہتھیار ہے آپ نے مقام قدوم میں اسی اوزار سے اپنا ختنہ خود کرلیا۔ رب تعالٰے کے حکم پر فوراً عمل کیا یہ ہے اطاعت حکم ۞

اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ لَمۡ یَکۡذِبۡ اِبۡرٰھِیۡمُ اِلَّا ثَلٰثَ کَذِبَاتٍ ثِنۡتَیۡنِ مِنۡھُنَّ فِیۡ ذَاتِ اللّٰہِ اِنِّیۡ سَقِیۡمٌ وَقَوۡلُہٗ بَلۡ فَعَلَہٗ کَبِیۡرُھُمۡ ھٰذَا وَقَالَ بَیۡنَا ھُوَ ذَاتَ یَوۡمٍ وَسَارَۃُ اِذۡ اَتٰی عَلٰی جَبَّارٍ

اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ کہا سواء تین جھوٹ کے[1] ان میں سے دو تو اللہ کی ذات میں تھے کہ میں بیمار ہوں[2] اور آپ کا فرمان کہ بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا[3] فرمانا کہ ایک دن آپ اور جناب سارہ ہجرت میں تھے کہ آپ ظالمین میں سے ایک

[1] یہاں جھوٹ سے مراد توریہ ہے یعنی ذو معنی والا لفظ بول کر بعید معنی مراد لینا ہے ضرورت کے وقت توریہ بالکل جائز ہے۔ خیال رہے کہ آپ کا چوتھا قول ھٰذَا رَبِّیۡ بچپن شریف کا تھا یہ تین توریہ نبوت کی عطا کے بعد میں لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

[2] اس فرمان عالی کی تفسیر حاشیۃ القرآن میں ملاحظہ کرو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ آپ کی قوم نے آپ کو اپنے میلے میں چلنے کیلئے کہا تو آپ نے کہا میں بیمار ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاسکتا ہوں مطلب یہ تھا کہ میرا دل بیمار ہے۔ اسے تمہاری طرف سے رنج و غصہ ہے مگر چونکہ آپ کا جسم شریف بظاہر بیمار نہ تھا اور سقیم کے ظاہری معنی ہیں۔ جسمانی بیماری اس لیے اسے کذب یعنی توریہ فرمایا گیا آپ تو صدیقًا نبیا ہیں۔ اس فرمان عالی کے اور بہت مطلب ہوسکتے ہیں۔ یہ قوی ہے۔ شعر

اگر ترا یہ تماشا وعید خود طلبند　　　خلیل در جواب بگوکہ بیمارم

[3] اس کا واقعہ یہ ہوا تھا کہ کفار تو اپنے میلے میں گئے آپ نے بتخانہ میں تشریف لے جاکر سارے بت توڑ دیئے ان میں ایک بت بڑا تھا باقی چھوٹے تھے کفار نے واپس آکر اپنے بتوں کی یہ حالت دیکھ کر آپ سے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا آپ نے فرمایا ان سب سے بڑے نے کیا یہ کلام شریف ظاہر کے خلاف ہے کہ بتوں کو توڑا آپ نے اور توڑنے کو نسبت کر دیا بڑے بت کی طرف اس لیے اسے کذب یعنی توریہ فرمایا اس فرمان عالی کے بہت مطلب بیان کئے گئے ہیں قوی ترین دو مطلب ہیں ایک یہ کہ کفار ان بتوں کو اپنا چھوٹا خدا کہتے تھے۔ اللہ تعالٰی کو بڑا خدا آپ نے فرمایا کہ یہ کام اللہ تعالٰی نے کیا ہے کیونکہ محبوب خلیل کا کام رب کا کام ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی۔ وہ سمجھے کہ بڑے سے مراد یہ بڑا بت ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ جملہ خبر نہیں بلکہ انشاء ہے یعنی اس بڑے نے کیا ہوگا ان چھوٹے سے پوچھ لو یہ ہوا استہزاء اور استہزاء خبر نہیں، پھر جھوٹ کیسا رب جہنمی کافر سے فرمائے گا ذق انک انت العزیز الکریم حالانکہ کافر کریم ہے۔ نہ عزیز چونکہ ان دونوں کلاموں کا تعلق خاص رب تعالٰی سے ہے۔ جس میں آپکا اپنا نفع کوئی نہیں اس لیے فرمایا کہ یہ دونوں کلام اللہ

مِّنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيْلَ لَهُ اِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِّنْ اَحْسَنِ النَّاسِ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ فَسَاَلَهُ عَنْهَا مَنْ هٰذِهٖ قَالَ اُخْتِيْ فَاَتٰى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا اِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ اِنْ يَّعْلَمْ اِنَّكِ امْرَاَتِيْ يَغْلِبْنِيْ عَلَيْكِ فَاِنْ سَاَلَكِ فَاَخْبِرِيْهِ اِنَّكِ اُخْتِيْ فَاِنَّكِ اُخْتِيْ فِي الْاِسْلَامِ لَيْسَ عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ مُؤْمِنٌ

ظالم پر گزرے[1] اُسے خبر دی گئی کہ یہاں ایک شخص ہے جس کے ساتھ ایک عورت ہے لوگوں میں سے حسین ترین۔ اُس نے آپ کو بلوایا اور سارہ کے متعلق پوچھا کہ یہ کون ہیں آپ نے فرمایا میری بہن ہیں[2] پھر آپ سارہ کے پاس آئے ان سے فرمایا کہ یہ ظالم اگر جان لے گا کہ تم میری بیوی ہو تو یہ تمہارے متعلق مجھ پر غلبہ کرے گا[3] اگر وہ تم سے پوچھے تو اُسے بتانا کہ تم میری بہن ہو کیونکہ تم میری اسلامی بہن ہو۔ روئے زمین پر میرے اور تمہارے سواء کوئی مومن نہیں ہے[4]

کے متعلق تھے۔

[1] اس کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت خلیل اپنی بیوی حضرت سارہ کے ساتھ عراق سے شام کی طرف براستہ مصر ہجرت کرکے جا رہے تھے۔ کہ مصر سے گزرے وہاں کا قبطی بادشاہ صادق ابن صادون بڑا ظالم تھا۔ جس مسافر کی بیوی خوبصورت دیکھتا اُسے طلاق دلوا کر خود قبضہ کر لیتا تھا وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔

[2] اس ظالم نے پہلے تو آپ کو بلایا تاکہ آپ سے طلاق حاصل کرکے حضرت سارہ پر قبضہ کرے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بی بی صاحبہ میری بہن ہیں وہ بے دین بھائی سے بہن کو نہیں چھینتا تھا بلکہ خاوند سے بیوی کو طلاق دلواتا تھا اگر طلاق نہ دیتا تو اسے قتل کر دیتا تھا۔ آپ بتعلیم الٰہی اس کا یہ اصول جانتے تھے۔

[3] اس طرح کہ مجھے تمہارے لئے طلاق سے لے لیگا یا مجھے قتل کرادے گا۔ مردوں میں حضرت یوسف علیہ السلام بڑے حسین تھے اور عورتوں میں حضرت سارہ بڑی حسینہ تھیں۔ بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن حضرت سارہ کی میراث تھا حضرت سارہ ہاران کی بیٹی تھیں ہاران اور آذر دونوں آپ کے چچا تھے والد تارح تھے جو مومن تھے۔

[4] یعنی اس زمین مصر میں میرے تمہارے سواء کوئی مومن نہیں اس وقت حضرت لوط آپ کے ساتھ نہ تھے لہذا حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے اس سے معلوم ہوا کہ ضرورۃً اپنی بیوی کو بہن کہنا جائز ہے اس سے ظہار نہیں ہوجاتا جیسے حضرت ابوبکر صدیق نے حضور سے عرض کیا تھا کہ حضور میں تو حضور کا بھائی ہوں کیا میری بیٹی عائشہ سے آپکا نکاح درست ہوگا ویسے کوئی اپنے کو حضور کا بھائی نہیں کہہ سکتا لا تجعلوا دعاء الرسول۔ یہ بھائی کہنا مسئلہ پوچھنے کی ضرورت سے تھا بلا ضرورت زوجین ایک دوسرے کو بھائی بہن ہرگز نہ کہیں۔

غَيْرِي وَغَيْرُكِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَأُتِيَ بِهَا قَامَ إِبْرَاهِيْمُ يُصَلِّيْ فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهٖ فَأُخِذَ وَيُرْوٰى فَغُطَّ حَتّٰى رَكَضَ بِرِجْلِهٖ فَقَالَ أُدْعِي اللّٰهَ وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ أُدْعِي اللّٰهَ لِيْ وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ أُدْعِي اللّٰهَ

پھر اس نے سارہ کو بلوایا آپ کو وہاں پہنچایا گیا۔ جناب ابراہیم کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے جب آپ اس کے پاس گئیں وہ اپنے ہاتھ سے آپ کو پکڑنے لگا ۱؎ وہ خود پکڑا گیا۔ روایت میں ہے کہ وہ خراٹے لینے لگا حتی کہ اس کے پاؤں رگڑ گئے۔ بولا اللہ سے دعا کریں تم کو نقصان نہ دوں گا، سارہ نے اللہ سے دعا کی وہ چھوڑ دیا گیا۔ پھر دوبارہ پکڑنا چاہا اسی طرح پکڑا گیا اور زیادہ سخت ۲؎ بولا میرے لئے اللہ سے دعا کریں میں تم کو تکلیف نہ دوں گا ۳؎ تو اللہ سے دعا کی وہ کھول دیا گیا ۴؎ پھر اس نے جناب سارہ کو دوبارہ پکڑنا چاہا تو اس طرح اور بہت سخت پکڑا گیا۔ بولا اللہ سے میرے لئے دعا

۱؎ آج اس مردود نے اپنے اصول و قواعد کے بھی خلاف کیا کہ باوجودیکہ آپ نے انہیں اپنی بہن کہا۔ اس نے پھر بھی پکڑوا کر بلالیا اور آپ کی طرف دست درازی کرنے لگا۔

۲؎ اس کی یہ پکڑ اور چھوٹ حضرت سارہ کی کرامت بھی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ بھی وہ اپنی حرکت پر پکڑا جاتا تھا۔ جناب سارہ کی دعا پر چھوٹ جاتا تھا۔ آپ چھوٹنے کی دعا اس لئے کر دیتی تھیں کہ اگر وہ مرگیا یا ایسا ہی رہا تو اس کی قوم مجھے تکلیف دے گی۔

۳؎ اس کی اس بات سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کافر تھا مگر وہابی نہ تھا وسیلہ اولیاء کا قائل تھا۔ اس نے خود رب سے دعا نہ کی بلکہ حضرت سارہ سے دعائیں کراتا رہا وہ جانتا تھا کہ اللہ تعالٰی ان کی سنے گا میری نہ سنے گا ہر دفعہ اس کا ہاتھ سوکھ جاتا تھا۔ اور اسے مرگی کا سا مرض لاحق ہو جاتا تھا۔ جس سے وہ زمین پر اپنی ایڑیاں رگڑنے لگتا تھا۔

۴؎ اللہ تعالٰی نے اس ظالم کو پکڑا تو اس کے جرم سے مگر چھوڑا حضرت سارہ کی دعا سے جس پتہ لگا کہ مجرم اکثر پکڑے جاتے ہیں۔ اپنی حرکتوں سے مگر خلاصی پاتے ہیں۔ بزرگوں کے فیض سے آپ کی یہ دعا کا فوراً ہی قبول ہونا کہ دعا کی اور وہ چھوڑا گیا۔

بِیْ وَلَا اَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَاُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهٖ فَقَالَ
اِنَّكَ لَنْ تَاْتِنِیْ بِاِنْسَانٍ اِنَّمَا اَتَيْتَنِیْ بِشَيْطَانٍ فَاَخْدَمَهَا
هَاجَرَ فَاَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّیْ فَاَوْمَأَ بِيَدِهٖ مَهْيَمْ قَالَتْ رَدَّ
اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِیْ نَحْرِهٖ وَاَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ

کردیں تم کو تکلیف نہ دوں گا۔ سارہ نے اللہ سے دعا کی وہ کھول دیا گیا[1] پھر اس نے اپنے بعض ڈیوڑھی باتوں کو بلایا تم میرے پاس انسان نہیں لائے شیطان لائے ہو[2] چنانچہ انھیں بی بی ہاجرہ خادمہ دیں[3] آپ حضرت ابراہیم کے پاس آئیں آپ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کیا گذری، بولیں اللہ نے کافر کا مکر اس کے گلے میں لوٹا دیا اور ہاجرہ خادمہ عطا فرمائی[4] ابوہریرہ نے

[1] ہر دو بار بندش ہوتی تھا کہ بار بار پکڑا جاتا تھا مگر جب چھوٹتا تھا برا ارادہ کرتا تھا کیونکہ وہ عادی مجرم تھا۔

[2] وہ لوگ جنات سے بہت ہی ڈرتے تھے۔ ہر خطرناک انسان کو جن کہہ دیتے تھے۔ اسی وجہ سے اس نے آپ کو جن کہا یعنی خطرناک انسان جس پر میں قابو نہ پا سکا جیسے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو ساحر کہہ کر آپ سے دعا کراتا تھا۔ یاایھا الساحر ادع لنا ربک۔ ساحر یعنی بڑے کرشمے والا انسان شیطان سے مراد طاقتور جن ہے نہ کہ ابلیس کہ وہ ابلیس سے مجرواد تھا ہی نہیں۔

[3] اس واقعہ سے کچھ عرصہ پہلے حضرت ہاجرہ کے ساتھ بھی یہ ہی واقعہ اس کا ہو چکا تھا کہ آپ کو ظلمًا پکڑ لیا تھا مگر آپ پر قابو نہ پا سکا مگر انہیں اپنے گھر میں رکھا آپ اس کے ہاں مظلومہ قیدی تھیں وہ بولا کہ چونکہ سارہ بھی اس طرح کی ہیں لہذا ہاجرہ سارہ کو دیدو انہیں بھی میرے گھر سے نکالو آپ لونڈی نہ تھیں کیونکہ لونڈی غلام وہ ہوتا ہے جو کفر و اسلام کی جنگ میں کافر مسلمانوں کے ہاتھ لگے اور مسلمان اسے غلام بنالیں اس زمانہ میں نہ کفر و اسلام کی جنگ ہوئی تھی نہ آپ کسی مسلمان کے ہاں گرفتار ہو کر لونڈی بنائی گئیں تھیں۔ آپ شہزادی تھیں اس کے ہاں مظلومہ قیدی تھیں۔ آپ کی عصمت اللہ تعالٰی نے محفوظ رکھی تھی۔ سارہ کی طرح کیونکہ سارہ حضرت اسحاق کی ماں بننے والی تھیں اور ہاجرہ حضرت اسمٰعیل کی والدہ حضور محمد رسول اللہ کی دادی بننے والی تھیں۔ اللہ ان کی عصمت کا والی تھا۔ جب نبی کی بیوی بننے والی عورت کو خواب میں احتلام نہیں ہو سکتا تو نبی کی ماں بننے والی بی بی پر کون قابو پا سکتا ہے۔

[4] اخدم کے معنی ہیں خادمہ تا کر دیا نہ کہ لونڈی بنا کر۔ کیونکہ آپ مومنہ آزاد تھیں آزاد مومن کو کوئی بھی غلام نہیں بنا سکتا اگر کافر قید کر کے غلام بنا بھی لے تو وہ چھوٹتے ہی آزاد ہو گا مرقات نے فرمایا کہ آپ کا نام ہاجرہ اس لیے ہوا کہ آپ بھی شام سے ہجرت کر کے آئی تھیں۔ ہاجرہ بمعنی مہاجرہ اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو سال کی تھی آپ سے

تِلْكَ اُمُّكُمْ يَا بَنِيْ مَاءِ السَّمَاءِ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ❊ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوْطًا لَقَدْ كَانَ يَاْوِيْ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ طُوْلَ

فرمایا کہ آسمان کے پانی کے بچو یہ تمہاری ماں ہیں ۱؎ (مسلم،بخاری) ❊ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہم حضرت سے زیادہ حقدار ہیں شک کرنے کے جبکہ انھوں نے عرض کیا یارب مجھے دکھادے کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا ۲؎ اور اللہ لوط پر رحم کرے وہ تو بڑے مضبوط پائے کی طرف پناہ لئے ہوئے ۳؎ اور اگر میں اتنی دراز مدت ٹھہرتا

حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے انہیں سے عرب آباد ہوئے انہیں کی اولاد سے آفتاب ہاشمی حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم چمکے سورج والے آسمان پر کوئی تارہ نہیں۔حضرت اسماعیل کی نسل میں سواء حضور کے کوئی نبی نہیں سارے تارے حضرت سارہ کی اولاد میں چمکے کیسی مبارک نسل ہے ❊

۱؎ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یا تو مکہ والوں کو یا اولاد اسمٰعیل علیہ السلام کو یا سارے عرب کو بنی ماء السماء فرمایا کہ اس لیے کہ یہ لوگ بارش کے پانی کی طرح طیب وطاہر تھے کہ حضور کے ہم وطن تھے۔یا اس لیے کہ ان کا گزارہ زمزم پانی پر تھا زمزم آسمان سے ہی آیا یا اس لیے کہ انصار عامر ابن حارثہ ازدی کی اولاد سے تھے اور عامر کو لوگ ماء السماء کہتے تھے یعنی اسماعیلیو یا اے اہل عرب تمہاری دادی صاحبہ جناب ہاجرہ ہیں رضی اللہ عنہا(اشعہ،مرقات،لمعات)

۲؎ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے جو عرض کیا تھا۔رب ارنی کیف تحی الموتی یہ علم الیقین سے عین الیقین کی طرف ترقی کرنے کے لئے تھا نہ اس لیے کہ آپ قیامت میں مردے زندہ کرنے میں شک تھا اگر انہیں شک ہوتا تو ہم کو ضرور شک ہوتا کہ ہم ان کی اولاد میں ہیں۔الحاصل ہم کو تو شک ہے ہی نہیں تو انہیں شک کیسے ہوسکتا ہے ہماری امت معصوم نہیں اور حضرت ابراہیم معصوم ہیں۔

۳؎ یہ حضرت لوط علیہ السلام کی تعریف یا ان پر طعن نہیں ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ہیں نبی۔اور انہوں نے اپنی پشت پناہ قوی ہونے کی آرزو کی تو معلوم ہوا کہ یہ عمل اور یہ آرزو کرنا جائز ہے کہ انسان مصیبت کے موقعہ پر اپنے عزیزوں قرابت داروں کی پناہ لے (مرقات) اگرچہ مضبوط پشت و پناہ سب کا رب تو ہے نبی کا عمل جواز کی دلیل ہے جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آپ کے ہاں مہمان ہوئے اور بدکار قوم نے آپ کا گھر گھیر لیا تو آپ نے فرمایا لوان لی بکم قوۃ اواوی الی رکن شدید کاش کہ مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط طاقتور پراپشت و پناہ ہوتا تو میں تمہارا مقابلہ کرتا یا کروا تا

مَا لَبِثَ يُوْسُفُ لَاَجَبْتُ الدَّاعِيَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۞ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُوْسٰى كَانَ رَجُلًا حَيِيًّا سِتِّيْرًا لَا يُرٰى مِنْ جِلْدِهٖ شَيْءٌ اِسْتِحْيَاءً فَاٰذَاهُ مَنْ اٰذَاهُ مِنْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ فَقَالُوْا مَا تَسَتَّرَ هٰذَا التَّسَتُّرَ اِلَّا

جتنا یوسف علیہ السلام ٹھہرے تو بلانے والے کی بات قبول کرلیتا [1] (مسلم بخاری) ۞ روایت ہے اُنہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ موسیٰ علیہ السلام بہت شرمیلے پردہ دار تھے [2] اُن کی ظاہری کھال کا کوئی حصہ دیکھا نہ جاتا تھا شرم کی وجہ سے تو انھیں بنی اسرائیل میں سے جس نے ایذا پہنچائی اس نے پہنچائی۔ بولے اس قدر پردہ کسی کھال کے عیب

حضور نے اس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ ان کی پناہ رب تھا۔ پھر بھی آپ نے یہ فرمایا معلوم ہوا کہ مخلوق کا سہارا لینا جائز ہے۔ سنت نبی ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے کہا تھا اذکرنی عند ربك اپنے بادشاہ سے میری مظلومیت کی داستان کہہ دینا معلوم ہوا کہ کافر حاکم سے داد خواہی کرنا جائز ہے۔ سنت یوسف علیہ السلام ہے اگرچہ اللہ کے فضل سے آپ اس کافر بادشاہ کے احسان مند ہو کر جیل سے نہ نکلے بلکہ اس پر احسان کرکے نکلے رب نے آپ کی شان بالا رکھی۔ بعض شارحین نے رکن شدید سے مراد لوط علیہ السلام کی قوم ہی لی ہے یعنی ان کی قوم طاقت ور تھی اور آپ کو ان کی حمایت حاصل تھی دیکھو شعیب علیہ السلام کو ان کی قوم سے قوت دی کہ کفار نے کہا لولا رهطك لرجمناك حضور کو جناب ابوطالب سے قوت دی کہ فرمایا الم يجدك يتيما فاٰوی۔ (مرقات) ۞

[1] یعنی یوسف علیہ السلام نو سال یا بارہ سال جیل میں رہے مگر شاہ مصر کا قاصد آپ کو بادشاہ کی طرف سے بلانے آیا تو آپ نے فرمایا کہ پہلے میری پاکدامنی کی تحقیق کرلو پھر میں جیل سے باہر نکلوں گا۔ یہ آپ کا انتہائی صبر ہے اگر ان کی جگہ جیل میں ہم اتنا رہتے تو ضرور پہلی ہی دعوت پر ہم جیل سے باہر آتے۔ یہ حضور انور کی انتہائی تواضع ہے ورنہ حضور انور کا صبر یوسف علیہ السلام سے کہیں زیادہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ آپ کو پہلی دعوت پر ہی جیل سے باہر نکل آنا چاہیے تھا تاکہ تبلیغ نبوت جلد شروع ہو جاتی۔ اگر ہم وہاں ہوتے تو پہلی دعوت پر باہر آکر تبلیغ شروع فرما دیتے (مرقات) مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔

[2] بنی اسرائیل سب کے سامنے ننگے نہایا کرتے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام غسل خانہ میں پردہ سے نہاتے تھے اس حیاء پر بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو نعیبہ بیماری کی تہمت لگادی۔ معلوم ہوا کہ پردہ اور شرم سنت انبیاء ہے۔ بے شرمی بے حیائی طریقۂ کفار ہے اس سے موجودہ فیشن پرست سبق لیں ۞

مِنْ عَيْبٍ بِجِلْدِهٖ اِمَّا بَرَصٌ اَوْ اُدْرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ اَرَادَ اَنْ يُّبَرِّاَهٗ فَخَلَا يَوْمًا وَحْدَهٗ لِيَغْتَسِلَ فَوَضَعَ ثَوْبَهٗ عَلٰى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهٖ فَجَمَحَ مُوْسٰى فِيْ اَثَرِهٖ يَقُوْلُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ ثَوْبِيْ يَا حَجَرُ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى مَلَاٍ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فَرَاَوْهُ عُرْيَانًا

کی وجہ سے ہی ہے یا برص ہے یا خصیوں کا ورم لہ اللہ نے چاہا کہ ان کو بری کرے کہ تو ایک دن اکیلے تنہائی میں گئے تاکہ غسل کریں اپنے کپڑے ایک پتھر پر رکھ دیے۔ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ اٹھا تہ موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے یہ کہتے دوڑے اے پتھر میرے کپڑے اے پتھر میرے کپڑے تہ حتی کہ اسرائیلیوں کی ایک جماعت تک پہنچ گئے انھوں نے آپ کو برہنہ دیکھا ہ

لہ یعنی آپ اپنے اس عیب کو چھپانے کے لیے چھپ کر نہاتے ہیں اگر بے عیب ہیں تو ہماری طرح سب کے سامنے ننگے کیوں نہیں نہاتے۔

ملہ معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اس قسم کی بیماریوں اور نفرت آور مرضوں سے محفوظ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی عزت کا حافظ ہوتا ہے

سلہ حدیث بالکل ظاہر پر ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ آج لوہے سلوہ کے انجن مشین کی وجہ سے دوڑتے ہیں۔ بلکہ پوری ریل کو دوڑاتے پھرتے ہیں اگر بحکم الٰہی پتھر میں حرکت پیدا ہو جائے تو کیا بعید ہے۔ جب بھاپ لوہے کو دوڑا سکتی ہے تو حکم الٰہی بھی پتھر کو دوڑا سکتا ہے۔ آپ کی لاٹھی سانپ بن کر دوڑتی کھاتی پیتی تھی۔ خیال رہے کہ ضرورۃً غسل خانہ میں ننگے ہو کر نہانا جائز ہے آپ کے پاس اس وقت کوئی تہبند وغیرہ ہوگا نہیں آپ کے اس عمل شریف میں رب تعالیٰ کی وہ حکمت تھی جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ پیغمبر کا ہر فعل رب کی طرف سے ہوتا ہے۔

سمہ درخت پتھر وغیرہ لوگوں کی خصوصاً انبیاء کرام کی باتیں سنتے سمجھتے ہیں۔ لہٰذا آپ کا اسے پکارنا بالکل درست تھا رب تعالیٰ نے آسمان و زمین کو بلکہ پہاڑوں کو پکارا ہے یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ حضرت خلیل نے ذبح شدہ جانوروں کو پکارا لہٰذا اس پکار پر کوئی اعتراض نہیں

ھہ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پیغمبر سے لوگوں کے طعن دفع فرماتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دامن سے داغ غلامی دفع کرنے کے لیے سات سال کی قحط سالی بھیجی۔ تمام قحط زدہ لوگ اپنا سب کچھ آپ کے ہاتھ فروخت کرکے خود آپ کے ہاتھ فروخت ہو گئے غلہ کی عوض اور آپ کے غلام بن گئے اسی طرح رب نے اپنے کلیم کے دامن سے لوگوں کے اس الزام کا دھبہ دھو دیا۔ اس وقت ننگا سامنے آنا عرف میں کوئی عیب نہ تھا دینی ضرورت کی وجہ سے شرعاً بھی ممنوع نہ رہا۔ آج ضرورۃً ڈاکٹر حکیم کے سامنے ننگے ہونا پڑتا ہے۔ بعض دفعہ ننگا کرکے تلاشی لی جاتی ہے جب حفاظت جان کے لیے ننگا ہونا جائز ہے تو وہاں لوگوں کی حفاظت ایمان کے لیے آپ کو ننگا دکھا دینا بھی جائز تھا۔ لہٰذا

أَحْسَنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ وَقَالُوْا وَاللّٰهِ مَا بِمُوْسٰى مِنْ بَاسٍ وَاَخَذَ ثَوْبَهٗ وَطَفِقَ بِالْحَجَرِ ضَرْبًا فَوَاللّٰهِ اِنَّ بِالْحَجَرِ لَنَدَبًا مِّنْ اَثَرِ ضَرْبِهٖ ثَلٰثًا اَوْ اَرْبَعًا اَوْ خَمْسًا مُّتَّفَقٌ عَلَيْهِ ؁ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ

کہ آپ اللہ کی مخلوق میں سب سے بہتر ہیں۔ وہ بولے اللہ کی قسم موسیٰ علیہ السلام میں کوئی خرابی نہیں ۱؎ اپنے کپڑے لئے اور پتھر کو مارنے لگے۔ رب کی قسم آپ کے مارنے سے پتھر میں تین چار یا پانچ نشانات ہیں ۲؎ (مسلم بخاری) ؁ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جبکہ ایوب علیہ السلام برہنہ غسل کر رہے تھے ۳؎ آپ پر سونے کی ٹڈیاں گریں ۴؎ آپ اپنے کپڑے

حدیث شریف پر کوئی اعتراض نہیں کہ رب نے نبی کو برہنہ کیوں دکھایا ؁

۱؎ معلوم ہوا کہ نبی ایسی بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اسی طرح گھنونی گندی بیماریاں انہیں نہیں ہوتیں نامردی گونگا بہرا پن برص جذام نبی کو نہیں ہو سکتے۔

۲؎ آپ کا پتھر کو مارنا جوش میں واقع ہوا جیسے آپ نے اپنی قوم کی بچھڑا پرستی دیکھ کر توریت کی تختیاں گرادیں۔ لہذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں۔ کہ پتھر کو مارنا عقلمند آدمی کا کام نہیں۔ عقل اور جوش اور محبت میں بڑا فرق ہے۔ لوگ عشق کے جوش میں محبوب کا لباس چومتے ہیں۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پتھر حضور انور کے زمانہ میں موجود تھا اور حضور نے اسے دیکھا تھا۔ ندب کے معنی ہیں زخم کا اثر۔ یہاں مراد ہے پتھر میں گڑھے جو لاٹھی سے پڑے پھر اسی پتھر سے مقام تیہ میں پانی کے بارہ چشمے جاری ہوئے جسے بنی اسرائیل تیس چالیس سال پیتے رہے۔ خیال رہے کہ پتھر کا بھاگنا اور آپ کی مار سے اس میں اثر ہونا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں (مرقات)

۳؎ یہ واقعہ حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض سے شفا پا جانے کے بعد کا ہے۔ غسل خانہ میں تنہائی کی حالت میں ننگا نہانا جائز ہے اگر وہاں بھی تہبند سے نہایا جائے افضل ہے۔

۴؎ جراد اسم جنس ہے مراد بہت ٹڈیاں ہیں۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے یہ بارش قدرتی تھی رب تعالٰی کے فضل و کرم سے آج بعض دفعہ بارش کے ساتھ بیر بہوٹی برستی ہے لہذا جانوروں کا برسنا ناممکن نہیں ؁

اَيُّوْبُ يَحْثِىْ فِىْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ اَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى قَالَ بَلٰى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِىْ عَنْ بَرَكَتِكَ ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِىُّ ۞ وَعَنْهُ قَالَ اِسْتَبَّ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ فَقَالَ الْيَهُوْدِىُّ وَالَّذِىْ اصْطَفٰى مُوْسٰى عَلَى الْعٰلَمِيْنَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهٗ عِنْدَ ذٰلِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُوْدِيِّ

میں انھیں سمیٹنے لگے [1] انھیں ان کے رب نے ندا فرمائی کہ اے ایوب کیا میں نے تم کو انھیں اس دیکھی چیز سے بے نیاز نہیں کردیا ہے [2] عرض کیا ہاں تیری عزت کی قسم لیکن مجھے تیری برکت سے بے نیازی نہیں [3] (بخاری) ۞ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی آپس میں جھگڑ پڑے، مسلمان بولا اس کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جہان پر چن لیا۔ تو یہودی بولا اس کی قسم! جس نے موسیٰ علیہ السلام کو سارے جہانوں پر چن لیا [4] اس پر مسلمان نے ہاتھ اٹھا کر یہودی کے منہ پر طمانچہ مار دیا۔

[1] یعنی آپ اسی طرح برہنہ بدن غسل خانہ سے نکل کر اپنے تہبند شریف میں یہ ٹڈیاں جمع فرمانے لگے۔ اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ آسمان سے برسی ہوئی چیز جنگل کی خودرو جڑی بوٹیاں وہاں کے شکار کے جانور کسی کی ملکیت نہیں جس کا جی چاہے لے حتی کہ اگر قربت سے معلوم ہوا کہ یہ چیز ہم کو دی گئی ہے اسے بھی لے لینا جائز ہے جیسے برادران یوسف علیہ السلام نے اپنے سامان میں واپس کی ہوئی قیمت دیکھ کر لوٹے تھے ھٰذِہٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا۔ دوسرے یہ کہ جائز مال کی حرص بری نہیں بلکہ اچھی ہے۔ جبکہ حلال ذریعہ سے حاصل ہو اور غفلت پیدا نہ کرے۔ دیکھو مرقات یہی مقام۔

[2] آپ کی بیماری کے بعد رب تعالیٰ نے آپ کی بیوی صاحبہ رحمت کو جوانی صحت بخشی۔ اولاد بہت عطا کی مال اندازے سے بھی زیادہ عطا فرمایا۔ اس فرمان عالی میں اس طرف اشارہ ہے۔

[3] سبحان اللہ کیسا پیارا جواب ہے۔ یعنی میں بہت مالدار ہو کر بھی تیری عطا سے بے نیاز نہیں۔ تیری عطا بھاگ کر دوڑ کر قبول کروں گا۔ اس میں رب کی نعمت کی قدردانی اور اس کا شکریہ ہے۔ غرضکہ حرص نفسانی اور چیز ہے۔ یہ حرص کچھ اور چیز ہے یہ حرص نفسانی نہ تھی۔ ہمیشہ اپنے کو رب کا محتاج جانو۔

[4] موسیٰ اپنے زمانہ میں سب سے افضل تھے مگر چونکہ یہودی نے یہ قید نہ لگائی بلکہ مطلقاً عالمین کہا اسلئے مسلمان نے اسے مارا۔

جائز مال کی حرص

فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُونِي عَلٰى مُوسٰى فَإِنَّ النَّاسَ

یہودی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنا اور مسلمان کا جو واقعہ ہوا تھا، حضور کو اس کی خبر دی [1] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کو بلایا اور اس کے متعلق اس سے پوچھا اور اُس نے حضور کو خبر دی [2] تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے موسٰی علیہ السلام پر فضیلت نہ دو [3] کیونکہ

[1] اس نے کہا مجھ پر فلاں مسلمان نے ظلم کیا کہ بلا قصور مارا غالبًا قصاص مانگتا ہوگا۔ حالانکہ قصور یہودیوں کا تھا کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی۔ اس لئے حضور انور نے اس کا قصاص نہ دلوایا یہ ضرور خیال رہے۔ آج بعض مسلمان حضور کے گستاخ ہندوؤں کو قتل کر ڈالتے ہیں۔ مسلمان اپنے محبوب کی بے ادبی برداشت نہیں کرتا۔

[2] معلوم ہوا کہ مدعٰی علیہ کا بیان لے کر فیصلہ کیا جاوے مگر یہ حکم عام فیصلوں کے لیے ہے۔ فتوٰی صرف بیان پر ہوتا ہے بعض صورتوں میں یہ فیصلہ یک طرفہ بیان پر دیا جاتا ہے جس سے قضا علی الغائب حضور انور نے صرف بی بی ہندہ کا بیان سنکر ابوسفیان کے متعلق فتوٰی دے دیا کہ بقدر ضرورت ان کا مال ان سے بغیر پوچھے خرچ کرلیا کرو۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے دو حاضرین میں سے صرف ایک کا بیان لے کر فرما دیا کہ ننانوے دنبیوں والا تجھ پر زیادتی کرتا ہے کہ تیری ایک دنبی بھی لینا چاہتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور نے مسلمان سے اس یہودی کو نہ قصاص دلوایا نہ معافی مانگی۔ کیونکہ قصور یہودی کا تھا کہ اس نے حضور انور کی توہین کی وہ بھی مسلمان کے سامنے یہ بات خیال رہے۔

[3] یعنی مجھے دوسرے نبیوں پر ایسی بزرگی نہ دو جس سے دوسرے نبی کی توہین ہو جاوے یا جس سے لڑائی جھگڑے کی نوبت آئے یا نفس نبوت میں ترجیح نہ دو کہ کسی کو اصلی نبی مانو کسی کو ظلی۔ بروزی۔ عارضی نبی لہذا یہ حدیث نہ تو اُس آیت کے خلاف ہے کہ تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض اور نہ اس حدیث کے خلاف ہے کہ انا سید ولد آدم اپنی طرف سے گھڑ کر مسائل بیان نہ کرو۔ جو افضلیت قرآن یا حدیث سے ثابت ہو وہ بیان کرو۔ لہذا حدیث واضح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الاولین والآخرین ہیں۔

يَصْعَقُوْنَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَصْعَقُ مَعَهُمْ فَاَكُوْنُ اَوَّلَ مَنْ يُّفِيْقُ فَاِذَا مُوْسٰى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا اَدْرِىْ كَانَ فِيْمَنْ صَعِقَ فَاَفَاقَ قَبْلِىْ اَمْ كَانَ فِيْمَنِ اسْتَثْنَى اللّٰهُ وَفِىْ رِوَايَةٍ فَلَا اَدْرِىْ اَحُوْسِبَ بِصَعْقَةِ يَوْمِ الطُّوْرِ اَوْ بُعِثَ قَبْلِىْ وَ

قیامت کے دن لوگ بیہوش ہونگے میں بھی ان کے ساتھ بیہوش ہوں گا۱؎ تو سب سے پہلے ہوش میں آنیوالا میں ہوں گا۔ اچانک موسیٰ علیہ السلام عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے۲؎ میں نہیں جانتا کہ کیا وہ بیہوش ہونیوالوں میں تھے مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے یا ان میں سے ہیں جنہیں اللہ نے مستثنیٰ فرمایا۳؎ اور ایک روایت میں ہے میں نہیں جانتا کہ کیا طور کی بیہوشی حساب میں لگائی گئی۴؎ یا وہ مجھ سے پہلے

۱؎ قوی تر یہ ہے کہ یہ نفخ صور وہ نہیں ہے جس سے لوگ زندہ کیے جائیں گے اس وقت تو سب سے پہلے حضور انور ہی زندہ ہوں گے فرماتے ہیں۔ انا اول من تنشق عنہ الارض۔ بلکہ یہ صور کا پہلا نفخہ ہے جس سے زندہ لوگ مرجائیں گے اور وفات یافتہ لوگ بیہوش ہوجائیں گے بعد میں ہوش میں آئیں گے۔ یا سب کے زندہ ہو چکنے کے بعد صور تیسری بار پھونکا جاوے گا۔ جس سے سب لوگ بے ہوش ہوجائیں گے۔ یہاں وہ واقعہ بیان ہورہا ہے (اشعۃ اللمعات)، رب فرماتا ہے۔ ونفخ فی الصور فصعق من فی السموٰت والارض الامن شاء اللہ

۲؎ یعنی موسیٰ علیہ السلام مجھ سے پہلے کھڑے ہوئے عرش کا کنارہ پکڑے ہوں گے۔ خیال رہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی حضور انور پر جزوی فضیلت ہے جو کلی فضیلت کے خلاف نہیں جیسے حضرت آدم کا مسجود ملئکہ اور ابو البشر ہونا یا عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر والد پیدا ہونا۔ کلیۃً حضور انور ہی تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں۔

۳؎ یعنی اس نفخہ میں سب لوگ بیہوش نہ ہوں گے۔ بعض مستثنیٰ بھی رہیں گے۔ جیسے رب نے فرمایا۔ الا ماشاء اللہ واللہ اعلم۔ وہ ان مستثنیٰ لوگوں میں سے ہیں یا مجھ سے پہلے ہوش میں آگئے

۴؎ یعنی موسیٰ علیہ السلام طور پر تجلی الٰہی دیکھ کر بیہوش ہوچکے ہیں۔ فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسٰی صعقًا۔ غالبًا وہ بیہوشی حساب میں لگائی گئی۔ آج بیہوشی سے محفوظ رہے۔ خیال رہے کہ لا ادری میں علم عطاء الٰہی کی نفی نہیں بلکہ علم بالدلائل کی نفی ہے درایت عقلی علم کو کہتے ہیں۔ اور یہاں اس کا مقصد ہے۔ عدم اعلام (نہ بتانا) جیسے لا ادری ما یفعل بی ولا بکم میں نہیں جانتا کہ قیامت میں تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ اور میرے ساتھ کیا ہوگا وہاں بھی درایت کی نفی ہے علم کی نفی نہیں۔

لَا اَقُوْلُ اِنَّ اَحَدًا اَفْضَلُ مِنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ لَا تُخَیِّرُوْا بَیْنَ الْاَنْبِیَآءِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَآءِ اللّٰہِ تَعَالٰی ؀ وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ اَنْ یَّقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی

اٹھائے گئے اور میں نہیں کہتا کہ کوئی بھی یونس ابن متی علیہ السلام سے افضل ہے ؂۱ اور حضرت ابو سعید کی روایت میں ہے فرمایا انبیاء کرام میں بزرگی نہ دو (مسلم بخاری) ؀ اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں میں بزرگی نہ دو ؂۲ ؀ روایت ہے حضرت ابو ہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کسی بندے کو لائق نہیں کہ کہے کہ میں یونس ابن متی سے افضل ہوں ؂۳

؂۱ متی یونس علیہ السلام کی والدہ کا نام شریف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کے والد کا نام ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نبی ہیں مگر اولوالعزم نبی، رب فرماتا ہے۔ ولا تکن کصاحب الحوت اس لیے خصوصیت سے حضور انور نے ان کا نام شریف لیا یہاں بزرگی نہ دینے کے وہ ہی معانی ہیں۔ جو ابھی عرض کئے گئے یعنی اصل نبوت میں فضیلت دینا کہ یہ کفر ہے لا نفرق بین احد من رسلہ یا اپنی طرف سے گڑھ کر فضیلت دینا کہ یہ حرام ہے یا اس طرح فضیلت دینا کہ دوسرے نبی کی توہین ہو جاوے کسی شخص نے اعلیٰحضرت قدس سرہ کے سامنے یہ شعر پڑھا۔ ع

شان یوسف جو دبی وہ بھی یہاں آکے دبی

آپ نے فرمایا یہ کفر ہے۔ اس طرح کہو شان یوسف جو بڑھی وہ بھی اس در سے بڑھی۔ سبحان اللہ کیسی پیاری اصلاح ہے ؂۲ اس کے مطلب بھی وہ ہی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ کسی نبی کی ایسی فضیلت بیان کرنا جس سے دوسرے نبی کی توہین ہو یہ سخت جرم ہے جس کی مثال اس شعر میں ہے۔ شعر

چہارم چرخ ہی پر رہ گئے بس حضرت عیسیٰ مگر عرش بریں پر جا کے محبوب خدا ٹھہرے

یہ حرام ہے کہ بس رہ گئے کہنا نبی کی توہین ہے۔ ؂۳ یعنی کوئی اپنے کو حضرت یونس علیہ السلام سے افضل نہ کہے کیونکہ کوئی ولی خواہ کسی درجے کا ہو نبی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا۔ نبی کی شان تو بڑی ہے تمام جہان کے اولیاء مل کر صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچتے اور اگر میں سے مراد حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تو اس کے مطلب وہ ہی جو ابھی عرض کئے گئے ؀ ؀

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَرِوَايَةٍ لِلْبُخَارِيِّ قَالَ مَنْ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى فَقَدْ كَذَبَ ۝ وَعَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ رضی قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْغُلَامَ الَّذِي قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ كَافِرًا وَلَوْ عَاشَ لَأَرْهَقَ أَبَوَيْهِ طُغْيَانًا وَكُفْرًا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ۝ وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

(مسلم بخاری) ۝ اور بخاری کی روایت میں ہے کہ فرمایا جو کہے کہ میں یونس ابن متی علیہ السلام سے افضل ہوں وہ جھوٹ بولا [1] ۝ روایت ہے حضرت ابی ابن کعب سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ لڑکا جسے خضر علیہ السلام نے قتل کیا [2] وہ کافر پیدا ہوا تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو اپنے ماں باپ کو سرکشی اور کفر سے سرکش کردیتا [3] (مسلم بخاری) ۝ روایت ہے حضرت ابوہریرہ رضی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ

[1] کیونکہ یونس علیہ السلام نبی ہیں اور تو نبی نہیں۔ پھر اپنے کو ان سے افضل کیسے کہتا ہے۔ اس سے وہابی عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ کبھی امتی بظاہر نبی سے بڑھ جاتے ہیں۔

[2] خضرخ کے فتح ض کے کسرہ سے بمعنی ہرے بھرے آپ کا نام عباس یا بلیا ابن ملکان ہے۔ آپ نوح علیہ السلام کے ساتویں پشت میں ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے۔ آپ کا مقام سمندر ہے۔ الیاس علیہ السلام کا مقام خشکی قیامت تک زندہ رہیں گے۔ بزرگوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ حضور غوث پاک نے آپ سے فرمایا تھا کہ اے اسرائیلی ولی محمدی ولی کی بات سنتے جائیے۔ آپ نبی ہیں۔ ہر سال حج کے موقعہ پر آپ اور الیاس علیہ السلام جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی حجامت کرتے ہیں۔ اور یہ کلام کرتے ہیں۔ بسم اللہ ماشاء اللہ لایسوق الخیر الا اللہ۔ بسم اللہ ماشاء اللہ لایصرف السوء الا اللہ۔ بسم اللہ ماشاء اللہ مامن نعمۃ فمن اللہ۔ بسم اللہ ماشاء اللہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ جو کوئی رات کو سوتے وقت وضو کر کے داہنی کروٹ پر لیٹے اور یہ کلمات پڑھ کر سوئے ان شاء اللہ ولی ہو جائے گا۔ (مرقات)

[3] یعنی اس بچہ کی فطرت یہ تھی کہ یہ کفر اختیار کرتا اور کافر بنتا لہٰذا یہ فرمان عالی اس حدیث کے خلاف نہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ مومن تھے وہ اس کی محبت میں خود بھی کافر بن جاتے۔ اس لیے خضر علیہ السلام نے اسے قتل کردیا۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ حضرت خضر علیہ السلام نبی ہیں۔ کیونکہ ولی اپنے الہام سے بے گناہ بچے کو قتل نہیں کرسکتا نبی کرسکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ نبی باعلام الٰہی لوگوں کی سعادت شقاوت کفر و ایمان سے خبردار ہوتے ہیں۔ یہ علوم خمسہ سے ہے۔ خیال رہے کہ ولی اپنے الہام کی بنا پر کسی کی مدد کرسکتے ہیں

وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرُ لِاَنَّهٗ جَلَسَ عَلٰى فَرْوَةٍ بَيْضَآءَ فَاِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهٖ خَضْرَآءَ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۞ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَآءَ مَلَكُ الْمَوْتِ اِلٰى مُوْسَى بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهٗ اَجِبْ رَبَّكَ قَالَ فَلَطَمَ مُوْسٰى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ

وسلم سے راوی فرمایا خضر اس لئے نام رکھا گیا کہ آپ سفیدہ زمین پر بیٹھے[1] تو اچانک وہ آپ کے پیچھے سے سبزہ سے حرکت کررہی ہے[2] (بخاری)۞ روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حضرت ملک الموت موسیٰ ابن عمران علیہ السلام کے پاس آئے، اُن سے کہا کہ اپنے رب کا بلاوا قبول کیجئے[3] فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے ملک الموت کی آنکھ پر

[1] فروہ سفیدہ خشک زمین کو بھی کہتے ہیں اور خشک گھاس کے گٹھے کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بلکہ خشک چمڑہ کو بھی فروہ کہا جاتا ہے۔ یعنی آپ کا نام شریف خضر نہیں۔ نام پاک تو بلیا یا عباس ہے لقب خضر ہے بمعنی سبزہ بخش یا زندگی بخشنے والے خضر صفت مشبہ ہے خضرۃ سے بمعنی سبزی۔

[2] یعنی وہ زمین یا خشک گھاس صرف آپ کے نیچے ہی سے سبز نہ ہوئی بلکہ پیچھے سے بھی سبز ہوگئی۔ پیچھے سے مراد ارد گرد چوطرفہ ہے۔ یعنی آپ کا معجزہ یہ ہوا کہ آپ کی برکت جہاں آپ بیٹھے وہ میدان سرسبز ہوگیا یا کھاری زمین سبزہ سے بھر گئی معلوم ہوا کہ بزرگوں کا فیض صرف انسانوں کو ہی نہیں پہنچتا، بلکہ زمین کو پہنچ جاتا ہے کہ زمین سرسبز اور تبرک بن جاتی ہے۔ دیکھو حضرت مریم کے ہاتھ تشریف لگنے سے کھجور کا خشک ڈنڈ سرسبز ہوکر پھلوں سے لدگیا اور فوراً پھل پختہ بھی ہوگئے۔ رب فرماتا ہے۔ وھزی الیك بجذع النخلۃ تساقط علیك رطبًا جنیًا۔ جب بزرگوں کے ہاتھ کی برکت سے خشک زمین سبز اور خشک درخت پھل دار ہوسکتے ہیں تو ان کی نگاہ کی برکت سے ہمارے خشک و غافل دل بھی ہرے بھرے اور زندہ ہوسکتے

[3] یعنی اللہ کا حکم جو آپ کی موت کے متعلق ہے۔ اسے قبول کیجئے اور اپنے کو موت کے لیے پیش کیجئے۔ یہ نبی کی ہی شان ہے۔ ورنہ ملک الموت تو بادشاہوں سے بھی یہ نہیں کہتے آتے ہیں اور جان نکال کرلے جاتے ہیں۞

فَفَقَأَهَا قَالَ فَرَجَعَ الْمَلَكُ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَالَ إِنَّكَ أَرْسَلْتَنِيْ إِلٰى عَبْدٍ لَكَ لَا يُرِيْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِيْ قَالَ فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيْهِ عَيْنَهُ وَقَالَ ارْجِعْ إِلٰى عَبْدِيْ فَقُلِ الْحَيٰوةَ تُرِيْدُ فَإِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْحَيٰوةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرِهٖ فَإِنَّكَ

طمانچہ ماردیا ۱؎ اُسے نابینا کردیا ۲؎ فرماتے ہیں کہ پھر وہ فرشتہ رب تعالٰی کی طرف واپس ہُوا ۳؎ عرض کیا کہ تو نے مجھے اپنے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا ۴؎ اور اس نے میری آنکھ بیکار کردی۔ فرماتے ہیں اللہ نے ان کی آنکھ انھیں لوٹا دی اور فرمایا میرے بندے کی طرف لوٹو ۵؎ اُن سے کہو کہ آپ زندگی چاہتے ہیں؟ اگر زندگی چاہتے ہوں تو اپنا ہاتھ بیل کی کھال پر رکھئے آپکا ہاتھ جتنے بالوں کو ڈھکے گا آپ ہر بال کے عوض

۱؎ آپ نے ملک الموت کو طمانچہ مارا ان کو نبی کا ادب سکھانے کے لیے کوئی شخص نبی سے یہ نہ کہے کہ نماز پڑھ لیجئے، مسجد میں آیئے تو اس میں ایک طرح کا حکم ہے۔ حضرات انبیاء کرام حاکم ہوتے ہیں۔ کسی بندے کے مامور یا محکوم نہیں ہوتے۔ نیز نبی تو ہر وقت ہی رب کے مطیع ہوتے ہیں۔ ان سے کہنا کہ آپ رب کی اطاعت کریں۔ اس کا شائبہ ہے کہ انہیں غیر مطیع مانا (مرقات) نبی کا ادب یہ تھا کہ ملک الموت عرض کرتے کہ آپ کو یہاں بسنے اور چلنے کا اختیار ہے اگر اجازت ہو تو میں تعمیل ارشاد کروں وہ تو اللہ تعالٰی کی طرف سے موت وحیات کے مختار ہوتے ہیں (مرقات) اس طمانچہ کی اور بہت وجہیں بیان کی گئیں ہیں۔

۲؎ جب فرشتہ شکل انسانی میں آئے تو اس کو انسانی اعضاء دیئے جاتے ہیں۔ ان کے لیے مختلف شکلیں ایسی ہیں جیسے ہمارے لئے مختلف لباس حضرت ملک الموت کی یہی بشری آنکھ موسٰی علیہ السلام کے طمانچہ سے بیکار ہوئی ورنہ ملکی آنکھ کسی طمانچہ وغیرہ سے بیکار نہیں ہوسکتی۔ اس سے معلوم ہُوا نبی کی طاقت فرشتے کی طاقت سے زیادہ ہوتی ہے اسکی تحقیق مرقات میں اسی جگہ ملاحظہ کرو حضرت عزرائیل کو اس آنکھ نکلنے کا درد نہ ہُوا جیسے ہمارے لباس پھٹنے سے درد نہیں ہوتا۔

۳؎ اسکی واپسی بغیر روح موسوی قبض کئے ہوئے ہوتی، معلوم ہُوا کہ ملائکہ حضرات انبیاء کے تابع فرمان ہوتے ہیں یہ بھی نرا پائی خالی واپس گئے

۴؎ حضرت ملک الموت طمانچہ مارنے کی وجہ یہی سمجھے کہ جناب کلیم اللہ کو ابھی دنیا میں قیام پسند ہے اپنے خیال سے یہ عرض کیا۔

۵؎ رب تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے قصاص نہیں دلوایا۔ کہ استاذ سے شاگرد کا والد سے بیٹے کا نبی سے امتی کا قصاص نہیں لیا جاتا۔ بلکہ وہاں تو چھوٹا معافی مانگتا ہے۔

تَعِيْشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ قَالَ ثُمَّ تَمُوْتُ قَالَ فَالْاٰنَ مِنْ قَرِيْبٍ

ایک سال جئیں گے[1] عرض کیا پھر کیا فرمایا پھر آپ وفات پائیں گے[2] عرض کیا تو ابھی قریب ہی ہیں[3]

[1] یعنی اے ملک الموت تم ان سے اس طرح عرض کرو انہیں اختیار دو آنے کے لیے صیغہ امر عرض نہ کرو اگر وہ بہت دراز مدت بھی دنیا میں رہنا چاہیں تو منظور ہے یہی وجہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے طمانچہ مارا کہ وہ حضرات رب کی طرف سے مختار ہوتے ہیں زندگی و موت ان کی اختیاری ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ کے اس فرمان میں حضرت ملک الموت کا جواب ہے کہ انہوں نے عرض کی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام مرنا نہیں چاہتے۔ اے ملک الموت جاکر دیکھ لو کہ تم کو حضرت موسیٰ نے موت سے بچنے کے لیے مارا ہے۔ یا کسی اور وجہ سے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مقبولوں کی دعا بلکہ ان کی خواہش سے عمریں بڑھ جاتی ہیں آئی قضا ٹل جاتی ہے۔ آفتیں دور ہو جاتی ہیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف پوری ہو چکی ہے لیکن اگر آپ زندگی چاہتے تو ہزار سال عطا ہو جاتی، بلکہ ملک الموت کے اس آنے جانے عرض معروض کرنے کی بقدر تقضا ٹلی رہی۔ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون کہ آیت میں اس کی نفی ہے کہ کوئی بغیر مرضی رب محض اپنی مرضی سے موت آگے پیچھے کر دے اور یہاں اس کا ذکر ہے کہ مقبولوں کی مرضی پر رب تعالیٰ موت آگے پیچھے کر دیتا ہے۔ اس لئے آیۃ کریمہ میں یستقدمون اور یستاخرون جمع مذکر ارشاد ہوا

[2] مگر وہ وفات بھی ہوگی آپ اختیار سے ہیں۔ خیال رہے کہ انبیاء کے لیے بھی موت ضرور ہی آتی ہے۔ مگر وقت موت میں انہیں اختیار ہوتا ہے اور یہ اختیار بھی ہمیشہ کہ جب بھی موت آئے ان کی مرضی سے آئے۔

[3] یعنی مجھے اس گھڑی موت منظور ہے تم اس وقت مارنا موت کے خوف سے نہ تھا بلکہ وہ کہلوانے کے لئے تھا جو تم نے اب کہا۔ خلاصہ یہ ہے کہ بلاوے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ دعوت خوشی کے لیے بلاوا جسے کہتے ہیں نوید مسرت، دوسرے سمن عدالت میں حاضری کا بلاوا۔ تیسرے وارنٹ گرفتاری۔ کافر کی موت وارنٹ ہے۔ عام مومنوں کی موت سمن ہے۔ حضرات انبیاء کی موت دعوت خوشی یعنی نوید مسرت ہے۔ ملک الموت نے نوید مسرت کو سمن کے طور سے پیش کیا۔ یعنی نوید مسرت کو سمن بنا دیا کہ کہا جب دربار حاضر بارگاہ ہوا اس لئے مارا تھا۔ حضرت ملک الموت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جان شریف قبض کرنے کی اجازت چاہی حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل سے مشورہ کیا۔ عرض جبرئیل نے عرض کیا کہ رب تعالیٰ آپ کا مشتاق ہے چلئے تب اجازت دی تو انہوں نے قبض روح کیا ہے۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سکھا دیا تھا۔ اشعۃ اللمعات میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں۔ جب آپ کو غصہ آتا تو سر پر اوڑھی ہوئی ٹوپی جل جاتی تھی۔ (اشعہ و مرقات)

وہ غضب کی آگ جلائی دکھائی نہیں جاسکتی تھی نور نار سے نہیں

جلتا ۔

رَبِّ اَدْنِنِیْ مِنَ الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَۃِ رَمْیَۃً بِحَجَرٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاللّٰہِ لَوْ اَنِّیْ عِنْدَہٗ لَاَرَیْتُکُمْ قَبْرَہٗ اِلٰی جَنْبِ الطَّرِیْقِ عِنْدَ الْکَثِیْبِ الْاَحْمَرِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ عُرِضَ عَلَیَّ الْاَنْبِیَآءُ فَاِذَا مُوْسٰی ضَرْبٌ مِّنَ الرِّجَالِ کَاَنَّہٗ مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَۃَ وَرَاَیْتُ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ

اے میرے رب مجھے مقدس زمین سے ایک پتھر کی پھینک کے قریب کر دیجئے [۱] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی قسم اگر میں اس کے پاس ہوتا تو تم کو ان کی قبر شریف راستہ کے کنارہ سرخ ٹیلہ کے پاس دکھاتا [۲] (مسلم، بخاری)۔ روایت ہے حضرت جابر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے انبیاء کرام پیش کئے گئے [۳] تو موسیٰ علیہ السلام مردوں میں درمیانہ قد ہیں گویا کہ وہ شنوءہ کے مردوں میں سے ہیں [۴] اور میں نے عیسیٰ ابن مریم کو دیکھا تو جن کو تم نے دیکھا ہے

[۱] نبی جہاں وفات پاتے ہیں وہاں ہی دفن ہوتے ہیں اس لیے آپ نے فرمایا کہ مجھے میری زندگی شریف میں وہاں پہنچا دے جو بیت المقدس سے اتنی دور ہو کہ اگر اس شہر کے کنارہ پر کھڑے ہو کر کوئی کنکر پھینکے تو وہاں پہنچ جاوے چنانچہ آپ کو وہاں ہی پہنچا دیا گیا وہاں ہی وفات اور دفن واقع ہوئے۔ اس سے دو مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ جیسے وقتِ موت میں نبی کو اختیار دیا جاتا ہے ایسے ہی موت کی جگہ میں انہیں اختیار ملتا ہے۔ جہاں چاہیں وفات پائیں۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کے مزارات کے پاس دفن ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے بیت المقدس میں ستر ہزار انبیاء کے مزارات ہیں۔ فقیر نے زیارت کی ہے۔

[۲] اب اس جگہ کا نام موسیٰ کلیم اللہ ہے عمان سے بیت المقدس جاتے ہوئے بیت المقدس سے قریب یہ جگہ ہے چھوٹی سی مسجد ہے جس کے داہنے ہاتھ حجرہ میں مزار شریف ہے۔ فقیر نے اس قبر انور اور اس بستی کی زیارت کی ہے وہاں نماز پڑھی ہے دیکھو ہمارا سفرنامہ قبلتین۔

[۳] یہ واقعہ شب معراج کا ہے کہ بیت المقدس میں بھی اور آسمان پر بھی حضور نے سارے نبیوں سے ملاقات کی رب فرماتا ہے فلا تکن فی مریۃ من لقآءہ۔

[۴] شنوءہ یمن میں ایک مشہور قبیلہ ہے جس کے لوگ بہت خوبصورت اور خوش اخلاق ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا حسن صورۃ بتانے کے حضور نے ان کا ذکر فرمایا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہر نبی کے مقام

رَأَيْتُ بِهٖ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَرَأَيْتُ اِبْرَاهِيْمَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهٖ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ يَعْنِيْ نَفْسَهٗ وَرَأَيْتُ جِبْرَئِيْلَ فَاِذَا اَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهٖ شَبَهًا دِحْيَةُ بْنُ خَلِيْفَةَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ رَأَيْتُ لَيْلَةَ اُسْرِيَ بِيْ مُوْسٰى رَجُلًا اٰدَمَ طُوَالًا جَعْدًا كَاَنَّهٗ

ان میں قریب ترین مشابہت والے عروہ ابن مسعود ہیں ۱؎ اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو جنھیں میں نے دیکھا ہے ان میں قریب ترین مشابہت والے تمہارے یہ صاحب ہیں یعنی حضور کی ذات شریف ۲؎ اور میں نے جبریل کو دیکھا تو جسے میں نے دیکھا ان میں قریب ترین مشابہت والا دحیہ ابن خلیفہ ہیں ۳؎ (مسلم) روایت ہے حضرت ابن عباس سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرماتے ہیں میں نے اس رات جس میں مجھے سیر کرائی گئی موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا گندمی رنگ والے دراز قد گھونگھر والے بال

ان کے قبور سے بھی خبردار ہیں اور تمام نبیوں سے ملاقات کی ہے۔ انہیں جانتے پہچانتے ہیں۔

۱؎ بعض شارحین نے سمجھا کہ عروہ صحابی ہیں حضرت عبداللہ ابن مسعود کے یہ غلط ہے یہ مسعود دوسرے ہیں جن کے بیٹے عروہ ہیں۔ آپ صحابی ثقفی ہیں۔ جب حضور انور طائف کی فتح سے مدینہ منورہ واپس ہوئے تو آپ مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوئے پھر اپنی کافر قوم کو اسلام کی دعوت دی آپ نے اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہو کر بآواز بلند اذان دینے لگے کسی نے اسی حالت میں آپ کو تیر مارا جس سے آپ اذان دیتے ہوئے شہید ہوئے۔ حضور انور نے فرمایا کہ یہ اس اسرائیلی مومن کی طرح ہیں جو گذشتہ زمانہ میں اپنی قوم کو تبلیغ کرتے ہوئے شہید کیا گیا تھا (اشعہ) یہ بہت حسین تھے۔

۲؎ یعنی میں بالکل حضرت ابراہیم کی ہم شکل ہوں جو انہیں دیکھنا چاہے وہ مجھے دیکھ لے۔ حضور سیرت طیبہ طاہرہ میں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملتے جلتے تھے۔

۳؎ دحیہ ابن خلیفہ کلبی بڑے مشہور صحابی ہیں بہت ہی حسین و جمیل تھے۔ اکثر جبریل امین آپ کی شکل میں حاضر بارگاہ ہوتے تھے۔ حضرت صحابہ سمجھتے تھے کہ دحیہ کلبی آئے جبریل جب شکل انسانی میں آتے تو اس شکل میں آتے تھے۔ ان کی اپنی شکل و صورت تو ایسی ہے کہ کسی میں ان کے دیکھنے کی تاب نہیں حضور انور نے صرف دو بار آپ کو اصلی شکل میں دیکھا جیسا کہ روایات میں ہے۔

مِنْ رِجَالِ شَنُوْءَةَ وَرَاَيْتُ عِيْسٰى رَجُلًا مَرْبُوْعَ الْخَلْقِ اِلَى الْحُمْرَةِ وَالْبَيَاضِ سَبِطَ الرَّاْسِ وَرَاَيْتُ مَالِكًا خَازِنَ النَّارِ وَالدَّجَّالَ فِىْ اٰيَاتٍ اَرَاهُنَّ اللّٰهُ اِيَّاهُ فَلَا تَكُنْ فِىْ مِرْيَةٍ

گویا وہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہیں ۱؎ اور میں نے حضرت عیسیٰ کو دیکھا درمیانہ قد سرخی سفیدی کی طرف مائل، سیدھے بال والے ۲؎ میں نے آگ کے خزانچی مالک کو دیکھا اور دجال کو دیکھا ۳؎ ان نشانیوں میں جو اللہ نے حضور کو دکھائیں ۴؎ تو آپ ان کی ملاقات

۱؎ طوالا حرف طا کے پیش سے طویل کا مبالغہ ہے جیسے عجاب عجیب کا مبالغہ اور طِوالاً حرف طا کے کسرہ سے طویل کی جمع ہے۔ جیسے کریم کی جمع کرام آپ دراز قد چھریرے بدن گھونگر بال میں (مرقات) بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں جعد سے گھونگر والے بال مراد نہیں۔ کیونکہ دوسری روایت میں سبط الشعر یعنی سیدھے بال والے بھی آیا ہے بلکہ جعد یعنی پہلوان بھرے جسم والا مراد ہے۔ جعد بال کی صفت بھی آتی ہے اور جسم کی صفت بھی (اشعہ)

۲؎ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج میں حضور انور نے سارے نبیوں کو اجمالاً نہیں دیکھا۔ جیسے واعظ حاضرین جلسہ پر طائرانہ نظر سے اجمالاً دیکھ لیتا ہے۔ بلکہ تفصیل وار دیکھا۔ ہر ایک کو پہچان لیا۔ ان کی شکل و شباہت حضور انور کو یاد رہی اس لیے تو ان کی شکلیں بتا رہے ہیں ہم میلاد شریف میں حضور کا حلیہ شریف بیان کرتے اور سنتے ہیں اس کی اصل یہ حدیث بھی ہو سکتی ہے۔

۳؎ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات گذشتہ انبیاء کرام بھی دکھائے ان سے ملاقات کلام سلام بھی کرائے اور موجودہ فرشتے مالک دوزخ وغیرہ ہم بھی دکھائے ان سے کلام کرائے اور آئندہ پیدا ہونے والے لوگ دجال وغیرہ بھی دکھائے۔ حضور کا علم بلکہ حضور کی نظر ماضی۔ حال۔ مستقبل سب کو ملاحظہ فرما چکی ہے۔

۴؎ غالبًا یہ قول فی آیات الخ حضرت ابن عباس کا ہے۔ یعنی قرآن کریم میں جو ہے لقد رأی من اٰیات ربہ الکبرٰی۔ اسی آیات سے مراد یہ ہی نشان قدرت ہیں۔ اگلوں پچھلوں سے ملاقات بعض شارحین نے فرمایا کہ فی آیات کا تعلق رجال سے ہے۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کو مع اس کے ان شعبدوں کے ملاحظہ فرمایا جو وہ قریب قیامت ظاہر ہو کر لوگوں کو دکھائے گا۔ بارش برسانا، مردے جلانا وغیرہ اس کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں۔

مِّنْ لِقَائِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ❊ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ اُسْرِىَ بِىْ لَقِيْتُ مُوْسٰى فَنَعَتَهٗ فَاِذَا رَجُلٌ مُضْطَرِبٌ رَجِلُ الشَّعْرِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ شَنُوْءَةَ وَلَقِيْتُ عِيْسٰى رَبْعَةً اَحْمَرَ كَاَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيْمَاسٍ يَعْنِى الْحَمَّامَ وَرَاَيْتُ اِبْرٰهِيْمَ وَاَنَا اَشْبَهُ وُلْدِهٖ

میں شک میں نہ ہو۔[1] (مسلم بخاری) ❊ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں معراج کی رات حضرت موسیٰ سے ملا[2] حضور نے ان کا حلیہ بیان کیا کہ وہ درمیانہ قد آدمی ہیں، سیدھے بال والے[3] گویا کہ وہ شنوءہ کے آدمیوں میں سے ہیں۔ اور میں حضرت عیسیٰ سے ملا درمیانہ قد سرخ رنگ گویا حمام سے نکلے ہیں۔ اور میں نے حضرت ابراہیم کو دیکھا ان کی اولاد میں اس سے زیادہ مشابہ

[1] فی لقائہ میں ہ کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آیت کریمہ یہ ہے۔ ولقد اٰتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات میں کچھ تردد نہ کریں وہ خواب و خیال نہ تھا۔ بلکہ واقعی حقیقی چیز تھی یا اے قرآن خوان مسلمان حضور کی موسیٰ علیہ السلام سے جو ملاقات ہوئی اس میں تو کچھ شک نہ کر وہ بالکل صحیح یقینی چیز ہے معلوم ہوا مقبولان بارگاہ بعد وفات زندہ ہوتے ایک دوسرے زندوں مردوں سے ملاقاتیں کرتے ہیں، سوال جواب کرتے ہیں فرماتا ہے۔ واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن اٰلھۃ یعبدون یہ آیات حفظ کرلینی چاہیئے۔

[2] معراج میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام سے تین بار ملاقات کی انہیں قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ پھر بیت المقدس میں انہیں نماز پڑھائی۔ پھر عرش پر جاتے ہوئے چھٹے آسمان پر پھر عرش سے واپسی میں نمازیں کم کرانے کے لیے آٹھ بار اس لیے خصوصیت سے موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کا ذکر اہتمام سے کیا گیا ورنہ سارے نبیوں سے اس شب ملاقات ہوئی ہے۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے۔

[3] ابھی گذشتہ حدیث میں جعد آیا تھا وہاں جعد کے معنی ہیں پہلوانوں کا سا ابھرا ہوا جسم لہٰذا یہ حدیث گذشتہ کے خلاف نہیں اور اگر وہاں جعد کے معنی ہوں گھونگھر والے بال تو اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہوگا کہ سارے بال سیدھے کناروں پر قدرے خم دار جسے کہتے ہیں چھلے والے بال لہٰذا دونوں حدیثیں درست ہیں ❊

بِهٖ قَالَ فَاُتِيْتُ بِاِنَاءَيْنِ اَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَالْاٰخَرُ فِيْهِ خَمْرٌ فَقِيْلَ لِيْ خُذْ اَيَّهُمَا شِئْتَ فَاَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهٗ فَقِيْلَ لِيْ هُدِيْتَ الْفِطْرَةَ اَمَا اِنَّكَ لَوْ اَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ اُمَّتُكَ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ ٭ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ

میں ہوں۔ فرماتے ہیں میرے پاس دو برتن لائے گئے جن میں سے ایک میں دودھ تھا دوسرے میں شراب تھی [1] مجھ سے کہا گیا ان میں سے جو آپ چاہیں لیں [2] تو میں نے دودھ اختیار کیا اُسے پی لیا تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ کو فطرت کی ہدایت دی گئی [3] اگر آپ شراب اختیار کرتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی [4] (مسلم بخاری)۔ روایت ہے حضرت ابن عباس سے فرماتے ہیں کہ ہم

[1] خیال رہے کہ فیہ خمر فرماکر بتایا گیا کہ شراب اس برتن میں تھوڑی سی تھی اور احدہما لبن فرماکر بتایا کہ دودھ برتن میں بہت زیادہ تھا گویا خود برتن دودھ بن گیا تھا۔ دنیا کی ہدایت اور ایمان و اعمال دودھ کی شکل میں پیش ہوئے اور یہاں کی بدعقیدگی بدعملیاں شراب کی صورت میں دکھائی گئیں۔ یہاں کے اعمال وہاں اجسام ہیں۔

[2] یہ اختیار دینا فرشتوں کو دکھانے کے لئے تھا کہ اللہ تعالٰی حضور کی امت کو حضور کی برکت سے محفوظ رکھے گا (از مرقات)

[3] چونکہ بچہ پیدا ہو کر پہلی غذا دودھ حاصل کرتا ہے۔ اس لئے فطرت دودھ کی شکل میں دکھائی گئی اور شراب انسان کی شکل لگاڑ کر صد ہا بدعملیاں بدعقیدگیاں اس سے کرادیتی ہے اس لئے گمراہی سرکشی شراب کی شکل میں دکھائی گئی جیسے خواب میں ہم رشتوں اور آنتوں کو مختلف شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں شاہ مصر نے قحط سالیوں کو خشک بالیوں دبلی گایوں کی شکل میں دیکھا اسی طرح حضرات انبیاء کرام آئندہ واقعات کو مختلف شکلوں میں ملاحظہ کرتے ہیں

[4] اس سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ نبی کے عمل کا امت پر اثر پڑتا ہے کہ شراب آپ اختیار فرماتے اور گمراہ ہوتی امت۔ دوسرے یہ کہ تا قیامت ان شاء اللہ سارے مسلمان کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ ان میں ایک جماعت ضرور حق پر رہے گی اور وہ ہی جماعت سب پر غالب رہے گی تعداد اس کی زیادہ ہوگی حضور فرماتے ہیں اتبعوا السواد الاعظم بڑے گروہ ہی کی پیروی کرو۔ الحمد للہ اہل سنت والجماعت اب ہمیشہ سب پر غالب ہیں اور اسّی بلکہ نوّے فی صد یہ ہی ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کی طرف سے موفق ہیں کوئی کام غلط آپ تک پہنچتا ہی نہیں دیکھو حضور انور نے اللہ کی توفیق سے دودھ ہی اختیار کیا۔ جو کوئی خواب میں دودھ پیئے ان شاء اللہ وہ ہدایت پر رہے گا اور اسے خیر کی توفیق ملے گی اس تعبیر کا ماخذ یہ حدیث ہے۔

رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ مَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَیُّ وَادٍ ھٰذَا فَقَالُوْا وَادِی الْاَزْرَقِ قَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی مُوْسٰی فَذَکَرَ مِنْ لَوْنِہٖ وَشَعْرِہٖ شَیْئًا وَاضِعًا اُصْبُعَیْہِ فِیْ اُذُنَیْہِ لَہٗ جُؤَارٌ اِلَی اللّٰہِ بِالتَّلْبِیَۃِ مَارًّا بِھٰذَا الْوَادِیْ قَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰی اَتَیْنَا عَلٰی ثَنِیَّۃٍ فَقَالَ اَیُّ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان چلے تو ایک جنگل پر گزرے تو آپ نے فرمایا یہ کون جنگل ہے۔ لوگوں نے کہا ارزق جنگل [1] فرمایا گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں پھر آپ نے ان کا رنگ اُن کے بال کا کچھ ذکر فرمایا [2] آپ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دیئے ہوئے ہیں آپ کو اللہ سے قرب ہے [3] تلبیہ میں مشغول ہیں اس جنگل میں گزر رہے ہیں [4] فرماتے ہیں کہ پھر ہم کچھ اور چلے حتی کہ ہم ایک گھاٹی پر پہنچے تو فرمایا

[1] وادی ارزق حرمین شریفین کے درمیان ایک جنگل ہے۔ ارزق کے معنی ہیں نیل گوں یا تو وہاں کی زمین نیل گوں ہے یا کسی ایسے آدمی کی طرف منسوب ہے۔ جس کا نام ارزق تھا یا اُس کی آنکھیں نیل گوں تھیں یہ گزریا تو حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہوا تھا یا عمرہ قضی کے وقت (مرقات واشعہ)

[2] کہ آپ گندمی رنگ ہیں۔ حمدار بال شریف جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

[3] جوار اور خوار دونوں کے معنی ہیں بچھڑے کی آواز پھر مطلقاً آواز کو کہنے لگے اب محاورہ میں دعا، عجز وانکسار کی آواز کو جور کہتے ہیں۔ وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی آپ مؤذن کی طرح دونوں انگلیاں کانوں میں ڈالے بلند آواز سے تلبیہ کہہ رہے ہیں خیال رہے کہ یہاں کاف زائدہ ہے جیسے لا اقسم میں لا زائدہ ہوتا ہے۔ حضور انور اپنی آنکھوں سے ان حضرات کو ملاحظہ فرما رہے تھے اور ان کا تلبیہ سن رہے تھے۔

[4] معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے بعد وفات دنیا میں گشت کرتے ہیں۔ اچھے مجمعوں میں جاتے ہیں۔ ذاکرین کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ بزرگوں میں میلاد شریف ختم رمضان شریف میں وفات یافتہ بزرگوں کو دیکھا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے ختم رمضان پر لوگوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیداری میں دیکھا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کل فرمایا تھا کہ ہم عبدالعزیز کے ختم قرآن میں شرکت کرنے دہلی جائیں گے۔ دیکھو فتاویٰ عزیزیہ کا مقدمہ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں لوگوں نے بیداری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء کرام کو لاہور اور سیالکوٹ کے باڈر پر مسلمانوں کی مدد فرماتے ہوئے دیکھا۔

ثَنِيَّةٍ هٰذِهٖ قَالُوْا هَرْشٰى اَوْلِفْتٌ فَقَالَ كَاَنِّىْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ خِطَامُ نَاقَتِهٖ خُلْبَةٌ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِىْ مُلَبِّيًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ؕ وَعَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ رض عَنِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خُفِّفَ عَلٰى دَاوٗدَ الْقُرْاٰنُ فَكَانَ يَاْمُرُ بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ فَيَقْرَاُ الْقُرْاٰنَ قَبْلَ اَنْ تُسْرَجَ

یہ کونسی گھاٹی ہے لوگوں نے کہا ہرشی ہے یا لفت [1] تو فرمایا گویا میں یونس علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں [2] جو سرخ اونٹنی پر ہیں آپ پر اونی جبہ ہے آپ کے ناقہ کی مہار کھجور کی کھال کی ہے اسی جنگل میں تلبیہ کہتے گزر رہے ہیں [3] (مسلم) روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرماتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام پر قرآن آسان کیا گیا [4] تو آپ اپنے گھوڑے کا حکم دیتے تھے اس کی زین لگائی جاتی تھی تو آپ گھوڑے

[1] ہرشی منزل جحفہ کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے اُسے لفت بھی کہتے تھے راوی کو شک ہے کہ صحابہ کرام نے اس کا نام ہرشی لیا یا لفت اور ہو سکتا ہے کہ ان حضرات نے یہ ہی عرض کیا ہو یعنی اس پہاڑ کے دو نام ہیں ہرشی اور لفت تو چاہیں ہم کہہ لیں ہرشی یا لفت۔

[2] اشعۃ اللمعات میں فرمایا کہ یہاں گاؤنی فرمانا یقین کے اظہار کے لیے ہے یعنی میں انہیں اس طرح یقینی طور پر دیکھ رہا ہوں گویا انہیں ان کی زندگی شریف میں ہی دیکھ رہا ہوں۔

[3] چونکہ یہ حج حضور سید الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا آخری حج تھا۔ اس لئے آسمانوں اور زمین سے حضرات انبیاء کرام برکت حاصل کرنے کے لیے شریک ہوئے۔ حضور انور نے انہیں ملاحظہ فرمایا اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام بحیات کامل زندہ ہیں۔ ان کی موت ان کی زندگی کو فنا نہیں کرتی جیسے شہدا کا قتل ان کی زندگی فنا نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ وہ حضرات جہاں چاہیں جاتے آتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ان کی صرف روح نہیں جاتی بلکہ جسم شریف بھی سیر کرتا ہے۔ چوتھے یہ کہ انہیں اس دنیا کی خبر رہتی ہے۔ کہ آج کہاں کیا ہو رہا ہے۔ دیکھو حضور انور کا حج اس دنیا میں ہوا اور ان حضرات کو اس جہان میں خبر ہوئی۔ پانچویں۔ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعض حضور کے خدام ان بزرگوں کو دیکھتے ان کی آواز سنتے ہیں۔ ان سے ملاقاتیں کرتے ہیں خیال رہے کہ اونٹنی پر سوار ہونا کانوں میں انگلیاں دینا تلبیہ کہنا جسم کا کام ہے۔ صرف روح کا نہیں اور یہ اونٹنی قدرتی تھی جیسے جبریل امین گھوڑے پر سوار نمودار ہوتے تھے وہ گھوڑا قدرتی ہوتا تھا نہ کہ یہ دنیاوی گھوڑا۔

[4] یہاں قرآن لغوی معنی میں ہے یعنی پڑھی ہوئی کتاب اور اس سے مراد زبور شریف ہے۔ رب فرماتا ہے وقال الرسول

دَوَابِّهٖ وَلَا يَاكُلُ اِلَّا مِنْ عَمَلِ يَدَيْهِ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ وَعَنْهُ
عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَتِ امْرَاَتَانِ مَعَهُمَا
اِبْنَاهُمَا جَآءَ الذِّئْبُ فَذَهَبَ بِابْنِ اِحْدٰهُمَا فَقَالَتْ
صَاحِبَتُهَا اِنَّمَا ذَهَبَ بِابْنِكِ وَقَالَتِ الْاُخْرٰى اِنَّمَا ذَهَبَ
بِابْنِكِ فَتَحَاكَمَتَا اِلٰى دَاوٗدَ فَقَضٰى بِهٖ لِلْكُبْرٰى فَخَرَجَتَا عَلٰى سُلَيْمَانَ

کے زین لگائے جانے سے پہلے قرآن پڑھ لیتے تھے ۱؎ اور نہ کھاتے تھے مگر اپنے ہاتھ کے کام سے ۲؎ (بخاری) ۔ روایت ہے انہی سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راوی ہیں۔ فرمایا دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ ان کے بچے تھے۔ بھیڑیا آیا، ایک کا بچہ لے گیا ۳؎ اس کی ساتھن بولی کہ بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے اور دوسری نے کہا کہ تیرا بچہ لے گیا ہے ۴؎ چنانچہ وہ دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس فیصلہ لے گئیں۔ آپ نے بڑی کے حق اس کا فیصلہ کر دیا ۵؎ وہ دونوں حضرت سلیمانؑ

یارب ان قومی اتخذوا القرآن مھجورا ۔

۱؎ جیسے طی الارض کرامت یا معجزہ ہے ویسے ہی طی الوقت بھی معجزہ و کرامت ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہو جاوے یہ عقل سے وراء چیز ہے۔ معراج میں حضور کے لیے وقت اور جگہ دونوں چیزیں سمیٹ دی گئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑے کی رکاب میں ایک پاؤں رکھتے وقت قرآن مجید شروع کرتے تھے اور دوسرے قدم رکھتے وقت تک پورا قرآن ختم کر لیتے تھے ایک ایک لفظ صاف صاف سمجھا جا سکتا تھا (مرقات و اشعۃ اللمعات)

۲؎ حضرت داؤد علیہ السلام لوہے کا کام کرتے تھے۔ لوہا ان کے لیے نرم کر دیا گیا تھا۔ جس طرح چاہتے اسے موڑ لیتے تھے اس کی اجرت پر گزارہ فرماتے تھے۔ حالانکہ آپ بادشاہ تھے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام

۳؎ یہ دونوں عورتیں اپنے اپنے لڑکے جنگل میں بٹھا کر کسی کام میں مشغول ہو گئیں کہ یہ حادثہ پیش آگیا اور باقی ماندہ بچہ میں جھگڑا پڑ گیا

۴؎ خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں عورتوں میں سے ہر ایک چاہتی تھی۔ کہ یہ بچہ مجھے ملے ایک تو واقعی ماں تھی دوسری ماں بنی جا رہی تھی۔

۵؎ بڑی کے حق میں یہ فیصلہ فرمایا اس لیے تھا کہ وہ اس بچہ پر قابض تھی یا اس لئے کہ بچہ اس کی ہم شکل تھا بہر حال یہ فیصلہ حضرت داؤد علیہ السلام کے اجتہاد سے تھا۔ وحی الٰہی سے نہ تھا۔ ورنہ اس کی اپیل ہوتی اور نہ حضرت سلیمان علیہ السلام اس کے خلاف فیصلہ فرماتے۔ معلوم ہوا کہ مجتہد کا اجتہاد برحق ہے اور نبی بھی اجتہاد فرما سکتے ہیں ۔

بْنِ دَاوٗدَ فَاَخْبَرَتَاهُ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ بِالسِّکِّیْنِ اَشُقُّهٗ بَیْنَکُمَا فَقَالَتِ الصُّغْرٰی لَا تَفْعَلْ یَرْحَمُکَ اللّٰهُ هُوَ ابْنُهَا فَقَضٰی بِهٖ لِلصُّغْرٰی مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ ۔ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ

ابن داؤد کے پاس گئی انھیں یہ خبر دی [1] آپ نے فرمایا چھری لاؤ میں تم دونوں کے درمیان بچے دو ٹکڑے تقسیم کردوں [2] تو چھوٹی بولی اللہ آپ پر رحمت کرے یہ نہ کریں یہ اُس بڑی کا بچہ ہے [3] تب آپ نے چھوٹی کے حق میں اسکا فیصلہ کردیا [4] (مسلم بخاری) روایت ہے انہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

[1] اس سے معلوم ہوا کہ فیصلہ کی اپیل ہوسکتی ہے اور اپیل والا حاکم پہلے حاکم کے خلاف فیصلہ دے سکتا ہے۔ بشرطیکہ پہلا فیصلہ اجتہاد سے ہوا ہو وحی سے نہ ہوا ہو وحی کی اپیل ناممکن ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں ما کان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ۔

[2] یعنی اس بچہ کی دو کھانپ کرکے تم دونوں کو ایک ایک دیدوں۔ خیال رہے کہ آپ نے اس بے گناہ بچے کے قتل کا ارادہ نہ فرمایا۔ بلکہ اس کلام سے ان عورتوں کی شفقت و محبت کی آزمائش فرمائی۔ لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ بے قصور کے قتل کا ارادہ کرنا گناہ ہے اور نبی گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔

[3] اس وقت بڑی عورت یا تو خاموش رہی یا کچھ ہلکی تڑپی دکھلاوے کے لیے حقیقی تڑپ اور بناوٹی تڑپ میں فرق ہوتا ہے، خیال رہے کہ یہ کلام اقرار کے لئے نہیں بلکہ بے قراری میں تڑپ کے طور پر ہے یعنی آپ اُسے قتل نہ کریں اسی کو دے دیں لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں کہ چھوٹی نے بڑی کے لیے اقرار کرلیا۔ پھر آپ نے بڑی کو یہ بچہ نہ دیا۔ اس علامت سے آپ نے پہچان لیا کہ ماں یہی ہے بچہ کی جان بچانے کے لیے کہہ رہی ہے۔

[4] اس واقعہ سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ اجتہاد جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ کبھی اجتہاد میں غلطی بھی ہو جاتی ہے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے اجتہاد میں خطا ہوئی، تیسرے یہ کہ خطاء اجتہادی پر پکڑ اور مواخذہ نہیں ہوتا۔ دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ ٹوٹ تو گیا مگر ان سے رب نے پوچھ گچھ نہ کی چوتھے یہ کہ کبھی افضل کے مقابلے میں مفضول کا فیصلہ قوی اور قابل عمل ہوتا ہے دیکھو۔ حضرت داؤد علیہ السلام صاحب کتاب صاحب شریعت نبی ہیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد ہیں۔ ان تمام باتوں کے باوجود عمل فیصلہ سلیمان علیہ السلام پر کیا گیا۔ لہٰذا امام اعظم کے فرمان کے ہوتے ہوئے قول صاحبین پر فتوٰی دینا عمل کرنا درست ہے۔ یہ حدیث اس کا ماخذ ہے ایک مقدمہ کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے فرماتا ہے۔ ففهمنٰها سلیمان۔

٭ ٭ ٭

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سُلَيْمَانُ لَاَطُوْفَنَّ اللَّيْلَةَ عَلٰى تِسْعِيْنَ امْرَاَةً وَفِيْ رِوَايَةٍ بِمِائَةِ امْرَاَةٍ كُلُّهُنَّ تَاْتِيْ بِفَارِسٍ يُّجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَالَ لَهُ الْمَلَكُ قُلْ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ فَلَمْ يَقُلْ وَنَسِيَ فَطَافَ عَلَيْهِنَّ فَلَمْ تَحْمِلْ مِنْهُنَّ اِلَّا امْرَاَةٌ وَّاحِدَةٌ جَاءَتْ بِشِقِّ رَجُلٍ وَّاَيْمُ الَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ قَالَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فُرْسَانًا اَجْمَعُوْنَ مُتَّفَقٌ

علیہ وسلم نے کہ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ میں آج رات نوّے بیویوں پر چکر لگاؤں گا، ایک روایت میں ہے کہ سو بیویوں پر[1] وہ تمام ایک سوار جنیں گی جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گا[2] ان سے فرشتے نے کہا ان شاء اللہ کہہ لیجئے۔ مگر وہ نہ کہہ سکے بھول گئے[3] چنانچہ آپ نے ان سب پر چکر لگایا[4] تو ان میں سے کوئی حاملہ نہ ہوئی سواء ایک عورت کے جو آدمی کی ایک کروٹ لائی اُس کی قسم جس کے قبضہ میں حضور محمد کی جان ہے اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو وہ سب اللہ کی راہ میں سوار ہو کر جہاد کرتے[5] (مسلم بخاری)

[1] اس وقت آپ کی بیویاں ننانوے تھیں لہذا یہاں سو سے مراد قریبًا سو ہیں۔ بعض روایات میں ساٹھ اور ستر بھی ہے کیونکہ بیویاں ساٹھ یا ستر تھیں باقی لونڈیاں تھیں۔ آپ کی کل بیویاں لونڈیاں ایک ہزار تھیں۔

[2] معلوم ہوا کہ دین کی خدمت کے لیے اولاد چاہنا اختیار کرنا سنت انبیاء ہے محض گھر کی رزق اور اپنی خدمت کی نیت نہ کرے

[3] آپ کی یہ بھول بھی رب تعالٰی کی طرف سے تھی تاکہ دنیا کے لیے مثال قائم ہو جاوے کہ انشاء اللہ نہ کہنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے ان حضرات کی بھول میں رب کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ فرشتے سے مراد الہام والا فرشتہ ہے یا آپ کے ساتھ رہنے والا فرشتہ۔

[4] یعنی ایک شب میں ان سب سے صحبت کی اس میں آپ کے دو معجزے ہیں۔ ایک تو جسمانی اتنی طاقت کہ قریبًا سو بیویوں سے صحبت کرنی۔ دوسرے ایک رات میں اتنی صحبتیں ہو جانا۔ تھوڑے وقت میں زیادہ کام۔

[5] یعنی وہ سب بیویاں حاملہ ہوتیں جو حاملہ ہوتی سب کے لڑکے پیدا ہوتے زندہ رہتے اور راہ خدا میں جہاد کرتے اس سے معلوم ہوا کہ کسی کام میں اپنے پر بھروسہ نہ کرے رب تعالٰی پر توکل کرے۔ تو انشاء اللہ کامیابی ہوتی ہے۔ آئندہ کام پر انشاء اللہ ضرور کہے اور گزشتہ کام پر انشاء اللہ کہنا برکت کے لیے درست ہے۔ جیسے انشاء اللہ میں مسلمان ہوں، یعنی اللہ کے فضل سے میں مومن ہو چکا ہوں۔

وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ زَكَرِيَّآءُ نَجَّارًا رَوَاهُ مُسْلِمٌ ﴿ وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوْلَى النَّاسِ بِعِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ فِى الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ اَلْاَنْبِيَآءُ اِخْوَةٌ مِّنْ عَلَّاتٍ وَّاُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ وَلَيْسَ بَيْنَنَا

روایت ہے اُنہی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زکریا علیہ السلام بڑھئی کا کام کیا کرتے تھے [1] (مسلم) ﴿ روایت ہے اُنہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کہ میں عیسٰی ابن مریم سے دُنیا و آخرت میں قریب تر ہوں [2] حضرات انبیاء علاتی بھائی ہیں، جن کی مائیں مختلف ہیں اور اُن کا دین ایک ہے [3] ہم دونوں کے درمیان

[1] یعنی زکریا علیہ السلام لکڑی سازی کا کام کرتے تھے اس کی آمدنی سے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ کسی نبی نے نبوت کو ذریعہ معاش نہ بنایا۔ مرزا قادیانی پہلے ایک نہایت غریب آدمی تھا۔ جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچا کر نواب بن گیا۔ شاہانہ زندگی گزار گیا سارے سچے نبیوں نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے زندگی گزاری۔ کسی نبی نے کیا پیشہ اختیار کیا یہ ہماری تفسیر نعیمی پارہ اول میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام نے اگرچہ بکریاں چرائی ہیں۔ زنبیل سازی وغیرہ اختیار فرمائی مگر انہیں بڑھئی یا لوہار وغیرہ کہنا حرام ہے کہ یہ الفاظ توہین آمیز ہیں۔

[2] یہاں قرب سے مراد زمانہ کا قرب ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام دنیا میں حضور سے اس طرح قریب ہیں کہ ان دونوں حضرات کے درمیان کوئی نبی نہیں حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام ہی قریب قیامت اسلام کی خدمت کریں گے آپ ہی حضور انور کے روضہ اقدس میں دفن ہوں گے۔ حضور کی ولادت پاک ۵۷۰ھ پانچسو ستر عیسوی میں ہے آخرت میں ایسے قریب ہوں گے کہ تمام عالم کو جو تلاش شفیع میں سرگردان ہوں گے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی حضور انور کا پتہ دیں گے کہ آج تمہاری دستگیری کرنے والا سوا حضور کے اور کوئی نہیں۔ حضرت روح اللہ پر ہماری جانیں فدا جو دنیا و آخرت میں حضور انور کے مبشر ہیں جیسے صبح کا ستارہ جو سورج نکلنے کی بشارت دے کر لوگوں کو جگاتا ہے۔

[3] اصول اور قواعد کو دین کہتے ہیں فروعی مسائل کو مذہب ہم اور شوافع مذہبًا ضرور مختلف ہیں مگر تمام آئمہ کا دین اسلام ہے اسی طرح توحید و رسالت میں تمام انبیاء کرام مشترک تھے مگر فروعی مسائل میں ان میں اختلاف تھا جیسے علاتی بھائی جن کی مائیں ان کی مختلف ہوتی ہیں باپ ایک یہی حال حضرات صوفیاء کے اختلاف کا ہے۔ قادری چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی وہ حضرات خود کہتے ہیں۔

نَبِیٌّ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ؛ وَعَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ بَنِیْ اٰدَمَ یَطْعَنُ الشَّیْطٰنُ فِیْ جَنْبَیْہِ بِاَصْبَعِہٖ حِیْنَ یُوْلَدُ غَیْرُ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ ذَھَبَ یَطْعَنُ فَطَعَنَ فِی الْحِجَابِ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ؛ وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی عَنْ

کوئی نبی نہیں ۱؎ (مسلم، بخاری)؛ روایت ہے اُنہی سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر انسان کی کروٹوں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے جب وہ پیدا ہوتا ہے ۲؎ سوا عیسیٰ ابن مریم کے ۳؎ کہ وہ انگلی مارنے لگا تو اس کی انگلی پردہ میں لگی ۴؎ (مسلم، بخاری)؛ روایت ہے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہ وہ

ابناء السبیل احیان لیس بینھم خلاف (مرقات)

۱؎ حضور سے پہلے نہ حضور کے زمانہ میں اس دوران میں کوئی نبی روئے زمین پر تشریف نہ لائے۔ نہ صاحب شریعت نبی نہ غیر صاحب شریعت اس لیے حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام نے اعلان فرمایا تھا۔ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد لہذا جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کو نبی مانے یا حضور کے زمانہ میں اور کسی کو کسی طبقہ کا نبی مانے وہ کافر ہے۔ خیال رہے کہ یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔ اولی بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی۔ ۔ ۔ کیونکہ وہاں اقتداء میں قرب مراد ہے اور یہاں زمانہ میں قرب۔ خیال رہے کہ اقتداء سے مراد موافقت ہے حضور انور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے موافق ہیں کہ آپ کے دین میں ملت ابراہیمی پوری مکمل موجود ہے۔ کچھ معنی نہ اُمد کے حضور کسی نبی کے مقتدی نہیں سب کے مقتدا ہیں بہرحال آیت وحدیث دونوں اپنے مقام پر حق ہیں۔

۲؎ یہاں بنی آدم سے مراد اولاد آدم ہیں لڑکے ہوں یا لڑکیاں شیطان کو انسان سے دلی عداوت ہے۔ وہ بچہ کی پیدائش کے وقت سے ہی اس کے پیچھے پڑتا ہے۔ اسی مار کے اثر سے بچہ پیدائش کے وقت روتا ہے بچپن میں بہت سی بیماریاں شیطان کے اثر سے ہوتی ہیں جیسے ام الصبیان وغیرہ جیسے سانپ بچھو وغیرہ جانور بعض جڑی بوٹیاں انسان کو بیمار کردیتی ہیں ایسے ہی شیطان بھی انسان کو بیمار کردیتا ہے رب فرماتا ہے یتخبطہ الشیطان من المس ۳؎ ایسے مقام پر متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ولادت پاک کے وقت شیطان نہ چھو سکا (اشعۃ اللمعات) اسی لیے حضور ولادت پاک کے وقت روئے نہیں۔

۴؎ یہ حدیث باب الوسوسہ میں گزر چکی ہے۔ اس وقت اللہ تعالٰی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور شیطان کے درمیان ایک پردہ حائل کردیا۔ شیطان کی انگلی اس پردے میں لگی۔ حضرت حنہ (والدہ مریم) کی دعا سے یہ واقعہ ہوا آپ نے دعا کی تھی انی اعیذھا بک وذریتھا من الشیطان الرجیم؛

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيْرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَاٰسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں فرمایا مردوں میں تو بہت کامل ہوئے، عورتوں میں سواء مریم بنت عمران اور فرعون کی بیوی آسیہ کے کوئی کاملہ نہ ہوئیں [1] اور جناب عائشہ کی بزرگی ساری عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی بزرگی تمام کھانوں پر [2]

[1] خیال رہے کہ یہاں کمال سے مراد نبوت و رسالت نہیں کیونکہ یہ کمال تو صرف انسان مردوں کو ہی ملا ہے کوئی عورت اور کوئی غیر انسان نبی نہیں ہوئے بلکہ مراد ولایت کاملہ قطبیت غوثیت وغیرہ ہے۔ اور رب تعالیٰ سے قرب خاص کہ یہ صفات مردوں کو زیادہ عورتوں کو کم ملے نبوت کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحی الیھم۔ نبوت کے فرائض عورت انجام نہیں دے سکتی۔ پردہ میں رہ کر عام تبلیغ نہیں ہو سکتی یہ بھی خیال رہے کہ یہاں نساء سے مراد اس زمانہ کی عورتیں ہیں۔ لہذا اس سے لازم یہ نہیں آتا کہ حضرت آسیہ و مریم جناب فاطمہ زہرا خدیجہ اور عائشہ صدیقہ سے افضل ہوں۔ یہ بیبیاں حضرت آسیہ و مریم سے افضل ہیں۔ شعر

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز	از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمۃ للعالمین	آں امام الاولین و آخرین
بانوے آں تاجدار ھل اتی	مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آں مرکز پرکار عشق	مادر آں قافلہ سالار عشق!

[2] یعنی جناب عائشہ صدیقہ از آدم علیہ السلام تا روز قیامت تمام عورتوں سے ایسی افضل ہیں جیسے ثرید کھانا باقی تمام کھانوں سے افضل۔ ثرید شوربے میں روٹی بھگو کر پکا ہوا کھانا۔ اس میں گفتگو ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ، فاطمہ زہرا خدیجۃ الکبریٰ ان تینوں میں افضل کون ہے محققین علماء کا قول ہے کہ یہ تینوں مختلف جہات سے افضل ہیں اس میں بحث نہ کی جاوے تو بہتر ہے۔ حضرت عائشہ جیسی عالمہ حسن خلقت حسن خلق شیریں گفتار ذہینہ ذکیہ بیبی نہ پیدا ہوئی نہ پیدا ہو آپ بڑی عالمہ محدثہ فقیہہ ہیں آپ کی برات میں سورۂ نور کی اٹھارہ آیتیں نازل ہوئیں۔ شعر

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ	ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام
بنت صدیق آرام جان نبی	اس حریم برات پہ لاکھوں سلام

نبوت کے بعد صدیقیت ہے اور عائشہ صدیقہ ہیں۔ ابو بکر صدیق ہیں۔

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ وَذُكِرَ حَدِيْثُ أَنَسٍ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّةِ وَحَدِيْثُ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَيُّ النَّاسِ أَكْرَمُ وَحَدِيْثُ ابْنِ عُمَرَ الْكَرِيْمُ ابْنُ الْكَرِيْمِ فِيْ بَابِ الْمُفَاخَرَةِ وَالْعَصَبِيَّةِ ۞ اَلْفَصْلُ الثَّانِيْ عَنْ أَبِيْ رَزِيْنٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ أَيْنَ كَانَ رَبُّنَا قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ خَلْقَهُ قَالَ كَانَ فِيْ عَمَاءٍ مَا تَحْتَهُ هَوَاءٌ وَمَا فَوْقَهُ هَوَاءٌ وَخَلَقَ عَرْشَهُ عَلَى الْمَاءِ رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ وَقَالَ قَالَ يَزِيْدُ بْنُ هٰرُوْنَ الْعَمَاءُ أَيْ لَيْسَ مَعَهُ شَيْءٌ ۞ وَعَنِ الْعَبَّاسِ

(مسلم بخاری) ۞ اور انس کی حدیث کہ اے خیر بریہ، اور ابو ہریرہ کی حدیث اے الناس اکرم، اور حضرت ابن عمر کی حدیث کریم ابن کریم مفاخرہ اور عصبیہ کے باب میں ذکر کردی گئیں [1] دوسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابن رزین سے [2] فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اپنی مخلوق پیدا فرمانے سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا۔ فرمایا ہلکے بادل میں تھا [3] نہ اس کے نیچے ہوا تھی نہ اس کے اوپر ہوا [4] اور اپنا عرش پانی پر پیدا فرمایا [5] (ترمذی) ۞ اور فرمایا کہ یزید ابن ہارون نے کہا ہلکے بادل سے مراد ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی [6] ۞ روایت ہے حضرت عباس سے

[1] یعنی وہ حدیثیں مصابیح میں یہاں مذکور تھیں۔ ہم نے مشکوۃ شریف میں وہاں یعنی باب المفاخرت میں بیان کردیں ان کی شرح وہاں ہی دیکھو۔

[2] آپ کا نام لقیط ابن عامر ابن صبرہ ہے۔ طائف کے رہنے والے ہیں۔ مشہور صحابی۔

[3] عماء کے لغوی معنی ہیں ہلکا بادل جس سے سورج نظر نہ آئے مگر اس روشنی میں کمی نہ ہو یہاں اس سے مراد غیب ہے یعنی رب تعالٰی غیب الغیب تھا جس کے صفات ظاہر نہ تھے۔ حدیث قدسی ہے کنت کنزًا مخفیًا فاحببت ان اعرف۔ مرقات۔ حضرات صوفیاء کی اصطلاح میں عماء ذات واحدہ ہے جسے کوئی نہ جانے سوائے اس کے۔

[4] دونوں جگہ ما نفی ہے۔ یعنی رب تعالٰی اور جگہ نہ تھا حتی کہ ہوا بھی نہ تھی نہ فوقیت تھی نہ تحتیت۔ کیونکہ اوپر نیچے ہونا سمت اور جہت سے ہوتا ہے اس وقت سمت بھی نہ تھی۔

[5] یعنی پھر اللہ تعالٰی نے عرش عظیم پیدا فرمایا جو پانی کے اوپر اس طرح تھا جیسے زمین کے اوپر آسمان یعنی بغیر ستون کے

[6] اس کی شرح ہم ابھی کرچکے ہیں۔ یہ فرمان ہماری اس شرح کی تائید کرتا ہے۔

بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ زَعَمَ اَنَّهٗ كَانَ جَالِسًا فِي الْبَطْحَاءِ فِي عِصَابَةٍ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ فِيْهِمْ فَمَرَّتْ سَحَابَةٌ فَنَظَرُوْا اِلَيْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُسَمُّوْنَ هٰذِهٖ قَالُوا السَّحَابَ قَالَ وَالْمُزْنَ قَالُوْا وَالْمُزْنَ قَالَ وَالْعَنَانَ قَالُوْا وَالْعَنَانَ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ قَالُوْا لَا نَدْرِيْ قَالَ اِنَّ بُعْدَ مَا بَيْنَهُمَا اِمَّا وَاحِدَةٌ وَ

ابن المطلب سے فرماتے ہیں کہ وہ بطحاء میں ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے [1] اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں بیٹھے تھے کہ ایک بادل گزرا۔ لوگوں نے اس کی طرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کا نام کیا رکھتے ہو [2] لوگوں نے عرض کیا سحاب۔ فرمایا اور مزن بھی! عرض کیا مزن بھی۔ فرمایا اور عنان بھی! عرض کیا اور عنان بھی۔ فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ کتنا ہے! انہوں نے عرض کیا ہم نہیں جانتے۔ فرمایا ان کے درمیان فاصلہ

[1] بطحا کے لفظی معنی ہیں پتھریلی یا کنکریلی نشیبی زمین۔ جہاں سیلاب کا گزرگاہ ہو اب مکہ معظمہ کے قریب جنت معلی کے پاس ایک جنگل کا نام ہے۔ مکہ معظمہ کو بھی بطحا یا البطح کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور کا لقب ہے۔ رسول البطحی غالبًا یہ جماعت مسلمانوں کی نہ تھی۔ اور اس وقت حضرت عباس بھی مسلمان نہ ہوئے تھے (اشعہ) مگر ایک قول یہ ہے کہ یہ واقعہ فتح مکہ کے بعد کا ہے۔ اور یہ جماعت مومنین کی تھی۔ حضرت عباس بھی مسلمان ہوچکے تھے (مرقات) واللہ ورسولہ اعلم۔

[2] حضور انور کا ان سے یہ پوچھنا اگلے کلام کی تمہید ہے۔ جیسے رب تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے پہلے یہ پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے پھر اگلا کلام فرمایا۔

[3] حضور صلے اللہ علیہ وسلم لغات کے یاد دلا رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ عربی میں بادل کے تین نام ہیں۔ سحاب۔ مزن۔ عنان۔ یا تو بادل کے یہ تین نام ہیں یا مزن وہ سفید بادل جو پانی کو روک نہ سکے ضرر رسے عناد، بھورا بادل اور سحاب ہر بادل (مرقات) اس کلام مبارک سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بادل کے یہ تین نام ہیں کیونکہ حضور انور نے اس دیکھے ہوئے بادل کے یہ تین نام ارشاد فرمائے۔

إِمَّا اثْنَتَانِ أَوْ ثَلَاثٌ وَسَبْعُوْنَ سَنَةً وَالسَّمَاءُ الَّتِيْ فَوْقَهَا كَذٰلِكَ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ثُمَّ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ بَحْرٌ بَيْنَ أَعْلَاهُ وَأَسْفَلِهٖ كَمَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلٰى سَمَاءٍ ثُمَّ فَوْقَ ذٰلِكَ ثَمَانِيَةُ أَوْعَالٍ بَيْنَ أَظْلَافِهِنَّ وَرُكَبِهِنَّ مِثْلُ مَا بَيْنَ سَمَاءٍ إِلٰى سَمَاءٍ

اکہتر یا بہتر یا تہتر سال کا ۱ اور جو آسمان اُس کے اوپر ہے وہ بھی ایسا ہی ہے۔ حتی کہ آپ نے سات آسمان گنائے ۲ پھر ساتویں آسمان کے اُوپر ایک دریا ہے جسکے اوپر اور نیچے حصے کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ۳ پھر اس کے اوپر آٹھ بکرے ہیں ۴ جن کے کھروں اور گھٹنوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا ایک آسمان سے دُوسرے آسمان تک ۵

۱ یہ شک راوی کا ہے خیال رہے کہ ایسے موقعہ پر ستر وغیرہ کے معنی ہوتے ہیں بے شمار یا بہت زیادہ لہذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں کہ آسمان وزمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے کہ یہاں کا یہ فرمان یعنی تکثیر ہے نہ کہ حد بندی کے لیے۔

۲ یعنی اتنے اتنے فاصلہ پر سات آسمان واقع ہیں فلاسفر نو آسمان مانتے ہیں وہ کرسی اور عرش کو آسمان ہی کہتے ہیں مگر جھوٹے ہیں قرآن کریم نے بھی آسمان سات ہی ارشاد فرمائے ہیں۔ موجودہ سائنس آسمان کے وجود ہی کا انکار کرتی ہے مگر جھوٹی ہے آسمان ہیں اور سات ہیں انہیں نظر آئیں یا نہ آئیں انہیں ملیں یا نہ ملیں۔

۳ یعنی ساتوں آسمانوں کے اوپر صاف اور جاری پانی کا ذخائر دریا ہے جس کی گہرائی اتنی ہے۔ جتنا آسمان وزمین کے درمیان کا فاصلہ رب جانے کہ وہ پانی کہاں سے آرہا ہے اور کہاں جارہا ہے۔ اس حدیث کی تائید وہ حدیث کرتی ہے کہ اللہ تعالٰی نے عرش کے نیچے ایک نہایت گہرا دریا پیدا فرمایا۔

۴ اوعال جمع ہے وعل کی وعل کہتے ہیں پہاڑی بکرے کو یعنی فرشتے حاملین عرشی ہیں جو بکرے کی شکل میں ہیں یہ ہی فرشتے مومنین انسانوں کے لیے دعائیں کرتے ہیں

۵ یعنی وہ فرشتے جن کی پشت پر عرش اعظم ہے جو بکروں کی شکل میں ہیں۔ اُن کی عظمت اور جسامت کا یہ حال ہے کہ اُن کے کھُر سے لے کر چوتڑوں تک اتنا عظیم الشان فاصلہ ہے۔ جب ان کی ٹانگیں اتنی بڑی ہیں تو کچھ لو کر بقیہ جسم کتنا ہوگا۔ وہ تو ہماری عقل سے وراء ہے۔

ثُمَّ عَلٰی ظُهُوْرِهِنَّ الْعَرْشُ بَیْنَ اَسْفَلِهٖ وَاَعْلَاهُ مَا بَیْنَ سَمَاءٍ اِلَی السَّمَاءِ ثُمَّ اللّٰهُ فَوْقَ ذٰلِكَ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَاَبُوْدَاوُدَ ۞ وَعَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ جُهِدَتِ الْاَنْفُسُ وَجَاعَ الْعِیَالُ وَنُهِكَتِ الْاَمْوَالُ وَهَلَكَتِ الْاَنْعَامُ فَاسْتَسْقِ اللّٰهَ لَنَا فَاِنَّا نَسْتَشْفِعُ بِكَ عَلَی اللّٰهِ وَنَسْتَشْفِعُ بِاللّٰهِ عَلَیْكَ فَقَالَ

پھر ان کی پیٹھوں پر عرش ہے جس کے نیچے اور اوپر کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا فاصلہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک ہے [1] پھر اللہ اس کے اوپر ہے [2] (ترمذی۔ ابوداؤد)۞ روایت ہے حضرت جبیر ابن مطعم سے [3] فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بدوی آیا عرض کیا کہ جانیں مشقت میں پڑ گئیں اور بال بچے بھوکے ہوگئے اور مال برباد جانور ہلاک ہوگئے [4] تو آپ ہمارے لئے اللہ سے بارش مانگیں، ہم آپ کو اللہ کی بارگاہ میں شفیع لاتے ہیں [5]۔ تب

[1] یعنی عرش اعظم کا دل اس کی موٹائی اتنی ہے کہ اس کی اوپر اور نیچے کی سطحوں کے درمیان کا فاصلہ اتنا ہے جتنا فاصلہ آسمان و زمین کے درمیان ہے۔

[2] یہاں فوقیت سے مراد جسمانی فوقیت نہیں نہ مکانی بلندی ہے بلکہ عظمت و قدرت کی بلندی مراد ہے یعنی اللہ تعالٰی عظمتُ قدرت عرش اعظم سے بھی اوپر ہے۔ مقصود یہ ہے کہ یہ بت جو زمین پر مارے مارے پھر رہے ہیں۔ عبادت کے لائق نہیں۔ عبادت کے لائق وہ رب ہے جس کی عظمت کا یہ حال ہے۔

[3] آپ صحابی ہیں عبد مناف کی اولاد سے ہیں۔ فتح خیبر کے بعد فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے۔ نسب اور تواریخ کے بڑے عالم تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے شاگرد ہیں۔ رضی اللہ عنہ (اشعۃ اللمعات)

[4] یعنی بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا جانی مالی نقصان بہت زیادہ ہو چکا معلوم ہوا کہ اپنے دکھ درد کی کہانی حضور کو سنانا بالکل درست اور صحابہ کرام کا عمل ہے۔ یہاں کی فریاد کی جوئی رب تعالٰی بہت کرم سے سنتا ہے۔

[5] یعنی ہم لوگ بارگاہ الٰہی میں آپ کو اپنا شفیع بناتے ہیں کہ آپ کی دعا سے وہ ہم پر بارش بھیجے اور آپ کی بارگاہ میں اللہ تعالٰی کو شفیع اور سفارشی بناتے ہیں کہ اللہ آپ سے ہماری سفارش و شفاعت کرے کہ آپ ہمارے لیے دعا فرمائیں۔ گویا آپ کی دعا کا شفیع اللہ تعالٰی اور بارش کے شفیع آپ ہوں۞

النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ فَمَا زَالَ یُسَبِّحُ حَتّٰی عُرِفَ ذٰلِكَ فِیْ وُجُوْهِ اَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ وَیْحَكَ اَنَّهٗ لَا یُسْتَشْفَعُ بِاللّٰهِ عَلٰی اَحَدٍ شَانُ اللّٰهِ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ وَیْحَكَ اَتَدْرِیْ مَا اللّٰهُ اِنَّ عَرْشَهٗ عَلٰی سَمٰوَاتِهٖ لَهٰكَذَا وَقَالَ بِاَصَابِعِهٖ مِثْلَ الْقُبَّةِ عَلَیْهِ وَاِنَّهٗ لَیَئِطُّ بِهٖ اَطِیْطَ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ سبحان اللہ آپ تسبیح فرماتے رہے حتی کہ یہ آپ کے صحابہ کے چہروں میں پہچانا گیا ^۱ پھر فرمایا تجھ پر افسوس ہے اللہ تعالیٰ کو کسی پر شفیع بنایا جاتا اللہ کی شان اس سے بہت ہے ^۲ تجھ پر افسوس کیا تجھے خبر ہے کہ اللہ کی شان کیا ہے اس کا عرش اس کے آسمانوں پر ایسا ہے اور اپنی انگلیوں سے اشارہ فرمایا اس پر قبہ کی طرح ^۳ اور وہ چرچرا رہا ہے جیسے کجاوے کا

چرچرانا

^۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نو وارد کی سخت غلطی پر تعجب فرمانے کے لیے بار بار سبحان اللہ کہتے رہے حتی کہ حاضرین مالکا کے چہرے اتر گئے اور ان پر خوف الٰہی ہیبت کبریائی کے آثار نمودار ہوگئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ نے بھی پہلے اس شخص کی غلطی محسوس نہ کی تھی۔

^۲ شفاعت سے بنا ہے شفیع سے بمعنی جوڑ رب فرماتا ہے۔ والشفع والوتر سفارش کو شفاعت اسی لیے کہتے ہیں کہ سائل حاکم کے سامنے اکیلا پیش ہونے کی ہمت نہیں کرتا تو اس حاکم کے کسی منظور مقبول کے ساتھ مل کر جوڑ کو حاکم کے سامنے پیش ہوتا ہے بہرحال شفیع سے حاکم افضل و اعلیٰ ہونا ضروری ہے اگر خدا کو شفیع کہا جاوے تو لازم آوے گا کہ کوئی اور اس سے اعلیٰ ہے جس کے دربار میں خدا تعالیٰ سے سفارش کرائی گئی۔ چونکہ یہ بہت بڑی بات تھی۔ اس لیے اس شخص کو نہ تو کافر کہا گیا نہ اس سے توبہ کرائی گئی۔ اس نے رب تعالیٰ کی توہین نہیں کی بلکہ وہ شفاعت کے معنی نہیں سمجھا۔ خیال رہے کہ اللہ کے نام اس کی صفات کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنانا درست ہے بلکہ اللہ کے نام کے وسیلہ سے بندوں سے [illegible] درست ہے ہم ادا کرتے ہیں۔ اللہ کے واسطے یہ دو اللہ کے نام [illegible] وہ کہا جاتا ہے شیئًا [illegible] ذات اور وسیلہ نام وسیلہ صفات میں فرق ضرور کرنا چاہیئے۔

^۳ حضور انور نے اپنے بائیں ہاتھ شریف کی ہتھیلی پر اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو خیمہ یا قبہ گنبد کی طرح کھڑا کیا معنی کو محسوس کی طرح دکھایا۔

الرَّحْلِ بِالرَّاكِبِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗدَ وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اُذِنَ لِيْ اَنْ اُحَدِّثَ عَنْ مَلَكٍ مِّنْ مَلٰٓئِكَةِ اللّٰهِ مِنْ حَمَلَةِ الْعَرْشِ اَنَّ مَا بَيْنَ شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ اِلٰى عَاتِقِهٖ مَسِيْرَةُ سَبْعِ مِائَةِ عَامٍ

سوار کی وجہ سے ۱؎ (ابوداؤد) روایت ہے حضرت جابر ابن عبداللہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راوی ہیں۔ فرمایا مجھے اجازت دی گئی ہے ۲؎ کہ تم کو اللہ کے فرشتوں میں سے ایک فرشتے کے متعلق خبر دوں عرش اٹھانے والوں سے کہ اُس کے کانوں کی گدیوں سے اس کے کندھوں تک سات سو سال کا فاصلہ ہے ۳؎۔

۱؎ یہ کلام عالی محض سمجھانے کے لیے ہے۔ یعنی باوجودیکہ عرش الٰہی اتنا بڑا ہے کہ وہ تمام آسمانوں کو ایسے گھیرے ہے جیسے قبہ خیمہ اپنے نیچے کی زمین پر چھایا ہوتا ہے گھیرتا ہے۔ مگر رب تعالٰی کی ہیبت سے گویا چرچرا رہا ہے۔ سوار کے بوجھ سے کمزور زین یا کمزور پالان چرچراتا ہے ورنہ وہاں نہ تو حقیقۃً بوجھ ہے نہ عرش اعظم میں چرچراہٹ کی آواز دیکھو طور پہاڑ تجلی الٰہی سے پھٹ گیا یہ پھٹنا ہتھوڑے کی زد سے نہ تھا۔ رب کی ہیبت و جلالت سے تھا۔ یہ حدیث متشابہات سے ہے۔ جیسے یَدُاللہِ فَوْقَ اَیْدِیْہِم۔ لہٰذا اس حدیث پر چکڑالویوں کا اعتراض محض حماقت ہے۔ مرقات نے فرمایا کہ یہاں چرچرانے سے مراد ہے رب کی تسبیح و تہلیل کی آواز عرش اعظم اٹھانے والے فرشتے اور خود عرش رب کی ہیبت سے تسبیح و تہلیل کر رہے ہیں (مرقات)

۲؎ یعنی ہم کو عالم غیب کی ہر چیز کی خبر دی [illegible] ہے۔ مگر اس کے اظہار کی اجازت نہیں ہاں اس میں سے جو فرشتے حاملین عرش ہیں۔ ان میں سے ایک فرشتہ کی جسامت و عظمت بتانے کی اجازت دی گئی ہے۔ [illegible] تم کو بتائے [illegible] ہوں۔ حضور انور نے سارا عالم غیب اپنی آنکھوں سے [illegible]۔ اس حدیث سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگا [illegible] ساتھ ہی معلوم ہوا کہ کسی چیز کا نہ بتانا نہ جاننے کی دلیل نہیں [illegible] سے ہوتا ہے۔

۳؎ کان کی گدیا اور کندھے کے درمیان [illegible] تھوڑا فاصلہ ہے۔ جب اس فرشتے کی کان کی گدیا [illegible] اتنی دور ہے تو باقی جسم کا اندازہ کون لگا سکتا ہے [illegible] رہے کہ [illegible] انسانی شکل پر نہیں۔ انسان کی [illegible] خلق سے اچھی [illegible] اپنی شکلیں مختلف عرش [illegible] فرشتے [illegible] بدلنے میں جیسا کہ پہلے

رَوَاهُ أَبُودَاوُدَ ﴿ وَعَنْ زُرَارَةَ بْنِ أَوْفَى أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجِبْرِيلَ هَلْ رَأَيْتَ رَبَّكَ فَانْتَفَضَ جِبْرَئِيلُ وَقَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ بَيْنِي وَبَيْنَهُ سَبْعِينَ حِجَابًا مِّنْ نُورٍ لَوْ دَنَوْتُ مِنْ بَعْضِهَا لَاحْتَرَقْتُ هٰكَذَا فِي الْمَصَابِيحِ وَرَوَاهُ أَبُونُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ عَنْ أَنَسٍ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَذْكُرْ فَانْتَفَضَ جِبْرَئِيلُ ﴿ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رض قَالَ قَالَ رَسُولُ

(ابوداؤد) ﴿ روایت ہے حضرت زرارہ ابن اوفی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جبریل سے فرمایا کیا تم نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو جبریل کانپ گئے [۱] اور عرض کیا اے حضور محمد! میرے اور رب کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں۔ اگر میں ان کے بعض سے قریب ہو جاؤں تو جل جاؤں [۲] اسی طرح مصابیح میں ہے اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت انس سے مروی ہے مگر انھوں نے اسی کا ذکر نہ کیا کہ جبریل کانپ گئے ﴿ روایت ہے ابن عباس سے فرماتے ہیں فرمایا

[۱] حضرت جبریل علیہ السلام کا کانپ جانا یا اس سوال کی ہیبت سے ہے یا اس تصور سے ہے جو انہیں اس سوال پر بندھا کہ دیدار الٰہی پر بندہ کا کیا حال ہوگا۔

[۲] ستر سے مراد زیادتی بیان فرمانا ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اس کے خلاف نہیں کہ میرے اور رب کے درمیان ستر ہزار حجاب ہیں۔ خیال رہے نہ نور بھی حجاب بن جاتا ہے جیسے سورج کا نور اس کے لیے حجاب ہے۔ اس سوال فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیدار الٰہی ممکن ہے۔ ورنہ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم یہ سوال کبھی نہ فرماتے۔ نیز اس سے معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی صرف انسانوں کو ہوگا۔ جنتی مسلمان دیدار کریں گے۔ حضور انور نے معراج کی رات دیدار ذات اپنی آنکھوں سے کیا۔ ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنٰی حضور ہی کی شان ہے۔ فرشتوں کو دیدار کبھی نہیں۔ احترقت فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ نور میں گرمی ہوتی ہے مگر اور قسم کی نور کی گرمی نار کی گرمی کو ختم کر دیتی ہے۔ جب مومن پلصراط سے گزریں گے تو دوزخ پکارے گی جاؤ گزر جا تیری نورانیت سے میری آگ بجھی جارہی ہے۔ حضرت خلیل پر نار نمرود ٹھنڈی ہوگئی یہ کرشمہ ہے نور کی گرمی کا۔ بعض صوفیاء پر ان کے چلوں میں نورانیت غالب ہوتی ہے۔ تو وہ ٹھنڈا پانی بہت پیتے ہیں۔ ٹھنڈے پانی سے نہاتے ہیں۔ ٹھنڈے پانی کے ٹب میں بیٹھ جاویں تو وہ گرم ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ حجابات حضرت جبریل کے لیے ہیں نہ کہ رب تعالٰی کے لیے رب تو حجاب میں ہونے سے پاک ہے ﴿

اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اِسْرَافِیْلَ مُنْذُ یَوْمَ خَلَقَہٗ صَافًّا قَدَمَیْہِ لَا یَرْفَعُ بَصَرَہٗ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الرَّبِّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی سَبْعُوْنَ نُوْرًا مَا مِنْھَا مِنْ نُوْرٍ یَدْنُوْا مِنْہُ اِلَّا احْتَرَقَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَصَحَّحَہٗ ❁ وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰہُ اٰدَمَ وَذُرِّیَّتَہٗ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ یَا رَبِّ خَلَقْتَھُمْ یَاْکُلُوْنَ وَیَشْرَبُوْنَ وَیَنْکِحُوْنَ وَیَرْکَبُوْنَ فَاجْعَلْ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ نے جناب اسرافیل کو پیدا فرمایا جس دن سے انھیں پیدا کیا ہے اپنے قدموں پر کھڑے ہیں[1] وہ اپنی نگاہ نہیں اٹھاتے[2] ان کے اور رب تعالٰے کے درمیان ستر نور ہیں۔ اُن میں سے کوئی نور نہیں مگر جس سے وہ قریب ہوں تو جل جاویں[3] (ترمذی) روایت ہے حضرت جابر سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے حضرت آدم اور اُن کی اولاد کو پیدا کیا تو فرشتے بولے یارب تو نے انھیں پیدا فرمایا کہ وہ کھائیں گے پئیں گے نکاح کریں گے۔ سوار ہونگے[4] تو ان کے

[1] معلوم ہُوا کہ اسرافیل علیہ السّلام ان فرشتوں میں سے ہیں۔ جن کی عبادت کھڑا رہنا ہے اور حکم الٰہی کا انتظار کرنا ہے۔ کہ کب حکم ہو اور میں صور پھونکوں۔

[2] یعنی ان کی نگاہیں ادب سے نیچی ہیں۔ عرش اعظم یا لوح محفوظ کی طرف نظر نہیں اٹھاتے جیسے جیسے نمازی اپنی سجدہ گاہ پر قیام میں نظر رکھتا ہے ایسی بیان کی نظر ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور اس عالم کی ہر چیز کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السّلام کی ہر ادا حضور کی نگاہ میں ہے۔ اسی طرح سب غلاموں کی ہر ادا حضور کی نگاہ میں ہر وقت ہے جو عرش کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ فرش پر بھی نظر رکھ سکتا ہے اعلیحضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

سر عرش پر ہے تری گزر | دل فرش پر ہے تیری نظر

[3] وہ حجاب نورانی ہیں ناری نہیں وہاں جلنا نور سے ہو سکتا ہے نہ کہ نار سے جیسے آج سورج کی شعاعوں سے گرمی حاصل کی جاتی ہے بلکہ یہ شعاعیں جلا بھی دیتی ہیں۔ اس جلنے کی تحقیق ہم ابھی پچھلی حدیث میں عرض کر چکے ہیں۔ جنت میں جنتیوں کو پرندوں کے بھنے گوشت بھی دیئے جائیں گے۔ رب فرماتا ہے۔ وَلَحْمِ طَیْرٍ مِّمَّا یَشْتَھُوْنَ وہاں گوشت آگ سے نہ بھونے جائیں گے کہ جنت میں آگ نہیں بلکہ نور سے اور نورانی گرمی ہے۔

[4] یعنی اولاد آدم گھروں میں رہ کر بھی دنیا میں مشغول رہیں گے اور خشکی و دریائی سواریوں میں سفر کرکے بھی دنیا میں مشغول رہیں گے دنیا انہیں چھٹی رہے گی اور واقعی

لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لَا اَجْعَلُ مَنْ خَلَقْتُهٗ بِيَدَيَّ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ كَمَنْ قُلْتُ لَهٗ كُنْ فَكَانَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِيْ شُعَبِ الْاِيْمَانِ۔ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ۔ عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ اَكْرَمُ عَلَى اللّٰهِ مِنْ بَعْضِ

دنیا کر دے اور ہمارے لئے آخرت [1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جسے میں نے اپنے دست قدرت سے بنایا اور جس میں میں نے اپنی روح پھونکی۔ اسے اس مخلوق کی طرح نہ کروں گا جس سے میں نے کہا ہوجا، وہ ہوگئی [2] (بیہقی شعب الایمان)، تیسری فصل۔ روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے فرماتے ہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ مومن اللہ کے نزدیک بعض فرشتوں سے زیادہ عزت والا ہے۔

ٹھیک کہا معلوم ہوا کہ فرشتوں کو بھی رب تعالیٰ نے علوم غیبیہ بخشے کہ وہ لوگوں کے آئندہ حالات کی خبر رکھتے دیکھو تو جو فرشتوں نے ہمارے متعلق کہا تھا ہم ویسے ہی ہیں۔

۱؎ یعنی ہم دنیاوی مذکورہ کام نہیں کرتے صرف تیری یاد ہماری زندگی ہے۔ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ لہٰذا انسانوں کو زندگی میں ہمیشہ رکھ اور انہیں وہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے ہم کو یہاں ہمیشہ رکھ یہاں کی نعمتیں ہمیشہ دے ایسا نہ ہو کہ ان کو تو دونوں جہان کی نعمتیں دیں۔ اور ہم ان سب سے محروم رہیں۔ لہٰذا یہ آدمیوں کے لیے بددعا یا بدخواہی نہیں بلکہ ان کی بھی خیرخواہی ہے اور اپنے لیے دعا بھی ہے۔

۲؎ یعنی اے فرشتو ہمارے ظاہری وباطنی کمالات کا مظہر انسان ہے۔ جسے تم کو میں نے صرف کن فرما کر پیدا کیا ایک آن میں اور انسان یعنی حضرت آدم کا خمیر عرصہ تک تیار کیا گیا۔ پھر عرصہ تک اسے سکھایا گیا۔ میں نے اپنے دست قدرت سے اس کی شکل بنائی اور اسے ظاہری خوبیوں سے آراستہ کیا۔ پھر اس میں اپنی خاص روح پھونکی جس سے وہ باطنی خوبی کا حامل ہوگیا۔ انسان مادہ اور مجرد دونوں کا معجون مرکب ہے۔ تم بذات خود معصوم ہو، لہٰذا دوزخ سے محفوظ اور جنت سے محروم ہو انسان طاعت اور نیکی سے مخلوط ہے۔ عطایا اور بلایا کا مخزن ہے لہٰذا وہ ثواب وعذاب کا مستحق ہے۔ یہ حدیث پاک ان حضرات کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ بشر فرشتہ سے افضل ہے۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے فرشتوں کے کمالات انسان پہ موقوف ہیں فرشتے انسان ہی کے ذریعہ حاصل کریں۔ [illegible] سب کچھ بنے۔ جنس بشریت جنس ملکیت سے افضل ہے۔ اگرچہ بعض افراد ملک انسان کے بعض افراد سے افضل ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

مَلٰٓئِكَتِهٖ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ ﴿۱﴾ وَعَنْهُ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِيْ فَقَالَ خَلَقَ اللّٰهُ التُّرْبَةَ يَوْمَ السَّبْتِ وَخَلَقَ فِيْهَا الْجِبَالَ يَوْمَ الْاَحَدِ وَخَلَقَ الشَّجَرَ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَخَلَقَ الْمَكْرُوْهَ يَوْمَ الثُّلٰثَاءِ وَخَلَقَ النُّوْرَ يَوْمَ الْاَرْبِعَاءِ وَبَثَّ فِيْهَا الدَّوَابَّ يَوْمَ الْخَمِيْسِ

[1] (ابن ماجہ) ﴿۲﴾ روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا [2] پھر فرمایا کہ اللہ نے مٹی پیدا کی ہفتہ کے دن اور اس میں پہاڑ پیدا کیئے اتوار کے دن اور درخت پیدا کیئے پیر کے دن اور ناپسندیدہ چیزیں پیدا کیں منگل کے دن۔ نور پیدا فرمایا بدھ کے دن۔ اور اس میں جانور پھیلائے جمعرات کے دن [3]

[1] اس حدیث میں افراد مومنین کا ذکر ہے ان کی تفصیل یہ ہے کہ عام مومنین افضل ہیں عام فرشتوں سے اور خاص مومنین افضل ہیں۔ خاص فرشتوں سے بھی۔ خیال رہے کہ خاص مومنین سے مراد حضرات انبیاء و رسل و مرسلین ہیں اور خواص ملائکہ سے مراد ہیں۔ حضرت جبریل و میکائیل وغیرہ اشرف ملائکہ۔ اور عوام مومنین سے مراد ہیں صالحین متقین جن میں خلفاء راشدین خاص خاص تابعین اولیاء اللہ مراد ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ ان الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت اولٰئک ھم خیر البریۃ۔ لہذا حضرات خلفاء راشدین۔ حضور غوث پاک۔ امام اعظم ابو حنیفہ عام فرشتوں سے بھی افضل (دیکھو مرقات)۔ یہ تفصیل خیال میں رہے ہاں انسانیت افضل ہے ملکیت سے۔ مگر صدیق اکبر بعد انبیاء سب سے افضل ہے۔

[2] ہاتھ پکڑنا یا تو اہتمام کے لیے ہے یا بہ تفصیل گنانے کے لیے یا قرب بتانے کے لیے۔

[3] خلاصہ یہ ہے کہ ان مذکورہ چیزوں کی پیدائش کی ابتداء ہفتہ (سنیچر) کے دن ہوئی۔ اور انتہا جمعہ کو جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ ہفتہ کے دن سے مراد ہے اس دن کا آخری حصہ جب کہ تقریبًا اتوار شروع ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں خلق السمٰوٰت والارض

فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب

یا یہ کہا جاوے کہ آیت میں آسمان و زمین کی پیدائش کا

ذکر ہے اور یہاں زمینی چیزوں کی پیدائش کا۔

وَخَلَقَ اٰدَمَ بَعْدَ الْعَصْرِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فِي اٰخِرِ الْخَلْقِ وَاٰخِرِ سَاعَةٍ مِّنَ النَّهَارِ فِيْمَا بَيْنَ الْعَصْرِ اِلَى اللَّيْلِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ ❋ وَعَنْهُ قَالَ بَيْنَمَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَاَصْحَابُهٗ اِذْ اَتٰى عَلَيْهِمْ سَحَابٌ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ هٰذِهِ الْعَنَانُ هٰذِهٖ رَوَايَا الْاَرْضِ يَسُوْقُهَا اللّٰهُ اِلٰى قَوْمٍ

اور آدم علیہ السلام کو جمعہ کے دن عصر کے بعد پیدا فرمایا۔ آخری مخلوق ہیں ؂۱ اور دن کی آخر ساعت میں عصر سے لے کر رات تک کے درمیان ؂۲ (مسلم) ❋ روایت ہے انہیں سے فرماتے ہیں جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بیٹھے تھے کہ اچانک ان پر بادل آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ کیا ہے، صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانتے ہیں ؂۳ فرمایا۔ یہ بادل ہے، یہ زمین کے ساقی ہیں ؂۴ اللہ اسے اس قوم کی طرف لے جاتا ہے

؂۱ یہاں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے مراد یا تو ان کے جسم شریف کی تکمیل ہے یا جسم شریف میں روح پھونکنا مراد ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کے جسم کی ساخت تو بہت عرصہ تک ہوتی رہی۔ ہر قسم کی مٹی پانی کا جمع فرمانا پھر اس کا خمیر کرنا پھر اعضاء ظاہری باطنی کا بنانا پھر بہت روز تک سکھانا اس میں بہت دن لگے۔ یہ ایک دن اور ایک ساعت میں نہیں ہوا جمعہ کو جمعہ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس دن میں حضرت آدم کے جسم شریف کی تکمیل ہوئی۔ جمعہ کے معنی ہیں مجتمع ہونا مکمل ہونا چونکہ آپ تمام مخلوق کے مقصود ہیں۔ اس لیے آپ کو آخر میں پیدا فرمایا گیا مقصود پیچھے ہی آتا ہے۔

؂۲ اسی لیے جمعہ کے دن کی آخری گھڑیاں قبولیت دعا کا وقت ہیں کہ یہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کا وقت ہے دیکھو مرقات یہ مقام۔ اسی لیے صبح صادق کا وقت قبولیت دعا کا وقت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا وقت ہے اور بارھویں ربیع الاول شریف مبارک رات ہے مگر روزانہ صبح صادق وقت قبولیت ہے اور جمعہ کی آخری ساعتیں وقت قبولیت ہیں یعنی آدم علیہ السلام کا فیض ہفتہ میں ایک بار حضور کا فیض روزانہ۔

؂۳ یہ صحابہ کرام کا انتہائی ادب ہے کہ حضور انور کے سوال پر جانی پہچانی چیز کا نام بھی نہیں بتاتے کہ نہ معلوم اس سوال میں کیا راز اور اتنی ظاہر چیز کے پوچھنے میں کیا حکمت ہے ہمارے عرض کردینے سے وہ فوت نہ ہوجائے۔

؂۴ روایا جمع ہے راویہ کی راویہ وہ اونٹنی بھی کہلاتی ہے جو زمین کو سیراب کرے اور وہ بڑی مشک بھی جس میں پانی بھر کر

لَا يَشْكُرُوْنَهٗ وَلَا يَدْعُوْنَهٗ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّهَا الرَّقِيْعُ سَقْفٌ مَّحْفُوْظٌ وَّمَوْجٌ مَّكْفُوْفٌ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهَا خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ سَمَاءَانِ بُعْدُ مَا بَيْنَهُمَا خَمْسُمِائَةِ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ كَذٰلِكَ

جو نہ اس کا شکر کریں نہ اُس سے دعا مانگیں [۱] پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو تمہارے اوپر کیا ہے صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول خوب جانتے ہیں۔ فرمایا آسمان ہے [۲] محفوظ چھت ہے اور روکی ہوئی موج [۳] پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ تمہارے اور اُس کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ عرض کیا اللہ رسول ہی جانیں۔ فرمایا تمہارے اور آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے [۴] پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے اوپر کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں۔ فرمایا دو آسمان، اُن کے درمیان فاصلہ پانچ سو سال ہے پھر فرمایا اسی طرح حتی کہ سات آسمان گنائے [۵]

م اونٹنی پر لاد کر لایا جاوے اور خشک زمین میں بکھیرا جاوے یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بادل سمندر سے پانی لاتے ہیں ادہم پر برساتے ہیں ۱۲

[۱] یعنی بارش اللہ تعالٰی کی نعمت عامہ ہے جو ہر شاکر و کافر کو ملتی ہے جیسے ہوا اور دھوپ۔

[۲] یا تو آسمان دنیا کا نام رقیع ہے یا ہر آسمان کو رقیع کہتے ہیں۔ جمع ہے ارقعہ۔

[۳] اس سے معلوم ہوتا ہے آسمان کا قوام پتلا ہے پانی کی طرح پھر بھی گرنے بگڑنے بہہ جانے سے محفوظ ہے بغیر ظاہری سہارے کے قائم ہے۔ صرف اللہ تعالٰی کی قدرت سے پھر اس کے دروازے بھی ہیں وہ بھی اس کی طرح رقیق و پتلے ہیں۔ جیسے خیمہ کا دروازہ کپڑے کا ہوتا ہے۔

[۴] یعنی چڑھتے ہوئے اتنا فاصلہ ہے جو کوئی چل کر چڑھ کر وہاں جائے تو پانچ سو سال میں پہنچے گر نے کے متعلق وہ حدیث ہے کہ صبح کا پھینکا ہوا پتھر شام سے پہلے زمین پر آجاوے۔ آج جو راکٹ وغیرہ اگر آسمان پر دو تین دن میں پہنچ جاتے ہوں تو یہ رفتار اور ہی ہے جیسے مدینہ منورہ کراچی سے پیدل سال بھر کا راستہ ہے مگر ہوائی جہاز سے صرف چار گھنٹے کا۔ لہٰذا حدیث واضح ہے

[۵] اسی طرح بیان فرمانا کہ ان دو آسمانوں کو علیٰحدہ بیان کیا باقی چار آسمانوں کو علیٰحدہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت ہے اس طرح بات یاد بھی خوب رہتی ہے آسمانوں کا دل ان کی موٹائی بھی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور دو آسمانوں کے درمیان فاصلہ بھی اتنا ہی ہے جتنا بیچ میں خلا ہے۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ تمام آسمان چپٹے ہوئے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے۔ یہ غلط ہے کیونکہ جو آسمان دیکھ کر آئے وہ ...

حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ مَا بَيْنَ كُلِّ سَمَاءَيْنِ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ
وَالْاَرْضِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا فَوْقَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّ فَوْقَ ذٰلِكَ الْعَرْشَ وَبَيْنَهَا وَ
بَيْنَ السَّمَاءِ بُعْدُ مَا بَيْنَ السَّمَاءَيْنِ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ
مَا الَّذِيْ تَحْتَكُمْ قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّهَا
الْاَرْضُ ثُمَّ قَالَ هَلْ تَدْرُوْنَ مَا تَحْتَ ذٰلِكَ قَالُوا اللّٰهُ
وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ اِنَّ تَحْتَهَا اَرْضًا اُخْرٰى بَيْنَهُمَا مَسِيْرَةُ

ہر دو آسمانوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے [1] پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ ان سب کے اوپر کیا ہے۔ عرض کیا کہ اللہ رسول ہی خوب جانیں۔ فرمایا ان کے اوپر عرش ہے [2] اس کے اور آسمان کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو دو آسمانوں کے درمیان ہے [3] پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے جو تمہارے نیچے ہے [4] عرض کی اللہ رسول ہی خوب جانیں۔ فرمایا وہ زمین ہے پھر فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ اس کے نیچے کیا ہے؟ صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی خوب جانیں۔ فرمایا کہ اس کے نیچے دوسری زمین ہے جن زمینوں کے درمیان

دو کے درمیان فاصلہ بتارہے ہیں اور خلا سفر صرف اپنے اندازے سے دیکھنے والے کا قول زیادہ قابل قبول ہے۔

[1] یہ خبر نہیں کہ وہاں اس خلا میں کیا چیز ہے زمین و آسمان کے درمیان جو خلا ہے۔ اس میں تو ہوا، آگ پھر نہایت ٹھنڈا طبقہ یعنی زمہریر ہے۔

[2] فلاسفہ کہتے ہیں کہ عرش و کرسی بھی دو آسمان ہیں۔ اور آسمانوں کی تعداد نو ہے مگر غلط ہے آسمان سات ہیں عرش و کرسی ان کے علاوہ ہیں۔ ان دونوں کی حقیقت آسمانوں کی حقیقت سے وراء ہے۔

[3] یعنی جتنا فاصلہ پانچ سو سال کا آسمان و زمین کے درمیان ہے۔ اتنا ہی فاصلہ ساتویں آسمان اور عرش عظیم کے درمیان ہے۔ وہ فاصلہ دو آسمانوں کے درمیان ہے۔

[4] یہاں نیچے سے مراد قدم کے نیچے ہے۔ جس سے ہمارے قدم لگے ہوئے ہیں۔ اگر چہ حضرات صحابہ جانتے تھے کہ یہ زمین ہے مگر پھر عرض یہ ہی کیا کہ اللہ رسول جانیں یہ ہے۔ اُس بارگاہ کا ادب ؂

خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ حَتّٰى عَدَّ سَبْعَ اَرَضِيْنَ بَيْنَ كُلِّ اَرْضَيْنِ مَسِيْرَةُ خَمْسِمِائَةِ سَنَةٍ ثُمَّ قَالَ وَالَّذِىْ نَفْسِىْ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ ثُمَّ قَرَأَ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمِذِىُّ وَقَالَ التِّرْمِذِىُّ

درمیان پانچ سو سال ہیں ۱؎ حتی کہ سات زمینیں شمار فرمائیں ۲؎ ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے پھر فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم ایک رسی نیچی زمین کی طرف لٹکاؤ تو اللہ پر ہی گرے گی ۳؎ پھر قرات فرمائی وہ اول ہے اور آخر ظاہر ہے اور باطن اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۴؎ (احمد، ترمذی) اور ترمذی نے فرمایا

۱؎ فلاسفہ کہتے ہیں کہ زمین صرف ایک ہے یا اگر سات ہیں تو ایک دوسری سے چپٹی ہوئی ہیں، جیسے پیاز کے چھلکے کہ دیکھنے میں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں مگر دو یا تین غلط ہیں۔ زمینیں سات ہیں اور ہر دو زمینوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔ جیساکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے خلق سبع سماوات ومن الارض مثلھن۔

۲؎ خیال رہے کہ تمام زمینوں کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی مٹی مگر ساتوں آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں اس لیے قرآن مجید میں سماوات جمع ارشاد ہوتا ہے اور زمین کو الارض واحد کہا جاتا ہے لہذا یہ حدیث ان آیات کے خلاف نہیں۔

۳؎ یعنی اللہ تعالٰی کے ملک اس کے علم اس کی قدرت پر گرے گی۔ جہاں پہنچے گی وہاں اللہ تعالٰی ہی کا ملک وعلم ہوگا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے من اقطار السموات والارض فانفذوا لاتنفذون الا بسلطان۔ مقصد یہ ہے کہ رب تعالٰی کا ملک صرف آسمانوں میں محدود نہیں ہے ہر جگہ ہے علماء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج آسمانی کرائی گئی وہاں بھی رب تعالٰی ہی کا کرم و نوازش تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچا کر معراج کرائی گئی وہاں بھی رب تعالٰی ہی کا کرم و نوازش۔ بقدر مرتبات اسی لیے حضور انور نے اگلی آیت تلاوت فرمائی۔ ۴؎ ان چاروں نام شریف کی تفسیر اسماء حسنٰی کی شرح میں گزر چکی اول معنی قدیم ہے کہ جب نہ تھا تو وہ تھا۔ یہ حادث کا مقابل ہے آخر کے معنی ہیں باقی غیر فانی جب کچھ نہ رہے تو وہ رہے گا اس کے صفات ایسے ظاہر کہ بچہ بچہ جانے اس کی ذات ایسی مخفی کہ کوئی اسے نہ پاسکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ ما عرفناک حق معرفتک رہا تو ذکر ہی کیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قِرَاءَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْآيَةَ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ اَرَادَ لَهَبِطَ عَلٰى عِلْمِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ عِلْمُ اللّٰهِ وَقُدْرَتُهٗ وَسُلْطَانُهٗ فِىْ كُلِّ مَكَانٍ وَهُوَ عَلَى الْعَرْشِ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهٗ فِىْ كِتَابِهٖ وَعَنْهُ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آیت پڑھنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے علم پر اس کی قدرت پر اس کی حکومت پر گرے اللہ کا علم اس کی قدرت اس کی بادشاہت ہر جگہ ہے لے اور وہ عرش پر ہے جیسے اس نے خود اپنی کتاب میں اپنی تعریف فرمائی ۲ے روایت ہے انہیں سے

۳

یا خفی الذات محسوس العطاء	انت کالماء و نحن کالرحی
انت کالریح و نحن کالغبار	یختفی الریح و غبراہ جہار

ایک صوفی فرماتے ہیں۔

بے حجابی یہ ہے کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار	اس پہ یہ گھونگھٹ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے	ایک تو دیدہ ہے لے تیرے سوا نادیدہ ہے

یا اول وہ جو سب کو پیدا فرمائے آخر وہ جو سب کو فنا کرے ظاہر وہ جو سب پہ غالب ہو جو چاہے کرے باطن وہ جو ہر آفت زدہ مصیبت کے مارے کی پناہ ہو۔ اس کے ساتھ ہی وہ ہر چیز کا عالم بھی ہے۔ (از مرقات)

لے یہ وہ ہی شرح ہے جو ابھی ہم نے عرض کی اللہ تعالٰی کسی جگہ میں نہیں وہ جگہ سے پاک ہے جب جگہ نہیں بنی تھی وہ جب بھی تھا کہاں تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ کہاں جہاں۔ یہاں وہاں سے پاک ہے ہاں اس کی سلطنت حکومت علم قدرت ہر جگہ ہے کوئی جگہ اس کی سلطنت سے خالی نہیں۔

۲ے اس میں اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے ثم استوی علی العرش یعنی اس کا خاص تجلی گاہ عرش ہے اس کا پایۂ تخت جہاں سے اس کے احکام جاری ہوتے ہیں وہ عرش ہے ورنہ عرش بھی اس کی جگہ نہیں۔ مگر خیال رکھنا کہ وہ جگہ سے تو پاک ہے مگر ملتا ہے دو جگہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لوجدوا اللہ توابا رحیما یا مومن کے دل میں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است	من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دل مومن بہ گنجم اے عجب	گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

ہونے اور ملنے میں بڑا فرق ہے۔ بلا تشبیہ بجلی کا پاور سارے تار میں ہے مگر ملتا ہے وہاں جہاں بلب ہو۔ یہ بات بہت ہی لحاظ سے لکھی جائے۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ طُوْلُ اٰدَمَ سِتِّیْنَ ذِرَاعًا فِیْ سَبْعِ اَذْرُعٍ عَرْضًا ۔ وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاَنْبِیَاءِ کَانَ اَوَّلَ قَالَ اٰدَمُ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَنَبِیٌّ کَانَ قَالَ نَعَمْ نَبِیٌّ مُکَلَّمٌ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَمِ الْمُرْسَلُوْنَ قَالَ ثَلٰثُمِائَۃٍ وَبِضْعَۃَ عَشَرَ جَمًّا غَفِیْرًا

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم کی لمبائی ساٹھ گز تھی سات گز چوڑائی[۱] روایت ہے حضرت ابوذر سے فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہ کون سے نبی پہلے ہیں فرمایا آدم علیہ السلام[۲] میں نے عرض کیا یارسول اللہ کیا وہ نبی تھے فرمایا ہاں کلام والے نبی[۳] میں نے عرض کیا یارسول اللہ رسول کتنے ہیں فرمایا تین سو اور کچھ اوپر دس بڑی جماعت[۴]

۱؎ یہاں دونوں جگہ گز سے مراد شرعی گز ہے ایک ہاتھ یعنی مروجہ گز کا آدھا گز ڈیڑھ فٹ یا اٹھارہ انچ یہ بھی خیال رہے کہ ہاتھ سے مراد آج کل کا ہمارا ہاتھ ہے۔ یعنی ہمارے ہاتھ سے آپ ساٹھ ہاتھ لمبے تھے اور سات ہاتھ چوڑے اور اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ تھے ہر شخص چھوٹا بڑا بچہ جوان اپنے ہاتھ سے ساڑھے تین ہاتھ لمبا ہوتا ہے۔ آپ کا اپنا ہاتھ شریف ہمارے سترہ ہاتھ کا تھا۔

۲؎ آدم علیہ السلام پہلے انسان ہیں اور پہلے نبی تاکہ کوئی وقت نبوت سے خالی نہ رہے زمانہ نبی سے خالی ہوسکتا ہے۔ نبوت سے خالی نہیں ہوسکتا۔ آج بھی ہمارے حضور کی نبوت موجود ہے۔

۳؎ یعنی آپ نبی بھی تھے اور آپ پر صحیفے الہیہ بھی نازل ہوئے تھے۔ یعنی صاحب صحیفہ نبی تھے۔

۴؎ مرسلین سے مراد رسول ہیں۔ نبی رسول اور مرسل میں چند طرح فرق کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ نبی وہ انسان ہیں جن پر وحی الٰہی آئے کتاب یا صحیفہ آئے یا نہ آئے، رسول وہ جن پر وحی بھی آئے اور انہیں کتاب یا صحیفہ بھی ملے مرسل وہ جن کو نئی کتاب اور نئی شریعت عطا ہو۔ نبی رسول تین سو تیرہ یا چودہ یا پندرہ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ نبی وہ جن پر وحی بھی آئے۔ رسول وہ جن پر وحی بھی آئے۔ اور انہیں کوئی معجزہ بھی عطا ہو (مرقات)۔

وَفِی رِوَایَۃٍ عَنْ اَبِی اُمَامَۃَ قَالَ اَبُوْذَرٍّ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ کَمْ وَفَاءُ عِدَّۃِ الْاَنْبِیَاءِ قَالَ مِائَۃُ اَلْفٍ وَّاَرْبَعَۃٌ وَّعِشْرُوْنَ اَلْفًا اَلرُّسُلُ مِنْ ذٰلِکَ ثَلٰثُ مِائَۃٍ وَّخَمْسَۃَ عَشَرَ جَمًّا غَفِیْرًا ؛ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی

اور ایک روایت میں حضرت ابوامامہ سے ہے [1] کہ جناب ابوذر نے فرمایا میں نے عرض کیا یارسول اللہ نبیوں کی پوری تعداد کتنی ہے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار جن میں سے رسول تین سو پندرہ ہیں بڑی جماعت [2] روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ خبر دیکھنے کی طرح نہیں [3] اللہ تعالٰے نے

[1] یہاں ابوامامہ سے مراد ابوامامہ باہلی نہیں کہ وہ تو صحابی ہیں بلکہ ابوامامہ سہل ابن حنیف انصاری اوسی مراد ہیں آپ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے پیدا ہوئے۔ عظیم الشان تابعی ہیں آپ کی عمر بانوے ۹۲ سال ہوئی سنہ سو ہجری میں وفات پائی۔ (مرقات)

[2] یہ حدیث گذشتہ حدیث کے اجمال کی تفصیل ہے وہاں ارشاد ہوا تھا تین اور کچھ اور دس اس کچھ کی تفصیل کی ہے یعنی کل رسول تین سو پندرہ ہیں خیال رہے کہ تین سو تیرہ کی بھی روایت ہے اور چودہ کی بھی یہاں پندرہ ہے اس لیئے ایمان اس طرح لائے کہ سارے نبیوں رسولوں پر ہمارا ایمان ہے یہ بھی یاد رکھو کہ نبی رسول اور مرسل میں عام خاص کی نسبت ہے جیسے انسان اور حیوان میں ہر مرسل رسول بھی ہے نبی بھی مگر ہر نبی رسول یا مرسل نہیں۔ نکتہ۔ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار رسول تین سو تیرہ۔ مرسل چار ہیں اسی طرح صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں اور خلفاء راشدین چار پھر چار مرسلین میں ایک ہیں خاتم المرسلین یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسی طرح چار خلفاء راشدین میں ایک ہیں افضل الخلق بعد النبیین یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔

[3] یعنی خبر چاہے کتنی ہی یقینی ہو مگر اس کا اثر مشاہدہ کی طرح نہیں ہوتا مشاہدہ اور نظارہ کی دل پر تاثیر ہی عجیب ہوتی ہے اس سے پتہ لگا کہ حضور سید المرسلین ہیں کیونکہ سارے نبیوں کو رب تعالٰے کی ذات و صفات کی عالم غیب میں خبر دی گئی، مگر حضور انور کو معراج کی رات ان سب کا مشاہدہ معائنہ کرایا گیا۔ خبر معائنہ کی طرح نہیں ہوسکتی تو خبیر یعنی بصیر کی طرح نہیں ہوسکے

أَخْبَرَ مُوسٰى بِمَا صَنَعَ قَوْمُهُ فِي الْعِجْلِ فَلَمْ يُلْقِ الْأَلْوَاحَ فَلَمَّا عَايَنَ مَا صَنَعُوا أَلْقَى الْأَلْوَاحَ فَانْكَسَرَتْ رَوَى الْأَحَادِيثَ الثَّلٰثَةَ أَحْمَدُ۔

موسٰی علیہ السلام کو وہ سب کچھ بتایا جو اُن کی قوم نے بچھڑے کے متعلق کیا۔ اس وقت آپ نے تختیاں نہیں گرائیں۔ پھر جب ان کی حرکت دیکھی تو تختیاں گرادیں۔ وہ ٹوٹ گئیں[۱] ان تینوں حدیثوں کو احمد نے روایت کیا۔

انا ارسلنك شاهدا۔ اس لیے حضرت خلیل نے عرض کیا تھا کہ مولٰی مردے جلا کر دکھادے تاکہ میں اس پر صرف خبیر نہ رہوں، بصیر بھی ہوجاؤں۔ خلیل کو مردے اور آن کا بن آٹھنا دکھایا گیا۔ حضور کو جلانے والا خود حی قیوم دکھایا گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۱] یہ واقعہ اُس دعوٰی کی تائید کے طور پر بیان فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی کی خبر موسٰی علیہ السلام کو رب نے ہی دے دی تھی، جو بالکل یقین سچی تھی۔ مگر آپ کو جوش غضب جب آیا اور توریت کی تختیاں آپ نے جب ڈالیں۔ جبکہ اُس کو آنکھوں سے مشاہدہ فرمایا۔ اس کی تفصیل و تشریح ہماری تفسیر میں دیکھو۔

یہ مرآت جلد ہفتم آج ۵ ذی قعدہ ۱۳۸۶ھ - ۵ فروری ۱۹۶۶ء بروز دوشنبہ ختم ہوئی۔ رب تعالٰی آٹھویں جلد بھی مکمل کرائے۔

فہرست مضامین مرآت جلد ہفتم

اطلاعِ عام